لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اسوۃ الرسول ص

جلد دوم

سوانح حیات مقدسہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین رسول اکرم محمد بن عبداللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از

آغاز حالات ولادت باسعادت آنحضرت تا واقعات پنجم سال ہجرت

مولفہ

خان بہادر سید اولاد حیدر

بلگرامی

(مولف سوانح حضرات چہاردہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین)

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر اللہ خاں کے اہتمام سے چھپی

اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاھرین

خدائے سبحانہ تعالیٰ کی مہربانی اور ملک وقوم کی قدردانی کے شکریوں کے ساتھ ہم اسوۃ الرسول کی جلد دوم۔ بالغ نظران قوم وملت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ہے توقع قبول پذیرش باد

جلد اوّل میں قبل از اسلام عرب کے تاریخی جغرافی۔ سیاسی۔ تمدنی۔ قومی۔ اور مذہبی حالات وواقعات مفصل اور مسلسل طور پر بیان ہوچکے ہیں۔ اور انھیں کے ساتھ ساتھ انبیائے سابقین سلام اللہ علی نبینا وآلہ وعلیہم اجمعین کی شریعتیں۔ طبقات امم سابقہ میں ان حضرات کی تعلیمیں اون کی تبلیغی خدمتیں قوم وقبائل کو خدا پرستی اور نیک سرشتی کی ہدایتیں جو اصلاً شریعت اسلامیہ کا مقدمہ تھیں۔ تاریخ وسیرت کے خاص اصول پر سلسلہ وار پوری تفصیل سے قلمبند کردی گئیں ہیں سابق انبیائے عرب کے ذکر حالات میں خاص طور پر سلسلہ مقدسۂ ابراہیمی اور خانوادۂ مطہرۂ اسمٰعیلی کے حالات وواقعات زیادہ تفصیل وتشریح سے بیان کئے گئے ہیں اسلئے کہ یہی حضرات معدن انوار ختم النبیینؐ ومخزن آثار واسرار سید المرسلینؐ صلی اللہ علیہ وآلہ الطاہرین تھے۔

اس شجرۂ طیبہ میں قیدار بن اسمٰعیلؑ سے لے کر حضرت عبد المطلب تک جتنے قابل الذکر بزرگوار گذرے ہیں اون کے حالات وواقعات تحقیق کرکے تفصیل سے لکھدئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ کلیات اولین کے انھیں مقدمات سے خاتم الرسالت کا آغاز ہوتا ہے یا یوں سمجھا جاوے کہ اسی مبتدا سے مخبر صادق علیہ السلام کی تمام خبروں کے سلسلہ واقعات مسلسل ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ قدیم ماخذوں کے طریقہ تالیف کے خلاف۔ جدید تاریخ نویسوں اور سیرت نگاروں نے ان بزرگوں کے حالات کو واقعات قبل اسلام سمجھکر یا سیرت النبی کے موضوع خاص سے زاید جانکر قلم انداز کردیا ہے لیکن ہم نے ایکے نقل واندراج کو اس لئے ضروری اور مفید سمجھا ہے کہ انکے ذکر وبیان سے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کی قدامت وقار۔ وجاہت واقتدار اور ملک وقوم پر انکا اعتبار واختیار ثابت ہوتا ہے۔ اور انھیں امور کے ساتھ اونکی سلامت روی نیک نفسی خوش اخلاقی اور قوم ووطن کے ساتھ ہمدردی کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

جلد دوم میں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر ہجرت کے پانچ سال تک کے تمام حالات وواقعات کامل تشریح وتفصیل سے قلمبند ہیں۔ آغاز رسالت سے پہلے نزول رسالت کے اسباب اور خاص کر جزیرہ نمائے عرب میں حضرت ختم المرسلینؐ کی **بعثت** اور آغاز رسالت کے قیام وتعین کی مخصوص توجیہات تاریخی ثبوت کے ساتھ مندرج کی گئی ہیں۔ اسی ضمن میں عرب کے تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب وعقائد اور دستور ومراسم بھی بیان کئے گئے ہیں۔ خاص کر عرب کے دو بڑے مذہب یہود وعیسائی شریعتوں کے زور ومد کی پوری کیفیت لکھی گئی ہے۔ اس لئے کہ اسلام کو ہر ہر مقام پر ان سے مقابلہ کا متواتر اتفاق ہوا ہے

یہود سے زیادہ عیسائیوں کی سرعت اون کے اعتقادات۔ اعتقادات میں خود غرضانہ اختراعات۔ آپس میں فرقہ بندیاں۔ ان تمام فرقوں کے جدا جدا حالات بقید سنہ سلسلہ وار درج کئے گئے ہیں اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں انکی مخالفت اتنی ضرر رساں ثابت نہیں ہوئی ہے جتنی موجودہ وقت وزمانہ میں عرب کی تاریخ اور اسلام کا کارنامہ یہودیت وعیسائیت کے بڑے بڑے نیرنگ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دکھلاتا ہے یہود تو اسلام کے ساتھ جوش جی بھر کر لڑے مارا اور مرے لیکن ان کے برعکس عیسائیوں کے ابتدائی ہی سے اسلام کے مقابل قطعی خموشی اور سکوت اختیار کیا کبھی کبھی انکی مہر سکوت ٹوٹی بھی تو اسلام کے متعلق ان کے منہ سے الفاظ تائید ی اور تصدیقی ہی نکلے (ملاحظہ ہو۔ راہب بحیرا کی اون تصدیق رسالت آنحضرتؐ۔ نجاشی کی تائید وتصدیق اسلام واقعہ ہجرت اولی۔ عداس کا اقرار رسالت سفر طائف قبل ہجرت) اوس زمانہ میں عیسائیوں کی یہ خموشی اون کی حیلۃ الوقتی اور حکمت عملی پر مبنی کی جائے یا اون کی کمی اعداد اور قلت افراد کی وجہ سے قرار دی جائے۔ لیکن یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ بمقابلہ یہود۔ ابتدا میں اسلام کو عیسائیوں سے اتنا ضرر نہیں پہونچا۔ جتنا یہودیوں سے۔

یہود اسلام کے مٹانے کی کوششوں کے ساتھ عرب سے آپ ہی مٹ گئے اور اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے آج تک نہ پھر قومی اعتبار ہی حاصل کر سکے اور نہ دینی اقتدار۔ ان کے برعکس عیسائیوں نے حفاظت وحمایت اسلام کے سایہ میں آکر مغربی وشمالی عرب میں اتنی قوت وعظمت حاصل کر لی۔ کہ وہیں سے بلاد یورپ اور تمام اقطاع عالم میں پھیل گئے لیکن قوت وعظمت پا جانے کے زمانہ سے لے کر آج تک اوسی اسلام کو۔ جو ہر زمانہ میں انکا محسن اور معاون ثابت ہو چکا تھا عیسائیوں نے ہدف ملامت بنا رکھا ہے ؎

کس نیاموخت علم تیر از من　　　که مرا عاقبت نشانہ نکرد

قیام مکہ کی سیز دہ سالہ مدت میں محض طور پر تبلیغ رسالت اور دعوت اسلام کے تمام واقعات وحالات مفصل طور پر لکھے گئے ہیں اور اون سعادت مندان روزگار کے تفصیلی حالات قلمبند کئے گئے ہیں جنھوں نے اپنی تحقیق وتلاش خاص سے اسلام کی تصدیق کی اور مشرف بایمان ہو کر سعادت اسلام کا شرف خاص حاصل کیا۔ اسلامی سیرت نگار۔ ان واقعات کو

را ید سمجھکر تفصیل سے نہیں لکھتے۔ لیکن ہم نے ان کے واقعات کو اسلام کے روحانی آثر کا معیار صداقت قرار دے کر پوری تفصیل سے لکھا ہے اور حتی الامکان ان تمام بزرگوارں کے قبول اسلام اور حصول ایمان کے مفصل حالات درج کئے ہیں۔ جنھوں نے اپنی تحقیق وتلاش۔ غور وخوض اور ذاتی مشاہدہ وتجربہ سے اسلام کی صداقت کے اعتراف کا اظہار اور اوس کی متابعت کا اقرار کیا ہے

قیام مکہ کے زمانہ میں داعی اسلام علیہ وآلہ السلام پر ظالمین قریش اور مشرکین مکہ کی طرف سے جو مظالم اور تشدداید کئے گئے اور دعوت اسلام کی مخالفت میں جو انواع واقسام کی تدبیریں عمل میں لائی گئیں اور بیرونی اقوام وقبائل سے سازشیں کی گئیں وہ موجودہ تمام اسلامی سیرت کی کتابوں سے زیادہ مفصل طور پر لکھی گئیں ہیں۔

عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانی - دو بیعتوں کے احوال کو پوری تشریح وتوضیح سے لکھکر اسلام کی **مخفی دعوت** کی حقیقت اور اوس کے فواید وضرورت کو پورے طور سے ثابت کر دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ اکثر خوش اعتقادان اسلام کی مبادرت واستعجال نے ابتدا میں اعلان اسلام پر اصرار قبل از وقت کر کے فائدے کی جگہ نقصان اوٹھایا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو علی الاکثر سیرت نگاروں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

تیرہویں سال نبوت سے **ہجرت** کے پہلے سال کی ابتدا ہوتی ہے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام **مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ** میں تشریف لے جاتے ہیں **واقعات ہجرت** میں تقلید اسلاف اور تاکید وتائید عقاید کے زیر اثر ہو کر جیسی اور جتنی نقاب فگنی کی گئی ہے اوس کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے اور ان تمام خارجی اور بیرونی گرد وغبار سے حقیقت واصلیت کا جمال آئینہ نما صاف کر دیا گیا ہے۔

قیام مدینہ کے وقت سے **پانچ برس** تک کے مفصل اور مسلسل واقعات ہماری موجودہ **جلد دوم** کے مخصوص جزئیات میں۔ بیعت عقبہ اور تعیین نقباء دوازدہ گانہ کے بعد **مبلغین اسلامی** کی خدمات۔ ہجرت صحابہ مہاجرین معتقدین انصار کے بے نظیر اکرام وایثار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود۔ قبا اور مدینہ میں آپ کا خیر مقدم۔ عقیدتمندوں کا پر جوش استقبال۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا شرف میزبانی۔ تعمیر مسجد نبوی وغیرہ وغیرہ۔ بظاہر تو یہی حالات ہیں جو تمامی کتب تاریخ وسیرت میں عموماً مندرج ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر واقعات میں ان تمام جزئیات کی بھی تفصیل کر دی گئی ہے جو عموماً سیرت نویسوں کے قلم سے چھوٹ گئے ہیں۔

ما واقفکار آں حقیقت۔ اسباب ظاہر پر نظر رکھکر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ میں پہونچتے ہی اسلام اور **بانئ اسلام علیہ السلام** کو ہر امر میں آسانی۔ فراغت۔ آرام اور اطمینان مل گیا۔ ایسا سمجھنا حقیقت سے ناواقفیت اور وقعیت سے بے خبری ہے۔ ایسا نہیں۔ مکہ کی خموش اور مخفی تبلیغ سے علانیہ اور علی روس الاشہاد ہدایت وارشاد زیادہ پر خطر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ معتدبہ اعوان وانصار کی وجہ سے دعوت اسلام کو اب اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تو کیا

اس تنہا ضرورت کے رفع ہو جانے سے اعلان اسلام کی تمام دشواریاں بھی چلی گئی تھیں بلکہ عملی تبلیغ میں تو دشمنوں کے مظالم اور ایذا رسانی کے کم اندیشے تھے اس لئے کہ اُن کو صبر ہی نہ ہوتی تھی۔ ظاہری اور علی الاعلان دعوت ایمان کے وقت تو گویا اون کے مظالم کے لئے کوئی جواب ہی نہیں تھا اس لئے حقیقت شناس حضرات جب ان دونو مختلف مقامی حالات پر موازنہ کی نظر ڈالتے ہیں تو انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ مکہ سے زیادہ مدینہ میں ایک ایک قدم اسلام کی تعلیم و تبلیغ کی تمام راہیں انواع و اقسام کی دشواریوں سے بھری پڑی تھیں۔

انھیں دشواریوں کو انتہا اہمیت نظر رکھکر پیغمبر اسلام علیہ السلام نے **اتحادّ عام** اور **مساوات بین الاقوامی** کی تعلیم سے دعوت اسلام کا آغاز و افتتاح فرمایا۔ اس لئے کہ مکہ کی طرح مدینہ ایک ہی قوم و مذہب کے لوگوں کا مرکز نہیں تھا۔ بلکہ خاص مدینہ اور اوس کے گرد و نواح میں مختلف مذاہب عقاید اور قبائل کے لوگ آباد تھے اس بنا پر یہ ناممکن تھا کہ تنظیم اتحاد و یکجہتی کے بغیر اسلام کے انتظام اور اوس کے مجوزہ عنوان امن عام وہاں قائم ہوسکیں مدینہ کے قدیم باشندے **یہود و انصار** تھے۔ یہود تو یہود۔ **انصار** جو اسلام کے خاص الخاص میزبان تھے اور معین و مددگار اوس و خزرج کے دو مخالف فرقوں میں منقسم تھے۔ یہ تعلیم اسلام ہی کے فیوض تھے جنھوں نے ان کی قدیم مخالفت کو باہمی موالفت سے بدل کر کے دونو فرقوں کو ایک رشتہ اتحاد میں وابستہ کر دیا انصار کے بعد یہود سے بھی شرائط صلح و امن عام پر اقرار دستخطی کرا کر انصار و یہود گویا دونو قوموں کو ایک کر دیا جیسا کہ آیندہ تفصیل سے معلوم ہوگا

مدینہ منورہ کی **اندرونی تنظیم اتحاد** کو درست کرکے پیغمبر اسلام علیہ السلام نے گرد و پیش کی غیر مسلم قوم و قبایل کو بھی اسلام کے ساتھ شرائط امن عام میں شریک کر لیا۔ صلح و آشتی کے اس پیام عام اور اتحاد و یکجہتی کی اس دعوت خاص میں **رحمت عالم** صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس انہماک خاص سے کام لیا کہ مدینہ میں تشریف آوری کے زمانہ سے لے کر زاید ایک سال تک کی مُدت اسی انتظام میں تمام ہوگئی۔ بیرونی قوم و قبائل کے پاس کبھی چھوٹی چھوٹی صحابہ کی وفدیں بنا بنا کر اس **پیام صُلح** کے ساتھ بھیجی جاتی تھیں اور علی الاکثر۔ دور و دراز مقاموں میں مہاجرین و انصار کی جماعت کے ساتھ خود تشریف لیجا کر غیر مسلم قوموں کو اسلام کے اس معاہدہ امن و امان عام میں شریک فرمایا جاتا تھا۔

اسلامی تاریخ و سیرت کے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم۔ امن عام کے موجودہ انتظام کی کوششوں میں اکثر مدینہ سے نکل کر مکہ کی نصف راہ تک چلے جاتے تھے۔ اور ان دور و دراز مقامات میں مہینوں اور کئی ہفتوں تک ٹھہر جاتے تھے۔ اور جب تک کہ معاملات یکسو نہ ہو لیتے تھے۔ مدینہ میں واپس نہ آتے تھے۔ وہ وقت اور اوس کی ضرورتیں صاف صاف بتلا رہی ہیں کہ اسلام اور تمام اقوام کے امن عام کے لئے یہ انتظام کیسے ضروری اور مفید تھے۔

اکثر سیرت نگاروں نے ان معاہدین الاقوامی کے حالات و واقعات کو طوالت کے خیال سے مفصل نہیں لکھا ہے اور ان کے نقل و استنباط میں اختصار اختیار کیا ہے لیکن ہم نے ان حالات کو اوسی تفصیل سے قلمبند کیا ہے جس تفصیل سے ...

تشریح سے بھی اصلی ماخذوں میں مندرج کئے گئے ہیں اسلئے ڈریعے نقل و اندراج سے مخالفین اسلام کے اون اعتراضات کی کامل تردید ہوجاتی ہے جو عالم فریبی کی غرض خاص سے اسلام کے آثار اشاعت کو تیغ زنی اور عام خونریزی کا دیباچہ قرار دیتے ہیں

عیسائی معترضین اگر کچھ بھی دیدۂ بیدار رکھتے ہیں تو اسلام کے ان معاہدین الاقوام کو پڑھیں۔ اوس کے شرائط کو ملاحظہ فرمائیں کہ امن و امان اور آرام و اطمینان قایم رکھنے کے فواید و منافع مسلم قوم و قبائل تک محدود نہیں رکھے گئے تھے بلکہ یہ تمام شرائط اپنے تمام منافع و فوائد کے ساتھ اون قوم و قبائل کے ساتھ بھی اپنی عملی صورتوں میں ویسے ہی تھے جو اس وقت تک اسلام سے بالکل علیحدہ اور بیگانہ تھے۔ مگر اس وقت امن عام کے اصول پر رضامند ہو کر اسلام کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہوگئے تھے۔

اس معاہدہ کی قبولیت و منظوری میں قبول اسلام کی شرط ضروری نہیں تھی۔ مدعا صرف امن پسندی اور صلح پذیری سے تھا۔ ہر قوم و قبیلہ اسی لئے۔ عام اس سے کہ اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ اگر وہ امن عام قائم رکھنے پر راضی ہوگیا ہے تو وہ بلا عذر اسلام کے معاہد کا حلیف و شریک بنالیا گیا ہے۔ وہ اپنے تمام مذہبی اور قومی فرائض و مراسم کی ادائیگیوں میں بلا امتیاز مسلم قوموں کی طرح آزاد اور خود مختار ہے اور اپنے حقوق و مطالبات میں مسلم قوموں کے ساتھ برابر اور مساوی ہے غزوۂ ودان۔ بواط۔ ذو العشیرہ۔ وغیرہ وغیرہ میں رحمت سفر اسی نظر رحمت سے خاص طور پر امتیاز پر عمل کی گئی تھی

عیسائی معترضین پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کے اس عملی انتظام اور حضرت عیسیٰ مریم علیہ السلام کے اس احکام کو کہ۔ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں آیا۔ بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ انجیل متی۔ باب ۱۰ آیت ۳۴ میں پڑھ کر خود تصفیہ کرلیں کہ ان دو نو بزرگواروں میں صلح کرانے کے پیام کون دیتا ہے اور تلوار چلوانے کے احکام کون؟

اس کے متعلق یہ بھی تبلا دینا نہایت ضروری ہے کہ غزوہ کے نام سے عام طور پر عیسائیوں کو وحشت اور اون کے دیکھا دیکھی ہمارے شمس العلما مولوی شبلی صاحب کو اوس سے زیادہ دہشت ہوتی ہے۔ چونکہ تمام عربی تاریخ و حدیث کی کتابوں میں اصطلاح خاص کے مطابق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر خاص کو غزوہ کے لفظ خاص سے موصوف کیا گیا ہے اور محاورہ عام میں غزوہ جنگ کے معنوں میں لیا گیا ہے اس لئے کہ اصلاً غزی سے مشتق ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام غزوات رسول صلعم عموماً جنگی معارک سمجھ لئے گئے ہیں۔ یورپین معترضین نے اس محاورہ کی غلطی سے خاص فائدہ اوٹھایا ہے اور غزوات کی کثیر التعدادی سے اشاعت اسلام کو عام طور پر سیف زنی اور خونفشانی کا نتیجہ تبلایا ہے حالانکہ یہ لغو یا نہ غلطی بھی ہے اور خود غرضانہ عالم فریبی۔

شبلی صاحب کو معترضین کی اسی اشارت نے گھبرا دیا اور آپ نے بھی تاریخ نگاران و سیرت نویساں

اسلامی پر تعدد غزوات کا الزام لگا ہی دیا۔ حالانکہ معترضین اگر حقیقت شناس نہیں تھے تو ان کو اس اصطلاح خاص کا علم کامل حاصل تھا آپ تو جانتے تھے کہ اتنے کثیر التعداد غزوات میں سوائے چند کے اور سب میں اسلام نے صرف تقریر سے کامیابی حاصل کی ہے۔ نہ شمشیر سے لیکن چونکہ ان تمام موقعوں پر **پیغمبر اسلام** علیہ السلام بالنفس النفیس شریک تھے اسلئے اصطلاح خاص کے موافق اسلامی مورخین و اہل سیرت ان مقامات کے تمام حالات کو بھی غزوہ کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حالانکہ اس تعبیر سے ان کا اصل مدعا سفر رسول تھا جب حقیقت حال **شبلی** صاحب پر روشن ہو چکی تھی جیسا کہ سیرۃ النبی میں ذکر غزوہ حمراء الاسد لکھ کر بتلا بھی دیا گیا ہے تو پھر سلسلہ غزوات کی تمہید میں ایسی مضطربانہ تحریر کیوں ملحق فرمائی گئی ہے جس سے سیرت و تاریخ کے مدراج کی بنا پر آپ کا تعدد و کثرت غزوات کے متعلق ہونے تسلیم و ایجاب ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بحث کے خاص مقام پر آپ کے اضطراب کا کامل اطمینان کر دیا ہے۔

معاہدہ صلح عام کے شرائط کچھ عرب کی **بت پرست** قوم ہی کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں تھا بلکہ مدینہ کے خاص یہود اور اس کے تمام قریب کے قبائل و عشائر نے نہایت مسرت اور رضامندی و رغبت سے اسلام کے ان مجوزہ اور پیش کردہ شرائط صلح کو قبول کیا اور اپنے ہم وطن اور ہمسایہ مسلم قوموں کے ساتھ قوم متحدہ کے اصول پر ہمیشہ کار بند اور عمل پیرا رہنے کے لئے اقراری دستخط کر دئے لیکن سال ہی بھر کے بعد پھر کفار قریش کی مکارانہ سازشوں نے یہودیوں کو دام فریب میں لا کر اسلام کی عظیم اتحاد کے شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور قوم یہود کی فطرتی غداری اور خلقی پیمان شکنی کی بداخلاقیوں نے اسلام کی صلح عام کے موجودہ انتظام کو درہم و برہم کر دیا۔

یہیں تک بس کر دیتے تو اتنی تکلیف دہ وہ ثابت نہ ہوتے۔ یہود اپنی **پیمان شکنی اور خلاف عہدی** کے ساتھ ظالمین قریش اور مشرکین مکہ سے ملکر اسلام کے استیصال اور بیخ کنی پر طیار ہو گئے اور پھر اس شدت و عصبیت کے ساتھ کہ اسلام کو ان پہلو کے دشمنوں سے جان بچانا دشوار ہو گیا۔ جیسا کہ ان کے حالات سے مختلف مقامات کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

کفار قریش تو ابتدا ہی سے استیصال اسلام پر تلے ہوئے تھے۔ موجودہ تنظیم اتحاد کو جو مختلف اقوام و قبائل میں اسلام کے خاص اہتمام سے قائم ہو رہی تھی۔ دیکھ کر اور بھی جل اٹھے۔ اور اپنی قدیم مکارانہ اور عیارانہ تدبیروں سے اسلام کے درپئے آزار ہوئے۔ ایک بار دس مبلغین اور دوسری بار چالیس **مبلغین اسلام** کو تعلیم دین کے حیلہ سے۔ خدمت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اجازت لے کر ہمراہ لے گئے اور گھر لا کر خونخوار شریر باتوں نے بے گناہ مہمانوں کو قتل کر ڈالا **خبیب بن عدی** اور **زید بن ابی الدثنہ** بھی انہیں شہدا میں داخل تھے۔ جن کی مصیبت ناک سرگذشت پر عرب کی تاریخیں آج تک خون رو رہی ہیں۔

کفار قریش کی مدینہ پر متواتر تاخت و تاراج کے سلسلہ جنبانی اور شرائط معاہدہ سے اشرار یہود کی روگردانی گویا

اسلامی غزوات کا دیباچہ قرار پاتی ہے اور آثار معرکہ بدر میں منتقم حقیقی کی بارگاہ سے۔ اسلام کو ایک ہزار فوج مخالف کے مقابل میں کل تین سو تیرہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ مدافعانہ کا حکم جہاد دلواتی ہے۔ انھیں ناگزیر ضرورتوں کے وقت جب کفار ومشرکین کی تلواریں بے قصور مسلمانوں کے گلوں سے آلگیں تو مسلمانوں کو اپنی جان ومال وآبرو کی حفاظت میں دشمنوں سے مدافعانہ مقابلہ کرنا پڑا یہی واقعات غزوات اسلامی کے اصلی وجوہات قائم ہوئے۔

اس جلد میں غزوات بدر، احد اور خندق۔ کل تین غزوات کے حالات قلمبند ہیں اور جاسیں کے ان حالات واقعات کے تمام جزئیات معتبر ماخذوں کی اسناد سے مفصل اور مسلسل طریقہ سے قلمبند کئے گئے ہیں۔ ان معرکہ ہائے جنگ میں کفار قریش کے ظالمانہ اور جارحانہ حملات کے موقعوں پر اسلام نے جس صبر وتحمل اور ضبط واستقلال سے محض مدافعانہ طریقہ مقابلہ اختیار کیا ہے وہ اُمم سابقہ کے تذکروں اور دنیا کے کارناموں میں۔ مروت واخلاق۔ کرم واشفاق دشمنوں سے رعایت ومہربانی اور عام ہمدردی انسانی کے بے نظیر مشاہدات ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام کے موجودہ پنجسالہ حالات میں یہودیوں سے کسی مقابلہ ومقاتلہ کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ اس عہد شکن قوم کی غداریوں اور کافر کرداریوں نے اسلام کے استیصال وبیخ کنی کی کوئی امکانی تدبیر اوٹھا نہ رکھی یہاں تک کہ ایک بار نہیں کئی بار بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خفیہ طور پر جان لینے کی مکارانہ سازشیں بھی عمل میں لائے۔ لیکن اوس خلقِ مجسّم اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ان ناقابل عفو جرائم سے ہر بار چشم پوشی اختیار فرمائی۔

ہاں جب یہودیوں کی خفیہ سازشیں کفار قریش کی تلواروں کے ساتھ کھل پڑیں۔ اور یہود قریش کے ہمدوش ہو کر رُو در رُو اسلام کے مقابلہ پر نکل پڑے اور کفار قریش کی طرح اسلام کے ہاتھوں سے شکست کامل اوٹھا چکے تو پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے ان کی تنبیہ وتادیب کی طرف توجہ فرمائی اور ان کے غیر محل اور ناقابل معافی قصوروں کے مقابلہ میں بنی قینقاع اور بنی نضیر کے یہودیوں کو شرائط معاہدہ سے علانیہ دوری کے جرم میں صرف جلاوطنی کی سزا دی اور بنی قریظہ کو جنگ خندق میں خلاف معاہدہ شریک ہونے کے قصور میں۔ اونھیں کے مقرر کردہ حکم (سعد بن معاذ انصاری) کے تجویز کردہ فیصلہ کے مطابق قتل واسیری کا حکم فرمایا اور ان مجرمین میں بھی تمام عورتیں اور لڑکے حکم قتل سے بخلاف حکم توریت کتاب الاعداد باب ۳۱ درس ۶-۵-۳ مستثنیٰ کر دئے گئے۔ اور چند یہودی مع بال بچوں کے غایت مرحمت سے خاص طور پر چھوڑ دئے گئے۔

یہودی فطرتاً مونھ کے کڑے تھے۔ دل کے بودے۔ اہل مکر وتزویر تھے نہ صاحب تدبیر تھے نہ مرد شمشیر قریش سے مل جُل کر جنگ خندق میں مسلمانوں سے مقابل بھی ہوئے تو شکست اوٹھائی۔ اور قبل اس کے کہ ان کا شریک لشکر قریش میدان سے واپس ہوئے یہ اپنے ڈیرے ڈنڈے اوٹھا کر اپنے قلعہ میں چلے گئے اور کیواڑ بند کر کے

چھپ رہے۔ سوائے جنگ خیبر کے یہودی ۳ ماہ ہو کر مسلمانوں سے نہ لڑے اور خیبر کی شکست کے بعد۔ ان کے حوصلے ہمیشہ کے لئے ایسے ٹوٹ گئے کہ پھر یہ لوگ مخالفت اسلام کا نام بھی مونھ پر نہ لے سکے اور علاقہ حجاز سے دیار شام و مغرب کی طرف چلے گئے۔

جنگ خندق اور غزوہ بنی قریظہ کو تمام کرکے جو ۵ ہجری کے واقعات ہیں۔ انہیں کے سلسلہ میں بحیانہ قریظہ کے غلط واقعہ کی حقیقت اور حضرت زینب سے نکاح کرنے کی اصلیت اور ضرورت پوری تفصیل و توضیح سے قلم بند کی گئی ہے۔ اس سے کہ یہ دونوں واقعات اور ان کے متعلق چند غیر معتبر اور خلاف واقع مرویات۔ عیسائی معترضین کی سرمایہ ناز ہیں جن کی کامل تردید و تنقید معتبر دلائل و مستند مشاہد سے کر دی گئی ہے۔ انہیں دو اعتراضوں کے جوابوں تک منحصر نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ مخالفین اسلام کے ان تمام اعتراضات کے مدلل اور مفصل جوابات اپنے اپنے مقام پر دئے گئے ہیں۔ جو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ و آلہ والسلام پر وارد کئے جاتے ہیں

حضرت ختمی مرتبت علیہ التسلیم والتحیۃ کی حیات مقدس کے مبارک حالات میں ولادت سے لے کر پنجم سال ہجرت تک بہت سے ایسے واقعات تھے جو محض اتفاقیہ طور پر اسلامی تاریخ و سیرت نگاروں کی نگاہوں سے چھوٹ گئے تھے۔ اور ان کے ذکر و بیان سے آنحضرت صلعم کے مکارم اخلاق اور محاسن عادات کے اظہار ہوتے تھے۔ معتبر ماخذوں سے مستنبط کرکے نقل کر دئے گئے ہیں۔

بہت سے ایسے واقعات کی حقیقت کا بھی کامل انکشاف کر دیا گیا ہے جو حسن عقیدت کے اصول کے موافق تھے مگر شان رسالت کے بالکل مخالف۔

بہت سے ایسے واقعات و حالات کی بھی نہایت تحقیق سے کامل تنقید و تردید کر دی گئی ہے جن کی حقیقت اور اصلیت پر خواہ مخواہ تائید عقاید تقلید اسلاف اور وہم و قیاس کے رنگا رنگ طریقوں سے نقاب افگنی کی گئی ہے۔ اس طریقہ خاص کا شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی نے مجلدات سیرۃ النبی میں ایک خاص عنوان اختیار فرمایا ہے۔ جس کی تمہید دیباچہ کتاب ہی سے شروع کی گئی ہے۔ اور پھر اصل کتاب میں ان خاص مقامات و واقعات پر پہونچکر۔ جو مفید مطلب حالات تھے اون میں اتنے اضافات و توسیعات سے کام لیا گیا ہے۔ جو کسی قدیم و جدید تاریخ و سیرت میں مندرج نہیں اور خلاف مطلب واقعات و حالات میں بطر استخفاف و اخذات اس قدر کوتہ قلمی اور مختصر رقمی اختیار فرمائی گئی ہے کہ حقیقت حال اور اصلیت واقعہ معلوم ہونا دشوار ہے۔

اس شان خاص کے بیان کا جو عنوان دیباچہ کتاب میں قائم کیا گیا ہے اوس کی کامل تنقید تو ہمارے تبصرہ میں کر دی گئی ہے۔ جو جلد اوّل کے ساتھ شایع ہو چکا ہے۔ اور اوسی کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات جلد اوّل کے متعلق جتنے اضافات یا استخفاف و اسقاط واقعات فرمائے گئے تھے اون سب کا انکشاف حقیقت جلد اوّل اُسوۃ الرسولؐ ہی

میں کردیا گیا ہے اس سے زائد موجودہ جلد دُوم میں ان اضافات و صداقات واقعات کی حقیقت کا ایسا ہی مقامات خاص پر انکشاف کردیا گیا ہے

تفصیل واقعات و حالات میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک طرزِ عمل سے حق پسندی، عام دردمندی، رعایت و مروّت اور اخلاق و اشفاق کی بے نظیر مثالیں دکھلائی گئیں ہیں جو مسلمانوں کی ہدایت دارین کے لئے کافی ہیں اور اسی رعایت خصوص اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی اشارت نصوص پر اس کتاب کا نام اُسوۃ الرّسولؐ تجویز کیا گیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ہ توقیع قبول روز پیش باد

تالیف کتاب اور تحریر واقعات میں مفصلہ ذیل ترتیب و احتیاط برابر قایم رکھی گئی ہے

(۱) واقعات کے سلسلۂ بیان میں قید سنین کا خاص التزام رکھا گیا ہے اور بلالحاظ ذکر قوم و قبائل خاص جو واقعہ جس سال کا پایا گیا ہے اوسی سال کے ذکر میں قلمبند کردیا گیا ہے بخلاف ترتیب سیرۃ النبی کے جس میں بخیال ذکر خاص قوم یہود سنہ ۳ ہجری کے تمام واقعات بیان کرنے کے بعد ضرورتاً پہلے سنہ ۲ و سنہ ۴ ہجری کے حالات نقل کئے گئے ہیں۔

(۲) نقل اسناد میں زیادہ تر اونھیں کتابوں کے حوالے مندرج کئے گئے ہیں جو میری نگاہ سے گذر چکی ہیں۔

(۳) بعض مقامات میں علماء محققین کی تالیفات کے حوالے بھی نقل کردئے گئے ہیں جن کے لائق اعتبار اور قابل الاسناد ہونے پر اُنکا اتفاق ہوچکا ہے

(۴) ہر ماخذ اصلی کا حوالہ عبارت ماخذ کے خاتمہ ہی پر لکھدیا گیا ہے اور ناظرین کتاب کو حاشیہ زیرین میں ہمسروا تلاش کرنے کی زحمت نہیں دی گئی ہے۔

(۵) اصلی ماخذ کی عبارت پہلے پھر اوس کے مقابل اوس کا ترجمہ درج کردیا گیا ہے۔

۶ ہر واقعہ کو تاریخ و سیرت کے معیار مقررہ کے موافق لکھا گیا ہے۔ ہاں اون واقعات کی تفصیل و تشریح میں مرویات تفاسیر و احادیث کی نقل و استنباط سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جو سیرت و تاریخ کے موضوع خاص سے علیحدہ ہونے کے باعث تاریخ و سیرت کی کتابوں میں نہیں پائی گئیں۔

(۷) واقعات سیرت و تاریخ کے ذکر و بیان کو قیاسی دلائل اور خارجی مباحث کی آمیزش سے حتی الامکان پاک و صاف رکھا گیا ہے۔

۸ مطبوعہ حوالوں کے مطبع اور مقام کا نام بتلادیا گیا ہے اور قلمی حوالوں کے آگے (قلمی) لکھ دیا گیا ہے۔

(۹) جن کتابوں سے نقل و استنباط کیا گیا ہے اون کے نام۔ اون کے مصنفین کی تصدیق و توثیق بھی ایک جدول

میں طیار و مرتب کر کے منسلک کر دی گئی ہے

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَآلِهِ

الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ

آمین

تمت بالخیر

کوا تھ ضلع آرہ
شریف العمارہ
۲؍ شوال ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹؍ اپریل ۱۹۲۶ء

المؤلف احقر
سیّد اولاد حیدر بلگرامی

اون کتابون اور اونکے مصنّفون کی توثیق جن کی اسناد سے اُسوۃ الرّسُولؐ جلد دوم لکھی گئی ہے

نمبر	نام کتاب	نام مصنّف	توثیق
۱	تاریخ الرّسُل و الملوک طبری	کتب تاریخ ابن جریر طبری	تذکرۃ الحفاظ (ذہبی) میں ہے محمد بن جریر الامام الحافظ ابو جعفر الطبری احد الاعلام له کتاب الکبیر المشہور فی تاریخ الامم۔ **شمس العلما شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں** تاریخ سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال ثقاہت اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں کسی کو میں ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا سنہ ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔ بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے ہذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین۔
۲	تاریخ الکامل ابن اثیر	ابن الاثیر جزری	**وفیات الاعیان میں ہے** عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن اثیر الجزری صاحب تاریخ المسمی بالکامل کان اماماً فی حفظ الحدیث و معرفته و حافظاً للتواریخ المتقدمة والمتاخرة وصنف فی التاریخ کتاباً باسماه الکامل وهو من خیار التاریخ۔
۳	کتاب المختصر فی اخبار البشر	ابو الفدا	تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں **مرقوم ہے۔** کتاب المختصر فی اخبار البشر للملک المؤید اسمعیل ابو الفدا المتوفی سنہ ۷۳۲ ہجری سے **حج الکرامۃ مولوی صدیق حسن خان میں ہے** تاریخ ملک المؤید ابو الفدا اسمعیل در مختصرات فن خیلے سنجیدہ و معتبر است

نمبر	کتاب	مصنف	حوالہ
۴	تاریخ الخمیس	قاضی حسین دیار بکری	**کشف الظنون میں ہے** خمیس فی السیر للقاضی حسین بن محمد دیار بکری المالکی نزیل المکۃ المکرمۃ المتوفی فی حدود سنہ ۹۲۲ھ ہجری وھو کتاب مشہور
۵	روضۃ المناظر	ابن شحنۃ الحلبی	**تعلیقات السنیہ مولوی عبدالحی لکھنوی میں ہے۔** ھو محب الدین ابو الولید محمد بن محمد الشہیر بابن شحنۃ الحلبی الحنفی کان محبا للسنۃ واھا مات سنہ ۸۱۵ھ ہجری ولہ تصنیف فی سیرۃ النبویۃ وتاریخ لطیف۔ **حدائق الحنفیہ میں ہے** محمد بن محمد شحنہ محب الدین سنہ ۷۴۹ھ میں پیدا ہوئے علم حدیث کے بڑے ماہر تھے امام ہمام نے آپ سے پڑھا ہے کتاب روضۃ المناظر تصنیف کی
۶	وفیات الاعیان	ابن خلکان	**حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ سیوطی میں ہے** ابن خلکان۔ قاضی القضاۃ شمس الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابراھیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفیات الاعیان کان ذکیاً عادفاً بایام الناس مات رجب سنہ ۶۸۱ھ
۷	روضۃ الاحباب	حافظ جمال الدین محدث	**کشف الظنون میں ہے** روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی والآل والاصحاب فارسی لجمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المتوفی سنہ ھجری۔ **حدائق الحنفیہ مولوی فقیر علی لاہوری میں ہے** جمال الدین عطاء اللہ صاحب روضۃ الاحباب آپ اعاظم اولاد اعاد عصر الامام سے ہیں جملہ اقسام علوم دینیہ اور اصناف فنون یقینیہ خصوصاً علم حدیث و سیر میں بے عدیل اور عدیم المثیل تھے کشاف اسرار تنزیل و حلال معضلات مواقف تاویل تھے آپ کی تصنیفات سے روضۃ الاحباب فی سیرۃ النبی والآل والاصحاب ایسی عمدہ اور معتبر اور مشہور آفاق ہے کہ اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

نمبر	کتاب	مصنف	کیفیت
۹	روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ	کشف الظنون میں ہے روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفا۔ للمؤرخ محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ ھجری۔
۱۰	حبیب السیر	غیاث الدین ہروی	کشف الظنون میں ہے حبیب السیر فارسی لغیاث الدین هروی بن همام الدین وهو فی مجلدات کبار من الکتب المتمتعة المعتبرة۔
۱۱	سیرۃ النبی	شمس العلما شبلی نعمانی	صاحب سیرۃ الفاروق۔ سیرۃ المامون سیرۃ النعمان وغیرہ وغیرہ سابق پروفیسر علی گڑھ کالج مدیر دارالندوہ لکھنؤ و دارالمصنفین اعظم گڈھ فاضل معاصر المتوفی ۲۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۲ ہجری
۱۲	تاریخ احمدی	نواب احمد حسین خاں بہادر	صاحب تصنیف کثیرہ مثل مظہر الاسلام علم الکتاب۔ معرفۃ العلماء ربیع المحب عن اسامی الکتب تصحیح الاغلاط مفاتیح و شرح مفاتیح عمدۃ المعارف۔ انوار المطالب۔ آیات بینات۔ فصل التبیین۔ بلاد المبین۔ روض الریاحین۔ نجم الزاہر۔ صبح صادق تحفۃ الاعاظم۔ الرضا۔ جواہر التقی۔ زاد التقی۔ جوہر عبقری۔ کشف الغمہ۔ اثبات الوصایا اکمال الدرایہ دقائق المذاہب بدیعیہ۔ مناظر المحاضرات کتاب المصالحہ المواقفہ گلستان مذاق وغیرہ فاضل معاصر حی القائم۔
		کتب سیرت	
۱۳	سیرت ابن ہشام	عبدالملک ابن ہشام	شمس العلما مولوی شبلی سیرۃ النبی لکھتے ہیں ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور مشہور محدث و مؤرخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے۔ اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے انھوں نے سیرۃ میں اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں۔ اونکی تفسیر بھی لکھی سنہ ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ کشف الظنون میں ہے اول من صنف فی السیر الامام المعروف بہ محمد بن اسحاق رئیس اہل المغازی للمتوفی سنہ ۱۵۱ ھجری وہذبہا ابو محمد

نمبر	کتاب	مصنف	کیفیت
			عبد الملک بن ہشام المتوفی سنہ ۲۱۸ ہجری فاحسن فاجاد
۱۴	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد کاتب الواقدی	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو عبد اللہ محمد بن سعد کاتب الواقدی احد الفضلاء النبلاء الاجلاء وصنف کتابا کبیرا فی طبقات الصحابۃ وکان کثیر العلم والروایات **مولوی شبلی صاحب نعمانی الفاروق میں لکھتے ہیں** محمد بن سعد کاتب الواقدی نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہیں اس نے ایک کتاب آنحضرت صلعم اور صحابہ تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر لکھا ہے
۱۵	مواہب لدنیہ	شہاب الدین احمد قسطلانی	**کشف الظنون میں ہے** المواہب لدنیہ فی السیرۃ للشیخ الامام شہاب الدین احمد القسطلانی وھو کتاب جلیل القدر کثیر النافع
۱۶	شرح مواہب لدنیہ	علامہ عبد الباقی الزُّرقانی	**شبلی صاحب دیباچہ سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں** یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے مصر میں چھپ گئی ہے
۱۷	ریاض النضرہ	محب الدین طبری	**کشف الظنون میں ہے** ریاض النضرہ فی فضائل العشرۃ لمحب الدین طبری الشافعی
۱۸	روض الانف	علامہ عبد الرحمن سہیلی	**سیرۃ النبی میں شبلی صاحب لکھتے ہیں** سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے مصنف کا نام عبد الرحمن سہیلی ہے۔ انھوں نے سنہ ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرۃ نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چیں ہیں مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ایک سو بیس[۱۲۰] کتابوں کی مدد سے لکھی ہے۔

۱۹	حیواۃ الحیوان	محمد بن عیسیٰ دمیری	**کشف الظنون میں ہے** حیواۃ الحیوان دمیری للشیخ کمال الدین محمد عیسیٰ الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ ہجری وھو کتاب مشہور **تعلیقات السنیہ میں تحریر ہے** ھو مجموع لطیف وجامع شریف فیہ فوائد مستحدثہ ولطائف المستحسن بہ مولفہ کمال الدین محمد بن عیسیٰ الدمیری
۲۰	سیرۃ الحلبیہ	علی ابن ابراہیم حلبی	**خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر علامہ محبی میں ہے** علی بن ابراھیم الملقب نورالدین بن برھان الدین الحلبی الشافعی الامام الکبیر احل اعلام المشائخ وعلامۃ الزمان الف المولفۃ البدیعۃ منھا السیرۃ التنویہ التی سماھا انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون
۲۱	اسنی المطالب	شمس الدین جزری	**بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں** صاحب حصن الحصین قاضی القضاۃ ابوالخیر شمس الدین محمد مشہور ابن جزری است از حافظ ابن کثیر فقہ وحدیث آموخت واز امام الدین بن جماعہ ومحمد بن اسمٰعیل بخاری نیز اجازت دارد و در ملک روم اورا امام اعظم لقب دادہ بودند مولفات او بسیار نافع ومفید افتادہ والنشر فی القرات العشر خیلے شہرت دارد واسنی المطالب والجواہر العلیہ ودیگر تصانیف نیز دارد۔
۲۲	مدارج النبوۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	**عجالۂ نافعہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی میں ہے** مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث در سیرت شامیہ ومواہب لدنیہ مسوط ترین سیر تھا اند **اتحاف النبلا مولوی صدیق حسن خاں میں ہے** ابوالمجد شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ ترک الدہلوی مصنفات ایشاں لمعات شرح مشکوٰۃ در عربی واشعۃ اللمعات در فارسی و شرح سفر السعادت واخبار الاخیار ومدارج النبوۃ ماثبت بالسنۃ وغیرہ مشہور است

۲۳	شواہد النبوۃ	مُلّا عبد الرحمٰن جامی	**کشف الظنون میں ہے** شواہد النبوۃ فارسی لمولانا نور الدین عبد الرحمن بن احمد الجامی اولہ الحمد للہ الذی ارسل رسلا مبشرین ومنذرین الخ **تاریخ الخمیس دیار بکری کے دیباچہ میں ہے** انتخبتہا من الکتب المعتبرۃ وھی تفسیر الکبیر والکشاف والی ان قال والشواھد النبوۃ ومواھب اللدنیہ
۲۴	خطبات احمدیہ	ڈاکٹر سر سید احمد خان	بانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ صاحب صنادید و تہذیب الاخلاق وغیرہ گذشتہ صدی کے مشہور و معروف محقق جنکی معرفت و توثیق محتاج بیان نہیں۔ المتوفی سنہ ۱۳۱۵ ہجری
۲۵	رحمۃ للعالمین	قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصورپوری	اسپیشل مجسٹریٹ ریاست پٹیالہ۔ صاحب سیرۃ النبویہ مطول۔ متوسط اور مختصر۔ فاضل معاصر حق القائم۔
		سیرۃ صحابہ کرام	
۲۶	استیعاب فی معرفۃ الاصحاب	امام عبد البر	**تذکرۃ الحفاظ ذہبی میں ہے** ابن عبد البر الامام شیخ الاسلام حافظ المغرب ابو عمر یوسف بن عبد البر له توالیف لا مثل لها فی جمیع معینها منها الکافی عشر مجلدا ومنها کتاب الاستیعاب لیس لاحد مثله **مولوی شبلی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں** قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث و امام ہیں۔ انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور و مستند کتاب ہے۔
۲۷	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن اثیر جزری	**کشف الظنون میں ہے** اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ للشیخ عز الدین علی بن محمد بن اثیر الجزری المتوفی سنہ [illegible] ہجری ذکر الذھبی فی تجرید اسماء الصحابۃ کتاب ابن اثیر نفیس مستقصی لاسماء الصحابہ

۲۸	اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	ابن حجر عسقلانی	**کشف الظنون میں ہے** اصابہ فی تمئیز الصحابہ للحافظ شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ ھجری وھو فی مجلدات کبار جمع فیہ ما فی الاستیعاب و ذیلہ
۲۹	اخبار الخلفا	علی ابن انجب البغدادی	**کشف الظنون میں ہے** اخبار الخلفاء للشیخ تاج الدین علی ابن انجب البغدادی المتوفی ۶۷۴
۳۰	تذکرۃ خواص الامۃ	علامہ سبط ابن جوزی	**تاریخ ابن وردی میں ہے** و فی سنہ ۶۵۶ ھجری توفی الشیخ شمس الدین یوسف سبط ابن جوزی واعظ فاضل لہ مرأۃ الزمان تاریخ جامع ولہ تذکرۃ خواص الامۃ فی مناقب الائمۃ
۳۱	خلاصۃ الوفا علامہ سمہودی	سید نور الدین سمہودی	**جذب القلوب محدث دہلوی میں ہے** او حد العلماء الاعلام عالم مدینہ خیر الانام نور الدین علی السمہودی المدنی (الی ان قال) از کتاب وفاء الوفاء در سنہ ۸۹۳ ہجری مختصرے دیگر انتخاب کردہ و آنرا خلاصۃ الوفا نام کردہ برعایت تنقیح و نہایت تہذیب این خلاصہ دریں ایام بین الانام مشہور و متداول است
۳۲	ترجمہ اسنی المطالب فی نجات ابیطالب	امام الحرمین برزنجی	ترجمہ مفتی مکہ معظمہ امام مدینہ مفتی احمد بن دحلان زینی المتوفی فی سنہ [illegible] ہجری۔
۳۳	صواعق محرقہ	ابن حجر مکی	**تعلیقات الشنبہ میں ہے** ھو احمد بن محمد بن علی بن حجر کان بحرا فی الفقہ اماما اقتدی بہ الائمہ ۔ مصنفاتہ فی العصر یعجز علی الاتیان بمثلہا المعاصرون و من مولفاتہ شرح منہاج النودی (الی ان قال) الصواعق محرقہ
۳۴	ذخائر العقبیٰ	طبری الشافعی	**کشف الظنون میں ہے** ذخائر العقبی لمحب الدین طبری المتوفی سنہ ۶۹۴ ھجری

نمبر	کتاب	مصنف	کیفیت
۳۵	مطالب السئول	علامہ کمال الدین محمد ابن طلحہ الشافعی	
۳۶	فصول المھمہ فی معرفۃ الائمہ	علامہ ابن صباغ مالکی	
۳۷	کفایۃ الطالب	علامہ محمد بن یوسف الگنجی الشافعی	
۳۸	مودۃ القربیٰ	سید علی الہمدانی	نفحات الانس جامی میں ہے امیر سید علی ہمدانی ابن شہاب الدین بن محمد الہمدانی قدس سرہ جامع بودہ است میان علوم ظاہری و باطنی۔
۳۹	فتوح البلدان	علامہ بلاذری	الفاروق میں مرقوم ہے احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور متوکل عباسی کا درباری تھا اسکی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں فتوح البلدان اور انساب الاشراف
۴۰	ارجح المطالب	خواجہ عبید اللہ امرتسری	سابق ناظر کتب خانہ سرکار رامپور۔ حی القائم
		کتب تفاسیر	
۴۱	جامع البیان تفسیر ابن جریر طبری	ابن جریر طبری	تذکرۃ الحفاظ میں ہے محمد بن جریر الطبری احد الاعلام لہ کتاب التفسیر الذی لم یصنف مثلہ
۴۲	غرائب القرآن تفسیر نیشاپوری	نظام نیشاپوری	کشف الظنون میں ہے غرائب القرآن و رغائب الفرقان فی تفسیر العلامہ نظام الدین حسن بن محمد الشافعی النیشاپوری۔
۴۳	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	کشف الظنون میں ہے مفاتیح الغیب وھو المعروف بالتفسیر الکبیر للامام فخر الدین محمد بن عمر الرازی المتوفی سنہ ۶۸۲ ہجری

نمبر	کتاب	مصنف	حوالہ
۴۴	تفسیر دُرِّ منثور سیوطی	جلال الدین سیوطی	**کشف الظنون میں ہے** الدر المنثور فی التفسیر الماثور للشیخ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ ہجری۔ **عجالہ نافعہ میں شاہ عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں** تفسیر ابن مردویہ و تفسیر دیلمی و تفسیر ابن جریر وغیرہ از مشاہیر تفاسیر حدیث اند و کتاب در منثور شیخ جلال الدین سیوطی جامع ہمہ است۔
۴۵	معالم التنزیل	امام بغوی	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد المعروف بالفراء البغوی الفقیہ الشافعی المحدث المفسر کان بحرا فی العلوم صنف کتبا کثیرة منہا کتاب التہذیب وشرح السنة ومعالم التنزیل فی تفسیر قرآن الکریم۔
۴۶	تفسیر کشاف	علامہ محمود بن عمر الزمخشری	**جامع الاصول میں ہے** ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی صاحب التصانیف الحسنة والتالیفات الغریبة مثل الفائق فی غریب الحدیث وکشاف فی تفسیر القرآن
۴۷	تفسیر ثعلبی	محمد بن ابراہیم الثعلبی	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو اسحق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیشاپوری المفسر المشہور کان اوحد زمانہ فی علم التفسیر
		کتب احادیث	
۴۸	صحیح البخاری	محمد بن اسمٰعیل بخاری	**کشف الظنون میں ہے** جامع الصحیح المشہور بصحیح البخاری للامام الحافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسمعیل البخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ وھو اول الکتب الستة فی الحدیث وافضلہا علی مذہب المختار۔

نمبر	کتاب	مصنف	حوالہ
۴۹	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج نیشاپوری	کشف الظنون میں ہے قال الامام النووی فی شرح صحیح مسلم اتفق العلماء ان اصح الکتب بعد القرآن الکریم الصحیحان صحیح البخاری و مسلم
۵۰	صحیح ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	کشف الظنون میں ہے جامع الصحیح للامام الحافظ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی المتوفی سنہ ۲۷۹ ہجری
۵۱	صحیح نسائی		کشف الظنون میں ہے جامع الصحیح للامام الحافظ ابی عبدالرحمن بن شعیب النسائی
۵۲	خصائص نسائی		ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں واوعب من جمع مناقبه (ای مناقب علیؑ) من الاحادیث الجیاد النسائی فی الخصائص
۵۳	مشکوٰۃ المصابیح	خطیب تبریزی	مرقات شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں ہے کتاب مشکوٰۃ المصابیح الذی الفه مولانا الحبر العلامة والبحر مظهر الحقائق وموضح الدقائق الشیخ التقی النقی ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی۔
۵۴	دلائل النبوۃ	علامہ بیہقی	کشف الظنون میں ہے دلائل النبوۃ لابی بکر احمد بن الحسین الامام الحافظ البیہقی المتوفی سنہ ۴۵۸ ہجری۔
۵۵	کنز العمال	شیخ علی متقی	اخبار الاخیار شاہ عبدالحق دہلوی میں ہے شیخ علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی المدینی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ در مکہ معظمہ رخت اقامت نہادہ عالم را انوار طاعت و مجاہدات و بآثار افادت علوم دینی و افاضت معارف دینی مستنیر و مستفید ساخت و بجمع و تصانیف کتب و رسائل در علم حدیث و تصوف اشتغال فرمودہ بعد از مشاہدہ آثار حیرت ایشاں از توالیف و غیر آن عقل حیراں می شود و بجزم حکم میکند کہ این ہا بے توفیق کامل و برکت شامل کہ ناشی از کمال مرتبہ استقامت

			ورسوح درجۂ ولایت باشند وجود دیگر جامع صغیر وجمع الجوامع شیخ جلال الدین سیوطی راکہ احادیث ترتیب حروف تہجی جمع کردہ وادعائے احاطہ جمیع احادیث نبوی از اقوال و افعال کردن بتبویب فرمودہ شیخ ابوالحسن بکری می فرمودند - للسیوطی منۃ للعلمین وللبکری منۃ علیہ (احسان سیوطی برہمہ عالم است و احسان بکری بر سیوطی است)
۵۶	مسند امام حنبل	امام المحدثین احمد حنبل	**کشف الظنون میں ہے** مسند الامام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ ہجری ہو کتاب جلیل وان احمد بن حنبل شرط فیہ ان لا یخرج الا حدیثا صحیحا عندہ **بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی میں ہے** امام احمد چون از سودہ این مسند فارغ شد ہمہ اولاد خود را جمع کردہ برایشان خواند وگفت این کتابیست کہ من آنرا جمع کردہ ام وچیدہ ام از یک لک وپنجاہ ہزار حدیث یعنی طرق پس اگر مسلمانان را اختلافی شود در حدیثے از احادیث حضرت پیغمبر علیہ السلام باید کہ باین کتاب رجوع کنند
۵۷	مستدرک	امام حاکم نیشاپوری	**وفیات الاعیان میں ہے** ابو عبداللہ محمد المعروف بالحاکم النیسابوری الحافظ امام اهل الحدیث فی عصرہ والمؤلف فیہ الکتب التی لم یسبق الی مثلها کان عالما عارفا واسع العلم المتوفی سنہ ۴۰۵ ہجری
۵۸	موطا امام مالک	امام المحدثین مالک	**کشف الظنون میں ہے** موطا فی الحدیث للامام مالک ابن انس بن مالک الاصبحی المدنی امام دار الہجرۃ المتوفی سنہ ۱۷۹ ہجری
۵۹	معجم کبیر طبرانی	امام طبرانی	**کشف الظنون میں ہے** معجم الکبیر فی الحدیث للامام ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الحافظ المتوفی سنہ ۳۶۰ ہجری

۶۰	معارف ابن قتیبہ	ابن قتیبہ دینوری	کشف الظنون میں ہے معارف فی التاریخ لابن قتیبہ ابی محمد عبد اللہ بن مسلم الدینوری المتوفی ۲۷۰ھ ہجری۔
			الفاروق شبلی نعمانی میں مرقوم ہے عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ یہ نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اسکے اعتبار اور اعتماد کے قایل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ گئی ہے۔
۶۱	کتاب الامامت والسیاست	ابن قتیبہ کاتب دینوری	مقدمہ الامامت والسیاست محمود رافعی مطبوعہ مصر میں مرقوم ہے کتاب الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ الدینوری وحدہ فرید فی بابہ۔ حسناً فی اسلوبہ لم یکن فی موضوعہ مثلہ فقد جمع فیہ مولفہ رحمۃ اللہ من طرائف الاخبار و نوادر التاریخ فیما یتعلق بمسائل الامامۃ وما وقع ایام صحابہ رضوان اللہ علیھم۔
۶۲	ریاض مستطابہ	علامہ یحیی عامری	کشف الظنون میں ہے الریاض المستطابہ فی جملۃ من روی فی الصحیحین علی الصحابۃ للامام عماد الدین یحیی ابن ابی بکر العامری الیمانی المتوفی ۸۹۳ھ ہجری
۶۳	فتح الباری شرح صحیح بخاری	علامہ ابن حجر	موصوف کے اوصاف اوپر مرقوم ہو چکے
۶۴	ارشاد الساری شرح صحیح بخاری	قسطلانی	بستان المحدثین شاہ عبد العزیز دہلوی میں ہے ارشاد الساری مشہور بہ قسطلانی شرح صحیح بخاری است تصنیف شہاب الدین احمد بن ابوبکر قسطلانی۔ و تصانیف کہ از او یادگار ماندہ از اجل آنہا این شرح است۔
۶۵	عمدۃ القاری	علامہ محمود عینی	فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مولوی عبد الحی لکھنوی میں ہے قاضی القضاۃ بدر الدین عینی ولد بمصر ۷۶۲ھ ہجری لہ شرح

نمبر	کتاب	مصنف	حوالہ
			صحیح البخاری شرح معانی الاثار وشرح الهدایة وغیر ذلک کان اماما عالما علامة وقد طالعت عمدة القاری والبنایة شرح الهدایة وکلها مفیدة
۶۶	ینابیع المودة	امام قندوزی	ارجح المطالب میں ہے للامام سلیمان البلخی القندوزی۔
۶۷	شفائی تعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاض	کشف الظنون میں ہے شفائی تعریف حقوق المصطفیٰ للامام الحافظ ابی الفضل عیاض القاضی المتوفی سنہ ۵۴۴ھ ہجری (الی ان قال) وھو کتاب عظیم النفع کثیر الفوائد لم یولف مثلہ فی الاسلام
۶۸	عقد الفرید	ابن عبد ربہ	وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ کان من العلماء المکثرین من المحفوظات والاطلاع علی اخبار الناس وصنف کتابہ العقد وھو من الکتب الممتعة حوی من کل شئ
۶۹	تذکرة الحفاظ	کتب رجال ذہبی	بستان المحدثین شاہ عبد العزیز دہلوی میں ہے ذہبی از مشاہیر مشائخ حدیث است وخیلے بزرگ است
۷۰	تدریب الراوی	سیوطی	کشف الظنون میں ہے تدریب الراوی شرح تقریب النووی (قال فی ذکر تقریب النووی) له شروح منها الشرح الشیخ جلال الدین السیوطی وسماہ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی۔
۷۱	تہذیب الکمال	مزی	کشف الظنون میں ہے تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للحافظ جمال الدین یوسف المزی المتوفی سنہ ۷۴۲ھ وھو کتاب کبیر لم یولف مثلہ
۷۲	خلاصة تذہیب تہذیب الکمال	صفی الدین خزرجی	سیرة النعمان مولوی شبلی صاحب نعمانی میں ہے رجال وتاریخ کی مستند کتابیں جن میں امام ابو حنیفہ کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
			جنھیں تاریخ صحیح بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی تہذیب الاسماء واللغات نووی تذکرۃ الحفاظ ذہبی دول الاسلام ذہبی عبر ذہبی تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی خلاصۃ تذہیب التہذیب الکمال للعلامۃ صفی الدین خزرجی خاصۃ قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا دارومدار ہے
۴۳	کتاب الانساب	سمعانی	کشف الظنون میں ہے الانساب للسمعانی للامام ابی سعید عبد الکریم بن سمعانی الشافعی المتوفی سنہ ۵۶۲ھ وھو کتاب عظیم فی ھذا الفن
۴۴	وفیات الاعیان	ابن خلکان	حسن المحاضرہ فی اخبار المصر والقاہرہ سیوطی میں ہے ابن خلکان قاضی القضاۃ شمس الدین ابو العباس احمد بن ابراہیم بن ابی بکر الشافعی صاحب وفیات الاعیان کان ذکیا عارفا بایام الناس مات رجب سنہ ۶۸۱ ہجری۔

تمت بالخیر والعافیۃ



۱۵ شوال چہارشنبہ سنہ ۱۳۴۴ ہجری
مطابق
۲۸ اپریل سنہ ۱۹۲۶ عیسوی

سید اولاد حیدر عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین اُسوۃ الرسول
جلد دوم

وفات حضرت عبداللہ علیہ السلام

نزول رحمت۔ ولادت شہنشاہ رسالت

ایام رضاعت

ایام طفولیت

کفالت ابیطالب

غزوۂ بنی قریظہ (۵ سنہ ہجری)

تمت بالخیر والعافیہ

المؤلف الاحقر

سید اولاد حیدر عفی عنہ



اسوۃ الرسولؐ جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ اٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ

شادی و غم توام

این ماتم سخت است کہ گویند جوان مرد

حضرت عبداللہ علیہ السلام کی وفات

شادی وغم توام ہوتے ہیں اور حکم تقدیر محکم۔ افسوس ہے کہ اس اتحاد و ازدواج کا زمانہ کچھ بھی دیر پا نہ رہا۔ اور کل آٹھ ہی مہینوں کی مختصر اور شماری مدت تمام ہو کر یہ اتحاد و اتصال الوداع والفراق سے مبدل ہو گیا۔ اگرچہ اس اتنے ہی قلیل عرصہ میں مدبر قدرت نے ایسی ودیعت و امانت کے استبداء و استقرار کے تمام انتظام تیار و مرتب کر لیئے تھے۔ مگر ساتھ ہی اسکے مشیت کو یہ ودیعت صدف قدرت میں دُرِّ یتیم بنا کر رکھنا تھا۔ اس لئے جناب آمنہؑ کو آٹھ مہینے کی مدت حمل تمام ہونے پائی تھی کہ حضرت عبداللہؑ نے انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

تاریخوں میں جب زمانہ وفات کی تلاش کی جاتی ہے تو صحیح قرائن یہ بتلاتے ہیں کہ واقعۂ فیل کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ نے رحلت فرمائی۔ مقام وفات **مدینہ** ہے۔ شام سے قافلۂ تجارت کے ساتھ واپس ہوئے تو مدینہ میں پہنچکر علیل ہو گئے۔ اس لئے وہیں ٹھہر گئے۔ اور قافلہ مکہ چلا آیا۔ ایک مہینہ کی علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہی اور وہیں انتقال فرمایا۔ اسکی تفصیل ابن سعد کی مفصلۂ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

خرج عبد اللہ بن عبد المطلب الی الشام الی غزۃ فی عیر من
عیرات قریش یحملون تجارات ففرغوا من تجاراتھم ثم
انصرفوا فمروا بالمدینۃ وعبد اللہ بن عبد المطلب
یومئذ مریض فقال انا اتخلف عند اخوالی بنی عدی
بنی النجار فاقام عندھم مریضا شہرا ومضی اصحابہ
فقدموا مکۃ فسألھم عبد المطلب عن عبد اللہ فقالوا
خلفناہ عند اخوالہ بنی عدی بن النجار وھو
مریض فبعث الیہ عبد المطلب اکبر ولدہ الحارث
فوجدہ قد توفی ودفن فی دار النابغۃ وھو
رجل من بنی عدی بن النجار فی الدار التی اذا
دخلتھا فالدویرۃ عن یسارک واخبرہ اخوالہ
بمرضہ وبقیامھم علیہ وما ولوا من امرہ و
انھم قبروہ فرجع الی ابیہ فاخبرہ فوجد علیہ
عبد المطلب واخوتہ واخواتہ وجدا شدیدا و
رسول اللہ صلعم یومئذ حمل ولعبد اللہ یوم توفی خمس
عشرون طبقات ص ۱۰

حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب قریش کے قافلوں میں سے ایک قافلہ قریش کے
ساتھ بغرض تجارت شام کے مشہور شہر غزہ میں گئے تھے اہل قافلہ
تجارتی مال کو بیچکر کے فراغت کر چکے تو وہاں سے واپس ہوئے اور مدینہ کے
قریب پہنچے تو اسد رمیان میں حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب علیل ہو گئے
آپ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ میں تو اپنی ماموں زاد بھائیوں کے
ساتھ قبیلہ عدی بن النجار میں ٹھہر جاؤں گا چنانچہ مدینہ پہنچکر آپ وہیں
ٹھہر گئے اور ایک مہینہ تک مریض رہے آپکے رفقا مکہ چلے آئے۔ اور
جناب عبد المطلب نے اُن لوگوں سے حضرت عبد اللہ کا حال دریافت کیا تو
انھوں نے کہا کہ وہ تو علیل ہو کر مدینہ میں اپنی ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ
ٹھہر گئے ہیں یہ سنکر حضرت عبد المطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو حضرت
عبد اللہ کی خبر لانے کیلئے بھیجا یہ وہاں پہنچے تو حضرت عبد اللہ انتقال
فرما چکے تھے اور دار النابغہ میں مدفون بھی ہو چکے تھے نابغہ بنی نجار میں
ایک شخص کا نام تھا اور یہ اُسی کا مکان تھا اور یہ مکان وہی تھا جسکا
دروازہ بائیں جانب تھا پھر ان سے (حارث سے) انکے عزیز و اقارب نے
انکی حالت مرض اور انکی قیام کرنے وصیت فرمانے اور پھر رحلت کرجانے
اور مدفون ہونیکی تمام و کمال کیفیت بیان کر دی۔ حارث یہ خبر سنکر باپ
کے پاس چلے آئے۔ اس حادثہ کی خبر سنکر جناب عبد المطلب اور اونکی تمام بھائی بہنیں۔ بیٹے بیٹیاں بڑی شدت سے روئیں پیٹیں
رسول اسوقت تک حمل میں تھے حضرت عبد اللہؓ کا سن وفات کے وقت پچیس ۲۵ برس کا تھا طبقات ابن سعد جلد اول حصہ اول مطبوعہ
بنی ہاشم کے تمام گھروں میں کہرام مچگیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوسوقت تک حمل میں تھے جناب عبد المطلب
کو سن رسیدہ سالی میں ایسے چوبیس سالہ نونہال کا ایسا شدید داغ ملا جسنے آپ کی آنکھوں میں تمام دنیا کو تاریک کردیا پیری کا ضعف
اور اضمحلال کیا کم تھا اوس پر اس غیر متوقع اور غیر متحمل صدمہ و ملال نے آپ کو بالکل مضمحل اور ضعیف کر دیا۔ مگر مدبران مشیت
کو اپنی ودیعت کی حفاظت و نگہبانی اور اس خاتم رسالت کی پرورش و نگرانی اسی بزرگ خاندان سے پوری کرانی تھی اور
جس شرف مخصوصہ کیلئے وہ جریدہ صالحین میں پہلے ہی سے منتخب ہو چکے تھے اوس کی تعمیل و تکمیل کا زمانہ بالکل قریب آ رہا
تھا حضرت عبد المطلب نے بالآخر اس واقعہ جانگزا اور حادثہ روح فرسا کو محض ارادہ تقدیر اور امر ناگزیر سمجھکر خود بھی صبر کر لیا اور
تمام عزیز و اقارب کو بھی صبر و سکون کی تعلیم و ہدایت فرمائی۔

حضرت عبداللہ کی وفات اور آپ کے سن شریف کے متعلق اور اقوال بھی آئے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں ان کو بھی جمع کر دیا ہے۔ مگر آخر میں ایسا پیہ فیصلہ تحقیق قائم کیا ہے والاول اثبت انہ توفی ورسول اللہ صلعم حمل یعنی پہلی روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ کے انتقال فرمانے کے وقت رسول اللہ صلعم حمل میں تھے پھر روایت متذکرہ بالا کی نسبت آخر میں یوں لکھتے ہیں کہ ھو اثبت الاقاویل والروایۃ فی وفاۃ عبداللہ بن عبدالمطلب وسنہ عندنا حضرت عبداللہ کی وفات اور عمر کے متعلق ہمارے نزدیک تمام اقوال روایات سے مذکورۂ بالا روایات زیادہ تر صحیح ثابت ہوتی ہیں ص ۶۱

اسی طرح وقت وفات حضرت عبداللہ ہشام کلبی نے آنحضرت صلعم کا سن اٹھارہ مہینوں کا بتلایا ہے اور ایک قول کے مطابق سات مہینوں کا۔ اسکی نسبت ابن سعد لکھتے ہیں والاول اثبت انہ توفی ورسول اللہ صلعم حمل۔ قول اول زیادہ ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات کے وقت آنحضرت صلعم حمل میں تھے۔ ابن سعد ص ۶۲

وفات عبداللہ پر حضرت آمنہ کا مرثیہ

وفات حضرت عبداللہ کے متعلق جناب آمنہ کا مرثیہ عربی کی تمام تاریخوں میں مسلسل رہے۔ ہم بھی اوسکے دو تین اشعار طبقات سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم
وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم
دعته المنايا دعوة فاجابها
وما تركت فی الناس مثل ابن هاشم
عشية راحوا يحملون سريره
تعاوره اصحابه فی التزاحم

فرزند ہاشم کی حسرت مرگ نے وادی بطحا میں لیجاؤ
اور پردیس شہر ارض غماغم (مدینہ) میں اوسکی زیارت کرو
اجل مقرر نے اوسکو بلایا اور اوسنے قبول کرلیا
اور حقیقتاً بنی نوع انسان میں ابن ہاشم کا مثل نہیں ہے
اوس کے اصحاب کمال اندوہ وملال کے ساتھ
اوس کو سریر (تابوت) پر اوٹھا کر ہاتھوں ہاتھ (مقبرہ تک) لے گئے۔

حضرت عبداللہ کا ترکہ

جناب عبداللہ کی عمر ہی کیا ہوئی اور آپ کو درستی معاشرت کا دنیا میں وقت ہی کتنا ملا کہ آپ کے کسی سرمایہ یا جائداد کی تفصیل کی جائے آپ نے اپنے بعد جو کچھ ترکہ چھوڑا وہ ابن سعد کی تحقیق میں یہ تھا۔

ام ایمن وخمسة اجمال اوارك وقطعة غنم فورث ذلك رسول الله صلعم وكانت ام ايمن تحضنه واسمها بركة

ایک ام ایمن (خادمہ) پانچ اونٹ اور چند بکریاں اور یہی قلیل اشیاء بعینیت رسول اللہ صلعم کو وراثت میں ملیں انھیں ام ایمن نے آپ کو بچپن میں کھلایا تھا ان کا نام برکت تھا۔

سوائے آنحضرت کے حضرت عبداللہ وآمنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی

تمام مورخین ومحدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یتیم عبداللہ (روحی فداہ) ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے ایسا دُر یتیم تھا کہ نہ اسکا کوئی شریک تھا نہ سہیم نہ اس کا کوئی عینی بھائی تھا ورنہ حقیقی بہن۔ اصل توحید کا یہ معلم ربانی بالکل تنہا تھا اور لاثانی تمام محققین نے اسکے متعلق

جو اپنا مختار قایم کیا ہے اوس کو ابن سعد نے ذیل کی عبارت مین لکھا ہے۔

وهذا الثبت عندنا ولا اختلاف بين اهل العلم ان امنه
بنت وهب ولا لعبد الله بن عبد المطلب غير رسول الله صلعم

یہ امر ہمارے اور تمام اہل علم کے نزدیک ثابت ہے کہ جناب آمنہ بنت
وہب اور حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی کوئی اولاد سوائے
جناب رسالت مآب صلعم کے نہین تھی۔

ایام حمل مین کرامات کی صدور عقل و نقل کے مشاہدات سے عقل سلیم کے نزدیک یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ گروہ انبیا
کی خلقت مقدسہ اور فطرت مطہرہ مین قدرت الٰہیہ نے ترکیب انسانی کے ساتھ تو بیر روحانی بھی ودیعت فرمائی تھی اور اس شرف
خاص کے باعث سے اون کی ذات بابرکات کو قاعدۂ تعمیم سے مستثنیٰ فرماکر تخصیص کے خاص مراتب پر پہونچایا تھا اسی اصول
تخصیص کی بنا پر انبیا علیہم السلام کے اکثر اوصاف معمول کے خلاف اور عام فطرت انسانی سے مرجح اور مرتفع سمجھے جاتے
ہین اور چونکہ قدرت کو بھی ان آثار مخصوصہ کے اظہار مین ایک خاص اہتمام منظور ہوتا ہے اس لئے ان کے آثار مخصوصہ کا ظہور
وصدور عام طور سے ظاہر بین نگاہوں مین تعجب انگیز اور حیرت خیز معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت کے دیکھنے والے اسے قدرت کی
جلوہ نمائی تسلیم کرتے ہین۔ جب رسالت مآب صلعم کے سرپر تاج ختم الانبیا ہونیکے ہمارے پاس بے شمار ثبوت موجود ہین تو آپکے متعلق
کسی زمانہ یا کسی وقت میں ہم قدرت کی ان جلوہ آرائیون کو کیسے استبعاد اور بے بنیاد کہہ سکتے ہین اسی لئے ہمارے تمام قدیم مورخین
ومحدثین نے آپ کی ولادت باسعادت اور نیز اوس کے قبل کے ان تمام واقعات کو جن سے ظہور کرامت کے ثبوت عینی ملتے ہین
کچھ اصول اعتقاد کی بنیاد ہی پر نہین بلکہ واقعات ومشاہدات کے طریقۂ اعتبار سے اپنی تصنیفات وتالیفات مین قلمبند
فرمایا ہے ابن سعد طبقات مین ان آثار قدرت کے متعلق لکھتے ہین۔

ان رسول الله صلعم لما حملته امنة بنت وهب كانت
تقول ما شعرت اني حملت به ولا وجدت له ثقلا كما
تجد النساء الا اني آت وانا بين النائم واليقظان فقال
هل شعرت انك حملت فكاني اقول ما ادري فقال انك
قد حملت بسيد هذه الامة ونبيها وذلك يوم الاثنين
قالت فكان ذلك مما يقن عندي الحمل ثم امهلني حتى اذا
دنا ولادتي اتاني ذلك الآتي فقال قولي اعيذه بالواحد
الصمد من شر كل حاسد قالت فكنت اقول ذلك فذكرت
ذلك لنسائي فقلن لي تعلقي حديدا في عضديك وفي
عنقك قالت ففعلت فلم يكن يترك علي الا اياما فاقطع

جناب آمنہ بنت وہب ناقل ہین کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ حمل مین ایک
عرصہ تک مجھکو اپنے حاملہ ہونیکا یقین نہین ہوا کیونکہ مجھکو اپنے
جسم میں کوئی گرانباری ایسی جیسی عام عورتون کو ایام حمل مین محسوس
ہوتی ہے ذرا بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ یہانتک کہ ایکبار نیم خوابی کی عالم
مین مینے ایک آنیوالے کو اپنے پاس آتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دیکھا
کہ کیا تجھکو اپنے حاملہ ہونیکا اب تک یقین نہین ہے مینے اوس پوچھنے والے
سے جواب مین کہا کہ مین تو حمل کی کوئی علامت اپنے مین نہین دیکھتی
اوس نے کہا کہ تجھکو اس امت کے سردار اور نبی مختار کا حمل ہے جناب
آمنہ فرماتی ہین کہ مجھکو خیال ہے کہ وہ دوشنبہ کا دن تھا پس اس شخص کے
کہنے کے وقت سے مجھکو اپنے حاملہ ہونیکا پورا یقین ہوگیا یہان تک کہ اسی

فکنت کلا التعلقہ طبقات ۶۳ عرصہ ہوگیا اور جب ولادت کے دن قریب آئے تو پھر وہی نیولا شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ کلمات منھ سے کہو اعیذہ بالواحد الصمد من شر کل حاسد میں خدائے بزرگ سے تمام حاسدوں کے مفسدوں کے لئے پناہ مانگتی ہوں۔ جیسے اوسکی ہدایت کے مطابق ان کلمات کو کہا اس واقعہ کو پھر جیسے اپنی ہمجلیس عورتوں سے کہا تو اُن سب نے کہا کہ لوہے کی کوئی چیز اپنے بازو پر باندھ لو اور گلے میں لٹکا لو۔ جناب آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے اُن عورتوں کے کہنے کے مطابق کیا پھر میں اوسکو وقت ولادت تک پہنے رہی جب ولادت ہوگئی تو اُتار دیا اور پھر کبھی نہ پہنا۔

اسی سلسلۂ بیان میں ابن سعد نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے۔

امرت آمنہ وھی حامل برسول اللہ صلعم ان تسمیہ احمد اس رویا میں آمنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اس مولود کا نام احمد رکھنا

ظہور کرامات کے مذکورۂ بالا واقعات سے سر ولیم میور صاحب کا انکار

عیسائیوں کے قدیم تعصب اور عیسائیت کی لکیر پیٹنے والوں میں سر ولیم میور نے نام پایا ہے اور اسلام کی مخالفت کا خاص بیڑا اُٹھایا ہے۔ اسلام کی تفسیر حدیث اور تاریخ کے بیانات سے لیکر مشاہدات و بدیہات تک سے انکار فرماتے ہیں اور تائید عیسائیت کے اس غلط طریقہ کو وہ اپنی مجاہدانہ کوشش یقین کرتے ہیں حالانکہ ع این رہ کہ میروی بترکستان است لیکن حقیقت میں اور انصاف پسند حضرات اُنکی مساعی واہیہ کو ایک طفلانہ حرکات سے زیادہ وقیع نہیں سمجھتے۔ وہ محض معمولی سے معمولی اسلامی اخبار و آثار کی تنقید و تردید کرکے اپنی دانست میں دین اسلام کی لغویت ثابت کرتے ہیں۔ انّ ہذا ضلالٌ بعید۔ حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ کوئی مذہب ہو اُسکی اصل اور اُسکی ماحقیقت کے کس اخبار اور معیار پر قائم ہوتی ہے۔

اپنی نفسانیت اور تعصب کے اسی سلسلۂ بیان میں سر ولیم میور صاحب نے ظہور کرامات کے اُن واقعات پر بھی جنکو ہم ابھی اوپر لکھ آئے ہیں تنقیدی نظر ڈالی ہے اور اونکو سرے سے بے اصل اور راویوں کے محض مخترعات بتلایا ہے۔ اسکے علاوہ اون مشاہدات کو بھی جنکو روایات ہونے کے علاوہ تاریخی واقعات ہونیکی بھی پوری حیثیت حاصل ہے اور وہ دوران حمل اور وقت ولادت متعدد اور متواتر طریقوں سے تمام حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں قابل مضحکہ ٹھیرایا ہے اور خوب قہقہہ لگایا۔ ومن ضحک ضُحِک

جہان تک میور صاحب کے اِن تنقیدی مضامین پر غور کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حسد و عیسائیت کی عصبیت نے میور صاحب کو حقیقت شناسی اور انصاف پسندی کے راستہ سے بہت دور پھینکدیا ہے۔ اُنھوں نے اِن مرویات سے اسلام کی لغویت ثابت کرنے کا خیال خام پیدا کیا ہے اگر وہ کسی مذہب کی اصلیت اور حقیقی معرفت سے واقف ہوتے۔ اور ان اصول ضروریہ کو جانتے جن پر مذہب کی بنا ہوتی ہے تو ان روایات کی تنقید و تردید سے تکذیب اسلام ثابت کرنے کی جرأت کرتے اگر بالفرض محال یہ مرویات اسلامی معیار تحقیق و تصدیق کے مطابق بھی نہ اُتریں تو ان سے حقیقت اسلام میں کیا نقصان آتا ہے سر ولیم میور اِن مرویات کے لیے توریت و انجیل کی اُن متعدد اور متواتر واقعات مندرجات کی نسبت کیا رائے قائم کرینگے

جو محالات کے بھی درجہ سے گر کر مہملات کے حدود تک پہونچے ہوئے پائے جاتے ہین اور جو عموماً حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیا علیہم السلام کے تذکرون مین اُس وقت سے لیکر اسوقت تک اُنکی مذہبی کتابون مین بڑے اہتمام اور رنگینیون سے لکھے جاتے ہین جنکو اُن ذوات مقدسہ اور نفوس مطہرہ کے متعلق ذکر کرنا کیسا اُنکی طرف صرف منسوب کرنا بھی اہل اسلام خلاف ادب واحترام سمجھتے ہین۔ مثلاً جناب مریم علیہا السلام پر نزول روح القدس اور استقرار حمل مسیح علیہ السلام کی ترکیبات یا ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد یوسف نجار کے گھر جاکر جناب عیسیٰؑ کے دیگر علاتی بھائیون کی ولادت جنکو مسیحی اصطلاحات مین دی برادرس (The brothers) کہتے ہین وغیرہ وغیرہ ایسے لغویات ہین کہ دیکھنے والون کی آنکھین اور سننے والون کے کان جلے جاتے ہین"

مگر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین کوئی عیسائی فلاسفر (Philosofer) کوئی سائینٹسٹ (Seientist) ان واقعات کو غلط ٹھہراتا ہے اور نہ محالات و ناممکنات بتلاتا ہے" افسوس ہے کہ ان اعتراضات سے پہلے سر ولیم میور نے لوقا کی انجیل کھولکر حضرت عیسیٰ کی زبانی ان احکام ربانی کو یہ پڑھ لیا"۔ تو اُس ذرے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ مین ہے دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ مین جو شہتیر ہے اُسکو نہین دیکھتا۔ اے مکار پہلے تو اپنی آنکھ سے شہتیر نکال لے تب تجھکو اپنے بھائی کی آنکھ کا ذرہ نکالنے کیلئے صاف نظر آنے لگے گا۔ لوقا باب ۶ - آیت ۴۱ و ۴۲ مطبوعہ لاہور۔

میور صاحب کی طرح ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے بھی حضرت آمنہ کا فرشتون کو دیکھکر ڈر جانے اور عرب کے دستور کے مطابق لوہے کے تعویذ کو گلے میں لٹکانے اور بازوون پر باندھ لینے سے یہ معنی لگائے ہین کہ حضرت آمنہؓ کو دماغی ضعف کی شکایت تھی اور صرع کا جرح تھا"۔ ہم اس نا انصاف یوروپین محقق سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آمنہؓ کو تو واقعات کے بیان کے لیے تو ضعف دماغ اور صرع کی بیماریوں مین مبتلا ہونا تجویز ہوتا ہے۔ مگر حضرت سارہ اور حضرت مریم نے جو فرشتون کو دیکھکر حجاب و استعجاب کی صورت مین خوف کھایا تھا اُسکے لیئے ڈاکٹر صاحب کونسی بیماری اور کونسا جرح تشخیص فرمائین گے۔

بہر حال اگر سر ولیم میور اور اُنکے ہمخیال خصائص انبیاء کے قائل نہین ہین اور ان خاصان خدا کو عوام کالانعام کے برابر جانتے ہیں تو وہ ایسے اس غلط استدلال کو اہل اسلام کے مقابلہ مین جو ابتدائے اسلام سے لیکر اسوقت تک تخصیص و تفضیل انبیاءؑ کے برابر معتقد و مؤید ہین اور انشاء اللہ تعالیٰ ابدالاباد تک قائل رہین گے اسوقت تک پیش کرنیکا حق نہین رکھ سکتے جبتک کہ وہ ان اقسام کی مرویات کو اپنی تمام مذہبی کتابون سے قلمزد نہین کر لیںگے یا کم سے کم اونپر محالات و ناممکنات ہونیکا یقین نہ کر لینگے ہم نے اُنکے جملہ اعتراضات کی تردید میں اس کلیہ کو لکھدیا اس سے زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہین تھی۔ مگر چونکہ سر ولیم میور نے فرشتہ کے ذریعہ سے حضرت آمنہؓ کو اس مولود کا احمدؐ نام رکھے جانے کی ہدایت کرنے پر بڑی حیرت و استعجاب کا اظہار فرمایا ہے۔ اسلیے ہم مختصراً اُنکے استعجاب کا ذیل مین جواب عرض کیئے دیتے ہین۔

سر ولیم میور کو اس حصہ روایت کی تردید کی ضرورت جس بنا پر واقع ہوئی ہے اُسکو ہم خوب جانتے ہین ۱ احمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے نام ولقب سے اُنکے بدن پر لرزہ چڑھ جاتا ہے کیوں اسلیے کہ یہ وہی مقدس اور مبارک نام ہے جسکے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صعود آسمان کے وقت حضرت خاتم الانبیا علیہ وآلہ التحیۃ والثنا کے ظہور اور رسالت کی نوید و بشارت اس عبارت کے ساتھ تمام مسیحی اُمت کو پہنچائی تھی کہ "سچ تو یہ ہے کہ میرا چلا جانا تمھارے لیئے ضروری ہے کیونکہ اگر میں جاؤں تو فارقلیط (احمد مصطفےٰ) تمھارے پاس نہیں آویگا اور اگر میں چلا جاؤنگا تو اُسکو تمھارے پاس بھیجدونگا۔

انجیل یوحنا باب ۱۶ - آیت ۷ و باب ۱۴ - آیت ۲۵ و ۲۶ -

فارقلیط کا اصل ترجمہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جسکی تصدیق و توثیق قرآن مجید کے الفاظ بشارت فمن یاتی بعدہ اسمہ احمدُ سے بخوبی ہوجاتی ہے - ہم فارقلیط اور احمدؐ کے متحد المعنی اور صحیح ترجمہ ہونیکی بحث کو اور ان تمام مشکلات کو جو عیسائیوں نے اس لفظ کے ترجمہ و معانی میں پیدا کردی ہیں اپنی کتاب کے باب البشارات میں کتب قدیمہ کی اصلی عبارت کیساتھ بالتفصیل بیان کرینگے بہرحال آمدم برسر مطلب - سر ولیم میور صاحب کو جناب آمنہ کے پاس فرشتہ کا آنا اور اس بچہ کا نام جو اسوقت تک حمل میں تھا احمدؐ رکھے جانے کی تاکید کرنا حیرت خیز اور تعجب انگیز بھی معلوم ہوا ہے محال بھی ناممکن الوقوع والامثال بھی - اچھا تھوڑی دیر کیلیے یونہی سہی - مگر مشکل تو یہ ہے کہ افسوس سر ولیم میور صاحب بدقسمتی سے ان واقعات و مشاہدات کی اُن متعدد اور متواتر مثالوں کو کیا کرینگے جو بجنسہٖ و بلفظہٖ اُنکی آسمانی کتابوں میں بھی اُسوقت سے لیکر اُسوقت تک مرقوم و مسطور چلی آتی ہیں اور محفوظ و مذکور۔ توریت مقدس کے باب پیدائش میں لکھا ہے -

"ہاجرہ سے اللہ تعالیٰ کے ایک فرشتہ نے آکر کہا کہ دیکھ تو حمل سے ہے اور تیرے ایک لڑکے کا پیدا ہوگا اسکا نام اسمٰعیل رکھنا"

(کتاب پیدائش باب ۱۶ - آیتہ ۱۱) اور پھر اُسی کتاب میں ہے کہ:-

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تیری بی بی سارہ کے بیشک ایک لڑکا ہوگا تو اسکا نام اسحٰق رکھنا - باب ۱۵ - آیت ۱۹

توریت کی عبارت ہو چکی اب انجیل کی بشارت ملاحظہ ہو - انجیل متی باب آیت ۳۰ میں ہے -

"اُسکے (مریمؑ) ایک بیٹا پیدا ہوگا اور تجھکو (یوسف کو) چاہیے کہ اُسکا عیسیٰ نام رکھ کیونکہ وہ اپنی اُمت کو اُنکے گناہوں سے نجات دیگا" ان اعتراضات کے جواب میں عیسائیوں سے عموماً اور میور صاحب سے خصوصاً التماس ہے کہ ان متعدد اور متواتر مثالوں کی موجودگی میں جنکے صحیح اور فی الواقع ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا وہ کس منھ اور کس مان سے مسلمانوں کی ان مرویات پر محالات اور ناممکنات کا حکم لگائینگے اسلیئے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں تاوقتیکہ وہ اپنی کتب مقدسہ سے ان واقعات کو نکالدینگے اُنکو جناب آمنہ سلام اللہ علیہا پر نزول فرشتہ اور ہدایت تسمیہ کے متعلق تعریض و تنقید کا کوئی حق حاصل ہوگا -

نزول رحمت ظہور رسالت

ولادت باسعادت جناب آمنہ کے ایام حمل تمام ہوئے یا یوں کہیے کہ امین الٰہی کی امانت کی مدت ختم ہوئی اور وہ دن آگیا کہ ودیعت الٰہی کا وہ نایاب گوہر قدرت لامتناہی کا لاجواب جوہر علم و الیقان کا مخزن - عرفان و اتقان کا معدن

بشارت موسیٰ کا مدعا - نوید عیسیٰ کا مقتضا - اصل وحدت کا معلم - امر رسالت کا متمم -

آئینہ معرفت کبریا　　　خاتمہ سلسلۂ انبیاء
گوہر گنجینۂ علم و کمال　　　جوہر آئینۂ حسن و جمال
شمسۂ ایوان قضا و قدر　　　خمسۂ ارکان عقول بشر
جلوہ دہ شاہد وحدانیت　　　سجدہ گہ عاشق روحانیت
علت غائیۂ ہر جزو و کل　　　اول ہر خلقت ختم الرسل
ہفت فلک از کرمش استوار　　　ہشت بہشت از قدمش نوبہار
منتظم نظم قضا و قدر　　　مقتدر و معتمد و معتبر

نام ویش اول امجد شدہ
احمد و محمود و محمد شدہ

(مؤلف عفی عنہ)

افضل المرسلین - خاتم النبیین شہنشاہ کونین رسول الثقلین محمد ہاشمی قصی مفخر عبد اللہؑ - ناز پرور آمنہؑ اول خمسہ آل عبا - حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - رحمت الٰہیہ اور برکت قدسیہ کا اسوۂ حسنہ بنکر رونق افروز گلستان عالم ہوئے -

تاریخ روز اور سن ولادت | تفسیر حدیث اور تاریخ کے محققین اہل سنت والجماعت کے اقوال و مختار سے تاریخ ولادت بارھوین ربیع الاول روز دوشنبہ سنہ عام الفیل مطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء ثابت ہوتی ہے علماء اہلبیت کے اتفاق و ارشاد سے سترھوین ربیع الاول روز دوشنبہ پائی جاتی ہے -

حاشیہ زیر صفحہ - تاریخ وصال و ولادت کے متعلق ہم نے فریقین کے علیحدہ علیحدہ مختار متفقہ لکھدیے ہین سواد اعظم اہلسنت کی حدیث و تاریخ کی تمام کتابون میں اقوال مختلفہ پر کمال احتیاط النظر کرکے اور انکو باہم مقابلہ کرلینے کے بعد جو مختار متفقہ قدیم پایا گیا ہے وہ یہ ہے -

وقیل لہ لاثنی عشر من ربیع الاول وعلیہ عمل اھل مکۃ وحدیثا فی زیارتھم موضع مولدہ فی ھذ الوقت ای ثانی عشر ربیع الاول (زرقانی)

بارھوین ربیع الاول ہی آپ کی تاریخ ولادت بتلائی گئی ہے اور اسی پر اہل مکہ کا اتفاق ہے اور آج تک اسی پر عمل ہے اور وہ لوگ آپ کے مقام ولادت کی زیارت وہان اسی دن یعنی بارھوین ربیع الاول کو کیا کرتے ہین -

پھر ان تمام اقوال مختلفہ کے تصفیہ مین تحریر ہے -

فتحصل فی تعیین الیوم سبعۃ اقوال المشہور انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول ابن اسحاق وغیرہ کلام المصنف وھو قول محمدؐ

تاریخ ولادت کے تعین مین سات قول آئے ہین مگر ان سب مین مشہور یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارھوین ربیع الاول دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اور مصنف (قسطلانی صاحب کتاب مواہب لدنیہ)

احوال ولادت کے متعلق حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی زبانی جسکی تصدیق آگے چلکر خود قول رسول صلعم سے ہوجاتی ہے تمام تاریخوں میں یہ حالات وواقعات درج ہیں۔ ہم ابن سعد کی طبقات سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ان آمنة بنت وهب قالت لقد علقت به تعني رسول الله صلعم فما وجدت له مشقة حتى وضعته فلما فصل مني خرج معه نور اضاء له ما بين المشرق الى المغرب ثم وقع الى الارض معتمدا على يديه ثم اخذ قبضة من تراب فقبضها ورفع رأسه الى السماء وعن عبد الله ابن عباس

جناب آمنہ نقل فرماتی ہیں کہ جب سے مجھے جناب رسول خدا کا حمل ہوا مجھے کوئی گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ یہانتک کہ وضع حمل ہوا جس وقت آپ متولد ہوئے پورب پچھم تک ایک نور پھیل گیا۔ وقت ولادت آپ دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور ایک مٹھی خاک اٹھالی اور آسمان کی طرف اپنا فرق مبارک بلند فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ ابن اسحق بن یسار امام المغازی وقول غیره قال ابن کثیر وهو المشهور عند الجمهور وبالغ ابن الجوزی وابن الجزار فنقلا فیه الاجماع وهو الذی علیه العمل زرقانی ص ۱۵۹ ج ۱۔

مسرحہ اقوال سے یہ تیسرا قول ہے اور یہی امام المغازی محمد ابن اسحاق ابن یسار کا قول ہے اور سوائے اوکے اور دوسرے لوگوں کا بھی یہی قول ہے ابن کثیر نے اسی کو قول مشہور لکھا ہے اور ابن جوزی و ابن جزار نے تمام اقوال کو نقل وجمع کر کے اسی قول پر اجماع وعمل دونوں بتایا ہے

مرقومہ بالا عبارت سے ۱۲ ربیع الاول بالاتفاق اجماع اور عمل اہلسنت ہیں سب کچھ ثابت ہے لیکن شبلی صاحب محض اپنے اصول پر اپنی جدت طبع کا نمونہ دکھلا کر مفسرین محدثین اور مورخین کی اجماعی تحقیق کو غلط ٹھیراتے ہیں اور ایک ایسی تاریخ قطعی طور پر روز ولادت بتلاتے ہیں جسکو اسوقت سے لیکر اسوقت تک کسی مفسر محدث اور مورخ نے صحیح سے ضعیف سے ضعیف سند کے ساتھ بھی نہیں لکھا ہے۔ حالانکہ وہ سات اقوال مختلفہ جسکا حوالہ زرقانی نے دیا ہے وہ دوسری آٹھویں دسویں بارھویں سترھویں اور اٹھارھویں ربیع الاول ہے۔ مدرجہ بالا تاریخوں میں شبلی صاحب کی نویں تاریخ کو کسی نے بھی نہیں لکھا ہے آپ کے قطعی لکھ دینے تو کسی تاویل کی بھی گنجایش نہیں چھوڑی کیونکہ اگر آٹھویں تاریخ کو ایسی تمام کر کسی طرح نویں تاریخ قرار دیلی جاوے جو وقت ولادت بالاتفاق صبح کے وقت طلوع آفتاب کے بعد قرار پایا ہے کسی طرح نویں کے انعقاد کو صحیح ہونے نہیں دیتا ہاں اگر آٹھویں کا دن تمام ہو کر رات کا وقت ولادت کہیں لکھا ہوتا تو آپ کے قول کی قدر تاویل ممکن تھی"

شبلی صاحب کے اس قول مختار اور اس فیصلہ نا استوار کی یہ کیفیت ہے جو سب کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ وارداتِ تاریخ کے قطعی اور واقعی ہونے کا کہانتک ثبوت ملے گا اسکے کم سے کم مسلہ مختلف ہو سکا تھی کوئی عنوان کسی کتب تاریخ و حدیث سے قایم نہیں ہوتا۔ مولوی شبلی نے اسوقت اسکے اور تمام قواعد و ضوابط اور حدود و قیود کو دست بردار ہو کر جنکو وہ سیرۃ النبی کے دیباچہ میں قایم کر چکے ہیں اور پیرایہ اس امر کا جواب موضوع ہے کہ کوئی تاریخی واقعہ تاوقتیکہ حدیث کی کتابوں سے مطابق کر لیا جاوے اندراج کے قابل نہیں ہیئت و نجوم کے موئید ہو گئے ہیں اور محمود پاشا فلکی کے مقلد۔ چونکہ انھوں نے قاعدہ نجوم سے یہ ثابت کیا ہے کہ تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول سنہ عام الفیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے اس لئے آپ نے بھی بلاتردد و تامل اسی کو بالکل صحیح اور صریح تاریخ و ماہ ولادت قرار دیدیا اور اپنے حسابوں اپنی اس تحقیق و تلاش کو بالکل جدید اور نادر تصور فرمایا

عن ابیہ عباس بن عبد المطلب ولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختونا مسرورا۔ طبقات ابن سعد

لے اپنے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ بن عبد المطلب سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختنہ شدہ و ناف بریدہ پیدا ہوئے

حضرت عبد المطلب کو خبر ولادت

ابن سعد واقعہ ولادت کی تفصیل میں آگے لکھتے ہیں۔

ولما ولدت آمنة بنت وهب رسول الله صلعم ارسلت الى عبد المطلب فجاءه البشير وهو جالس فى الحجر معه ولده ورجال من قومه فاخبره ان آمنة ولدت

جب جناب رسالتمآب صلعم پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ بنت وہب نے آدمی بھیجکر حضرت عبد المطلب کو اطلاع کی۔ وہ اسوقت اپنے بیٹوں اور قوم کے چند لوگوں کے ساتھ کعبہ کے مقام حجر میں تشریف رکھتے

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ حالانکہ اگر آپ صرف زرقانی کی پوری عبارت پڑھ گئے ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ محمود پاشا فلکی سے عرصہ دراز پہلے اسلامی ماہرین و محققین علم نجوم نے باقاعدہ نجوم آپ کی ولادت کے روز و تاریخ کی تحقیق کر لی ہے فلکی صاحب کو تو آسمان سے اس مضمون کو بس لاتے ہیں ملکاؤں سے پیشتر ہیں والے بڑی جانکاہی سے اسکو سطح زمین پر تحقیق کر چکے ہیں (ملاحظہ ہو عیون المعارف مؤلفہ ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی الشافعی قاضی مصر المتوفی ۴۵۴ھ زرقانی جلد اول مطبوعہ مصر جیدرآباد ص ۱۵۹) اب فلکی صاحب یا ان کی پیروی سے شبلی صاحب کے متعلق جس تحقیق کی جدت یا نوعیت کا دعویٰ کرینگے وہ حقیقت میں انہیں حضرات کے غور و افکار کا نتیجہ نفیس کہا جاویگا عیون المعارف میں جیسا کہ زرقانی کے قول سے ثابت ہوتا ہے امام قضاعی نے تعیین تاریخ ولادت کے متعلق علماء نجوم کے تمام اقوال جمع کئے ہیں اور انکی تحقیق کی رو سے روز ولادت آٹھویں تاریخ ربیع الاول ہے (اسی) قول کو اکثر محدثین و مورخین نے بھی تسلیم کر لیا ہے جیسا کہ امام قسطلانی صاحب (مواہب لدنیہ) اور حمیدی (صاحب جمع بین الصحیحین) وغیرہم کا یہی مختار تھا۔ ملاحظہ ہو زرقانی ص ۱۵۰ اس بنا پر اگر اعتبار کیا جاوے گا تو آٹھویں ربیع الاول پر جو علماء نجوم و حدیث کے متفقہ اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ نہ فلکی صاحب اور نہ شبلی صاحب کی توفیق پر جسکو نہ منجم لکھتے ہیں نہ محدثین نہ مورخین۔

شبلی صاحب کی بلند پروازی کچھ اسی مضمون تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام تصنیف و تالیف میں کبر آسمان شد زر و جنگ کا تمام لطف پایا جاتا ہے جسکا ایک نمونہ پیش نظر ہے آپنے محمود پاشا فلکی کے قول کی قطعی صحت کا حکم تو لگا دیا۔ مگر یہ خیال نہ رہا کہ اسکے صحیح مان لینے سے تاریخ میں اختلاف تو تھا ہی۔ سال کے تعین میں بھی فساد عظیم مچ گیا۔ عرب اسوقت تک تو صرف عام الفیل لکھتے اور بتلاتے آئے مگر یورپین محققین نے جن میں محمود پاشا فلکی کے ایسے کثیر التعداد افراد ہیئت نجوم فلسفہ اور ریاضی کے ماہرین و کاملین شامل ہیں جب واقعات اسلامی کے نقل و ترجمہ کیطرف توجہ فرمائی تو سنہ عام الفیل کو سنہ عیسوی سے مطابق کرکے بالاتفاق بارہویں ربیع الاول سنہ عام الفیل کو ۲۹ اگست ۵۷۰ء کے مطابق قرار دیا اور پھر اسوقت سے لیکر اسوقت تک تمام ممالک یورپ میں اسلامی واقعات و سوانح مختلف زبانوں میں لکھے گئے اور کثیر التعداد عربی تالیفات و تصنیفات عربی سے یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور سب میں اسی مختار متفقہ پر اعتبار کرکے اسی کو تمام تالیفوں اور ترجموں میں نقل کرتے آئے مگر فلکی صاحب نے ۲۹ اگست کو ۲۰ اپریل اور ۵۷۰ء کو ۵۷۱ء کر دیا ہے جس میں تفاوت ۵ ماہ اور ایک سال کا ہے گو سرسری طور پر تاریخوں کے دیکھنے سے لوگ ولادت کی تاریخ و روز میں صرف دو تین دن کا فرق

فلما بشر بذلك عبد المطلب وقام هو ومن كان معه فدخل عليها فاخبرته بكل ما رأت وما قيل لها وامرت به قال فاخذه عبد المطلب فدخله الكعبة وقام عندها يدعو الله ويشكر ما اعطاه

اور اس آدمی نے حاضر ہو کر بشارت دی کہ آمنہؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ یہ سنکر آپ مسرور ہوئے اور آپکے ساتھ تمام ہمراہی بھی کھڑے ہو گئے اور جب گھر میں آمنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے وہ تمام حالات جو انہوں نے دیکھے تھے یا جو کچھ (منجانب خدا) آپ سے کہا گیا تھا یا جس کے لئے آپکو حکم دیا گیا تھا حضرت عبد المطلب سے بیان کر دیا حضرت عبد المطلب نے اس مولود مسعود کو گود میں لیا اور خانہ کعبہ کے اندر آکر کھڑے ہو گئے اس مولود مسعود کی سلامتی کی دعا مانگی اور اس نعمت کے عطا فرمائے جانے کا شکریہ ادا کیا۔

تقریب ولادت کی یادگار میں حضرت عبد المطلب کے اشعار

ابن سعد طبقات میں مندرجہ بالا حالات لکھکر محمد ابن عمر اسلمی کے اسناد سے اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب نے اس واقعہ مسرت اثر کی یادگار میں ذیل کے اشعار منظوم فرمائے جس سے آپ کے قلبی جذبات کا پورا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

الحمد لله الذی اعطانی
هذا الغلام الطیب الاردان

میں خدا کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسا
فرزند عطا فرمایا جو اپنی قوم میں پاک و پاکیزہ ہے

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ

معلوم ہوتا ہے کیونکہ عربی تاریخیں ۱۲ ربیع الاول بتلاتی ہیں اور آپ ۹ ور کہتے ہیں لہذا اتنے قلیل اختلاف سے مہینے اور سال میں اتنا بڑا عظیم اختلاف ہے کہ اپریل سے اگست اور ۵۷۰ء سے ۵۷۱ء ہو گیا ہو یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ایسی سخت غلطی اس واقعہ کے متعلق اتنے زمانہ سے چلی آتی ہو اور دیگر علمائے مستشرقین کی آنکھ نظر پڑی ہو اور اگر نظر پڑی بھی ہو تو وہ اسکو صحیح سمجھ سکتے ہوں اور آج تک برابر اوسی غلطی کو نقل کرتے چلے آتے ہوں۔

ڈاکٹر سر سید احمد خان نے خطبات احمدیہ میں ۵۷۰ء میں آپ کی ولادت واقع ہونیکی تحقیق اور اسکی تصدیق و توثیق پوری تفصیل کیساتھ کی ہے انکا قول ہے
جمہور مورخین کی رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہویں ربیع الاول کو عام الفیل کے پہلے سال یعنی ابرہہ کی چڑھائی سے پچپن ۵۵ روز بعد پیدا ہوئے۔ مگر اس امر میں کہ عام الفیل سنہ عیسوی کے کون سے سال میں واقع ہوا تھا مورخوں کی رائے میں اختلاف ہے۔ صحیح امر جو قرار پایا ہے وہ یہ ہے کہ عام الفیل ۵۷۰ء کے مطابق تھا کیونکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلعم نے ۶۲۲ء میں مکہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ یعنی نزول وحی سے تیرہویں برس اور وحی چالیس برس کی عمر میں نازل ہوئی تھی۔ ان برسوں کو اگر جمع کیا جاوے تو ترپن ۵۳ قمری سال ہوتے ہیں اور جب ان میں سے ایک برس قمری کو شمسی سال سے مطابقت کرنے کے لئے منہا کر لیا جاوے تو باون ۵۲ برس باقی رہتے ہیں اور جب باون ۵۲ کو چھ سو اکیس ۶۲۱ میں سے نکالا جائے تو پانسو ستر باقی رہتے ہیں اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی ولادت ۵۷۰ء میں واقع ہوئی۔ مطبوعہ لاہور ص ۱۶۔

یہ قرائن و شواہد بتلا رہے ہیں کہ نہ فلاں صاحب کا مختار قابل اعتبار ہے نہ شبلی صاحب کی تائید لائق شمار پھر اتفاق میں اختلاف پیدا کرنا کیا معنی۔ یہ نتیجہ ہے زود نویسی اور مدعا ناشناسی کا۔ المؤلف

قد ساد فی المهد علی الغلمانِ	وہ اپنے گہوارے میں غلاموں کی حفاظت میں آرام کرتا ہے
اعیذه باللّٰهِ الذی ذی ارکانِ	خدا تعالیٰ جو رکن و مقام کا مالک ہے اوسکو اپنی پناہ میں رکھے
حتّٰی اراه بالغ البنیان	یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں سے اوسے جوان دیکھ لوں
اعیذه من شرّ ذی شنآن	اور خدا اُسے اوسکو بُرا چاہنے والے حاسد کے شر سے محفوظ رکھے
من حاسد مضطرب العنان	اور ہر شریر سے بھی جو اُسکا اچھا نہیں چاہتے ہیں[لہ]

روز اور وقت ولادت سال و ماہ ولادت کی تفصیل و تحقیق اوپر لکھی جا چکی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی بالقابہ اسپرٹ آف اسلام صفحہ کے زیر حاشیہ لکھتے ہیں کہ جس سال آنحضرت صلعم پیدا ہوئے وہ کسریٰ نوشیروان کا چالیسواں سال جلوس تھا اور سن سلاقسی (یونانی) کا ۸۸۲ سال تھا۔

بالاتفاق و بالیقین ثابت ہے کہ ولادت باسعادت دن کے وقت بعد طلوع آفتاب دوشنبہ کے روز واقع ہوئی مسلم ابن قتادہ انصاری سے ایک طولانی حدیث اسکے متعلق موجود ہے جسکی سند پر امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ نے یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے هذا الحدیث یدل انّه صلعم وُلد نهاراً یہ حدیث اسپر دلیل ہے کہ آپ کی ولادت دن کے وقت واقع ہوئی اسی حدیث میں دوشنبہ کے دن کی بھی تعیین مندرج ہے۔ ملاحظہ ہو زرقانی ص ۱۶۱

لہ افسوس ہے کہ سر ولیم میور صاحب تعصب اور نفسانیت کی ہوشیوں میں پڑکر عادات اور تعلقات قلبی کو جو محبت سات دیکھی آئی سے ودیعت کئے صرورت قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں بھی قطعی فراموش کر گئے۔ اور حضرت عبد المطلب کی مسرت ولا دعا کو بھی جو اپنے اس دُر یتیم کے حق میں خدا سے مانگی تھی ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکے اور اسکی نسبت جب اعتراض کا موقع نہ ملا تو تحریر فرماتے ہیں کہ عبد المطلب کی دعا کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صریح اسلامی طریق کا ہے اور اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ کعبہ میں عبد المطلب کا دعا مانگنا بعد میں مسلمانوں کی جانب سے بنی ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آبائی طاہرین کے خداپرست ہونیکی بحث تو عنقریب اپنے مقام پر لکھینگے۔ مگر یہاں سر ولیم میور کو صرف ما بتلائے دیتے ہیں کہ اس مقدس خانوادے کی خداپرستی پر اسلام کے کل فرقوں کا قریباً اتفاق ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت اور قوی ثبوت یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد بزرگوار کا نام عبد اللہ رکھا۔ جو خاص خداپرستوں کے طریقہ کا نام ہے پھر اس خداپرست نے اپنی دعا میں خداپرستوں کے الفاظ و مصطلحات استعمال فرمائے تو کون سا تعجب ہے۔

ولیم میور صاحب کے اعتراضات کرامات ولادت کے جوابات اگرچہ ہم نے ولادت کی متعلق صرف انہیں واقعات کو لکھا ہے جو تاریخی مشاہدہ کا درجہ رکھتے ہیں اور محالات وغیرہ کے شبہات و احتمالات سے بالکل مبرا ہیں مگر سر ولیم میور صاحب اپنی ذہن کے ایسے تیز ہیں کہ ان حالات کو بھی حیرت خیز اور تعجب انگیز کہے جاتے ہیں اس متعصب عیسائی مولف کی اصل غرض تو یہ ہے کہ ان بضرورت مباحث کو پیش کر کے دین اسلام کی لغویت ثابت کریں اس لئے آدمی سے کوئی پوچھے کہ کسی پیغمبر کے حالات ولادت کا علم اس سے کہ وہ صحیح ہوں یا غیر صحیح اسکے اصول مذہب اور تعلیم دین پر کیا اثر پڑتا ہے۔ چونکہ میور صاحب کا مدعا اسلام پر درپردہ شرمناک حملہ ہے اسلئے اسکی حقیقت کا انکشاف

مقام ولادت فریقین کے متفقہ مختار سے شعب بنی ہاشم (جو بعد میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہوا) مقام ولادت ثابت ہوتا ہے۔ زرقانی میں مقام ولادت کی تفصیل اور تخصیص کے متعلق یہ لکھا ہے کہ شعب بنی ہاشم میں وہ مکان اصلی مقام ولادت تھا جسکو زقاق مولد کہتے تھے۔ اور یہ وہی مکان تھا جو بقول مورخ ابن اثیر آنحضرت صلعم نے عقیل ابن ابی طالب کو ہبہ فرما دیا تھا اور بعد مرور ایام اونکی اولاد نے محمد ابن یوسف ثقفی برادر حجاج ابن یوسف الثقفی کے ہاتھ بیع کر دیا اور اس کے بعد جب ہارون الرشید حج کرنے آیا تو اس نے محمد ابن یوسف کے ورثا سے خرید کر یہاں مسجد بنوا دی جو آجتک مولد النبی صلعم کے نام سے زیارتگاہ عالم ہے۔ (زرقانی ص ۱۶۵)

رسم تسمیہ و ولیمہ عقیقہ رسم تسمیہ اور ولیمہ عقیقہ کی نسبت زرقانی نے تاریخ خمیس کے اسناد سے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

وفی الخمیس روی انہ لما ولد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر عبد المطلب بجزور فنحرت ودعا رجالا من قریش فحضروا وطعموا وفی بعض الکتب کان ذلک یوم سابعہ فلما فرغوا من الاکل قالوا ما سمیتہ فقال سمیتہ محمد

تاریخ خمیس میں ہے کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبد المطلب نے اونٹوں کی قربانی کا حکم دیا چنانچہ اونٹ ذبح کئے گئے قریش کے لوگوں کو دعوت دیگئی وہ حاضر ہوئے اور کھانے کھائے بعض کتابوں میں یہ دعوت ولادت سے ساتویں دن بیان کیگئی ہے جب کھانے سے فراغت ہو چلی تو لوگوں نے حضرت عبد المطلب سے پوچھا کہ آپ نے

حاشیہ صفحہ دیگر ضروری ہے میور صاحب وہ روایات جنمیں حضرت آمنہ سے نور کا ظاہر ہونا منقول ہے اور جو بیہقی کی کتاب السیرۃ النبویہ میں بیان کیگئی ہے اوسطرح پر نہیں ہے جسطرح کہ میور صاحب نے بیان کی ہے اسلئے ہم اوس روایت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں عن العرباض ابن ساریہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ساخبرکم باول امری انا دعوۃ ابراہیم وبشارۃ عیسی ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی وقد خرج لہا نور اضاءت لہا قصور الشام عرباض ابن ساریہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمکو اپنے ابتدائی احوال سے مطلع کروں میں دعا ہوں ابراہیم کی اور بشارت ہوں عیسی کی اور خواب ہوں اپنی ماں کا جسے اوس نے میرے پیدا ہونیکے وقت دیکھا تھا کہ اوس سے ایک نور پیدا ہوا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے جن روایتوں میں نور کا پیدا ہونا منقول ہے اونکو اگر ہم صحیح تسلیم بھی کر لیں تو ان سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ جناب آمنہ نے ان امور کو خواب میں مشاہدہ فرمایا ہے جیسا کہ ہم ابن سعد کے حوالہ سے اوپر لکھ آئے ہیں تو اس قسم کے خواب دیکھنے حیرت انگیز ہو سکتے ہیں نہ تعجب خیز نہ خلاف قیاس ہے نہ محال عادت ہمکو میور صاحب کے اس واہی اعتراض پر اتنا تعجب نہیں ہوتا جتنا اونکی قابلیت جامعیت اور یکطرفہ فیصلہ کرنے پر افسوس آتا ہے۔ انھوں نے اہل اسلام کی ان مرویات پر محالات و ناممکنات کی غرض دنیا بھر کی دشواریاں جمع کر دیں اور اونکو ناممکنات و محالات بتلا دیا۔ مگر اپنی کتابوں کی کوئی خبر نہ لی جن میں ایسے ایسے مہملات۔ لغویات اور محالات کے خزانے بھرے پڑے ہیں کہ نادان سے نادان اور بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی اونکی صحت کا قائل نہیں ہو سکتا دیکھو کتاب توریت حضرت یعقوب کا خدا کے ساتھ کشتی لڑنا۔ اور حضرت اسحاق کا پٹیر ہی لگا کر آسمان پر چڑھ جانا اور اس ترکیب مصنوعی سے رتبہ معراج پانا (تکوین ۲۲-۲۹) اسی طرح حضرت موسیٰ کے معجزات عصا کا سانپ ہو جانا ید بیضا کا نمودار ہونا آب دریا کا خون ہو جانا مینڈکوں کی وبا کا آنا۔ اور دیگر خلاف عقل و عادت معجزات جو (نعوذ باللہ) اس پیغمبر برحق کی دعا سے ملک مصر

فقالوا ارغبت عن اسماء آبائہ فقال اردت ان یکون محمودا فی السماء للہ وفی الارض لخلقہ وقیل بل تسمیتہ بذلک امہ لما رأتہ وقیل لہا فی شانہ ویمکن الجمع بان امہ لما قلت ما رأتہ لجدہ شاہر ووقعت التسمیہ منہ اذا کان لسببہا الصحیح القول ما قیل لہا سمتہ۔ زرقانی ۱۵۴

سو لڑکے کا یہ نام رکھتا ہوں عبدالمطلب نے کہا محمد صلعم، لوگوں نے پوچھا آپ کو اپنے بزرگوں کے ناموں سے رغبت نہیں ہے عبدالمطلب نے فرمایا میں اس لئے اسکا نام محمد رکھتا ہوں کہ خدا کے نزدیک آسمان پر بھی محمود اور اوسکی خلقت کیلئے زمین پر بھی محمود ہو اور یہ قول بھی آیا ہے کہ آپ کا یہ نام آپ کی ماں نے رکھا تھا جیسا کہ آمنہ کو خواب میں (اس بچے کے) اسکے نام اور اکرام شان کے متعلق بتلایا گیا تھا

اور ان دونوں مختلف اقوال میں اجماع ممکن ہے اسطرح کہ آپ کی مادر گرامی قدر نے جو کچھ خواب میں مشاہدہ فرمایا ہو وہ آپ کے جد امجد سے ظاہر فرمایا ہو اور کہا ہو کہ بچہ کا یہی نام رکھا جائے اور اسی کے مطابق تسمیہ واقع ہوا ہو۔ لیکن صحیح ترین یہی ہے کہ آپکی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام رکھا تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وآبائہ وسلم۔

کنیت باتفاق فریقین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ثابت ہے۔

القاب اسلامی کتب تفاسیر احادیث اور تاریخ میں آپ کے کثیر التعداد القاب مرقوم ہیں۔ اخبار الوفا میں امام سمہودی نے سات سو القاب مع توجیہات کے پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں ان سب میں مشہور ترین القاب۔ خاتم النبیین اور نبی الرحمۃ ہیں جو نصوص قرآنی سے منصوص و مخصوص ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مرضعات آنحضرت صلعم ان کو کسی نے اصولاً مرضعات میں شامل نہیں کیا ہے۔ مجازاً کا شمار نہیں۔ اس بنا پر حضرت آمنہ

حاشیہ صفحہ دیگر

فرعون میں ظاہر ہوئے مثلاً بنی اسرائیل کے لئے نیل کے بہتے پانی میں راستہ کا کھل جانا من وسلوی کا اترنا۔ پتھر کی تختوں لوحوں کا نازل ہونا جن پر خدائے (نعوذ باللہ) اپنی انگشت مبارک سے احکام توریت لکھے تھے۔ خدا کا بنی اسرائیل کو تمام دنیا کی قوموں پر ترجیح دینا اور تمام دنیا کی برکتیں اونکو عطا فرمانا اسرائیل کو اپنا پہلوٹا (دربدر) کہنا (نعوذ باللہ) کیا ان سب باتوں کو دل لگی کے قصے اس طرز استدلال سے نہیں کہہ سکتے۔ پھر حضرت عیسیٰ اور اون کے حواریوں کے متبعین و معتقدین کا اوسوقت کیا حال ہوگا جب ہر شخص اون کی روایات کو محض بناوٹ اور ایجاد سمجھکر مضحکہ میں ڈالدیگا مثلاً حضرت عیسیٰ کی کراماتی پیدایش اونکا مصلوب ہونیکے بعد از سر نو زندہ ہونا قبر سے نکلکر آسمان پر چلا جانا۔ اپنا مجروح ہاتھ اپنے حواریوں کو دکھلانا۔ آسمانی سلطنت میں پہنچکر خدا کے دست راست کیطرف بیٹھنا ان امور کو کیوں محالات سے کہا جاوے گا۔ سر ولیم میور کی ذہانت کی کہانتک داد دی جاوے کہ وہ ایسے محالات کو اپنی کتابوں میں شد و مد سے دیکھتے ہیں اور بلا عذر و تامل تسلیم کر لیتے ہیں اور جب ایسے ہی بلکہ ان سے خفیف امور کو مسلمانوں کی کتابوں میں پاتے ہیں تو غلط ٹھیراتے ہیں انپر ہنستے ہیں اور جھوٹ بتلاتے ہیں۔ لیکن اونھیں کے اس رویہ اور طریقہ سے ہر شخص سمجھ لیتا ہے کہ وہ کہانتک تعصب۔ نفسانیت اور خود غرضی سے پاک و صاف ہیں۔

بہرحال اس بحث کے خاتمہ پر ہم رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی بالقابہ کی وہ رائے جو انہوں نے واقعات پیدائش اور ظہور کرامات کے متعلق۔ اسپرٹ آف اسلام میں لکھی ہے ترجمہ کرکے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

کے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ ابولہب کی آزاد کردہ جاریہ۔ ثویبہ نے دودھ پلایا اِس سعادت کی تقدیم کا شرف اس لونڈی کی خوش قسمتی کا حصہ تھا۔ وَاللّٰہُ یُؤتِیہِ مَنْ یَّشَآءُ ابن سعد لکھتے ہیں

اوّل من ارضع رسول اللہ صلعم ثویبۃ بلبن ابنہا مسروح ایاما قبل ان تقدم حلیمہ وکانت قد ارضعت قبلہ حمزۃ بن عبد المطلب وارضعت بعدہ ابا سلمۃ بن عبد الاسد المخزومی وانّ ثویبۃ کان ابولھب اعتقھا۔

سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کو ثویبہ نے اپنے بیٹے مسروح کا دودھ پلایا حلیمہ سعدیہ اسوقت تک نہیں آئی تھیں اور آنحضرت صلعم سے پہلے ثویبہ نے حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو دودھ پلایا تھا اور پھر ان کے بعد ابوسلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو (جو شوہر اوّل ام المومنین حضرت ام سلمہؓ) دودھ پلایا۔ ثویبہ کو ابولہب نے آزاد کردیا تھا۔

زرقانی حالات رضاعت کو زیادہ وضاحت سے ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں۔

امہ ارضعتہ تسعۃ ایام (صاحب الذخیرہ والعمر) وغیرھما وقیل ثلاثۃ ایام وقیل سبعۃ ایام (حکاھما الخمیس عن اھل السیر) مدارج ص ۱۶۲

حضرت آمنہ آپ کی ماں نے آپکو کل نو دن دودھ پلایا اس روایت کو صاحب دُرر وغرر وغیرہ نے لکھا ہے بعض کہتے ہیں کل تین دن دودھ پلایا اور بعض سات دن بتلاتے ہیں ان اقوال کو صاحب تاریخ خمیس نے لکھا ہے۔

خوش قسمت ثویبہ کے حالات کسیقدر وضاحت کیساتھ ابن سعد کی طبقات سے اسطرح ظاہر ہوتے ہیں

عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت جیساکہ اسلامی مورخین کا مختار ہے بہت سی آیات وعلامات کی مظہر ومنظر تھی جن سے یہ مقصود تھا کہ تمام اقوام زمانہ سمجھ جائیں کہ زمانہ کا نجات دہندہ آگیا اور اوسکا ظہور ہوگیا۔ ان اقوال پر فلسفی مورخین تبسم زیرلب کرتے ہیں۔ اور مخالف مذاہب کے معترضین جو بلا تکلف دقائق متعلقات نجوم تک کے اندازی اور قیاسی مسائل کو تسلیم کرلیتے ہیں مگر ان عجائبات پر منہ بناتے ہیں لیکن ایک تحقیق کے طالب کے نزدیک جسکا قلب قدیم زمانہ کی حدبندی اور طرز خیالات کی ہمدردی سے خالی نہیں ہے اور جو بلا تحقیق حقیقت صرف قیاسات وظنیات پر اعتبار کرلینے کیلئے آمادہ نہیں ہے یہ آیات وعلامات جنکو مورخین اسلامی اپنے پیغمبر کی ... کے وقت واقع ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جو اللہ مشاہدات تاریخی سے مقابلہ وموازنہ کئے جانیکے قابل ہیں جو لوگ موجودہ زمانہ کے اشخاص بھی مختلف اقوام اور خاص اشخاص کے معمولی اور روزمرہ کے حالات وواقعات میں ایک غیر معلوم قدرت کے نفاذ واجرا کو تسلیم کرلیتے ہیں۔ تو پھر تیرہ سوبرس قبل جیساکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ ایک قوم خاص کے زوال وادبار کی ایسی حالتوں میں جس انگشت قدرت کے اشارہ سے۔ اوس قوم کو اوسکے لاعلاج معاملات ومتعدیات کو بتلا دیا جاوے کی بشارت ومقصد کی جاوے اس میں آیوالی ہیں کیوں تعجب خیز اور حیرت انگیز کہا جائیگا! اسپرٹ آف اسلام

مختون پیدا ہونے پر اعتراض سرولیم میور نے اپنے سلسلۂ اعتراض میں جہاں ان واقعات کرامات کو محالات بتلایا ہے وہاں حسد وتعصب کی پرجوشیوں میں ممکن سے ممکن واقعات کو بھی جو اوسوقت سے لیکر اسوقت روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں خلاف عقل ٹھیرایا ہے سرسید نے انکی نسبت جو اپنی معقول رائے قائم کی ہے اور جن الفاظ میں سرولیم کی تردید کی ہے وہ یہ ہیں۔

"ہمکو کس قدر تعجب آتا ہے کہ سرولیم میور نے آنحضرت صلعم کے مختون پیدا ہونیکو بھی مخترع روایات میں شمار کیا ہے

وكان رسول الله صلعم يصلها وهو بمكة وكانت خديجة تكرمها وهي يومئذ مملوكة وطلبت الى ابي لهب ان تبتاعها من ابي لهب فابى فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه واله وسلم الى المدينة اعتقها ابو لهب وكان رسول الله صلعم يبعث اليها بصلة وكسوة حتى جاءه خبرها انها قد توفيت سنة سبع مرجعه من خيبر فقال ما فعل ابنها مسروح فقيل مات قبلها ولم يبق من قرابتها احد ـ طبقات جز من ـ ص ۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثوبیہ کو برابر صلہ جات عطایا عنایت فرمایا کرتے تھے اور جناب خدیجہ بھی اوسکی بہت تکریم فرمایا کرتی تھیں۔ ثوبیہ اوس وقت تک حالت مملوکیت میں تھی۔ جناب خدیجہ نے ابولہب سے کہلا بھیجا کہ ثوبیہ کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو مگر ابولہب نے انکار کر دیا۔ مگر جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا۔ قیام مدینہ کی زمانہ میں بھی آپ وہیں سے روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ سے ثوبیہ کی امداد فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے ساتویں سال جب غزوۂ خیبر سے آپ مدینہ میں لوٹے تو سنا کہ ثوبیہ مرگئی۔ آپ نے پوچھا کہ اسکے بیٹے مسروح کا کیا حال ہوا کہا گیا کہ وہ تو اس سے قبل مر چکا تھا اور اب ثوبیہ کے اقربا سے کوئی باقی نہیں ہے۔

عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ | اور عجیب و غریب بعید از قیاس اور خلاف قانون فطرت قرار دیا ہے مگر یہ بات معجزے سے علاقہ رکھتی ہے نہ عجائبات سے بلکہ محض تلونات فطرت سے متعلق ہے ایسے تلونات فطرت کی بہت سی نظیریں بتلائی جاسکتی ہیں مثلاً ایسے اشخاص کا پیدا ہونا جنمیں علامات تذکیر و تانیث دونوں موجود ہوں ایسے اتفاقات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ قوانین فطرت کے مطابق قدرت کا اتفاقیہ انحراف کوئی عجیب بات نہیں۔ پس زمانہ میں بھی بعض اوقات مختون لڑکے پیدا ہوتے ہیں جن سے بلا توسل معجزہ یا عجائبات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی مختون پیدا ہونا یقیناً قرین قیاس ثابت ہوتا ہے اور اس امر کا ثبوت ایسے امر سے بھی ہوتا ہے کہ باوجودیکہ حضرت ابراہیم ؑ کی اولاد میں ختنہ کی رسم نہایت استحکام سے قرار پاگئی تھی اور عرب جاہلیت بھی اسکا ترک کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے مگر آنحضرت صلعم کے ختنہ کی رسم کا ہونا کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی بیان نہیں کیا گیا۔ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۲۲۹

تسمیۂ احمد پر اعتراض | سر ولیم میور صاحب کو اسلام کیطرف سے کچھ ایسی خلش ہے کہ بانی اسلام علیہ السلام کے نام کو بھی معاف نہیں کرنا چاہتے اور رسم تسمیہ کو بھی بلا تعریض و تردید خالی نہیں چھوڑتے چنانچہ اسکے متعلق جب تعریض کا کوئی اور پہلو نہیں ملا تو لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت آمنہ نے عبد المطلب سے فرشتہ غیبی کا یہ حکم بیان کیا کہ اس لڑکے کا نام احمد رکھنا تو محمد کے مادے سے جو نام مشتق ہوتے ہیں عرب میں مروج تھے مگر احمد عرب میں بہت کم نام ہوتا تھا آنحضرت صلعم کے سوا پانچ مختلف اشخاص عرب میں اور بھی گذرے ہیں جنکا نام محمد تھا۔ سر سید مرحوم نے جو اسکی محققانہ تحقیق فرمائی ہے وہ انکشاف حقیقت کے لئے کافی ہے ذیل میں بلفظہ نقل کیجاتی ہے۔

سر ولیم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں محمد نام کے اور لوگ بھی گذرے ہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے عرب میں اس نام کا کوئی اور نہیں ہوا۔ بلکہ بخلاف اسکے اس قسم کی

ثوبیہ کے ایام رضاعت ثوبیہ کے ایام رضاعت بہت قلیل تھے جسکی مدت خاص کسی تاریخ وسیر میں بیان نہیں ہوئی
ہان قلت کا ذکر سب کرتے ہیں۔ زرقانی بھی ایسا ہی لکھتے ہیں ارضعتہ ثویبۃ ایاما قلائل قبل قدوم حلیمۃ ثویبہ نے
حلیمہ کے آنے سے قبل تھوڑے دنوں آپ کو دودھ پلایا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے خدمات رضاعت ایک دن۔ دو دن یا ایک ہفتہ خواہ دو ہفتے ثوبیہ دودھ پلاتے ہوئے تھے کہ حلیمہ بنت
مکہ معظمہ میں آئیں۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمات رضاعت اس عالی قسمت سے متعلق ہوئیں۔

تاریخ سیر اور حدیث کی تمام کتابون میں اسکی تفصیل یون پائی جاتی ہے کہ قدیم الایام سے عرب کے تمام شرفا اور طبقہ علماء میں
پرورش اطفال کا یہ دستور قایم تھا کہ وہ اپنے بچون کو خاصکر پرورش پانے کیلئے ان اعراب صحرائی کی عورتون کے حوالہ کردیتے تھے جو
ہر سال شہر مکہ میں اسی لئے آیا کرتی تہیں اس سے اول مدعا تو بچون کا کھلے اور صاف ستھری ہوا میں رہکر پرورش پانا اور صحیح و
تندرست رہنا ہوتا تھا کیونکہ شہر میں کثرت آبادی سے اکثر وبائی امراض پھوٹ پڑتے ہیں اور دوسرے اس سے زبان کی درستی
اور فصاحت و بلاغت کی خاص تعلیم بھی مقصود ہوتی تہی۔ کیونکہ عرب میں اسوقت زباندانی کا علاوہ اسکی مشق کمال درجہ تک
پہنچی ہوئی تھی۔ اور ہر انسان میں ہر شخص کی نگاہ پہلے اسی جوہر کی متلاشی رہتی تہی۔ اور خاص زبان کی نسبت گویا یہ ایک مانی
بات تھی کہ عرب صحرائی کی زبان اہل شہر اور قصباتی باشندگان ملکی کی زبانوں سے زیادہ شیرین اور شستہ ہوتی تہی کیونکہ بیرونی
الفاظ خارجی محاورات اور اصطلاحات کے اختلاط سے بالکل پاک و صاف رہتی تھی اس بنا پر شرفا اور رؤسائے مکہ میں بچون
کی ابتدائی پرورش کا یہ طریقہ اور تعلیم زبان کا یہ دستور قدیم سے جاری تھا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ ۔ تمام روایتون کو رد کردیا ہے اور نہایت تدین اور ایمانداری سے اس امر کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں کہ
اس نام کے عرب میں اور لوگ بھی گذرے ہیں اور واقدی کو بھی ہم اونہیں لوگوں میں شمار کرتے ہیں مگر یہ بات کہ ان ناموں کے اور لوگ بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے درحقیقت گذرے تھے یا یہ کہ اس نام کا مادہ حمد ہے اور حمد کے اہل عرب ناموں کو مشتق کیا کرتے تھے یا یہ کہ یہ
نام اکثر والدین اپنے لڑکوں کا اس توی اُمید پر رکھا کرتے تھے شاید ہمارے ہی لڑکے کی قسمت میں نبی موعود ہونا ہو کسیطرح عہد عتیق اور عہد
جدید کی بشارتوں پر موثر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کسی لڑکے کے والدین سے اوس کے حق میں کچھ بھی تھا کیون نہ
کی ہو اور نبی موعود کا نام اوس لڑکے کے نبی ہونیکی تمنا میں کیون نہ رکھا ہو مگر نبی وہی ہوا جسکو درحقیقت خدا تعالی کو
نبی آخر الزمان کرنا منظور تھا۔ ہماری اس رای کی تائید اوسوقت اور بھی ہوجاتی ہے جبکہ ہم بڑے بڑے کاموں پر غور
کرتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے ظہور میں آئے تھے اور وہ ایسے کام ہیں جو تمام جہان کی تاریخ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے
اور جب کہ ہم اوس روحانی سرور کو دیکھتے ہین جو دین حق کا طفیل ہے جسکو آپ نے اپنی حیات میں تبلیغ کیا تھا اور آئندہ
نسلون کے لئے بطور ورثہ چھوڑ گئے۔ اور جبکہ ہم اوس صدق و پاکبازی کی ترویج پر نظر ڈالتے ہیں جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے رائج کیا اور زمانہ کی گردشوں کے بعد بھی غیر متبدل اور بے نقص رہی ہیں اور ابدالآباد تک ایسے ہی رہیں گا

مگر میرے نزدیک جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش مین حفظ صحت کی ضرورت کو تعلیم زبان کی ضرورت سے زیادہ یقین کرنا چاہیئے کیونکہ ؎ اُمیّ و گویا بزبان فصیح ٭ از الف آدم و میم مسیح کے اصلی مضمون و مفہوم کو حقیقت کی نگاہون سے دیکھنے والے اس طریقہ کی تعلیم کو افصح العرب والعجم صلعم کے لئے حسب معمول ضروری نہین سمجھتے۔ ہان ظاہری اور ظلی صورتون کے مشتاق اسکو ضروری قرار دیکر بہ وآنحضرت صلعم کے اقوال وارشاد سے اس کا ثبوت دیتے ہین لیکن اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ زبان رسالت نے اپنے ارشاد مین بنوسعد کی فصاحت و بلاغت کے اقرار و اعتراف سے انا اعربکم انا من قریش (مین تم لوگون مین سب سے زیادہ فصیح ہون اس لئے کہ مین قریش ہون) پہلے کہکر قریش و ہاشم کی زبان دانی اور اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ ہونیکی خاندانی عظمت و تفاخر کو اپنے ارشاد مین مقدم رکھا ہے۔ کما لا یخفیٰ علی الناظر۔

توبیہ کے دوران رضاعت مین۔ عرب کے دستور قدیم کے مطابق عورتون کی مختلف جماعتین مکہ مین خدمت رضاعت تلاش کرتی ہوئی آئین۔ اس قافلہ مین حلیمہ سعدیہ بھی تھین۔ ان کے شوہر کا نام حارث ابن عبد العزیٰ تھا اور یہ عرب کے مشہور قبیلہ ہوازن کی قریبی شاخ بنوسعد سے تھے۔ جو عرب مین اپنی فصاحت و بلاغت کیلئے خاص طور پر مشہور تھا اتفاق سے حلیمہ کی تمام ہمراہی عورتون کو تو امراء و رؤساء مکہ کے شیرخوار بچہ رضاعت کے لئے مل گئے۔ مگر حلیمہ غریب کی رضاعت کا کہین بندوبست نہین ہوا۔ یہ اسی فکر و تلاش مین حضرت عبد المطلب کی دولتسرا مین آئین۔ جناب آمنہ نے اپنے یتیم بچہ کی رضاعت کیلئے انھین مقرر کرنا چاہا۔ مگر پہلے انھون نے یہ معلوم کرکے کہ یہ بچہ یتیم ہے کچھ پس و پیش سا کیا لیکن پھر اپنے مطلق معطل ہوجانے کا خیال کرکے اس ودیعت الٰہی کی خدمت رضاعت کو قبول کرلیا۔ اور اس دریتیم کو گلے کا تعویذ بناکر مکہ سے اپنے مقام و مسکن پر چلی آئین۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم چھ برس تک حلیمہ سعدیہ کے پاس اونکے قبیلہ مین پرورش پاتے رہے حلیمہ سعدیہ نے اُس شش سالہ رضاعت کی مدت مین یہ دستور قایم رکھا تھا کہ ہر چھ مہینہ کے بعد آپ کو ہمراہ لیکر مکہ مین آتی تھین اور اسطرح وہ چار روز یا ہفتہ عشرہ۔ ماں۔ دادا۔ چچا اور تمام گھر والے اسپے اس گوہر یتیم۔ مرحوم عبد اللہ کی نشانی سے اپنے دیدہ و دل کو نورانی کرلیتے تھے۔ پھر حلیمہ آپ کو اپنے گھر لیجاتی تھین۔

اس طریق سے رضاعت کے دو برس بخیر و خوبی تمام ہوئے تو حلیمہ سعدیہ حسب دستور آپ کو جناب آمنہ کے پاس مستقل

حاشیہ صفحہ دیگر تو ہمکو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ جس محمدؐ اور احمدؐ کی بشارت عہد عتیق اور عہد جدید مین دیگئی ہے وہ وہی تھے جو عبد اللہ کے بیٹے اور آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ خطبات مطبوعہ لاہور

عیسائیون کو یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نام کی نسبت بھی یہی حال پایا جاتا ہے اس صاحب (MRRUEN) کی لائف آف کرائسٹ صفحہ ۱۵ LIFE OF CHRIST مین لکھا ہے کہ عیسیٰ جو نام رکھا گیا لفظ یوشع کا تبدیل کیا ہوا ہے یہ نہایت مروج نام تھا لیکن بعد کو اس نام مین آمرزگار اور نجات دہندہ امت کے معنی اسرار اسی طرف سے لگا دیئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عیسیٰ کے معنی جو آج تمام دنیا کو بتلائے جاتے ہین وہ حقیقتاً آپکے نام رکھنے والون کو بھی آپ کے نام رکھنے کے وقت معلوم نہین تھے۔ المؤلف

طور پر پہونچا جانیکے لئے لے آئین۔ اتفاق سے اوندنون مکہ مین امراض وبائی کی کثرت تھی۔ جناب آمنہ عہ نے دردِ مادری کی تقاضہ سے ایسے اضطرابی عالم اور رد ایت آب وہوا کے خاص موسم مین آنحضرت صلعم کو گھر رکھ لینا کسیطرح مناسب نہین سمجھا اور حلیمہ سعدیہ سے صورت حال بیان فرماکر بچہ کو واپس لیجانے کا حکم دیا۔ رضاعی ماں کو بچہ کی محبت اصلی ماں سے کم نہین ہوتی حضرت حلیمہ بھی جناب آمنہ کا یہ عذر معقول سنکر اور تمام شہر کی اضطرابی حالت اپنی آنکھون سے دیکھکر از حد متاثر ہوئین ڈرین اور فوراً آنحضرت صلعم کو اپنے گھر واپس لائین۔

دو برس کے بعد پھر لاکر پہونچا گئین۔ عبد الباقی زرقانی۔ حلیمہ سعدیہ کے گھر مین آپ کی پرورش کے زمانہ کو اسی چار برسون کی مدت مین تمام کردیتے ہین۔ لیکن ابن اسحاق اپنی سیرت مین چھ برس کا زمانہ بتلاتے ہین اور شبلی صاحب ابن اسحاق ہی کے قول کو اپنا مختار بناتے ہین۔ جو صحیح نہین معلوم ہوتا۔ کیونکہ زرقانی نے تمام مختلف اقوال کو جمع کرکے اِن الفاظ مین اوسکے اختلاف کا آخر فیصلہ کردیا ہے۔

قول راجح یہی ہے کہ آپ چار برس کے سن میں اپنی والدہ گرامی کے پاس واپس چلے آئے	الراجح انه صلعم رجع الی اُمّهٖ وهو ابن اربع سنة

زرقانی ص ۱۰۱۔ اسمین کوئی کلام نہین ہے کہ آپ نے بنوسعد کے قبیلہ مین اپنے پرورش پانیکے زمانہ کو ہمیشہ یاد رکھا اور اوس قبیلہ کو ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد فرمایا اور لِسانی لسان بنی سعد بن بکر (میری زبان قبیلہ بنی سعد بن بکر کی زبان ہے) ارشاد فرماکر اون کی اعلیٰ زباندانی کی بھی تصدیق فرمائی۔ یہ آپ کے خلق عظیم اور حفظ مراتب کا عین مقتضا تھا۔

حلیمہ سعدیہ کے ساتھ آیندہ محاسنِ سلوک

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حلیمہ رضہ کے ساتھ مفرط درجہ کی محبت تھی یہ محبت والفت کچھ رضاعی مان ہی کے ساتھ محدود نہین تھی۔ بلکہ آپ اپنی تمام رضاعی بھائی بہنون کے ساتھ ہمیشہ الطاف واشفاق سے پیش آتے تھے یہ فطرت انسانی کے تقاضے سمجھی کہے جاتے سکتے ہیں لیکن ہم زیادہ تر انکو آپ کے خلق عظیم اور لطف عمیم کے خاص محاسن قرار دیتے ہیں۔ اسلئے کہ تاریخون سے ثابت ہو کہ تمام دودھ پلانے والیان اور شیرخوارون کی ایسی ہی دودھ پلائیان کثرت سے تھین۔ مگر عربی مورخین جو سیکڑون برس قبل کے ہر قبیلہ اور عشیرہ کی ذرا ذرا حالات وواقعات یاد کرنیوالے ہین اور لکھکر دنیا کو بتلانے والے۔ وہ بھی کسی تاریخ مین کسی شریف یا رئیس خاندان مکہ کے متعلق مرضعات کے ساتھ ایسے اشفاق وتفقدِ احوال کے کوئی واقعات نہین بتلاتے ہین۔

تو بیّیہ کے ساتھ جو اشفاق فرمائے گئے وہ اوپر لکھے جاچکے گو اسلئے ہم اپنی سلسلہ بیان مین حلیمہ سعدیہ رضہ کے ساتھ جو تکریم و تعظیم یا اشفاق والطاف دکھلائے گئے۔ اونکو ہم عربی ماخذون سے ذیل مین نقل کرتے ہین۔

اوس عورت نے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا (حلیمہ) آپ سے ملنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اذن دیا۔ وہ جونہی آپ کے سامنے آئی۔ آپ میری ماں میری ماں کہکر دوڑ پڑے اور فوراً ردائے مبارک دوش مطہر سے اوتار کر بچھا دی اور اوسپر اسکو بٹھلایا	استاذنت امرأة علی النبی صلعم قد کانت ارضعته فلما دخلت علیه قال اُمی اُمی وعمد الی ردائه فبسطه لها فقعدت علیه[1] طبقات ج ا ص ۱۰

[1] موذی رسالہ نے اس خلق رسول صلعم سے کوئی سبق لیا اور اس لطف پیمبری کو کہ تمہاری ماں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہے ... خیر القرون کا زمانہ الٰہی ختم ...

سید مرحوم اپنے الفاظ میں اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے۔ اور حضرت حلیمہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ اور ان کا ادب اور ان کی تعظیم ماں کی برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے اپنی ردائے مبارک جسکو مسلمان سر پر رکھنے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے ہیں حضرت حلیمہ کے لئے بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھیں۔ خطبات ص ۱۹ لاہور۔

اس واقعہ سے حلیمہ سعدیہ کی جتنی قدر و منزلت آپکو مدنظر تھی کماحقہٗ ظاہر ہوگئی اشفاق و الطاف کے متعلق طبقات ابن سعد کا دوسرا واقعہ حسب ذیل ہے۔

قدمت حليمة على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بمكة وقد تزوج خديجة فشكت جدب البلاد وهلاك الماشية فكلم رسول الله خديجة فيها فاعطتها اربعين شاة وبعيرا موقعا للظعينة وانصرفت الى اهلها

حلیمہ رضی اللہ عنہا مکہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس وقت آئیں جب آپ حضرت خدیجہ کبریٰ سے شادی کر چکے تھے۔ حلیمہؓ نے قحط پڑ جانے اور مویشیوں کے مر جانے کی شکایت خدمت مبارک میں عرض کی آپ نے انکی بابت حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے چالیس بکریاں اور چالیس تیز رفتار اونٹ مع ہودج کے عطا کئے وہ اس کو لیکر اپنے اہل و عیال میں چلی گئیں۔

اولاد حلیمہ سعدیہ کے ساتھ محاسن سلوک

یہ تو رضاعی ماں حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ اشفاق نبوی کی صورت حال دکھلائی گئی۔ اب رضاعی بھائی بہنوں کے ساتھ اخلاق مصطفوی کی شان ملاحظہ ہو۔

تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ آپ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے یا یہ کہ حلیمہ کی چار اولادیں تھیں ایک بیٹا تین بیٹیاں ان کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ[1]۔ انیسہ[2]۔ حذیفہ[3]۔ اور حذافہ[4]۔ جو زیادہ تر شیما کے نام سے تاریخوں میں مرقوم ہے۔ طبقات ابن سعد سے عبداللہ اور شیما کا اسلام لانا تو ثابت ہوتا ہے۔ باقی اور دو کے حال پر پردہ ہے۔

حذافہ جو شیما کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ زمانہ رضاعت میں آپ کی کھلائی تھی اور ہمیشہ آپ کو گود میں لئے رہتی تھی زرقانی نے اسکے حالات کسیقدر تفصیل سے لکھے ہیں اونکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیما کو آنحضرت صلعم کے ساتھ خاص محبت تھی۔ اور خاص الفت آپ کے کھلانے کے وقت کا ایک گیت جو شیما کے متعلق زرقانی نے لکھا ہے۔ اوس سے بچپن ہی سے اسکی ذہانت اور حقیقت شناسی ظاہر ہوتی ہے۔ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں۔

الشيماء اخت من الرضاعة تحضنه وترقصه وتقول
هذا اخ لي لم يلده امي

شیما آپ کی رضاعی بہن تھی۔ آپ کو کھلاتی تھی گود اتی تھی اور کہتی جاتی تھی
یہ میرا وہ بھائی ہے جو نہ میری ماں کا زائیدہ ہو

[1] اگر اسی رسول صلعم کی ایسی [illegible] لائی گئیں مگر کسی [illegible] مسلمان کو اسوقت ایسی رسولؐ کے اخلاق یاد [illegible] استفاق اور [illegible] انکی قومی اور ملکی حمیت نے ان کو اتنی توفیق دی کہ [illegible] عصمت سرائے رسالت کیلئے اگر ایسی [illegible] بھائی خلاف شان سمجھتا تھا تو ایک [illegible] الدیا ہوتا حالانکہ [illegible] مجلس میں [illegible]

و لیس من نسل ابی و عمی	اور میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہے
زرقانی ۱۷۶ جلد اول	

ظاہر طور پر اس شعر کے مفہوم سے نفی اخوت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت مین یہ نفی و انکار عین اثبات و اقرار ہے اگر غور کی نظر سے دیکھا جاوے تو اس ممدوح لڑکی کا یہ شعر بطور خاص ایک پر لطف معما ثابت ہوتا ہے وہ اسطرح کہ اس نے بظاہر اون سب ذریعون سے انکار کر دیا ہی جن سے انسان کسی کا بھائی ہوتا ہے لیکن تاہم ھذا اخی کہکر اوسکے بھائی ہونیکا دعویٰ بھی کرتی ہے۔ تو جب ماں۔ باپ اور چچا کے ذریعہ اوسکے بھائی ہونے کی رشتہ بالکل منقطع ہو گئے تو اب اوسکی صحت دعویٰ کے لئے سوائے رشتہ رضاعت کے اور کون ذریعہ اوسکے بھائی ہونیکا باقی رہا۔ اور یہ ایسا ہی قوی ذریعہ اور صحیح دعوی اوسکے بھائی ہونیکا ہی جو منجانب اللہ شیما کو اسوقت سے لیکر قیامت تک حاصل ہے۔ یہی حقیقت حال ہے اور صورت واقعہ اس ذہین لڑکی کے شعر سے ایک امر خاص کی نفی بھی ظاہر ہوتی ہے اور اثبات بھی مگر نفی بالکل ظاہر ہے اور اثبات بڑی خوبی سے مخفی۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلاتے وقت شیما کا ایک اور گیت زرقانی نے لکھا ہی وہ یہ ہے۔

یا ربنا ابق اخی محمدا	ہمارے پروردگار ہمارے بھائی محمد کو تو سلامت رکھ
حتی اراہ یافعا و امردا	یہانتک کہ ہم اوسکو جوان اور بالغ دیکھ لین
ثم اراہ سیدا و مسودا	اور پھر اوسکو سید و سردار قوم پائین
واکبت اعادیہ معا والحسدا	اوسکے ساتھ دشمنی و حسد رکھنے والون کو ذلیل کر
واعطہ عزا یدوم ابدا	اور اوسکو ایسی عزت دی جو ابدالآباد تک قایم رہے

امام ازدی شیما کی ان دعائیہ اشعار کی نسبت لکھتے ہین کہ ما احسن ما اجاب اللہ دعاءھا بجمیع ما طلبت
زرقانی ص ۱۷۰

(کس خوبی سے خداوند عالم نے شیما کی تمام دعاؤن کو جو اوس نے طلب کی تھین مستجاب فرمایا)

ان واقعات سے محقق ہوتا ہے کہ تمام بھائی بہنون مین شیما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک خاص محبت تھی شیما کے ساتھ زمانہ نبوت مین جو خاص الطاف و احسانات فرمائے گئے اونکو ہم تاریخ طبری کی عبارت ذیل سے نقل کرتے ہین

شیما کے ساتھ خاص الطاف

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لخیلہ التی بعث ان قدرتم علی بجاد رجل من بنی سعد بن بکر فلا یفلتنکم وکان بجاد قد احدث حدثا فلما ظفر بہ

قبیلہ بنی سعد بن بکر پر چڑھائی والے دن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مسلمانون کو حکم عام دیا کہ جب تم قبیلہ بنی سعد بن بکر پر غالب آؤ تو اوس پر ایک مرد جایز و اگرچہ اوسکی احداث (زیادتیان) تم کو کیسے ہی بیان کیے گئے ہوں جب مسلمانون کو اوس پر فتح ہوئی تو مسلمانو

المسلمون ساقوه واهله وساقوا اخته الشيماء بنت الحارث بن عبد الله بن عبد العزى اخت رسول الله صلعم من الرضاعة فعنفوا عليها في السياق معهم فقالت للمسلمين تعلمون والله اني لاخت صاحبكم من الرضاعة فلم يصدقوها حتى اتوا بها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لما انتهي بالشيماء الى رسول الله صلعم قالت يا رسول الله اني اختك قال وما علامة ذلك قالت عضة عضضتنيها في ظهري وانا متوركتك قال فعرف رسول الله صلعم العلامة فبسط لها رداءها ثم قال ههنا فاجلسها عليه وخيرها وقال لها ان احببت فعندي محببة مكرمة وان احببت امتعك وترجعي الى قومك قالت بل تمتعني وتردني الى قومي فمتعها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وردها الى قومها فزعمت بنو سعد بن بكر انه اعطاها غلاما يقال له مكحول وجارية فزوج احدهما الاخر فلم يزل فيهم من نسلهما بقية طبری جلد ۳ ص ۱۶۶۹ مطبوعہ جرمن

تمام اہل قبائل کو گرفتار کیا۔ ان میں شیما بنت حارث بن عبد اللہ بن عبد العزی بھی تھیں جو رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن ہوتی تھیں وہ بھی گرفتار ہوئیں انکے ساتھ کچھ لوگ سختی سے پیش آئے تو شیما نے چلا کر کہا کہ مسلمانو تمکو کیا ہو گیا ہے میں تو تمہارے رسول صلعم کی رضاعی بہن ہوں مگر مسلمانوں نے انکے کہنے پر اعتبار نہ کیا اور انکو تصدیق کیلئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے آئے۔ یزید ابن عبید السعدی کا بیان ہے کہ جب شیما آپ کے پاس لائی گئیں تو انھوں نے آپکے مونہہ پر کہا یا رسول اللہ صلعم میں آپ کی بہن ہوں آپ نے ارشاد فرمایا اس قرابت کی علامت کیا ہے شیما نے جواب دیا کہ ایام طفولیت میں میں آپکو گود میں لئے کھلا رہی تھی آپ نے میرے پشت میں کاٹ کھایا تھا اسکا نشان ابتک موجود ہے یہ سنکر آپکو صورت واقعہ یاد آگئی اور آپنے فوراً انھیں پہچان لیا پھر جلدی سے اپنی ردائے مبارک اونکے لئے زمین پر بچھا دی اور اونکو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ اسپر بیٹھ جاؤ پھر اونکو بہت کچھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھکو تمہاری محبت و تکریم دل سے منظور ہے اگر تمہاری طبیعت چاہے تو میرے ساتھ رہو اور اگر تمہارا دل چاہتا ہو تو میں تمکو تمہارے قوم و قبیلہ کے پاس واپس کر دوں شیما نے عرض کی کہ مجھے میرے قبیلہ میں بھیجدیا جاوے۔ آنحضرت صلعم نے اونکو اکرام و احترام انکے قبیلہ کیطرف بھیجدیا۔ بنی سعد بن بکر میں بعضوں کا یہ بیان ہے کہ آپ نے شیما کو ایک غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی غلام کا نام مکحول تھا انمیں سے ایک کا بیاہ بھی آخر وقت میں ہو گیا تھا۔ مگر ان کی نسل میں سے کوئی باقی نہیں بچا۔"

یہ تھے اوس رحمت عالم کے اشفاق رفیع اور اوس لطف مجسم کے اخلاق وسیع جس نے اپنی ایک رضاعی بہن کے ساتھ لطف و ایثار کے وہ رعایات و محاسن سلوک قایم کئے جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ رضاعی ماں کے ساتھ جس تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور جسقدر رعایت و عنایت سے سلوک ہوئے وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ رضاعی بہن کے ساتھ جو رفق و مدارا اور اشفاق و اخلاق برتے گئے وہ بھی ابھی معلوم ہو چکے۔ اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں اخلاق نبویہ اور اشفاق مصطفویہ کی اوس وسعت و کثرت کو بھی قلمبند کرتے ہیں جو صرف حقوق رضاعت کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام قبیلہ ہوازن کے ساتھ قایم فرمائے تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

تمام قبیلہ ہوازن کے

قدوم وفد ہوازن علی رسول اللہ صلعم

مقام جعرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد قوم ہوازن کی ایک وفد رسول اللہ صلعم

ساتھ صلۂ عام

صلعم بالجعرانة بعد ما قسم
الغنائم وفي الوفد عم النبي صلعم من الرضاعة ابو ثروان
وفي رواية الثاني قال والمتكلم ابو صرد زهير ابن صرد
فقال يا رسول الله صلعم انا اصل وعشيرة وقد اصابنا
من البلاء ما لا يخفى عليك يا رسول الله انما في هذه
الحظائر عماتك وخالاتك وحواضنك اللاتي كن يكفلنك
ولو انا ملحنا للحارث ابن ابي شمر او النعمان ابن المنذر ثم
نزل منا بمثل الذي نزلت به رجونا عطفهما وعائدتهما
وانت خير المكفولين ويقال انه قال يومئذ انما
في هذه الحظائر اخواتك وعماتك وخالاتك وبنات عمك
وبنات خالاتك وابعدهن قريب منك بابي انت وامي
انهن حضنك في حجورهن وارضعنك بثديهن و
توركنك على اوراكهن وانت خير المكفولين فقال
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان احسن الحديث
اصدقه وعندي من ترون من المسلمين فابناؤكم
ونساؤكم احب اليكم ام اموالكم فقال يا رسول الله صلعم
خيرتنا بين احسابنا واموالنا وما كنا نعدل بالاحساب
شيئا فرد علينا ابناءنا ونساءنا فقال النبي صلى الله
عليه وآله وسلم اما ما لي ولبني عبد المطلب فهو لكم
واسأل لكم الناس فاذا صليت بالناس الظهر فقولوا
انستشفع برسول الله الى المسلمين وبالمسلمين الى رسول
الله صلعم فاني ساقول لكم ما لي ولبني عبد المطلب فهو لكم
وساطلب لكم الى الناس فلما صلى رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم الظهر قاموا فتكلموا بالذي قال لهم رسول الله
صلعم فرد عليهم رسول الله صلعم ما كان له ولبني عبد

کی خدمت میں حاضر ہوئی جس میں ابو ثروان جناب رسول خدا کے رضاعی چچا بھی
تھے طبقات کی دوسری روایت میں ابن سعد لکھتے ہیں کہ اس وفد میں ابو صرد
زہیر ابن صرد نامی ایک شخص نے وفد کیطرف سے تقریر کی اور خدمت رسول میں عرض
کی کہ ہم آپکے عزیز و قریب ہیں اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں
ان چھپروں کے جھونپڑوں میں آپ کی عمائیں اور خالائیں ہیں اور آپ کی دائیاں
ہیں اور کھلائیاں یہ رہی بیچاریاں ہیں جنھوں نے آپ کو پالا ہے اور پرورش کیا ہے
اگر ہم لوگوں نے حارث ابن ابی شمر اور نعمان ابن منذر دو مشہور اور نامی سلاطین
کو دودھ پلایا ہوتا اور انکے زمانے میں یہ بلا و مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہوتی جو
آج ہم کو پیش آئی ہے تو ہم کو ان سے اکرام و الطاف کی توقع اور امید ہوتی
اور یوں تو آپ بھی ہمارے بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں
یہ بات ہوتا ہے کہ ابو ثروان نے اپنے اسی سلسلہ تقریر میں یہ بھی کہا کہ انہیں
جھونپڑوں میں آپکی رضاعی بہنیں ہیں عمائیں ہیں خالائیں ہیں پھوپھیاں
بھی ہیں اور خالہ زاد بہنیں ہیں اور ان سب کے تمام قریب و دور کی رشتہ داریاں
ہیں۔ میری ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ وہی مصیبت کی ماریاں ہیں جنھوں نے
آپ کو اپنی گودیوں میں کھلایا ہے اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے اپنے پہلوؤں میں
سلایا ہے اور ہر طرح سے آپ انکے لیے بہترین کفالت کرنے والے
ہیں یہ سنکر رسول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے جو کچھ بیان کیا وہ بالکل
صحیح اور فی الواقع ہے لیکن تمہارے معاملہ میں مجھے عام مسلمانوں سے
مشورت کی ضرورت ہے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اپنی اولاد و عورتیں زیادہ
عزیز ہیں یا اموال و جائداد حاضرین وفد نے جواب دیا کہ جب ہم کو اپنے عیال
اور انساب و اموال کے درمیان تمیز و تفریق کا اختیار دیا جاتا ہے تو ہم کسی طرح
سے اموال و جائداد یا کسی شے کے مقابلہ میں اپنی نسوان و اولاد کو ترجیح
دینے سے باز نہیں رہ سکتے تو اس بنا پر ہمارے انکے بدلے ہمیں انہیں دیجئے
یہ سنکر اور بہت متاثر ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تمہارے سوال میں ہمارا اور تمام
بنی عبد المطلب کا اسوقت تک اور جو تقسیم حصہ قائم ہو چکا ہے وہ تمہارا ہو چکا
ہے اور میں تمہاری بسبب نماز ظہر کے وقت تمام مسلمانوں سے درخواست کروں گا اور

حلیمہؓ کے انعام خدمات رضاعت کی چار سالہ مدت رضاعت تمام ہو گئی اور حضرت حلیمہؓ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر مکرمہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پہونچا گئیں حضرت آمنہ اپنے نونہال کو تندرست اور خوشحال پاکر حلیمہ سعدیہ رض کی خدمات سے جیسی کچھ خوش ہوئی ہونگی اوس کا اندازہ اسوقت بھی اس زمانہ کے والدین بآسانی کرسکتے ہیں۔ بنی ہاشم کا قبیلہ ہمیشہ سے فیاض تھا۔ انکا ایثار خدمت کے انتظار پر موقوف نہیں تھا پھر ایسے گھر میں حلیمہ سعدیہ کی خدمت رضاعت کتنی وقعت اور عزت سے دیکھی گئی ہوگی تاریخ الخمیس میں ہے وجہز حالیمہ جیوا لجھاز حلیمہ کا رحصتانہ انعام سے

رحصتانہ انعام سے ٹرا ہوا تھا

حلیمہ سعدیہؓ کا اسلام ابن کثیر شامی لکھتے ہیں کہ حلیمہ قبل اعلان نبوت رحلت کر گئیں۔ مگر جمہور محدثین نے اُس کی اختلاف کیا ہے۔ ابن ابی خثیمہ نے اپنی تاریخ میں ابن جوزی نے حدا میں منذری نے مختصر سنن ابی داؤد میں اور ابن حجر نے اصابہ میں بالاتفاق تصریح کی ہے کہ ابن کثیر کی تحقیق صحیح نہیں مغلطائی نے جو عرب کا قدیم مورخ ہے حلیمہ سعدیہ کے اسلام لانے کے متعلق ایک خاص رسالہ لکھا ہے جس کا نام التحفۃ الحسیمہ فی اسلام الحلیمہ رضؓ ہے۔

ابن حجر اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حلیمہ رض کے شوہر ابو ذویب حارث ابن عبد العزی کا اسلام لانا بھی ثابت کرتے ہیں اور انکے ایمان لانے کے متعلق یہ واقعہ قلمبند فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت کے زمانے میں حارث ابن عبد العزی جناب رسول خدا صلعم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کی اِس دعوت کی نسبت عرب کے تمام اقوام و قبائل میں یہ کیا مشہور ہے۔ آپ نے اون سے مدعائے رسالت بیان کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک دن آپ دیکھ لینگے کہ میں جو کچھ کہتا تھا وہ بالکل سچ نکلا۔ آپ کے انداز استقامت اور طرز متانت نے حارث کے دل پر حقیقت اسلام کا ایسا گہرا اثر کیا کہ وہ اپنے دل میں کہنے لگے کہ میں اوس دن کا انتظار ہی کیوں کروں آج ہی اُسکا اقرار کر لوں۔ یہ کہکر اوسیوقت مسلمان ہو گئے۔

طفولیت میں ضبط اوقات اور پاک عادات مدبر قدرت نے فطرت صالحہ کے اعلیٰ جوہروں سے پیکر رسالت کو مرتب کیا تھا۔ زمان رضاعت اور دوران طفولیت سے پاکیزگی۔ طہارت۔ احتیاط ضبط اوقات تہذیب اور حیا و عفت کے اعلیٰ اور لاجواب محاسن آپ کے عادات و طرز عمل سے پیدا و ہویدا ہوتے تھے۔ جو عموماً بچوں کے طبایع اور عادات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بالکل مخالف تھے یہ خصوصیات تنہا آپ کی عادات ہی سے

حاشیہ صفحہ دیگر سچے اور برحق رسولؐ کے ایسے صاف اور پاک اعتراضات کی موجودگی میں ایام طفولیت کے واقعات پر مثلاً مکہ کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہنا۔ مکان کی چھت سے پرندوں کو اوڑا دینا۔ رضاعی بہن کی پیٹھ میں کاٹ کھانا۔ سر ولیم کے اعتراض کیسے صحیح اور قابل التفات سمجھے جاسکتے ہیں جب یہ تمام حرکات و سکنات فطرت انسانی کے اصول اور بشریت کے معمول کے مطابق پائے جاتے ہیں جن کا مشاہدہ روزمرہ کی ثبوت بھی موجود ہیں اور عاقل کا اعتراف بھی۔ ان واقعات سے نہ معجزات کے معنی لئے جاسکتے ہیں نہ حق عادات کی میر ولیم نے حقیقتاً ایسے لغو اور مہمل اعتراض پیش کر کے اسلام اور بانی اسلام کی توہین تو نہیں اپنی قابلیت اور جامعیت کی البتہ بدنامی و رسوائی کروائی ہے مولف

منہ عفی عنہ

متعلق نہین تھے بلکہ ضروریات روزمرہ مین بھی آپ کی احتیاط پابندی اوقات اور التزام پورے طور سے ظاہر ہوتا تھا۔
اوسیوقت سے۔ صبر و سکون۔ تحمل۔ استغنا اور قناعت طبع ہمایون کے خاص جوہر معلوم ہوتے ہین۔

محدث شیرازی حلیمہ سعدیہ کی زبانی لکھتے ہین۔

حلیمہؓ گوید کہ ہرگز وے در جامہ خود بول و براز در جامہ خود نکردی ہمچنانکہ عادت دیگر اطفال بود۔ روزمرہ۔ و وقتے معین داشت کہ دران وقت بول و غائط کردی و مار و ز دیگر تا ہمان وقت بدان احتیاج نداشتے و در روایتے از حلیمہ است کہ گفت ہرگاہ خواستمی کہ دہان مبارک وے را از شیر پاک کنم یا شست و شو دہم ضرورت نمیدیدم و اگر عورت وے ظاہر شدے۔ بعضت رفتے و فریاد کردے تا جامہ می پوشیدمی۔ و در روایتے آنست از حلیمہؓ کہ گفت چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برفتار آمد کودکان را میدید کہ بازی میکردند از ایشان دوری می جست و ایشان را از بازی کردن منع می کرد و میگفت ما را برائے بازی کردن نیافریدہ اند۔ حلیمہؓ گوید کہ گریہ بدخوئی و بدخلقی نداشت و بدست چپ ہیچ چیز را فرا نگرفتی۔ بدست راست ستدی۔ حلیمہؓ گوید کہ روزے اندر روزہا با من گفت یا اماہ چون است کہ برادران مارا بروز نمی بینم گفتم جان من فدائے تو با والیشان میروند کہ گوسفندان مرا چرا اکنند۔ بامداد می روند و شبانگاہ باز می آیند گفت مرا این جا تنہا می گذاری و با ایشان مرا نمیفرستی۔ کہ من نیز باید کہ کارے بکنم۔

روضۃ الاحباب جلد اول ص ۹۰

حلیمہؓ کہتی ہین کہ اوسیوقت سے کہ آپکی پاکیزگی طبع کا یہ عالم تھا کہ کبھی آپ نے روزمرہ کے کپڑون مین عام بچون کیطرح رفع حاجت نفرمائی۔ وقت کی پابندی اور احتیاط کا اُسی زمانہ سے یہ حال تھا کہ رفع حوائج ضروریہ کیلئے وقت خاص مقرر تھا اسیوقت رفع حاجت فرمائی جاتی تھی اور پھر روز آئندہ کو وقت مقرر تک اوسکی ضرورت نہین ہوتی تھی۔ مجھکو رفتہ رفتہ روز کی مشاہدے سے اسکا پورا علم و تجربہ ہوگیا اور مین روزمرہ وقت مقررہ پر آپکی اُن ضروریات کو انجام دیدیا کرتی تھی۔ حیا و عفت کا بچپن ہی سے یہ عالم تھا کہ اگر میری غلطی او غفلت سے اگر کسیوقت آپکا کشف ستر ہوگیا تو اوس حیائے مجسم اور ناموس الٰہی کے خاص محرم پر غیظ و غضب کا ایک خاص عالم طاری ہوجاتا تھا اور شرم و حیا کے وفور سے آپ فوراً رونے لگتے تھے۔ مین رونا سنکر دوڑ پڑتی تھی اور کپڑا ڈالدیتی تھی یا اوڑھا دیتی تھی۔ عام بچون کیطرح رونا۔ دودھ کیلئے مچلنا مین نے رضاعت کے دو سالہ ایام مین کبھی نہ دیکھا۔ کبھی آپ نے کوئی چیز بائین ہاتھ سے نہین اٹھائی ہمیشہ سیدھے ہاتھ سے کام لیا۔ رشد و تمیز کا یہ عالم تھا کہ مجھکو ہمیشہ ارمان رہا کہ دودھ پلانے کے بعد عام بچون کی طرح آپکے دہان مبارک کو بھی رومال سے پاک کردیا کرون۔ کبھی اسکی مجھے
ضرورت ہی نہین ہوئی۔ اس لئے کہ اس اندازہ و احتیاط سے دودھ پیا جاتا تھا کہ زیادتی مقدار کا کوئی اثر لب مطہر پر ظاہر نہین ہونے پاتا تھا۔ حلیمہ کا یہ بھی بیان ہے کہ جب آپ کو طاقت رفتار آگئی تو آپنے جب کبھی لڑکون کو باہر کھیلتے ہوئے دیکھ پایا۔ انسے بخلاف فطرت کنارے ہوگئے اونکو ہمیشہ کھیلنے کودنے سے منع فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ ہملوگون کو کھیلنے کے لئے نہین پیدا کیا گیا ہے حلیمہؓ یہ بھی کہتی ہین کہ آپ نے ایک دن مجھسے استفسار فرمایا کہ ہمارے بھائیون کو آپ کہان روز بھیجدیا کرتی ہین

کیونکہ مین انکو دن بھر گھر مین نہین دیکھتا ہوں مین نے جواب دیا کہ میری جان آپ پر فدا ہو وہ گھر کی بھیڑین جنگل مین چرانے جایا کرتے ہین۔ ہر روز سویرے صبح کو گھر سے بھیڑین لیکر نکل جاتے ہین دن بھر جنگل مین بھیڑین چراتے ہین اور شام کے وقت ہر روز گھر چلے آتے ہین۔ یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی اونھین کے ساتھ آپ کیون نہین بھیجدیا کرتین مجھے بھی کچھہ کام کرنا چاہیئے۔

ام ایمن آپ کی مرضعہ (دودھ پلائی) تو تھی نہین لیکن محضنہ (کھلائی) ضرور تھین بیان کرتی ہین۔

ام ایمن گوید کہ ہرگز ندیدم کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از گرسنگی وتشنگی شکایت کردے۔ چون بامداد شدے یک شربت آب زمزم بخوردی وتا شب ہیچ نطلبیدے وبسیار بود کہ طعام چاشت براو عرض می کردم واو می گفت مرا رغبت بطعام نیست۔ روضۃ الاحباب ص ۹۵

ام ایمن کہتی ہین کہ مین نے کبھی آپ کو بھوک کی اور پیاس کی شکایت کرتے ہوئے نہین سُنا۔ ہر روز کا معمول تھا کہ مین آب زمزم کا شربت تیار کرکے دیدیتی تھی آپ پی لیتے تھے اور پھر شام تک کچھہ بھی نہ مانگتے تھے۔ اکثر مین طعام چاشت (ناشتہ) تیار کرکے حاضر کرتی تو ارشاد فرماتے کہ مجکو بھوک نہین۔

یہ صبر۔ استغنا۔ قناعت اور زہد وتوکل کا دیباچہ مشق وریاضت تھا۔

نبوت کی قوت ارتقا ونمو جوہر قدسیہ نے آپ کی قوت نامیہ مین اسقدر ارتقا پیدا کردیا تھا جو نبوت کی خصوصیت کو عام فطرت انسانی کی عمومیت سے بالکل علیحدہ ثابت کرتا ہے۔ زرقانی اپنی شرح مین اسکی مفصلہ ذیل کیفیت وحقیقت بیان کرتے ہین۔

انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما صار ابن شھرین کان یتزحلف لصبیان الی کل جانب وفی ثلاثۃ اشھر کان یقوم علی قدمیہ وفی اربعۃ کان یمسک الجدار ویمشی وفی خمسۃ حصل لہ القدرۃ علی المشی ولما تم لہ ستۃ اشھر کان یسرع فی المشی وفی سبعۃ اشھر کان یسعی ویغدو الی کل جانب ولما مضی لہ ثمانیۃ اشھر تشرع یتکلم بکلام الفصیح وفی عشرۃ اشھر یرمی السھام مع الصبیان۔ زرقانی ج ۱ ص ۱۷۹

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو مہینے کے ہوئے تو بچون کے پیچھے ہر طرف گھٹنیون چلنے لگے جب تین مہینون کے ہوئے تو دونون پاؤن سے زمین پر کھڑے ہونے لگے۔ چار مہینون کے ہوئے تو دیوار پکڑ کر کھڑے ہونے لگے۔ پانچوین مہینہ آپ کو رفتار کی طاقت آگئی چھٹے مہینہ رفتار مین سُرعت کی قوت پیدا ہوگئی ساتوین مہینہ آپ اچھی طرح ہر طرف اپنے پاؤن سے چلنے پھرنے لگے۔ اور جب کامل آٹھ مہینے کے ہوگئے تو آپ صفائی سے بولنے لگے اور دسوین مہینے مین آپ بچوں کے ساتھ تیراندازی کرنے لگے۔ زرقانی ج اول ص ۱۷۹

اقامت بنی سعد کے زمانہ کا یہ واقعہ طبقات ابن سعد مین مرقوم ہے۔

انہ کان یخرج ھو واخوہ فیلعب مع الغلمان فیجئنھم علیہ السلام ویاخذ بید اخیہ ویقول اما لو تحلوا لھذا

جب آپکے رضاعی بہائی آپکو ہمراہ لیکر لڑکون کیساتھ کھیلنے کیلئے لیجاتے تھے اور کھیلنے لگتے تھے تو آپ اپنے رضاعی بھائی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور ارشاد

فرماتے تھے کہ ہم اسکے لئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔

ابھی سے اپنے وجود ذیجود کی ضرورت کی اتنی کامل معرفت تھی۔ ایسا ہی حلیمہ سعدیہ سے یہ فرمانا کہ ہمیں بھی بھائیوں کیساتھ بھیجا کیجئے۔ کیونکہ ہمکو بھی کچھہ کام کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ آپ کی سعی و ریاضت کا مقدمہ تھا حسنت جمیع خصالہ ؛ صلوا علیہ وآلہ ؛

اوپر لکھا جاچکا ہے کہ بنی سعد کے قبیلہ میں آپ کے چار سالہ ایام طفولیت تمام ہوگئے گویا پانچویں برس کے آغاز سے اپنے خاص بیت الشرف کی طرف معاودت فرمائی۔ اور پھر چھہ برس کے سن تک اپنی والدۂ گرامی قدر کے دامن عاطفت میں پرورش پاتے رہے مگر مصلحت ایزدی نے اس زمانہ پرورش کو زیادہ دیرپا نہ رکھا کل دو ہی برس کے بعد اسکی مدت تمام ہوگئی علیا مکرمہ جناب آمنہ سلام اللہ علیہا نے مدینہ منورہ سے معاودت فرماتے ہوئے مقام ابوا میں انتقال فرمایا۔ ابن ہشام اور ابن سعد نے اسکی تفصیل مفصلۂ ذیل عبارت میں لکھی ہے۔

إنّ ام رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم آمنة بنت وهب توفيت ورسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ابن ست سنين بالابواء بين مكة والمدينة كانت قدمت به على اخواله من بني عدي بن النجار تزيره اياهم فماتت وهي راجعة به الى مكة

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادر گرامی شان حضرت آمنہ بنت وہب نے جب آنحضرت صلعم کا سن کل چھہ برس کا تھا مقام ابوا رحلت فرمائی۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے جناب آمنہ سلام اللہ علیہا اپنے ناتھالی عزیزوں سے ملنے کیلئے مدینہ تشریف لے گئی تھیں۔ وہان سے رخصت ہوکر مراجعت فرماتے وقت انتقال فرماگئیں۔

ابن سعد نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل سے آپ کے واقعہ وفات کو لکھا ہے۔ اونکی اصلی عبارت یہ ہے۔

ثم رجعت به امه الى مكة فلما كانوا بالابواء توفيت امه آمنة بنت وهب فقبرها هنالك فرجعت به ام ايمن على البعيرين اللذين قدموا عليهما الى مكة وكانت تحضنه مع امه ثم بعد ان ماتت۔ طبقات

آنحضرت صلعم اپنی مادر گرامی کے ساتھ مکہ لوٹے جب مقام ابوا پر پہونچے تو آپ کے والدہ ماجدہ جناب آمنہ ع بنت وہب نے انتقال کیا اور وہیں مدفون کر دی گئیں۔ ام ایمن آپ کو لیکر انہیں دونوں اونٹوں پر مکہ واپس آئیں۔ جن پر سوار ہوکر مکہ سے مدینہ گئی تھیں۔ ام ایمن حیات اور بعد وفات حضرت آمنہ کے بھی آنحضرت صلعم کی کھلائی رہیں۔

ان دونوں عربی مورخین نے حضرت آمنہ کے مدینہ جانے کی وجہ ناتھالی اقربا سے ملاقات بتلائی ہے۔ مگر ہمارے ہندی محقق شبلی صاحب نے حضرت عبداللہ ع کی قبر مطہر کی زیارت کو اس سفر کا خاص مدعا بتلایا ہے۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ دونوں توجیہیں قلبی تعلقات کا پورا پتا دیتی ہیں۔ مگر ہمارے شبلی صاحب کی توجیہ تعلق کی مخصوص اہمیت رکھتی ہے اسلئے ضرور ترجیح کی قابل ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ نبوت میں اس سفر کا خود ذکر فرمایا ہے ابن سعد آپکے ارشاد کو مفصلہ ذیل عبارت

عبارت میں لکھتے ہیں۔

وکان رسول اللہ صلعم یذکر اموراً کانت فی مقامہ ذلک لما نظر الی اطم بنی عدی بن النجار عرفہ وقال کنت الاعب انیسہ جاریۃ من الانصار علی ھذا الاطم وکنت مع غلمان من اخوالی نطیر طائرًا کان یقع علیہ ونظر الی الدار فقال ھھنا نزلت بی امی وفی ھذہ الدار قبر ابی عبد اللہ بن عبد المطلب واحسنت العوم فی بئر بنی عدی بن النجار۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تمام باتوں کا جو اس مقام پر پیش آئیں ذکر فرماتے تھے مدینہ میں تشریف آوری کے وقت آپ نے عدی بن النجار کی عمارات کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں میں انیسہ نامی انصار کی ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور یہی وہ مقام ہے جہاں میں اپنے ننہالی قرابت والے لڑکوں کے ساتھ مقیم تھا اور اون کے متعلق جیسا آپ نے ارشاد کیا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور پھر اوس مکان کی طرف ارشاد فرمایا کہ یہی وہ گھر ہے جس میں اپنی ماں کیساتھ ٹھیرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد بزرگوار حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی قبر ہے اور میں نے یہیں بنی عدی بن النجار کے ایک مشہور تالاب میں تیرنا سیکھا تھا۔

تاریخوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مادر گرامی قدر کے ساتھ مدینہ میں کل ایک مہینہ قیام فرما رہے تھے۔

ماں کی قبر کی زیارت

واقعات مندرجہ بالا کے ساتھ مشاہدات تاریخی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے نورانی دل میں اپنی والدہ گرامی شان کی ہمیشہ یاد زندہ تھی۔ اور اونکی مفارقت کے بعد اشتیاق مادری کے آثار ویسے ہی تازہ تھے۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

فلما مر رسول اللہ صلعم فی عمرۃ الحدیبیۃ بالابواء قال ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فاتاہ رسول اللہ صلعم فاصلحہ وبکی عندہ وبکی المسلمون لبکاء رسول اللہ صلعم فقیل لہ فقال ادرکتنی رحمتہا فبکیت ص ۶۳

عمرۂ حدیبیہ کے بعد جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ابوا پر پہونچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی والدۂ گرامی قدر کی قبر کی زیارت کیلئے خدا کیطرف سے مجاز و ماذون کیا گیا ہوں یہ فرما کر آپ اونکی قبر مطہر پر تشریف لیگئے اور اونکو سسکیوں کے ساتھ یاد کیا۔ اور اشکبار ہوئے آپ کو روتا دیکھکر تمام اہل اسلام بھی رونے لگے آپ سے سبب گریہ دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے اشفاق و مراحم یاد آگئے اور میں بے اختیار ہوکر رو پڑا

حضرت عبد المطلب کی کفالت

اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہے کہ اثنائے صغر سنی کے زمانہ میں ماں سے مفارقت آنحضرت صلعم کیلئے سخت ترین مصیبت ثابت ہوئی ہوگی لیکن حضرت عبد المطلب کی شفقت و دردمندی نے اس ودیعت خداوندی کو فوراً اپنے کنارۂ عاطفت میں اٹھا لیا۔ اور کیونکر نہ اوٹھاتے جناب عبد المطلب اپنے جواں مرگ صاحبزادے عبد اللہ کے بعد اس دُرِّ یتیم کو اونکا نعم البدل جانتے تھے اور جناب آمنہ کی حیات تک آپ کی پرورش و آرام

رسائی کی طرف سے آپ کو ایک گونہ اطمینان حاصل تھا۔ ہاں۔ انکے انتقال کر جانیکے بعد باوجود اس کے کہ آپ کی عمر اسی برس کی ہو چکی تھی اعضا و جوارح جواب دے چکے تھے متعدد جوان بیٹے اور اونکے جوان بال بچے بھی موجود تھے۔ تمام گھر بھرا ہوا تھا ممکن تھا کہ پیرانہ سالی کے عذر معقول کے باعث سے حضرت عبدالمطلب یتیم عبداللہ روحی فداہ کی پرورش و پرداخت اکو کسی چچا سے متعلق کر دیتے اور آپ آرام کرتے۔ مگر نہیں۔ اس ضعف و نقاہت کے عالم میں بھی۔ آنحضرت صلعم کی تمام مہمات اپنے ذمہ لی گئیں۔ جناب عبدالمطلب کو انکی پرورش و پرداخت میں بڑی آسانی اور سہولیت مادر حضرت حمزہ ع کی جہت خاص سے حاصل ہوئی۔ جو حضرت آمنہ ع کی اپنی چچازاد بہن تھیں۔ اور اندنوں خواتین با تمکین کی بیکوقت شادی ہوئی تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ان تمام قرائن و ذرایع پر غور کر نیکے بعد یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ پرورش و حفاظت جان رسول کی ایسی مہتم بالشان خدمت ان تعلقات ظاہری سے زیادہ مشیت کے نظام حقیقی سے متعلق تھی۔

یہ مسلم ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو حضرت عبداللہ سے بمقابلہ اور فرزندوں کے مفرط درجہ کی محبت تھی کیونکہ اصغر الاولاد تھے اور فطرت انسانی کے اعتبار سے باپ کے سب سے زیادہ محبوب پھر ایسے محبوب ترین فرزند کا چشم و چراغ۔ ایسے پارہ جگر کا نام و نشان کیونکر تمام گھر سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتا ہے۔ اور پھر وہ بھی بذاتہ الیسا کہ اوسکا دوسرا نعم البدل ممکن نہیں۔ باپ ولادت سے پہلے اوٹھ چکا۔ ماں بچپن ہی میں چھ برس کا چھوڑ کر گذر گئی حقیقتاً یہ مصائب ایسے تھے جو بواسطہ اور غیر سرکاری اشخاص کو بھی ایسے یتیم۔ بے ماں باپ کے بچہ کے ساتھ دلسوزی اور ہمدردی کی توجہ دلاتے ہیں۔ یہ کہ صرف اوس بزرگوار کو جو اپنی جان اور اپنے تمام خاندان سے اسکو زیادہ عزیز رکھتا ہو۔ ابن سعد نے اپنے ایک جملہ میں ان تمام مدعا کو تمام کر دیا ہے وہ یہ ہے۔ جناب آمنہ نے وفات پائی۔ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

فلما توفیت قبضه الیه جده عبد المطلب وضمه ورق علیه رقة لم یرقها علی ولده وکان یقربه ویدنیه ویدخل علیه اذا خلا واذا نام	پرورش و پرداخت کے تمام امور حضرت عبدالمطلب سے متعلق ہوئے اور حضرت عبدالمطلب نے اپنے محاسن اشفاق کے وہ مسالک آپ کے ساتھ احتیار فرمائے جو اپنی کسی اولاد کے ساتھ بھی نہیں ظاہر فرمائے تھے۔ تمام گھر کو

میں اسوقت قریب ترین عزیز ترین یہی تھے خلوت و جلوت میں آپ کو برابر ساتھ رکھا کرتے تھے اور آپ کے ساتھ سویا کرتے تھے طبقات ص ۷۵

عرب کی یہ قدیم تہذیب تھی کہ وہ کسی بزرگ خاندان کے سرابۃً تعظیماً کسی عام یا خاص مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے اس قدیم آداب معاشرت کے خلاف ورزی کے اظہار پر اوسکے عامل کو عام اس سے کہ وہ کسی پایہ یا پایہ کا کیوں نہو نہایت حقارت و نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس قومی دستور و آداب کے وہ اسقدر پابند تھے کہ غیر ممیز اطفال تک کو بھی ان اقدام کی جرات کرتے ہوئے دیکھکر چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اسکو آداب مجلس اور طریقہ نشست و برخاست بتلا دینے کی ضرورت سے فوراً متنبہ اور آگاہ کر دیتے تھے۔ اون کا یہ قدیم دستور اونکا یہ قومی آداب اقطاع عالم میں کم و بیش

تمام قوموں کی تہذیب و معاشرت میں آجتک داخل ہے۔

قدیم آئین تعظیم سے رسول خدا کا استثنا

جناب عبد المطلب نے اپنے جگر گوشہ یتیم عبداللہ کو اس قیود سے بالکل مستثنیٰ فرما دیا۔ ذیل کا واقعہ اس کا شاہد ہے سیرت ابن ہشام میں ہے:-

كان رسول الله صلعم مع جده عبد المطلب بن هاشم وكان يوضع لعبد المطلب فراش في ظل الكعبة فكان بنوه يجلسون حول فراشه ذلك حتى يخرج اليه لا يجلس عليه احد من بنيه اجلالاً له قال فكان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ياتي وهو غلام جفر حتى يجلس عليه فياخذه اعمامه ليوخروه عنه فيقول عبد المطلب اذا رأى ذلك منهم دعوا ابني فوالله ان له لشانا ثم يجلسه معه عليه ويمسح ظهره بيده ويسره ما يراه يصنع (ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۵۰)

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جد بزرگوار حضرت عبد المطلب کی کفالت میں تھے۔ ایکبار ایک قومی مجلس کی ترتیب دیگئی تھی اور بیرون کعبہ حضرت عبد المطلب کیلئے جو اس زمانہ میں امیر مکہ اور متولی خانہ کعبہ تھے ایک فرش خاص بچھایا گیا تھا اور آپ کی تمام اولاد و فرزندان اپنے اعزازی مراتب و مناصب کے لحاظ سے اوس فرش کے دور میں چاروں طرف بیٹھے تھے اور صدر میں حضرت عبد المطلب کے لئے خاص جگہ چھوڑی تھی۔ اور اونکی ذاتی عظمت کے اعتبار سے آپ کے خاص فرزندوں میں سے بھی کوئی صاحب اس مقام خاص پر بیٹھنے کی مجال نہیں رکھتے تھے حسن اتفاق سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اسوقت تک کمسن بچے تھی تشریف لاتے ہی سیدھے اپنے جد بزرگوار کے مقام پر جا بیٹھے۔ آپکے چچاؤں نے اوٹھکر آپ کو تھام لیا اور بائیں میں اپنے پاس بٹھلا لینا چاہا۔ اسی اثنا میں حضرت عبد المطلب آگئے اور یہ کیفیت دیکھکر اپنے بیٹوں سے کہنے لگے کہ میرے فرزند کو کیوں روکتے ہو۔ چھوڑ دو۔ خدا کی قسم اسکے لئے ایک شان خاص ہے یہ کہکر آپ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنی مقام پر بیٹھ گئے اور اونکی پشت مبارک پر دست شفقت پھیرنے لگے اور جو دل شکنی آپکی ہوئی تھی اسکی نسبت تسلی و دلجوئی فرمائی

ظاہر میں تو اس واقعہ سے حضرت عبد المطلب کے انتہائی اشفاق ظاہر ہوتے ہیں۔ جو موجودہ سلسلہ بیان کا اصلی عا ہے مگر حقیقت میں یہ واقعہ نظام قدرت کی طرف سے مراتب رسالت کی معرفت کا مقدمہ ہے۔

دعای استسقا میں رسول ص کی شرکت

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بالترتیب و تفصیل وہ تمام واقعات لکھیں گے جو حضرت عبد المطلب کے زمانہ حیات میں واقع ہوئے اسی سلسلہ میں دعائے استسقا کا بھی ایک واقعہ ہے جسمیں جناب رسولخدا صلعم کی شرکت معلوم ہوتی ہے ہم اسکو ابن سعد کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عن رقيقة بنت ابي صيفي بن هاشم بن عبد مناف قالت تتابعت على قريش سنون ذهبن بالاموال واشفين على الانفس قالت فسمعت قائلا يقول في المنام يا معشر قريش ان هذا النبي المبعوث منكم وهذا ابان خروجه

رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف کا بیان ہے کہ ایکبار مکہ میں متواتر کئی برسوں تک قحط پڑتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں کے مال و اسباب تلف ہو گئے اور بالآخر جانوں کے جانیکی نوبت آئی۔ انھیں ایام میں میں نے ایک شخص کو خواب میں کہتے سنا کہ اے قوم قریش نبی کا زمانہ تو پیدا ہو چکا اب اسکے ظہور کا وقت بھی قریب پہونچ گیا جسکی برکت سے تمہیں فراخت و خوشحالی نصیب ہوگی

ونه يأتيكم الحيا والخصب فانظروا رجلا من أوسطكم نسبا طوالا عظاما أبيض مقرون الحاجبين أهدب الأشفار جعدا سهل الخدين رقيق العرنين فليخرج هو وجميع ولده وليخرج منكم من كل بطن رجل فتطهروا وتطيبوا ثم استلموا الركن ثم ارقوا أبا قبيس ثم يتقدم هذا الرجل فيستسقي وتؤمنون فإنكم ستسقون فأصبحت فقصت رؤياها عليهم فنظروا فوجدوا هذه الصفة صفة عبد المطلب فاجتمعوا عليه وخرج من كل بطن منهم رجل ففعلوا ما أمرتهم به ثم علوا على أبي قبيس ومعهم النبي صلعم وهو غلام فتقدم عبد المطلب وقال لاهم هؤلاء عبيدك وبنو إمائك وقد نزل بنا ما ترى وتتابعت علينا هذه السنون فذهبت بالظلف والخف والشفر فاشفت على الأنفس فأذهب عنا الجدب وأتنا بالحياء والخصب فما برحوا حتى سالت الأودية وبرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم سقوا ۵۲

تم لوگ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو تم میں شریف النسل ہو اوسکے بدن کی ہڈیاں لمبی ہوں جسکی جلد بدن پر دہا ہی جسم کے پاس چمکدار ہو جسکے آگے سر کے بال کم ہو گئے ہوں - دونوں رخسار ہموار ہوں بھوین قریباً جتی ہوں اور دونوں اور تک ناک باریک ہو ایسے آدمی سے کہو کہ اپنی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لیکر باہر نکلے اور تم میں سے ہر قبیلہ اور ہر عشیرہ کا ایک ایک آدمی اوسکے ساتھ ہو پہلے تم لوگ غسل کرو پاک و پاکیزہ ہو خوشبو لگاؤ اور رکن کعبہ کا استیلام بجا لاؤ اسکے بعد کوہ ابو قبیس کی چوٹی پر چڑھ جاؤ اور اس شخص کو اپنا پیشوا بناؤ اور اوس سے کہو کہ باران رسی کی دعا کرے یقین رکھو کہ اسی تدبیر سے تم لوگ ضرور سیراب ہو گے ۔ رقیقہ کا بیان ہے کہ صبح کو اوٹھکر میں نے اپنا خواب بیان کیا سب نے ملکر بیر غور کیا اور بعد تلاش و فکر کے بعد حضرت عبد المطلب کو اون صفات موصوف پایا تمام قبائل و عشائر کے لوگ آپکے پاس جمع ہوئے صورت حال عرض کی سب فوراً مستعد ہو گئے پھر تمام لوگوں نے ملکر مراسم و لوازم مذکورہ انجام دیے اور حضرت عبد المطلب کو اونکی تمام اولاد و احفاد کے ساتھ لیکر کوہ ابو قبیس کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گئے - اور انھیں بزرگوں کے ساتھ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے اور آپ اسوقت کمسن تھے جماعت موجودہ کی اقتدا حضرت عبد المطلب نے کی اور دعائے استسقا ان الفاظ میں ادا فرمائی الٰہی یہ جماعت تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کی عیال تیری کنیزیں ہیں اور تیری کنیزوں کی اولاد - جو مصیبت ہم لوگوں پر پڑی وہ تجھ پر ظاہر ہے ہم لوگوں پر گذشتہ کئی برسوں سے آفت پر آفت ہے اور تباہی و بربادی اور اب تو انکی جانوں پر آبنی ہے - الٰہی اب اس مصیبت کو ہم سے اوٹھا لے اور ہم کو فراخی اور وسعت رزق عطا فرما - رقیقہ کا بیان ہے کہ قوم قریش کو کچھ نہیں نصیب ہوا تھا وقتیکہ اس تدبیر سے جماعت کی جماعت نے درگاہ رب العزت میں دعا نہیں کی اور جناب رسالتمآب صلعم کی برکت سے سبکے سب سیراب ہو گئے ۔ طبقات ابن سعد جلد ا ص ۵۳ مطبوعہ جرمن ۵۱

اِس واقعہ سے جہاں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کی برکت و سعادت ثابت ہوتی ہے

حاشیہ ۵۱ حضرت عبد المطلب کی کفالت پر عیسائیوں کا اعتراض ۔ مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۷ میں لکھتے ہیں عبد المطلب کا آنحضرت صلعم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہیں یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی اور آخر زندگی میں اسکے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت میں محمد کو طعنہ دیا اپنے باپ کا غلام کہا تھا (مارگولیس لائف آف [illegible]

وہاں حضرت عبدالمطلب کی ذاتی وجاہت وعظمت کا بھی اظہار کامل ہوتا ہے آپکی اس وجاہت واقتدار کا یہ مرتبہ محض
اس لیے تھا کہ آپ مکہ کے رئیس تھے اور قریش کے سردار بلکہ اس شہرت عامہ اور اعتبار و اختیار کے باعث آپ کی حامل
اخلاقی ایثار و آثار تھے۔ جو آپ کی ذات ستودہ صفات کو ممدوح روزگار بنائے تھے۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

حاشیہ صفحہ دیگر (آف محمد ص ۴۵-۴۹) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا جاتا ہے مارگولیس خود تسلیم کرتے ہیں نشہ کی
حالت تھی۔ اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری میں ہے یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے باربرداری کے لئے اونٹ خریدے اوس وقت تک شراب
حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؓ شراب میں مخمور ادھر سے گذرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل وجگر کا کباب بنایا۔ آنحضرت صلعم کو
خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس آئے اور ان کو ملامت کی، حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے۔ اس حالت میں وہ الفاظ انکی
زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۰

مارگولیس کا یہ اعتراض ابوطالب کی کفالت کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اس لیے عبدالمطلب کے زمانہ میں علامہ شبلی کا
اسکو مندرج فرمانا اور اس پر تنقید لکھنا قبل از وقت ہے اور ایک بے موقع تقدیم۔

مولوی شبلی صاحب کا اکثر مقامات پر یہ لکھنا کہ "ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی" یہ بتلاتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اسلام میں
شراب کسی وقت حلال بھی تھی۔ اگر شراب کی حرمت کے اعتبار پر یہ قیاس فرمایا جاتا ہے۔ تو اور بھی تعجب انگیز ہے کیونکہ قبل حرمت
والی تمام آیات قرآنی اسکی ذم و قبح کو بتلا رہی ہیں۔ یہ امت اسلام کی بداخلاقیاں ہیں اور شامت اعمالیاں کہ خدا کے بار بار بتلانے پر
بھی وہ اُسے بُرا نہیں جانتی اور پی جاتی ہے۔ اخلاق الٰہی نے تھوڑے دنوں تک اسکے نیک و بد کی تمیز امت کے فیصلہ پر چھوڑ دی
لیکن امت کے اخلاق ذمیمہ اور کے خلوص ایمانی اور اعضائے روحانی پر ایسے غالب آگئے تھے کہ وہ اسکو ترک نہ کر سکی تو بالآخر
تعذیب الٰہی کی تہدید کے ذریعہ سے یہ ناہنجار عادت چھڑوائی گئی۔ اگر امت رسولؐ کو اتباع کا دعویٰ تھا یا سیرت رسول کی تاسی کو
وہ اپنے دینی اور دنیاوی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتی تھی تو اوسکو اپنے رسولؐ برحق کی عادت پر نظر ڈالنی تھی اور یہی اس ناہنجار عادت
کے ترک کیلئے کافی تھی لیکن اسکی توفیق ہی نہیں ہوئی۔ اور تعذیب الٰہی کی آسمان سے تہدید و تاکید ملوائی گئی۔ اس بنا پر تاخیر تحریم کو
کسی مدت تک جواز یا حلت خمر کا باعث سمجھنا سخت غلطی ہے خمر، زنا، چوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ سے اخلاقی اور روحانی جرم قرار
دئیے گئے ہیں اور تمام شریعتہائے سابقہ میں یہ اعمال ذمیمہ کبائر معاصی بتلائے گئے ہیں۔ شراب شریعت اسلام میں اول تا آخر
وقت ویسی ہی حرام مطلق تھی جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ علیہم السلام کی سابق شریعتوں میں۔ فافہم وتدبر

ہم اس ناہنجار عادت کی حضرت حمزہؓ سے نسبت بھی اعتبار کے قابل نہیں سمجھتے۔ کیونکہ حضرت عبدالمطلب کے متعلق تمام
حدیثوں کی کتابوں میں بالاتفاق لکھا ہے انہ حرم الخمر فی حیاتہ (آپنے اپنی عمر بھر شراب کو حرام کر لیا تھا) تو ہم کس طرح ان کے
صاحبزادے حضرت حمزہ کی بخلاف سیرت پدری اسکا یقین کر سکتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جب یہ واقعہ ان کے اسلام لانے کے

کان عبد المطلب احسن قریش وجها وامدّه جسما واحلمه حلما واجوده کفا وابعد الناس من کل موبقة تفسد الرجال ولم یره ملك قط الا اکرمه وشفعه وکان سید قریش حتی هلك فاتاه نفر من خزاعة فقالوا نحن قوم متجاورون فی الدار هلم فلنحالفك فاجابهم الی ذالك واقبل عبد المطلب فی سبعة نفر من بنی عبد المطلب والارقم ابن نضلة بن هاشم والضحاك وعمر ابن صیفی بن هاشم ولم یحضرها احد من بنی عبد شمس ولا نوفل فدخلوا دار الندوة فتحالفوا فیها علی التناصر والمواساة وکتبوا بینهم کتابا وعلقوه فی الکعبة ص ۵

حضرت عبدالمطلب باعتبار ذاتی وجاہت کے تمام قریش میں تہیہ بزرگ تھے اور جسامت کے لحاظ سے سب سے زیادہ جسیم اور طویل حلم و تحمل میں سب سے بڑھکر حلیم۔ جود و سخاوت میں سب سے زیادہ سخی و کریم۔ فتنہ و فساد کی موقع پر سے دور رہنے والے جو دیکھتا تھا وہ آپکی تعظیم و تکریم کرتا تھا اور آپکی ہدایتوں کو بجالاتا تھا اور سلاطین معاصرین میں قبیلہ قریش کی امامت تا ایام الحیات آپ سے متعلق رہی ایکبار بنی خزاعہ کے لوگ آپکی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ ہم لوگ آپ کے ہمسایہ ہیں اسوقت التجا کی ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کا اپنا حلیف بناکر اپنی پناہ میں لے لیں آپ نے فوراً ان لوگوں کی استدعا کو قبول کرلیا اور بنی عبدالمطلب میں سے سات آدمیوں کو لیکر اور ارقم بن نضلہ بن ہاشم اور ضحاک و عمر پسران بن صیفی بن ہاشم کو بھی اس میں شامل کرکے دارالندوہ میں تشریف لائے اس معاہدہ میں بنی عبدالشمس (امیہ) اور بنی نوفل میں سے کوئی فرد داخل شریک نہ ہوا۔ دارالندوہ میں جانبین سے مواسات و حمایت کی باہمی معاہدے لکھے گئے اور دستور قدیم کے مطابق کعبہ میں آویزاں کردیئے گئے

بنی ہاشم کے یہ وہ حقیقی معارف ہیں جو قدیم سے انکے اخلاقی اعزازہ امتیاز کی خصوصیات میں داخل ہیں اور یہ وہی مفاخر ہیں اور اصلی مفاخر مشارف جو تمام قریش کیا تمام قبائل عرب پر انکی تفضیل و ترجیح کے سچے معیار ثابت ہوتے ہیں اور یہ تمام صفات و محاسن جس طرح قصی کو اپنے وقت میں ہاشم کو انکے زمانہ میں حاصل تھے اوسیطرح عبدالمطلب کو اپنے عہد میں قدرت کی طرف سے بدرجہ اولی حاصل تھے بدرجہ اولی اسلئے کہ ان تمام محاسن و صفات سے آراستہ و پیراستہ بزرگوار کے متعلق شہنشاہ رسالت کی کفالت و تمام نبوت کی حفاظت بھی سپرد ہونیوالی تھی۔

حاشیہ صفحہ دیگر قبل کا بھی نہیں بتلایا جاتا۔ بلکہ مشرف باسلام ہوجانیکے بعد کا اور پھر ان الفاظ اضافی کے ساتھ کہ رسول اللہ صلعم اس واقعہ کی خبر پاکر بالنفس النفیس اونکی تادیب کیلئے تشریف لیجاتے ہیں اور اونکی دونوں آنکھوں کے سامنے کھڑے ہوکر اونکو ملامت کرتے ہیں مگر حمزہ عیاذ و باللہ کچھ اثر نہیں ہوتا وہ کچھ نہیں سنتے اول فول بکتے چلے جاتے ہیں۔ مخالفین اسلام تعجب سے کہیں گے کہ یہ وہی رسول ہیں جسکی ایک نگاہ سرسری نے فوراً اس واقعہ کے بعد ہی حضرت عمر کے غیر متحمل غصہ کو ایسا ٹھنڈا کردیا کہ اون سے فوراً قدم رسالت پر سر جھکا دیا اور اسلام لے آنے کے سوا اور کچھ بن نہ آیا لیکن حمزہ کے مقابلہ میں رسول کی روحانی آثار کارگر ہوئے نہ ذاتی اور صفاتی اقتدار نے اعتبار پایا اور لا الا بعبارہ

ہم ان تمام اقسام کے افسانوں کو خاندان رسالت کی عادات و معاشرت کے قطعی خلاف سمجھتے ہیں خصوصاً حضرت حمزہؑ و غیرہم ممدوحین بنی ہاشم کے متعلق ان لغویات کو تو قطعی ممنوع و موضوع یقین کرتے ہیں یہ بخاری صاحب کی رکاکت طبعی ہے جو ان لغویات کو مندرج کرکے ایک طرف تو عدالت صحابہ کی ایک طرف معیار قایم کرتے ہیں اور دوسری طرف مخالفین اسلام کو اہانت اسلام اور تحقارت حضرت خیر الانام علیہ السلام پر آمادہ اور تیار کرتے ہیں الحاصل

وفات حضرت عبدالمطلبؑ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کفالت وحفاظت کا زمانہ کل چار ہی برسوں میں تمام ہوگیا۔ حضرت عبدالمطلبؑ اور ہے تو وہی چکے تھے شیخوخیت سے گذر کر کہولیت کا وقت آہی گیا تھا۔ بیاسی برس کی عمر ہوچکی تھی بیمار پڑے ضعیف تو تھے ہی ضعف اور علالت دونوں ملکر مرض الموت بن گئے۔ وفات کا وقت قریب ہوا تو اوجو دیکہ تمام عرب میں کثیر الاولاد مشہور تھے ابن سعد لکھتے ہیں علمیکن فی العرب منوافق مثل عبدالمطلب۔ عرب میں عبدالمطلب کے ایسے کسی باپ کی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے محض تعلقات قلبی کی بناپر ایسے بڑے خاندان کے بزرگ کی آنکھوں کے سامنے اوکے بستر مرگ پر اپنی اولاد واحفاد میں سے ایک ایک کی صورت موجود رہنی چاہیئے لیکن ان طرتی عادات کے برخلاف وہ بزرگ بجائے ان اپنی اولاد کے اپنے پوتا سے کسی فرد واحد کو بلاتا ہے یاد کرتا ہے اور اوسکے متعلق کچھ وصیت فرماتا ہے ہاں ایک اپنے کسی ایک بچہ کی یاد و تعلقات اوسکو ایسا بیچین اور مضطرب الحال کئے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے یا وصیت کرتا ہے وہ صرف اسی کے لئے اور کسی کے لئے بھی نہیں۔ اسطرح کہ اپنے قائم مقام اور اپنے وارث ووصی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور اپنے شرعی وصیت کے الفاظ میں اوس بچے کی کفالت۔ حفاظت حمایت اور اعانت کے لئے اپنے بعد اوسکو ذمہ وار بناتا ہے۔ طبری۔ ابن سعد اور ابن ہشام کے متفقہ مختار سے ذیل میں مندرجہ بالا مضامین کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔

توفی عبدالمطّلب بعد الفیل بثمانی سنین وکان عبدالمطّلب یوصی برسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عمه اباواں اباطالب وعبد اللہ ابا رسول اللہ صلعم کانا لام وکان اباطالب هو الذی یلی امر رسول اللہ بعد جدہ وکان یکون معه۔

طبری جلد اول ص ۱۲۳ ا مجرمی

واقعہ فیل سے آٹھ برس بعد حضرت عبدالمطلب انتقال فرما گئے۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق حضرت ابیطالبؑ کو وصیت فرما گئے کیونکہ حضرت ابیطالب اور حضرت عبداللہ بائی بھائی تھے اس خصوصیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولایت کا منصب حضرت ابیطالبؑ کو تفویض ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ابیطالبؑ کے ہمراہ رہے۔ طبری جلد اول ص ۱۲۳ ا مجرمی۔

ان مشاہد تاریخی سے حضرت عبدالمطلب کے اُن دلی جذبات اور قلبی تعلقات کے تمام حالات کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے اور اسی کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے منصب ولایت وحفاظت کی مخصوص اہمیت بھی ظاہر ہوجاتی ہے اس عہدہ جلیل اور منصب عظیم کیلئے حضرت ابیطالب کی تخصیص کی ظاہری توجیہ تو مذکورہ بالا تاریخی اسناد سے معلوم ہوچکی۔ مگر غور وتلاش کے بعد یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اس ودیعت الٰہی کی ولایت کی تجویز وتفویض میں صرف ابیطالب اور عبداللہ کی حقیقی اور بطنی بھائی ہونے پر اعتبار نہیں کیا ہے بلکہ حکم الٰہی کا انتظار اور استخارہ فرمالیا ہے چنانچہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں۔

اقترع ابیطالب بینهما فخرجت القرعة لابی طالب۔ عبدالمطلب نے دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ تو قرعہ ابیطالب ہی کے نام نکلا۔ زرقانی ص ۲۲۸

۵ یہ تجویز ولایت اور مکفلیں کا خود عصا ہے اعمامہ ہی جو حضرت ابیطالب کے استحقاق

حضرت عبدالمطلب کے انتقال پر آنحضرت کا حزن و ملال

حضرت عبدالمطلب نے جیسا بیان ہو چکا ہے۔ مکہ میں وفات پائی اور مقام حجون میں مدفون ہوئے۔ سن وفات سنہ ۸ عام الفیل مطابق سنہ ۵۷۸ء ہے حیات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جد بزرگوار کی مفارقت کا بیحد ملال ہوا۔ ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے بانہ رسول اللہ صلعم یومئذ یبکی خلف سریر عبدالمطلب - میں نے دیکھا رسول صلعم اور عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے پیچھے روتے جاتے تھے۔

حضرت ابیطالبؑ اور رسول اللہ صلعم کی کفالت

حضرت عبدالمطلب کے روز وفات سے حضرت ابیطالب کی کفالت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اسمیں کسکو کلام ہو سکتا ہی کہ حضرت ابیطالب اپنے پدر بزرگوار حضرت عبدالمطلب کے وصی تھے۔ جانشین تھے اور قائم مقام۔ اس لئے تمام خاندانی اور قومی اعزاز و امتیاز جو عبدالمطلب کو حاصل تھے وہ وراثتاً انکو تفویض ہوئے اور انھیں ظاہری بشارت و معارف کے ساتھ کفالت و حفاظت رسول صلعم کے روحانی مفاخر بھی انھیں کی سعادت اور خوش نصیبی کا حصہ ٹھہرے۔ حالانکہ حارث سے لیکر عباس و حمزہ تک حضرت عبدالمطلب کے متعدد بیٹے تھے جن میں اکثر ان سے سن میں بڑے تھے۔ اور گھر میں موجود تھے مگر عبدالمطلب کو قدرت کی طرف سے انھیں کے انتخاب کا اشارہ ہوا۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے کہ یہ انتخاب ایسا لاجواب ہوا کہ تمام قریش کیا تمام عرب میں اسکی مثال مشکل سے ملتی ہے۔

جناب ابی طالب کی کفالت کا زمانہ آپ کے استقلال۔ پامردی ہمت۔ صبر اور استقامت کی آماجگاہ تھا زمانہ کی ناساعدت۔ قوم کی مخالفت دشمنوں کی یورش۔ اپنی کثیر العیالی اور تنگ حالی ہر وقت دامنگیر رہتی تھی۔ مگر ان تمام تعلقات و ترددات سے قطع نظر کرکے۔ جگر گوشہ عبدالمطلب یتیم عبداللہ کی حفاظت و حمایت کے خیال ہر وقت دل سے لگے رہتے اور کیونکر نہ لگے رہتے گھر بھر میں خدا کی ودیعت تھا تو یہی تھا۔ باپ کی وصیت تھا تو یہی تھا اور اپنے مرحوم بھائی کی نشانی اور رہی سہی صورت تھا تو یہی تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر

واستعمال کے لیے آمادہ اور تیار ہیں سوائے ان حضرات کے نہ کسی عربی تاریخ میں اس کا ذکر ہے۔ اور نہ کسی عربی سیرت میں۔ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ قسطلانی میں صرف اس قیاس کی بنا پر بعض تاریخوں میں زبیر کو بھی عبداللہ و ابیطالب کا ماں جایا لکھا ہے۔ کفالت و ولایت کو بھی ضم کر دیا ہے۔ حالانکہ جس خلاف قیاس اور مخالف واقع دعوی کا ذکر کیا ہے اوسکی اوسی کتاب میں پھر دیدہ و تکذیب کر دی ہے اونکو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے قیاسی اور محض بے بنیاد دعوی کے اظہار کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ زرقانی کی محض نادانی ہے۔ چنانچہ ہم اسکی نسبت خود اونہیں کی تحریر ذیل میں لکھتے ہیں۔

فلا یرد ان الزبیر شقیقہ ایضا وقد قیل شارکہ فی کفالتہ وخص ابیطالب بذکرہ لامتداد حیاتہ

فان الزبیر لم یدرک الاسلام وقیل اقرع عبدالمطلب بینہما فخرجت القرعۃ لابی طالب وقد اسند العادۃ

للحافظ عن الذہبی ان الاثیر کفلہ ابو طالب لانہ شقیق ابیہ وکذا الزبیر لکن کفلہ ابو طالب انما

انہی خصوصیات کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کو اپنی تمام اولاد پر کیونکر ترجیح نہ دیتے۔ انھیں روحانی تعلقات اور قلبی جذبات نے اسکے دل پر سوائے یتیم عبداللہ کے اپنی کسی صلبی اولاد کی محبت و الفت کے نقش ہی جمنے نہ دئے۔ اور حقیقت میں ایسی ہمت و استقلال و استحکام خلوص اور محبت پر جو ہر رگوا ممتاز ہوگا وہی و دیعت الٰہی کی حفاظت و حمایت کا خاص محافظ اور تنہا ذمہ وار بن سکتا ہے۔ اور یہی صفات کمالیہ حضرت ابیطالب کی ذات میں مخصوص طور پر ثابت ہوتے ہیں جو مدبرین قدرت کی بارگاہ میں انکے منتخب کیے جانیکے باعث ہوئے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کفالت کا ایک ایک واقعہ حضرت ابیطالب کے عدیم المثال اور بینظیر ہمت و استقامت کا کامل دفتر ہے۔ جو ڈیڑھ ہزار برس کی مدت مدید کے بعد بھی آج تک عرب کے کارناموں میں ویسے ہی زندہ اور محفوظ ہے۔ اور ابدالآباد تک قائم رہیگا۔ ذیل کے تاریخی مشاہدات جنکو ہم بے زمانہ وقوع کی ترتیب سے اپنے سلسلہ بیان میں لکھتا ہے ان واقعات کا پورا انکشاف کرتے ہیں۔ ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں۔

محبت رسول اللہ صلعم ابی طالب کے دل میں

کان ابیطالب یحبہ حبا شدیدا لا یحبہ ولدہ وکان لا ینام الا الی جنبہ ویخرج فیخرج معہ وصب بہ ابی طالب صبابۃ لم یصب بمثلہا بشئ قط۔ احٔ

ابیطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی شدید محبت تھی کہ ویسی اپنے کسی خاص بیٹے سے کبھی نہیں تھی راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں لیکر سلایا کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں باہر جاتے آپ کو اپنے ہمراہ لیکر جاتے۔ اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا۔ اوس سے ابیطالب کو بھی ضرور رنج پہونچا کرتا تھا۔

حقیقتاً ابیطالب کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا تعلق اور تعشق تھا کہ ویسا دنیا میں کسی کے ساتھ نہیں تھا۔ اس ودیعت الٰہی کے ساتھ غایت درجہ کی محبت و الفت کے شامل خلوص و عقیدت کا اقرار و اظہار بھی کیا جاتا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں۔

ابیطالب اور رسول کی عقیدت

وکان یخصہ بالطعام وکان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعا او فرادی لم یشبعوا واذا اکل معہم رسول اللہ صلعم شبعوا فکان اذا اراد ان یغدیہم قال کما انتم حتی یحضر ابنی فیاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیاکل معہم فکانوا یفضلون من طعامہم وان لم یکن معہم لم یشبعوا فیقول ابی طالب

آنحضرت صلعم کے کھانے اور کھلانے کا خاص طور پر اہتمام مدنظر رکھا جاتا تھا اور یہ امر تجربتاً پایا جاتا تھا کہ ابیطالب کے بچے۔ عام اس سے کہ مجتمع ہو کر یا منفرد ہو کر کھائیں۔ آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ اور جب آنحضرتؐ کے ساتھ کھاتے تھے تو سیر ہو جاتے تھے۔ اسلئے جناب ابیطالب نے یہ اہتمام فرمایا تھا کہ جب بچے کھانا کھانے کیلئے بیٹھتے تو آپ اون سے فرماتے کہ تاوقتیکہ میرا فرزند (آنحضرت صلعم) نہ آلے۔ کوئی کھانا نہ کھائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ لیتے تھے تو بچے ملکر ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور ابیطالب اپنے بچوں سے ظاہر کیا کرتے تھے کہ

بقیہ صفحہ دیگر لوصیۃ عبدالمطلب وا ما لان الزبیر کفلہ حتی مات فتم کفلہ ابی طالب وھذا غلط لان الزبیر شہد حلف الفضول وللمصطفیٰ ٥ نیف وعشرون سنۃ واجمع العلماء علیٰ انہ شخص مع ابی طالب الی الشام بعد موت عبدالمطلب

الا ما ملك وكان الصبيان يصبحون رمصا شعثا ويصبح رسول الله دهينا كحيلا ۷۶

آنحضرت صلعم کے ساتھ کہانے سے تمہارے کھانوں میں برکت ہوا کرتی ہے نہیں تو تم سب کے سب بھوکے رہتے ہو اور کبھی نہ آسودہ ہو

اگر کسی دن اتفاقاً آنحضرت صلعم ساتھ نہ ہوتے تھے تو حقیقتاً بچے آسودہ نہیں ہوتے تھے۔ عام طور سے صبح کو بچے سو کر اوٹھتے تو پریشان دل اور آلودہ چشم اوٹھتے لیکن بخلاف انکے آنحضرت صلعم صاف ستھرے اور مسرور الحال اوٹھا کرتے تھے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ حضرت ابیطالب کے دل میں اپنے فرزند عزیز کیطرف صرف محبت مربیانہ ہی نہیں تھی بلکہ عقیدت مخلصانہ بھی تھی اور عظمت عقیدتمندانہ بھی اور یہ انکی معرفت رسالت کا بیّن ثبوت ہے۔

عظمت رسول اللہ صلعم ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابیطالب اپنے والد بزرگوار حضرت عبد المطلب کے وصی تھے اور قایم مقام۔ اسی خصوصیت کی بناپر آنحضرت صلعم کی کفالت و حفاظت میں انکے بھی وہی طرز عمل ثابت ہوتے ہیں جو حضرت عبد المطلب کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مفصلہ ذیل واقعات ہمارے بیان کے شاہد ہیں

كان ابو طالب تلقى له وسادة يقعد عليها فجاء النبي صلى الله عليه وآله وسلم وهو غلام فقعد عليها فقال ابو طالب والٰه ربيعة ان ابن اخي ليحس بنعيم ص ۷۶

جناب ابی طالب کے بیٹھنے کے لیے ایکبار (دار الندوہ میں) فرش بچھایا گیا تھا اس اثنا میں جناب رسالتمآب صلعم جو اوسوقت تک کمسن تھے تشریف لائے۔ اور اپنے چچا کے مقام پر بیٹھ گئے اتنے میں ابیطالب آگئے اور آنحضرت صلعم کو اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دیکھکر کہنے لگے کہ ربیعہ کے خدا کی قسم۔ میرے بھتیجے کے لیے ایک نعمت خاص کی نسبت ہے۔

یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم حضرت عبد المطلب کے احوال میں لکھ آئے ہیں۔ اور اس سے یہ امر کسا حقہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عبد المطلب نے آنحضرت صلعم کی اس شان عمل کو آپ کی علو مرتبت کا مقدمہ سمجھا تھا اور اوس کا اعلان و اعتراف فرمایا تھا اوسی طرح حضرت ابی طالب نے آپ کی روحانی عظمت و جلالت کی تصدیق و توثیق فرمائی اوسی کے ایسا یہ واقعہ ہے۔ زرقانی۔ شرح مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں۔

ما قيل من حمس ستين فهذا يدل على ان ابي طالب هو الذي كفله زرقانی ص ۲۲۸ ج ۱۔ زبیر کا شفیق عبد اللہ ہونا خلاف نہیں ہو سکتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زبیر کفالت ہوئی میں ابیطالب کے شریک تھے مگر اس کیلئے حضرت ابیطالب خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں اسوجہ سے کہ حضرت ابیطالب زیادہ دنوں تک زندہ رہے اور زبیر قبل اسلام مرندہ رہے اور یہی ایک قول ہے کہ عبد المطلب نے اس امر میں قرعہ ڈالا تھا کی مگر قرعہ ابیطالب ہی کے نام نکلا اور اسد الغابہ میں حافظ عز الدین ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ ابیطالب نے آنحضرت صلعم کی پرورش کی کیونکہ وہ عبد اللہ کے ماںجائے بھائی تھے اور ایسے ہی زبیر بھی مگر کفالت ابیطالب ہی نے کی اسکی وجہ عبد المطلب کی خاص وصیت تھی اب رہا یہ قول کہ زبیر انہی حیات تک کفیل رہے جب وہ مرگئے تو ابیطالب نے کفالت کی بالکل غلط ہے کیونکہ زبیر حلف الفضول تک زندہ تھے اور آنحضرت صلعم اوس وقت سالہ بیس برس تک کے ہوچکے تھے اور تمام علما کا اتفاق ہوچکا ہے کہ عبد المطلب کے تقریباً پانچ برس بعد ابیطالب نے آنحضرت کو لیکر شام کا سفر کیا تھا اور یہ امر قوی دلیل ہے کہ آنحضرت صلعم کی کفالت ہمیشہ ابیطالب ہی کے ساتھ مخصوص رہی اور لعب ختی عنه

عن جلهمة ابن عرفطة قال قدمت مكة وهي في قحط فقالت قريش بعد ان تشاوروا فلفظ الحديث عند ابن عساكر قدمت مكة وقريش في قحط فقال منهم يقول اعمدوا للات والعزى وقال منهم اعمدوا لمناة الثالثة الاخرى فقال شيخ وسيم حسن الوجه جيد الرأي انى تؤفكون وفيكم باقية ابراهيم وسلالة اسمعيل قالوا كانك عنيت ابا طالب قال ايها فقاموا اجمعهم وقمت فدققنا عليه الباب فخرج الينا فثاروا اليه يا ابا طالب قحط الوادي واجدب العيال فهلم فاستسق فخرج ابو طالب ومعه غلام هو النبي صلى الله عليه وآله وسلم كانه شمس دجن وحوله اغيلمة فاخذه فالصق ظهره بالكعبة ولاذ الغلام باصبعه وما في السماء قزعة فاقبل السحاب من ههنا وههنا واغدق واغدودق وانفجر له الوادي واخصب النادي والبادي ص ۲۲۹

ابن عساکر اپنی تاریخ میں جلہمہ ابن عرفطہ کا یہ مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جلہمہ کا بیان ہے کہ میں ایکبار عین قحط کے موسم میں۔ میں مکہ میں گیا ابن عساکر کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ابن عرفطہ کا بیان ہے کہ قریش سخت مصیبت قحط سے پریشان تھے۔ اون میں سے ایک نے صلاح دی کہ لات وعزیٰ سے استغاثہ وفریاد کی جاوے دوسرے نے کہا کہ منات سے جو ثالثہ اخریٰ ہے چارہ جوئی کیجائے۔ ان میں سے ایک معزز ذی وجاہت اور صائب الرای بزرگ بول اوٹھا کہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ ابھی تم لوگوں میں ایک ایسا بزرگ قوم موجود ہے جو سلسلۂ ابراہیمی کا بقیہ اور نسل اسمٰعیلی کا خلاصہ ہے اوسکی طرف کیوں نہ رجوع کیجاوے سب نے کہا کیا تمہارا اشارہ ابوطالب کی طرف ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ اوسی کی طرف ہے۔ جلہمہ کا بیان ہے کہ یہ سنکر سب کے سب کھڑے ہوگئے۔ اور میں بھی اونکے ساتھ ہولیا۔ ہم سب ملکر ابوطالب کے گھر پر آئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابوطالب نکل آئے سب لوگوں نے عرض کی۔ اے ابوطالب ہر طرف سے قحط نے گھیر لیا اور اہل و عیال کی بربادی کا وقت پہونچ گیا۔ سب کو سیراب کیجئے یہ سنتے ہی ابوطالب باہر نکل آئے آپ کے ساتھ ایک کمسن بچہ تھا اور وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اونکا روئے منور آفتاب تاباں کی طرح روشن تھا ابوطالب اوس صاحبزادے کو انگلی پکڑ آئے اونکے اور لڑکے اوس بچہ کو گھیرے ہوئے۔ خانہ کعبہ میں آئے اور رکن کعبہ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔ اور اوس بچہ کی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف بلند کردیا اور طلب باران کی دعا کی پارہ ہائے ابر سطح آسمانی پر نمایاں ہوئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد پانی برسا اور پھر تو ایسا برسا کہ تمام پانی نکلا اور تمام صحرا و بیاباں سرسبز و شاداب ہوگئے۔

جناب ابوطالب نے صرف اعلان شان نبوت کی ضرورت سے۔ نہ اپنے اظہار مفاخر ومعارف کی غرض سے اس واقعہ کی یادگار میں ایک طویل قصیدہ نظم فرمایا ہے۔ جو عام سیرۃ ابن ہشام وغیرہم تمام عربی تاریخ وادب کی کتابوں میں مذکور ہے جس شعر خاص میں آنحضرت صلعم کے یمن وبرکت سے حصول باران کا اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ [1]　　محمد صلعم ایسے خوش جمال شخص ہیں جن کی برکت سے ابر پانی برساتا ہے

[1] اس قصیدہ اور خصوصاً اس شعر کی قبولیت ایسی کامل اور متواتر تھی کہ تک رسالت میں اسکی یاد ہمیشہ ہی رہی۔ زرقانی بیہقی کے اسناد سے لکھتے ہیں جاء اعرابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا رسول اللہ اتیناك وما لنا صبی یغط ولا

ثمال الیتامی عصمة للارامل　　یتیموں کے لیے ماویٰ پناہ ہیں اور بیوہوں کے پروردہ

فصرخ واستسقى اباتا فقام صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر فرفع یدیہ الی السماء ودعا فما رد یدیہ حتی التفت السماء بابراقها وجاء الصحون الغرق فضحك صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال للہ در ابی طالب لو کان حیا لقرت عیناہ من ینشدنا قوله فقال علیؑ یا رسول اللہ کانك ترید قوله وابیض یستسقی الغمام بوجهه۔ وذکر ابیاتا فقال صلعم اجل زرقانی ص ۲۳۱۔ یعنی ایک اعرابی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اسی حاجت سے حاضر ہو کر عرض کرتا ہوں کہ قحط زدگی کے باعث سے میرے بال بچے زمین پر پڑے ہوئے ہیں میرے اونٹ بھوک سے چلا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی آنحضرت صلعم اوٹھ کھڑے ہوئے۔ رداے مبارک کے گوشے زمین پر ہوتے جاتے تھے۔ آپ اسی حالت میں منبر پر تشریف لے گئے اور دستہاے مبارک آسمان کی طرف بلند فرمائے اور درگاہ رب العزت میں نزول باران رحمت کی دعا مانگی۔ دستہاے مطہر بارگاہ قدرت کے سامنے سے نہیں ہٹے تھے کہ ابر رحمت کے آثار پیدا ہوئے اور بکثرت مینہ برسا گیا۔ یہ مشاہدہ فرما کر آپ اسقدر شاداں و فرحاں ہوئے کہ دندان مبارک خندیدگی کے باعث نمایاں ہو گئے اور ارشاد فرمانے لگے کہ کیا خوب ابی طالب نے کہا ہے۔ اگر وہ اسوقت زندہ رہتے تو اس سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے اور بہت ہی خوش ہوتے حضرت علی مرتضی نے عرض کی کہ اس ارشاد سے آپ کا اون کے اس شعر کیطرف اشارہ ہے۔ پھر شعر مذکور پڑھا جو اوپر لکھا گیا ہے) آنحضرت صلعم نے فرمایا ہاں یہی"۔ اس عبارت نے حضرت ابیطالب کے اس شعر کی اعلی مقبولیت کے ساتھ بہت بڑا ضروری امر یہی ثابت کر دیا کہ ملک و قوم کی ایسی ناگہانی آفتوں کے وقت خاندان بنی ہاشم ہی مرجع خلائق قرار دیا جاتا تھا۔ اور جب امکانی قوتیں بیکار ہو جاتی تھیں تو سلسلۂ ابراہیمی اور خانوادہ اسمعیلی کے انھیں باقیات الصالحات اور چیدہ و برگزیدہ حضرات سے رجوع حاجات کی جاتی تھی اور یہ ذوات عالیہ بھی ایسے موقعوں پر اونکی کشود کاری اور مطلب برآری کو اپنے فرائض منصبی یقین فرما کر اونکی حمایت و اعانت پر فوراً آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت عبد المطلب کے زمانہ سے لیکر جناب رسالتمآب صلعم کے عہد تک مسلسل لکھکر دکھلاتے آئے ہیں۔ حالات و واقعات کو استیعاب کی نگاہوں سے دیکھنے والے حضرات ان واقعات کو تسلسل اور تواتر کے معیار تحقیق پر کامل پائیں گے۔ یہ وہی اوصاف مخصوصہ ہیں جو بارگاہ احدیت سے ان حضرات کیلئے مخصوص و محفوظ فرما دیے گئے ہیں۔ یہ سلسلۂ مرتبۂ عظمت خاندان ہاشم اور دودمان رسالت کے ساتھ بطور خصوصیت اتنا مستقل اور مستمر رہا کہ ان حضرات سے انتزاع امارت و حکومت کے بعد بھی ملک و قوم کو جب کبھی ان مصائب سے سامنا ہو جاتا تھا اور انکے دفاع کیلئے کوئی تدبیر عملی کارگر نہیں ہوتی تھی۔ تو بالآخر فرمانروایان ملکی کے ید اقتدار اور سرداران قومی کے پنجۂ اختیار انھیں دادرسان ملک اور فریادرسان قوم کے دامنگیر حمایت و اعانت ہوتے تھے۔ اپنے اس بیان کے ثبوت میں ہم ذیل کا واقعہ صواعق محرقہ کی اصلی عبارت سے نقل کرتے ہیں وفی تاریخ دمشق ان الناس کرروا الاستسقاء عام الرمادة سنة سبع عشرة من الهجرة فلم یسقوا فقال عمر بن الخطاب لاستسقین غدا بمن یسقی اللہ به فلما اصبح

گھر کی دُنبیوں کی گلّہ بانی

حضرت عبد المطلب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کے ہو چکے تھے نفس قدسیہ کے روحانی اثر سے آپ کے تمام قوائے مدرکہ آٹھ برس والے عام بچوں سے بدرجہ اولےٰ قوی تر اور کامل تر تھے۔ دو برس آنحضرت ابیطالب کی کفالت وحفاظت میں رہکر آنحضرت صلعم کامل دس برس کے ہو گئے۔ اور اب وہ وقت آگیا کہ اس جہان ماں عالم وعالمیان کو مصالے قدرت کی اسباب سامان مشاہدہ کرائے جائیں۔ جس سے وہ صانع قدرت کے عجائب وغرائب کی حقیقت کا کامل ادراک کر سکے اور انکی انتہائی علت کو سمجھے اور حقیقی اصلیت کو معلوم کرے۔ معرفت الٰہی کی ابتدائی تحصیل میں جوش وغور کی مشق وریاضت شروع کی جائے۔ اور ان ریاضتوں کی تیاریوں کے لئے خلوت۔ محویت۔ تنہائی اور ترک علائق کے سامان فراہم اور مرتب کر دیے جائیں۔ سیرت انبیا علیہم السلام کے سیر کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ سبق آموزان معرفت اور مبتدیان حقیقت کی تعلیم کے لئے۔ ہر زمانہ اور ہر مقام میں قدرت کو یہی انتظام کرنے ہوتے ہیں آپ کی عادت اور دستور الٰہی کے مطابق مہتمم قدرت نے متمم رسالت کی تعلیم دہی کے لئے وہی قدیم انتظام جاری فرمائے اور دس برس کے سن میں آپ نے اپنے گھر کی دُنبیوں کی گلّہ بانی آغاز کی۔ ظاہر میں تو یہ معمولی گلہ بانی تھی مگر حقیقت میں یہ کافۃ الناس کی پاسبانی کا دیباچہ تھا اور انکی حفاظت ونگرانی کا مقدمہ۔ تبلیغ رسالت کی سلسلہ جنبانی تھی اور تقدیم سیاست کی حکمرانی۔ قدرت ہی اس نفس قدسیہ کی صانع تھی اور قدرت ہی اس انتظام کی ناظم۔ اسلئے تعلیم الٰہی کے یہ تمام ابواب واسباب طبع رسالت کے مطابق اترے اور چونکہ روافر معرفت اور غوامض حقیقت کے باعث انکشاف پہلے یہی ثابت ہوتے ہیں اس لئے یہ سادہ پاک وصاف اور محض آزاد حصۂ عمر اور اسکے مشاغل کی یاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب نورانی میں ہمیشہ زندہ اور قایم رہی۔ اور زمان رسالت میں بھی عند التذکرہ اسکا اکثر ذکر فرمایا جاتا تھا۔ ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلعم ما بعث اللہ نبیاً الا راعی الغنم قال لہ اصحابہ وانت یا رسول اللہ قال وانا رعیتها لاهل مکة بالقراریط۔

جناب رسالتمآب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تمام انبیا علیہم السلام نے گوسفندوں کی گلہ بانیاں کی ہیں اصحاب حاضرین نے پوچھا۔ اور آپ نے یا رسول اللہ ارشاد فرمایا۔ ہاں میں نے بھی اہل مکہ کی دُنبیاں قراریط پر چرائی ہیں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ علا ذهب عمر عند العباس وقال له اخرج بنا حتى نستسقى الله بك قال العباس يا عمر اقعد فى بيتى فارسل الى بنى هاشم ان تطهروا والبسوا من صالح ثيابهم فاتوه فاخرج طيباً فطيبهم ثم خرج العباس وعلى امامه والحسن عن يمينه والحسين عن يساره وبنو هاشم خلف ظهره وقال يا عمر لا تخلط بنا غيرنا ثم اتى المصلى فوقفوا فقام العباس فحمد الله واثنى عليه فقال اللهم انك خلقتنا وعلمت ما نحن عاملون به قبل ان تخلقنا ولم يمنعك علمك بنا عن رزقنا اللهم كما تفضلت علينا فى اوله

اصحاب کا یہ تعجبانہ استفسار شان رسالت کی موجودہ جلالت و اقتدار کے باعث تھا۔ اسکے بعد ابن سعد ایک دوسرا قول ذیل کی عبارت میں لکھتے ہیں:۔

مرّوا النبیّ صلعم بثمر الاراک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیکم بما اسود منہ قال کنت اجتنیہ اذا انا راعی الغنم قالوا یا رسول اللہ و رعیتہا قال نعم وما من نبیّ الا قد رعاہا

ایک دفعہ آپ اصحاب کے ساتھ جنگل میں تشریف لیگئے صحابہ پیلو توڑ توڑ کر کھانے لگے آپ نے فرمایا جو سیاہ ہیں وہ زیادہ خوش ذائقہ ہیں میں اسکو اوس وقت سے جانتا ہوں جب میں بچپن میں دنبیاں چرایا کرتا تھا صحابہ نے عرض کی آپ نے بھی دنبیاں چرائی ہیں فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جسنے دنبیاں نہ چرائی ہوں۔

صحابہ کا یہ استعجاب بھی اوسی بنا پر مبنی ہے مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبیؐ میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ فرانس کے ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ابوطالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے۔ اس لیے اون سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفا اور امرا کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے خود قرآن مجید میں ہے ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین تسرحون۔

شبلی صاحب کا یہ جواب الفاظ قرآنی سے مستنبط ایک فرانسیسی عیسائی کے لئے کیسے قابل تسلیم ہو سکتا ہے اسکو آپ کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جاوے اوسکے ساکت کرنیکے لئے آپ کا اتنا ہی لکھ دینا کافی تھا کہ اگر یہاں دنبیاں چرانے پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اپنے ہاں گدھے چرانے کے لئے کیا کہا جاوے گا۔

حقیقت میں دنبیاں چرانا عیب ہے اور نہ گدھے چرانا یا پالنا بڑی بات ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے زمانہ اپنے ملک اور اپنے ادب معاشرت کے مطابق چار ہزار اور دو ہزار برس کے گذشتہ تمدن و معاشرت کا مقابلہ و موازنہ کر بیٹھتے ہیں اس مدت میں انقلاب زمانہ اور اختلاف خیالات و مذاق کے مطابق بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اسوقت

حاشیہ صفحہ دیگر بعض علمائی اخرہ قال جابر ثم تردد عائہ یستحب سلینا سحاب فما وصلنا الی المنازل الا ملئنا من المطر فقال العباس انا المستقی ابن المستقی خمس مرّات اشارا الی انّ اباہ عبد المطلب استسقی خمس مرّۃ فسقی اللہ النّاس صواعق محرقہ بحوالہ ینابیع المودۃ امام قندوزی مطبوعہ بمبئی ص ۲۵۶ دو برس متواتر سے ہمہ کے تمام لوگ ۱۹ سنہ ہجری میں جو عام الرمادہ کے نام سے تمام تاریخوں میں مشہور ہے دو بار طلب باران کے لئے نماز استسقا پڑھ چکے تھے خدا سے دعائیں مانگ چکے تھے لیکن نہ پانی برسا اور نہ وہ سیراب ہوئے۔ یہ حال دیکھکر حضرت عمرؓ نے کہا کہ کل خداوند عالم تم سب کو سیراب فرمائیگا۔ غرضکہ صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ ہم لوگوں کے ساتھ چلئے کہ خداوند عالم آپ کی وجہ سے ہم لوگوں کو سیراب فرمائے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم میرے گھر پر توقف کرو اور بنو ہاشم سے کہلا بھیجو کہ وہ غسل و طہارت کرکے لباسہائے فاخرہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ وہ تمام حضرات یہ پیغام سنکر حضرت عمرؓ کے پاس آئے

جاتی تہیں بری قرار پا گئی ہیں۔ اسیوجہ سے موجودہ زمانہ میں طبقۂ علما کی نسبت ادن لوگوں کا اگر ذرا سا بھی تعلق یا ذکر کیا جاتا ہے تو عموماً معمول پسند طبیعتیں اعتراض پر فوراً تیار ہو جاتی ہیں۔ لیکن تاہم ان میں جو مائل اعتدال ہیں اور واقف حال وہ اسکی حقیقت کو سمجھکر خاموش رہ جاتی ہیں مگر عیسائیون کے تعصب سے نہ ہمکو اعتدال ہی کی امید ہے نہ تلاش حقیقت اور تفحص احوال کی توقع۔ پھر ان کے اعتراض کو انکے تعصب و نفسانیت کا خاص الخاص نتیجہ سمجھنا ہوگا مولوی شبلی صاحب نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے ان دونوں مذکورہ بالا واقعات کو تحریر فرمایا ہے۔ اور بکریاں چرانے کے مضمون پر نمبر ۱ کا نشان لگا کر سیرۃ النبیؐ کے زیر حاشیہ صفحہ ۱۲۹ میں یہ عبارت لکھی ہے۔

بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید ابن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجرت پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے اور اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے ابن جوزی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ ص ۱۳۱) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۲۹ حاشیہ

حاشیہ صفحہ دیگر۔ ر حضرت عمر نے عطر لگوا کر اون کے لباس کو معطر فرمایا۔ پھر حضرت عباس نکلے۔ اور اون کے آگے آگے جناب علی مرتضیٰ تھے داہنے جانب حضرت حسن مجتبیٰ تھے۔ اور بائیں طرف حضرت حسین شہید کربلا۔ انکے پیچھے تمام بنو ہاشم تھے حضرت عباس نے کہا اے عمر ہم لوگوں کے ساتھ کسی غیر کو نہ ملنے دو یہ کہکر وہ تمام حضرات مقام نماز پر تشریف لائے حضرت عباس ٹھہر گئے۔ نماز پڑھی اور خدا کی حمد و ثنا کی اور دعا کی اے پروردگار تو نے ہملوگوں کو پیدا کیا اور تجھکو ہمارے اعمال و اعمال کا ہماری حاجت سے پہلے علم ہے کوئی شے تیرے لئے مانع نہیں ہو سکتی۔ اے پروردگار جس طرح تو نے ہملوگوں پر اس سے قبل تفضل و عنایت فرمائی ہے ویسے ہی اس آخر زمانہ میں بھی لطف و کرم فرما۔ جابر کہتے ہیں کہ یہ دعا ابھی تمام نہیں ہوئی تھی کہ چاروں طرف سے ابر گھر آیا اور اسطرح موسلادھار پانی برسا کہ گھر تک آتے آتے ہملوگوں کے تمام کپڑے تر اور بہ ہو گئے۔ یہ حال دیکھا تو فرمانے لگے کہ میں مستقی (پانی پلا نیوالا) کا بیٹا ہوں اور اپنے مستقی کا بیٹا ہوں کہ جسکی وجہ سے پانچ مرتبہ پانی برسا ہے اور حضرت عباس کا یہ قول اوس واقعہ کیطرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے اپنے زمانہ حیات میں دعائے استسقا کے ذریعہ سے پانچ مرتبہ پانی برسایا ہے"

اس واقعہ نے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی پوری تصدیق کر دی اور بتلا دیا کہ بنی ہاشم ضعف اور تنگی کی حالتوں میں بھی اپنی روحانی عظمت و اقتدار پر قائم تھے بلا خصوصیت کے ان مالا ینحل عقدوں کی کشود کاری کے لئے ملک و قوم کے تمام طبقات رعایا کیکر

اس سے قبل کی عبارت مین شبلی صاحب کا یہان تک لکھنا بالکل صحیح اور یہ واقع ہے کہ عرب مین بکریان چرانا معیوب کام نہیں تھا۔ بڑے بڑے امراء و شرفا کے لڑکے بکریان چراتے تھے۔ مگر اب اونکی اس مابعد کی عبارت سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہوگیا اور مخالفین کے اس تعریض اور طعن و تشنیع کا اصلی باعث معلوم ہوگیا کہ حقیقت مین عیسائی مورخ فرانسیسی کے اس اعتراض کی باعث شیخین بخاری او ابن ماجہ کی عقلمندی ہے۔ جسکی تصدیق و اقرار خود شبلی صاحب کو بھی کرنا ہوا اور لکھنا ہوا کہ حقیقت مین انہون محدثین نے قراریط کے غلط معنی لگائے۔ اصل مین قراریط کو ایک مقام خاص کا نام تو نہ سمجھے بلکہ قیراط کی جمع سمجھے جسکے معنی درہم و دینار کے لئے۔ اور یہی غلط فہمی ان تمام فسادات کا باعث ہوئی۔ یہ کچھ ایسی مشکل آپڑی کہ آخر شبلی صاحب کو شیخین بخاری و ابن ماجہ کے ایسے معتمدترین محدثین کی تغلیط و تردید فرمانی ہوئی۔ اور اپنے ان تمام اصول تالیفی کو جو اپنے مقدمہ کتاب کے طومارین مورخین پر محدثین کو ترجیح دیئے جانیکے متعلق لکھے ہین۔ چھوڑنا پڑا اور بخاری صاحب کے ایسے اوستاد فن کی تکذیب کرنی ہوئی۔ جنکی کتاب کو اصح الکتاب بعد الکتاب باری یقین کرنا آپ کا ایمان ہے اور ایسے سراپا اعتماد و استاد و نقاد و حدیث کے قول کی تردید ابن حربی اور علامہ عینی کے ایسے نوآموزان فن کی تحقیقات سے کرنی ہوئی تو گویا مقدمہ کتاب مین بقدر روایت اور تحقیق واقعات کے متعلق جن اصول کی پابندی کا دعوی کیا گیا تھا اور ان اصول کی ترتیب و تدوین کی تفصیل مین تاریخون کو مندرجات

حاشیہ صفحہ دیگر زیارہ و آنک۔ انھیں حضرات سے اُمید لگاتے تھے۔ اور انھین کے توسل سے اپنی کامیابی کی یقین کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں سے حتماً کہدیا تھا کہ کل تم ضرور سیراب کئے جاؤگے۔ انکا یہ قول ثابت کر رہا ہے کہ ان حضرات کی ذریعہ سے اونکو اپنی عملی تدبیرین کامیابی کا پورا یقین تھا۔

اس خاندان جلیل الشان کے او ن بزرگواروں کے بھی ایسے حالات اسی سلسلہ مین قلمبند کرتے مگر ضرورت سے زیادہ اور طوالت کا باعث سمجھکر قلم انداز کرتے ہین اس واقعہ نے یہ بھی بتلادیا کہ ایسی ناگزیر ضرورتون کیوقت یہ حضرات بلا عذر و کلام رفاہ و فلاح عام کے کامون کیلئے آمادہ اور مستعد ہو جاتے تھے کیونکہ وہ عامۃ الناس اور کافۃ الخلائق کے انجاح مطالب کو اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے۔ حضرت عباس کی اس تخصیصی تاکید سے کہ ہمارے ساتھ کوئی غیر نہ شامل کیا جاوے صاف صاف ثابت ہو کہ یہ منصب اور عہدہ اسی خانوادہ کیساتھ مخصوص و محدود ہے ؎ درین بزم رہ نیست بیگانہ را۔ اور اس تخصیص میں حضرت عباسؓ نے اپنے باپ عبدالمطلب اور اپنے بھائی ابیطالب کی پوری تاسی فرمائی ہے جس طرح عبدالمطلب اور ابیطالب نے اپنے اپنے زمانہ مین خاص آداب و ترکیب سے دعائی استسقا فرمائی تھی بالکل اوسی طرح عباس نے بھی تعمیل کی۔ رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم کی زبانی جو واقعہ حضرت عبدالمطلب کے زمانہ کا اوپر بیان ہو چکا ہے اگر اوس سے اس واقعہ کا مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ جس احتیاط و آداب سے عبدالمطلب نے بمعیت تمام بنی ہاشم دعائے استسقا فرمائی تھی اسیطرح حضرت ابیطالب نے اپنی وقت میں بخاص جناب رسولخدا صلعم نے اپنے عہد معدلت مہد مین اور پھر حضرت عباس نے اپنے زمانہ مین ادا فرمائی اور یہ وہ مخصوص طریقے اور محفوظ آداب ہین جسے سوائے ان حضرات کے دوسرون کو کم علم و اطلاع ہوتی ہے ایسے واقعہ کو

یہ پہلے صحاح کی مرویات اور پھر صحاح میں سب سے پہلے انھیں بخاری صاحب کی مرویات کو مرجح بتلایا گیا تھا - آپ کے موجودہ استدلال کے وقت وہ سب پا در ہوا ہوگئی گویا وہ قرارداد اصول نہ قابل توجہ تھے نہ لائق اعتنا - اور نہ اونکے متعلق آپ کی پابندی اور مطابقت کے وعدے لائق ایفا - اب بھی شبلی صاحب کو اپنے مقدمہ کتاب کے طمطراق اور طومار اور اوسکے لیے بیکار جامہ فرسائی کا اب بھی اعتبار رہا یا نہیں -

اب سنیے - یہ بالکل صحیح ہے کہ قراریط ایک جنگل یا غیر آباد قطعہ زمین کا خاص نام ہے جو حوالی مکہ میں مقام اجیاد سے قریب ہے - آپ کے شیخین ابن ماجہ و بخاری صاحبان سے حقیقت میں بڑی غلطی ہوگئی کہ اونھوں نے درہم و دینار کے معنی لگاکر اوس سے اجرت کے مطلب نکالے - اب آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اوس عیسائی فرانسیسی مورخ کا کیا قصور ہے نہ اوس کا اپنا قول ہے اور نہ اوس کا اپنا مختار بلکہ یہ تو آپ ہی کا اقرار ہے - جبکہ وہ آپ کے ایسے مستند اور معتبر ماخذوں سے مستنبط کرتا ہے جو صداقت میں آپ کے نزدیک قرآن کے بعد ہے - تو اوس کا اعتراض بے دلیل کیسے کہا جاسکتا ہے - آپ اوسکی تردید میں جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ حقیقت میں اوسکی تردید نہیں - بلکہ آپ ہی کے معتبر اور مستند محدثین کی تکذیب ہے جسکے لیے وہ فرانسیسی مورخ نہ جوابدہ ہے نہ ذمہ دار - اس مخالف اسلام کی تعریض کی ساری ذمہ داریاں ابن ماجہ اور بخاری کے سر جاتی ہیں جو قراریط کے ایسے معمولی لفظ کے اصلی معنی نہ سمجھ سکے تو آپ ہی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شان رسالت کی اصل حقیقت کو کب سمجھے ہونگے -

حاشیہ صفحہ دیگر بخاری صاحب نے بھی باب المناقب عباس میں لکھا ہے لیکن اپنی کوتہ قلمی کے خاص انداز سے صورت واقعہ کو ایسا بنا لا کہ پڑھنے والے کو اصل واقعہ کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہوسکتی بخاری عبارت یہ ہے ان عمر ابن الخطاب کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس رضی اللہ عنہما فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا قحطنا فسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقون - جب لوگوں میں قحط پڑا تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہمراہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعائے استسقا مانگی اور یوں دعا کی کہ پروردگار جب قحط پڑتا تھا تو ہم رسول صلعم کا وسیلہ اختیار کرتے تھے اور وہ ہمکو سیراب فرماتے تھے اب ہم اسوقت تیرے نبی صلعم کے چچا کے توسل سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں تو ہمکو سیراب فرمائیں ہم سب سیراب ہوئے -

اس حدیث کے بیان کی شان اختصار اور عنوان حقیقت پر جب نگاہ کی جاتی ہے اور اسکی عبارت مذکورہ بالا عبارت تاریخ دمشق سے ملائی جاتی ہے تو اصل واقعہ کی صورت ہی تبدیل معلوم ہوتی ہے - اور ایسی کہ اول تا آخر لستے میداد - کا صاف صاف مضمون جھلکتا ہی - ہم کو بخاری صاحب کی اس تحریر حدیث کی نسبت نہ تنقید منظور ہے اور نہ تردید ہمکو تو آپ کی حقیقت نگاری اور واقعہ نویسی کی صرف شان دکھلانی ہی ہے تو ہم کیا ساری دنیا جانتی ہے کہ بنو ہاشم اور خصوصاً بنی فاطمہ کے اعتبار و آثار اور کسی قسم کے ذکر و اذکار آپ کی طبع نازک پر از حد ناگوار گذرتے ہیں اسلیئے اس واقعہ کی اصل حقیقت لکھکر دنیا کو بتلا دینے کی آپ جرأت نہ کرسکے لیکن اصل حقیقت یہی تھی جو تاریخ دمشق کی تفصیلی عبارت سے اوپر لکھی گئی - مگر چونکہ اوسکے الفاظ میں جناب علی مرتضیٰ اور حسنین علیہم السلام کی روحانی عظمت و اقتدار کا اظہار و اقرار ہو جاتا تھا

ابن ماجہ نے تو صرف ایک غلطی کی کہ اپنے شیخ کے قول کے مطابق۔ قراریط کے معنی درہم و دینار کیلئے بخاری صاحب نے تو دو غلطیاں کیں۔ پہلے تو قراریط کے معنی درہم و دینار کے لئے۔ دوسری قیامت یہ کی کہ اس حدیث کے لئے اپنی کتاب میں ایک خاص باب باندھا اور اوسکو باب الاجارۃ کے خاص نام سے موسوم کیا نتیجہ یہ ہوا کہ عام و خاص آپ کے باب الاجارۃ کا عنوان دیکھکر رسول عربی کی ابتدائی شان و شوکت شخصیت و حیثیت اور معاشرت و مشغلت کو مکہ کے معمولی مزدوری کرنیوالے چھوکروں میں شمار کرنے لگے (نعوذ باللہ من ذالک)

ہمکو حضرت ابوطالب کی ناتوجہی اور ناقدری کی بیجا شکایت پر اس عیسائی مصنف سے رنج و ملال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ ہم اسلامی محدثین معتبرین کے خاص قلم و زبان سے۔ ذات اعلائے رسالت اور پیکر والای سوت کی یہ توہین و حقارت تیار اور مرتب دیکھتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اسلامی محدثین۔ تدوین احادیث کے غیر متحمل شوق و شغف کے ساتھ ساتھ مرویات میں۔ واقعات اور حشویات کی اصل مقاصد اور زوائد کی بھی تفریق و تمیز کرتے جاتے تو پھر ان کے مرویات پر کسی اسلامی محقق کو تحقیق و تنقید کی ضرورت ہوتی اور نہ کسی غیر اسلامی معترض کو تعریض و تردید کی جرأت۔

حاشیہ صفحہ دیگر اس بنا پر اصل حقیقت کا انکشاف غیر مفید اور بیکار سمجھکر صورت واقعہ ہی تبدیل کر دیگئی۔ تتمۃ اور تبرکاً حضرت عباس کی رنگی کا خیال بھی کیا گیا اور عظمت بھی قایم رکھی گئی تو وہ بھی ایسی کہ حضرت عمرؓ کے ایک طفیلی کی شان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

موضوعیت اشعار ابی طالب مولوی شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ کے حاشیہ پایین صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہی ابو طالب کے نام سے جو قصیدہ لامیہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہی (ابن ہشام صفحہ ۹۳-۹۴) سرتاپا موضوع ہی۔ اسکے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں ؎

فینا احمد فی اردۃ نبقہ یشد له صورۃ المتطاول فایده رب العباد بنصرہ واظہر دینا حقه غیر باطل

یہ حضرت ابوطالب ہی کی کلام قدیم ہو یکی نسبت وضعی ہونیکی تعریض نہین فرمائی گئی ہو بلکہ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت ابو بکرؓ اور امیہ بن الصلت کے اشعار وغیرہ بھی ایسے ہی موضوع قرار دیے گئے ہیں۔ اسکے موضوع ہونیکے ثبوت مین شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مطبوعہ مصر ص ۹۰ میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد ابن اسحاق شعرا کو وقت کو مغازی کے واقعات دیدیا کرتے تھے کہ اسکے بارے میں اشعار کہدو۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ سیرۃ النبی زیرین حاشیہ ص ۱۴۳" اس تعریض و تکذیب کی جو وجہ اور مجبوری شبلی صاحب کو لاحق ہوئی ہے وہ اونکی خاص عبارت سے ذیل میں لکھی جاتی ہے "اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید مین توحید و معاد کی جو باتیں ہیں اونکے مطابق اشعار تصنیف کیا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیہ ابن الصلت کے نام سے جو اشعار مشہور ہیں انکو دیکھکر صاف یقین ہو جاتا ہو کہ کسی نے قرآن کو رکھکر یہ اشعار کہے ہین مثلاً فقلت له یهرون فادعوا الی الفرعون اللذی کان طاغیا۔ وقولا له انت رفعت هذه بلا عمد ارفق اذا بك بانیا۔ وقولا له انت سویت وسطها۔ منیرا اذا ما جنه اللیل هادیا۔ ایک عجب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولیتھ نے بھی ایک موقع پر اسکی تصدیق کی ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزوں کیا گیا ہے (از صفحہ ۲ تا صفحہ ۶۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیر خواہی

اس بحث کے ضمن میں ہم کو شبلی صاحب کے وہ اصول تحقیق و تنقید روایات یاد دلاتے ہیں۔ جو وہ اپنے مقدمہ کتاب میں نہایت شد و مد سے قلمبند فرما چکے ہیں۔ اونکی طولانی عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

مغازی اور سیرۃ میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں موجود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار تک نہیں پہنچتیں اس لئے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کر دینا پڑتا ہے اس بنا پر سیرت و تاریخ و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا جس طرح امام بخاری اور مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کرینگے اسطرح سیرت کی تصانیف میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا آج جسقدر کتابیں قدما سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحق سیرت ابن ہشام۔ سیرۃ ابن سید الناس۔ سیرۃ دمیاطی۔ حلبی۔ مواہب لدنیہ قسطلانی کسی میں تو یہ التزام نہیں۔ سیرۃ النبی حاشیہ زیر صفحہ ۵

پھر اس سے قبل صفحہ ۵ میں رقمطراز ہیں۔

"حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں۔ مثلاً بخاری اور مسلم کی صحیح"

حاشیہ صفحہ دیگر کی غرض سے یہکام کیا تھا۔ آج یوروپ والے اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ آنحضرت صلعم پیرو تھے۔ بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعرا معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام خطبے اور اشعار مصنوعی ہیں۔ سیرۃ النبی حصہ اول حاشیہ زیر صفحہ ۱۴۳۔ ہم کو اور لوگوں کے اشعار کی تکذیب سے کوئی بحث نہیں ہمکو صرف ابیطالب کے اون اشعار کی توثیق منظور ہے جنکی اصلیت ہمپر ثابت ہوچکی ہے۔ اور اسی بنا پر ہم اوسکو اپنے سلسلۂ بیان میں اوپر لکھہ چکے ہیں۔ الغرض بمدرجہ بالا اشعر حضرت ابی طالب کے اوس قصیدۂ لامیہ میں داخل ہے جسکی موضوعیت شبلی صاحب کی عبارت سے معلوم ہوچکی ہے مولوی شبلی صاحب کو اسکی تکذیب کی جو ضرورت لاحق ہوئی تو وہ بھی اونھیں کی عبارت سے ظاہر ہوچکی خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی متعصبین کے اعتراض علی المضامین القرآن کے خوف سے جیسا کہ شبلی صاحب کی توجیہ عبارت سے ثابت ہوتا ہے اسکی اصلیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب نے اوسکی تعریض کا خود ہی معقول جواب دیدیا ہے۔ اور شعرائے قدیم کے انداز کلام اور قرآن مجید کی زبان اور طرز بیان کا مقابلہ کرکے عیسائیوں کے اس مہمل۔ نامعقول۔ بے اصل وہم و خیال کی کامل تردید کردی ہے اور وہی کافی ہے۔ اور یہ تو شبلی صاحب ان اشعار کی موضوعیت ثابت کرنیکے بعد بھی کر سکتے تھے لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہیں کہ مولوی صاحب کو عیسائیوں کے اس لکھہ دینے نے کیکپا دینے والا خوف دلا رکھا تھا کہ قرآن مجید کا طرز بیان معتقدات اور اکثر خیالات عام شعرائے عرب کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں جسکی وجہ (نعوذ باللہ) اسکی کلام الٰہی ہونیکی حقیقت میں احتمال ہے۔ اول تو یہ امر ایک ہزار تیرہ سو سال کے تجربات اور مشاہدات سے تمام مخالفین اسلام پر بخوبی ثابت ہوچکا ہے اور اس سے پہلے کفار قریش پر بھی ثابت ہوچکا ہے کہ قرآن کی زبان نہ کسی طرح کے دعویٰ سے زبان بشری ہی اور نہ اس کا طرز بیان۔ بیان انسانی ہے۔ جسکا وہ اعتراف خود لیس کلام البشر کہہ کہکر اپنی زبانوں سے آپ کر چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں ایسے بوسیدہ اور پائمال اعتراض سے شبلی صاحب کیلئے اعراض ہی بہتر تھا۔ اب رہا یہ امر کہ قرآن مجید میں عام

شبلی صاحب کی یہ عبارت۔ اور صحت بخاری کی نسبت اونکا یہ دعویٰ۔ اور پھر اونکا یہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ مین سیرت کی کتابین مستند نہین۔ غرضکہ اونکا یہ خیالی التزام اور قیاسی طومار۔ اونکی خاص تردید و تنقید بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے القط ہوگیا اور بالکل بیکار۔ اور بالآخر اونکی خاص اعتراف سے ثابت ہوگیا کہ جس کتاب کی نسبت آپ کا یہہ عقیدہ تھا کہ اوسمین کوئی ضعیف روایت بھی نہین۔ اوسی کی ایک ایسی غلط حدیث میں ایسا غلط بیان نکل آیا جسکی نسبت تنہا آپ کو اعتراف ہی کرنا نہین ہوا بلکہ اوسکی تنقید بھی اور تردید بھی۔ اب آپ کے کس مختار کا اعتبار کیا جاوے۔

حاشیہ صفحہ دیگر　معتقدات و خیالات پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے کسی کو بھی انکار نہین ہوسکتا۔ قرآن پر کیا منحصر ہے توریت اور انجیل بھی خیالات و معتقدات انسانی کا مجموعہ ہے اور ان دونوں کتب آسمانی میں بھی اوسوقت کے قومی اور ملکی خیالات و معتقدات کی تفصیل موجود ہے اور کیونکر نہو جب آخر یہ کتب مقدسہ اسی غرض و مقصد سے تو نازل ہی فرمائی گئیں تھیں کہ انسان کے دینی۔ اخلاقی۔ ملکی اور قومی تہذیب معاشرت تمدن میں عام طور سے رفاہ و اصلاح ہو تو پھر ان کتب آسمانی کو خیالات و معتقدات انسانی سے خالی سمجھنا محض نادانی ہی ہے یہاں تک تو ہم نے خاص عیسائیوں کی اوس تعریض کا جواب دیا ہے جس نے شبلی صاحب کو ڈراکر اور خود ولاکر قدیم شعراے اسلام کے اشعار پر اون سے موضوعیت کا قلم پھروا دیا ہے شعراے عرب کے کلام قدیم پر موضوعیت کا الزام یا اون کے بعد مورخین و محققین عرب پر وضاعی کا اتہام شبلی صاحب کے ضعف استدلال کی قوی دلیل ہے۔ یہ آپ کی کمزوری ہے جس نے مخالف کے جواب میں آپ کو آسانی اور سہولیت کی غرض سے اصلیت کلام کے انکار کی ترکیب بتلائی اور آپ نے یہی آسان اور سہل تدبیر اختیار فرمائی۔ حالانکہ ان میں سے اکثر اشعار عموماً اور یہ شعر اور اسکے ایسے ابیطالب کے اکثر اشعار خصوصاً۔ روایت و درایت دونوں طریقوں سے ثابت ہوچکے ہین اور اصل واقعہ کی زمانہ سے آجتک مفسرین۔ محدثین مورخین اور محققین اسلامی کی تصنیفات و تالیفات مین نقل ہوتے آئے ہین پھر آج اپر موضوعیت کا الزام لگانا اور فی الحقیقت اسلام کے سامنے اپنے محققین اسلامی کو وضاع و کذاب ٹھیرانا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اون زبان درازون سے اسلامی اخبار و آثار کا مضحکہ اڑوانا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب نے خطیب بغدادی کے قول پر اعتبار کرکے امام سبکی قرطبی شعرانی عسقلانی۔ بیہقی۔ احمد بن الحسین الموصلی المعروف بہ ابن وحشی۔ علامہ ابن سلامۃ القضاعی۔ علامہ علی الاجہوری۔ امام تلمسانی علامہ ابوطاہر۔ علامہ برزنجی۔ اور امام الحرمین اسفرائنی وغیرہ علما۔ اتنے محدثین و ناقدین حدیث اور اسیطرح۔ ابن ہشام۔ طبری۔ ابن اثیر علامہ حسین دیاربکری۔ صاحب تاریخ الخمیس اور ابوالفدا وغیرہم کے ایسے مورخین معتبرین کو جھوٹا بتلایا ہے"

اگر ان بزرگون کی تصنیفیں تحریر کتاب کے وقت آپ کے پاس موجود نتھین تو صرف شرح زرقانی ہین۔ اس شعر اور اس کے ساتھ اور چند اشعار کی خاص تصنیف ابیطالب ہونیکی تحقیقی اور تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائی ہوتی۔ تو حقیقت کا انکشاف ہوگیا ہوتا۔ دیکھئے علامہ دمیری نے حضرت عبدالمطلب کیطرف اس شعر کی نسبت کی تھی۔ آپ کی طرح نہ اسکی بے اصلیت نقل کی تھی اور نہ موضوعیت مگر زرقانی نے دمیری کی اس غلط فہمی کی جن لفظون مین کی ہے وہ یہ ہین۔ وھذا البیت من ابیات فی قصیدۃ لابی طالب۔ وعلی الصواب وقول الدمیری وتبعہ جماعۃ انہ لعبد المطلب غلط یہ قول کہ یہ شعر ابیطالب کے قصیدہ کا ہی صحیح ہے اور علامہ دمیری اور

آیا اس دعوی کا کہ بخاری مین ایک ضعیف روایت بھی نہین - یا اس معترفانہ تنقید و تردید کا جو اوپر ابھی لکھی گئی - آپ کے وہ اصول کہ حدیث کے مقابلہ مین سیرت کے واقعات قابل اعتماد نہین - ایسی حالت مین مانے جائین گے یا اس واقعہ مین آپ کی بزعم خود اور اقرار کردہ صورت حال پر اعتبار کیا جاوے گا-

صورت حال تو یہ بتلا رہی ہے کہ صحیحین بخاری اور ابن ماجہ نے اپنی غلط فہمی سے - یا عربی کی عدم لغت دانی سے یا یون کہیئے کہ محض نادانی سے اس حدیث کو ایک غلط صورت مین دکھلایا مگر اونھین یا معتمد علیہ سیرت نگارون نے تو قراریط کے بالکل صحیح معنون مین اوسی طرح سمجھا ہے جس طرح شبلی صاحب خود بھی سمجھے ہین اور دنیا کو سمجھاتے ہین طبقات ابن سعد - حدیث کی کتاب نہین - وہ زیادہ سے زیادہ من حیث التاریخ - ایک سیرۃ یا تذکرہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے اور نہایت معتبر اور اپنے اوستاد - واقدی کی کتاب سے بھی معتبر ترین - ہم اپنے مرقومہ بالا سلسلۂ بیان مین اوسکی اصل عبارت سے لکھ چکے ہین اور پھر اس واقعہ کی نسبت اوسکے لفظ لکھے دیتے ہین افارعیتہا لاھل المکۃ بالقراریط یعنی قراریط پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا - اس سیرت نگار نے بالکل اپنے سیدھے سادے اور معمولی اصول کے

حاشیہ صفحہ دیگر اور اوسکے گروہ متبعین کا یہ قول کہ یہ عبد المطلب کا شعر ہے بالکل غلط ہے شرح زرقانی جلد اول ص ۲۳۱

اس سکی شرح زرقانی - اسکی شرح ہے - امام بیہقی کے اسناد سے وہ واقعہ لکھتے ہین جس مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابیطالب کے اس شعر کی خود تصدیق فرمائی ہے اور اوسکا خاص نصیب کردہ بتلایا ہے جس کو ہم پوری تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین پھر جب اس شعر اور اسکے اکثر اشعار کی اصلیت نقادان فن کی تنقید و تحقیق کامل سے شبلی صاحب سے صدہا برس قبل ثابت ہو چکی ہو تو پھر اسکی موضوعیت پر بحث کرنا ایک فضول کوشش ہے اس ہر شخص بلا تکلف عینی صاحب کی تہا رائے کو زرقانی کے تفصیلی استدلال سے مقابلہ کر کے شبلی صاحب کی غلط فہمی کو خود سمجھ لیگا خصوصًا بیہقی کے اسناد سے تو اسکی روایت درایت کے پایۂ امتیاز تک پہونچی ہوئی ثابت ہوتی ہے - ہم نہین سمجھتے کہ مخبر صادق علیہ السلام کی تصدیق کے بعد پھر کس مسلمان کو اسکی تکذیب یا موضوعیت کا گمان ہو سکتا ہے -

اب اس امر کے متعلق ایک امر کی تحقیق اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب شعرائے قدیم کے ان اشعار کی موضوعیت کی نسبت لکھتے ہین وہ لطیف تر بات یہی ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعون پر لکھ دیتے ہین کہ فن شعر کے ماہرین ان اشعار کی نسبت انکار کرتے ہین - مثلاً سیرۃ ابو عبیدہ بن الحرث مین (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲ مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے

اکثر اھل العلم والشعر ینکر ھذہ القصیدۃ لابی بکر اکثر اہل علم و شعرا اس بات کے منکر ہین کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے-

ہمکو نہ حضرت ابوبکرؓ کے قصیدہ کی تحقیق سے واسطہ ہے اور نہ امیہ بن الصلت کے خطبہ اور اشعار کی تفتیش سے سروکار اور بہ اس سے غرض ہے کہ ابن اسحاق نے حضرت ابوبکر کے قصیدے کی موضوعیت کا کہاں تک خود اعتراف کیا ہے - ہمکو تو جو کچھ تحقیق کرنا ہے یا لکھنا ہے وہ صرف حضرت ابیطالب کے اس قصیدہ - اسکے اشعار اور خاصکر مذکورہ بالا شعر کی نسبت جو ہماری موجودہ بحث کا اصلی موضوع ہے - اب ہم کو یہ دیکھنا ہے اور دکھلا دینا ہے کہ اسکے متعلق محمد ابن اسحاق نے نقل کرنے کے بعد آیا کیا عقیدہ قائم کیا ہو جس اتفاق سے ابن ہشام کی حسن

مطابق اس واقعہ کو آنحضرت صلعم کے دس برس کی عمر کی حالات مین اوسیطرح مندرج کیا ہے جسطرح شبلی صاحب نے اپنی سیرت میں۔ نہ بخاری صاحب کی طرح اس واقعہ کے لئے کوئی عنوان قایم کیا ہے اور نہ کوئی خاص باب باندھا ہے نہ اسکو رسولؐ کی ابتدائی معیشت کے اسباب و ذرایع ٹھہرائے ہین۔ نہ اسکو مزدوری اور اجارہ بتلایا ہے جو لکھا ہے وہ اتنا ہے ذکو رعیہ رسول اللہ صلعم الغنم بمکۃ یعنی مکہ میں رسول صلعم کا دنبیان چرانا۔

ایک لطیف بات تو یہ ہے کہ اسوقت قراریط کے متعلق جو صحیحین بخاری اور ابن ماجہ سے شبلی صاحب اختلاف و اجتناب اختیار فرماتے ہیں اور مجبور ہو کر او نھیں غیر مستند۔ نا معتمد اور غیر مفید سیرت نگارون پر اعتبار کرتے ہین جیسے ایک محقق کے آگے آپ کے یہ اصول موضوعہ اور اہل صحاح کی نا انصافانہ جنبہ داری اور اہل سیرت کی بے اعتباری پیش کیجاویگی۔ جو آپ مقدمہ کتاب مین لکھ چکے ہین تو وہ آپ کی جامعیت و صلاحیت پر حسرت و افسوس کر کے اتنا ضرور کہدیگا ؎ برین عقل و دانش بباید گریست۔

اصل واقعہ کی حقیقت کا انکشاف

اس بحث کے متعلق تمام مرقومہ بالا جرح اور کل ضروریات کو لکھ کر ہم اصلی واقعہ کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ عرب کی قدیم دستور کے مطابق جیسا کہ شبلی صاحب لکھتے ہین اور عرب کی تمام قدیم سیرت۔ تاریخ اور اشعار سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایام طفولیت مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دنبیان چرائی ہین۔ اور اوسوقت کے ملکی اور قومی تمدن یعنی شرافت اور تہذیب کے اعتبار سے آپ کا یہ ابتدائی مشغلہ معیوب نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے۔ اس کی وجہ سے نہ آپ کے خاندانی اعزاز و اقتدار مین کوئی کمی آسکتی ہے اور نہ آپکی روحانی عظمت پر اور شان رسالت پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ خاندانی اعزاز کیلئے

حاشیہ صفحہ دیگر اور مطبع کا شبلی صاحب حوالہ دیتے ہیں وہی میرے پاس بھی موجود ہے میں اوس مین جب اس قصیدہ کو تلاش کرتا ہوں تو صفحہ ۹۱ سے لیکر صفحہ ۹۴ تک کے تین ثلث صفحون تک اس تمام قصیدے کو لکھا ہوا پاتا ہون اسمیں کل ۹۴ شعر ہین جسمین سے شعر زیر بحث ۳۰ نمبر کا شعر ہے۔ پورے قصیدے کے خاتمہ پر یہ رائے لکھی ہے قال ابن ہشام ھذا ما صح لی من ھذہ القصیدۃ وبعض اھل العلم بالشعر ینکر اکثرھا۔ ابن ہشام کہتے ہین کہ اس قصیدے کے اتنے شعر جو لکھے گئے ہیں میرے نزدیک صحیح ہین لیکن بعض علمائے شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہیں۔ ابن ہشام مؤلف سیرۃ کی تحقیق سے تو اس قصیدہ کے جتنے شعر اونھون نے لکھے ہین وہ سب کے سب اون کے نزدیک صحیح ہین۔ مگر بعض علماء شعر ان میں سے اکثر اشعار کا انکار کرتے ہین۔ مولوی شبلی صاحب کا ابن اسحق یا ابن ہشام کے اس انکار سے جو اونھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے قصیدے کی نسبت تحریر کیا ہے ابیطالب کے قصیدے کی موضوعیت کیسے ثابت ہوتی ہے نتیجہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے وہ کہتے ہین میرے نزدیک تو یہ تمام ۹۴ شعر صحیح ہیں یعنی ابیطالب کے خاص طبعزاد ہین لیکن بعض شعرا ان میں سے اکثر اشعار کو ابیطالب کی تصنیف نہیں سمجھتے۔ نہ سمجھیں۔ ابیطالب کے شعر نہیں سہی بقول حزین ؎ دو صد شعر دیوان من رفت رفت۔ ابن ہشام کی اس تحریر سے آپ کے اس دعوی کی کہ ابیطالب کا یہ قصیدہ لامیہ سرتاپا موضوع ہے کیسے ثابت ہوا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ چند شعر ان مین

اسوجہ سے معیوب نہین ہوسکتا کہ عرب کے تمام امرا۔ رؤسا اور شرفا کے عام طبقات مین جاری تھا۔ مرتبۂ رسالت اور درجۂ روحانیت کے لحاظ سے بھی اسلئے قابل الزام نہین کہ تمام کتب انبیاؑ سے حضرات انبیاؑ و مرسلین کا دنبیان چرانا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول مین ابوالانبیا حضرت ابراہیم علی نبینا وآلہ علیہ السلام کے حالات و واقعات مین بالتفصیل لکھا جا چکا ہے۔

اصلیت اور حقیقت یہ ہے کہ دنبیون کی یہ گلہ بانی بھی حقیقتاً تخصیصی تھی تعمیمی نہین تھی۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنے گھر کی دنبیون کی گلہ بانی اور نگرانی فرماتے تھے۔ عام طور سے اہل مکہ کی نہین۔ محدثین نے غلط سمجھا ہے اور اسی غلط فہمی کے باعث اتنا فساد برپا ہوا ہے۔ اسمین شک نہین لا اہل مکہ کا لفظ سیرت کی کتابون مین بھی ویسے ہی ہے جیسے حدیثون کی کتابون مین۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اہل مکہ سے اپنا گھر اور اپنا قبیلہ مراد ہے کیونکہ بنی عبدالمطلب یا بنی ہاشم قریشی بھی تھے اور مکی بھی۔ حدیث کی کتابین اس تخصیص کو کہین ظاہر نہین کرتیں۔ سیرت نے جناب رسول خدا صلعم کے خاص ارشاد سے اس تخصیص کا اظہار ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ اوسی طبقات ابن سعد مین یہ واقعہ درج ہے جس سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہو جاتا ہے عبارت یہ ہے۔

ان النبی صلعم قال بعث موسیٰ وھو راعی غنم وبعث داؤد وھو راعی غنم وبعثت وانا ارعی غنم اھلی باجیاد

طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۸۰ حرمی

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے وہ بھی دنبیون کے چرواہے تھے اسکے بعد حضرت داؤدؑ مبعوث ہوئے وہ بھی دنبیون کے چرواہے تھے۔ اونکے بعد مین مبعوث کیا گیا مین نے بھی اپنے گھر کی دنبیاں اجیاد (اجیاد کا نام ہے جو قرارئیط کے پاس ہے) پر چرائی ہین۔ طبقات ج ۱ ص ۸۰

شبلی صاحب نے اس مسئلہ مین تنقید و تردید سب کچھ تو تمام کر دیا۔ مگر اسکی تخصیص کیطرف ذرا توجہ نفرمائی۔ گویا آپکی تحقیق مین پیغمبر عرب کا اجرت و معاوضہ پر تمام اقوام مکہ کی دنبیان چرانا ثابت ہے۔ اور یہ امر آپ کے نزدیک نہ بنی ہاشم کی عظمت و اقتدار کا مخالف ہے اور نہ شان رسالت کا مناقص حالانکہ اصول تعمیم سے بھی اوسوقت کی قدیم معاشرت۔ تہذیب و تمدن کے سراسر خلاف ہے۔ اور اسوقت بھی کوئی شخص نہیں مان سکتا کہ شرفا رؤسا اور امرائے مکہ کے بچے اپنے سے کم درجہ قبائل اور ارزال قوم کی دنبیان چرانا گوارا کرتے ہون گے۔ بخلاف اسکے ہر شخص بلا تکلف مان لیگا کہ اوسوقت کے شرفا رؤسا اور امرائے مکہ کے بچے اپنے گھر یا اپنے قبیلے کی دنبیان شہر کے بیرونی مقامات مین چرایا کرتے تھے جیسا کہ خود آنحضرت صلعم کی زبانی ابن سعد کی عبارت سے ثابت ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی محققانہ نگاہ طبقات ابن سعد کے اس آخر واقعہ تک رسائی نہ پہونچ سکی۔ اگر پہونچ سکی ہوتی۔ تو ہمکو جیسا یقین ہے وہ تخصیص کے مسئلہ کو بھی صاف فرما دیتے۔ یہ تو مؤلف کی کوتہ قلمی ہے یا قصیر النظری۔

حاشیہ صفحہ دیگر اسیطالب کی تصنیف ہوں۔ اسکو ہم بھی مانتے ہیں اور ہمارے متدین اسلامی مورخ نے بھی لکھدیا ہے۔ شبلی صاحب کی یہ تحقیق اصلیت و حقیقت واقعات کیا بتلائیگی۔ اور تاریکی اور عدم واقفیت مین اولجھا دیگی المؤلف عفی عنہ

سفر شام اور راہب بحیرا کا مشہور واقعہ

بارہ برس کے سن مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت ابیطالب کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ ابن سعد طبقات مین اس سفر کی کیفیت یون لکھتے ہین۔

لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اثنتی عشرۃ سنۃ خرج بہ ابوطالب الی الشام فی العیر التی خرج بھا للتجارۃ ونزلوا بالراہب بحیرا فقال لابی طالب فی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما قال وامرہ ان یحتفظ بہ فردہ ابوطالب معہ الی مکۃ وشب رسول اللہ صلعم مع ابی طالب

جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ برس کی عمر کے ہوئے تو جناب ابیطالب آپکو ہمراہ لیکر قریش کے قافلہ تجارت کے ساتھ شام کیطرف روانہ ہوئے اور بحیرا نامی راہب عیسائی کے مسکن پر نزول کرین ہوئے راہب بحیرا نے حضرت ابی طالب سے جناب رسولخدا صلعم کی نسبت وہ سب باتیں کہاں جو اوس کو آپ سے کہنی تھیں اور آپ کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق تاکید کردی۔ چنانچہ حضرت ابیطالب آپ کو وہیں سے اپنے ہمراہ مکہ واپس لائے

طبقات ص ۷۶

اس عربی کی مستند ترین سیرت مین تو یہ واقعہ اتنا ہی ہے جو لکھا گیا۔ سیرۃ النبی مین شبلی صاحب نے حق ناحق اسکو ایک معرکۃ الآرا مسئلہ تاریخی بنادیا ہے۔ اور حدیث وسیرت کی تحقیق وتنقید کے باہمانہ امتزاج سے وہ غلط بحث تیار کیا ہے کہ صاف طبعان زمانہ کی عام بدمزگی اور ناگواری کا باعث ہوتا ہے۔ شبلی صاحب کی عبارت ذیل مین ملاحظہ ہو۔

ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے سفر شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور خیال سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لیجانا نہین چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلعم کو ابیطالب سے اسقدر محبت تھی کہ جب ابیطالب چلنے لگے تو آپ اون سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ کی دلشکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مورخین کے بیان کے مطابق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا اس واقعہ کی تفصیل اسطرح بیان کیگئی ہے۔ کہ جب ابوطالب بصرے مین پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اوترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اوس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھکر کہا کہ یہ خاتم المرسلین ہین۔ لوگون نے پوچھا تم نے کیسے جانا تو اوس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے نیچے اوترے تو جسقدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔ طبری نے مختلف طریقون سے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

طبری کے مختلف طریقون مین سے صرف ایک طریقہ کا خلاصہ اور ماحصل شبلی صاحب نے لیا ہے اور اوسپر ذیل کی تنقید لکھی ہے۔ یہ روایت مختلف طریقون مین بیان کیگئی ہے تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جسقدر تمام مسلمانون

کو شعف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر اور مارگولیس وغیرہ سب اسے عیسائیت کی فتح
عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار
اسی راہب سے سیکھے۔ اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے انہیں پر آنحضرت صلعم نے عقائد اسلام کی بنا رکھی
اسلام کے تمام عمدہ اصول انہیں نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔ عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح
مانتے ہیں تو اسی طرح ماننا چاہیئے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس
میں بھی نہیں آ سکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام حقائق سکھا دیئے جاویں۔ اگر یہ کوئی خرق عادات تھا تو
راہب بحیرا کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

مولوی شبلی اپنی جبلی عادت سے مجبور ہیں۔ آپ ایک حد تک معقول اور کافی جواب دے چکے اب اس سے زیادہ انکشاف تو
پھر وہی اپنا ہی پردہ فاش کرنا ہے"۔ اب ان الفاظ میں اس روایت کی تنقید کیا تکذیب فرمائی جاتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جتنے طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی
راوی اول واقعہ کے وقت موجود نہ تھا۔ اور اس راوی کا نام بھی نہیں بیان کرتا۔ جو شریک واقعہ تھا اس کا
سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے۔ اسکے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ترمذی نے
اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے۔ اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ سے
نہیں جانتے ہیں (۲) حسن کا مرتبہ حدیث صحیح سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہے
(۳) اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمن ابن غزوان ہے۔ اسکو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے لیکن اکثر
اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن
منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے منکر وہ حدیث ہے جس میں راہب بحیرا کا واقعہ مذکور ہے (۴) حاکم نے
مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ علامہ ذہبی نے
تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا
ہوا خیال کرتا ہوں (۵) اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلال اور ابوبکر بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ بلال کا
اس وقت تک وجود بھی نہیں تھا اور حضرت ابوبکر بچے تھے (۶) حدیث کے آخر راوی ابو موسیٰ اشعری ہیں
جو خود شریک واقعہ نہیں تھے۔ اور اوپر کے راوی کا نام بھی نہیں بتاتے (۷) ترمذی کے علاوہ طبقات
ابن سعد اور مستدرک وغیرہ میں جو سلسلۂ سند مذکور ہے سب مرسل ہیں۔ یعنی بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے
(۸) حافظ ابن حجر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابوبکر اور بلال کی شرکت بداہۃً غلط ہے
اسلئے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اسقدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی

صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رُواۃ قابل سند ہیں عبدالرحمن ابن غزوان کی نسبت خود انھیں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ وہ خطا کرتا تھا۔ اسکی طرف اسوجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اوس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔ ممالیک کی ایک روایت ہے جسکو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں سیرۃ النبی ۱۳۱ ج ۱ ص

چونکہ شبلی صاحب نے اپنی تنقیدی عبارت پائیں صفحہ نہیں لکھی ہے بلکہ اصل کتاب کی عبارت میں داخل کر دی ہے اسلئے اسکی نسبت مجھکو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ میں بھی حاشیہ زیرین کی عبارت میں نہیں بلکہ اپنے اصلی سلسلۂ بیان میں منضم کرتا ہوں۔ شبلی صاحب کے ایسے محقق زمانہ کی مرقومہ بالا تنقید۔ جو خاصکر عیسائیوں کے اعتراض کی تردید میں لکھی گئی ہے حسب قت حقیقت کی نظر سے دیکھی جاویگی تو جیسا ہم اوپر بیان کرآئے ہیں اسوقت بھی پھر وہی عرض کرینگے کہ آپ کے اس ناگوار اور غیر استوار طریقہ تنقید و استدلال سے نہ معترضین کی تردید ممکن ہو سکتی ہے اور نہ تسکین بلکہ آپکی موجودہ تنقید تو آپ کے محدثین و محققین کی کوتہ رقمی۔ کوتہ نظری اور کوتہ عقلی کی حقیقت مخالفین و معترضین اسلام پر واضح اور روشن کرتی ہوا وہ آپ کی صدت پسندی کا وہ طریقہ ہے جو معترضین کے ارادہ تعریض اور جو صلۂ تکذیب کو اور وسیع کر دیتا ہے۔ ہر شخص آپکے مرقومہ بالا تنقید کو پڑھکر بلا تکلف سمجھ لیگا کہ اسلامی مؤلفین اور مصنفین میں محدثین سے لیکر مورخین تک سب کے سب غلط نگار رستے تھے اور کورانہ نقل کرنے کے عادی۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں مورخین کا کیا ذکر۔ محدثین صحاح امام بخاری امام مسلم۔ امام ترمذی۔ امام مالک وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

آپ کی تنقید کی صورت حال کا ایک رُخ تو یہ قایم ہوتا ہے۔ اوسکا دوسرا رُخ یوں نمایاں ہوتا ہے کہ ترمذی صاحب اپنی صحیح میں اس واقعہ کو لکھتے بھی ہیں اور پھر اوسکی صداقت میں عیب بھی لگادیتے ہیں۔ پھر صحیح میں ایسے مشکوک یا ساقط از اعتبار مرویات کے اندراج کی ضرورت ہی کیا تھی حاکم صاحب بڑے شد و مد سے بخاری صاحب اور مسلم صاحب کے شروط پر اسکی صداقت وصحت کا چیلنج دیتے ہیں۔ لیکن ذہبی صاحب حاکم صاحب کی انتہا پسندی کو اعتدال کے درجہ تک گھٹا لاتے ہیں اور چونکہ امامین بخاری و مسلم کی شرط صحت لگی ہے اس بنا پر اسکو بالتمامہ غلط ٹھیرانے کی تو جرأت کرتے نہیں فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع۔ جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔

اگر غور سے موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو شبلی صاحب کی اس تنقید میں مرقومہ بالا دو تو رخوں کے علاوہ ایک تیسرا رُخ بھی نظر آتا ہے وہ حافظ ابن حجر۔ شارح صحیح بخاری کا خاص طرز بیان ہے۔ ان بزرگ پر آخر شبلی صاحب کو غصہ آہی گیا اور بے پرواہ پرستی کا الزام لگا ہی دیا کہ آپ کے نزدیک ابن حجر نے نہایت نازیبا اور بدنما پہلو بدلا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس روایت کی صحت کو بھی تسلیم کیا ہی لیکن چونکہ حضرت ابو بکر اور بلال کی شرکت بداہتہً غلط ہے۔ اسلئے مجبوراً اقرار بھی کر لیا ہے کہ اسقدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہوگیا ہے یہاں تو ابن حجر نے اس کی صحت کی تصدیق کی وہاں کتاب تہذیب التہذیب میں عبدالرحمن ابن غزوان کو حدیث میں خطا کرنے والا بھی لکھدیا ہے ابن حجر کی اسی دورخی رائے پر شبلی

صاحب کو طیش آگیا۔

مگر ہم شبلی صاحب سے عرض کرتے ہین کہ آپ کا یہ عتاب بیجا ہے اور طیش بیکار جب آپ صاف صاف ابن حجر کا
یہہ قول خود لکھہ رہے ہین کہ روایت مین اوس حصہ واقعہ کے داخل ہوجانے سے جو بیشک غلط ہے۔ اونکو اوس کے کل
صحیح ہونے مین کلام ہے تو وہ پایا کہ آپ کو بوجہ برافروختہ ہونیکا کیا حق ہے۔ اب رہا یہ امر کہ ابن حجر بھی۔ آپ اور آپ کے چند
ہمخیال مولفین مورخین کی طرح اس روایت کے سراپا موضوع اور بالکل غلط ہونیکے کیون قائل نہ ہوئے؟ تو آپ کا یہ تحکم
آپ کے حسن و تعقل کا پتا اور ناز بیجا کا پورا مزہ دیتا ہے اسکی وجہ بالکل صاف ہے اور روشن۔ ابن حجر معمولی پایہ کے بزرگ
نہین تھے صحیح بخاری کے شارح شروح بخاری مین انکی شرح کا سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ اپنے اصول و مختار مقررہ کی بڑی پابند
تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صحیحین کے شروط کے مطابق جن مین بقول آپ کے ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہین درج
کیگئی پھر وہ انکی مرویات کو سراپا غلط اور موضوع بتلاتے اور ایسی معتبر اور مستند اصح الکتاب کی عظمت گھٹاتے۔ اونکی شرح
آپ کی سیرۃ النبی کا مقدمہ تو تھی ہی نہین جس مین ابتدا تو کتب صحاح کو عموماً اور صحیحین بخاری و مسلم کو خصوصاً صحت و
صداقت مین گویا قرآن مجید کا مرادف بتلایا جاتا ہے مگر بالآخر تمام سلسلہ بیان اور مباحث تالیفی مین اونکو موضوعات کا
انبار اور افترایات کا دفتر ٹھیرایا جاتا ہے۔ اب فرمایا جاوے کہ آپ کا یہ طریق موجودہ صورت حال مین آپ کے لئے کون رخ
تیار کریگا۔ اور آپ اپنی ایسی روش انحراف کے مقابلہ مین۔ ابن حجر کے احتیاط کیلئے اون پر راویہ پرستی کا کیسے الزام لگا سکتے
ہین۔ حقیقت یہی ہے کہ بخاری ہوں یا مسلم ہون یا ترمذی۔ مالک ہوں یا ابن حجر ہوں یا مولوی شبلی۔ اصلیت سب سے جدا اور حقیقت
سب سے علیحدہ ہے "چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند" یہ واقعہ روایت اور درایت دونون طریقون سے صحیح ہے حضرت
ابوبکر اور حضرت بلال کی شرکت کے غلط اضافے نے یہ سارے مفسدے پیدا کردے جو حقیقتاً ایسا سفید جھوٹ ہے جو کسی
طرح نہیں چھپ سکتا۔ ایسی کھوری جعلی ہے جسکی تاویل ممکن نہیں ہے "کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ بنے" حقیقتاً
ابن حجر سے کوئی بات نہین بن سکتی تھی۔ اونہوں نے صرف اس حصہ حدیث کے غلطی سے اصل حدیث مین مخلوط ہو جانیکا
اعتراف کر دیا تو کیا برا کیا۔ یہ تو اوسکا ضعف تدین نہیں کہا جا سکتا بلکہ اوسکا عین تدین اور اپنے اصول کی کمال پابندی
قرار دیجاویگی۔ شبلی صاحب اپنے موقفانہ تلون پر ذرا بھی خیال نہین فرماتے۔ میری دانست مین ابن حجر نے ذہبی سے
زیادہ قصور نہین کیا ہے۔ آپ خود تلخیص مستدرک سے ذہبی کا یہ قول اوپر نقل فرما چکے ہین کہ "مین اس حدیث کو موضوع
جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں"۔ اب اس بیان کو ابن حجر کے کلام سے ملایا جاوے تو مدعا دونون کا ایک ہی پایا جاویگا۔
فرق یہ ہے کہ ذہبی نے بڑے حزم و احتیاط سے اوس غلط حصہ روایت یا واقعہ کا نام نہین بتلایا اور ابن حجر نے اپنے کمال تدین سے
اوس غلط حصہ روایت یا اضافہ حدیث کو بتلا دیا لیکن مشکل تو یہ ہی کہ اب آپ کو یہ کون بتلائے کہ کن لوگون نے کس غرض
و غایت سے یہ بے موڑ جوڑ لگایا ہے اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان * بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد *

صحیحین کے ستحفاظ مراتب کا یہ مستحسن طریقہ تھا کہ یہ بحث یہیں تک رہنے دیجاتی۔ اور اس اضافہ کی وجہ اور اضافہ کرنیوالے کی تلاش نکیجاتی۔ ہمکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ حدیث جو صحاح کے معتبر کتابوں میں سے لیکر حدیث کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں میں اُسوقت سے لیکر اسوقت تک نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ صرف اپنے ایک حصہ کی غلطی کیوجہ سے بالکلیہ غلط ہوجائے گی۔ یہ اصول آئین تنقید کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور نہ قواعد کلام کے موافق۔ عبدالرحمن ابن غزوان کی جرح و قدح بھی اصولاً ایسی مستحکم اور ناقابل التاویل نہیں معلوم ہوتی۔ اسی روایت کی نسبت آپ خود اعترافاً تحریر فرماتے ہیں کہ اسکو بہت سے لوگوں نے ثقہ بھی لکھا ہے اور بعض نے منکر بھی۔ اس بنا پر اسکے قطعی کاذب اور وضاع ہونیکی بھی دلیل قایم نہیں ہوسکتی۔ صرف ذہبی نے اسکو منکر لکھا ہے اور اوسکے مرویات سے خصوصاً واقعہ راہب بحیرا کو موضوع بتلایا ہے۔ تو گویا اس کی تنقید میں وہ متفرد ہیں۔ اب انکی منفردہ رائے کو کثیر التعداد محدثین کے مختار سے مقابلہ فرمائیں۔ جو اسکی توثیق و صحت کے قائل ہیں۔ تو ذہبی کے مختار منفردہ کا کیا وزن رہجاتا ہے۔ اس لئے شبلی صاحب کی یہ تمام کد و کاوش بیکار اور غیر مفید کوشش ہے۔

اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ عبدالرحمن نے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کی شرکت کے قبل تک اس واقعہ کو پوری اصلیت کے ساتھ بیان کیا۔ اور بقیہ حصہ کو اوس موضوعیت کیساتھ بیان کیا جیسا کہ اوس نے غیروں سے غلط سنا تھا اب رہا یہ امر کہ اس روایت کے تمام طریقہ مرسل ہیں۔ تو اولاً اصول نقد حدیث کے مطابق مراسیل صحابہ قطعاً درست ہیں یہ اعتراض بیجا ہے۔ ثانیاً اس کیلئے صاحبان شیخین جوابدہ ہیں۔ جنہوں نے نقل و نقد حدیث کے اصول اقسام اور ابواب بھی قایم کئے اور اپنی تالیفات کو ان اصول موضوعہ کا بظاہر سخت پابند بھی بتلایا۔ پھر ان موضوعات اور لغویات کی بھرتی بھی اونھیں کتابوں میں بھردی۔ اس کا جواب شیخین صحیحین دیسکتے ہیں یا خود شبلی صاحب جو اپنے مقدمہ کتاب میں اتنے طمطراق سے ان بزرگوں کی مدح سرائی کرچکے ہیں۔

حقیقت میں شبلی صاحب کی یہ تنقید عیسائیوں کی فتح عظیم کی تردید تو کیا کرے گی تائید البتہ کرتی ہے کیونکہ یہ جاننگے یا ماننا تکذیب و تردید۔ تغلیط۔ بعد تصحیح۔ جو اسلامی دائرہ میں۔ اکابرین صحاح سے لیکر عام محدثین و شارحین تک میں پھیلی ہوئی دکھلائی گئی ہے۔ جسوقت مخالفین کی نگاہ سے گذرے گی اونکی تعریض و تردید کے حوصلوں کو اور بھی کشادہ کردیگی اور وہ سمجھ لینگے کہ بس یہ حضرات ایسے تھے اور اتنے۔ اپنے خیال میں شبلی صاحب نے عیسائیوں کو اس تنقید سے اپنی صفائی دکھلائی ہے۔ مگر اس سے بھی اونکی قیاسی فتح عظیم کی بیخ کنی نہیں ہوئی اور اوسکے دفعیہ کا کوئی پہلو بھی اس تحریر سے نہیں نکلا سچ تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کو وہ پہلو معلوم ہی نہیں اور اسکی وجہ یہی ہے کہ عیسائیوں کی ذراسی تعریض پر آپ اسقدر مضطرب الحواس ہوجاتے ہیں کہ حقیقی واقعات کو چھوڑکر زوائد اور دور از قیاس ذرایع سے جواب دینا چاہتے ہیں اور اپنے علما کی تغلیط کے ثبوت دیکر اونکی تردید پیش کرتے ہیں جو گویا جواب تسلیمی ہوجاتا ہے۔ دیکھئے شبلی صاحب اس روایت کو

عیسائیت کی فتح عظیم سمجھے ہین وہ حقیقتاً اونکی شکست فاش ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسا آپ کو خوف ہے عیسائی اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راہب بحیرا سے رموز نبوت اور اصول شریعت کی تعلیم حاصل کرنا ظاہر کرتے ہین لیکن یہ انکا یہ دعوی محض افترا او قطعی بے دلیل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ یہی دلیل اونکا اصلی ماخذ ہے۔ مگر اسکی بالتمامہ عبارت سے اونکے دعوے کا ایک حرف بھی ثابت نہین ہوتا۔ روایت موجود ہے عبارت حاضر ہے الفاظ پیش نگاہ ہین۔ کوئی عیسائی بتلا دے کہ اسکے کس جملہ کس حرف و کس لفظ کے یہ معنی ہوتے ہین کہ راہب بحیرا نے محمدؐ کو نبوت کے رموز اور شریعت کے اصول بتلائے۔ جب ایسے معنی نہین نکلتے تو وہ ضرور جھوٹے ہین اور اونکا دعوی سراسر جھوٹا ہے اور اونکی فتح عظیم خیالی ہوائی قلعہ بندی ہے۔

یہ تو سرسری طور پر اون کی موہوم فتح عظیم کی حقیقت بیان کی گئی جو شبلی صاحب کو اتنا مخوف اور مضطرب بنائے ہوئے تھی۔ ہم نے اوسکو اونکی شکست فاش قرار دیا ہے ہم اب اسکو ثابت کرتے ہین۔ دیکھئے تاریخ طبری کے الفاظ روایت یہ ہین۔

ان اباطالب خرج فی رکب من قریش الی الشام تاجراً و تهیّأ الرحیل واجمع السیر صبّ به رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فیما یزعمون فرق له اباطالب فقال والله لاخرجنّ به معی ولا یفارقنی ولا افارقه ابدًا او کما قال فخرج به معه فلما نزل الرکب بصری من ارض الشام وبها راهب الیه یصیر علمهم عن کتاب فیها یزعمون یتوارثونه کابرًا عن کابر فلما نزلوا ذلک العام ببحیرا صنع لهم طعامًا کثیرًا وذلک انه رأی رسول الله صلعم وهو فی صومعته علیه غمامة تظله من بین القوم ثم اقبلوا حتی نزلوا فی ظل الشجرة قریبًا منه فنظر الی الغمامة حین اظلت الشجرة وهصرت اغصان الشجرة علی رسول الله صلعم حتی استظل تحتها فلما رأی ذلک بحیرا نزل من صومعته ثم ارسل الیهم فدعاهم جمیعًا فلما رأی بحیرا رسول الله صلعم لحظه لحظًا شدیدًا وینظر الی اشیاء من جسده قد کان یجدها عنده من صفته فلما فرغ القوم من الطعام وتفرقوا

جب ابی طالب قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے قصد سے جانے لگے جب اسباب سفر اور سواری کا سامان درست ہو گیا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول ہوئے اس وجہ سے کہ مشہور تھا کہ آپکے عم محترم آپکو اپنے ہمراہ اس سفر مین نہیں لیجائیں گے حضرت ابیطالب نے آپکو ملول دیکھکر اور ملال کا باعث اس غلط خبر کو پاکر فرمایا کہ مین اپنی جگر گوشہ کو لئے بغیر کہین باہر نہیں جاسکتا اور نہ کسی حالت میں کسی وقت اپنی جگر پارہ کو جدا کرسکتا ہون۔ چنانچہ ابیطالب نے آنحضرت صلعم کو اپنے ہمراہ لیا جب قافلہ شہر بصری مین جو علاقہ شام کے توابعات سے ہے پہونچا تو وہان ایک راہب نصرانی رہا کرتا تھا جس کا نام بحیرا تھا اوسکا وہان خاص صومعہ تھا (خانقاہ) اور وہ اوس زمانے کے تمام نصرانیون میں باعتبار علم کتب سماویہ اعلم الناس تھا اور یہ کمالات علمی اوسکو وراثتاً اوسکے سلسلہ مین ایک بزرگ کے بعد دوسرے بزرگ سے ملے تھے۔ ایکبار یہ قافلہ تجار قریش وہان منزل گزین ہوا تو بحیرا نے انکی ضیافت کیلئے با فراط کھانا تیار کیا اور یہ اس باعث سے تھا کہ اوس نے جناب رسولخدا کو اس حالت مین دیکھ لیا اور پہچان لیا تھا کہ بادل اور

سئل رسول اللہ صلعم عن اشیاء فی حالہ فی یقظتہ ونومہ فجعل رسول اللہ صلعم یخبرہ فیجدھا بحیرا موافقۃ لما عندہ من صفتہ ثم نظر الی ظہرہ خاتم النبوۃ بین کتفیہ قال بحیرا لعمہ ابا طالب ما ھذا الغلام منک قال ابنی فقال لہ بحیرا ما ھو ابنک لھذا الغلام ان یکون ابوہ حیا قال انہ ابن اخی قال فما فعل ابوہ قال مات وامہ حبلی بہ قال صدقت ارجع بہ الی بلدک واحذر علیہ یھود واللہ لئن رأوہ وعرفوا منہ ما عرفت لیبغنہ شرًا فانہ کائن لہ شأن عظیم فاسرع بہ الی بلدہ فخرج بہ عمہ سریعا حتی اقدمہ مکۃ

طبری ص ۱۲۵ مطبوعہ مصر

اہالیان قافلہ کے آپ کے فرق مبارک پر ایک پارۂ ابر سایہ فگن تھا اس اثنا میں قافلہ کے لوگ آئے اور اوسکے صومعہ کے پاس ایک درخت کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ راہب بحیرا اوس ابر سایہ فگن کو برابر دیکھ رہا تھا کہ اوس درخت کی ڈالیاں بھی رسول اللہ صلعم کیطرف سایہ کردینے کی غرض سے جھکنے لگیں تا اینکہ اونھوں نے آپ کے فرق مبارک پر پورا سایہ کرلیا۔ یہ دیکھکر راہب بحیرا اپنے صومعہ سے نیچے آیا اور تمام مجمع قریش کو اپنے پاس بلایا جب بحیرا کی نظر آپ کے روے منور کیطرف پڑی تو بڑی دیر تک آپ کے جمال مبارک کی زیارت کرتا رہا اور آپ کے جسم مطہر میں اون اشیاء کا مشاہدہ کرتا رہا جو آپ کی صفات کے متعلق اوسکی کتابوں میں لکھے تھے اور اوس نے پڑھے تھے۔ تمام لوگوں نے جب کھانے سے فراغت کی تو بحیرا نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خواب و بیداری کے حالات استفسار کئے۔ آپنے اُسے بتلائے تو اوس نے آپ کے جوابات کو بھی اون صفات مخصوصہ کے مطابق پایا۔ جو اوسکی کتابوں میں لکھی تھیں اوسکے بعد اوس نے آپ کی پشت مبارک پر غور کیا۔ تو مہر نبوت کو دوش مطہر کے مابین پایا۔ پھر آپ کے عم محترم ابیطالبؑ کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا یہ لڑکا تمہارا کون ہے حضرت ابیطالب نے کہا میرا بیٹا ہے راہب بحیرا نے کہا کہ یہ بیٹا آپ کا ہو نہیں سکتا اس لئے کہ میرے علم میں اس کے باپ کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے حضرت ابیطالبؑ نے جواب دیا کہ میرا بھتیجا ہے بحیرا نے کہا کہ اسکا باپ کیا ہوا ابیطالب نے کہا کہ وہ مرگیا اور اسکی ماں بھی گذرگئی بحیرا نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اچھا تو آپ اسکو اپنے ہمراہ اپنے شہر کیطرف یہاں سے واپس لے جائیں اور اسکے متعلق یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کریں قسم خدا کی اگر وہ اسے دیکھ پائینگے۔ اور اسی معرفت کے ساتھ جیسا کہ میں نے اسکو پہچان لیا ہے وہ بھی پہچان لیں گے۔ تو پھر اسکے ساتھ شر فساد برپا کرینگے۔ کیونکہ اسکے لئے ایک شان عظیم ودیعت ہوئی ہے۔ یہ سُنکر آپ کے عم محترم آپ کو اپنے ہمراہ لیکر وہاں سے واپس ہوئے اور داخل مکہ ہوگئے۔

دوسری روایت طبری کی یہ ہے۔

خرج ابو طالب الی الشام وخرج معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی اشیاخ من قریش فلما اشرفوا علی الراھب ھبطوا فحلوا رحالھم فخرج الیھم الراھب وکانوا قبل ذلک یمرون بہ فلا یخرج الیھم ولا یلتفت

حضرت ابوطالب نے شام کا سفر کیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اور تمام اکابرین قریش بھی قافلہ میں شامل تھے۔ جب لوگ دیر راہب کے پاس پہونچے تو اوتر پڑے اور اپنے سامان بھی قیام کرنے کے قصد سے اتار لئے

قال فهم يحلون رحالهم فجعل يتخللهم حتى جاء فاخذ بيد
رسول الله صلعم فقال هذا رسول رب العالمين هذا يبعثه
الله تعالى رحمة للعلمين فقال له اشياخ قريش ما علمك فقال
انكم حين اشرفتم من العقبة لم يبق شجرة ولا حجر الا خر
ساجدا ولا يسجدون الا لنبي واني اعرفه بخاتم النبوة
اسفل من غضروف كتفه مثل التفاحة ثم رجع فصنع لهم
طعاما فلما اتاهم به كان هو في رعية الابل قالوا ارسلوا اليه فاقبل
وعليه غمامة فقال انظروا اليه عليه غمامة تظله فلما
دنى من القوم وجدهم قد سبقوه الى فيء الشجرة فلما
جلس مال فيء الشجرة عليه فقال انظروا الى فيء الشجرة مال
عليه قال فبينما هو قائم عليهم وهو يناشدهم ان لا يذهبوا
به الى الروم فان الروم ان راوه عرفوه بالصفة فقتلوه
فالتفت فاذا هو بسبعة نفر قد اقبلوا من الروم فاستقبلهم
فقال ما جاء بكم قالوا جئنا ان هذا النبي خارج في هذا
الشهر فلم يبق طريق الا بعث اليها ناس وانا اخترنا خيرة
بعثنا الى طريقك هذا فقال لهم هل خلفكم احد
هو خير منكم قالوا لا انما اخترنا خيرة لطريقك هذا
قال افرايتم امرا اراد الله ان يقضيه هل يستطيع
احد من الناس رده قالوا لا فتابعوه واقاموا معه
قال انشدكم الله ايكم وليه قالوا ابو طالب
فلم يزل يناشده حتى رده وبعث معه ابو بكر بلالا
وزوده الراهب من الكعك والزيت۔

طبری ص ۱۱۲۶ حرمن

وہ راہب اپنے صومعہ سے باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے قبل قریش کا قافلہ
تجارتی چند بار آچکا تھا اور وہیں قیام کرچکا تھا۔ مگر وہ راہب کبھی ان کے
پاس نہ آیا تھا اور نہ ان لوگوں سے ملتفت ہوا تھا۔ راہب کی اس صورت
حال اور طرز سلوک نے سامان اوتارنے والوں کو ایک حیرت انگیز فکر
دامنگیر ہوئی یہانتک کہ اوس راہب نے آتے ہی آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا اور کہا کہ یہ سید العالمین اور رسول
رب العلمین ہیں اور یہ وہی ہیں جنکو خدائے سبحانہ تعالیٰ نے دونوں
جہان کی رحمت بناکر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سنکر اکابر قریش نے پوچھا کہ یہ
تم نے کیسے جانا۔ راہب نے جواب دیا کہ جس وقت تم لوگ یہاں آئے اور اپنا
اور سامان سفر وغیرہ اوتارنے لگے تو میں نے دیکھا کہ کوئی شجر اور کوئی
حجر ایسا باقی نہیں رہا جو انکے سجدۂ تعظیمی کے لئے نہ جھک گیا ہو۔ اور
سوائے نبی کے اور کسی کے لئے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا جاتا۔ اور میں نے انکو
مہر نبوت سے بھی پہچان لیا جو انکے دوش مبارک کے حصۂ زیریں کیطرف
نمایاں ہے۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ اور ان لوگوں کی دعوت کیلئے کھانے پکوا کر
اپنے ہمراہ لایا تو آنحضرت صلعم اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ راہب نے کہا کہ
انکو بلا بھیجو جب آپ آئے تو فرق مبارک پر بادل اپنا سایہ گستر تھا۔ پھر راہب نے
قریش سے خطاب کرکے کہا کہ اس بادل کو دیکھتے جاؤ جو انکے سر پر
سایہ کئے ہوئے ہی ہے۔ پھر جب آپ قوم سے قریب آگئے تو اس شجر سے بھی یہی
کیفیت ظاہر ہوئی جو پہلی روایت میں بیان ہوچکی ہے یعنی جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے نیچے بیٹھ گئے تو وہ درخت آپکی طرف
جھک گیا۔ بحیرا نے پھر مجمع قریش سے کہا کہ اس درخت کی جھکنے کو دیکھو
پھر وہ راہب مجمع قریش میں کھڑے ہوکر مناشدہ کے طریقہ میں کہنے لگا کہ
میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم انکو (آنحضرت صلعم کو) روم میں (علاقہ شام
اُس وقت روم کا ماتحت تھا) نہ لیجاؤ کیونکہ اہل روم اگر انکو ان صفات کے ساتھ پہچان لینگے تو قتل کروا ڈالینگے۔ غرض جب وہ سات آدمی جو روم
سے ہو آئے تھے پھر اپنے ادھیں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ کیوں ان مشاہدات کا تم پر کیا انکشاف ہوا اون لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے

یقین کر لیا ہے کہ یہ خدا کے فرستادہ نبی ہین اور کوئی طریقہ مذہب ایسا نہین ہے جس مین ایک نبی نہ مبعوث کیا گیا ہو اور پہلو گ ہی اس طریق کو بہتر سمجھتے ہین اور جو اس طریقہ میں نبی مبعوث ہوا ہے اوسی کو اختیار کرتے ہین بحیرا نے کہا کیا تم ایسے شخص کو چھوڑ دو گے جسکو تم اپنے اخلاف مین سب سے بہتر سمجھتے ہو سب نے کہا نہین کیونکہ ہم اوسکو اوسکے طریق مین نیکو کار سمجھکر اختیار کر چکے ہیں بحیرا نے کہا کیا تم اس اقرار و اعتراف کے بعد خدائے سبحانہ تعالیٰ کو جھٹلا سکتے ہو کیا کوئی تم مین سے اوسکی مشیت کو روک سکتا ہے سب نے کہا کوئی نہین۔ ہم سب اوسکی بیعت کرینگے اور اوس کے ساتھ رہین گے بحیرا اون کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مین تمکو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہون کہ تم مین سے اس شخص کا ولی کون ہے سب نے کہا ابوطالب اسکے ولی ہین پھر بحیرا نے ابوطالب کے ساتھ اپنے مناشدہ کو تمام کیا۔ حتیٰ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وہان سے لیکر واپس ہوئے اور ابوبکرؓ اور بلال رضؓ بھی آپ کے ہمراہ واپس آئے اور بحیرا نے کعک و زیت کے تحائف آپ کے ہمراہ کر دیے“

تاریخ طبری مین انھیں دونون مرقومۂ بالا طریقون سے یہ روایت مندرج ہے جنکی اصل عبارت نقل کر دی گئین آخر روایت کے کچھ حصہ کا غیر مسلسل طور پر مولوی شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبیؐ مین ترجمہ فرمایا ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ شبلی صاحب نے تالیف کتاب کے وقت طبری کی دونوں روایتین اور اونکی عبارتیں ایکبار نہین کئی بار ملاحظہ فرمائی ہونگی شبلی صاحب عیسائیوں کے اس متعصبانہ اور بیہودہ دعوی کی ہمیت اور اصلیت کو خود تحقیق فرما کر عربی ماخذون کو سیرۃ النبیؐ مین نقل فرما دیتے اور معترضین کو دکھلا دیتے کہ تم جن عربی ماخذون پر صرف اتہام لگا کر اپنی فتح عظیم کے ہوائی قلعہ باندہ رہے ہو وہ تو اصلی ماخذون کے ایک لفظ سے کیا ایک حرف سے بھی ظاہر نہین ہوتا۔ بس یہین سے عیسائیوں کے غلط اتہام و الزام کی حقیقت کھل جاتی اور آپ کی خاطر مبارک سے بھی عیسائیون کے اس اعتراض کا خوف و اندیشہ نکل جاتا جسکی وجہ سے سخت اضطراب کیسا تھ اسقدر خامہ فرسائی کی بیکار زحمت اوٹھائی گئی۔ مین نے اس واقعہ کو حدیث و تاریخ کے معتبر ماخذون مین دیکھا ہے سب سے زیادہ مفصل اور مسلسل طور پر ابن ہشام نے اس واقعہ کی پوری کیفیت قلمبند کی ہے۔ ہم اونکی اصل عبارت ذیل مین نقل کرتے ہین۔

إن ابا طالب خرج في ركب تاجراً الى الشام فلما تهيأ للرحيل واجمع المسير صب به رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فيما يزعمون فرق له وقال والله لاخرجن به معي ولا يفارقني ولا افارقه ابداً او كما قال فخرج به معه فلما نزل الركب بصرى من ارض الشام وبها راهب يقال له بحيرا في صومعة له وكان اليه علم اهل النصرانية ولم يزل في تلك الصومعة منذ قط راهب اليه يصير علمهم عن كتاب فيها يزعمون يتوارثونه كابراً	حضرت ابی طالب نے بغرض تجارت سفر شام کا قصد کیا اور سامان سفر وغیرہ جمع ہو گیا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ملول خاطر ہوئے جیسا کہ مشہور تھا کہ ابی طالب اس سفر مین آپ کو ہمراہ نہ لیجائینگے۔ یہ معلوم کر کے حضرت ابیطالب نے فرمایا کہ مین تمہارے لئے بغیر کہین باہر نہین جا سکتا اور نہ کبھی تمکو اپنے ساتھ سے جدا نہین کر سکتا ہون الغرض آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لیکر ہمراہی قافلہ تجار قریش روانہ ہوئے قافلہ شہر بصری مین جو متعلقات شام سے ہے پہونچا تو وہان ایک راہب رہتا تھا جسکو بحیرا کہتے تھے اور اوسکا ایک صومعہ خاص رہنے کیلئے تھا اور وہ نصرانیت کا عالم

عن كانوا فلمّا نزلوا ذلك العام ببحيرا وكانوا كثيرا ما يمرّون
به قبل ذلك فلا يكلّمهم ولا يعرض لهم حتّى كان ذلك
العام فلمّا نزلوا به قريبا من صومعته صنع لهم طعاما
كثيرا وذلك فيما يزعمون عن شيء رآه وهو في صومعته
ويزعمون انه رأى رسول الله صلعم وهو في صومعته
في الركب حين اقبلوا وغمامة تظلّه من بين القوم
قال ثم اقبلوا فنزلوا في ظلّ شجرة قريبا منه فنظر الى
الغمامة حين اظلّت الشجرة وتهصّرت اغصان
الشجرة على رسول الله صلعم حتّى استظلّ تحتها فلمّا
رأى ذلك بحيرا نزل من صومعته وقد امر بذلك الطعام
فصنع ثم ارسل اليهم فقال انّي قد صنعت لكم طعاما يا
معشر قريش فانا احبّ ان تحضروا كلّكم صغيركم وكبيركم
وعبدكم وحرّكم فقال له رجل منهم والله يا بحيرا انّ لك
لشأنا اليوم ما كنت تصنع هذا بنا وقد كنّا نمرّ بك كثيرا
فما شأنك اليوم قال له بحيرا صدقت قد كان ما
تقول ولكنّكم ضيف وقد احببت ان اكرمكم واصنع لكم
طعاما فتأكلون منه كلّكم فاجتمعوا اليه وتخلّف عنهم
رسول الله صلعم من بين القوم لحداثة سنّه في رحال القوم
تحت الشجرة فلمّا نظر بحيرا في القوم لم ير الصفة
التي يعرف ويجد عنده فقال يا معشر
قريش لا يتخلّفنّ احد منكم عن طعامي قالوا له يا بحيرا
ما تخلّف عنك احد ينبغي له ان يأتيك الّا غلاما وهو
احدث القوم سنّا فتخلّف في رحالهم فقال لا تفعلوا
ادعوه فليحضر هذا الطعام معكم قال فقال رجل من قريش
واللات والعزّى ان كان للؤم بنا ان يتخلّف ابن عبد الله
بن عبد المطّلب عن طعام من بيننا ثم قام اليه فاحتضنه
واجلسه مع القوم فلمّا رآه بحيرا جعل يلحظه لحظا

متبحر تھا اور اوس صومعہ میں اس سے بڑھکر کوئی عالم ترین راہب نہیں گذرا
تھا اور اوسکی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس کا علم و کمال وراثتاً ایک بزرگ
کے بعد دوسرے بزرگ سے سینہ بسینہ پہونچا تھا۔ اگلی بار یہ قریشیوں کا جو
قافلہ۔ بخلاف اس کے کہ قبل میں وہیں اکثر بار اوتر چکا تھا مگر یہ اُس
راہب نے اُن لوگوں سے گفتگو کی تھی اور نہ اُن سے کسی قسم کا تعرض کیا تھا۔ اگلی
بار جب یہ لوگ اوسکے صومعہ کے قریب اوترے تو بحیرا نے ان لوگوں کی ضیافت
کیلئے افراط سے کھانے پکوائے اسکی نسبت ان لوگوں نے خیال کیا کہ آنحضرت
صلعم کو دیکھکر اس نے یہ نوعیت کی ہے کیونکہ جس وقت یہ لوگ اوترتے تھے تو وہ اپنے
صومعہ سے دیکھ رہا تھا کہ اہل قافلہ کے درمیان آپ کے سر مبارک پر
ایک پارۂ ابر سایہ فگن ہے تا ایں کہ اسی حالت سے قافلہ کے سب لوگ
ایک درخت کے نیچے جو وہاں سے بالکل قریب تھا فروکش ہوئے
تو پھر اہل قافلہ نے اوس پارۂ ابر کی طرف نظر کی تو اوسکو اوس درخت پر
سایہ گستر دیکھا۔ اور درخت کی شاخوں کو بھی جناب رسولخدا صلعم پر سایہ افگنی
کی غرض سے سرنگوں پایا۔ جب بحیرا نے یہ مشاہدہ کیا تو وہ اپنے صومعہ
نیچے اوترا۔ تب ان لوگوں کے دعوت کا انتظام کیا اور جب کھانے پک چکے
تو ان لوگوں کے پاس کہلا بھیجا کہ حضرات قریش میں نے آپ کی مہمانی کیلئے
کھانے پکوائے ہیں اور میری استدعا ہے کہ آپ سب لوگ چھوٹے بڑے اطفال
جملہ غلام جملہ آزاد تشریف لاکر ماحضر تناول فرمائیں۔ قریشیوں سے ایک صاحب
کہنے لگے کہ اے بحیرا شاید آج کے دن کیلئے کوئی مخصوص شان ہے۔
کیونکہ تم نے ہمارے ساتھ اس سے قبل کبھی ایسے محاسن سلوک ظاہر
نہیں کئے تھے آج کی کیا شان ہے؟ بحیرا نے جواب دیا آپ لوگ سچ
فرماتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ لوگ مہمان ہیں۔ آج میری یہ خواہش
ہوئی کہ میں آپ حضرات کا اکرام و تواضع کروں اور آپ کیلئے کھانے تیار
کراؤں کہ آپ سب لوگ ملکر کھائیں۔ چنانچہ سب لوگ خوان دعوت پر جمع
ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صغر سنی اور بیسامانی کی

شديدا ويظر الى اشياء من جسده وقد كان يجدها عنده من صفته حتى اذا فرغ القوم من طعامهم وتفرقوا قام اليه بحيرا فقال يا غلام اسئلك بحق اللات والعزّى الا ما اخبرتني عما اسئلك عنه وانما قال له بحيرا ذلك لانه سمع قومه يحلفون بهما فزعموا ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال لا تسألني باللات والعزّى شيئا فوالله ما ابغضت شيئا قط بغضهما فقال له بحيرا فبالله الا ما اخبرتني عما اسئلك عنه فقال له سلني عما بدا لك فجعل يسأله عن اشياء من حاله من نومه وهيئته وامورہ فجعل رسول الله صلعم يخبره فيوافق ذلك ما عند بحيرا من صفته ثم نظر الى ظهره فرأى خاتم النبوة بين كتفيه على موضعه من صفته التي عنده (قال ابن هشام وكان مثل اثر المحجم) قال ابن اسحٰق فلما فرغ اقبل على عمه ابي طالب فقال له ما هذا الغلام منك قال ابني قال له بحيرا ما هو بابنك وما ينبغي لهذا الغلام ان يكون ابوه حيا قال فانه ابن اخي قال فما فعل ابوه قال مات وامه حبلى به قال صدقت فارجع بابن اخيك الى بلده واحذر عليه يهود فوالله لئن رأوه وعرفوا منه ما عرفت له ليبغنّه شرا فانه كائن لابن اخيك هذا شأن عظيم فاسرع به الى بلاد فخرج به عمه ابو طالب سريعا حتى اقدمه مكة حين فرغ من تجارة بالشام فزعموا فيما روى الناس ان زريرا وتماما ودريسا وهم نفر من اهل الكتاب قد كانوا رأوا من رسول الله صلعم مثل ما رآه بحيرا في ذلك السفر الذي كان فيه مع عمه ابي طالب فارادوه

نگرانی کیوجہ سے اوسی درخت کے نیچے چھوڑ دیا۔ جب بحیرا نے تمام لوگوں کے مجمع پر نظر کی اور کسی کو بھی اون میں سے اس صفت کا نہیں دیکھا جسکو وہ پہچان چکا تھا تو کہنے لگا کہ حضرات قریش۔ کیا آپنے کسی آدمی کو پیچھے چھوڑ دیا ہی اور اوسکو دعوت مین شریک نہین کیا ہی لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اون تمام لوگون مین سے جسکو تم نے دیکھا ہے کسی کو بھی نہین چھوڑا۔ مگر ہان ایک لڑکے کو البتہ اپنے سامان کی نگرانی کیلیئے چھوڑ آئے ہیں۔ بحیرا نے کہا نہین ایسا نہ کیجئے اونکو بھی بلا لیجئے اور دعوت مین شریک کر لیجئے۔ اسی اثنا مین مجمع مین سے ایک صاحب بول اوٹھے کہ لات و عزیٰ کی قسم یہ ہماری لئیم الطبعی ہے کہ اگر ہم اس دعوت مین حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے یتیم فرزند کو چھوڑ دین اور اوسکو کھانے میں اپنا شریک نہ کرین یہ کہکر وہ اوٹھے اور آنحضرت صلعم کو لاکر تمام قوم کے ساتھ خوان دعوت پر بٹھلا دیا۔ جب بحیرا نے آپ کو دیکھا تو لحاظ خاص سے دیر تک خوب غور کرتا رہا اور پھر آپ کے جسم مبارک پر کچھ اشیاء کو دیکھتا اور تلاش کرتا رہا تا اینکہ اون تمام اشیاء کو پا گیا۔ جنکو وہ آپ کی صفات خاص کے متعلق خاص طور پر جانتا تھا جب تمام لوگ کھانے سے فراغت پا چکے اور اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تو بحیرا نے آپ سے کہا کہ اے نوجوان۔ تجھکو لات و عزیٰ کی میں قسم دیتا ہون کہ مین تم سے اسوقت جو پوچھتا ہون تم اسکا پورا جواب دو۔ بحیرا نے اسوجہ سے آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دی تھی کیونکہ وہ آپ کے اہل قافلہ کو انکی قسم کھاتے ہوئے سن چکا تھا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیرا کا یہ سوال سنکر ارشاد کیا کہ مجھسے لات و عزیٰ کی قسم دیکر کوئی شے نہ پوچھو۔ مجھے کسی شے سے اتنی نفرت اور اتنا بغض نہین ہے جتنا ان دونون سے یہ سنکر بحیرا نے کہا کہ اچھا تو آپ کو اب خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہون کہ جو کچھ آپ سے اب پوچھتا ہون آپ مجھی اسکا پورا حال بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اب جو

فرجه هو عنه يخبرا وذكرهم الله وما يجدون في الكتاب من ذكره وصفته وانهم ان عرفوا ما اراد وا به لم يخلصوا اليه ولم يزل هو حتى عرفوا ما قال لهم وصدقوه بما قال فتركوه وانصرفوا عنه اس ہشام جلد اول ۲۲ مطبوعہ مصر

پوچھتا ہو وہ پوچھو یہ سکر بحیرا نے آپ سے آپ کی خواب بیداری اور دیگر حالات وغیرہ کے متعلق سوال کئے۔ اور آپ نے اوسکے استفسارات کے جواب اوسکی معلومات کے مطابق دیئے تھے جو اوسکو آپ کی صفات مخصوصہ کی نسبت پہلے سے حاصل تھے۔ اوسکے بعد اوس نے آپکے دوش مبارک کے درمیاں مہر نبوت کا مشاہدہ کیا اور یہ بھی اُن علامات مین داخل تھی۔ جو اوسکو آپ کی صفات کے متعلق پہلے سے معلوم تھی۔ ابن ہشام کہتے ہین کہ مہر نبوت نشان حجامت یعنی پچھنے کے ایسے نشان تھے۔ جب بحیرا آپ کی تلاش حالات اور مشاہدہ صفات وغیرہ سے فراغت کر چکا تو جناب ابی طالب سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ نوجوان آپ کا کون ہوتا ہے۔ ابیطالب نے کہا میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا تو ہو نہین سکتا کیونکہ مجھے جہانتک اسکے متعلق علم و اطلاع ہے۔ اسکا باپ زندہ نہوگا۔ ابیطالب نے کہا میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا اسکے باپ کیا ہوئے ابیطالب بولے اونھون نے قضا کی اور انکی ماں بھی گذر گئیں۔ بحیرا نے کہا آپ سچ فرماتے ہین۔ آپ اپنے بھتیجے کو اپنے ہمراہ لیکر اپنے شہر کی طرف جلد واپس جائیے اور انکی نسبت یہودیوں سے ہمیشہ خائف رہا کیجئے۔ کیونکہ وہ لوگ اگر انھین دیکھ پائین گے اور اسی معرفت سے جس معرفت سے مین نے انھین پہچان لیا ہے پہچان لینگے تو ان کے لئے بہت سے مفاسد پیدا کرینگے۔ کیونکہ آپکے اس بھتیجے کیلئے مرتبہ عظیم حاصل ہونیوالا ہے اس لئے آپ جلد انھین لیکر یہان سے چلے جائین بحیرا کے یہ کلام سنکر حضرت ابیطالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر بسرعت تمام وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اور داخل مکہ ہوگئے جب اس قافلۂ تجار کو شام مین تجارت سے فراغت ہوئی۔ جیسا بقول مشہور اہالیان قافلہ سے زریر تمامہ اور دریس نامی یہودیوں نے آنحضرت صلعم کو ہمراہی ابیطالب اس سفر مین دیکھ لیا تھا اور اونھین صفات مخصوصہ سے پہچان لیا تھا تو آنحضرت صلعم کی نسبت اوسیوقت سے ارادۂ بد کر لیا تھا۔ لیکن بحیرا نے اوس پر سخت اعتراض کیا اور کہا خدا کی قسم کیا تم نے اپنی کتاب مین اسکی یہ صفات اور حالات نہین پائے ہین اور اس خیال سے کہ وہ بدبخت آپ کے ساتھ ارادۂ بد کر چکے ہین اس لئے بحیرا نے اونکو اوسوقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اون لوگوں نے بحیرا کے قول معرفت آنحضرت صلعم کی صداقت نہ کر لی۔ اسکے بعد وہ لوگ اپنی مفسدون کی نیت سے باز آئے اور وہان سے چلے گئے۔

ہم نے مضمون زیر بحث کے متعلق عربی ماخذون کی متعدد عبارتین نقل کردین صرف اس لئے کہ دنیا دیکھکر اور پڑھکر بتلادے کہ ان طویل اور پر تفصیل عبارتون کے کس جملہ اور کس فقرے سے عیسائی مؤلفین آنحضرت صلعم کی راہب بحیرا سے تعلیم پانیکے معنی لیتے ہین اور اس بنا پر شبلی صاحب کو عیسائیت کی فتح عظیم کا خوف دلاتے ہین۔ واقعات تو صاف صاف بتلاتے ہین کہ بحیرا نے عادت انبیا اور سیرت مرسلین کے مطابق آپ سے آپ کے ذاتی حالات و صفات کے متعلق چند مستفسر پیش کئے اور آپ نے اوسکے تمام سوالون کے کافی جواب دئے۔ جنکو سنکر بحیرا نے آپ کو موصوف بصفات چند انبیا ہونا

بطور کامل یقین کرلیا اور بس۔

اتنی قلیل مکالمت اور مخاطبت سے کون بے عقل آنحضرت صلعم کی نسبت تعلیم و تلقین یا تدریس پانے کے معنی نکالے گا
ہاں اگر اس قلیل مکالمت کے علاوہ۔ بحیرا کے ساتھ آپ کی صحبت۔ خلوت اور مشورت کسی کتاب مین منقول ہوتی تو عیسائیون
کی ان بدگمانیون کے لئے کسیقدر گنجایش ہوسکتی تھی۔ مگر یہان تو سرے سے اس خیال کا وجود ہی نہین۔ پھر ایسے بے وجود
اور لا اصل خیال کی فکر کیسی اور خوف ہی کیا۔ یہ سب توہمات متعصبانہ ہین۔ جو مختلف قسم کے مہیب صورتون مین پیدا
ہوکر از قطاع عالم مین عالم مغربی کے خاص عالم دکھلا رہے ہین حقیقت شناس تو اس فتح عظیم کے وسواس کے پاس بھی
نہین جاتا۔ بلکہ حقیقت کی نگاہون سے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین اوسکی اس قیاسی فتح عظیم کو شکست کامل ثابت ہی کیونکہ
صورت واقعہ ثابت کررہی ہے کہ عیسائیت کے اتنے بڑے عالم متبحر نے۔ جو علم و کمال کے اعتبار سے اوس زمانہ کی عیسائی
دنیا مین اپنی مثال اور اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی نبوت کی کامل طور پر تصدیق کرلی۔ پھر تصدیق بھی کیسی عامیانہ
اور کورانہ نہین بلکہ محققانہ اور ماہرانہ علاوہ برین۔ یہ تصدیق اور یہ توثیق بھی کیسے کی اور کیونکر کی۔ اسطرح کہ کتب سماویہ کے صفات مندرجہ
سے مطابق کرنے کے بعد اپنی تصدیق و تحقیق معرفت کا اظہار و اقرار کیا۔ اس تحقیق و تصدیق پر بھی اکتفا نہین کیگئی مشاہدہ کے
بعد تجربہ بھی کرلیا گیا جسطرح ابھی ابھی ابن ہشام کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اول راہب نے ان صفات کو آپ مین مشاہدہ
کرکے تمام قریش کی دعوت کا سامان کیا لیکن مہمان جب کھانے کو بیٹھے تو بحیرا کی واقفکار اور محتاط آنکھون نے اس صفت
کا تمام مجمع مین کسی ایک کو بھی نہ پایا جسکے پیر مقدم مین اس ضیافت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور حقیقت حال یہ تھی کہ
ان صفات سے موصوف اور ان خصوصیات سے مخصوص جو ذات مقدس تھی وہ اوس مجمع مین بحیرا کے پیش نظر نہین تھی
تا اینکہ آنحضرت صلعم خاص طور پر بلوائے گئے جب تشریف لائے تو بحیرا کو پھر وہ تمام اوصاف و خصائص نظر آنے لگے
اسکے بعد طبری کے الفاظ مین راہب بحیرا کا کہنا ھذا سید المرسلین بعثہ رحمۃ للعلمین اوسکی تصدیق رسالت اور اقرار
نبوت کا کامل ثبوت ہے۔

بحیرا کی یہ تصدیق نبوت ایسی کامل اور جامع تھی جسکی توثیق و تطبیق قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے تو گویا راہب بحیرا کی
معرفت تمام کتب سماویہ کے مطابق تھی پھر اوسکے کمال مین کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ اسی بنا پر اکثر علمائے اسلام نے
اوسکے سابق الایمان ہونیکی تصدیق فرمائی ہے۔ دیکھو زرقانی جلد اول تذکرہ راہب بحیرا۔ علاوہ برین امام المتکلمین فخر الدین
رازی کی معرفت نبوت کے قرار دادہ اصول کے مطابق اگرچہ ایسے شخص نے اقرار شہادتین بھی نہ کیا ہو تاہم ایسے شخص کا
ایمان بھی خالص ثابت ہوتا ہے اور اسلام بھی کامل (دیکھو الکلام شمس العلما مولوی شبلی مطبوعہ حیدر آباد)
بحیرا کے اقرار نبوت کے بعد اوسکا اعلان بھی مرقومہ بالا مشاہدہ تاریخی سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابیطالب کو

آنحضرت کی شان عظیم سے آگاہ کرنا۔ اور بصرے سے فوراً ہی مکہ واپس لیجانے کی تاکید شدید کرنا۔ اشرار یہود کا جو ظاہر میں احبار یہود کہلاتے تھے مگر حقیقت مین خونخوار تھے اور سفاک آنحضرت صلعم کے متعلق ارادہ بد کرنا۔ بحیرا کا آپکے مفسدون پر آنکو سرزنش کرنا اور انھیں کی کتابون سے اونکو معقول کرنا۔ یہ سب کیا تھا۔ نبوت کی سچی پہچان تھی اور رسالت کا نمایاں اعلان۔ موجودہ صورت حال کو دیکھکر اور پڑھکر ہر شخص بلا تکلف سمجھ لیگا کہ اس عالم نصرانی کے موجودہ طرز عمل نے نصرانیت کی حقانیت پر محویت کا قلم پھیر دیا اور عیسائیت کو شکست کامل ہوجانے کا صداقت اسلام کی فتح عظیم کا اعلان عام کر دیا ہے۔

مسیحی مصنفین کی خاص عادت ہے اور عیسائی معترضین کا قدیم طرز تحریر کہ وہ اسلام کی نقل واقعات مین طرح طرح کی قلم کاریون سے کام لیتے ہیں اور اپنے معویانہ غرض و مقاصد سے انکے غلط معانی لگالے اور خلاف مطلب بتلانے میں ذرا بھی شرم نہیں کرتے۔ جیسا کہ راہب بحیرا کی حقیقت حال سے منکشف ہوا۔

اس مبحث طولانی کے خاتمہ میں ہم کو اتنا اور بتلا دینا ضروری ہے کہ شبلی صاحب ہون۔ یا سر سید احمد خان انحضرت کا اس واقعہ کے وجود ہی سے انکار کرنا ایک بیکار کوشش ہے۔ کیونکہ ایسے صریح انکار سے مورخین اور محدثین اسلام پر کیا منحصر ہے موضوعیت اور کذب افترا کا الزام صحیحین تک پہونچ جاتا ہے اور معترضین کی نگاہون میں اسلام کے ایسے مستند اور معتبر علماء محدثین کی بے اعتباری اور غلط نگاری ثابت کرتا ہے جنکی تالیفات اور تصنیفات کے اعتبار پر حصول اسلام کے دفتر کی تیرہ صدی منحصر ہے۔ ایسی حالت میں یہ تردید انکاری تمام کتب حدیث و صحاح کی کساد بازاری کردیگی۔ حالانکہ اونکی خطا ذرا بھی ثابت نہین واقعہ صحیح ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر خوش قسمتی سے عقیدت مندون نے جو جوڑ لگایا ہے۔ وہ ایسا بے موقع اور بے تکا ہے کہ اصل و پیوند کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ یہ اہل صحاح کی سادہ لوحی ہے یا ایسے اصول اور طریقہ کی پابندی کہ اس عیب کو آج تک نکال نہ سکے۔

اب رہا یہ امر کہ اس واقعہ کے سراپا موضوع ہونیکے متعلق شبلی صاحب نے صحیح ترمذی کا قول یا تاریخ طبری کے رواۃ کی جرح و قدح تعلیل و تعدیل قائم کی ہے۔ وہ سب دور از کار و بیکار کا طومار ہے۔ خود شبلی صاحب نے سیرۃ النبی کے جلد اول و جلد دوم بہت سی ایسی حدیثین مندرج کی ہیں جو مرسل کیا غریب۔ احاد و ضعاف میں داخل ہیں۔ اور ان کتابون سے برابر جوالے دیئے ہین جو تمام اقسام کی حدیثون پر حاوی ہین۔ ہم تو شبلی صاحب کے اس محققانہ اور معتقدانہ احتیاط کے اسوقت قائل ہوتے جب ہم دیکھتے کہ آپ نے ایسی کتابون کو اپنا ماخذ نہ بنایا ہوتا شبلی صاحب کو سمجھنا چاہیے کہ ان کتابوں پر منحصر نہین۔ ایک ترمذی کیا تمام کتب صحاح احادیث مرسل سے پر ہین شبلی صاحب اگر صحاح مین صرف مصدوق و مرفوع کی تنہا شرط قائم کردین گے تو اس معیار پر نہ بخاری بخاری رہیگی اور نہ مسلم مسلم۔ چونکہ ہم اس بحث کو کسی قدر اوپر لکھ آئے ہین اسلیئے ہمین زیادہ طوالت بیکار ہے۔

باقی رہا شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابو موسی الاشعری طبری کے ایک طریقہ کا آخر راوی ابو موسی الاشعری چونکہ شریک واقعہ نہین تھا اسلیئے اسکا قول قابل قبول نہین یہ آپ کا وہم ہے۔ جو سرسید کی طویل حسن حدمت سے عارض ہوا ہے۔ انکو بھی خطبات کے اکثر

مقامات مین ایسے ہی توہمات پیش آچکے ہین - اعتراض پہلے دونون حضرات کو ایسی تعریض کی حقیقت اور مطابقت قائم کرلینی تھی اور وہ کسی طرح قائم نہین ہوسکتی بطور رسالت کے واقعات جو صحابہ کی زبانی مرقوم ہین - اُنمین آپ حضرات اُسکی ذاتی شرکت کی تلاش کیونکر کرسکتے ہین اور اُنکی شرکت کو کیسے پاسکتے ہین حضرت ابوبکرؓ کے لیے قدیم صحابہ کی شرکت کو ابھی ابھی آپ خود موضوع و مجہول ثابت کرچکے ہین اور حقیقتاً ہے بھی ایسا ہی - تو پھر ابو موسی الاشعری اور دیگر متاخرین صحابہ کی شرکت کی تلاش تو ایسا کھوئی ہوئی عقل والے کا کام ہوگا حضرت ابوبکر مذکورہ بالا واقعہ مین اگر شریک نہین تھے تو بیدا تو ضرور ہوچکے تھے اسلیے اونکا اس واقعہ کا ذکر کرنا اگرچہ عقلاً مستبعد ہوگا مگر محال و ناممکن نہین ہوسکتا لیکن اُنکے وکر شرکت پر ایسا شدید انکار کیا گیا تو پھر اس واقعہ مین ابو موسی اشعری کے ایسے متاخرین صحابہ کی تلاش شرکت تو اپنے معیار سے خود انکار کر رہا ہے اسلیے شرکت واقعہ کی دلیل قائم نہین ہوسکتی - ہان آپ کو اسکے پوچھنے کا حق ضرور حاصل ہے کہ ابو موسی نے کس سے سُنا ہے مگر ہم دیکھتے ہین کہ عالمان احادیث اور اماما ن مرویات نے قول صحابہ کو اتنی اہمیت اور عظمت دیکر نقد احادیث کے اصول مین صاف صاف لکھدیا ہے کہ مراسیل صحابہ صحیح ہین اور معتبر تو ایسی حالت مین اس استفسار کا حق بھی آپ کو مشکل سے حاصل ہوسکتا ہے افسوس ہے کہ ہم اس بحث کو اس سے زیادہ نہین لکھ سکتے اور اتنا ہی کافی سمجھتے ہین -

راہب بحیرا کا واقعہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلعم کی رسالت و نبوت کا معیار عظیم ہے رحمۃ العالمین کے صفات قدسیہ اور سید المرسلین کے کمالات نبویہ کے متعلق اس عالم نصرانی کا اقرار - اعتراف اُسکی تصدیق و توثیق حقیقت میں اصول اسلام کی بنیاد کو ایسی مستحکم اور استوار کرتی ہے جو نصرانیت اور رہبانیت کے بڑے بڑے زور آزما پہلوانون کے ہلائے نہ ہلسکتی ہے نہ گرائے گر سکتی ہے - عیسائیون کی در اصل یہ کمزوری ہے اور اُن کے اصول کا حقیقی ضعف جو اسلام کی اس عظیم الشان فتح کو صرف عالم مذہبی کی غرض سے عیسائیت کی کامیابی بتلاتے ہین - یہ اُن کا ایسا غلط دعوے ہے جو نہ عقل سے ثابت ہوسکتا ہے نہ نقل سے -

ہم کو آخر مین یہ بھی بتلا دینا ضروری ہے کہ مؤلفین اسلامی سے اس واقعہ کی نقل و اندراج مین غلطی بھی واقع ہوئی ہے اور اسمین بھی کوئی کلام نہین کہ محدثین سے زیادہ مورخین کا طبقہ اسکے لیے زیادہ جوابدہ ہے وہ غلطی یہ ہے کہ بحیرا کے واقعہ کو تمام مورخین اسلامی نے عموماً واقعات تاریخی کے سلسلہ مین بیان کیا ہے اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اونکے نزدیک یہ واقعہ اوس زمانہ مین پیش آیا جب سن مبارک بارہ تیرہ برس کا ہوچکا تھا - اس بنا پر تمام تاریخون نے ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارھوین سال کے تفصیلی حالات مین اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے - مورخین کو اسکے نقل سے پہلے اسکی اصلیت اور مناسبت کا لحاظ کرنا چاہیے تھا - ہمکو اسمین کوئی کلام نہین کہ یہ واقعہ آپکی عمر کے بارھوین سال مین واقع ہوا لیکن سوائے اس تعلق اور مناسبت کے اس واقعہ کو آپ کے ذاتی حالات سے جو سیرت کا نہ اصل موضوع ہے اور نہ مقصود - کوئی علاقہ اور واسطہ نہین - اس واقعہ مین جس قدر حالات ہین وہ آپ کے صفات و علامات نبوت وغیرہ کا انکشاف کرنے ہین اسلیے یہ کیسا انکل

صحیح ہے کہ اِس واقعہ کے نقل وذکر کا یہ مقام نہین تھا۔بلکہ اسکو اعلان نبوت اور اظہار رسالت کے قریب جگہ دینی چاہی تھی اور نبوت کی پیشینگوئیون اور سلسلۂ بشارت مین انکو قلمبند کرنا بہتر تھا لیکن باایںہمہ یہ مقامی نامناسبت اس واقعہ کی موضوعیت کی دلیل نہین ہوسکتی۔مورخین نے چونکہ عام طور سے آپکی بشارت کو وقوعات قبل از ولادت سمجھکر اپنی اپنی تالیفات مین بہت کم بیان کیا ہے اور اپنی موضوع تالیفی سے زائد سمجھا ہے اور ایک حد تک صحیح سمجھا ہے۔اسلیئے اس واقعہ کو آپکی صغر سنی کے حالات مین نقل کردیا ہے۔مگر وہ نقل بھی اُسی حد تک ہے جس حد تک اُسکی اصلیت ہے اور وہ اتنی ہی ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات مین بحیرا کی نبوت ورسالت کے وہ تمام صفات وعلامات جواپنی کتب وصحائف مین اُسنے پڑھے تھے تمام وکمال مشاہدہ کیئے خود اُنکی تصدیق کی اور دوسرون سے کرائی مورخین اسلام کا اِس واقعہ کے نقل وذکر سے صرف اسی قدر مدعا تھا۔اور اسکی حقیقت اور اصلیت بھی اتنی ہی تھی عیسائی مصنفیں کی دیانتداری اور حقیقت نگاری کا مقتضا یہی تھا کہ اِس واقعہ کو وہین تک محدود رکھتے جہانتک اُنھون نے اصل ماخذون مین پایا تھا۔جیسا کہ مولوی شبلی صاحب بتلاآئے ہین۔اور دیانت وعدالت یہی تھا کہ اُسکے مقاصد ومطالب مین معویانہ قلم کاریون سے کام نہ لیتے۔تو اہل اسلام کو اُنکے ان تحریفیانہ طرز عمل کی تنقید وتردید کی بھی ضرورت نہوتی لیکن مقتضائے طبیعتش ہست کہ مطابق اُنکے تعصب ونفسانیت کے اِس موقع کو اپنی عالمانہ قلم کاریون کے لیئے غنیمت سمجھا اور اس سے وہ لاعنی اور مہمل معنی ومطالب نکالے جنکو نہ حقیقت سے واسطہ ہے اور نہ اصلیت سے سروکار۔

مرقومۂ بالا واقعات سے معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت ابی طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اوس مقام سے واپس چلے آئے اور اپنے جگر گوشہ کی حفاظت جان کے مقابلہ مین مال تجارت کے نقصان یا اصل سرمایہ کے تاوان کا کوئی خیال اور کوئی پرواہ نہین کی قریش کا یہ سالانہ تجارتی قافلہ تھا اور اسمیں اُن کے قدیم دستور کے مطابق تمام قبائل عشائر کے اکابر وعمائد مین شامل تھے۔یہانتک کہ ابیطالب کے سوا عبدالمطلب کے اور صاحبزادے بھی شامل تھے۔ بحیرا نے جناب رسالتمآب صلعم کی حفاظت ونگرانی کے متعلق جو کچھ کہا تھا اور تائید کی تھی وہ اِن سب کے سامنے کی تھی اور پیز آپکی ذات مین نبوت ورسالت کے جو صفات وعلامات پائے تھے اُنکا اعلان کیا تھا۔وہ سب کے مقابلہ مین کیا تھا لیکن بحیرا کی اِس صلاح وتاکید کا جو کچھ اثر ہوا وہ صرف حضرت ابیطالب کے قلب پر اور کسی پر نہین۔یہانتک کہ عبدالمطلب کے اور بیٹون مین سے کوئی صاحب اتنا بھی مُوثر ہوئے کہ تجارت کے کاروبار مین چند دنون بھائی بھتیجے کو بصرے سے مکہ تک پہونچادین ابیطالب اسکی اصلیت کو خوب سمجھتے تھے۔اسلیئے اسکی نسبت نہ بھائیون سے اصرار کیا اور نہ التماس کی لیئے ، اسلیئے کہ وہ اپنے موجودہ منصب کی ذمہ داریون سے خوب واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب نے اِس منصب کی تفویض مین تقسیم نہین اختیار کی اور اس ودیعت الٰہی کی حفاظت ونگرانی کے لیئے تخصیص جاری فرمائی۔جو حقیقتاً نظام مشیت کا اصلی منشا

و مدعا تھا۔ تو پھر اُسمین دوسرون کی امداد و اعانت کا خواستگار ہو یا نظام قدرت مین خلل ڈالتا ہے حضرت ابیطالب کی یہ احتیاط یہ استقلال اور یہ پاداری اُنکے اُن ذاتی خصوصیات و صفات کا پورا ثبوت دیتی ہے۔ جن کی بنا پر حفاظت رسول صلعم کے منصب اعلےٰ کے لیئے مدبرین قدرت نے انکا انتخاب فرمایا تھا۔ اور اُن کے موجودہ اور نیز آیندہ طرز عمل اور حسن خدمات نے اسکے لیئے اسکو پورا موزون اور مناسب ثابت کر دیا۔

محاسن اطوار قبل از بلوغ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کا سن مبارک اُسوقت بارہ برس کا ہو چکا تھا وہ زمانہ تھا کہ طفولیت تمام ہو رہی تھی اور شباب آغاز ہو رہا تھا۔ اس سفر کے بعد پھر کامل جوان ہونیکے زمانہ تک آپکا سفر کرنا صحیح طور پر ثابت نہین بعض حدیثون کی کتابون سے ہمراہی حضرت ابیطالب آپکا شام کیطرف دوبارہ جانا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ مرویات اصلاً و نقلاً وہی ہین جو حضرت ابوبکرؓ کی مشارکت کی معتقدانہ تاویلات ہین۔ اور صحت سے بالکل خالی۔ بعض مورخین نے محدثین کے زیر اثر اسکو جابجا نقل بھی کر دیا ہے مگر وہ اعتبار کے قابل نہین ہین حقیقت یہی ہے کہ اس سفر کے بعد پھر آپ نے کامل جوان ہونیکے زمانہ تک کہین کا سفر نہین کیا اور نہ ابیطالب آپکو پھر کسی سفر مین لیکے ہمراہ لیگئے اُسوقت سے لیکر جوان ہونے کے زمانہ تک آپ کی ذات بابرکات اُن محاسن صفات سے تمام اعلیٰ اور یکتا جو بظاہر و آشکار ہونے لگے جو عام فطرت انسانی مین نہایت کم بلکہ نہین پائے جاتے تھے آپ کے تمام قویٰ مدرکہ اسیوقت فضل و کمال کے اُس حدود انتہائی تک پہونچے ہوئے تھے جن تک انسان کا دسترس دشوار تھا قوائے عملی۔ نظری۔ اور حسی کے کمالات سے آپکے تمام محاسن اعمال اور مکارم اخلاق واضح اور لائح تھے۔ نیک نفسی سلامت روی۔ پاکیزہ طبعی طرز عمل سے پیدا تھے شرم و حیا۔ کرم و عطا۔ زہد و اتقا صبر و تحمل اور عدل و انصاف آپ کے خاص شعار صلہ رحم۔ ادائے حقوق جار اور اعانت مظلوم آپ کے صفات ذاتی کے اصلی معیار تھے حلم و وقار۔ تواضع۔ راست گوئی اور امانتداری آپکی فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر۔ غور و فکر۔ ترک علائق اور استغراق فی الحقائق ترکیب طبع قدسیہ کے اصلی عنصر تھے مقدس طبیعت اچھی باتون پر جسطرح ہمیشہ راغب اور مائل رہا کرتی تھی۔ اسیطرح بُری باتون سے کنارہ اور متنفر رہتی تھی۔ ایماندار۔ دیانتدار۔ اور صداقت شعار لوگون سے ملنے جُلنے کیلیئے جتنا میلان طبیعت تھا اتنا ہی مغرور۔ ظالم۔ درشت خو۔ کینہ پرور۔ کج خلق اور خود غرض لوگون کی صحبت سے احتراز و استحفاظ اختیار کیا جاتا تھا۔ ان محاسن صفات کا اُسیوقت سے مکہ کے تمام قبائل و اقوام پر اتنا اثر تھا کہ ہر فرد بشر آپ کو ایک طرح کی عظمت کی نظر سے دیکھتا تھا خلوت و جلوت کی صحبتون مین آپ کا سکوت کم سخنی اور اکثر خاموشی۔ حاضرین کے قلوب پر خاص اثر کرتی تھی مجمع مین تکلم کے وقت لفظ لفظ سے صحت و صداقت فصاحت و بلاغت کی اس کثرت سے گہر ریزی ہوتی تھی کہ کسی کو مجال سخن نہین ہوتی تھی۔ ابن سعد نے طبقات مین ان تمام صفات کو ذیل کی عبارت مین نقل کیا ہے طبری اور ابن ہشام مین بھی قریب قریب یہی عبارت درج ہے۔

حال رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محترم حضرت ابیطالب کی حفاظت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ابی طالب

توکلہ اللہ ویحفظہ ویحوطہ من امور الجاھلیۃ ومعایبھا لما یرید من کرامۃ وھو علی دین قومہ حتی بلغ ان کان رجلا افضل قومہ مروۃ واحسنھم خلقا واکرمھم مخالطۃ واحسنھم جوارا واعظمھم حلما وامانۃ واصدقھم حدیثا وابعدھم من الفحش والاذی وما رای ملاحیا ولا مماریا احدا حتی سماہ قومہ **الامین** لما جمع اللہ من الامور الصالحۃ فیہ فلقد کان الغالب علیہ بمکۃ الامین وکان ابوطالب یحفظہ وینصرہ ویعضدہ الی ان مات ص۲۶

نگرانی میں جوان ہوگئے۔ پروردگار عالم نے ہر طریقہ سے آپ کی تائید کی۔ اور مراسم جہالت کے تمام معائب و مناقص سے محفوظ و مصئون رکھا کیونکہ ان کرامتوں سے ارادۂ مشیت میں آپ کی قوم کو دینداری کے طریقہ پر لاناتھا یہاں تک کہ آپ ان تمام محاسن صفات سے آراستہ ہو کر سن بلوغ تک پہونچے تو تمام قبائل و اقوام میں باعتبار حلق و مروت کے افضل ترین۔ حسن اخلاق میں نیکو ترین۔ باہمانہ طرز سلوک و اتحاد میں اکرم ترین۔ حلم و امانت میں اعظم ترین اور تقریر و بیان میں صادق ترین مردم تھے۔ ایذا رسانی فحش زبانی اور دیگر افعال ذمیمہ رکھنے والے لوگوں سے زیادہ علیحدہ رہنے والے اور ہمیشہ پرہیز و احتیاط اختیار کرنیوالے تھے کسی شخص نے آپ کو تندمزاج اور تلخ کلام نہیں دیکھا۔ یہانتک کہ تمام قوم قریش اور باشندگان مکہ نے اسیوقت سے آنحضرت صلعم کو **الامین** کا خطاب دیا اور حضرت ابیطالب برابر آپ کی حفاظت و نگرانی - اعانت اور نصرت فرماتے رہے۔ یہانتک کہ انتقال کرگئے

حرب الفجار میں شرکت

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۲۰ بیس برس کی ہوئی تو عرب کی یہ مشہور و معروف لڑائی مرقوم ہوئی۔ جو ایام جہالت کا آخر معرکہ تھا یہ جنگ بھی اہل عرب کے باہمی و سلسلہ جنگ کی ایک کڑی تھی اور ایام جہالت میں مردم آزاری اور خونخواری کی ایک زندہ مثال۔ یہ لڑائی قبیلہ قریش اور قبیلہ قیس کے فیما بین ہوئی تھی سبب جنگ ابن سعد ان الفاظ میں بتلاتے ہیں۔

کان سبب حرب الفجار ان النعمان ابن منذر بعث بلطیمۃ الی سوق عکاظ الی التجارۃ واجارھا الرحال عروۃ ابن عتبۃ ابن جابر ابن کلاب فنزل علی الماء یقال لہ اوارۃ فوثب البراض بن قیس احد بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ وکان حلیفا علی عروۃ فقتلہ وھرب الی خیبر فاستخفی بھا ص۸۰

حرب الفجار کا سبب یہ تھا کہ نعمان ابن منذر اپنے خانوادۂ تجارتی پر سامان تجارت لیکر عکاظ کے میلہ میں تجارت کی غرض سے آیا تھا ان جانوران باربرداری کو عروہ ابن عتبہ نامی شخص نے جو بنی کلاب کے قبیلہ سے تھا کرایہ لیا اور ان کو لیکر ایک پانی کے چشمہ پر جو اوارہ کے نام سے مشہور تھا۔ اترا۔ براض ابن قیس نے جو قبیلہ بنی بکر کا ایک آدمی تھا اور قوم و قبیلہ سے نکالا ہوا تھا عروہ کو غافل پاکر مار ڈالا اور بھاگ کر خیبر میں جا چھپا۔

جنگ کا سبب تو یہ تھا۔ اثر یہ ہوا کہ قریب قریب تمام قبائل و عشائر جہالت کے قدیم دستور کے مطابق آپس میں گتھ گئے قتل و قصاص کا معاملہ تھا اس لئے طرفین سے تحمل و سکوت اور درگذاشت قطعی ناممکن تھی۔ عروہ کے قتل کی خبر عکاظ کے میلہ میں پہونچی جو اسوقت تمام قبائل و عشائر کا مرکز تھا۔ تو اس خبر کے سنتے ہی قریش اور ان کے حلیف اور طرفدار قبائل نے بنی کنانہ

کا ساتھ دیا اور بنی قیس سے عروہ کا قصاص طلب کیا۔ قریش نے بنی قیس پر صرف یہی الزام نہین لگایا تھا بلکہ ایام حرم میں خونریزی کرنے سے اونکو قومی مجرم بھی قرار دیا تھا۔ قریش۔ بنی کنانہ اور اونکے معاون قبائل عروہ کے خون ناحق سے اسقدر متاثر ہوئے کہ وہ سب کے سب عکاظ کے میلہ سے اپنا اپنا مال تجارت واپس لیکر مکہ چلے آئے اور بنی قیس سے مقابلہ و مقاتلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ بنی قیس بھی عرب تھے۔ وہ کیوں دبنے لگے بالآخر جانبین سے مقابلہ ہو ہی گیا۔ اور سخت معرکہ پڑا اور بڑی خونریزی ہوئی چونکہ اسمین تمام قریش کے قبائل داخل تھے اس لئے بنی ہاشم بھی شریک تھے۔ اور اپنے اعمام کے ساتھ حامی الاسلام بھی علیہ وآلہ السلام۔ میدان کارزار مین بنی قیس کو قریشیوں پر دوپہر تک غلبہ حاصل رہا۔ مگر دوپہر کے بعد قریش نے بنی قیس کو زیر کر لیا۔ اور آخرکار لڑائی جانبین سے صلح پر تمام کر دی گئی۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معرکہ میں اپنی شرکت کا خود ذکر فرمایا ہے قال رسول اللہ صلعم وقد ذکر الفجار فقال قد حضرتہ مع عمومتی۔ مین اس معرکہ مین اپنے اعمام کے ساتھ شریک تھا اس معرکہ میں آپ کی شرکت کا سبب اول تو یہ تھا کہ قریش حق پر تھے اور ایک خون ناحق کے طالب قصاص۔ اس سبب سے اونکا یہ طرز عمل ہر منصف مزاج اور عدالت پسند شخص کے نزدیک پسندیدہ تھا اور مناسب دوم یہ کہ اپنے قبیلہ کی عظمت و اقتدار اور امر حق مین اپنے بزرگون کی حمایت و نصرت بھی ضروری تھی۔ وقت اور موقع کی ان ناگزیر ضرورتون نے آپ کو اس معرکہ مین شریک ہونے کے لئے تیار کر دیا تھا۔ اور آپکی یہ شرکت اپنے اعمام کی حمایت و نصرت تک محدود تھی جیسا کہ ابن ہشام قول رسولؐ سے صاف طور سے ان الفاظ کی تصریح کر دی ہے۔ کنت انبل علی اعمامی ای ارد عنھم نبل عدوھم اذا رموھم بھا مین اپنے اعمام کی طرف سے تیر چلاتا تھا یعنی ان تیرون کو رد کرتا تھا جو میرے اعمام پر انکے دشمن چلاتے تھے۔ اس قول مبارک کی بنا پر اس جنگ مین آنحضرت صلعم کا طرز عمل بالکل مدافعانہ ثابت ہوتا ہے نہ مخاصمانہ۔ اور حقیقت مین جسطرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض اپنے اعمام کی نصرت و حمایت کی ضرورت سے اس لڑائی مین شریک ہوئے تھے۔ اوسیطرح بنی ہاشم بھی قریش کی قرابت اور باخود باہمی مراسم کے لحاظ سے شریک جنگ ہوئے تھے۔ ورنہ اصل مخاصمت بنی کنانہ اور بنی قیس کی تھی۔

امام سہیلی نے ابن ہشام سے زیادہ تفصیل کے ساتھ تصریح کر دی ہے۔

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مع اعمامہم فی الفجار وقد بلغ سن القتال لانھا کانت حرب فجار وکانوا ایضا کلھم کفارا ولم یاذن اللہ لمومن ان یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اعمام کا ساتھ دیکر اس جنگ مین شرکت نہیں کی۔ باوجودیکہ آپ مقابلہ و مقاتلہ کے سن تک پہونچ چکے تھے۔ اس کا باعث یہ تھا کہ یہ جنگ ایام حرام مین واقع ہوئی۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ جانبین کفار تھے۔ اور اہل ایمان کے لئے تو صرف اعلاء کلمۃ اللہ کی تنہا غرض سے دست بقبضہ ہونیکا حکم ہے

حرب الفجار کی وجہ تسمیہ یہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ جنگ ایام حرام مین واقع ہوئی۔ اور یہ وہ ایام مخصوصہ

تھے جس میں جہالت اور اسلام دونوں زمانوں میں عام طور سے جدال و قتال۔ خونجکشی اور خونریزی وغیرہ قطعی ممنوع تھی اسی بناء پر اس جنگ کا نام حرب الفجار رکھا گیا۔ ف

حلف الفضول کے معاہدے میں شرکت

حرب الفجار کا فیصلہ طرفین کی مصالحت سے ہوگیا۔ مگر کوئی زمانہ ہو نیک و بد۔ بیدرد و ہمدرد طبیعت والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اس لئے حرب الفجار سے اہل مکہ کی دردمند اور انصاف پسند طبیعت والے بے حد متاثر ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ اثر لینے والے بنی ہاشم تھے۔ ابن سعد نے انکی تخصیص کی کامل تصریح کردی ہے۔ اون کے الفاظ یہ ہیں لا نعلم احدا سبق بنی هاشم بهذا الحلف میری تحقیق میں بنی ہاشم پر کسی فرد واحد کی سبقت اس معاہدے میں ثابت نہیں ہوتی طبقات ج ۱ ص ۸۲۔

اس معاہدے کا خیال بنی ہاشم میں سب سے پہلے زبیر بن عبد المطلب نے پیدا کیا۔ اور اوسکی وجہ یہ ہوئی کہ حرب فجار میں بنی قیس اور بنی کنانہ کے قتل و خونریزی کو دیکھکر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کم سے کم مکہ سے ایسے مرکزی مقام کو تو عرب کی سفاک اور بیداد گر قوم کے حملات سے محفوظ رکھنا ضرور ہے لیکن یہ استحفاظ باہمانہ اتحاد کے معاہدے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ اس غرض سے زبیر ابن عبد المطلب نے دیگر اکابر و عمائد قریش کو اس تجویز میں اپنا ہمخیال اور ہمکلام بنایا طبقات میں انکی تجویز و تدبیر کی عملی صورت ان الفاظ کیساتھ دکھلائی گئی ہے

كان حرب الفجار في شوال وهذا الحلف في ذي القعدة وكان اشرف حلف كان قط واول من دعا اليه الزبير

جنگ فجار شوال میں واقع ہوئی اور حلف الفضول ذی قعدہ میں اور یہ معاہدہ تمام سابق معاہدوں سے اشرف و افضل تھا سب سے پہلے اس

ف۵ شبلی صاحب نے بڑی خصوصیت کیساتھ لکھا ہے کہ حرب الفجار میں آنحضرتؐ کے علمبردار زبیر بن عبد المطلب تھے۔ قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب ابن امیہ جو ابو سفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔ سپہ سالار اعظم کے خطابی الفاظ موٹے قلم سے لکھے گئے ہیں زبیر بن عبد المطلب کی کوئی معرفت نہیں کرائی گئی ہے اور حقیقتاً کوئی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن قریش کے سپہ سالار اعظم حرب ابن امیہ کی کامل تفصیل و تخصیص سے معرفت کرائی گئی کہ آپ ابو سفیان کے والد ماجد اور امیر معویہ صاحب کے جد امجد۔ اس مخصوص تفصیل سے جو آپکی اصلی غرض تھی وہ ہم سمجھ گئے آپ کی اتنی خامہ فرسائی وہی بنی امیہ کی خیر خواہی ہے اور وہ اس غرض سے ہے کہ آپ اسیوقت سے بنی ہاشم پر بنی امیہ کی ایک گونہ حکومت و امارت قایم کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ کے اس مصنوعی اقتدار کی حقیقت کا انکشاف تو عنقریب ہم اپنے مقام پر کرینگے لیکن یہاں اتنا عرض کردینا ضروری ہے کہ آپکے ممدوح دینی اقتدار حرب الفجار کے سپہ سالار تھے۔ انکی دینی اقتداری کی جان تو یہیں سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اب رہی بنی ہاشم کی امارت وہ شرکت رسول صلعم کی وجہ سے نعوذ باللہ جسطرح ذات سرور کائنات پر لازم آتی ہے ویسے ہی سائر بنی ہاشم اور جمیع قریش پر اگر اس توجیہ سے آپ کا یہی مقصود ہے تو خدا آپکو مبارک کرے ہم نہیں سمجھتے کہ اس تصریح و توضیح سے یا اس حرکت سے بنی امیہ کی کون سی عظمت ثابت ہوئی۔ جب خود شبلی صاحب امام سہیلی کی اس عبارت سے کانت حرب فجار وكانوا ايضا كلهم كفارا یہ حرب فجار تھی کیونکہ جانبین سے کفار تھے۔ اسکی حقیقت کو دکھلا چکے ہیں اور شعار کفر و جاہلیت بتلا چکے ہیں شبلی صاحب کے حرب صاحب اگر کسی کفار کے سپہ سالار اعظم ہوگئے یا کسی کافر سلطنت اور مشرک حکومت کے سہرا اعلم ہوگئے تو اس سے اہل اسلام یا ارباب ایمان کیسے مرعوب ہوجائینگے المؤلف
سید اولاد حیدر عفی عنہ

عبد المطلب فاجتمعوا بنو ہاشم و زھرۃ و تیم فی دار عبد اللہ بن جدعان فصنع لھم طعاما فتعاقدوا و تعاھدوا باللہ القائل لنکونن مع المظلوم حتی یؤدی الیہ حقہ طبقات ص ۸۲

معاہدے کی زبیر بن عبد المطلب نے ابتدا کی اور لوگوں کو اسکی دعوت دی، بنو ہاشم، زہرہ اور بنو تیم اس معاہدے کی غرض سے عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں جمع ہوئے پہلے حاضرین کی ضیافت کیگئی پھر سب نے مجلس مجوزہ کا انعقاد کیا اور خدا کو درمیان دیکر قسمیں معاہدہ کیا کہ وہ لوگ مظلومین کیطرف سے ظالمین کے ساتھ اوسوقت تک مقاتلہ کرینگے جبتک کہ ظالم اپنے مظالم کی دیت و معاوضہ مظلوم کو نہ دیدے۔

اس معاہدے مین بنی ہاشم کے فرد واحد۔ بلکہ اون سب کے مایۂ افتخار ہونیکی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہین۔

ما احب ان لی بحلف حضرتہ فی دار عبد اللہ بن جدعان حمر النعم وانی اغدر بہ ھاشم و زھرۃ و تیم تحالفوا ان یکونوا مع المظلوم ولو دعیت بہ لاجبت وھو حلف الفضول طبقات ۸۲

اوس معاہدے کے عوض میں جو دار عبد اللہ بن جدعان مین منعقد ہوا تھا اور جس میں بنو ہاشم۔ بنو زہرہ اور بنو تیم نے اس امر پر قسم کھائی تھی حلف اٹھایا تھا کہ وہ مظلومین کی اعانت و حمایت کیا کریں گے مجھے سرخ رنگ والے اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں نہ لوں اور آج بھی اگر ایسے معاہدے کیلئے مجھے کوئی بلائے تو میں حاضر ہون وہ معاہدہ حلف الفضول تھا۔

یہ امر بھی ضرور بتلا دینے کے قابل ہے کہ حمایت مظلوم کے اس معاہدے مین صرف بنو ہاشم بنو زہرہ اور بنو تیم ہی شامل تھے بنو امیہ کا نام کسی تاریخ سیرت یا حدیث کی کتاب میں نہین پایا جاتا۔ اس سے ہر شخص بلا تامل سمجھ لیگا کہ شبلی صاحب کا ابھی ابھی بتلایا ہوا اشاعت ذی اثر اور مقتدر قبیلہ اخلاق مین کتنا کمزور اور مظالم کا کیسا خوگر تھا جو باوجود اسکے کہ اوس معرکہ مین فوج قریش کا سپہ سالار اعظم تھا لیکن اس سے نہ کچھ متاثر ہوا اور نہ خود اوسکے قوم کے اس معاہدے مین شریک ہوا۔ بلکہ اپنی جہالت پسند فطرت اور جفا جو طبیعت کے زیر اثر ہو کر استیصال مظالم اور قتال ظلمہ وقت کے جو انتظام عدالت پسندان و دردمندان قوم نے تجویز کیے تھے اس سے اغماض و روگردانی کر گیا۔ اور شریک نہوا۔ افسوس شبلی صاحب نے جس قبیلہ کی قدامت اور عظمت ثابت کرنے کی بنیاد قایم کرنا چاہی ہے وہ آغاز ہی سے بتقاضائے شعار اور مظلومین کو چھوڑ کر ظالمین کا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

جہان تک تحقیق کیا گیا ہی اس معاہدے مین سوائے مرقومہ بالا تین قبائل قریش کے کوئی دوسرا قبیلہ داخل نہین تھا۔ بلکہ قبائل دیگر ساکنان مکہ کی جگہ بیرونی قرب وجوار کے اکثر نفوس شامل تھے۔ یہ کس لئے تھا؟ اسلئے کہ اس معاہدے مین نہ شریک ہونیوالے قبائل اپنی جنگجو طبیعت سے مجبور تھے۔ اور جہالت کے اثر سے سفاکی اور خونریزی اور ہر قسم کے مظالم کو ہمیشہ کا پیشہ اور اپنی معیشت کا مستقل ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس سبب خاص سے وہ اس معاہدہ مین شریک ہونے پر راضی نہ ہوئے جو انکے اکتساب معیشت کے طریقوں مین سدراہ ہوتا تھا۔

شبلی صاحب کی اوس تحریر سے جو اونہون نے اس حلف الفضول کی وجہ تسمیہ مین قلمبند فرمائی ہے ہمارے مندرجہ بالا

بیان کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے "اس معاہدہ کو حلف الفضول اس لئے کہتے ہیں کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو ہوا ان کے نام میں فضیلت کا مادہ داخل ہے یعنی فضل بن حرث فضیل بن وداعہ اور مفضل۔ یہ لوگ بنی جرہم اور قطورا کے قبیلے کے لوگ تھے،، یہ تحریر بتلا رہی ہے کہ دیگر قبائل کے لوگ تو اس معاہدے میں شریک ہوئے لیکن قریش میں سوائے تین قبائل کے اور کسی کو اسمیں شرکت کی توفیق نہ ہوئی جسکی وجہ صرف وہی ہو سکتی ہے جو اوپر لکھی گئی۔

لیکن شبلی صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنے سابق مختار سے انحراف فرمایا ہے۔ آپ کے سہو و ذہول کا یہ طریقہ آپ کی تالیفات میں اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی ابتدا میں تحریر فرمایا گیا ہے "جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر ابن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے یہ تجویز پیش کی،، غرضکہ بنی ہاشم کے ساتھ اس خیال کی اولیت کا خود اعتراف فرمالیا گیا ہے اور ایسا یہ اقرار و اعتراف بھی طبقات ابن سعد کے حوالے پر محمول کیا ہے جسکی اصل عبارت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ اور جس میں آل ہاشم کا اس خیال و تجویز میں سب سے پہلے سبقت کرنا بالتصریح مندرج ہے۔ پھر باوجود اس اقرار و اعتراف کے مندرجہ بالا عبارت میں کیونکر اور کس بنا پر لکھا جاتا ہے کہ "اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا انکے نام میں لفظ فضیلت کا مادہ داخل تھا یعنی فضل ابن حرث فضیل بن وداعہ اور مفضل۔ یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ سے تھے،، تو گویا معلوم ہوا کہ اسکی اولیت بنی ہاشم سے صحیح نہیں ہے بلکہ بنی جرہم اور بنی قطورا اسکے موجد اول ہیں۔ شبلی صاحب کے ان اعتراف و اختلاف کو غور سے دیکھکر اہل بینش آپ کی تلوّن مزاجی اور تغیر طبعی کا خود اندازہ کر لینگے۔ وجہ تسمیہ جو مادۂ فضل کی رعایت سے بتلائی گئی ہے اسکی اصلی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ اور عبارت زیرین حاشیہ میں امام سہیلی کے اسناد سے جو وجہ تسمیہ بتلائی گئی ہے وہ امام سہیلی کی خاص رائے ہے۔ اس بنا پر آپ کی دوسری توجیہ سے پہلی توجیہ زیادہ قریب الفہم ہے حقیقت یہ ہی کہ طبقات وغیرہ میں اسکی وجہ تسمیہ خاص طور پر نہیں لکھی گئی۔ متاخرین نے اپنی جدت طبعی سے قیاسی توجیہیں قائم کی ہیں ممکن ہے کہ انہیں سے کوئی صحیح ہو لیکن ان پر قطعی اعتبار دشوار ہے۔)

تزویج با حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا

شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں واقعہ تزویج کو بنائے کعبہ کے واقعہ کے بعد لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳۷۔ آپ کی یہ ترتیب آپ کی ذاتی تجدید ہے۔ اور ابن ہشام۔ طبری اور ابن سعد وغیرہم۔ قدیم عربی ماخذوں کی ترتیب سے بالکل خلاف ہے میرے نزدیک ڈیڑھ ہزار برس بعد والے مؤلف کو ان امور میں مجدد بننے کے شوق سے مقلد رہنا ہی بہتر ہے۔ اسلئے ہم سیرۃ النبیؐ کی ترتیب کے خلاف اسوۃ الرسولؐ میں تزویج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ کو تعمیر کعبہ کے واقعہ سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

حلف الفضول کے معاہدے کے وقت آپ کا سن بیس برس کا ثابت ہو چکا ہے۔ اور آپکی تزویج کو تمام مورخین و محدثین آپ کی پچیس برس کی عمر میں بتلاتے ہیں۔ اس مختار متفقہ کے رو سے واقعہ تزویج معاہدہ حلف الفضول کے پانچ برس بعد

واقع ہوا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابی طالب کی ہمراہی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے قافلہ تجارتی کی ساتھ سفر کیا تھا اسوقت سن مبارک بارہ یا تیرہ برس سے زاید کا نہیں تھا۔ اس بنا پر ثابت ہے کہ آپ نے بارہ برس کی عمر ہی سے شغلہ تجارت کیطرف اپنی مقدس طبیعت کا میلان ظاہر فرمایا تھا طبیعت ہمایونی کی یہ قدرتی اور موروثی موروثیت تھی قدرت کا منشا تو بالکل کھلا ہوا ہے۔ وہ یون کہ اتنی کمسنی مین اس مشغلہ کاروبار کیطرف طبع مقدسہ کا میلان اور رجحان نمایان ہونے لگا جس زمانہ میں عام فطرت والے بچے سوائے کھیلنے کودنے کے ترتیب معاشرت اور تحصیل معیشت کی کسی فکر و تلاش کیطرف مائل نہین ہوتے۔ موروثی یون کہ ولادت باسعادت سے ہزارہا سال پیشتر سے آپ کا خاندان اعلیٰ اور دودمان والا جو اولاد بنو اسمعیل اور آخراً قریش کے مخصوص نام و لقب سے تمام اقطاع عالم مین مشہور و معروف تھا ہمیشہ اور برابر تجارت پیشہ رہا

اس مشہور عالم سلسلہ مین قصی کے وقت سے کاروبار تجارت کے فروغ یابی کی عملی تدبیرین جاری کیگئین اور یکی بادیگرے آپ کے جد بزرگوار ہاشم ابن عبد مناف کے زمانہ مین وہ تدبیرین کامیابی کے نقطہ کمال تک پہونچین۔ یہان تک کہ سلاطین غیر ممالک اور اقوام غیر نے بھی تجار قریش کے راہداری اور آسانی کاروبار کے لئے معاہدے لکھے اور پروانہ راہداری دیے اور اپنے قلمرو میں اطلاع عام کی ضرورت سے اسکے اعلان جاری کئے۔ جیسا کہ ہاشم ابن عبد المطلب کے حالات مین تفصیل سے لکھا گیا ہے اسی طرح مسلسل طور پر ہاشم کے بعد مطلب مطلب کے بعد عبد المطلب اور عبد المطلب کے بعد ابیطالب۔ اس سلسلہ کے تمام بزرگوار کاربار تجارت فرماتے رہے اور معیشت کا وہ طریقہ اور عام ذریعہ جو مدتہائے دراز سے اس سلسلہ میں چلا آتا تھا وہی اسوقت تک قایم اور مستقل رہا۔ اس بنا پر مولوی شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ سن رشد کو پہونچنے کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب فکر معاش ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہین آیا۔"

آپ نے اپنے اس موروثی مشغلہ کی ابتدا اپنے خاص اور تنہا سرمایہ سے نہین کی۔ بلکہ مشترکہ سرمایہ سے اسکی خاص وجہ خاص سرمایہ کی کمی تھی اور یہ بالکل ظاہر تھی اسلئے کہ نہ حضرت عبد اللہ کوئی ایسا سرمایہ چھوڑ گئے تھے اور نہ حضرت ابیطالب اپنی کثیر العیالی اور خرچ عیالداری کی مجبوریون سے کسی علیحدہ اور کافی رقم کا اوسپر اضافہ کر سکتے تھے۔ ان دقتوں کی وجہ سے مشترکہ سرمایہ سے آغاز تجارت کا طریقہ اختیار فرمایا گیا اور یہ نہایت آسانی سے قایم ہو گیا۔ اس لئے کہ اوسوقت یہ دستور جاری تھا کہ سہولیت کی غرض سے اکثر لوگ اپنا سرمایہ کسی امانتدار اور ہوشیار شخص کو تجویز کر کے سپرد کر دیتے تھے منافع مین اوسکو اپنا سہیم بنا لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجارت کے مشغلہ کو اسی طریقہ سے شروع کیا اور لوگون نے بھی آپ کے ساتھ معاملت کو بطیب خاطر قبول کر لیا۔ کیونکہ ہر شخص آپ کی دیانت امانت اور صداقت کا تجربہ کر چکا تھا۔

شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے حسن معاملت کی چند مثالین سیرۃ النبی مین نقل کی ہین۔ ہم بھی اون کو اپنے بیان کی تصدیق کے لیئے ذیل میں نقل کرتے ہین۔

عبد اللہ بن ابی الحمساء ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ بعثت سے پہلے مین نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا معاملہ

کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا میں نے کہا پھر آؤن گا۔ اتفاق سے مجھکو تین دن تک ایسا وعدہ یاد نہ آیا تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلعم کو اوسی جگہ منتظر پایا لیکن اس خلاف وعدگی سے آپکی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اسقدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہون۔

سائب نام ایک صاحب جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگون نے اونکی تعریف کی آپنے فرمایا میں انکو تم سے زیادہ جانتا ہون سائب نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہون آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا فکنت لاتدارای ولا تماری۔ یعنی آپ کے ومہ نہ آپ کا میرے ذمہ کچھ باقی ہے

قیس ابن سائب مخزومی ایک اور صحابی ہیں۔ آپ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی انھیں الفاظ کے ساتھ آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہین۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۱۳۶

سب کے ساتھ کاروبار میں آپ کی صفائی۔ معاملت تجارت مین اور بالخصوص مشارکت میں شرکاء کے ساتھ آپ کی سچائی چاروں طرف مشہور ہو گئی تھی۔ امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ عموماً تمام تجار اور اہل کاروبار آپ کی حسن معاملگی اور صفائی کے گرویدہ تھے۔ تجارت کی غرض سے آپ نے بصرے اور شام کا سفر کیا تھا اور پہلے انھیں دونوں مقاموں میں اسباب تجارت فروخت کرکے اپنے حسن تدبیر اور خوش سلیقگی سے کافی نفع اوٹھایا تھا۔ پھر جیون جیون سرایہ میں ترقی ہوتی گئی سلسلہ تجارت میں بھی اضافہ ہوتا گیا شام و بصرے کے علاوہ اور مقامات میں بھی جو تجارت کے مرکزی مقام تھے تشریف لیگئے۔ حباشہ کا بازار عرب مین سالانہ ملکی کاروبار اور خرید و فروخت کے لئے بہت مشہور و معروف تھا۔ تجارت کی غرض خاص سے یہان بھی آپ کا تشریف لانا تاریخون سے ثابت ہوتا ہے۔

یہ واقعات بتلا رہے ہین کہ کاروبار تجارت میں آپ کی صفائی اور سچائی تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل پر کامل طور سے اثر پذیر ہو چکی تھی۔ اور ہر شخص ایسے مقام پر آپ کو اپنا کاروبار تجارت سپرد کرنے کا متمنی تھا انھین لوگون مین جناب خدیجہؓ بھی تھین۔

یہ خوش قسمت اور عالی منزلت خاتون شرفائے قریش کے ایک ممتاز خاندان سے تھی۔ پانچوین پشت مین اس عالی محترمہ کا سلسلۂ نسب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ تجارت اور کاروبار کے اعتبار سے تجار مکہ مین کوئی انکا مقابل نہین تھا۔ طبقات ابن سعد مین لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت تمام قریش کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ شبلی صاحب اس عبارت کو ابن سعد کی عبارت بتلاتے ہین حالانکہ یہ عبارت طبقات ابن سعد کی نہین ہے۔ بلکہ شرح زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۹ مین واقدی اور دیگر مورخین سے نقل کیگئی ہے۔

شبلی صاحب اسی صفحہ کے زیر حاشیہ لکھتے ہین یکجا تمام حالات دیکھنے ہون تو زرقانی جلد اول ص ۲۴۳ سے ۲۴۶ تک دیکھنا چاہیئے۔ حالانکہ حالات تزویج جناب خدیجہؓ شرح زرقانی مین صفحہ ۲۳۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۴۵ مین تمام ہوئے ہیں

شبلی صاحب کی یہ سہو ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں کے لئے اہل تالیف قطعی معذور ہیں اور بالکل معفو۔ کیونکہ انکی بنا الکل اون لوگون کی کثیر المتعلق اور سہو الفطری پر مبنی ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

ثروت و اقتدار کے اعتبار سے حضرت خدیجہؑ تمام تجار میں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھین۔ مکہ اور قرب و جوار کے تمام تجارت پیشہ قوم و قبائل کے لوگ انکے برابر تھے اور دست نگر۔ عادات و اوصاف کے لحاظ سے حضرت خدیجہؑ کی پاک نفسی حسن اخلاق اور عام ہمدردی مشہور آفاق تھی۔ انھیں محاسن ذاتی کی خصوصیات سے ایام جہالت ہی میں آپ کا لقب طاہرہ مشہور ہو گیا تھا۔ آپ کے ذاتی اوصاف کے متعلق ابن سعد یہ عبارت نقل کرتے ہین۔

وهي يومئذ اوسط قريش نسبا واعظمهم شرفا

یہ خاتون اوسوقت تمام قریش میں عالی نسب اور صاحب شرافت تھیں۔

ابن ہشام اور طبری کے یہ الفاظ ہین۔

وكانت خديجة تاجرة ذات شرف ومال كثير وتجارة تبعث بها الى الشام فيكون عيرها كعامة عير قريش وكانت تستأجر الرجال وتدفع اليهم المال مضاربة

جناب خدیجۃ الکبریٰ تاجرہ تھین۔ صاحب شرافت اور اہل دولت انکی تجارت کا یہ حال تھا کہ جب قافلہ تجارت شام کو جاتا تھا تو اوسمیں اکیلا انکا مال تمام لوگون کے مال کے برابر ہوتا تھا۔ تجار آپ سے مال لیکر تجارت کیلئے لیجاتے تھے اور منافع لیکر اصل سرمایہ واپس دیتے تھے۔

شبلی صاحب نے بھی اس مضمون کو سیرۃ النبی صفحہ ۱۳۶ مین لکھا ہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہی حسن معاملات اور مکارم عادات حضرت خدیجہؑ کے میلان خاطر کے باعث ہوئے اور حقیقت میں منشاء قدرت کا یہ مقدمہ تھا۔ ابن ہشام اور طبری اسکی حقیقت ذیل کے الفاظ مین لکھتے ہین

فلما بلغها عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ما بلغها من صدق حديثه وعظم امانته وكرم اخلاقه بعثت اليه فعرضت عليه ان يخرج في مال لها الى الشام تاجرا وتعطيه افضل ما كانت تعطي غيره مع غلام لها يقال له ميسرة

جناب خدیجہؑ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیانی اعلیٰ درجہ کی امانتداری اور اعظم ترین اخلاق کی خبرین پہونچین تو اونھون نے خود اپنی طرف سے اس تصریح کے ساتھ پیام بھیجا اور درخواست کی کہ آپ میرا اسباب تجارت لیکر میرے غلام میسرہ کے ساتھ شام کیطرف جائین تو مین آپ کو اسکے معاوضہ مین اوس سے کہین زیادہ دونگی جو دوسرے تاجر آپ کو دیتے ہیں۔ ابن ہشام ۶۷ مصر طبری ۱۱۲۷ (حرمین)

طبقات اور مواہب لدنیہ کی عبارات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ تعلقات تجارت قائم کرنیکی مشورت ابوطالب نے دی تھی۔ اور جب اس امر مین آنحضرت صلعم کا انتزاج لیلیا تو حضرت خدیجہؑ سے اسکی خود تحریک فرمائی۔ طبقات جلد ۱ ص ۸۲ زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۱۹۹۔ اگرچہ مندرجہ بالا عبارت سے آنحضرت صلعم کی ترتیب و درستی معیشت کی نسبت حضرت ابوطالب کے خالص مربیانہ طرز عمل ثابت ہوتے ہین لیکن جب اسکے دوسرے پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ابوطالب کی حیا و ہمت جوہر

قناعت پر جو بنی ہاشم کا تمغائے شرافت تھی۔ جیسا کہا جاتا ہے تو ابن ہشام اور طبری کے بیانات و مندرجات صحت و قعت سے قریب تر ثابت ہوتے ہیں۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہؑ کے اس پیام اور مجوزہ انتظام کو سنکر منظور فرما لیا اور ان کے غلام میسرہ نامی کے ہمراہ سامان تجارت لیکر شام کیطرف روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کی حسن تدبیر اور سلیقہ شعاری سے حضرت خدیجہؑ کی تجارت میں اُمید سے زیادہ نفع ہوا۔ میسرہ ایک زمانہ سے اپنی مخدومہ کے کل کاروبار کا مختار تھا۔ وہ بھی آنحضرت صلعم کے خوش خلقی اور لین دین خرید و فروخت میں خوش سلیقگی دیکھکر دنگ ہو گیا۔ معاملات تجارت میں میسرہ نے آپ کی ایسی خوبیاں مشاہدہ کیں جو اسنے دیکھیں کیا کبھی سنی بھی نہیں تھیں۔ کاروبار تجارت سے فراغت پا کر جب قافلہ مکہ میں لوٹ آیا تو میسرہ نے اپنے تمام مشاہدات جناب خدیجہؑ سے دُہرا دیے۔

تمام اہل تاریخ و سیرت نے اسی واقعہ کو حضرت خدیجہ کے میلان خاطر کا باعث بتلایا ہے۔ اور ان کے ساتھ تعلقات تجارت کے سلسلہ میں صرف اسی ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر شبلی صاحب نے صحت کے ساتھ محققانہ طور پر ثابت فرمایا ہے کہ اس سے پہلے بھی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ کے کاروبار میں اپنی غایت درجہ کی خوش سلیقگی حسن معاملت اور دیانت و امانت ثابت فرمائی ہے۔ ان کی مفصلہ ذیل عبارت سے پورا انکشاف حال ہو جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا۔ ان میں جرش[5] بھی تھی جو یمن میں ہے حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپ دو دفعہ تشریف لیگئے اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؑ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۸

ابن ہشام اور ابن سعد کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ کی طرف سے تزویج کی سلسلہ جنبانی شروع کیگئی اور نفیسہ بنت منیہ شادی کا پیام لیکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ابن سعد ان الفاظ میں حقیقت حال کو بیان کرتے ہیں۔

عن نفیسة بنت منیة قلت كانت خديجة بنت خويلد بن اسد بن عبد العزّى بن قصي امراة حازمة جلدة شريفة مع ما اراد الله بها من الكرامة والخير وهي يومئذ اوسط قريش نسبا واعظمهم شرفا واكثرهم مالا وكل قومها كان حريصا على نكاحها لو قدر على ذلك قد طلبوها وبذلوا لها الاموال فارسلتني دسيسا الى محمد صلعم بعد ان رجع

نفیسہ بنت منیہ کا بیان ہو کہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بڑی ہوشیار اور شریف ترین خاتون تھیں۔ ان پر ہمہ خدای سبحانہ تعالیٰ کا ارادہ توفیق خیر و برکت کے ساتھ ان کا رفیق تھا وہ اس زمانہ میں باعتبار حسب و نسب کے اعلیٰ ترین قریش تھیں فضل و شرف کے لحاظ سے بھی اہیں عظیم ترین اور مال و دولت کے شمار سے تمام قریش سے زیادہ متمول اور خوشحال قوم و قبیلہ کے تمام لوگ ان سے نکاح کرنے کے متمنی تھے۔ اور جن الامکان

[5] جرش بالضم و فتح الراء یمن میں ایک شہر ہے۔ یہاں کا چمڑا اور اونٹ مشہور ہے۔ ہمیم ابن خراشہ صحابی اور اسد بن عبد الملک یہیں کے رہنے والے تھے۔ قاموس اللغات۔

فی عیر من الشام فقلت یا محمد ما یمنعک ان تزوج فقال ما بیدی ما اتزوج بہ قلت فان کفیت ذلک ودعیت الی الجمال والمال والشرف والکفاءۃ الا تجیب قال فمن ھی قلت خدیجۃ قال کیف لی بذلک قالت قلت علیّ قال فانا افعل فذھبت فاخبرتھا وارسلت الیہ ان ائت الساعۃ کذا وکذا وارسلت الی عمھا عمرو بن اسد لتزوجھا فحضر ودخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی عمومتہ فزوجہ احدھم طبقات ابن سعد ص ۸۴

اسکے لئے ساعی تھی اگرچہ اسکے لئے جناب خدیجہ اور تمام اموال بھی طلب فرمائیں تو وہ مدد کرنے کے لئے حاضر تھے نفیسہ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؑ نے شام سے قافلہ تجارت کے واپس آنیکے بعد مجھکو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی خدمت میں پیام نکاح لیکر بھیجا میں نے حاضر خدمت ہوکر عرض کی۔ اے محمد صلعم آپ کو اب ایسا بیاہ کرلینے کے لئے کون سے مانع ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے جس سے میں اپنے بیاہ کا قصد کروں۔ میں نے کہا کہ اگر میں اس امر میں آپکی کفالت کروں اور ایک ایسی جگہ آپکی نسبت لگادوں جو صاحب شرف و وجاہت اور صاحب مال و دولت بھی ہو اور آپ کی کفالت بھی کرسکے۔ تو کیا ایسی حالت میں آپ اوسے قبول فرمائیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ کون ہے؟ میں نے کہا وہ خاتون معظمہ خدیجہؑ ہیں۔ ارشاد ہوا وہ کیسے اس امر پر راضی ہوں گی۔ میں نے کہا کہ اسکی ذمہ داری مجھپر ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اچھا میں بیاہ کرونگا نفیسہ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد سنکر رخصت ہوئی اور جناب خدیجہ سے سارا واقعہ بیان کردیا۔ حضرت خدیجہؑ نے آنحضرت صلعم کے پاس اوسی روز نکاح مقرر فرماکر کہلا بھیجا اور اپنے چچا عمرو ابن اسد کو بھی اسکی خبر کردی اور صیغہ تزویج پڑھ دینے کے لئے کہلا بھیجا۔ وقت مقررہ پر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعمام کے ساتھ حضرت خدیجہ کی عصمت سرا میں تشریف لیگئے اور آپکے اعمام میں سے ایک صاحب نے آپ کا خطبہ نکاح پڑھا۔

مولوی شبلی صاحب تزویج کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ واپس آنیکے تین مہینے بعد (سفر شام سے) حضرت خدیجہؑ نے آپ کے پاس شادی کا پیام بھیجا۔ اونکے والد کا انتقال ہوچکا تھا لیکن آپ کے چچا عمرو ابن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کرسکتی تھیں۔ اور اس میں بالغہ یا نابالغہ کی قید نہ تھی حضرت خدیجہ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔ تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسا خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ پانچسو درم طلائی مہر مقرر پایا۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۷

بالغہ کے لئے تو عرب پر موقوف نہیں تمام ممالک اسلام اور غیر اسلام میں بھی یہی حکم و دستور قایم ہے۔ لیکن نابالغہ کے لئے شبلی صاحب کی یہ تعمیم نہ شرعی طریقہ سے ماذون ہے اور نہ عقلی قرینہ سے موزون۔ کیونکہ نابالغہ میں جبتک سن رشد نہیں پایا جائیگا اسکا کسی قسم کا اقرار یا اعتراف قابل اعتبار ہوگا۔ اسلئے احکام شریعت اور قانون حکومت دونوں نے نابالغہ کے عقد نکاح میں ولایت کی ضرورت کو مشروط کردیا ہے اور یہ ایسا عام دستور ہے کہ زیادہ تصریح کا محتاج نہیں اس بنا پر بالغہ اور نابالغہ کا ایک حکم خیال کرنا۔ عام اس سے کہ قبل اسلام ہو یا بعد اسلام شبلی صاحب کی عجلت رقمی ہے۔

ابوطالب کا خطبہ نکاح

شبلی صاحب نے ابیطالب کا خطبہ نکاح پڑھنا تو تحریر فرمایا ہے مگر اوس خطبہ کی عبارت نہیں

نقل فرمائی - ہم جانتے ہیں یہ آپ کی کوتہ قلمی اور اختصار پسندی کا خاص مقام ہے لیکن واقعات کو کامل تفصیل کے ساتھ جا کہ جبکہ وہ بغیر تلاش موجود ہے اور تمام کتابوں میں منقول - لکھنا اور بیان کرنا بھی مولف کا خاص کام ہے - بہرحال امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں - علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں - امام الحرمین برزنجی اسنی المطالب اور امام دولابی نے اس خطبہ کو بیک لفظ تحریر فرمایا ہے - ہم زرقانی سے ذیل میں اس خطبہ کو نقل کرتے ہیں -

الحمد لله الذی جعلنا من ذرية ابراهيم وزرع اسمٰعيل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس ثم ان ابن اخی هذا محمد بن عبد الله لا يوزن برجل الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا وان كان فی المال قل فان المال ظل زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما آجله وعاجله من مالی كذا وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جسيم -

تمام تعریف اوس خدائے بزرگ و برتر کے لئے سزاوار ہے جس نے ہمکو ذریت ابراہیمؑ - اولاد اسمٰعیلؑ - نسل معد ابن عدنان اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہمکو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا - ہمارے لئے ایک ایسا گھر قرار دیا جس کا خلق حج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی کہ جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے اور سوا اسکے خدا نے ہمکو لوگوں پر حاکم بنایا - اما بعد میرا یہ بھتیجا محمدؐ بن عبد اللہؐ سے ہو جس کا اگر کسی شخص سے موازنہ اور مقابلہ کیا جاوے تو ازروئے فضل و کمال و باعتبار شرافت و ذہانت یہی گرانقدر نکلیگا یہ مالداری اور دولتمندی میں کم ہے - مگر مال کیا ہے - ایک ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے اور متغیر اور متبدل ہو جانیوالا حال ہے محمدؐ وہی شخص ہے جسکی قرابت جو کچھ مجھ سے ہے آپ لوگ اوسکو خوب جانتے ہیں - اوس نے خدیجہ سے تزویج کا ارادہ کیا ہے اور اسطرح میں نے اپنے مال سے اوسکے (خدیجہ کے) مہر موجل (رقم مقررہ) اور صداق معجل (رقم مہر جو بروقت ادا کی جاوے) ادا کر دیا - میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمدؐ وہ شخص ہے جسکے لئے کوئی خبر عظیم اور کوئی مہتم بالشان بہرہ یا حصہ نصیب ہونیوالا ہے - زرقانی ۲۴۲-۲۴۳

اس خطبہ کی پوری نقل و شرح کے بعد زرقانی لکھتے ہیں -

عن الدولابی ان ابی طالب قال وقد خطب اليكم راغبا كريمتكم خديجة وقد بذل لها من الصداق ما حكم عاجله وآجله اثنتا عشرة اوقية ذهبا

دولابی لکھتے ہیں کہ خطبہ نکاح میں حضرت ابیطالب کے یہ الفاظ بھی داخل ہیں معاشر قریش میں آپ لوگوں کے سامنے خاتون کریمہ خدیجہؓ کا خطبہ نکاح بطیب خاطر پڑھتا ہوں اور اونکے صداق معجل اور موجل میں بارہ اوقیہ سونا دیتا ہوں -

حافظ جمال الدین محدث شیرازی - روضۃ الاحباب میں ابیطالب کے یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں -

قد خطب ابو طالب خديجة بنت خويلد وقال لها الصداق آجلة وعاجلة عشرون بكرة من مالی -

خدیجہ بنت خویلد کا میں (محمد صلعم کیطرف سے) خطبہ نکاح پڑھتا ہوں اور اونکے مہر موجل و معجل میں بیس مہار اونٹ جو میری ملکیت سے

میں ادا کرتا ہوں۔ روضۃ الاحباب ۱۰۶۔ روضۃ الصفا۔ خاوند شاہ سمرقندی۔ جلد سوم میں بھی یہی الفاظ مرقوم ہیں۔

ورقہ بن نوفل کا خدیجہ کی طرف سے خطبۂ نکاح

علامہ زرقانی واقعۂ تزویج کے سلسلہ میں کتاب منتقی کی سند سے لکھتے ہیں۔

فی المنتقی فلما اتم ابوطالب الخطبۃ تکلم ورقۃ بن نوفل فقال الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا کما علی عددت فنحن سادۃ العرب وقادتھا وانتم اہل ذلک کلہ لا ینکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد محمد بن عبد اللہ علی اربعمائۃ دینار ثم سکت فقال ابوطالب قد احببت ان یشرکک عمھا فقال عمھا یا معاشر قریش اشھدوا انی قد انکحت محمد بن عبد اللہ من خدیجۃ بنت خویلد وشھد علی ذلک صنادید قریش۔

منتقی میں مرقوم ہے کہ حضرت ابیطالب ابیا خطبۂ نکاح ختم کر چکے تو ورقہ ابن نوفل نے یوں تقریر کی۔ وہ خدا قابل ستایش ہے جس نے ہم لوگوں کو ان اوصاف سے موصوف کیا جس کا آپ نے (ابوطالبؑ) ذکر کیا اور ہم لوگوں کو وہ فضائل عنایت کئے جن کا شمار و انحصار آپ نے فرمایا ہم لوگ سردار قوم عرب ہیں اور پیشوائے قوم اور آپ حضرات (بنی ہاشم) وہ بزرگوار ہیں جنکے فضائل سے کسی قبیلہ اور جتھہ کو انکار ہو ہی نہیں سکتا اور آپ کی مفاخر و مشارف پر کسی فرد واحد کو حرف گیری کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم لوگوں نے لطیف طرز آپ حضرات کی دامادی کو منظور کیا تاکہ آپکے مشارف میں شریک ہوا قبول کیا۔ اے معاشر قریش آپ حضرات اسکے گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبد اللہؐ کے ساتھ چار سو دینار مہر پر بیاہ دیا۔ یہ کہکر ورقہ خاموش ہو گئے تو حضرت ابیطالبؑ ان سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ اس تصدیق و شہادت میں خدیجہ کے چچا کو بھی شریک کر لیں۔ یہ سنکر ان کے چچا اسد اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے معاشر قریش آپ حضرات گواہ رہیں کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبد اللہ سے کر دیا۔ تمام صنادید قریش نے اسپر گواہی دی ص ۲۴۴ ج ۲

علامہ زرقانی اس کے بعد منتقی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

فرح ابیطالب فرحاً شدیداً وقال الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب ورفع عنا الھموم

ابیطالب کو اس تزویج سے بڑی مسرت ہوئی اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ہمارے مشکلات و مہمات کو دور فرمایا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و نگرانی اور آرام رسانی کے متعلق حضرت ابیطالبؑ کے تعلقات اور جذبات کا اندازہ کرنا اور ان کو عام واقعات کی طرح پایۂ ثبوت تک پہونچانا۔ اصول فطرت کے خلاف کوشش کرنا ہے۔ ہر باپ کو اپنے بچہ کی محبت ہونا لازمۂ فطرت ہے۔ اسلئے مشاہدات کا ثبوت کیا اور بدیہیات پر بحث کیسی۔ حضرت ابیطالبؑ نے اپنے خطبہ میں ہے ان جذبات کو جن بلیغ اور پُرمعنی الفاظ میں بیان فرمایا ہے وہ انکشاف حقیقت کیلئے کافی ہیں۔ وہ یہ ہیں محمد من قد عرفتم قرابتہ محمد سے میری قرابت کو سب جانتے ہیں۔ اس سے زیادہ کسی انکشاف کی ضرورت تھی اور نہ کسی تفصیل و تشریح کی احتیاج ابیطالب کا وہ خطبۂ نکاح جو اوپر نقل ہو چکا ہے ماسوا اسکے کہ زبان عرب کی فصاحت و بلاغت کا بینظیر و بیمثال نمونہ ہے اور

مفاخر و مشارف بنی ہاشم اور اوسکے خاندانی عظمت و وجاہت کے کمالات کا آئینہ اور حقیقتاً حضرت ابی طالب کے یہ اظہار مفاخرت خودنمائی اور خودستائی کی غرض سے بےموقع اور ناموزون نہین تھے۔ بلکہ مناسبت وقت کے اعتبار سے بالکل مطابق کیونکہ تاریخی مشاہد بتلا رہے ہین کہ جناب خدیجہ کی خواستگاری کیلئے تمام اکابر و عمائد قریش ایسی مرفہ الحالی اور فارغ البالی کے لحاظ سے مدت سے ساعی تھے۔ اونکی تمنا کے خلاف ابیطالب کے ایسے متوسط الحال شخص کے گھر مین حضرت خدیجہ کا بیاہا جانا اور اُس لست پر اُس خاتون ذی اقتدار کا بلاعذر و تامل راضی ہو جانا عموماً حیرت خیز اور تعجب انگیز تھا خصوصاً عمائدین و اکابرین قریش کے اُسی طبقہ میں اسکے باعث اور وجہ کی تلاش دامنگیر تھی جو حصول مدعا سے محروم و ناکام رہ گئے تھے۔ اس بناپر حضرت ابیطالب کو یہ بتلا دینا نہایت ضروری تھی کہ مال و دولت کی کثرت حسی عظمت اور نسبی شرافت کا مقابلہ نہین کر سکتی۔ اسمین شک نہین کہ باعتبار قومیت کے تمام قریش یکسان ہین لیکن تاہم بنی ہاشم کا قبیلہ اپنے اخلاقی و روحانی اوصاف سے اون مین خاص طور پر ممتاز ہے اور صاحب اعزاز اور اونکے یہی مفاخر و مشارف خاص طور پر اس تزویج کے اصلی باعث ہوئے ہین۔ اور انہین اوصاف مخصوصہ کو حضرت ابیطالب نے نہایت وضاحت سے اپنے خطبہ تزویج مین اون الفاظ کے ساتھ یاد دلایا ہے جعلنا حضنة بيته وسوّاس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما امنا وجعلنا الحكام على الناس خدا نے ہمکو اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا نگہبان بنایا اور ہمکو وہ گھر دیا جسکا لوگ حج کرتے ہیں اور اوسکو تمام مخلوق کیلئے جائے امن بنایا اور ہمکو لوگوں پر حاکم بنایا" یہ الفاظ بنی ہاشم کے فضائل و خصائص کو اس اہمیت سے ثابت کر رہے ہین کہ امرا اور رؤسائے قریش کے موجودہ مجمع مین کسی فرد واحد کو عذر و تامل کی مجال نہوئی۔ بلکہ ورقہ بن نوفل نے اپنے خطبہ مین ان تمام مفاخر و خصائص کو معترفانہ طریقہ سے تسلیم کرکے بنی ہاشم کی ترجیح کو تمام قریش کے مقابلہ مین امر مسلّمہ اور مسئلہ مصدقہ ثابت کر دیا ہے۔ حضرت ابیطالب نے مال و دولت کی ہستی ناپائدار و وجود لا اعتبار کو جن الفاظ مین بیان کیا اوس سے بہتر بیان کے لئے کوئی دوسرا طریقہ نہین ہو سکتا تھا۔ اپنے مالی ضعف کے اعتراف کے ساتھ اپنے خاص سرمایہ سے حضرت خدیجہ کا مہر مؤجل و معجل طلائی سکون مین ادا کر دینا اونکی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے اظہار کے ساتھ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ فیاض کا دست فیض کبھی پیچھے نہین رہ سکتا۔

ولیمۂ نکاح تزویج کے متعلق عرب مین قدیم سے ایک خاص اور امتیازی دستور ہے۔ سیرۃ الحلبیہ مین خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ پہلا ولیمہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صرف خاص سے اس تقریب مین تمام قریش کو۔ یا اونکی عبارت یہ ہے۔ وهو اوّل وليمة اولمها صلى الله عليه واله وسلم۔

جناب خدیجہؑ کی طرف سے بھی ولیمہ کا سامان کیا گیا امرت خديجه عمها ان ينحر بكرا من بكرانك واطعم الناس هلم مع اهلك فاطعم الناس حضرت خدیجہؑ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں مین سے ایک اونٹ ذبح کریں اور مع اپنے اہل و عیال کے شریک ہو کر تمام لوگوں کو کھانا کھلوائین چنانچہ تمام لوگوں کو دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت خدیجہؑ کی دعوت ولیمہ مین جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری کا خوشنما منظر اور اس تقریب مین

جانبین کی قلبی مسرت کا عالم۔ صاحب کتاب منتقیٰ نے ان الفاظ میں دکھلایا ہے۔

ودخل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال معہا فقر اللہ تعالیٰ عینہ وفرح ابوطالب فرحا شدیدا

جب دعوت میں آنحضرت صلعم داخل ہوئے تو تمام حاضرین کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور حضرت ابیطالب کو بیحد مسرت حاصل ہوئی۔

واقعۂ تزویج میں بھی بعض غلط بیانات داخل ہوگئے ہیں۔ شبلی صاحب ان واقعات کی صفحہ ۱۳۷ میں ان الفاظ کیساتھ تنقید فرماتے ہیں

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے اور انکی موجودگی میں نکاح ہوا لیکن وہ شراب میں مخمور تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سنکر برہم ہوئے کہ برابر کا جوڑ نہیں لیکن یہ روایت صحیح نہیں امام سہیلی نے بتصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے۔

اسکے علاوہ طبقات ابن سعد میں اگرچہ اس روایت کو نقل کیا ہے مگر پھر ان الفاظ میں تردید بھی کر دی ہے۔

فھذا کلہ عندنا غلط وللثبت عندنا المحفوظ عن اھل العلم ان اباھا خویلد بن اسد مات قبل الفجار وان عمہا عمرو بن اسد زوجہا رسول اللہ صلعم

یہ تمام واقعات میرے نزدیک بالکل غلط اور محض بے اصل ہیں اور صاحبان علم و اطلاع کی محفوظ طریقہ سے جو میرے نزدیک ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اونکے باپ خویلد بن اسد جنگ فجار کے قبل ہی مر چکے تھے۔ اور اون کے چچا عمرو بن اسد نے حضرت خدیجہ کو آنحضرت صلعم کے ساتھ بیاہا تھا۔"

اسی طرح بعض کتابوں میں ایک اور غلط واقعہ اسکے متعلق پایا جاتا ہے۔ جو شاید شبلی صاحب کی نظر سے نہیں گذرا۔ اور اگر گذرا بھی تو آپ نے اوس سے صاف چشم پوشی اختیار فرمائی۔ وہ غلط واقعہ آنحضرت صلعم کی محفل عقد میں حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کا ہے جسکی حقیقت ہم شرح زرقانی سے ذیل میں لکھتے ہیں۔ مواہب لدنیہ کے اس اصل فقرہ کی شرح میں کہ حضر ابوطالب رؤسا مضر فخطب ابوطالب۔ زرقانی کے الفاظ شرح یہ ہیں ھذا ھو الصواب المذکور فی الروض وغیرہ وما فی نسخ ابوبکر رضی اللہ عنہ لا اصل لہ۔ قول صحیح و درست یہی ہے جیسا کہ کتاب روض وغیرہ میں مذکور ہے (ابوطالب اور رئیسان مضر شریک تھے اور ابوطالب نے خطبہ پڑہا) اور کتابوں میں جو حضرت ابوبکرؓ کی شرکت کے متعلق جو لکھا گیا ہے وہ بالکل بے اصل ہے[5]

تعمیر خانۂ کعبہ

اسوقت تک کعبہ ایک مکعب چار دیواری تھی قد آدم اونچی۔ اوسپر چھت نہ تھی۔ نہ دروازہ تھا نہ کواڑ۔ اہل عرب اپنے موجودہ تمدن کے مطابق اوس برہنہ دیواروں کی قیمتی پوششوں سے آرائش کیا کرتے تھے۔ اور ہر سال اپنے کمال عقیدت سے سوزن کار ریشمی پردے چڑہایا کرتے تھے ان دیواروں کی سادگی اور بیقاعدگی اوسکی قدامت اور عظمت کی اصل حقیقت کو بتلاتی تھی۔ ایک بار خوشبودان میں خوشبو سلگ رہی تھی۔ لوگوں کی غفلت سے خانہ کعبہ کے پردے میں آگ لگ گئی۔ اور وہ مشتعل ہو کر چاروں طرف پھیل گئی۔ چھت ہوتی تو نقصان ہوتا برہنہ دیواروں کو تو کوئی حرج نہیں پہونچا۔ لیکن اوپر سے نیچے تک بالکل سیاہ ہوگئیں بعض روایتوں سے ہیبت الٰہی کی یہ بد تما

[5] شرح زرقانی ص ۲۴۲۔

سیلاب ہی قریش کے لئے تعمیر کعبہ کی تجدید کا باعث ہوئی۔ مگر عام طور سے محققین نے ایک دوسرے باعث کو اسکی تعمیر کا سبب بتلایا ہے اور وہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ نشیب میں واقع تھا شہر کے بالائی حصہ سے ہر سال بکثرت پانی آتا تھا اور عمارت کو نقصان پہونچاتا تھا قریش نے اسکی حفاظت کی یوں تدبیر کی تھی کہ اکثر مقامات میں پانی روکنے کیلئے بڑے بڑے بند باندھ دئے تھے لیکن سیلاب کی کثرت ان بندوں کو بھی توڑ دیتی تھی اور پانی کی روانی کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہونچاتی تھی بالآخر قریش نے اسکی از سر نو تعمیر کا مصمم ارادہ کر لیا حسن اتفاق سے ایک جہاز کنارے سے ٹکرا کر بندر جدہ میں تباہ ہو گیا تھا قریش کو اسکی خبر لگ گئی۔ ولید ابن مغیرہ اس موقع کو غنیمت پاکر جدہ پہونچ گیا۔ جہاز تباہ شدہ کی لکڑیاں خرید لیں۔ لکڑیاں بھی مل گئیں اور لکڑیوں کے ساتھ نجار اور معمار بھی مل گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس جہاز پر باقوم نامی ایک نجار تھا اور وہی اُس جہاز کا معمار تھا جہاز کی تباہی کے باعث وہ بالکل آشفتہ حال اور پریشان روزگار ہو رہا تھا۔ باقوم رومی عیسائی تھا بعض اوسکو قبطی الاصل بھی بتلاتے ہیں۔ ولید سے حقیقت اور ضرورت معلوم کرکے باقوم نے تعمیر کعبہ کا وعدہ کر دیا۔ ولید اوسکو اپنے ہمراہ مکہ میں لا یا اور اوسی نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا۔ زرقانی خانہ کعبہ میں آتش زدگی کے واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

روی یعقوب بن سفیان باسناد صحیح عن الزھری ان امرأۃ اجمرت الکعبۃ فطارت شرارۃ فی ثیابھا فاحرقتھا۔

یعقوب بن سفیان نے اسناد صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے خانہ کعبہ میں خوشبو سلگائی اوسکی ایک چنگاری پردے پر پڑ گئی اور پھر تمام جلگیا۔

بقیہ واقعہ تعمیر کے متعلق ابن سعد کے یہ الفاظ ہیں

کانت الحرمۃ مطلۃ علی مکۃ وکان السیل یدخل من اعلاھا حتی یدخل البیت فانصدع فخافوا ان ینھدم وسرق منہ حلیہ وغزال من ذھب کان علیہ در و جوھر کان موضوعا بالارض فاقبلت سفینۃ فی البحر فیھا روم ورأسھم باقوم وکان بانیا فجئتھا الریح الی الشعیبۃ وکانت مرفاء السفن قبل جدۃ فتحطمت السفینۃ فخرج الولید بن المغیرۃ فی نفر من قریش الی السفینۃ فابتاعوا خشبھا وکلموا الرومی باقوم فقدم معھم وقالوا لو بنینا بیت ربنا فامروا بالحجارۃ تجمع وتنقی الضواحی منھا فبینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ینقل معھم وھو یومئذ ابن خمس وثلثون سنۃ ص ۹۳۔ حرمن

شہر مکہ زمین نشیب میں واقع تھا اور بالائی قطعات زمین سے شہر میں اکثر سیلاب آیا کرتا تھا اور خانہ کعبہ تک پہونچکر نقصان پہونچایا کرتا تھا۔ لوگوں کو انہدام عمارت کا خوف ہوا۔ اور پھر اسوجہ سے کہ خانہ کعبہ سے غلاف وغیرہ کی قسم سے کپڑے طلائی ہرن کے وہ دونوں مجسمے جن پر موتی اور دیگر جواہرات جڑے تھے۔ اور وہ زمین میں مدفون تھے چوری چلے گئے تھے اس اثنا میں رومی تجار کی ایک کشتی آئی۔ جس کا رئیس باقوم تھا اور وہی اوسکا معمار بھی تھا۔ باد مخالف نے اُس کشتی کو جدہ سے کچھ دور آگے لا کر ایک کھاڑی میں ڈالدی اور وہیں وہ تباہ ہو گئے۔ یہ خبر پاکر ولید ابن مغیرہ قریش کے اور چند لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر اوس کشتی کے مقام پر پہونچا اور کشتی کی تمام لکڑیاں جمع کرکے خرید کر لیں اور باقوم رومی سے گفتگو کی اور اوسکو اپنے ساتھ مکہ میں لائے اور تعمیر کعبہ پر اوسکو مقرر کیا اور اوسکی ہدایت کے مطابق پتھروں کو مٹی سے صاف کرکے جمع کر لیا۔ انھیں پتھر ڈھونے والوں میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ

آلہ وسلم بھی ساتھ پتھر ڈھوتے تھے۔ اسوقت سن مبارک پینتیس سال کا ہو چکا تھا۔
تعمیر کے سب ضروری اسباب فراہم ہو چکے تو عمارت موجودہ کے گرانے کی ضرورت ہوئی۔ خدا کا گھر کون ڈہائے سب کے پائے عقیدت میں لغزش تھی۔ کوئی اس مقدس عمارت کے انہدام پر نہ ہاتھ اوٹھاتا تھا اور نہ پاؤں بڑہاتا تھا سمجھانے والے سمجھاتے تھے کہ یہ گرانا عین اوٹھانا اور یہ انہدام عین قیام و استحکام عمارت ہے۔ الغرض اس مشکل کو بھی ولید بن مغیرہ نے دور کیا اور سب سے پہلے گرانے کے قصد سے کعبہ کی دیوار پر چڑہ گیا۔ تاریخ طبری میں ہے۔

فقال ولید ابن مغیرۃ انا ابدءکم فی ھدمھا فاخذ المعول ثم قام علیھا وھو یقول اللھم لا ترع اللھم لا نرید الا الخیر ثم ھدم من ناحیۃ الرکنین فتربص الناس بہ تلک اللیلۃ وقالوا ننظر فان اصیب لم نھدم منھا شیئا ورددناھا کما کانت وان لم یصبہ شیء فقد رضی اللہ ما صنعنا فھدمنا فاصبح الولید بن المغیرۃ من لیلتہ غادیا علی عملہ فھدم والناس معہ حتی انتھی الھدم الی الاساس طبری ۱۳۵ اول ص

ولید بن مغیرہ نے کہا کہ میں اسکے انہدام کا کام شروع کرتا ہوں چنانچہ وہ کدال لیکر دیوار پر چڑہ گیا اور کہنے لگا اے پروردگار تو غصہ میں نہ آ میری نیت سوائے خیر کے کچھ اور نہیں ہے یہ کہکر ڈہانا شروع کر دیا اور دونوں رکن تک کے سروں تک گرا کر کام ختم کر دیا۔ تمام ہو گئی تمام اہل مکہ کو رات بھر عجیب بے چینی تھی اور سب آپس میں کہتے تھے کہ کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آئے گی۔ کیونکہ خانہ کعبہ کی کوئی شے آجتک ڈہائی نہیں گئی تھی کہ پھر اپنے مقام پر نہ ہو یا رکھی گئی ہو۔ اگر رات بھر میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو سمجھا جائیگا کہ خداوند عالم ہمارے اس انہدام کے عمل سے رضامند ہو گیا۔ حاصل یہ کہ وہ رات حیرت سے گذر گئی صبح کو ولید ابن مغیرہ نے پھر اپنا کام شروع کیا اور لوگ بھی اسکے شریک ہو گئے۔ یہاں تک کہ دیواریں کھد کر بنیاد و تک پہونچ گئیں۔

انہدام کعبہ کے خوف و عذاب کی طرف سے جب قریش کو اطمینان ہو گیا تو تمام قبیلوں نے آپس میں انہدام کا کام شروع کر دیا اور سب نے ملکر اسکو انجام دیا۔ اسکے آغاز کے وقت ابو وہب جو رسائے شہر اور شرفائے قریش میں ایک مشہور و معروف بزرگ تھے۔ اور رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ماموں ہوتے تھے۔ مقامی حاضرین کو مخاطب کرکے فرمانے لگے۔ ابن ہشام۔ ابن سعد طبری اور زرقانی نے اونکی تقریر ان الفاظ میں قلمبند کی ہے۔

یا معشر قریش لا تدخلوا فی بنیانھا من کسبکم الا طیبا لا تدخلوا فیھا مھر بغی ولا بیع ربا ولا مظلمۃ احد۔ ابن ھشام۔

اے گروہ قریش بنیاد کعبہ میں وہی شخص داخل ہو سکے کسب معاش کے طریقے ذریعہ حلال سے ہوں وہ شخص نہ آمین اگر رہے جسکے ذمہ مہر باقی ہو۔ یا جو سود لیتا دیتا ہو۔ یا جس نے کسی پر ظلم کیا ہو۔

اس تحریر و تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود عہد جہالت کے قریش میں خاص احتیاط کرنیوالے معدودے چند حضرات اسوقت بھی موجود تھے بہرحال۔ بنیادیں کھد کر صاف ہو گئیں۔ خدا کا گھر بننے لگا بڑے بڑے مالدار اور صاحب ثروت و اقتدار خدا کے بندے۔ پہاڑ سے اپنے سروں پر پتھر ڈھو ڈھو کر لانے لگے۔ صیما النبی صلعم یحمل الحجارۃ من اجیاد

انھیں لوگوں میں جناب رسول اللہ صلعم بھی بیارے پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے۔ صحیح بخاری میں اس اضافہ کے ساتھ ہے کہ اس محبت مشقت کی حد سے آپ کے دونوں شانے چھل گئے تھے۔ یہ حامل الوحی کے خلوص عبودیت کا مقدمہ ہے۔

موجودہ تعمیر میں نوایجاد اضافات

سلسلہ تعمیر اسی طرح جاری رہا۔ عمارت بنتی رہی۔ خدا کے عقیدت مند بندے کمال خلوص و عقیدت سے کام کرتے رہے۔ اونکے مجموعی خلوص میں کوئی کمی نہیں آئی لیکن عین وقت پر سامان عمارت کم ہو گیا۔ ان سامانوں میں دیواروں کی ضرورت کی چیزیں گھٹ گئیں جو عرب میں وقت پر ملنی دشوار تھیں۔ چھت کی کڑیاں بھی کم ہو گئیں۔ جو کسی طرح فراہم نہ ہو سکیں۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ قریش نے قدیم بنیادوں کے طول و عرض پر اپنی موجودہ تعمیر کا کام آغاز کیا تھا اور موجودہ لکڑیوں سے اونکے مطابق کافی ہو جانے کا اندازہ لگایا تھا۔ مگر جب دیواریں کھچکر ایک حد تک اگئیں تو اونکو اپنے غلط اندازہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ ان لوگوں نے طول و عرض میں تو کوئی اضافہ کیا نہیں تھا۔ لیکن سیلاب کے آجانے اور نقصان پہونچانے کے حفظ ماتقدم کے خیال سے عمارت کی بلندی میں پہلے سے دوگونہ اضافہ کر دیا تھا۔ بالآخر آپس کی مشورت سے اس مشکل کو یوں طے کر لیا کہ لکڑی کے موجودہ اندازہ تعداد کے موافق تیار شدہ عمارت پر چھت بنا لیجائے باقی عمارت زمین پر صرف چار دیواری بنا کر چھوڑ دیجائے۔ سال آیندہ لکڑی فراہم کر کے بنائی جائے گی۔ اسی صلاح پر اتفاق کیا گیا۔ ایک نئی دیوار کھینچکر بقیہ زمین محدود کر دیگئی صرف چار دیواری کھینچ دی گئی۔ جو حطیم کے نام سے مشہور ہے اور بقیہ زمین پر خانہ کعبہ کی عمارت تعمیر کیگئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ہونیکے حالات کو تفصیل کے ساتھ عربی کی تاریخوں میں کسی مورّخ نے ایسا نہیں لکھا جیسا کہ علامہ عبد الرزاق صاحب کتاب اخبار مکہ نے۔ ہم اونکی اصل عبارت ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فلمّا اجتمع لهم ما يريدون من الحجارة والخشب وما يحتاجون اليه غدوا الى هدمها فهابت قريش هدمها وقالوا من يبدء فيهدمها فقال الوليد بن المغيرة انا ابدء كم في هدمها انا شيخ كبير فان اصابني امر كان قد دنا اجلي وان كان غير ذلك لم يرزئني فعلا البيت في يده عتلة لهدمها فهدمت قريش معه بها فهدمت قريش معه حتى بلغوا الاساس الذي رفع عليه ابراهيم واسمٰعيل القواعد من البيت فلمّا اجمعوا اخرجوا من النفقة قلت ما النفقة ان تبلغ لهم عمارة البيت ويتركوا بقية في

جب پتھر اور لکڑی سب جمع ہو گئے۔ تو قریش نے کعبہ کے ڈہانے کا ارادہ کیا مگر سب وہم و وسواس میں گرفتار رہتے اور ڈرتے تھے کہ اگر ڈہا دیں گے تو خدا جانے کیا آفت آئیگی۔ ولید بن مغیرہ نے اپنا دل کڑا کیا اور کہا کہ میں ڈہانا شروع کرتا ہوں میں بوڑھا تو ہو ہی گیا ہوں اگر کچھ آفت آئیگی تو کیا مرے مرنے کے دن تو قریب آہی چکے ہیں چنانچہ ولید بن مغیرہ کعبہ کی دیوار پر چڑھا اور کدال سے ڈہانا شروع کیا پھر سب ملکر ڈہانے لگے اور بنیاد تک جس پر سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے بنائی شروع کی تھی کھود کر برابر کر دیا جب ڈہا چکے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سامان اونھوں نے جمع کیا ہے وہ اس سکے بنانے کو کافی نہیں ہے۔ آخر کار سب نے ملکر مشورہ کیا اور اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ بنیاد تعمیر گھٹا دیجائے اور

الحجر عليه حذاراً ما أرادوا يطوف الناس من ورائه ففعلوا ذلك وبنوا في بطن الكعبة أساساً يسندون عليه من شق الحجر كي لا يمر من ورائهم من بناء البيت في الحجر ستة أذرع وشبر ثم استووا على ذلك فلما وضعوا أيديهم في بنائها قالوا ارفعوا بابها من الأرض واكبسوها حتى لا تدخلها السيول ولا ترقى إلا بسلم ولا يدخلها إلا من أردتم إن كرهتم أحداً دفعتموه ففعلوا ذلك ص ۱۰۹ - اخبار مکہ للعلامہ الازرقی

امکان اور سامان کے مطابق ہو اوسیقدر عمارت بنائی جائے اور بقیہ بنیاد چھوڑ دی جائے اور اوسپر صرف چار دیواری کھینچ دی جائے ۔ لوگ بیت کے باہر سے اوسکا طواف بجالایا کریں ۔ اِس مجبوری کی وجہ سے اونکو اصل عمارت کے اندر سے ایک نئی دیوار بنانی پڑی ۔ اور یہی دیوار عمارت موجودہ کی آخری دیوار قرار پائی ۔ جسقدر کہ اصل کعبہ سے رہیں (حطیم علیحدہ کر دیگئی) وہ چھ گز اور چھ بالشت ۔ ان لوگوں نے کعبہ کو چار گز اور ایک بالشت کی کرسی دی اور اسقدر اونچی کرسی پر دروازہ رکھا تاکہ سیلاب کا پانی پھر اندر نہ گھسے اور کوئی شخص بغیر سیڑھی کے نہ چڑھ سکے اور اس ترکیب سے جسکو چاہیں نہ جانے دیں ۔

محمد الامین

الغرض خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت طول میں گھٹاکر اور ارتفاع میں بڑھا کر تکمیل کے قریب پہونچگئی ۔ اور حجر الاسود کے نصب کا وقت آگیا تو اس قدیم اور قابل التعظیم پتھر کو اس کے مقام پر رکھنے کے لئے قریش میں جھگڑا چلنے لگیں ہر شخص اس سرشیانی کے لئے خواہشمند ہوا اور اس اعزاز کے حصول کے لئے آپس کا اصرار بڑھتے بڑھتے پہلے تکرار پھر جنگ و پیکار کے درجہ تک پہونچگیا ۔ قریشیوں میں سب سے زیادہ قبیلہ عبد الدار کشت و خون پر تیار ہو گیا ۔ طبری میں اسکی حسب ذیل تفصیل لکھی ہے ۔

حتى إذا بلغ البنيان موضع الركن اختصموا فيه كل قبيلة تريد أن ترفعه إلى موضعه دون الأخرى حتى تحاوزوا وتحالفوا وأعدوا للقتال فقربت بنو عبد الدار جفنة مملوءة دماً ثم تعاقدوا هم وبنو عدي بن كعب على الموت وأدخلوا أيديهم في ذلك الدم في الجفنة

یعنی جب حجر الاسود کو اپنے مقام پر نصب کرنیکا وقت آگیا تو ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ میں اسکو اسکے مقام پر رکھوں ۔ اس بنا پر سب کے سب آپس میں جدا جدا مخالف ہو گئے ۔ اور قسم کھا کھا کر جنگ و جدال کے لئے مستعد ہو گئے بنی عبد الدار تو یہانتک پرجوش ہو گئے جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت قسمیں کھانیکا دستور تھا کہ اونہوں نے ۔ خون تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا اور دستور جہالت کے مطابق اپنے اور بنی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ہاتھ اوس خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈلوائے ۔ گویا کہ کشت و خون پر نہایت استقلال سے اپنی آمادگی کا اعلان کیا ۔

خیریت تھی کہ قریش کے تمام قبیلے بات پر جوش تھے اور بات بات پر سرپرخاش لیکن تاہم اونکی انانیت اور مخالفت کیا کم تھی نتیجہ یہ ہوا کہ کامل چار دن گذر گئے اور وہ باخود باہم مشورہ سے اس امر کو تصفیہ نہ کر سکے خدا کے بندے خدا کا گھر تو بناتے تھے لیکن اپنا گھر بگاڑ رہے تھے حقیقی بندہ پرور کو یہ کب منظور ہو سکتا تھا ۔ اِسلئے اُس نے اپنے نظام کبریائی کی خاموش تدبیر سے ایک ایسی تدبیر نکالدی کہ اوسکا گھر بھی بنگیا اور قریش کی بات بھی بن گئی ۔ ولید ابن مغیرہ نے اونکو یہ کہکر راضی کر لیا کہ اس امر کو قدرت کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جاوے ۔ ذاتی انتخاب و تعین موقوف کیا جاوے ۔ جو شخص کل صبح کو سب سے پہلے خانہ کعبہ میں

داخل ہو وہی اس منصب جلیل کو انجام دے۔ خدا کو مات منانی تھی سب لوگوں نے یہ شرط مان لی جس اشتیاق و اضطراب میں قریش نے یہ رات کاٹی ہوگی۔ واقعہ کی اہمیت بتلا رہی ہے۔ خدا کی قدرت کی کس کو خبر۔ اوسکی مشیت کا کس کو علم صبح کو خدا کے گھر میں جو شخص سب سے پہلے داخل ہوا وہ قریشیوں کا الامین تھا اور رسول رب العلمین عرب جسقدر جہالت میں یکے تھے اوسیقدر قول و قرار میں سچے۔ اول تو نقص اقرار اور خلاف معاہدہ ہونیکی وجہ سے اب انکو تامل کی کوئی وجہ باقی نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ اس عہدۂ جلیلہ کی نسبت جناب رسول خدا صلعم کی ہر طریقہ و عنوان سے موزونیت اور صلاحیت انکے تامل و عذر کیلئے کوئی شوشہ پیدا نہیں کرسکتی تھی اس لئے جمال جہان آرا پر نظر پڑتے ہی ہر شخص کی زبان سے اہلاً و سہلاً کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابن ہشام نے ذیل کی عبارت میں اسکی تفصیل کی ہے۔

فمکث قریش علی ذلک اربع لیالی او خمسین ثم انھم اجتمعوا فی المسجد وتشاوروا وتناصفوا فزعم بعض اھل الروایۃ ان ابا امیۃ ابن المغیرۃ وکان یومئذ اسن قریش کلھا فقال یا معشر قریش اجعلوا بینکم فیما تختلفون فیہ اول من یدخل من باب ھذا المسجد یقضی بینکم فیہ ففعلوا فکان اول من دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلما راٰہ وقالوا ھذا الامین رضینا ھذا محمد صلعم ص ۶۷ مطبوعہ مصر

انہیں امور کے تصفیہ میں قریش کو چار یا پانچ راتیں گذر گئیں۔ آخر کار مسجد میں جمع ہوئے اور اس امر کے تصفیہ کی بابت مشورت کرنے لگے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابا امیہ (ولید) بن مغیرہ جو قریش میں اوسوقت سب سے زیادہ معمر تھا کہنے لگا کہ اے قریش تم لوگ ان باتوں کا یوں تصفیہ کرلو کہ کل صبح کو جو شخص اس مسجد کے دروازے سے پہلے داخل ہو وہی اس خدمت کو انجام دے۔ سبنے اسی پر اتفاق کرلیا صبح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا۔ وہ جناب رسولخدا صلعم تھے جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چلا اوٹھے یہ تو ہمارے امین ہیں یہ تو محمد (صلعم) ہیں ہم لوگ انہیں پر راضی ہیں۔

قریش تو راضی ہوگئے۔ مگر امین آلہی کی عدالت تنہا اپنی شرفیابی اور امیدواریں کی محرومی پر راضی ہوسکی اوس خلق مجسم نے اونکے شرفیاب و منتاب ہونیکی نہایت آسان اور سہل ترکیب نکال لی۔ اپنی ردائے مبارک بچھادی سنگ اسود کو اسمیں رکھکر قریش کے قبائل اربعہ کے چار ممتاز ترین اشخاص کو بلایا۔ اور ردائے مبارک کا ایک ایک گوشہ اونکے ہاتھوں میں دیدیا اور اسطرح اس رداکو اوٹھا کر حجر الاسود کے مقام پر لے آئے۔ یہ لوگ اوس رداکو اوٹھائے رہے آپنے دست مبارک سے حجر الاسود کو اوسکے مقام پر نصب کردیا۔ ابن ہشام ان الفاظ میں اس واقعہ کو لکھتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ھلم الی ثوبا فاتی بہ فاخذ الرکن فوضعہ فیہ بیدہ ثم قال لتاخذ کل قبیلۃ ماحیۃ من الثوب ثم ارفعوہ جمیعا ففعلوا حتی بلغوا بہ موضعہ وضعہ ھو بیدہ ثم بنی علیہ ص ۶۷

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ایک کپڑا لاؤ سب لاؤ آپنے اپنے دست مبارک سے حجر الاسود کو اوسمیں رکھا پھر فرمایا ہر قبیلہ اس کپڑے کے گوشہ کو پکڑلے اور اونچا کرے سبنے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ اوسکو اصلی مقام لے آئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنے دست مطہر سے اسکو اوٹھا کر نصب کردیا۔

حقیقتاً یہ ذات رسالت کی برکت تھی جس نے اس آسانی اور سہولیت سے قریش کی مخاصمت کو رفع دفع کردیا۔ نہیں تو آپس کی کشت و خون سے خانہ کعبہ نہا جاتا۔ اور پانی کی جگہ خون کا سیلاب حرم محترم میں چاروں طرف آجاتا۔ ظاہر میں تو عمارت کی ابتدائے تعمیر کا یہ پتھر نصب کیا گیا تھا لیکن حقیقت میں خانہ خدا کی تکمیل عظمت کا یہ سنگ آخری تھا جو ختم رسالت اور خاتم نبوت کے دست مطہر سے اسوقت رکھا گیا۔ مولوی شبلی صاحبؒ نے بھی اس خصوصیت کی نسبت اشارہ فرمایا ہے سیرۃ النبی صفحہ ۱۴۳ کے زیر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں "یہ ایک حدیث کیطرف تلمیح ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں" لیکن میرے نزدیک یہ صرف تلمیح نہیں ہے بلکہ اس واقعہ کی تصریح اور کرشمۂ قدرت کی کامل توضیح ہے۔ رسالت کی برکت سے قریش کی جہالت کا ایک بہت بڑا فساد عظیم جو ایک دن برپا ہونیوالا تھا رک گیا اور وہ نزاع باہمی سے علیحدہ ہو کر بڑی سرگرمی سے عمارت کی تکمیل پر متفق ہوگئے۔ اور پھر جبتک کہ اسکی عمارت کا کام ختم نہ ہولیا۔ اونمیں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوا۔ یہ رسالت کے فیصلۂ کامل کا اثر تھا۔

بالآخر عمارت کعبہ بن گئی۔ مگر کیسی بنی؟ عمارت ابراہیمی سے طول و ارتفاع میں جو کچھ فرق پیدا ہوا تھا اوسکو ہم اوپر بتلا آئے ہیں۔ اور اختلافات جو واقع ہوئے۔ اونکو ہم اخبار مکہ کی اصلی عبارت سے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

فبنوا حتى ارتفعوا اربعة اذرع وشبر ثم كبسوها و
وضعوا بابها مرتفعا على هذه الذرع فقال لهم باقوم
الرومي اتحبون ان تجعلوا سقفها مكبسا او مسطحا
فقالوا ابن بيت ربنا مسطحا قال فسوه مسطحا و
جعلوا ست دعائم في صفين في كل صف ثلاث دعائم
واجعلوا ارتفاعها من خارجها من الاسفل الى اعلاها
ثمانية عشر ذراعا وكانت قبل ذلك تسعة اذرع
فزادت قريش ارتفاعها في السماء تسعة اذرع اخرى وجعلوا
ميزابها يسكب في الحجر وجعلوا درجة من خشب في
بطنها في الركن الشامي يصعد منها الى ظهرها

جب یہ نزاع رفع ہوگئی تو تعمیر شروع ہوئی جتنا کہ کعبہ پہلے زمین سے اونچا تھا۔ قریش نے اس سے دوگونہ بلند کیا یعنی زمین سے اٹھارہ گز اونچا اور پہلے صرف نو ہی گز تھا۔ جب دیواریں بن چکیں تو باقوم رومی نے پوچھا کہ اسکی چھت کیسی بنائی جائے بنگلہ نما یا چورس۔ سب نے کہا کہ ہمارے خدا کے گھر کی چھت چورس بناؤ۔ تب باقوم نے اوسکے عرض سے چھ ستون دو قطاروں میں اس عرض سے بنائے کہ ہر قطار میں تین ستون پڑ گئے۔ اور اون پر چورس چھت بنا دی۔ (غالبًا اسقدر لمبی لکڑی نہیں تھی کہ پورا شہتیر پڑ جاتا اس سبب سے بیچ میں ستون بنانے کی ضرورت ہوئی اور شاید اسوجہ سے باقوم نے بنگلہ نما چھت بنانی چاہی ہوگی تاکہ قینچی پڑ جائے اور بیچ میں ستون بنانے نہ پڑیں) چھت کا پرنالہ اوسی جگہ میں ڈالا۔ جو چھوڑ دیگئی تھی (حطیم) میں اور کعبہ کے اندر ایک لکڑی کی سیڑھی چھت تک بنائی اور چھت میں ایک روشندان رکھا جس سے کعبہ کے اندر اجالا بھی رہے اور اسمیں سے حسب ضرورت ہو کعبہ کی چھت پر چڑھ جاویں۔ ترجمہ منقول از خطبات سرسید احمد خاں صفحہ ۵۲۹

مفصلۂ ذیل تفصیل سے قدیم اور موجودہ پیمایش پورے طور سے معلوم ہو جائیگی۔

حضرت ابراہیم عم کی عمارت

بلندی۔ زمین سے چھت تک ۹ گز

طول ۔ حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ گز

عرض۔ رکن شامی سے رکن غربی تک ۲۲ گز

طول ۔ رکن غربی سے رکن یمانی تک ۳۱ گز

عرض ۔ رکن اسود سے رکن یمانی تک ۲۰ گز

رکن شامی	۳۲ گز	رکن اسود
۲۲ گز		۲۰ گز
رکن غربی		رکن یمانی

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۱۲ میں علامہ ازرقی کی تحریر سے عمارت ابراہیمی کی جو پیمایش لکھی ہے۔ وہ صرف ایک ہی جانب کے طول و عرض کی تصریح لکھکر ختم کر دی گئی ہے۔ بقیہ دو طرف کی پیمایش کو یہ خیال کر کے پڑھنے والے دو طرف کی پیمایش کو بحساب مساوی خود سمجھ لیں گے نہیں لکھا ہے۔ آپ کی اس کوتہ قلمی سے بہت بڑی غلط فہمی کی بنا ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص اس حساب پیمایش سے عمارت کعبہ کو مربع سمجھے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کعبہ کی عمارت ایک تو مکمل مکعب ہے نہ مربع اور اسی رعایت سے اس عمارت مقدسہ کا نام کعبہ رکھا گیا۔ تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے علامہ ازرقی کی جس عبارت سے اس پیمایش کو لکھا ہے اسکو پورا پڑھا بھی نہیں لیا جس میں دونوں طرف کی پیمایش میں اختلاف صاف صاف درج ہیں۔ اور جسکو ہم نے اوپر کا نقشہ کھینچکر پوری تفصیل سے دکھلا دیا ہے۔ شبلی صاحب کے ایسے محقق کی یہ کوتہ قلمی کہی جائے یا عجلت رقمی۔ سر سید نے شبلی صاحب سے زیادہ صحیح اور صاف طور پر دو عمارتوں کا اختلاف پیمایش دکھلایا ہے۔ حالانکہ ماخذ دونوں کا وہی علامہ ازرقی کی کتاب تاریخ اخبار مکہ ہے۔

تربیت حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام

حضرت علیؑ کے گھر بسنے سے پہلے رسولؐ کا گھر بس چکا تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس برس کے ہو چکے تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے اس زمانہ میں آپ کے صرف مشاغل تجارت کا ذکر کیا ہے اور آپ کے کسی اور خاندانی تعلقات اور ذاتی واقعات پر جن سے آپ کے محاسن اخلاق اور صلہ رحم کی رعایت ثابت ہوتی ہے کوئی توجہ نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ذرا سی زحمت گوارا فرمانیکے بعد یہ واقعات چھوٹی بڑی کتابوں میں سیرت و تاریخ کی موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے مدعائے تالیفی سے زاید سمجھکر قلمزد فرما دیا ہو۔ یا اسکے مخفی رکھنے جانے میں آپ کی کوئی غرض خاص حائل ہو گئی ہو۔

بہر حال اسی زمانہ میں حضرت علی مرتضےٰؑ کی نوبت پرورش تعلیم و پرداخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذمہ لی اور انہی وقت سے شہر علوم ظاہری و باطنی کے دروازے اس کمسن صاحبزادے پر کھلنے لگے۔ حضرت علیؓ کا سن

مبارک اسوقت دس برس کا محقق ہوتا ہے۔ ہشام۔ طبری اور ابن سعد نے صورت واقعہ یوں لکھی ہے۔

وکان ابا طالب ذا عیال کثیر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم للعباس عمہ وکان من ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاک ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ من بنیہ رجلا فنکفھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا ابا طالب فقالا انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتی ینکشف عن الناس ما ھم فیہ فقال لھما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم علیا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی ابن ابی طالب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حتی بعثہ اللہ نبیا فاتبعہ علی فآمن بہ وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ

طبری ص ۱۱۶۴

حضرت ابیطالب کثیر العیال تھے۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت عباس سے جو اوسوقت تمام قبیلہ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ فارغ البال اور خوش حال تھے ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپ کے بھائی کثیر العیال ہیں (ابوطالبؑ) اور اسوجہ سے تنگ حال۔ ہم لوگوں کیلئے مناسب ہے کہ اونکی عیالداری کے بار کو ہلکا کردیں اسطرح سے کہ اونکے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو ہم آپ اپنے اپنے ذمے لیں حضرت عباس نے اس مشورت کو قبول فرمایا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ابیطالبؑ کے پاس تشریف لائے اور اپنی مشورت سے اونکو مطلع فرمایا یہ سنکر ابوطالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو باقی دو بچوں کیلئے جو آپ دونوں صاحب چاہیں انتظام کرلیں یہ سنکر جناب رسول اصلعم نے علی مرتضیٰؑ کو لیکر اپنے عیال میں ملالیا اور پھر اوسوقت تک کہ جناب رسولخدا صلعم درجہ نبوت پر فائز ہو لیئے اور علیؑ نے آپکی تصدیق فرمائی اور آپ پر ایمان نہ لائے آپ سے علیحدہ نہ ہوئے۔ اسی طرح عباسؓ نے جعفر کو لیکر اپنے عیال میں شامل کرلیا۔ اور جعفر بھی اوسوقت تک کہ آنحضرت پر ایمان نہ لائے اور اپنی معیشت کے کاروبار خود نہ کرسکے حضرت ان سے جدا نہ ہوئے۔

اس واقعہ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اون قلبی تعلقات اور دلی جذبات کو پورے طور سے ثابت کردیا جو آپ کو اپنے خاندان کے ساتھ عموماً اور حضرت ابیطالب کے ساتھ خصوصاً ہمیشہ دل سے لگے رہتے تھے یہ رعایت صلۂ رحم کے جیسی مقتضیات سے تھے۔ ابوطالب کے ساتھ خصوصیت تو صرف اسی سے ظاہر ہے کیجائے اسکے کہ پہلے عباس کو بھائی کی عسرت اور خرچ عیالداری کی کثرت کا فطرتاً خیال ہونا چاہتا تھا۔ مگر اسکے قبل خود جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور اپنے عم محترم کی رفع تکلیف کا انتظام فرمایا۔

اس کا سبب بالکل صاف ہے اور باعث بالکل ظاہر۔ اور وہ یہ ہے کہ اخلاق الٰہی کا وہ پیکر مجسم اور حقیقی رحمت عالم پانچ برس کے سن سے لیکر پچیس برس کے سن تک حضرت ابی طالب کے اشفاق و احسان کے مختلف طریقوں اور ذریعوں کو مشاہدہ فرما چکا تھا اور وبالوالدین احسانا کے بتلائے ہوئے اصول اخلاق کے موجب ان محاسن سلوک سے سبکدوش

وسکبار ہونیکے مناسب اور مستحسن طریقے پر اور موقع ہمیشہ زیر نظر رکھا گیا تھا۔ صرف مناسبت وقت اور مصلحت کا انتظار رہا۔ چونکہ موجودہ زمانہ مناسبت اور مصلحت دونوں کے اعتبار سے موزوں تھا اس لئے اون رعایات کی ادا کاری کا یہ مستحسن طریقہ اختیار فرمایا گیا اور غالبًا اس صلۂ رحم نبویؐ کی ادا کا یہ پہلا موقع ہے انتخاب و الحاق جناب علی مرتضیٰ کی تو یہ ظاہری صورت قائم ہوتی ہے لیکن حقیقت پر کامل نظر کرنے والے تو صاف صاف بتلا دینگے کہ خدا نے جسطرح تمام قریش اور تمام بنی ہاشم میں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب فرما لیا تھا اوسی طرح اوسکے رسولؐ نے حکم خدا سے تمام بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب میں حضرت علی مرتضیٰ کو چن لیا اور وہ اپنے اس دعوے کو کہ انفسنا کی نص صریح اور انا و علی من نور واحد (جمع الفوائد - مناقب المغازلی - فردوس الاخبار دیلمی ینابیع المودۃ قندوزی ص ۹ مطبوعہ بمبی) سے مستنبط اور مستخرج بتلائینگے۔

افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے اس واقعہ کو جو اس اہتمام طبری اور زرقانی وغیرہ تمام کتابوں میں درج ہے بالکل قلم زد فرمایا ہے۔ آپ کے اس تجاہل عارفانہ کی وجہ محصوری کو ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں لیکن باوجود اس کے مولوی صاحب کو اسکی اصلیت کا اقرار کرنا پڑا اور اسی سے ایک حقیقت شناس پر اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت ظاہر ہوگئی۔ چنانچہ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۵۰ میں سابق الاسلام حضرات کے تذکرہ میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ تھے۔ جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اگرچہ استغنا ہی کے انداز میں یہ مبہم الفاظ لکھے گئے ہیں مگر ہم ایسے اس اختصار کے بھی بہت گذار ہیں۔ یہ بھی غنیمت ہے مولوی شبلی صاحب کی تحریر کا یہ خاص انداز ہے کہ ایک مقام پر جس شے سے انکار ہوتا ہے۔ دوسرے مقام پر اوس کا اظہار و اقرار بھی کر دیا جاتا ہے۔ آپ کا یہ تلوّن بھی ایک خاص لطف رکھتا ہے۔

قبل نبوت سیر و نجات میں تجارت کی غرض سے سفر

سیرۃ النبی ص ۱۳۶ جلد اول میں مرقوم ہے۔ مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں۔ قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرے کو اور وسعت دی ہے ایک مورخ (مارگیولوس) اپنی تاریخ کے صفحہ ۱ میں لکھتا ہے کہ آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا۔ جسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے۔ مورخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور ڈیڈسی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا۔ لیکن تاریخی و قرآن سے خالی ہیں۔

سیرۃ النبی کے جامع مولوی سید سلیمان صاحب ندوی اپنے استاد کی مرقومہ بالا عبارت پر حاشیہ زیر صفحہ میں یہ نوٹ دیتے ہیں۔

یورپین مورخین۔ جنکی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں

لیکن اگر بحرین تشریف لیجانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا۔ بحر ہیت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے۔ کیونکہ اس کا موقع عرب اور شام کے درمیان میں ہے جہاں سے کئی بار مال تجارت کے ساتھ گذرے ہونگے۔ زیر حاشیہ ص ۱۳۸۔ سیرۃ النبی۔

اوستاد و شاگرد کے اس اختلاف رائے کو دیکھکر ہمکو سخت تعجب ہوتا ہے۔ مولوی شبلی صاحب مخالفین اسلام کے خوف اعتراض کی وجہ سے۔ جو اونکی خاص عادت ہے۔ قیاس و رائے کی بااعتباری۔ اور کتب تاریخ میں اُن واقعات کی عدم موجودگی کی بناپر۔ انکی اصلیت سے انکار کرتے ہیں لیکن مولوی سلیمان صاحب واقعہ بحرین سے جسکو شبلی صاحب خود اوپر لکھ چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر بحری کے اوس خیال و قیاس کی تائید کرتے ہیں جنکی بناپر مخالفین اسلام کو اپنے قیاسی مفتریات اور فسادات کے طوفان اوٹھانے کا پورا موقع ملجاتا ہے افسوس ہے مولوی سلیمان صاحب نے پہلے تو یورپین مصنفین کے قیاس پر عیب لگایا ہے۔ پھر واقعہ بحرین سے آنحضرت صلعم کے خلیج فارس کا معائنہ اور بحر ہیت کے مشاہدات کا پتہ بتایا ہے۔ یہ بھی تو سلیمان صاحب کا صرف قیاس ہی قیاس ہے کسی کتاب سے مستنبط تو نہیں۔ تو پھر عرض خدمت یہ ہے کہ اگر آپ کے اوستاد نے۔ ان واقعات سے تاریخی دفتر خالی پاکر۔ اس زاید از ضرورت بحث کو تمام کردیا تھا تو کیا بُرا کیا تھا۔ آپ اپنے خاص مختار پر نظر ڈالئے۔ آپ اور آپ کے اوستادوں قیاس کو معیوب ٹھیراتے ہیں لیکن صرف مخالفین اسلام ہی کا قیاس بُرا اور قابل الزام ہے یا اہل اسلام کا بھی۔ انصاف کا مقتضی تو یہ ہے اور اصول اخلاق کی تعلیم تو یہ ہے کہ عیب یا نقص کسی قسم کا ہو۔ وہ تمام اقوام و مذاہب میں یکسان اور مساوی بُرا اور قابل اعتراض سمجھا جاوے اس لئے یہ کبھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ اسلامی مولفین کے قیاس و آرا صحیح ہوں اور مخالفین اسلام کے قیاس غلط۔ قیاس و رائے کسی کی بھی ہو۔ اگر صحیح ہے تو ضرور ماننے کے قابل ہوگی۔ اور اگر غلط ہے تو چاہے کتنے ہی بڑے اسلامی یا غیر اسلامی عالم کی ہو۔ کوئی بھی نہ مانے گا۔

اس اصول کے مطابق تحقیق کا متلاشی جب تلاش کرنے لگتا ہے تو قیاس و رائے کی اہمیت اور اتباع کو مخالفین اسلام سے زیادہ متبعین اسلام کے دائرے میں اور خصوصاً اوس کثیر التعداد طبقہ میں کثرت سے پاتا ہے جو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کوفی کی تقلید و اقتدا کا شرف حاصل کئے ہوئے ہیں۔ افسوس ہے کہ حیائے ایمانی اور غیرت اسلامی مجھکو اس سے زیادہ انکشاف حقیقت کی اجازت نہیں دیتی۔ اور میں اتنی ہی اشارت کو صاحبان بصیرت کے سمجھ لینے کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔

مولوی شبلی صاحب نے مارگیولوس کی غلط فہمی کی تردید تو کردی۔ مگر صرف قیاس کی کمزور دلیل سے۔ اس کمزوری کی وجہ وہی مخالفین کے اعتراض کا خوف ہے یہ بھی آپ کا کمزور قیاس ہے جو وہم کے یقینی درجہ تک پہونچا ہوا ہے ہم بار بار مخالفین اسلام کے ان معویانہ تعریضات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ جس سختی سے وہ مفسدانہ اعتراض کرتے ہیں ادسی

شدت کے ساتھ معقولانہ جواب بھی اونکو دینا چاہیئے۔

اچھا وہ کہتے ہین کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے سفر بحری کیا۔ اور اپنے اس مختار کو آپ کے اقرار کردہ سفر بحرین سے مستنبط بتلاتے ہین اور مولوی سلیمان صاحب بھی اس بنا پر اونکے اس قیاس کی تردید قطعی کو جو آپ فلسفہ فرمائی ہے پسند نہین کرتے بلکہ اونکے اس قیاسی مختار کی تائید کرتے ہیں۔ تو اونکے (یوروپین مورخین) اس قول کی تردید مین ہم صاف صاف اور کھلے الفاظ کے ساتھ لکھدینگے کہ بحرین تک آپ کا سفر کرنا اور راستہ مین خلیج فارس کے ساحل کا معائنہ فرمانا اور پھر اسی طرح بقول سلیمان صاحب بحر سیت کا جو عرب و شام کے درمیان مین واقع ہے۔ ملاحظہ فرمانا بھی صحیح ہے۔ اور تھوڑی دیر کیلئے یہ بھی مان لیا جاوے کہ مارگیولوس کا وہ غلط قیاس جو اوس نے محض عالمفریبی کی غرض سے قایم کیا ہے اور آپ کی بحری سفر کرنے کو لکھا ہے وہ بھی درست ہے اور پھر اس سفر سے اوس کا یہ مراد لینا بھی کہ انھیں مشاہدات بحری کو خیالات و خدیات مختلف طریقون سے قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں صحیح ہین۔ ان تمام فرضی اعتراضات کے بعد بھی تو ان مفویانہ ترکیب و ترغیب سے مخالفین کا نہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ مدعا حاصل نہ خدا کے سچے رسولؐ (صلعم) کی تکذیب ہوتی ہے نہ اوس کی سچی کتاب کی تردید مخالفین کا یہ قیاس در قیاس اور یہ وہم بالائے وہم البتہ اوسوقت اعتبار کے قابل سمجھا جاتا۔ جب (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو بھی انجیل مقدس کی طرح پولوس۔ متی۔ شمعون۔ اور یوحنا کی تالیفات بتلایا جاتا۔ اوسوقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ عبارات و الفاظ قرآنیہ مین۔ اسکے مولف (نعوذ باللہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تجارب تاجرانہ اور مشاہدات سفر وغیرہ کے اقتباسات داخل ہین۔ قرآن مجید کو ہم بخلاف انجیل کے۔ انسانی تالیف و تصنیف نہین سمجھتے۔ بلکہ اوسکو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً کلام الٰہی سمجھتے ہین اور اوسکی تمام و کمال عبارت مین بقدر ایک شوشہ کے بھی کلام انسانی کی مداخلت کو صحیح نہین جانتے۔ ایسی حالت میں پھر ہم ان معاندانہ قیاسات کو عام اس سے کہ وہ ہمارے کیسے ہی صحیح ماخذون سے مستنبط بتلائے جائین۔ جب معارض شان قرآن ہوتے ہین تو کیسے صحیح مان سکتے ہین طرفہ تر تو یہ ہے کہ ہمارے ماخذون پر بھی یہ جھوٹا الزام ہے اور ناحق اتہام۔ وہ صرف بحرین اور شام کے علاقون مین بغرض تجارت آپ کا تشریف لے جانا بیان کرتے ہین اور ان علاقون سے آپ کی پوری واقفیت ثابت کرتے ہین سوا اس مین آپ کے کسی سفر بحری کا نہ آپکے کسی مشاہدہ کا کہیں کوئی ذکر ہے نہ مذکور۔ پھر ان ماخذون سے ایسے مغویانہ اور معاندانہ نتیجے نکالنا۔ یوروپین مورخین کی صاف اور بالکل کھلی ہوئی عالمفریبی ہے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ ہمکو اپنے معترض کی حیثیت اور شخصیت پر بھی تو نظر رکھنا چاہیئے۔ پہلے سمجھ لینا چاہیئے کہ معترض کون ہے۔ ایک عیسائی ہے جسکی آسمانی کتاب نہ خدا کی بھیجی ہوئی اور نہ رسول کی بھوجائی ہوئی ثابت ہوتی ہے۔ بلکہ اوسکے پیغمبر کے وہ اقوال ہین جو اسکے چار مختلف صحابیون کے لکھائے ہوئے ہین۔ اور پھر وہ بھی آپس مین مختلف۔ اس لئے نہ وہ خدا کی کتاب کہلاتی ہے اور نہ اوسکے رسول خاص کے نام سے موسوم کیجاتی ہے بلکہ کہی جاتی ہے۔ متی کی کتاب۔ لوقا کی کتاب پولوس کی کتاب وغیرہ وغیرہ اس بنا پر یہ بالکل یقینی ہے کہ ان کتب اربعہ میں۔ جنھیں برائے نام انجیل مقدس کہا جاتا ہے انسانی خیالات و جذبات کا مجموعہ ہے۔

مارگیولوس کے نزدیک چونکہ اوسکی کتب مقدسہ کی عظمت و اہمیت اتنی ہی ثابت ہوتی ہے اس لئے وہ قرآن مجید کو بھی اسی پیمانہ پر خیال کرتا ہے۔

مارگیولوس کے ان لغویات کی تردید نہایت آسانی سے اسطرح کر دی تھی کہ پہلے اوسکو عہد عتیق و جدید کی وہ عبارتیں دکھلائی جاتیں جس سے انسانی خیالات و اقتباسات کا پورا پورا اثر ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل آسان تھا۔ عہد جدید سے زیادہ تو عہد عتیق میں اسکی کثرت تعداد مثالیں موجود ہیں افسوس ہے کہ یہ بحث ہماری موجودہ تالیف کا اصلی موضوع نہیں ہے اس لئے ہم اوسکی مفصل انکشاف حقیقت سے مجبور ہیں۔ ورنہ ہم کتب قدیمہ توریت و انجیل سے نکال کر ایک مارگیولوس کیا تمام عیسائی مصنفین اور یورپین مورخین کے آگے پیش کر دیتے اور دکھلا دیتے۔ اور پھر اون سے پوچھتے کہ بتلاؤ یہ خدا کے الہامی مضامین ہیں یا تمہارے انبیاء و مرسلین کے سفرناموں اور روزنامچوں کے مضامین اس سوال کا وہ جواب جو دیتے وہی ہمارا اور تمام اہل اسلام کا جواب اون کے قائل اور ساکت کرنیکے لئے کافی تھا۔

ایک اور طریقہ اونکے ساکت کرنیکا نہایت قوی اور مستحکم یہ بھی تھا کہ مناظر بحرین کی تفصیل کے لئے تو عبارت قرآنی پر خیالات انسانی کے اظہار کا قیاس کیا جاتا ہے اور یہ مفتریانہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حامل قرآن روحی فداہ نے ان عبارات میں ایسے ذاتی اقتباسات ظاہر فرمائے ہیں اس لئے کہ یہ مناظر آپ کے مشاہدے میں پہلے آچکے تھے لیکن اور حقائق اشیاء عالم کی نسبت جو قرآن میں متعدد اور متفرق مقامات میں بیان کئے گئے ہیں۔ اونکے لئے کیا توضیح پیش کیجائیگی مثلاً ابر و باد کی خلقت۔ نباتات کی پیدائش۔ انسان کی ترکیب خلقت اور اوسکے مراتب۔ دریا۔ پہاڑ۔ نباتات۔ جمادات یہانتک کہ شہد کی مکھی تک کی ضرورت خلقت بالکل اسیطرح بتلائی گئی ہے جسطرح آجکل بڑے بڑے کالجوں میں مشہور و معروف علم کائنات کی عالم اور پروفیسر بتلاتے ہیں۔ تو کیا مارگیولوس اور اوس کے ہمطریق اور ہمخیال عیسائی مورخین ہمکو کسی ایسے معلم یا کسی ایسی تعلیمگاہ کا پتا بتلا سکتے ہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علم و اطلاعات حاصل کی ہوں۔ یا کسی میوزیم یا لائبریری میں کم سے کم آپ کا تشریف لیجانا اور وہاں خلقت اشیاء کی ان ترکیبوں کا مشاہدہ فرمانا ثابت کر سکتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں کر سکتے۔ تو ان مفتریانہ عالمفریبیوں سے نہ قرآن کی حقانیت میں کوئی کمی آسکتی ہے۔ اور نہ اوس حامل وحی اور عالم علم لدنیہ کی صداقت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے۔

اب حقیقت حال کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے بحرین اور علاقہ شام تک سفر کئے اور ضرور کئے۔ وہ محض تجارت کی ضرورت سے۔ اب اس سفر میں آپ نے نظام قدرت کے عجائب و غرائب جس حد تک مشاہدہ فرمائے۔ اوس سے ازدیاد معارف الٰہی اور حصول حقائق مخلوقات مقصود تھے اور کچھ نہیں۔ باقی رہا جملہ اشیاء عالم کی ترکیب اونکے طبائع خواص اور عمل کے انکشافات کا علم تو وہ علم لدنیہ اور کمال نبوتیہ کے متعلق تھا جو آپ کو نبوت کے ساتھ ودیعت کیا گیا تھا تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے عام طور سے یہ کیونکر لکھدیا کہ یورپین مصنفین عیب کے قائل نہیں۔ دھریوں سے

صحت نہین۔ انکے سوا وہ اور جسقدر یورپ مین مصنفین اور مورخین ہین وہ ضرور عیب کے قائل ہین۔ اگر قائل نہون تو وہ عیسائی نہیں رہ سکتے عیب کا انکار کیا تو حضرت عیسیٰؑ کی رسالت ہی غائب ہوگئی۔ اس بنا پر یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ کٹے عیسائی ہیں جو ایسے صرف حسد و نفسانیت کی غرض سے صرف اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی تصدیق و معرفت میں عالمصریبی کی خاص غرض و نیت کے ساتھ قدم قدم پر ایسی ایسی مسلسل دشواریان پیدا کرتے ہین جو کسی طرح قابل توجہ نہین ہوسکتیں۔

مراسم شرک سے اجتناب حکما و علما کا خاص مسلمہ ہے اور عقل و حکمت کا عام کلیہ کہ طبیعت انسانی فطرت خالص پر مخلوق ہوئی ہے ایسی طبیعت والون سے اچھے بُرے دونون اقسام کے اعمال صادر ہوسکتے ہین لیکن طبیعت انسانی میں مخصوص وہ طبائع ہوتے ہین جو انوار ہدایت سے معمور اور آثار نبوت کے جوہرون سے مالامال پائے جاتے ہین۔ اونکی خلقت ابتدا ہی سے فطرت صالحہ پر قائم ہوتی ہے اور ایسی پاک طبیعت کے بزرگون سے اچھے کامون کے سوا بُرے کامون کا صدور و ارتکاب ناممکن ہوتا ہے فطرت صالحہ کے اصول پر مخلوق کئے جانیوالے بزرگوار اس سے قبل کہ وہ مدارج نبوت اور مناصب ارشاد و ہدایت پر فائز فرمائے جائین۔ اپنی فطرت صالحہ کے اثر و فیضان سے اچھے کامون کی طرف ہمیشہ رغبت رکھتے ہین اور بُرے کامون سے نفرت ابتدا ہی سے اچھے کامون کا اختیار کرنا اور بُرے کامون سے اجتناب کرنا گویا اونکی تعلیم و ارشاد تمثیلی کا پہلا زینہ ہے۔ وہ اپنے ہمچشمون اور ہمعصرون کو اپنے طریقہ اور اطوار دکھلاکر اچھے بُرے کامون مین تمیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہین۔

اسی اصول پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل از نبوت تمام حالات و معاملات پر غور کرنے سے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کبھی اون امور کیطرف توجہ نہین ہوتے تھے۔ جو خدا کی طرف سے بُرے بتلائے گئے تھے۔ اور اون امور کو اختیار فرماتے تھے۔ جو قدرت کی جانب سے جائز اور مستحسن ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ مسلم ہے کہ کل محاسن اور مآثم کی حقیقت آپ پر قبل نبوت بھی اوسیطرح ظاہر تھی جس طرح بعد نبوت لیکن اوسوقت اختیار و اجتناب اپنی ذات تک محدود تھا۔ کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اعلان فریضۂ نبوت تھا جو اوسوقت تک تفویض نہین ہوا تھا اور یہ اوسی کا فیض اور اوسی کا تقاضا تھا کہ بچپن سے شباب اور شیب کے زمانون تک (جو کہ چالیس برس کے ہوچکے تھے اور نبوت نہین پائی تھی) آپ نے کبھی معبود حقیقی کو چھوڑ کر کسی غیر معبود کا اعتراف نہین کیا۔ جس کعبہ کی تعمیر مین اس محنت اور جانفشانی سے اینٹ پتھر ڈھوئے تھے۔ اوس میں ایک معبود کی جگہہ تین سو ساٹھ بت شب و روز پوجے جاتے تھے۔ اوسی مقام اور مکان مین آپ کی روزانہ آمد و رفت تھی۔ بیشمار اور ہزار ہزارون ہزار آدمی مکہ اور بیرجات سے آکر اون غیر حقیقی اور مصنوعی معبودون کے آگے سر جھکاتے تھے۔ ٹکریں لگاتے تھے۔ یہ کافرانہ اور مشرکانہ مشاہدات روزانہ نظر اقدس سے ملاحظہ فرمائے جاتے تھے۔ مگر چاہیے اس سے کسی اثر یا دلچسپی کی کوئی کیفیت آپ کے قلب نورانی پر

مستولی ہوتی ہو۔ قطعی نہیں اور بالکل نہیں۔ ان کیفیتوں کے خلاف جو ان مشاہدات سے قلب مبارک پر جو اثر ہوتا تھا وہ انکی کافرانہ غفلت کا اور مشرکانہ جہالت کا۔ انوار نبوت سے پُر اور مملو دل ابتدا ہی سے دردمند ہوتے ہیں اور یہ عالم و کیفیت اوسی فطرتی دردمندی کے خواص تھے۔

ان امور کفر و شرک میں نعوذ باللہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا از مہد الی اللحد کسی زمانہ یا کسی وقت میں انہماک و اشتغال منافی اخلاق۔ معارض فطرت صالحہ کیا مناقص شان رسالت ثابت ہوتا ہے۔ اون امور سے بھی جو صرف نامشروع منسوب الی الکفر یا مشتبہ بالشرک ہوتے تھے بالکل ویسا ہی احتراز و اجتناب اختیار کیا جاتا تھا جیسے خاص اون اعمال ذمیمہ کے ارتکاب و انہماک سے۔

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نبوت کے ان اوصاف مخصوصہ کے اظہار و اقرار ان الفاظ میں فرما کر "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جبکہ منصب پیغمبری سے ممتاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے" (سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۹) پھر اپنے اس اعتراف سے اختلاف کرتے ہیں اور گویا جمہور کی اس کلیہ مسلمہ اور مسئلہ متفقہ کو مشتبہ قرار دیتے ہیں اور اپنی دانست میں عیسائیوں کے اس استدلال کی تنقید و تردید فرماتے ہیں جو آنحضرت صلعم کی عصمت کو عہد نبوت اور تفویض منصب رسالت کے وقت سے قرار دیتے ہیں۔

حقیقت ہے کہ شبلی صاحب نبوت و رسالت کی اصلی شان و حقیقت ہی کو نہیں سمجھے ہیں۔ اسلئے اونکا خاص لکھا ہوا مصرع اونکے حسب حال ہے ع ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجاست۔ اول تو سیرت و تاریخ کی موضوع تالیف میں عقائد کی بحث پیش کرنا خلاف سیاق ہے خصوصاً اپنے معتقدات کے متعلق غیروں کے اعتراضات کو بیان کرنا مخالف اور معارض استدلال ہے۔ اگر مناسب مقام کی رعایت سے یہ خیال کر کے کہ مخالفین کے بے بنیاد اور بے سر و پا اعتراضات انہیں مقامات سے شروع ہوتے ہیں۔ اس خارج از بحث بیان کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تاہم سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ کی تنقید و تردید سے عیسائی مخالفین کی تعریضیں بے اصل ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ بخلاف اسکے صحیح بخاری کی متعدد روایات مسند امام حنبل و غیرہم کے موضوعات و مہملات کے کافی ثبوت مل جاتے ہیں اس مضمون کے متعلق شبلی صاحب کی اصل و حاشیہ کی مفصلہ ذیل عبارت استدلال ملاحظہ ہو (الف) ایک دفعہ قریش نے آپکے سامنے کھانا لاکر رکھا یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپنے کھانے سے انکار کر دیا" اس روایت پر بر صفحہ یہ حاشیہ چڑھایا گیا ہے۔

صحیح بخاری باب المناقب۔ ذکر زید بن عمرو بن نفیل یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے اونکے الفاظ میں اجمال رہگیا ہے۔ جو اوس روایت میں صاف ہو گیا ہے مسند امام حنبل (جلد اول ص ۱۸۹) میں ایک روایت ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا" لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا۔ اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا حقیقت ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۳۹

آپ کی اس تنقید سے معلوم ہوگیا کہ عیسائیوں کے مندرجہ بیانات اونکی خاص مخترعات و مصنوعات نہیں ہیں بلکہ آپکی مشہور اور معتبر کتابوں سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ جن الفاظ و معانی میں معترضین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے وہ متواتر ابواب میں امام بخاری صاحب نقل فرما چکے ہیں اور تنہا بخاری صاحب نے نہیں بلکہ اونکے اوستاد اور شیخ الشیوخ امام احمد ابن حنبل صاحب نے بھی اپنی مسند کی جلد اول صفحہ ۱۰۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ معترفانہ طور پر خود بھی اسکا اعتراف فرماتے ہیں تو اتنے اور ایسے اعترافات کے بعد آپ ہی بتلائیں کہ آپ کی تنقید و تردید کا کیا وزن رہ جائے گا۔ اب اپنی موجودہ تنقید کی تفصیلی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

آپ کے پاس صحیح بخاری کی کل ایک روایت اون متعدد روایات کی نقیض موجود ہے جسکو آپ نے اوسکی اصل عبارت کے ساتھ لکھا ہے اور اوسکو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ اوس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں واقعہ یہی ہے کہ قریش نے ایک دعوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بتوں پر چڑہائے ہوئے جانور کا گوشت رکھکر کھلانا چاہا تھا آپ نے انکار کردیا اور نہ کھایا۔" شبلی صاحب غالبًا معترضین کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اس روایت پر اعتبار فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے یہ حدیث اور ابواب میں بھی لکھی ہے۔ اوسکے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہوگیا ہے" اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ حدیثیں جو بخاری کے اور ابواب میں مذکور ہیں۔ وہ معترضین کی علی الاکثر موافق اور موید ہیں جنکے اتفاق و تائید کو آپ صرف اجمال رہجانے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ مگر یہی ایک روایت ہے جس سے معترضین کی تائید نہیں ہوتی۔"

اب آپ مندرجہ بالا تفصیل سے اپنی تنقید و تردید کی شان و انداز کو دیکھ لیں کہ آپ کا یہ عذر کیسا ضعیف ہے کہ میرے چار دعوں یا باتوں میں تین جھوٹی ہیں اور ایک سچی۔ اب شبلی صاحب اپنے امام بخاری صاحب سے پوچھنے کا پورا موقع اور اطمینان رکھتے ہیں اور دریافت کرسکتے ہیں کہ ایک امر کو متعدد اور متواتر مقامات پر بطریق اجمال لکھا اور آخر میں مفصل طور پر لکھدیتے میں آپ نے کیا خوبی رکھی ہے اور اس سے کیا فائدہ سمجھا ہے" دو باتیں تھیں۔ اول یہ کہ اگر امام بخاری کو یہ امور منافی شان نبوت حقیقتًا معلوم ہوچکے تھے۔ تو ان جزئیات کو کتاب میں درج ہی نہ فرمایا ہوتا اور اسی آخر والی روایت کے نقل پر اکتفا فرمائی ہوتی۔ اور اگر منافی نبوت نہیں معلوم ہوئے تھے تو پھر آخر روایت کو لکھنا نہیں چاہتا تھا یہ اجتماع ضدین کی موجودہ ترکیب و ترتیب تو ضرور فساد کا باعث ہوگی۔ معتقدین بخاری سمجھیں یا نہ سمجھیں گو خواہ سمجھیں بھی تو سمجھکر رہ جائیں لیکن مخالفین تو چپ رہنے کے نہیں۔ وہ تو آپ کی اس غلط ترکیب سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے اور رائی کو پربت کر دکھلائیں گے۔

اس صورت حال کا دوسرا رخ مشاہدہ فرمایا جاوے۔ اب آپ مسند امام حنبل سے اِس واقعہ کی وہی مدعا صورت دکھلاتے ہین۔ جو معترضین بیان کرتے ہین تو گویا بخاری سے پہلے بھی واقعہ کی یہی مدعا صورت آپ کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے جس کا آپ خود لکھکر اقرار کر چکے ہین تو اس بنا پر واقعہ متواتر بھی ہو گیا اور قدیم بھی۔ اس تواتر اور قدامت کے جواب میں۔ آپ صرف یہ تحکمانہ فیصلہ کرتے ہین کہ "اس روایت کے راویون کا حال نہین ملتا۔ اور یون بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے"

آپ کی تنقیدی جواب کا پہلا حصہ کہ اس روایت کے راویوں کا حال نہین ملتا صریح دروغ الوقتی ہے کیونکہ مسند احمد بن حنبل مین سلسلہ روایت موجود ہے۔ رجال کی ایک نہین متعدد کتابین خدا کے فضل سے آپ کے پیش نظر ہین ایک ایک راوی کی تصدیق و تکذیب اور جرح و تعدیل کیون نہ فرمائی گئی۔ مگر آپ کو تو ایک گونہ خود اس کا یقین ہے کہ اسکے راوی صحیح ہین تب تو لکھا جاتا ہے کہ یون ہی بخاری کے سامنے اسکی کیا وقعت ہے۔ شبلی صاحب یہ یون بھی کیا ہے اسکے معنی تو یہ ہوئے کہ اگر روایت امام حنبل کے رواۃ تمامتر صحیح بھی ہون تو بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے اب راویوں کی صحت کا معاملہ نہین رہا۔ امام بخاری و حنبل کی ترجیح و فضیلت کا مسئلہ پیش ہو گیا"۔ ہم تو کہدینگے کہ یہ آپ کی خود غرضی ہے اور محض بخاری پرستی"۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کے اس غلط اصول کو مانین گے بھی تو وہی جنھون نے تمام حدیث کی کتابون مین سے صحاح کو منتخب کیا اور پھر صحاح مین صحیح بخاری کو سب پر ترجیح دی مخالف کو آپ کی اس ترکیب کی پابندی کیون ہونے لگی۔ اور مسند امام حنبل کے مقابلہ مین صحیح بخاری کی اس تصدیق و توثیق کی نسبت آپ کے اس چیلنج کو وہ کیون ماننے لگے۔ اور آپ خود بھی غور کر لین اور سمجھ لین کہ اگر سواد اعظم مین کوئی شخص ایسے اعتراض پیش کرتا تو اوسکے مقابلہ مین آپ کو اس چیلنج دینے کا حق حاصل تھا کیونکہ وہ صحیح بخاری اور مسند حنبل کی اہمیت کو جانتا تھا۔ لیکن ایسی قوم و گروہ کے مقابلہ مین جو بخاری اور امام حنبل کی مرویات سے اپنے مدعا کو دکھلاتا ہے اور اون کے فرق مابہ الامتیاز کو اور راویوں کی جرح و تعدیل کو نہین جانتا۔ آپ کو اس چیلنج کے پیش کرنیکا کیا حق حاصل ہے اور دنیا کی انصاف پسند طبیعتین آپ کے اس طریقہ استدلال کو کب مان سکتی ہین۔

صاف تو یہ ہے کہ آپ اس چیلنج کی نمایشی لفاظیون سے عیسائیون کو مرعوب کرنا چاہتے ہین یہ کیون نہین کہتے کہ نہ ہین نے رسول اللہ صلعم کی اصل شان پہچانی اور نہ ہمارے امام بخاری صاحب نے نہ امام حنبل صاحب نے علماء متقدمین نے عقائد کی درستی اور معرفت خدا و رسول ص کے صفات و مدارج کی ترتیب و ترمیم کی تو اوسوقت ضرورت محسوس فرمائی ہے جب اونکو حکمائے معتزلہ سے مقابلہ کرنا ہوا ہے۔ ورنہ اس سے ڈیڑھ سو برس پہلے بے دیکھے بے سمجھے بوجھے ہر طرح کی حدیثین۔ ہر قسم کی روایتین اس کثرت سے بن چکی تھین کہ بقول آپ کے۔ ایک امام زہری کی تصنیفات اونٹون پر لادکر لائی گئین تھین"۔ تو پھر اب بتلائیے ان جامعین حدیث کا اس وقت مدعا کیا تھا جمع حدیث یا ترتیب عقاید کتابین

دیکھئے حالات دیکھئے واقعات پڑھیئے معلوم ہو جائیگا کہ اسوقت ان جامعین حدیث کی نظر صرف تجمیع حدیث پر تھی ورنہ ترتیب عقاید کو نہ دیکھتے تھے اور نہ اونکا یہ کام تھا۔ انہیں امام احمد حنبل صاحب کی مرویات فی العقاید کو موجودہ اصول عقاید سے مقابلہ فرمایئے جو اصولیین عقاید نے قائم کئے ہیں تو آپ آسمان زمین کا فرق پائیں گے۔

اس بنا پر عیسائیوں کے جواب میں آپ کو بخاری صاحب یا ابن حنبل صاحب کی اہمیت سے ذرا بھی بحث کرنی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان تمام مرویات خلاف عقائد کی نسبت۔ عام اس سے کہ وہ بخاری میں ہوں یا مسند امام حنبل میں یا کسی اور کتاب میں۔ آپ کو یہ کہدینا پڑیگا کہ اسلامی اصول عقاید کے مخالف جو بالکل قرآن مجید اور قول صحیح رسولؐ سے منضبط ہیں کوئی روایت عام اس سے کہ اسلام کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں کیسی ہی معتبر اور مستند ذریعہ و اسناد سے درج ہو نہ قابل قبول ہے نہ قابل عمل۔ ایک یہی طریقہ استدلال معترضین کے مقابلہ میں چل سکتا ہے۔ دوسرا نہیں کیونکہ ہمارے معترضین اوس عقیدے کے لوگ ہیں جنکا خدا نہ منزہ بالذات ہے اور نہ رسولؐ مبرا عن الخطئیات۔ اسلئے وہ تو ضرور آپ کی ماخذوں سے اون غیر مفید اور غیر مستند مرویات کو ڈھونڈھ نکالیں گے جن سے اونکے عقائد فاسد کی تائید و تطبیق ہوتی ہو ایسی حالت میں ابتدا ہی سے تفریق عقاید کے معقول اصول پر استدلال قائم کرنا چاہیئے۔ نہ بخاری صاحب کی علو شان پر اور ابن حنبل صاحب کے غلط بیان پر شبلی صاحب یا تو اصول عقاید کے استحفاظ فرمالیں۔ یا تقلید اسلاف کا لحاظ کرلیں اور اگر وہ چاہیں کہ استحفاظ عقائد بھی ہو اور اسلاف کی تقلید کی صحت بھی تو یہ غیر ممکن ہے وہ جس کا یہ طریقہ استدلال تو اسلام کی خانہ جنگیوں کے عنوان اور شبلی صاحب کی خاص جنبہ داری کی داستان شروع کردیگا۔ جو اور بھی اسلام کی تضحیک و تضعیف کا باعث ہوگا۔

(ب) شبلی صاحب کی دوسری روایت یہ ہے کہ۔ نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ (آنحضرتؐ) کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا چنانچہ آپنے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبد العزیٰ رکھا تھا۔ یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں۔ اونھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اسلئے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہٖ ثابت بھی نہیں۔ اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے۔ اس کا اول راوی اسمٰعیل بن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اسکی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے۔

(۱) معویہ ابن صالح۔	اسمٰعیل اور اوس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔
(۲) یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے۔
(۳) امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔

(۴) نصر بن مسلمہ مروزی — وہ کذاب ہے۔

(۵) دار قطنی — میں اسکو صحیح حدیث کے لئے پسند نہیں کرتا۔

(۶) سیف بن محمد — وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے۔

(۷) سلمہ بن شبیب — اس نے مجھ سے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۱۴۰

شبلی صاحب کے اس استدلال کا انداز تو پہلے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ پہلے طریقہ استدلال میں اگر زیادہ نقیض روایتیں تھیں۔ اور گو ایک ہی سہی مگر موافق اور موید حدیث بھی موجود تھی۔ جسکو آپ نے بڑی شان سے چیلنج دیکر دکھلایا۔ لیکن یہاں تو بخاری صاحب کا اقرار ہے اور وہ خود لکھکر اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبدالعزیٰ رکھا تھا (نعوذ باللہ) اس سے ثابت ہوا کہ معاذ اللہ آپ کو اس زمانہ تک عزیٰ کی معبودیت کا اسیطرح اعتراف و اقرار تھا جسطرح اور قریش کو تب تو اپنے لڑکے کا نام عبدالعزیٰ رکھکر اوسکا انتساب عزیٰ کی عبدیت کی طرف منسوب کیا (العیاذ باللہ)

شبلی صاحب۔ اب ہمیں سے سمجھ لیں کہ آپ بخاری کی ایسی مفید اور مقبول السند کتاب سے اپنے مخالفین خصوصاً یورپ میں محققین کو کیا چیلنج دیتے ہیں۔ لطف تو یہ ہے کہ پہلے واقعہ میں تو اس کتاب کی تصدیق و توثیق کا چیلنج دیا جاتا ہے اور پھر دوسرے واقعہ میں جب کسی تاویل سے کوئی کام نہیں نکلتا تو مصداق۔ عذر گناہ بدتر از گناہ اوسی چیلنج دادہ اصح الکتاب کی خود تنقید و تردید فرمائی جاتی ہے۔ اور اوسکے راویوں کو دروغگو۔ فریبی۔ چور۔ سب کچھ لکھا ثابت کیا جاتا ہے۔

آپ ہی فرمائیں کہ آپ کا یہ انداز استدلال دیکھکر مخالفین مضحکہ نہ کریں تو اور کیا کریں۔

اب یہ تو فرمائیں کہ سلسلہ رواۃ میں ایک راوی (اسمٰعیل بن ابی اویس) کو جسے آپ جھوٹا اور چوٹا بتلاتے ہیں تھوڑی دیر کے لئے وہ ویسا ہی مان بھی لیا جاوے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخاری صاحب کیسے بزرگ تھے جنہوں نے جھوٹے سچے۔ ایماندار بدکار کی کوئی تمیز نہیں کی۔ اور آنکھ بند کرکے ایسے جھوٹے راویوں کے غلط مفتریات کو اپنی کتاب میں بھر دیا۔

یہ تو بخاری صاحب کی محدثانہ شان تھی۔ اب اپنی شان محققانہ ملاحظہ فرمائی جاوے۔ وہی سلف کی قدیم اصول تقلید کے مطابق آپ نے پہلے تو حمایت بخاری کی غرض سے تاویل کرنی چاہیے اور چونکہ موضوع بحث رسول اللہ صلعم کی ذات ہے۔ اسلئے شبلی صاحب کو بڑی مشکل پیش آئی۔ رسول اللہ صلعم کی عصمت بھی قائم رکھنی اور امام بخاری کی عزت بھی اس مشکل سے نکلنے کا آپ نے ایسا عمدہ مسلک طریقہ اختیار کیا جس سے بخاری صاحب کی تو خیر عزت سنبھل گئی لیکن رسول اللہ صلعم کی حرمت پر دھبہ آ گیا۔ یہ سب آپ کی ناحق پرستی کا نتیجہ ہے۔ آپ بخاری صاحب کی حمایت میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت صحیح

بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلعم کی نسبت کیونکر استدلال ہوسکتا ہے۔ اسکی تاویل یوں کی جاتی ہے حضرت خدیجہ ؓ اسلام سے
پہلے بت پرست تھیں۔ انھوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت ؐ ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لئے
آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ آپ ہی کہئے کیسا ضعیف جواب اور کیسی شرمناک تاویل ہے،،

افسوس ہے کہ آپ نے پہلے یہ لکھا۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد آخر آپ کو لکھنا پڑا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں مگر آپ نے کیسے پہلے لکھ دیتے۔ آپ کو تو بخاری صاحب کی بھی عزت سنبھالنی تھی۔ اس ضرورت سے آپ نے اس کفر شعاری کو صدیقہ کبریٰ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے سر لگا دیا۔ آپ نے ناموس رسول ؐ کی کفر شعاری کا اقرار تو کر لیا۔ مگر بخاری صاحب کی بدنامی اور بے احتیاطی کو نہ گوارا فرما سکے۔ واقعی آپ کی یہ دلیری تمام اہل اسلام کی حیرت اور عبرت کا باعث ہے۔ شبلی صاحب ہم آپ کو باور کراتے ہیں کہ آپ کی اس شرمناک اور دلیرانہ تاویل نے تمام مخالفین کو خوب ہنسوایا۔ مگر بلا امتیاز تمام اہل اسلام کو آٹھ آٹھ آنسو رلوایا۔

ہم پھر کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلعم کی شان کو سمجھے ہی نہیں۔ یہ مان لیا کہ رسول اللہ ص اوسوقت تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے لیکن عزیٰ کی حقیقت کو تو جانتے تھے۔ اور اگر آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم اسوقت تک عزیٰ کی حقیقت کو نہیں جانتے تھے۔ تو پھر (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم بھی از قریش کیطرح عزیٰ کا احترام اور اوسکی پرستش کیونکر کرتے تھے۔ اس دلیل سے ماننا پڑے گا کہ عزیٰ کی حقیقت و اصلیت آپ پر کماحقہ ثابت تھی۔ جب ثابت تھی۔ تو شبلی صاحب کا یہ احتمال جیسا کہ وہ اپنی تاویل میں لکھتے ہیں کہ اسلئے آپ نے تعرض نہ فرمایا۔ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہار حقیقت کو چھپایا اور یہ امر تو اخلاق نبوت اور شان رسالت کو ادلیست کر دیتا ہے۔ اسلئے آپ کی یہ تاویل منافی شان رسالت ہوسکی باعث قطعی غلط ہے۔ اور محض حمایت بخاری میں وضع کیگئی ہے یہ تاویل خلاف واقع ہونیکے علاوہ خلاف نقل و عقل بھی ہے۔ خلاف نقل تو اس طرح کہ سوائے آپ کے (کئے آدمی کے ویر شدی) زرقانی۔ عسقلانی۔ قسطلانی۔ عینی اور کرمانی۔ کسی شارح بخاری نے اس واقعہ کے متعلق۔ رسول اور ناموس رسول صلعم کی خلاف شان ایسی دلیرانہ اور بے ادبانہ تاویل کرنے پر جرأت نہیں کی۔ لطف تو یہ ہے کہ یہ تاویل بھی کیجاتی ہے اور پھر اپنی اس تاویل کی خود تکذیب بھی فرما دیجاتی ہے۔ جیسا کہ اس تاویل کے بعد لکھ دیا گیا ہے۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ جب یہ واقعہ ثابت ہی نہیں تو تاویل کیسی؟ شبلی صاحب کی عجیب منطق ہے مقصد مفقود تاویل موجود۔ یہ تو مخالف نقل ہونیکی حالت تھی اب خلاف عقل ہونیکی کیفیت بھی ملاحظہ ہو۔

بخاری صاحب کے راوی کی کامل تنقید و تکذیب فرما کر شبلی صاحب آخر میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں ،، یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا اونکو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۱۴۵

شبلی صاحب اپنی اس رائے پر غور فرمائیں اور بتلائیں کہ جب قبل رسالت ہونے سے پہلے آنحضرت صلعم بت پرستی کی ممانعت فرماتے تھے۔ تو جناب خدیجہؑ کو نعوذ باللہ اس صریح بت پرستی اور کفر شعاری سے کہ اپنے بیٹے کو عزیٰ بت کا غلام بنائیں اور بندہ قرار دیں کیوں منع فرمایا؟ اسکا کوئی جواب شبلی صاحب سے نہیں ہوسکتا ہے سوائے اسکے کہ فرمائیں حضرت خدیجہ کو نعوذ باللہ آپ کے اوپر اعتماد نہیں تھا۔ جنکو اس امر سے منع فرماتے تھے۔ جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے کہ جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا انکو اس بات سے منع فرماتے تھے۔ اب آنحضرت صلعم کے نزدیک جناب خدیجہ صدیقہ کبریٰ کی نا اعتباری یا عموماً میاں بی بی کی باہمی بے اعتمادی کی شرمناک اور نفرت انگیز تفصیل شبلی صاحب کی حیاداری کرسکے گی۔ کسی مسلمان کی دینداری تو سوائے حسرت و عبرت کی ایک حرف بھی مُنہ سے نہیں نکالیگی۔

(ت) سیرۃ النبی جلد اول ص۔ ۱۴۰ کی اصل عبارت تمام فرما کر زیرین حاشیہ یہ عبارت تحریر فرمائی گئی ہے۔

مسٹر مارگیولوس نے اسکے برخلاف (ممانعت بت پرستی) ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اسکے ثبوت میں دعوے سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ (سلام اللہ علیہا) دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کرلیا کرتے تھے۔ جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف نے اسکی سند میں امام احمد بن حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنی جار لخدیجة بنت خویلد انه سمع النبی صلعم وهو یقول لخدیجة والله لا اعبد اللات والعزی والله لا اعبد ابداً قال فتقول خدیجة خل اللات خل العزی قال کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون

مجھ سے خدیجہ بنت خویلد کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صلعم کو حضرت خدیجہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے خدیجہ خدا میں کبھی لات و عزیٰ کی پرستش نہ کرونگا۔ خدیجہ کہتی تھی (کہتیں تھیں) کہ لات کو جانے دیجئے عزیٰ کو جانے دیجئے (یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجئے) اس (راوی) نے کہا کہ لات و عزیٰ وہ بت تھے جنکی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے۔

ایک معمولی عربی داں بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب لات و عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہؑ کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔ اسکے علاوہ خود اس روایت میں لات و عزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار مذکور ہے۔ ص ۱۴۰۔

شبلی صاحب کا لکھنا بالکل صحیح ہے اور مارگیولوس کا سمجھنا اور سمجھانا دونوں غلط۔ اسکو حقیقت سمجھکر اگر مارگیولوس نے لکھا ہے تو اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اس یورپین محقق نے پوری فریب کاری سے کام لیا ہے۔

اتنا اور عرض کردینا ہے کہ آپ کی تنقید میں بھی تھوڑا سا اجمال رہ گیا ہے۔ وہ یوں صاف کردینا چاہیئے تھا عربی لفظ کانوا۔ کا ترجمہ وہ لوگ۔ ہونا چاہیئے تھا۔ آپ کا ترجمہ اہل عرب لفظی ترجمہ نہیں بلکہ مرادی ترجمہ ہوا۔ اسلئے عبارت ترجمہ میں وہ لوگ اصلی الفاظ عبارت میں اور اہل عرب خطوط معکوسی کے اندر ہونا چاہیئے۔

پھر تنقید کی عبارت میں بھی کانوا کا ترجمہ اہل عرب ہی لکھدیا گیا ہے اسکو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے پھر تشریح تنقید میں بتلایا گیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ ع کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔ فی الحال اہل اسلام میں بھی زبان عربی کی جتنی کمی ہوتی جاتی ہے وہ ظاہر ہے اسلئے تثنیہ اور جمع کا باہمی فرق اور اونکے جداگانہ صیغوں کی تمیز عام اردو والوں کے لئے مشکل ہو جائے گی۔ اس ضرورت سے اونکو ان الفاظ میں سمجھا دینا ضروری ہے کہ اگر آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ ع انھیں حضرات خاص سے راوی کی مراد ہوتی تو زبان عربی کے قاعدے کے مطابق راوی تثنیہ کا صیغہ لاتا۔ اور کانوا کی جگہ کانتین کہتا۔ مگر جب اونے ایسا نہین کیا اور عام جمع کا صیغہ کانوا لایا تو اس سے تمام لوگ یعنی کل اہل عرب مراد ہوئے۔

اسکے علاوہ حضرت خدیجہ ع کی نسبت اجتناب کفر کی تفصیل شبلی صاحب نے خدا جانے کس مصلحت سے چھوڑ دی وہ یہ ہے۔ عربی کی عبارت سے صاف طور پر ثابت ہے اصلی روایت حضرت خدیجہ ع کے اس جواب پر تمام ہو گئی۔ (فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ) خدیجہ ع نے کہا لات کو جانے دیجئے۔ عزیٰ کو جانے دیجئے۔ یہ تو اب روایت کا راوی اپنے سامعین کو لات وعزیٰ کی اصلیت و ماہیت بتلاتا ہے کہ لات وعزیٰ اصل مین کیا شئے تھے لات وعزیٰ دو بت تھے جنکی پرستش وہ لوگ (اہل عرب) سونے سے پیشتر کر لیا کرتے تھے۔ یعنی عرب مین یہ دستور تھا کہ سونے سے پہلے اندونوں بتون کی پوجا کر لیا کرتے تھے۔ اب اس تفصیل کی تشریح ملاحظہ ہو۔

راوی کو اس روایت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ راوی (خدیجہ ع کا ہمسایہ) جو اہل عرب تھا اور اس قدیم دستور کا جاننے والا۔ اوسکو ان دونوں حضرات (آنحضرت صلعم اور حضرت خدیجہ ع کے) مکالمات سنکر جو ملک قوم کے دستور قدیم کے صریح مخالف تھے۔ بالکل نیا اور ان لوگون کا تنہا طریقہ معلوم ہوا۔ اس لئے اس واقعہ کی ندرت اور ان دونون حضرات کی کفر پرستی سے نفرت اور تمام قوم کے اس دستور قدیم سے مخالفت کی بنا پر راوی نے اس واقعہ کو اس مسئلہ خاص کے ثبوت مین کہ یہ دونون بزرگوار بت پرستی کے قدیم دستور اور رسم و رواج سے بالکل علیحدہ تھے اور تمام اہل عرب میں اس ناہنجار اور کیفر کردار عادات سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اپنا چشمدید واقعہ بیان کیا ہی اور ثابت کر دیا ہے کہ جسطرح جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لات وعزیٰ کی پرستش سے متنفر تھے اوسی طرح حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بھی اس سے محترز تھین۔

مارگیولوس صاحب کی سمجھ کا کیا کہنا۔ خوب سید ہے کا اولٹا سمجھے افسوس ہے اونکے اس مورخانہ بیان پر اور حسرت ہے اونکی محققانہ شان پر بقول شبلی صاحب اس روایت کے غلط معنی لگا کر تمام دنیا سے اپنی عربی دانی کی داد لیتے ہین۔ اور ساری دنیا کو اپنی غلط فہمی سے فریب دیتے ہیں۔ لیکن اپنی توریت مقدس مین حضرت یعقوب کی بی بی کا جنکا نام راحل (راحیل) تھا۔ جو بذات خاص ایک جلیل القدر پیغمبر کی بیوی اور تمام انبیائے بنی اسرائیل کی ماں تھین

اپنے باپ لابن کے بتوں کو چرانا۔ اور اونٹوں کے کجاوے میں اونکو چھپا کر اونپر آپ بیٹھ جانا۔ اور اس شکل و صورت سے پکڑا جانا اور حیض کا بہانہ کر کے اوس مقام سے نہ اوٹھنا اور اس حیلہ و ترکیب سے اون بتوں کو اپنے پاس رکھ لینا اور باپ کو واپس نہ دینا پوری تفصیل سے درج ہے۔ (سفر تکوین باب ۳۱ آیت ۵-۲۵) دیکھئے ذرا بھی نہیں شرماتے۔ مارگیولس کے ہاں نبوت یا ناموس نبوت کی کوئی خصوصیت نہیں وہ اس تخصیص کو بھی تعمیم میں لیتے ہیں اور جب حضرت یعقوبؑ کی خاندان نبوت اور اونکے خاص ناموس کے ان اتہامات صریح کو واقعات صحیح سمجھتے ہیں تو پیغمبر عربؐ اور اونکے پاک و مقدس ناموس کی نسبت مارگیولس کو ایسی معتوبانہ اور گمراہانہ فریب کاری کرتے ہوئے کب شرم و حجاب آسکتا ہے۔"

مارگیولس کی غلط فہمی اور عالمفریبی کی کامل تردید کر کے ہم شبلی صاحب نعمانی کی خدمت میں پھر یاد دہانی کرتے ہیں کہ آپ نے عبدالعزیٰ کے تسمیہ کی تاویل میں نہایت بیباکی سے لکھدیا ہے کہ حضرت خدیجہ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں آپ کا یہ لکھدینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ واقعہ کی اصل عبارت تو یہ بتلا رہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے کارہ اور متنفر تھیں تب تو فرماتی ہیں خل اللات خل العزیٰ جس کا ترجمہ آپ خود ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ لات کو جانے دیجئے عزیٰ کو جانے دیجئے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے)" شبلی صاحب خود اپنے ان مختلف مختار و آرا پر غور فرمالیں۔ جب آپ خود اعترافاً لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود بقول آپ کے ان بتوں کے ذکر سے بھی منع فرماتی تھیں تو وہ پھر خود کیسے بت پرستی کر سکتی تھیں اور اون کو کون بت پرست کہہ سکتا ہے۔

(ث) پھر زیر حاشیہ یہ روایت مرقوم ہے۔

مارگیولس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی۔ صاحب موصوف نے اسکی سند میں مگر کوئی عربی ماخذ نہیں پیش کیا۔ بلکہ ولہوس کا حوالہ دیدیا ہے (دیکھو مارگیولس کی کتاب ص ۸۰-۷۰) معجم البلدان (جغرافیہ کی ایک کتاب) میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے اول تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے ثانیاً یہ روایت کلبی سے ہے۔ جو مشہور دروغگو ہے شبلی صاحب کا پہلا اعتراض کہ مارگیولس نے عربی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا بالکل صحیح ہے اور مارگیولس کا ثبوت میں اپنا ماخذ پیش کرنا بالکل خلاف استدلال ہے۔ جب معجم البلدان میں یہ روایت دیکھہ لی گئی تو مارگیولس کے سر سے وضع حدیث کا الزام جاتا رہا۔ باقی رہا شبلی صاحب کا یہ فرمانا کہ معجم البلدان جغرافیہ کی کتاب ہے اور صنف حدیث میں موضوع نہیں ہوئی ہے مخالفین کے لئے تشفی بخش نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہاں تو دیوانہ را ہوئے بس است کا عالم ہے اونھیں حدیث و جغرافیہ کی تفریق و تمیز سے کام نہیں۔ اون کا تعصب اونکی خودغرضی اونھیں تمیز کب کرنے دیگی۔ اب اونھوں نے ایک مسلمان مصنف کو دیکھہ پایا۔ اور اوسی کے قول سے لگا استدلال کرنے انکی تنقید و تردید کے لئے ہم پھر شبلی صاحب کی خدمت میں عرض کرینگے کہ اس سے استدلال میں وہی اصول قایم رکھے جائیں جو ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں۔ یاقوت حموینی کی جغرافیہ دانی یا حدیث سے ناواقفکاری یا کلبی کی موضوعیت اور

غلط کاری دکھلانے سے کام نہیں نکلے گا۔ صاف صاف لکھا اور اقرار کرنا ہوگا کہ خلاف اصول عقاید۔ کوئی صاحب ہوں محدث۔ مورخ یا کوئی اور ہوں جب کوئی روایت کوئی واقعہ مخالف عقاید بیان فرمائیں گے۔ وہ مسلمانوں کے لئے نہ قابل قبول ہوگا نہ لائق تسلیم۔ اس لئے یہ تمام واقعات و روایات جو اوپر بیان کی گئی ہیں اور تاریخ بخاری اور مسند امام احمد حنبل وغیرہم کا ماخذ بتلایا گیا ہے سب کے سب محض لغویات ہیں اور صریح مفتریات۔ مخالف۔ اسلام کسی وقت اور کسی زمانہ میں نہ ہمارے رسول صلعم کے طریقے اور عمل ثابت ہوئے ہیں نہ اوسکے اہل بیت کرام علیہم السلام کے رسول کے ملے نہ اوسکے بی بی نے کبھی بت پرستی کی اور نہ کبھی اپنی کسی اولاد کا نام بتوں کے نام پر رکھا۔ حقیقتاً عبد العزیٰ نام آپ کا کوئی لڑکا بیٹا ہی نہیں تھا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ جن کی خصوصیت کی وجہ سے عرب کے قدیم قومی دستور کے مطابق آپ کی کنیت **ابو القاسم** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشہور ہوئی۔ لیکن قضائے الٰہی سے وہ بھی قبل بعثت انتقال فرما گئے۔ یہ تمام مرویات اُس زمانہ اور اوس زمانہ کے لوگوں کی موضوعات ہیں جن لوگوں نے اوروں کے عیب چھپانے اور برابر ساتھ کے لئے شان رسالت کی تخصیص میں خواہ مخواہ تعمیم کو داخل کر دیا۔ ان لغویات کے لئے نہ اسلام جوابدہ ہو سکتا ہے اور نہ بانئ اسلام علیہ السلام

موحدین سے ملاقات

محقق بیضروت سرخی ہے شبلی صاحب اور تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ رسالت کے تمام طریقے وہبی ہوتے ہیں تعلیم ربانی اور توفیق یزدانی ابتدا سے لیکر انتہا تک رسول کے شامل حال ہوتی ہے تو پھر اسکی کوئی ضرورت و احتیاج نہیں کہ موحدین سے ملاقات ہو یا نہو۔ موحدین سے ملاقات اور مجالسات منصب رسالت میں تعلیم و اکتساب کے شبہے پیدا کر دیں گی۔ جو قطعاً منافی رسالت ہے۔ جن موحدین کا ذکر کیا گیا ہے یا جنکے نام لئے گئے ہیں اونکے اعتقادات فی الوحدۃ کی تفصیل و صورت بھی نہیں بتلائی گئی ہے کہ وہ کس قسم کی وحدانیت کے قائل تھے۔ ان میں سے شبلی صاحب نے ایک ورقہ بن نوفل کا حال خود لکھا ہے کہ وہ آخر میں عیسائی ہو گئے تھے۔ تو آپ ہی فرمائیے کہ اونکی عقیدت فی الوحدت کس کام کی رہی۔ جب اونہوں نے ذات الٰہی کو قابل تماس و تواالد یقین کر لیا۔ پھر توحید کا ایسا غلط اور سراسر منافی اعتقاد رکھنے والے شخص کی ملاقات سے اوس بزرگ کو کیا مطلب اور کیا فائدہ حاصل ہونیوالا تھا۔ جو خالص اور کامل توحید کی تبلیغ و تعلیم کے لئے بھیجا گیا ہو اور جو خاص طور پر توحید کے راستوں سے اون خار و خاشاک کو پاک و صاف فرما دینے کے لئے اوتارا گیا ہو جو سالکان وحدت کے دامنوں میں اولجھ اولجھ کر اونکو قربت الٰہی کے حصول سے روک رکھتے ہیں۔

اسکے علاوہ آپ خود اوس وقت کے موحدین میں قس ابن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔ عبید اللہ ابن جحش عثمان بن الحوارث اور زید بن عمرو بن نفیل (بغرض خاص تو اونکے نام کے ستونوں سے لکھی) کے نام گنا کر خود لکھتے ہیں کہ ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے ص ۱۴۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقیہ لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ تو پھر آپ ہی کی اس خاص تحریر سے آپ کی یہ سُرخی کہ موحدین سے ملاقات غلط اور محض بیضرورت ثابت

ہوگئی۔ مگر آپ نے آگے چل کر اپنے اس اعتراف و اقرار پر بھی اعتبار معین کیا اور یہ سے بھی ملاقات ہونیکی یہ صورت نکالی تھی کہ
"ورقہ عیسائی ہوگئے تھے۔ اور چونکہ حضرت خدیجہ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ
آپ ان سے ملے ہونگے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انسے آپ کی دوستی تھی۔ ص ۱۴۱
میں لکھتا ہوں کہ آپ کا یہ قیاس صحیح ہے اور بالکل فی الواقع۔ آپ کو خود اسکی واقعیت یاد نہیں رہی۔ اسلئے
قیاس کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل سے ضرور ملاقات ہوئی۔ آپ خود لکھ چکے
ہیں۔ اپنی سیرۃ النبیؐ جلد اول کے صفحہ ۱۴۸ میں اپنی یہ عبارت ملاحظہ فرمالیجئے
آپ نے حضرت خدیجہ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ کے پاس لوا گئیں۔ جو عبری زبان جانتے تھے
اور توریت و انجیل کے ماہر تھے۔ اونھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی
تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اوترا تھا۔
لیجئے ملاقات ہوگئی لیکن اس ملاقات سے وہ ملاقات جو آپ کی اصلی مراد ہے ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ بالکل غلط
ٹھیری۔ موحدین سے ملاقات کی خاص سرخی قایم کرنے سے جو آپ کا ادعا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان لوگوں
میں مراسم تھے۔ آپ انکے پاس آتے جاتے تھے ممکن ہے کہ یہ لوگ بھی آپ کے پاس آتے جاتے ہوں۔ مگر ورقہ والی صدر
بالا واقعہ نے صاف صاف بتلادیا کہ آنحضرت صلعم اور ورقہ میں اس واقعہ سے پہلے شناسائی اور مراسم نہیں تھے۔ کیونکہ اگر فیمابین
آمد و رفت ہوتی تو حضرت خدیجہ کو لے جانے اور معرفت کرانے کی ضرورت نہ پڑتی اگر قبل سے آپس میں روابط ہوتے۔ تو آپ
بالنفس نفیس جاکر براہ راست اون سے اپنی تسکین و تشفی فرمالیتے۔ جناب خدیجہ کی معرفی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے
ثابت ہوا کہ فیمابین صرف شناسائی تھی۔ مجالست یا مکالمت اور صلاح و مشورت ثابت نہیں۔
ورقہ بن نوفل ہو چکے قس بن ساعدہ کی نسبت لکھا جاتا ہے ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں
بھی مذکور ہے کہ قس ابن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوس خطبہ میں شریک تھے۔
شبلی صاحب نہ اپنے کسی اقرار پر قایم رہتے ہیں اور نہ اپنے کسی مختار پر۔ ذرا اپنے دیباچہ میں نقل روایات کی متعلق اپنے
مقرر کردہ حدود و نصاب یاد فرمائے جائیں۔ پھر اپنے ادب و محاضرات کے حوالجات پر غور کیا جاوے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا
کہ یہ واقعہ آپ کے نصاب مقررہ کے مطابق ہرگز قابل اندراج نہیں تھا۔ پھر آپ نے محض بے ضرورت اسکو کیوں لکھا۔ اور
پھر لکھکر آیندہ عبارت میں قوی دلائل سے اسکی تردید بھی فرمادی تو گویا تمام تحریر آپ کی سعی حاصل تھی اور کچھہ بھی نہیں لیکن آپنے
ان واقعات کو خاصکر اس وجہ سے لکھا اور حتی الامکان اس کی تردید بھی کردی اس باعث سے کہ عیسائی مصنفین انھیں غیر مفید
اور نامستند مرویات کو اپنی عامہ فریبی کا ماحد سا لیتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ وآلہ وسلم کی رسالت ان لوگوں کی تعلیم
ہدایت۔ مشورت اور صحبت کا نتیجہ بتلاتے ہیں

ہمکو بھی اقرار ہے کہ یہ غرض آپ کی صحیح ہے اور یہی آپ کی حفظ ماتقدم کے اعتبار سے ایک حد تک سدید ہے لیکن آپنے قس ابن ساعدہ کی روایت کے متعلق اپنی تنقید و تردید کو تمام کر دیا ہے ورقہ بن نوفل اور خصوصا زید بن عمرو بن نفیل کی نسبت مجالست ۔ مکالمت اور برابر صحبت کو صحیح یقین کر لیا ہے ۔ کیونکہ ۔ زید کی نسبت تو صحیح بخاری کے اسناد موجود ہیں اسلئے ان مرویات کی تردید پر آپ کا قلم نہ اوٹھ سکا ۔ جب قلم نہ اوٹھ سکا اور تردید نہ ہوسکی تو آپ کے مخالفت کو ان ماخذوں سے اپنی عالمفریبی کے نتیجے نکالنے کا تو ویسا ہی موقع حاصل رہگیا ۔ اگر قس بن ساعدہ سے نہیں تو ورقہ اور زید بن عمر سے استعدادہ اور مشورۃ فی علم الرسالت کا قیاس تو اپنی حالت پر قایم رہگیا ۔ حالانکہ یقینیات رسالت کو ان ظنیات و قیاسات سے کیا واسطہ اور کیا سروکار ۔ اور ان مشتبہین فی المعرفت اور مشکوکین فی الوحدت کو سکینۂ رسالت کے آگے کیا مقدار اور کیا اعتبار ۔ یہ گم کردگان حقیقت اپنے خیالات و جذبات میں بغیر کسی راہبر کے شاہد حقیقی کی تلاش میں اگر تھوڑا بہت سمجھہ سمجھہ کر ٹکرا رہے تھے ۔ یا ٹکر ٹکر کر سمجھہ رہے تھے ۔ وہ حقیقتاً اصل خداشناسی اور معرفت سے کوسوں دور تھے ۔ پھر مبلغ رسالت اور متمم موت کو ان سے صحبت رکھنے کی ۔ کوئی ضرورت تھی اور نہ مشورت کرنے کی حاجت ۔ اس بنا پر ان لوگوں کی ملاقات یا مجالسات کا ذکر کرنا اور پھر اس اہتمام سے کہ اسکے لئے ایک جداگانہ عنوان قایم کرنا معترضین کو اعتراض کا اور موقع دلانا ہے اور توہین کے توہمات کو اور قوی بنانا ہے ۔ دیکھئے آپ خود ۔ اپنی کتاب میں چار صفحوں کے بعد ان لوگوں کی نسبت کہ جنکو آپ موحدین بتلاتے ہیں اور ان سے رسول صلعم کی ملاقات کو ایک خاص باب میں بیان فرماتے ہیں ۔ ان الفاظ مفصلۂ ذیل میں لکھکر کسمدر ذلیل بتاتے ہیں

> یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا ۔ لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس ۔ ایک مذہب کامل کی تشئید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لئے کچھہ اور درکار تھا اس زمانہ کے قریب میں تین اور حق پرستوں (ورقہ ۔ زید ۔ عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جماد لا یعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے ۔ چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش میں نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے ۔ ورقہ اور عثمان عیسائی ہوگئے ۔ اور زید یہ کہتے کہتے مرگئے کہ اے خدا اگر مجھکو معلوم ہوتا کہ تجھکو کس طریقہ سے پوجنا چاہیئے تو میں اوس طریقہ سے تجھے پوجتا ۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۶

جب آپ خود ان لوگوں کی ایسی حالت لکھکر اقرار کرتے ہیں کہ سب کے سب دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے ۔ یعنی کوئی بھی راہ معرفت یا منزل وحدت تک نہیں پہونچا ۔ تو پھر آپنے اونکو موحدین کیسے تسلیم کر لیا ۔ اگر بتوں کی پرستش نکرنے سے آپ کو ایسا قائل توحید ہونیکا گمان ہوا ہے تو چین ۔ بدہ او رنانک شاہی تمام فرقوں کو موحد مان لیجئے ۔ اور ان کے عالموں اور موحدوں سے ملاقات کرنیکو (اگر واقعات مل جائیں) ایک رسول کے لئے ضروری اور قابل الذکر یقین کیجئے ۔ اور اگر ورقہ وغیرہ سکے عیسائی ہوجانے سے آپنے موحد سمجھہ لیا تو جیسا ہم اوپر لکھہ آئے ہیں آپ کو بھی مسئلۂ تثلیث کو عین توحید یقین کر لینا ہوگا افسوس تو یہ ہے کہ آپ خود عوضانہ تقلید اسلاف کے ساتھہ دادِ تحقیق و انصاف لینا چاہتے ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے ۔

ایک ریدیں عمر بن نوفل کی تخصیت اور معرفت قایم کرانے کے لئے جسکے سلسلہ مین تین پشت بعد حضرت عمر بن الخطاب پیدا ہوئے۔ یہ تمام کوشش کیگئی ہے اسمیں کلام نہین کہ شبلی صاحب کی یہ ایجاد اور طعنزاد خاص ہین۔ بلکہ ایک زمانہ سے علماء محدثین نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اور حضرت عمر کے خاندانی اور قدیم فضل وکمال ثابت کرنے سے ان مرویات کو جو صریح موضوعات مین تاریخ وسیرت کی کتابون مین داخل کر دیا ہے۔ جو مناقص شان رسالت ثابت ہونیکے علاوہ طرح طرح کے فساد پیدا کرتی ہین جن میں سے ایک تو عیسائی معترضین کو غلط تعریضات کی موقع دیہی ہے جسکی آپ خود تنقید وتردید فرما چکے ہین اسکے علاوہ اور مفسدات ہیں جو نفس اسلام میں سخت خرابی پیدا کرتے ہیں۔

احباب خاص یہ سرخی بھی بیکار ہے اور محض بیضرورت۔ لیکن جس ضرورت خاص سے آپ نے اسکو لکھا ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں ہے شبلی صاحب کی عبارت یہ ہے۔

نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے۔ نہایت پاکیزہ اخلاق۔ بلند مرتبہ اور عالی مرتبت تھے ان مین سب سے مقدم حضرت ابو بکرؓ تھے۔ جو برسوں آپ کے شریک صحبت رہے حضرت خدیجہ کے بھتیجے بھائی حکیم بن حزام۔ جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص مین تھے۔ حرم کا منصب وفادہ انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہ کے ہاتھ میں ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ لیکن یکل رقم خیرات کر ڈالی۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر مین پانچ برس بڑے تھے اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے۔ لیکن اس حالت مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کعبہ مین ذویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا۔ اوس مین ایک حُلّہ تھا۔ انھون نے اوسکو پچاس اشرفیون پر خریدا اور مدینہ لیکر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذر کرین آپ نے فرمایا کہ مشرکین کا ہدیہ قبول نہین کرتا البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انھوں نے قیمت لینی گوارا کرلی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوسکو لیلیا ضماد ابن ثعلبہ ازد کے قبیلے سے تھے۔ جاہلیت مین طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ نبوت کے زمانہ مین یہ مکہ مین آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت مین دیکھا کہ راستہ میں جارہے ہین اور پیچھے لونڈون کا غول ہے مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہتے تھے۔ لونڈون کا غول دیکھکر ضماد نے بھی یہی قیاس کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ محمد (صلعم) مین جنون کا علاج کرتا ہون۔ آپ نے حمد وثنا کے چند موثر جملے ادا کئے ضماد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کو مسلم اور نسائی نے مختصراً لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ۳۰۲ مین ہے۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

تجارت کے کاروبار میں شریک تھے۔ اون میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے
مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہیں وہ انھیں کے غلام تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکا کے ساتھ انکا
معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔ سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۱۴۴

احباب خاص میں اگر حضرت ابوبکر کو آپ بعد نبوت احباب خاص میں شمار فرماتے تو مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ مگر افسوس ہے کہ مجھ قبل نبوت انکے احباب خاص ہونے میں ضرور تامل ہے۔ اسلئے کہ شبلی صاحب جو راہب بحیرا کے قصہ میں لکھکر اقرار کر چکے ہیں کہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ اوسوقت بلال کا وجود بھی نہیں تھا اور حضرت ابوبکر بچے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۱۳۱ ممکن ہے کہ فیما بین شناسائی ہو لیکن محض شناسائی احباب خاص کی خصوصیت تک نہیں پہونچتی۔ حضور صاحب سن وسال میں بیاہیں اتنی تفاوت واقع ہو کہ ایک سترہ سالہ ہو۔ قریب بلوغ اور دوسرا بچہ سہ سالہ یا چار سالہ شبلی صاحب احباب خاص کی ضرورت اور مقاصد و مطالب کو خوب جانتے ہیں۔ علی العموم احباب خاص وہی اشخاص بنائے جاتے ہیں جو سن وسال اور علم وکمال اور فکر وخیال میں مساوی ہوتے ہیں۔ ان خصائص میں سے کوئی خصوصیت اوسوقت تک حضرت ابوبکر کے لئے ایسی ثابت نہیں کی جاتی جس میں وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ مساوی ٹھہرائے جائیں جب کوئی ایسا قرینہ اور ذریعہ یا ضرورت ایسی معلوم نہیں ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کو قبل از وقت نبوت کے خاص احباب میں شامل کرنے سے آپ کی وہی غرض و غایت۔ حفظ ما تقدم اور تشیید ہی سمجھی جاویگی جو ارباب موحدین کی فہرست قائم کرنے میں آپ زید بن عمرو بن نفیل کے شمول کی نسبت مد نظر رکھ چکے ہیں۔ عرب کی قدیم تاریخوں میں تو نہ ارباب موحدین سے ملاقات رکھنے کا ذکر ہے اور نہ احباب خاص کا مذکور۔ ہاں حدیثوں سے ماخوذ کی ہوئی سیرت وتاریخ کی کتابوں میں عالم صحابیت کی بنیاد رکھنے کے لئے ان واقعات کو قلمبند کرنا از حد ضروری سمجھا گیا ہے کیونکہ یہی حضرات قبل نبوت تک تو احباب خاص رہتے ہیں اور بعد نبوت اصحاب خاص ہو جاتے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ تنہا حضرت ابوبکر کا شمول کافی نہ تھا۔ بہتر ہوتا کہ عشرہ مبشرہ کے تمام حضرات احباب خاص کے اس قدیم دائرے میں لے لئے جاتے۔ تو صحبت بھی معقول ہو جاتی۔ اور ان بزرگواروں کے آئندہ حسن خدمات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ورفاقت کے لئے ایسی صلاحیت وموزونیت کو آپ ثابت کر دیتے۔ لیکن شبلی صاحب میں نہ اتنی جرأت اور نہ اتنی جدت کہ وہ تقلید اسلاف کا قدیم طریقہ چھوڑکر اپنی مضمون آرائی میں کوئی تازگی پیدا کریں۔ اسلئے آپ نے وہی پرانی اور پائمال لکیر پیٹی۔

حکیم ابن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے دوسرے نمبر میں احباب خاص بتلائے جاتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کے احباب خاص ہونیکی تو کوئی خصوصیت نہیں بتلائی گئی۔ بلکہ انکے اوصاف وفضائل کی قدرے معرفت کرائی گئی ہے اوّل یہی کہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے۔ اصولاً یہ قرابت بھی مفید مطلب نہیں ہوتی۔ کیونکہ واقعات تو یہ

بتلاتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کا اپنا بھائی۔ نوفل بن خویلد۔ وہ بدبخت ازلی تھا جو شقی ترین مشرکین کے ساتھ حامل رسالت کا مرتے دم تک دشمن رہا اور آخر کار معرکہ بدر میں جناب علی مرتضیٰؑ کی تیغ آبدار سے واصل جہنم ہوا۔ یہ تو حقیقی بھائی کا مآل کار ہے۔ اسکے مقابلے میں برادر عم زاد کا کیا شمار۔ اور اس میں ترقی کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بدبخت ابولہب جو اصلی قرابت میں اپنا چچا ہوتا تھا ہمیشہ بلائے جان رہا تو پھر ان سببی علاقہ بہمدان کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ قریش کے مامور رئیس تھے۔ دارالندوہ اور رفادہ کے مالک یہ سب صحیح اور فی الواقع۔ مگر یہی وجوہات نبوت کے احباب خاص ہونے کے اگر اسباب خاص قرار دیئے جائیں تو نبیؐ زمانہ کی حیثیت رؤساء اور اہل تمول سے یا امرا کے درباری مصاحبین سے زیادہ ثابت نہیں ہوگی۔ اور پھر نبوت و رسالت کے ابتدائی جذبات و خیالات امارت و ریاست کے سوترانہ اقتباسات جلائے جائیں گے۔ وہم پرست مخالفین تو آپ کے اس قیاس بے مقدار کا طومار بنا دیں گے۔ سوم یہ کہ آخر میں ان احباب خاص کا مآل کار جو نبوت و رسالت کا مدعائے خاص ہونا چاہیئے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بزرگ آٹھویں سال ہجری تک نہ اپنے محبّ خاص کو رسول برحق سمجھے نہ اوسکی رسالت کو سچی رسالت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اتنے مراسم و راہ کے نبوت ان پر اپنے فیضان کا کوئی اثر نہ پہنچا سکی۔ پھر پیغمبر کو اس شخص کو احباب خاص بنانے سے کیا فائدہ ہوا۔ اسکے بعد شبلی صاحب حلہ والا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے تو حکیم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت والفت کیا ایک قسم کی نفرت ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی مقام سے اصل مدعائے نبوت معلوم ہو جاتا ہے جو ہر نبی اللہ کو ابتدا ہی سے مدنظر رہتا ہے۔ آپ اپنے قدیم دوست کے ہدیہ کو صرف اس بنا پر واپس دیتے ہیں کہ وہ اب تک ایمان نہیں لایا ہے۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لئے کہ جس شخص سے ایسا گہرا اور قدیم اتحاد قائم ہے۔ وہ اب تک دل میں تو جھوٹا سمجھتا ہے لیکن محض ظاہرداری کے طریقہ پر اوسکے ساتھ تمالیتی خلوص و محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ معاملات تو احباب خاص کی خصوصیت کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ اور احباب خاص ہونیکا جیسا شبلی صاحب کا قیاس ہے کوئی کافی ثبوت نہیں پہنچاتی۔ یہ تو خیر حکیم بن حزام کا ہدیہ تھا جو بلا قیمت نہیں لیا گیا اور اسوجہ خاص سے کہ حکیم اوسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ہم تو شبلی صاحب کو حضرت ابوبکرؓ کا ہجرت کے موقع پر اونٹ کا ہدیہ پیش کرنا یاد دلاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ تو جہریت سے مسلمان بھی ہو چکے تھے اور اسوقت رفیق تنہا بنائے جا چکے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے نکاح بھی ہو چکا تھا۔ اسوجہ سے قرابت سببی پر بھی فائز ہو چکے تھے لیکن ان تمام خصوصیات پر بھی مضاعف قیمت دیکر اونکا اونٹ لیا گیا۔ ایسا عالی ہمت سیر چشم اور مستغنی المزاج بزرگ کیا امرا کا احباب بنتا یا اونکو اپنا احباب سا مالک گوارا فرماتا۔

ضماد ابن ثعلبہ ازدی عرب کا۔ جو احباب خاص کے تیسرے نمبر میں رکھے گئے ہیں۔ حکیم ابن حزام کے ایسے دولتمند شخص سے اچھا مآل کار ہوا اور اسپر فیضان نبوت کے اچھے اور پورے اثر ہوئے۔ ان کے مخلصانہ سوال کے جواب میں لبہائے مبارک سے چند مؤثر جملوں کا ارشاد ہوتا تھا۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے ضماد مسلمان ہو گئے۔ شبلی صاحب اسی واقعہ سے شان رسالت اور فیضان نبوت کی حقیقت کو سمجھ لیں۔ ابھی تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فائز رسالت بھی نہیں ہوئے تھے۔ مگر بکمال تسخیر اور قوت

تاثیر جو سوائے قدرت روحانیت کے آئے ۔ آ نہیں سکتی ۔ اوسوقت آپ کی ارشاد مین کیسے اور کہان سے آئی ۔ اُسوقت تک
نزول قرآن بھی نہین ہوا تھا ۔ جو یہ کہا جاوے کہ آپ نے وہ قرآن کے جُملے پڑہے تھے ۔ اور یہ کلمات آلہی کی جبروتی تاثیر تھی
جس نے ضماد کو قبول ایمان کی طرف کھینچ لیا ۔ یہی وہ مشاہدات ہین جو ہر زمانہ میں ہی زمانہ کو عام اس سے کہ وہ فائز رسالت
ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہدایت و ارشاد کے مخصوص موقعون اور ضرورتوں کے وقت ان کمالات روحانیہ سے ہمیشہ کامل ثابت کرتے ہیں
یہ کمالات اوسکی فطرت صالحہ کے ساتھ ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں ۔ اور اسی کے ساتھ بالمدارج نشو و نما اور ترقی پاتے رہتے ہیں ۔
اسی سائر انبیاء و مرسلین کا از مہد الی اللحد ان تمام کمالات پر فائز ہونا اسلام کے اُصول عقائد مین داخل ہے ۔ ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی

قیس ابن سائب مخزومی کا احباب خاص کی فہرست میں چوتھا نمبر رکھا گیا ہے ۔ میرے خیال مین انکا اندراج تو بالکل
بیضرورت ہے ۔ انکے خیالات سے سوائے اسکے کچھ اور نہیں معلوم ہوتا کہ جن لوگون کے ساتھ آنحضرت صلعم مکہ مین کاروبار تجارت
رکھتے تھے ۔ اُن کے ساتھ آپ کے معاملات کو یہ بہت صاف رکھا جانا ثابت کرتے ہین ۔ ان بزرگ کے اس بیان سے نبوّت
کی حقیقت کیا معلوم ہوئی ۔ ہان اوس زمانہ مین مشغلہ تجارت کے متعلق آپ کا کمال تدیّن ثابت ہوتا ہے ۔ جو شبلی صاحب کے
موضوع تالیف سے کوئی واسطہ نہین رکھتا ۔ تجارت مین کمال تدین کوئی ایسی اور چیز نہین جو آپ کی ذات مین من حیث التجارت
کوئی خصوصیت ثابت کرتا ہو ۔ یہ تو تجارت اور اہل تجارت کے لئے عمومًا اتنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر ایک دن بھی اونکا کاروبار نہین
چل سکتا ۔ فی زمانا بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں کُھلی ہیں اور قریب قریب تمام تر غیر اسلامی ہیں ۔ اور اون مین کمال تمدن ثابت ہوتا ہے
تو کیا انکے اس کمال تمدّن سے ہم اون میں شائبہ نبوت بھی تسلیم کرلیں اگر ایسا ہی ہو تو ہر سچا آدمی نبی ہو سکتا ہے ۔

افسوس ہے شبلی صاحب کی اس جو دعو صانہ غفلت اور ہوشیارانہ اخفا و چشم پوشی پر ۔ آپ نے احباب موحدین اور
مخصوصین کی فہرستیں کمال تفحّص و تلاش سے مرتب کرلیں اور بڑے حزم و احتیاط سے ۔ سرے سے بیرونی اور غیر سروکاری لوگون
کو آنحضرت صلعم کے ارباب ملاقات اور احباب روابط و اتحاد مین شامل کرلیا لیکن آپ کی یاد اور آپ کی نظر توجہ کبھی اسطرف
نہ گئی کہ محمّد صلعم کے گھر مین بھی کوئی تھا جس سے آپ مجالست مکالمت یا صحبت کا لطف اوٹھاتے اور اوسکو محب خاص
بناتے ۔ تو آپ بتلا رہے ہین کہ آپ کی تحقیق میں یا تو محمّد (صلعم) کا گھر آدمیوں سے بالکل خالی تھا یا اون کے گھر والے ایسے ہی
ناکارے تھے کہ آنحضرت صلعم سرے سے اونکو منہ لگانا نہیں چاہتے تھے ۔ اور اون سے مجالست مکالمت یا صحبت رکھنے
جانے کی ذلّت کو گوارا نفرماتے تھے ۔

بنی ہاشم پر جیسی کہ آپ کی ابتدائے تالیف سے نظر شفقت ہے وہ اس کتاب مین ہم ہر ہر مقام پر دکھلاتے آئے
ہین اور انشاء اللہ دکھلاتے آئین گے جناب شبلی صاحب ۔ ذرا لگتی ہوئی باتوں کو کتاب مین لکھا کیجئے جس بزرگوار کے گھر میں ایک
کثیر البتّ خدا محمد خدا کے فضل و کرم سے اوسکے گیارہ ہوشیار اور اہل کاروبار بیٹے اور بھران بیٹون کے متعدّد بیٹے موجود ہون ۔ کنبہ کا کنبہ
اور قبیلہ کا قبیلہ ایسا بھرا پڑا ہو ۔ وہ اپنے تمام عزیز و اقارب میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مراسم و روابط نہ پیدا کرے ۔ نہ کسی سے ملاقات

رکھتا ہو تو اون میں سے کسی کو اپنا دوست اور احباب خاص بناتا ہو۔ آپ ہی کہئے کسقدر خلاف فطرت ہے اور منافی عادت۔ کیا نعوذ باللہ عبد المطلب کے گھر میں سب کے سب ابولہب ہی تھے۔

سب کو جانے دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے چھوٹے چچا حضرت حمزہ جو سن میں تقریباً برابر اور رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے جنکے متعلق آپ خود لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے اعمام میں حضرت حمزہؑ کو آپ سے خاص محبت تھی۔ (تاہم احباب خاص میں نہ لئے گئے) وہ آپ سے سن میں دو تین برس صرف بڑے تھے۔ اور ساتھ کھیلے تھے۔ دونوں نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام میں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ (تاہم احباب خاص کہے جانے کے قابل نہیں تھے) اون کا مذاق طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا۔ منہ سویرے تمام تمام دن شکار میں مصروف رہتے تھے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے۔ طواف کرتے۔ قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؑ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا۔ اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے۔ (مگر شبلی صاحب کو انکی اتنی قدر بھی گوارا نہ ہو سکی کہ رسولؐ کے احباب خاص میں انکا نام بھی لکھدیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے یگانوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے رو در رو آپ کے ساتھ گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی آئے تو اوس نے تمام ماجرا کہا حضرت حمزہؑ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ

دیکھئے شبلی صاحب لکھنے کو تو سب لکھ گئے۔ لیکن حضرت حمزہؑ کو جوش محبت اور جذبات قرابت کے اصلی اور عملی خدمات کی تفصیل کو بالکل مرفوع القلم فرما گئے۔ گویا اس واقعہ میں حضرت حمزہؑ کی رفاقت و حمایت نبویؐ کے یہ مشاہدات آپ کی نزدیک ذکر کے قابل ہی نہیں تھے حقیقتاً ہم آپ کی اس فروگذاشت کی ضرورت خاص کو۔ جو آپ کا اصل مدعا ہے خوب سمجھتے ہیں اور واقعی اگر آپ اسکی تفصیل کر دیں تو موحدین سے ملاقات اور احباب خاص کی طلسمی فہرست جو آیندہ ایک بڑے عالم خاص کی بنیاد قائم کرنیکے لئے مرتب کیگئی ہے بالکل غارت اور برباد ہو جائے۔ مگر ہم مجبور ہیں۔ حقیقت حال کا انکشاف کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے چنانچہ یہ پورا قصہ تو ہم حضرت حمزہؑ کے اسلام لانے کے متعلق لکھیں گے۔ یہاں ہم صرف اسکے متعلق اونکی ہی عبارت اور اسکی تفصیل ذیل میں درج کرتے ہیں جسکو آپ نے اصل واقعہ سے نکال دیا ہے۔ اور عربی ماخذوں کی اصلی عبارتوں کے ترجموں میں خواہ مخواہ قطع و برید کر دی ہے۔ دیکھئے آپ لکھتے ہیں۔ ایک دن ابوجہل نے رو در رو گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؑ شکار سے لوٹے تو اوس نے یہ ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؑ غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لئے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا۔

شبلی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کو دیکھکر جو حقیقتاً ایک مضمون ہے جس کی صرف ابتدا ہے خبردار۔ ہر شخص سمجھ لیگا

کہ حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہوگئے۔ تیر و کمان لئے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ مگر تاہم اوسکو آپ سے یہ پوچھنے کا حق باقی رہ جائے گا کہ حضرت حمزہؓ غصہ سے اتنی بیتابی کی کیا وجہ تھی۔ اگر ابوجہل کی گستاخیاں اسکی باعث تھیں تو پھر ان بیتابیوں کا نتیجہ کیا نکلا۔ کچھ بھی نہیں جب آپ کے لکھنے کے مطابق اسکے نتیجہ پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان شور استوری و مایں نے تھی۔ یہ حالی ڈہکی تھی اور رہائی پر چوتی تھی۔ تیر و کمان لئے یہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور کچھ بھی نہ کرسکے۔ نہ معلوم وہ غصہ کیسا تھا اور کیا ہوا۔ اوسکی بیتابی کیسی تھی اور کیا ہوئی۔ ان امور پر غور کرنے کے بعد ہر شخص آپ کے منہ پر کہدیگا کہ آپنے ایسی اس عبارت میں ایک واقعہ کی ابتدا کو تو لکھا لیکن اوسکی خبر کی کوئی خبر نہ لی۔

اب میں اوس ابتدا کی خبر لکھکر بتلائے دیتا ہوں کہ اس واقعہ کے نتیجہ سے حضرت حمزہؓ کی حمایت و رفاقت سوی وجو حقیقتاً قرابت و یکجہتی کے اصلی مقصود میں پورے طور سے ثابت ہوتی ہیں۔ ابن ہشام۔ طبری۔ قسطلانی۔ اور زرقانی سب یہ لفظ لکھتے ہیں۔

فاحتمل حمزة الغضب لما اراد الله به من كرامته فخرج سريعا لا يقف على احد كما كان يصنع يريد الطواف بالكعبة معدا لابي جهل اذا لقيه ان يقع به فلما دخل المسجد نظر اليه جالسا في القوم فاقبل نحوه حتى اذا قام على راسه رفع القوس فضربه بها ضربة فشجه بها شجة منكرة۔ طبری ۱۱۸۰۔ ابن ہشام ۹۹ زرقانی ۹۹

حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہوگئے کیونکہ قدرت خدا نے انکے اس غیظ کی حالت خاص سے اظہار کرامت کا ارادہ فرمایا تھا۔ اسلئے صورت حال سنکر آپ نہایت تیزی سے گھر چلے اور جیسا کہ طواف کعبہ کرتے وقت آپ کا دستور تھا اوس دن اوسکے خلاف آپ حاضرین کعبہ میں کسی ایک کے پاس بھی نہ ٹھیرے کیونکہ آپکا مدعا ابوجہل سے صرف ملنے کا تھا۔ مسجد حرم میں پہونچے ابوجہل اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا آپ سیدھے اوسی کیطرف بڑھتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ آپ اوسکے سر کے بالکل قریب آگئے۔ اپنی کمان (غالبًا لوہے کی ہوگی) اوٹھائی اور اوس سے اوسکو ایک ضرب شدید لگائی۔

غصہ کی شدت اور انتقام کی پرجوشی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ شخص مقابل مخالف کو اوسوقت تک وجہ انتقام میں مبتلا تا وقتیکہ فعل انتقام کو عملی صورت میں انجام تک نہیں پہونچا لیتا یہی کیفیت غصہ کی بیتابی سے حضرت حمزہؓ کی ہوئی جب ابوجہل کو مار چکے یا یوں کہو کہ اوس سے انتقام لیچکے یا اسکو اوسکی گستاخی کی سزا تک پہونچا چکے تو اوس سے بالفاظ طبری یوں ارشاد فرمایا۔ اتشتمہ وانا علی دینہ (ارے دیکھ تو بے جسے گالیاں دیں میں اسی وقت سے اوسکے دین میں آگیا) دنیا کے انصاف پسند اور حق بین حضرات دیکھیں شبلی صاحب نے پیغمبرؐ کے ایسے دلسوز اور جان نثار احباب خاص کی سرفروشی اور جان نثاری کی خدمات کو کیسا چھپایا ہے اور قطع و برید فرما کر کیسا غارت کیا ہے۔ کیا شبلی صاحب پیغمبر صلعم کے ایسے جان نثار اور معین و مددگار کو احباب خاص اور ملاقات رکھنے والے حضرات کی فہرست میں نہیں لے سکتے تھے؟ کیا قبل اسلام اونکی یہ جان نثاری اور حمایت رسولؐ اونکی محبت خاص اور اختصاص کو ثابت نہیں کرتی۔ کیا یہ واقعات ثابت نہیں کرتے کہ خود اوسوقت رسول اللہ صلعم کے گھر میں اونکے سینہ پر اپنا خون گرانے والے موجود تھے۔

اسی طرح احباب میں حضرت عباس کا نام بھی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونکے تعلقات اور جذبات بھی

اوسی مقدار واعتبار پر یقین کیے جائینگے۔ جتنے اور جیسے حضرت حمزہؓ کے۔ یہ وہی بزرگ تھے جس سے قبل رسالت آنحضرت صلعم نے حضرت ابیطالب کی عیالداری اور ناداری کی حالتوں میں اعانت وکفالت کی درخواست کی تھی اور خاص مجلس مشورت قایم کرکے عقیل کو ابیطالب کے پاس رہنے دیا۔ علیؑ کو اپنے پاس رکھ لیا اور جعفر کو اونکے (عباس) حوالہ کر دیا تھا۔ شبلی صاحب کے پاس اتنا دل درد مند کہاں جو بنی ہاشم کے ان باہمانہ اور دلسوزانہ جذبات یکجہتی اور تعلقات قلبی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور قابل الذکر سمجھتے۔ آپ کو تو ہمیشہ ذکر اغیار سے لطف آتا ہے۔ اور اسی سایہ آپ نے اس واقعہ کا ذکر بھی سیرۃ النبی میں نہیں کیا ہے۔ اور کیوں کرنے لگے؟ لیکن حقیقت نے اپنا انکشاف کرا ہی لیا۔ اور حضرت عباس کی نسبت غزوۂ بدر کے آخر میں آپکے قلم سے اتنا نکل گیا ہے کہ

دوسری طرف محبت کا یہ اقتضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سنکر رات کو آپ آرام نہ کرسکے۔ لوگوں نے گرہ کھولی تو آپ نے آرام فرمایا۔ سیرۃ النبیؐ جلد اول ص ۲۴۳

اب آپ ہی تصفیہ فرمائیں کہ جس کی محبت کے تقاضے اس حد تک پہونچے ہوئے ہوں کہ اوسکی تکلیف کی وجہ سے رات بھر رسول اللہ صلعم کو نیند نہ آئی۔ جب اوسکی تکلیف رفع کر دیگئی تب رسول صلعم نے آرام فرمایا۔ تو کیا ایسا شخص اصحاب خاص کی تعریف میں نہیں آسکتا؟ لیکن شبلی صاحب مجبور تھے ان واقعات کو کیسے لکھتے حضرات حمزہ اور عباس دونوں صاحب ہی ہاشمی تھے۔ اہلبیتؑ کے دائرہ میں شمار ہوتے تھے۔ جنکے ذکر و نام سے شبلی صاحب کو چھینک آتی ہے۔

حمزہؓ اور عباس۔ اعمام آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ السلام کے حالات تمام کرکے آپ کے بھائیوں کے حسن خدمات ملاحظہ ہوں۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائیوں میں عبیداللہ بن حارث بن عبدالمطلب بھی اوسی گھر میں تھے۔ اس بزرگ کے حالات اور یقین تو معرکۂ بدر میں پڑھ لئے جائیں۔ آپ خود لکھتے ہیں۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؑ سے مقابل ہوا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا حضرت علیؑ نے بڑھکر شیبہ کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو کندھے پر اوٹھا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اون کے اس شعر کا مستحق میں ہوں

ونسلمہ حتّٰی نصرع حولہ ۔ ونذھل عن ابنائنا والحلائل ۔ ہم محمدؐ کو اوسوقت دشمنوں کے حوالے کردیں گے جب ہم اون کے آگے لڑکر مرجائیں گے۔ اور ہم محمدؐ کے مقابلہ میں اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جائیں گے۔ سیرۃ النبیؐ معرکہ

اس جان نثار اور وفائی بھائی کے یہ قلبی جذبات ہیں اور عملی خدمات جنکو لکھکر آپ خود اقرار کرچکے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بمانند زرقانی اور ابن ہشام۔ اسوقت اون تمام ہاشمیوں میں جو رسول اللہ صلعم کی رفاقت میں جان نثاری کو حاضر تھے۔

یہ سب سے کبیر السن تھے۔ انکا سن اسوقت ترسٹھ[۶۳] برس کا ہو چکا تھا حضرت حمزہ[۴] آنکے چچا ہوتے تھے لیکن ان سے آٹھ برس میں چھوٹے تھے غزوہ بدر میں حضرت حمزہ کا سن ۵۸ برس کا بالاتفاق ثابت ہے۔ اسکے علاوہ اگر قبل و بعد اسلام کی بھی بحث پیش کیجاوے تو انکا اشعار ابیطالب کو پڑھنا اور اپنے جذبات و خدمات کو اونکے مطابق بتلانا ثابت کر رہا ہے کہ اونکی یہ سرفروشانہ خدمات موجودہ حالات کے اثر سے نہیں پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ تعلقات و جذبات اوسیوقت سے اپنی قدامت و اہمیت کا حقیقی ثبوت دیتے ہیں جسوقت سے ان اشعار کے اصلی مصنف نے ان کو نظم فرمایا ہے۔ اور انھیں احساس و اختصاص سے ان خدمات کے روحانی تعلقات وابستہ تھے۔ جنکے زیر اثر ہوکر شاعر نے یہ اشعار نکالے تھے۔ اور اپنے دل کی ترجمانی کا کام اپنی زبان و بیان سے لیا تھا لیکن افسوس ہے شبلی صاحب کے دل میں ان غریبوں کی طرف سے اسقدر درد اور اتنا احساس کہاں کہ ان خدمات پر ان خدمات پر غور کی نظر ڈالیں اور انکی قدر کریں اور اصحاب خاص میں انکو بھی شمار فرمائیں۔

اس فدائی بھائی کی طرح ایک فدائی بھائی گھر میں ابھی اور بھی تھا۔ وہ حضرت جعفر بن ابیطالب[۴] تھے یہ غریب بھی عبیدہ مرحوم کے خلاف قبل اعلان نبوت سے لیکر ہجرت کے آٹھویں سال تک برابر بھائی کی خدمت میں سر بکف جان نثار کیلئے حاضر رہے یہاں تک کہ آپ ہی کے تحریر اقراری کے مطابق "غزوہ موتہ میں (جعفر) اس بے جگری[۵] سے لڑے کہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے" اس قدیم رفیق رسالت کو اور اوس کے حسن خدمت کو آپ بھی جانتے ہیں اور دنیا بھی جانتی ہے۔ یہ وہی قدیم رفیق ہے جو اعلان نبوت اور اظہار اسلام سے برسوں پہلے پیغمبر صلعم کی خلوت اور جلوت میں برابر حاضر رہا۔ یہانتک کہ آپ کے ساتھ عبادات الٰہی میں بھی اوسوقت سے شریک تھا جب مشرکین قریش کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے ہجرت اور ترک وطن و مفارقت احباب کے مصائب اوٹھا کر مکہ معظمہ سے مصر گیا۔ نجاشی کے دربار میں مہاجرین کی طرف سے ترجمان بنا۔ ابوسفیان اور عمر عاص وغیرہ سفرائے مشرکان قریش کی تعریضات کا کلمہ بکلمہ اسی نے جواب دیا کامل چھ برس تک غیر ملک اور غیر قوم میں بال بچے لئے پڑا رہا عین فتح خیبر کے موقع پر حاضر ہوکر قدمبوس رسالت ہوا جناب رسالتمآب صلعم نے بچھڑے ہوئے بھائی کو گلے سے لگا کر فرط مسرت سے ارشاد فرمایا کہ خدایا میں تیری کس کس نعمت پر شکر و مسرت کا اظہار کروں۔ متعلقات خیبر کی فتوحات پر یا جعفر سے ملاقات پر۔ دیکھئے خاتمہ حضرت جعفر کے احوال میں شبلی صاحب خود قمطراز ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ (شہادت جعفر[۴]) کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفر سے آپ کو خاص محبت تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۷۲

[۵] اظہار شجاعت و دلیری کے مقامات پر بے جگری کے خلاف جگرداری کا لفظ زیادہ موزون تھا جو زبان محاورہ کے مطابق تھا۔ اگر جی چھوڑ کر لڑنے کی طرف شمس العلماء صاحب کا خیال گیا ہے تو پہلے جی اور جگر کے فرق کو سمجھ لیا تھا۔ اسلئے یہاں بے جگری کا لفظ بالکل ناموزون بے موقع اور خلاف محاورہ ہے المؤلف عفی عنہ

افسوس ہے کہ ایسا رفیق اور جان نثار بھائی جس سے محبت خاص رکھی جانے کا شبلی صاحب خود اقرار فرماتے ہیں احباب خاص کی فہرست خاص سے کیوں قلمزد کر دیا گیا؟ العلم عند اللہ

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بحث منقدلہ کو تمام کرتے ہیں اور شبلی صاحب کو بتلا دیتے ہین کہ آپ کی دونون سرخیان اور آپ کے دونون عنوان موحدین سے ملاقات کی تفصیل اور احباب خاص کی فہرست دونون زائد از بیان ہین جنکو آپ نے اپنی ضرورت خاص سے ایجاد کیا ہے۔ ورنہ کسی متقدمین یا متاخرین صاحب سیر و تاریخ نے اپنی تصنیفات و تالیفات مین نہ یہ ابواب قائم کئے ہین اور نہ یہ عنوان۔ اسمیں کلام نہیں کہ سبیل ذکر رسول اللہ صلعم سے ان لوگون کے ملنے کا ذکر آیا ہے لیکن اونمین کچھہ ایسی خاص اہمیت نہیں ہے جو ذکر کے قابل سمجھی جاوے مگر علمائے محدثین نے جو کلام و مناظرہ کی رنگ آمیزیون پر زیادہ متوجہ تھے۔ اون حضرات نے حضرت ابوبکر اور زید بن عمرو بن نفیل کے مقبول نام سے بیجا نفع اوٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ حالانکہ یہ بے تنقیدی عبارت اور آپ کے خاص اقرار و اعتراف سے نہ اسکی کوئی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ اصلیت پھر یہ کیون لکھے گئے؟ باعث وہی ہے۔ خود غرضی اور تقلید اسلاف۔ کہ حضرت ابوبکر کی قدامت رفاقت ثابت ہو اور زید بن عمرو بن نفیل سے قدیم صحبت حالانکہ یہ کوشش بھی محض بیکار ہے۔ رفاقت اور صحبت سے اکیلے کام نہین نکلتا۔ انکے ساتھ اور چیزین بھی ضروری اور لازمی ہین جنکی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے اور نہ یہ مقام۔

تاریخ و سیر مین جس غرض سے انکا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ اوس زمانہ مین جو لوگ بت پرستی سے کراہت رکھتے تھے اون مین فطرت صالحہ کے حقیقی جوہر تو کہان۔ ہان اونمین عقل سلیم کا کسیقدر مادہ آچلا تھا اور یہی اونکی کراہت اور انکار بالطبع کا باعث ہوا تھا۔ صرف اتنی نوعیت خیال کی وجہ سے جاہل لوگون کو اونپر محققین وحدت ہونے کا عام گمان ہو گیا تھا مگر بات یہ ہے کہ اون جاہلون مین اوسوقت وحدانیت کے علم جاننے والا کون تھا۔ جو ان لوگون کے علم توحید کی پوری حقیقت کو جانچتا اور اصل توحید کے اصول سے اونکے معلومات کو مقابل کرتا۔ اصل توحید کے مبلّغ اور اوسکی خالص تعلیم کے متمم کا اوس زمانہ مین ظہور ہو چکا تھا اور توحید کامل کی تلقین اوسکے مقدس وجود کا اصل مقصود تھا۔ اس بنا پر جناب رسول اللہ صلعم قبل رسالت ان لوگون سے بعض اوقات ملتے تھے۔ یا وہ آپ کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسا کہ سیر و تاریخ مین لکھا ہے۔ ان مجالست و مکالمات مین حضرت رسالت مآب صلعم کو صرف اونکی حقیقت توحید کا تفحص مقصود تھا۔ نہ اونکے خیالات و جذبات سے کوئی اثر پذیری منظور تھی اور نہ اونکی غلط توحید دانی پر حرف گیری۔ اسی آمد و رفت سے آپ نے اوس زمانہ کے مشہور موحدین کے کمال معرفت اور علم توحید کے مبلغ و مایہ کو پورے طور سے اندازہ کر لیا اور خوب سمجھہ لیا کہ ؎ این رہ کہ میروی بترکستان است۔ لیکن چونکہ اعلان نبوت اور اجرائے احکام رسالت کے لئے اوسوقت تک ماذون نہین ہوئے تھے۔ اس لئے ان لوگون سے کوئی تعریض نہین فرمائی گئی اور اون کو اونکے خیالوں پر چھوڑ دیا گیا۔

موحدین سے ملاقات اور احباب خاص کے پیدا کرنے کی حقیقت تو اتنی تھی۔ اب شبلی صاحب اسکو جتنا نہ بنالین

لیکن ساتھ ہی وقت اتنا ضرور خیال رکھیں جیسا کہ ہم اوپر بتلا آئے ہیں کہ اگر آمین وا بھی اہمیت دی گئی تو رسالت کی کامل اور خالص توحید وانی میں بیرونی اور خارجی اقتباسات واکتسابات کے نقص پیدا ہو جائیں گے۔ جو سراسر منافی شان رسالت ہیں یہ تو صرف موحدین سے ملاقات رکھنے کی حقیقت دکھلا کر مجکو یہ بحث کرنی تھی۔ اسے ہم احباب خاص کی نسبت بھی لاحقہ نظر یہ لکھکر اس بحث کو بھی تمام کئے دیتے ہیں۔ ہم نے اپنے تنقیدی بیان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں اکثر بزرگواروں کے حالات اور انکے محاسن حدیات آپ ہی کے اظہار واقرار سے لکھکر بتلا دیا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے شبلی صاحب کو احباب خاص کی فہرست تیار کرنیکے وقت بہت سے حضرات مل سکتے تھے جو آپ کے تجویز کردہ لوگوں سے اوصاف آداب اور خدمات کے اعلیٰ اعتبار وامثال سے احباب خاص ہونے کے قابل تھے۔ اور حقیقتاً تھے بھی ایسے ہی۔ آپ کا یا کسی کا استثنا وانکار گوشت سے خون کو علیحدہ نہیں کرسکتا۔ آپ یا کوئی اور عالم اس سے لکھنے یا نہ لکھنے سے کیسے یا نہ کیے یہ روحانی تعلقات اور فطرتی مسلمات۔ نہ انکار کے طالب ہیں نہ اقرار کے طلبگار شبلی صاحب نے بڑی فروگذاشت کی جو ان بزرگوں کو احباب خاص کی فہرست سے قلمزد کردیا۔ حالانکہ ان حضرات سے بڑھکر کسی کو آپ کے احباب خاص ہونیکا اور سوقت نہ حق حاصل تھا اور نہ دعویٰ۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے انکے قبل اسلام حالات و واقعات پر غائر نظر نہیں ڈالی یا ڈالکر اپنی ضرورت خاص سے تاہم سمجھکر مطلقاً دیکھا بھی نہیں ورنہ آپ کو معلوم ہوجاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق وتائید کرنے والے ہر بات پر جان دینے والے انکے گھر ہی میں خدا کے فضل وکرم سے اتنے تھے کہ آپ کو کسی بیرونی اور خارجی معاون مددگار اور طرفدار کی ضرورت نہیں تھی۔ احباب خاص سے خصوصیت پیدا کرنے کی محتاجی تھی۔ نہ مصاحب عام سے مصاحبت کی مجبوری آپڑی تھی آپ کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ عقاید اسلام کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباء کرام اور بنی ہاشم بخلاف دیگر اقوام وقبائل قریش۔ طریقہ توحید پر متحمل تھے۔ گو وہ توحید توحید اسلام کے مقابلہ میں کتنی ہی قلیل اور بے مقدار ہو جیسا کہ اکثر بزرگان بنی ہاشم کے متعلق آپ سیرۃ النبی میں خود اعتراف فرما چکے ہیں۔ ہم اس بحث کو پوری تفصیل کے ساتھ عنقریب بیان کریں گے۔

اسباب رسالت آغاز نبوت کی تفصیل حالات سے پہلے ہمکو جناب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے اسباب اور وجوہات پوری تفصیل وتشریح کے ساتھ لکھدینے نہایت ضروری ہیں۔ اسلیئے کہ عالم اسباب میں ہر شے کے نظم کے لئے ایک سبب کا ہونا ضروری ہے۔ نظم دنیاوی کس شمار میں ہے جب نظام آسمانی کیلئے ایک سبب خاص کا ہونا ضروری تسلیم کرلیا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ ہے کہ تفویض رسالت کی نسبت وہ اسباب ضروریات اور انکے اصلی واقعات اور حقیقی مشاہدات کے ساتھ دکھلا دینا اور بتلا دینا نہایت ضروری ہیں جنکی ناگزیر اور غیر متحمل موقعوں پر قدرت کو ایک جدید اور ایک تازہ پیغمبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اخبار واسفار قدیمہ (توریت وانجیل) سے قدرت کے ان انتظامات کا سلسلہ وار

اور نہایت استوار ثبوت ملتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ وہ ضرورتین بھی نہایت وضاحت سے معلوم ہوجاتی ہین جو قدرت کے لئے تفویض رسالت کے باعث اور اسباب قرار پاتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے کتب قدیمہ مین ان واقعات کو دیکھنے کی زحمت گوارا کرلیجائے تو نہایت آسانی سے حقیقت کا انکشاف ہوجائیگا ان دو وجہون کے علاوہ آغاز رسالت سے پہلے اسباب رسالت بیان کرنے کے لئے ہمکو ایک وجہ اور ایک ضرورت خاص ہے جو ہماری دونون مندرجہ بالا ضرورتون سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اوس رسول ص کے حالات اور اوسکی رسالت کے اسباب خاص بیان کرتے ہین جو بقول شبلی صاحب مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر کفایت کرنے نہین آیا تھا۔ یا حضرت کلیم کی طرح صرف اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکل جانے کی غرض سے ہین تعین فرمایا گیا تھا۔ وہ خاتم الانبیا تھا صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ اور بیشبہ خاتم الانبیا بناکر اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ دنیا کے تمام خطرات و مفسدات سے خود سلامت رہکر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام معمورۂ عالم کو اپنی انوار رسالت اور آثار ہدایت سے پرنور فرمادیتا۔ شریعت بھی اوسی سے وابستہ تھی اور انتظام سیاست بھی۔ اس بنا پر اس ذات مقدس کی ذمہ داریان اون تمام بزرگوارون سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھین۔ یہ لازمی ہے کہ اون کے اسباب بھی ایسے مقدار مین بڑھے ہون۔

شبلی صاحب تو ہمیشہ اشارون سے کام لیتے ہین اور تفصیل دوسرون پر چھوڑ دیتے ہین۔ مندرجہ بالا عبارت مین ضرورت اور اسباب رسالت آنحضرت صلعم کو مبہم طریقہ سے بتلا تو گئے اور کتب عہد عتیق و جدید کی گذشتہ شریعتون پر شریعت قرآنی کی ترجیح بھی دکھلادی گئی ہے۔ لیکن اشارات و کنایات تک اصل مدعا کو کس حد تک محدود و مخفی رکھا گیا کہ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ حالانکہ یہ موقع ان امور کی خاص تفصیل اور کامل تشریح کا ہے ورنہ بیان مین دعوی بے دلیل ہونیکا نقص لازم آئے گا۔

خیر آپ نے ضروریات تفصیل پر توجہ نفرمائی۔ اور واقعات رسالت ہی کی تفصیل سے ابتدا کردی۔ یہ آپ کا خاص مختار تالیف ہے۔ لیکن ہم نے واقعات رسالت کے آغاز سے پہلے اسباب و ضروریات رسالت کے بیان کو ضروری یقین کرلیا ہے۔ اور اول اسباب مین اس آخر سبب و ضرورت کو مفصل طور پر لکھدینا سب سے زیادہ اپنے لئے ضروری سمجھ لیا ہے جس سے خاص طور پر مسیحی دنیا کو معلوم ہوجائے کہ جس شریعت کو وہ بالکل ناقابل اصلاح غیر مبدل ابدی اور سراپا آسمانی حکومت یقین کئے ہوئے تھے۔ وہ اصولاً اپنے مبلغ اور معلم کی اصلی تبلیغ اور حقیقی تعلیم سے چھ سو برس کی مدت مدید مین تعصب۔ حسد۔ نفسانیت اور خود غرضی کی غلط کاریون سے تباہی و بربادی کے آخر کنارون تک پہونچ گئی تھی اور ایسے خراب ہوگئی تھی کہ اوسکی موجودہ خدا پرستی اور بت پرستی مین کوئی فرق باقی نہین رہا تھا۔

ہم کو یہ بھی لکھدینا ضروری ہے کہ عیسائیت ہی پر منحصر نہین۔ اوس زمانہ کی عام تاریکی مین تمام مذاہب قدیمہ کی ایسی ہی خراب حالت تھی۔ لیکن چونکہ اوس زمانہ مین تمام مذاہب پر عیسائیت غالب تھی اسلئے سب سے زیادہ اسکی تفصیلی کیفیت کا بیان ہمارے لئے ضروری ہے کیونکہ ہمارے موجودہ موضوع تالیف مین ہمکو عیسائی مصنفین کے تمام مغویانہ اور متعصبانہ حملات کی تعداد قدم بقدم پیش آئی گی

جیسا کہ ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہو چکا اور آئندہ ظاہر ہوتا جائیگا شریعت کی تباہکاریوں کے ساتھ انکی سیاست کی سیاہکاریوں کی تفصیل بھی نہایت ضروری ہے۔ اسلئے کہ یہ مُصلحِ کائنات علیہ وآلہ التحیات۔ کلّیات عالم کے دونوں مجموعوں کو یکجا اور بیکوقت درست و مرتب فرمانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

شبلی صاحب کی طرح اکثر اسلامی مؤرخین نے ان مضامین کی تفصیل کو اسوجہ سے ضروری نہیں سمجھا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ممالک غیر کے اقوام و مذاہب کے حالات و واقعات کو جو بجائے خود مشاہدات کے معیار تک ثابت ہیں بیان کرنا بیضرورت ہوگا لیکن علی الاکثر مصنفین و مولفین نے ان امور کی تفصیل کو بھی اپنی تصنیفات و تالیفات کا جزو ضروری سمجھا ہے۔ اپنی موجودہ تالیف میں میں نے اپنا بھی یہی مختار قائم کیا ہے۔ اور مندرجۂ بالا تفاصیل کو نہایت ضروری سمجھا ہے۔ اس موضوع خاص میں میں نے عربی۔ فارسی۔ اُردو اور انگریزی کے اکثر ماخذوں کو بالاستعیاب دیکھا ہے کسی اسلامی مؤلف نے اس مضمون کو ایسی وضاحت اور تفصیل سے نہیں لکھا ہے جیسی تصریح و تشریح محترم قوم و وطن رائٹ آنریبل مسٹر سید امیر علی سی۔ آئی۔ ای۔ دام اقبالہ نے اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام میں

اکثر حضرات کو یہ شبہ ہوگا کہ اسلامی واقعات و کارنامجات کی تائید میں اسلامی مولفین کے مختار و آرا کو پیش کرنا استدلال کلامیہ کا ضعیف اور نامعقول طریقہ ہے لیکن ہم انکو باور کراتے ہیں کہ مؤلف ممدوح کے تمام بیانات نہ اونکے خاص مختار ہیں اور نہ اونکے خاص آراء و اقوال۔ بلکہ بالکل یوروپین مولفین و مصنفین قدیم و جدید کے خاص اقتباسات ہیں اور اعترافات اسلئے حقیقتاً نہ وہ اسلامی مولفین کی تحریریں ہیں اور نہ اونکی تائید جیسا کہ عنقریب اصل عبارت سے تفصیل ظاہر ہوگا اس تفصیل میں مؤلف ممدوح نے جو ترتیب بیان قائم کی ہے ہم اوس میں کسی قسم کی مداخلت کو مناسب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُسی ترتیب و ترکیب کے ساتھ پہلے دین مسیحی کی تمام خرابیوں کو بالترتیب ہیں دکھلائیں گے اور تمام اقطاع عالم میں اسکی بدنظمی اور بدعملی کو بتلا کر آخر میں جزیرہ نمائے عرب میں اسکی (عیسائیت) خراب حالت اور وہاں کی ملکی اور قومی خرابیوں کو بالتفصیل بیان کرینگے۔

مذہب یہود کی زوال پذیر حالت | یہود کو شاہان بابل کے قید سے مخلصی پائے ہوئے گیارہ صدیاں گذر چکی تھیں اور اس مدت مدید میں اونکے حالات میں بیشمار اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ مصائب و شدائد کے وہ سلسلے جو حضرت موسیٰؑ کی تباہ شدہ قوم کو پیش آتے گئے۔ وہ ٹیٹوس[1] اور ہارڈین[2] کی لڑائیوں کے موقع پر اپنی انتہائی درجوں تک پہونچ گئے تھے۔ لا مذہب حکومت

[1] ٹیٹوس (طیطوس) اس کا اصلی نام (FLAVIOUS SABISWSUSVES PASINUS) فلیویوس سبینیئوس وسپاسیانوس) ہے ایک رومن بادشاہ تھا سپاسین نامی شاہ روم کا بیٹا تھا۔ یہ اپنے باپ کے عہد میں سپہ سالار تھا اور محاصرۂ بیت المقدس میں اس نے بڑی ناموری حاصل کی۔ اس نے ۷۹ء میں تخت حکومت پایا شباب کے زمانہ میں یہ وارستہ مزاج اور بدوضع سمجھا جاتا تھا اسوجہ سے لوگوں کو خوف تھا کہ یہ اپنے زمانۂ شاہی میں ایک دوسرا نیرو ثابت ہوگا لیکن اوسکے مابعد کے اعلیٰ درجہ کے اطوار سے ثابت ہو گیا کہ اوسکی نسبت

روم نے اونکے تمام معابد کو مسمار کر دیا اور اونکی قومیت کو آگ اور خونریزی کے ذریعون سے بالکل نیست و نابود کر دیا عیسائی حکومت قسطنطنیہ نے بھی بیرحمانہ غیظ و غضب کے ساتھ اونکا تعاقب کیا لیکن باایں ہمہ اونکے گذشتہ مصائب آئندہ کے لئے اونکو کوئی اچھا سبق نہ دے سکے۔ انکے یہ تمام ذاتی مصائب بھی جو اونھوں نے اپنے بیرحم تعاقب کرنے والون کے ہاتھون اوٹھائی تھیں اونھیں انسانیت اور اطمینان سے رہنے کی قدر و منزلت نہ سکھلا سکے۔ اونکی خونخوارانہ بیرحمیان جو اونھون نے مصر سائیرین اور سایرین کے شہرون مین۔ وہان کے بے قصور باشندون کے ساتھ محض مکارانہ اور مفسدانہ طریقون سے کی تھین وہ اون کے خوفناک طریقہ بغاوت کا ثبوت دیتی ہین۔ سلسلۂ اسرائیلی تقریبًا بالکل تباہ و برباد ہو چکا تھا۔ اونکی قوم کے لوگ تمام روئے زمین پر پریشان و بے سامان مارے پھرتے تھے۔ دور دراز قطعات عالم مین اپنی پناہ و محافظت کی مقامات ڈھونڈتے پھرتے تھے لیکن اسکے ساتھ ہر گوشہ اور ہر مقام پر اپنا وحشیانہ غصہ غیر معقولانہ نخوت۔ بغاوت خیز قلب کی شدت اور فساد و لئے جاتے تھے۔ جن کا عیب و الزام اونکو ایک بیشمار سلسلہ انبیا کے ذریعہ سے برابر لگایا گیا اور بتایا گیا تھا۔ غیر ممالک مین بھی یہودیوں نے اپنے مامن کے مقامات میں اپنی گذشتہ حرکات کے مناظر پیش کر رکھے تھے۔ اگرچہ تمام قوم یہود کو پھر اپنے دن پھرنے کی اُمید ضرور تھی۔ مگر وہ امید بھی ایک طرف غیر معقولانہ تعصب اور ایک طرف انقیر و سانہ تعیشات و اسرافات کی خواہشون سے مخلوط تھین۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے بھی اور چلے بھی گئے لیکن اس قوم کے لوگون پر اپنا کوئی نمایان اثر نہ پہونچا سکے۔ طفیل بعوت (حضرت عیسیٰؑ) صرف نزول مسیحاء کے اون خیالون مین (اور ردّ و قبول کی حالتون مین) پیچیدہ رکھا گیا۔ جو اندلون تمام اقصائے

حاشیہ صفحہ گذشتہ یہ تمام خیالات محض بے اصل تھے۔ اور بالآخر تمام طبقہ رعایا میں وہ اسقدر ہر دلعزیز ہوا کہ اوسکو بھی نوع انسان کی مسرت عام کا لقب دیا گیا [illegible] مین پیدا ہوا اور [illegible] مین مرگیا۔ (Beetons Hist (T) P 837)

۵۲ ہاڈرین یا آڈرین۔ اصلی نام اس کا پبلیوس ایلیوس (Publus Aelus) شاہان روم میں بہت عظیم الشان بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے حکومت میں نہایت اعلیٰ قابلیت دکھلائی۔ پہلے اسنے فوج کی ملازمت اختیار کی اور ایک محاربین مذہب کے رسالے مین داخل ہو گیا۔ لیکن اس نے سبینہ (Sabine) شاہ طرجان (Trajan) کی لڑکی کے ساتھ شادی کر لی اور اوسکو جنگی مہمات میں اپنے ساتھ لیتا گیا پھر بالتدریج وہ علاقہ پینونیا (Pannonia) اور وہان کی کونسل کا گورنر مقرر ہوا ۱۱۷ء مین شاہ طرجان کے مرنے کے بعد وہ تخت نشین ہوا اُس نے شاہان فارس سے صلح کر لی اور رعایائے روم کا قرض ادا کر دیا کسی بادشاہ نے خاص طور پر سیاحت کر کے ملک کے اندرونی حالات سے اتنی واقفیت نہیں پیدا کی تھی جتنی آڈرین نے۔ اوس نے پیادہ دور دراز مقاموں میں سفر کیا اور تمام ملک کے علاقہ کو خود ملاحظہ کیا ۱۲۰ء مین اوسنے علاقہ گال کی سیر کی۔ اور وہاں سے برطانیہ میں آیا یہاں آکر اوس نے سالوے فرتھ (Solway Firth) سے لیکر دریائے ٹائن (Tyne) کے دہانے تک ایک دیوار تیار کرادی۔ یہ دیوار اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ روم کا علاقہ کلیڈ و ینین کے حملات سے محفوظ رہے۔ برطانیہ سے کوچ کر کے وہ ممالک افریقہ اور ایشیا میں گیا ۱۳۲ء میں اوس نے ایلو سینیس (فرقہ باطنیہ) شہر ممفس (ممفس) میں نام لکھوایا۔ اور یونانیوں کے عقاید متوہمہ کے مطابق اس شمول کے ذریعہ سے اوس نے اپنے مرنے کے بعد باغ الیسیا (Elysia) میں ابدی مقام پایا۔ اسکے زمانہ حکومت میں عیسائیوں نے بڑے بڑے مظالم

عالم میں پھیلے ہوئے تھے ۔ ا ۔ یہی ایام ہیں اوس طفل نبوت کی مقدس ولادت اور رحلت واقع ہوئی تھی ۔ اسمیں کلام نہیں کہ صحیفہ دانیال کی عبارت نے جو قوم کی ان سخت مصیبتوں کے وقت مرتب ہوا تھا ۔ اس معلم اور مبلغ نبوت کا دلپر بہایت گہرے اثر پہونچائے تھے ۔ اور وہ قوم کی ہیبتناک حالتوں پر افسوس کر رہا تھا ۔ یہودیوں کے فرقہ زیلاٹ[۱] کی ظالمانہ مدعات اپنے کوہستانی مساکن میں فرقہ فریسیون کی آزادی کے نیمدل خیالات فرقہ السینیون کی خیالی امید نجات پھیل کر ایک طرف تو حکومت اسکندریہ تک پہونچ گئے اور دوسری طرف بدھ مت کے زیر اثر آئے ہوئے ممالک ہندوستان تک صحرا نشین درویشوں کی ہدایات اور تہدید و تنبیہہ ارشادات جنکی ہستیان دربار ہیرودس[۲] سے علیحدگی اختیار کرنے کے جرم میں قربان ہوگئیں سب اپنے دلی استغاثے حضرت عیسےٰ سے پیش کرتے تھے لیکن بیرحم رومانی کی جو پنجیں سلطنت یہودیہ کے دل کے اندر پیوست ہوگئیں ۔ اور اوسکے تمام محافظ دستہائے فوج کے نظام ملکی کے متعلق امید انقلاب پائمال ہوگئیں ۔ حضرت عیسیٰ ع کی تبلیغ رسالت میں خاموشی اور صرف خدا کے ذریعہ سے سلطنت آسمانی کی اُمید حصول اُس زمانہ کے معیار خیالات و جذبات پر صرف مبنی تھی ایسے زود غضب اور غیر مغلوب متعصب لوگوں کو حضرت عیسیٰ ع عام اخوت اور محبت کی تعلیم دیتے آئے تھے ۔ ایسے مغرور اور تشخص پسند قوم (یہود) کے درمیان آپ نے تواضع اور انکسار کی راہ تبلائی ۔ اپنے خاص حواریوں پر ہمیشہ مہربان اور شفیق رہکر اور تمام طبقات انسانی کے ساتھ طریقہ مساوات قایم رکھکر اوس نے زہد و اتقا کی اعلا یادگار چھوڑی ۔ زبردست دولتمند اور حکمران حلقوں میں تو آپ کی (عیسیٰ ع کی) تبلیغ نے نفرت ۔ دہشت ۔ تعریض اور تردید کے جذبات کو مشتعل کر دیا ۔ لیکن نادار مفلوک الحال اور ان پڑہ لوگوں میں اس معلم ربانی کی گہری محبت نے خلوص و احسانمندی کے خیالات کو ابھار دیا ۔ ایک دفعہ روز روشن میں وہ اپنی رسالت

حاشیہ صفحہ گذشتہ اوٹھائے اس نے کوہ مقدس کالوری (Calwary) پر سیارہ جوپیٹر (Jupiter) جرجی کے نام پر ہیکل تیار کی اور بیت لحم میں اڈینیوس[۱] (Adinus) کا بت قایم کیا ۔ اور بیت المقدس کے دروازے پر سؤر کی تصویریں منقش کرادیں یہ باتیں تمام اس امر کا ثبوت دیتی ہیں کہ اوسکو عیسائیت سے سخت نفرت تھی یہودیوں کی لڑائی جو اس کے ظالمانہ اطوار کا نتیجہ تھی ۔ اڑہائی برس تک قایم رہی ۔ جسمیں پانچ لاکھ اسی ہزار آدمیوں کی جانیں تلف ہوگئیں اوس نے بستر مرگ پر زبان لاطینی میں کچھ اشعار نظم کئے ۔ جنمیں اپنی روح سے خاص طور پر خطاب کیا ہی جسکے اقتباسات پوپ نے اپنی مشہور نظم ۔ ایک مرتے ہوئے عیسائی کی مناجات میں داخل کیا ہی ۔ اسمیں کلام نہیں کہ اوس میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں لیکن وہ بھی اوسکی خرابیوں میں مخلوط ہوگئیں یعنی ۷۶ء میں پیدا ہوا اور ۱۳۸ء میں فوت ہوا ۔ (Beetons P 28)

[۱] انیقورس Epicurus یونانی فیلاسفر کا نام ہے اسکی تعلیم یہ تھی کہ تعیشات اصل مدعائے حیات ہے ۳۴۲ ق ۔ م میں پیدا ہوا اور ۲۷۰ ق م میں فوت ہوا ۔ (Chambers P.313) [۲] اڈینیوس Adinus شام (اسیریا) کے بادشاہ تھیاس نامی کا بیٹا جو اوسکی لڑکی مرجانای کے بطن سے تھا ۔ دیوی زہرہ کا معشوق تھا ۔ وہ شکار کا بڑا عادی تھا ۔ اوسکی معشوقہ نے وحشی خونخوار جانوروں کے شکار سے اوسے منع کر دیا تھا اسلئے کہ اون کے شکار میں اسکی جان کے ضائع ہونیکا خوف لگا تھا ۔ اوس نے اپنی معشوقہ کی اس مشورت پر بہت کم توجہ کی آخرکار ایک صحرائی سؤر نے اوسکو ایک مہلک زخم پہونچایا جسکو اُسنے زخمی کیا تھا ۔ جب سیارہ زہرہ کو اسکی خبر لگی تو اوس نے اپنے عاشق کو پر از زاری کر کے اوسکو ایک تازہ پھول انیمون (Anemone) کی شکل میں منتقل کر دیا (دیکھو

کی پوری کامل الیقین و امید در مسیحا ی موعود کی پوری عظمت و شان کے ساتھ مخالفین یہود کے دارالسلطنت (بیت المقدس) میں آیا۔ شاید دو ہفتے آئے ہوئے نہیں گذرے ہوں گے کہ وہ (عیسیٰ ع) اپنے مدعا کی اصلی کامیابی کے ساتھ مصلوب کر دیا گیا ان تمام مرویات مین جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور واقعات سیرت کے متعلق مشہور ہیں۔ اتنی بات تو ضرور نمایاں ہے کہ آپ ناداروں مین پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے مواعظ و تبلیغ دھی حریاکی جاب تھے۔ اسمین کوئی کلام نہین کہ آپ ربانیوں[5] کے علوم مین پورا کمال رکھتے تھے۔ آپ کی قلیل المدت رسالت قصبات کے عام طبقات کے ساتھ محدود تھی۔ جن مین بالکل ناداری کا ستر کار اور قصبہ گلیلی (خلیل) کے ماہی گیر شامل تھے۔ اس بنا پر آپ کے حواریون محض غربا اور بے لکھے پڑھے اشخاص تھے

عیسائیت کی خرابی

باوجود اپنی زود قبول اصول طبیعت اور اون معجز نما جذبات و مشاہدات کے حواو نکے قلوب پر اوس معلم ربانی کے یکایک چلے جانے سے پرتوفگن ہوا تھا تاہم ان لوگون (حواریون) نے اوس معلم کو ایک انسان سے زیادہ نہین سمجھا اسکے یہ عقاید اور اوسکی تعلیم اوسوقت تک الیسی ہی قایم رہی حتیٰ کہ پال نے۔ اُس شخص (حضرت عیسیٰ ع) کا ایک خاص طریقہ مذہب تو ایجاد کر لیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ ع کے مصلوب کئے جانے کے مجلس مشورت مین صدر نشینی اختیار کی۔ اسی کے اختراع و ایجاد سے مذہب عیسائیت میں ذات الٰہی کے ساتھ فرشتون کی مماثلت کا رواج ہوا۔ دینیات عیسائی کے مورخین کا جیسا بیان ہے کہ فیضان روح القدس پہونچائے جانے کے وعدے کے برخلاف یہ قرار پایا کہ کتب الہامی کی تائید و محافظت کے لئے ایک ایسا موید و محافظ فراہم کرنا ضروری ہے۔ جو تمام علوم و فنون میں کامل ہو۔ جو اپنے علمی حربون سے علماے یہود اور تلامذ حکماے یونان سے مقابلہ و مجادلہ کر سکے۔ اس ضرورت خاص سے خود مسیح علیہ السلام نے ایک عجیب غریب آواز کے ساتھ۔ آسمان سے اپنے ایک تیرہویں[13] حواری کو پکارا جس کا نام پہلے سال (ساول تھا) پھر بعد مین پال (پولوس) قرار پا گیا جسکو علوم یہود و یونان مین وسیع استعداد حاصل تھی۔ اسپرٹ آف اسلام۔ دیباچہ۔ ص ۲۱ بحوالہ Ecclesiastical Hist vol ii Rea. Mocheim)

حاشیہ صفحہ گذشتہ شیکسپیر کی نظم وینس اور اڈونیوس) پراسرپائن (Proserpine) نے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے مار ویگرا اوسکو زندہ کیا۔ مگر اس شرط پر کہ چھ مہینے وہ وینس کیساتھ بسر کرے اور چھ مہینے پراسرپائن کے ساتھ لطف صحبت اوٹھائے حزقیل نبی کی کتاب میں تموز (Tammuz) نامی شخص کا ذکر آیا ہے اُس سے اڈونیس سمجھا جاتا ہے چھ مہینون کے شروط مندرجہ بالا کو سرد و گرم کے سالانہ فصلون کا باعث خیال کیا گیا ہے اڈونیس کے نام پر ایک دریا ہے جو کوہ لبنان سے نکلکر دریائے مالوس میں گرتا ہے Beetons P.27

[1] ذیلات (Zealots) مخالفین یہود کی ایک جماعت جنکی مخالفت بمقابلہ سلاطین روم کے آخرکار شہر بیت المقدس کی بربادی کا باعث ہوئی
Chambers P 1145.

[2] ہرودیس (Herodius) یہودیون کا بادشاہ جسکے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب کئے گئے۔

[3] پرچم ہمائی۔ رومن بادشاہوں کی علامت سلطنت۔

[4] یہود اپنے علماکو ربیون کہتے تھے اور اکثر احبار بھی المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

فرقۂ زردشتی

میگوزورسٹیرین Manigo Zoaristanan ایک نجات دہندہ فرشتہ کی آمد کا عقیدہ رکھتے تھے جسکو وہ سروش کے لقب سے مشہور کرلے تھے اور مشرق سے اوسکے ظہور کی امید کرتے تھے بُدھ مذہب کے لوگ خدا کے ایک مماثل کا جو ابک ایک دوشیزہ سے پیدا ہو گا عقیدہ رکھتے تھے اہل اسکندریہ کے صوفی مشرب مقرار مقالات لاغوس[ل] Logos اور دمیا عورث (Demiurge[ع]) کے قائل تھے۔ وہ مخفی عقائد جو حیات ممات اور نجات اوسرس (Osiris[سہ]) کے متعلق اور اسس کریس (Isis Ceres[ک]) کی نسبت اس صورت میں کہ مادر دوشیزہ اپنے نو مولود خدائے شمس ہوروس (Horus) کو اپنی گود میں لئے ہوئے پائے جاتے تھے اور یہ عقاید ممالک مصر و شام میں علی العموم رائج تھے۔

پولوس نے خالص عیسائیت کو خارجی عقائد سے آلودہ کردیا

پال (پولوس) فطرتاً فریسی Pharisee عقائد کا عالم تھا کامل طور پر ان نیم صوفیانہ نیم فلسفانہ وقتی خیالات اور مقامی جذبات میں مبتلا ہوگیا۔ خواب و خیال کا ہمیشہ سے عادی تھا۔ لیکن تعلقات پر جوش تھا۔ عوارض جسمانی سے بھی وہ خالی نہیں بتلایا جاتا تھا جیسا کہ اسٹراوس[ہ] (Strauss) بیان کرتا ہے کہ وہ کبھی اوس معلم اعظم (مسیح علیہ السلام) سے ملاقات حاصل نہیں ملا تھا (وہ پال) فوراً اوسکی

ل لاغوس۔ اسٹائک فلاسفی میں (Stoic Philosophy) انسان کی وہ قوت جو نظام دنیا کے تدابیر کے فرائض انجام دے Chambers 535

ع دمیا عورث۔ مادی فلاسفی کی حکمت عقاید یادین (دہریہ) میں وہ قوت جو دنیا اور اشیا کی پیدا کنندہ ہو لیکن وہ خدائے قادر کے تابع ہو۔

سہ Chambers P 245 ، اوسیرس (Osiris) قدیم مصریوں کا بت تراجا جو تبیب (Sheb) اور نٹ (Nut) کا بیٹا تھا اوسکی بی بی کا نام اسس (Isis) تھا۔ اوسیرس کو سٹ نے مار ڈالا لیکن ہوروس نے سٹ سے اپنے باپ کا معاوضہ لیلیا اور ہوروس قیامت میں منتقم کے عہدے پر مامور ہوا Chambers P 63 المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

ہ اسٹراوس کا اصلی نام ڈیوڈ فریڈرک اسٹراس (David Fredrick Strauss) ہے جو ۱۸۳۲ء میں شہر ٹوبنجن (جرمنی) کے اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر مقرر ہوا سنہ ۱۸۳۵ء میں اوس نے ایک لطیف تالیف موسوم بہ حیات عیسیٰ شایع کی۔ اور اوسکی حیات پر مقدانہ تعریض کی۔ اور مفصل طور پر یہ لکھا کہ شریعت عیسوی کی جو تاریخ علمای عیسائیت نے تیار کی ہے وہ سراپا موضوعات ہے اور عہد نامہ قدیم کی بشارات مسیح کی خیالی اور متوہمانہ اصول پر قایم ہیں ان قیاسی اصول کو دوسری صدی میں عیسائیوں نے عیسائیت میں ماخوذ کیا اور پھر اوس وقت سے بالتدریج تمام دنیا ئے عیسائیت کے عقائد میں داخل ہوگیا اس جرم میں وہ ٹوبنجن کی ملازمت سے موقوف کردیا گیا پھر (Stuttgart) اسٹٹ گرٹ کا اتالیق مقرر ہوا۔ اوسکی کتاب کی تردید شایع ہوئی تو اوس نے اوسکے وجوہ اگانہ جواب مگر مواعقانہ طرق سے لکھکر شایع کرائے لیکن باایں ہمہ ملک و قوم میں اوسکی طرف سے مخالفت ایسی سخت اور گہری ہوگئی تھی کہ اسکے بعد جب وہ دار العلوم زورچ (Zurich) میں فلسفہ اور تاریخ مذہب کا پروفیسر مقرر ہوا تو اوسکو فوراً مستعفی ہو جانے پر مجبور کیا گیا اور وہ انجمن انتظامیہ جس نے اسکو مقرر کیا تھا برخاست کردی گئی پھر اوس نے ایچوبرت (Schubert) جرمن کے مشہور شاعر کی سوانح عمری لکھی پھر دوسری کتاب عیسائیت کی عقاید نامی لکھکر شایع کی ۱۸۴۸ء میں اسٹٹ گرٹ کی ڈائٹ کا ممبر مقرر ہوا اوسکی آخر تصنیف عیسائیوں کے قدیم اور جدید عقائد نے تمام ملک و قوم میں بڑی برہمی پھیلادی۔ شہر لڈمیرگ میں ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا اور شہر برلن میں ۱۸۷۴ء میں فوت ہوا۔ (Beetons Hist P 793)

ذات مین (مسیحؑ) وجود الوہیت یا ظہور فرشتہ کے تسلیم کرنیکی طرف مائل ہوگیا۔ پولوس نے اس کی بنا پر اوس معلم جلیل کی ساری تعلیم مین نامہیب نیو فیثا غورثین[1] (Neo Phythagourians) کے مخفی اصول۔ اور اپنی ذہانت وطباعی کے دلائل اور توحید فی التثلیث کے طفلیات جنکو اوسنے ممالک مشرقیہ سے اخذ کیا تھا۔ داخل کردے۔

بیرونی اور مقامی عقائد عیسائیت کے باہمانہ رشک وعداوت۔ سودیون کے مخالف وموافق طریقہ کے عقاید کی عجیب وغریب شہرت۔ دو حواریون یعنی پیٹر (فطرس) اور پال (پولوس) کی باہمانہ مخالفت وعداوت نے بالکل طشت ازبام کردی۔ ایسٹ آف اسلام دیباچہ ص ۲۲ بحوالہ Milner's Hist of the church of christ Vol I pp 26+28.

وجود عیسیٰؑ کی متعلق عیسائیون کے مختلف عقائد اور مختلف فرقے

اونائٹ (ایبیون) (Ebionites) فرقہ کے لوگون کے عقائد نبی ناصریؑ کے اصلی حواریون کے عقائد کے بالکل نمونے تھے اونکے عقاید مین نبی ناصری انلوگون سے اپنی رسالت کے زمانے مین حسب المعمول ہمکلام ہوتا تھا۔ ساتھ بیٹھتا اوٹھتا تھا۔ اور وہ اپنی تمام افعال عقلی اور بشری کے اعتبار سے ہمیشہ اونکے سامنے اوسی فطرت وخلقت کا آدمی ظاہر ہوا کیا جس فطرت وخلقت کے وہ لوگ خود تھے۔ اونھون نے اوسکو بچپن سے بالتدریج جوان ہوتے۔ اور آغاز جوانی سے کامل الانسان ہونے تک بچشم خود ملاحظہ کیا تھا اسیطرح اونھون نے بالتدریج اوسکے تمام قوائے جسمانی اور عقلی کو ترقی کرتے ہوئے دیکھا تھا اس لئے ان لوگون کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان محض ہونے کی نسبت ان لوگون کے ذاتی علم ومشاہدہ پر مبنی تھا۔

اس اصلی عقائد سے تفریق وعلیحدگی جوبہت سے درمیانی طریقوں کی صورت مین اور انواع واقسام کے فرقون مین ہوکر اسوقت سے لیکر کونسل مالس واقعہ ۳۲۸ء تک مثل طریقہ ڈوس ٹیوس[2] (Docetes) (دقنیون) مارکاؤنائیٹس[3]

---

[1] فیثا غورث۔ یونان کا مشہور حکیم اوسکے نوائی حالات کی تاریخ بہت مختصر ہے لیکن ظن غالب یہ ہے کہ اوس نے مصر مین سالہا سال ابتدائی تعلیم پائی تھی۔ اور ممالک ایشیا کے قطعات کثیر مین سیر وسیاحت کرنے کے بعد اپنے وطن مین واپس آیا تو اوس نے دیکھا کہ حکیم پولیقریطوس نے شہر سوموس (Somos) جو اوس کا وطن تھا حکومت کو ناحق غصب کرلیا ہے۔ یہ دیکھکر وہ فوراً شہر اٹلی (Italy) کی دار السلطنت کروٹنا (قرطنہ) (Crotona) مین چلا گیا۔ اور وہان اوس نے بڑی شان وشوکت سے فلسفہ کی تعلیم شروع کی چارون طرف سے جوق جوق طلبا تحصیل علم کی غرض سے اوسکے گرد جمع ہونے لگے۔ پانچ برس تک وہ بالکل خموشی کی حالت مین رہا۔ اور اپنے شاگردون سے اوس نے اپنی تعلیم دہی کا کوئی معاوضہ نہین لیا۔ پانچ برس کے بعد اوس نے اونکی جائداد کو سرمایہ مشترکہ مین جمع کئے جانیکا حکم دیا۔ اسوقت اوسکے تین سو شاگرد ہو چکے تھے اور وہ ایک مذہبی عقائد کی طرح اپنے باہمانہ طریقہ اتحاد مین وابستہ تھے اس نے باشندگان شہر قرطنہ کے طریق وشعار مین بے حد ترقی اور اصلاح پیدا کردی اور اوسکے شاگردون مین بہت سے لوگ اہل تدبیر وسیاست نکلے جسمین زلیقوس (Zaleucus) نہایت مشہور زمانہ ہوا۔ یہ پہلا شخص ہے جو حکیم وعلامہ کی خطاب سے مشہور ہوا اور سیدھا ہی علم وحکمت کہلایا۔ اسی نے پہلے بتلایا کہ آفتاب وسط عالم مین واقع ہے اور دیگر ثوابت اوسکے دور مین گردش کرتے رہتے ہین اوسی نے اجسام مختلفہ مین حلول روح کے مسئلہ کو پہلے پہل بتلایا۔ اور جانورون کا گوشت کھانے کی قطعی ممانعت تعلیم کی۔ اوسنے اپنی کوئی

(MACIONITES) (مارقیسطوں) پیٹری پاشینس[۵] (Patrepazzians) (نسطریوں) میں ظاہر ہوئی۔ وہ خاص حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت میں عیسائیوں کے اختلاف آرا کا ایک غیر محدود سلسلہ ثابت ہوتی ہے۔ (مسیح ع کی الوہیت اور مخلوقیت کے مروجہ جدید عقائد سے ہر طبقہ کے لوگ۔ اور خاص طور پر وہ لوگ جنہوں نے ایسی نبی کو نہیں دیکھا تھا اور اوسکی ذات میں خواص مخلوقیت کا مشاہدہ اور اوسکی روزانہ معاشرت اور سیرت میں اوسکے افعال و اعمال بشری کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ نہ عذر و تامل اوسکی الوہیت تسلیم کرنے کے لئے پہلے سے آمادہ تھے۔ قسطنطین اعظم (Constantine) کی تخت نشینی کے قبل سے بہت سے ذرایع و وسائل نے مذہب عیسائیت کی ترقی اور مقبولیت میں تائید بہم پہونچا رکھی تھی لا مذہبی۔ اور کفر شعاری کے قطعی بدنظمی اور کبھی حاکم شریعت کی عدم موجودگی سے جو کوئی نظم قائم رہ سکتا۔ اور مزید براں علوم فلسفہ کی کثیر التعداد مدارس کی افتتاح نے عیسائیت کی ترقی و وسعت کی راہوں کو سہل بھی بنا دیا اور ہموار بھی۔ عیسائیت کی ترقی نے ایسے جدید عقاید کے ذریعوں سے طبقہ اعلا کے صاحبان عقول کو متوجہ کرلیا۔ مفلوک الحال طبقات میں اوس نے سکون و آرام پیدا کردیا۔ اور عین اسوقت میں جب اسکے متبعین نے اپنی رائے کی ذمہ داری سے طالبان تحقیق کے دل و زباں کو خاموش کردیا تھا اوکی تبلیغ نے اون لوگوں کی تمنائیں کو پورا کردیا تھا جو مدت سے قدیم معاشرت سے گریزاں ہوکر ایک پاکیزہ تر معاشرت کے خواہاں تھے اور علاوہ بریں ان لوگوں کے ظالمانہ تعاقب کی مصیبتوں نے بھی۔ جو اکثر اوقات (ظالم یہودیوں کے ہاتھ) انکو اوٹھانی ہوئیں۔ انکی عظمت و اقتدار کو طبقہ عوام کے دلوں میں جاگزیں کردیا۔ اور ان رہبران قوم کے متعلق حصول شہادت کی اضافی نسبت نے اور اسکے مدعا کو قوی کردیا۔ ابتدا میں رسالت مسیحی کی تبلیغ کے سد ہو جانے اور اصل تعلیم کے خالی از اصول ہو جانے نے انکو اوس میں توسیع غور و تلاش کیلئے زیادہ آزادی بخشی اور عالما اوس سے علم و عمل دونوں کے لئے کافی وسعت دیگئی تھی جیسا کہ قدیم رہبران عیسائیت کے حالات سے معلوم ہوتا ہے) فرقہ مخالفین کو نہ تنہا شریعت مسیحی کے اصول و قواعد میں اعتراض کی گنجایش دیدی بلکہ خاص ذات مسیح کے متعلق بھی انکار و اعتراض کے لئے وسیع میدان چھوڑ دیا۔ بیت المقدس سے یہودیوں اور عیسائیوں کے استخراج نے جنکے پاس مسیح کے انسان ہونے کے اخبار و آثار کثرت سے تھے۔ بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ غیر یہودی قوموں کے شامل ہو جانے نے۔ جو قرب و جوار میں آباد تھیں اور جن میں نیو پیتا غورثانہ یا پولوس کے خیالات متعلق نظام عالم موجود تھی ایسے خیال غیر مستقل اور موہوم کو عیسٰی علیہ السلام کے متعلق اونکے عقائد میں داخل تھا نامحدود اقسام کے طبیات اور فرقوں میں متفرق کردیا اس طرح تفصیل سے تمام مخلوقیت کے آثار و علامات اور اونکے متعلق وہ تمام اسمار جو خارج از عقوبات تھے وہ انکے مماثل خدا ہونے کے قابل التعظیم مرقع سے ہٹا دیئے گئے۔ اور وہ قابل احترام و اخلاص واقعات حیات حیات عیسٰی علیہ السلام

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ مالیف ایسے بعد یادگار چھوڑی۔ اس بنا پر اسکے اصل طریقہ تعلیم کی حقیقت بکامل یقین اسوقت تک نہایت دشوار ہی ہے سومس میں ۳۰ق۔م میں پیدا ہوا اور تقریباً ۶۰ق۔م میں فوت ہوا (Beetons Hi Pea) [۵] فتیوں حضرت عیسٰی کو قطعاً خدا جانتے تھے [۵] مارقسطوں حضرت عیسٰی کے مخلوق ہونیکی تو ضرور قائل تھے۔ مگر آپ کو خدا کا مماثل قرار دیتے تھے اور اس الٰہ ہونیکی نسبت انکا اعتقاد تھا کہ ذات الٰہی کو عام انسانی آنکھوں میں بطور معائنہ و مشاہدہ پیش ہونیکی ضرورت سے اسیت کا ذات الٰہی میں صرف ہلکا سا پردہ رکھدیا گیا تھا کہ انسانی مجسمہ کیصورت میں جلوہ افروز۔ مشاہدہ بشری کے اندر نہیں آسکتا تھا [۵] نسطریوں کے عقاید میں باپ بھی بیٹے کے ساتھ صلیب پر مصلوب ہوگیا۔ ایسرف آف اسلام بحوالہ Mosheim, Gibbon in loco Alexander Vol II P 280, 301

عجائبات قصص و افسانہ بنا دیے گئے اور اونکے واقعات حیات کی مخترعات و مصنوعات کے ذریعوں سے اسدرجہ لفافی لگائی گئی کہ فی الحال ہم لوگوں کے لئے یہ معلوم ہونا بالکل دشوار ہو گیا ہے کہ حقیقتاً حضرت عیسیٰؑ کیا تھے اور کیا کر گئے۔

الغرض عیسائیت کی وہ مختلف صورتیں جو رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صدیوں پیشتر قائم رہ چکی ہیں۔ دلچسپ بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ مادیّین کے دلائل تعلیمی جو اواخر صدی اول مسیحی اور ہاڈرین کی فتح بیت المقدس کے ساتھ ہی ساتھ وجود پذیر ہوئیں اسی زمانہ خاص کی ایجاد و اختراع ثابت ہوتی ہیں۔ اور یہی اختلاف کی صورتیں ہو کر عیسائیوں اور یہودیوں کی بحث و کلام کا ہمیشہ باعث بنی رہیں۔

پہلی صدی میں عیسائیت کا حال

کریناتوس (قارنیطوس[1]) کے (Cerinthus) جو اس صدی کا بہت بڑا مشہور دہریہ مادیین کا عالم تھا۔ اپنے شاگردوں کو باپ بیٹے دونوں کی پرستش کی تعلیم دی۔ اور انہوں باپ بیٹے کے متعلق اوسکا عقیدہ تھا کہ یہ عیسیٰ جو پیدا کنندہ عالم کہا جاتا ہے عیسیٰ مخلوق سے بالکل جداگانہ جنس ہے۔

پولوس کی محنت عیسائیت کی بقی مغربی ادراک کا ماحاصل کوشش نے اپنی مخترعہ شریعت کو مدارس فلسفی اسکندریہ کی تعلیم و نصاب کے مطابق بنانا چاہا تھا۔ عیسیٰ اوسی زمانہ میں امونیس سکاس[2] (Ammonius Saccas) نے دین مسیحی کی ایک نئی شریعت کو حکمت افلاطون کے اصول پر مرتب کیا۔ جسکو ارگن[3] (Organ) اور دیگر راہبان شریعت نے مل کر مرتب کیا تھا۔ اس کلوں سینٹ مصنف نے جسکی تحریر کے آثار قدیم عیسائیت کے تمام مشہور مؤلفین کی تالیفات میں موجود ہیں عیسائیت کے تمام طریقوں اور فرقوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کوششوں کے بعوض طریقوں میں تو وہ بالکل بانی کا نمونہ بن گیا ہی اور اپنی معاصرین میں بیشک زیادہ بلند نظر ثابت ہوا ہے وہ اپنی ایک خاص درسگاہ قائم کرنے میں ضرور کامیاب ہوا۔ لیکن اوسکی تعلیم و تبلیغ قومی عقائد و اخلاق کی درستی کا کوئی انتظام نہ کر سکی۔

دوسری صدی میں عیسائیت کا حال

دوسری صدی میں عیسائیت۔ بدنظمی اور جنگ و جدال کا ہنگامہ سے پُر اور مملو ہو گئی۔ عیسائیوں کے تمام مدارس دینی میں تفریق اور موضوعات بالعموم مروج تھے۔ مادیّین (دہریت) کا بہت بڑا زور تھا اور عیسائیت پر ہر طرف سے اوسکا بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا۔ وہ چند فرقے جو اس صدی میں پیدا ہوئے وہ خاص طور پر اس سبب سے قابل لحاظ ہیں کہ صرف ان میں وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اوسکی خام تعلیم سے پیدا ہوئی ہیں۔ بلکہ ان میں مذہب زردشتی۔ اصول فیثاغورث اور شریعت

---

[1] قاریطوس پہلی صدی عیسائی کا ایک دہریہ عالم تھا جو عیسائیت میں خاصکر یوحنا مسیح کی شریعت کا سخت مخالف تھا۔ اوس نے شہر اسکندریہ میں تعلیم پائی تھی اور شہر افسس میں رہتا تھا۔ اسکے حالات اور تصنیفات کے متعلق بہت کم علم و اطلاع ہے۔ پٹس ہسٹری ص ۱۲۴۔

[2] امونیس سکاس۔ امیوس سقاس (Ammonius Saccas) یہ شخص اصل میں بازار کا پاسبان تھا پھر حامل الحمر شراب کا ڈھونے والا کہلانے لگا۔ امونیس عیسائیت کی حکمت کا بہت بڑا حکیم نکلا۔ اوس نے اپنی پوری حکمت شریعت کا ایک مدرسہ شہر اسکندریہ میں کھولا اور وہ شریعت کا بہت بڑا دانا العلوم ہو گیا۔ اوس نے اپنے طریقہ شریعت میں حکمت افلاطون اور حکمت ارسطاطالیس میں اصول تطبیق قائم کرنے کی کوشش کی۔ اوسکے شاگردوں میں اوریجانوس پلوطینوس اور لانجینوس بہت نامی ہوئے۔ سنہ ۲۴۳ء میں بمقام اسکندریہ فوت ہوا۔

[3] اوریگن (اوریجانوس) فیثاغورث کا شاگرد۔ کتب الٰہیہ قدیمہ کا مشہور شارح سنہ ۱۸۵ء میں پیدا ہوا اور

صابئیہ کالدیہ کے بھی تمام احبار و آثار نمایاں ہیں۔

فرقہ مارکونائٹ جو مادیین کا مشہور و معروف فرقہ تھا۔ وہ اصولاً دو وجود کا قائل تھا ایک کامل الخیر۔ دوسرا کامل الشر لیکن ان دونوں وجود الوہیت کے مابین ایک وجود اوسط بھی تھا۔ جو ڈیمرج کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ بالذاتہ نہ کامل الخیر تھا نہ کامل الشر۔ بلکہ اوسکا وجود ان دونوں اوصاف سے مرکب تھا۔ اور جزا و سزائے اہل عالم اسی سے متعلق تلافی جاتی تھی مارکونائٹ کے عقائد کے مطابق یہ ڈیمرج عالم سفلی کا پیدا کنندہ تھا اور اس بنا پر وجود کامل الشر سے ہمیشہ معرکہ آرا رہا کرتا تھا۔ (یہیں سے عیسائیت میں مذہب زردشتی کے اثر اور مداخلت کو سمجھ لینا چاہیئے) اوس وجود اعلیٰ نے جو سراپا ازلیت اور الوہیت ہے ان دونوں مخالف منتظمین عالم کی باہمی جنگ و جدال کو خاتمہ تک پہونچانے اور نفوس انسانی کو ان مصائب کے قیود سے نجات دلانیکی غرض خاص سے قوم یہود کی ہدایت کے لئے ایک وجود کو جو قریب قریب اوسکا مماثل تھا۔ نازل فرمایا اور وہی عیسیٰ ابن اللہ تھے جو مجسمہ انسان کی شکل و صورت میں صرف اسغرض سے پیدا کئے گئے تھے کہ وہ انسان کی جانی آنکھوں کے سامنے اور معائنے میں آسکیں۔ اس مبلغ رسالت کے فرائض منصبی یہی تھے کہ وہ دونوں منتظمین عالم کی سلطنتوں کو تباہ کر کے انسان کی پریشانی و سرگشتہ ارواح و نفوس کو خدائے حقیقی تک پہونچا دے۔ عیسیٰ کی اس تکمیل فرائض پر ڈیمرج نے نہایت سختی سے حملہ کیا لیکن اوسکا کوئی حملہ اس وجہ سے کارگر نہیں ہوا کہ عیسیٰ کا مجسمہ تو صرف ظاہر نما تھا۔ اس سبب سے وہ کوئی تکلیف پہونچائی جا سکے فطرتاً قابل ہی نہیں تھا۔

فرقہ والنٹینین والنٹینیس[۵۱]۔ والطینوس یا طالیون (VALENTIANS) فرقہ کے عیسائی جسکے اثر زیادہ زمانہ تک دنیا میں رہے۔ اپنے عقائد میں یہ سمجھتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان سے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اسلئے نازل فرمایا ہے کہ وہ انسانوں کو ان تمام آلائشوں کے پاک و صاف کر دینے کے لئے جن میں وہ آلودہ ہو گئے تھے۔ اونکا نزول اصلی صفات الوہیت کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آسمانی اور روحانی کیفیات کے ساتھ وہ دنیا میں نازل فرمائے گئے تھے۔ ان کے عقائد میں حضرت عیسیٰ جوہر الوہیت کا ایک انسانی پیکر تھے۔ جو ہیں بر عالم تاریکی کے سلطنت کو غارت کرنیکے لئے نازل فرمائے گئے تھے۔

فرقہ افائیٹس [۵۲] افیعون (APHYTES) کا فرقہ ممالک مصر میں ترقی کر رہا تھا۔ اوسکا عقیدہ بھی دیگر بادیین مصر کے عقیدے کی طرح وجود دہر میں ازلیت کا قائل تھا۔ اور وہ ایجاد عالم کو ڈیمرج کی محض جفا پرستی کی ایک صورت خلاف مشیت الٰہی تسلیم کرتا تھا۔ اسلئے وہ اسکا بھی قائل تھا کہ روحانی کرائسٹ عیسیٰ کے پیکر انسانی میں متحد ہو کر اسواسطے نازل کیا گیا تھا کہ غاصب ڈیمرج کی حکومت کو برباد کر دے۔ ساتھ اسکا یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ افعی جس نے آدم و حوا کو جنت میں فریب دیا یا تو خدا تھا خود کرائسٹ تھا یا صوفیا

بقیہ حاشیہ گذشتہ۔ ۲۴۵ء میں فوت ہوا۔ BEETONS HIST P 637 — المؤلف عفی عنہ

[۵۱] والنٹیس۔ والنطینوس فرقہ مادیین کا مشہور عالم اور دہریت کا حکیم ۱۶۰ء میں فوت ہوا CHAMBERS P 1087

[۵۲] اوفائیٹس۔ افیعون۔ دہریوں کا ایک فرقہ جو سانپ کی پرستش کرتا تھا۔ CHAMBERS P 633

جو ضرورتاً سانپ کی صورت میں متشکل ہو گیا تھا جس زمانہ میں بادیہ کے یہ مختلف فرقے یکے بادیگرے کالڈی فلسفی کے اثر سے وجود میں آتے چلے جاتے تھے ہیں اوسی زمانے میں یونانیوں نے ۔ یا اُن کی باپ بیٹے اور روح القدس والی تعلیم تثلیث میں اور نیز وجود عیسیٰؑ میں۔ دو جداگانہ جنسوں کے باہمی اتحاد کے دلائل اور نظام عالم کے متعلق اپنے فلسفیانہ عقائد کے فیمابین اتفاق و مطابقت کی کوشش شروع کی۔

فرقہ پیراکوس اس فرقہ کا بانی پیراکوس[1] (پراقوس) (Paraxeus) تھا عیسائیت میں وہم پرستی کی تعلیم پھیلانے والا پہلا یہی شخص تھا۔ اور وہ صرف اس حیلہ و تدبیر سے اپنے رواج تعلیم میں سب سے آگے مار لیگیا۔ اوس نے عیسائیوں کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا کہ باپ بیٹے اور روح القدس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان لوگوں نے یہاں تک تسلیم کر لیا کہ باپ اپنے مخلوق بیٹے عیسیٰؑ کے ساتھ اس طرح متحد فی الوجود تھا کہ باپ نے بھی بیٹے کے سب مصائب بمقدار مساوی برداشت کئے۔ اور اوسکی طرح آپ بھی سزائے موت برداشت کر گیا۔

فرقہ مانٹیوس[2] موشیم (Moshcim) کا بیان ہے کہ یہ تمام فرقے علوم فلسفی کی ذریات تھے۔ اس سے زیادہ خرابی اور بربادی کی بلا دین مسیحی پر ایک شخص مانٹیوس (مانیطوس) (Montanus) نامی باشندہ فریجیہ کے ہاتھوں آئی۔ اس شخص نے تمام علوم اور اونکی جامعیت کو بالکل بیضرورت بتلا دیا اور اپنے آپ کو عیسیٰؑ کا فارقلیط موعود Paraeelefe ٹھہرایا۔ مانیطوس نے بہت جلد کثیر التعداد مقلد پیدا کر دیئے جن میں سے دو عورتیں پریسکلا Priucalla اور مکسملا (Maxmilla) مدعیان نبوت تھیں۔ اور نہایت مشہور و معروف تھیں۔ یہ دونوں عورتیں جسقدر اپنے حسن و جمال کے لئے مشہور تھیں اوسی قدر نیک طریق اور نیک اعمال نہیں تھیں۔ ان دونوں نے ملک ایشیائے شمالی کو مذبح عام بنا دیا۔ اور اپنے مجنونانہ مظالم سے تمام قوم انسانی پر خوفناک مصائب وارد کئے۔

---

[1] پیراکوس پراقوس۔ (Paraxcus) دوسری صدی کا ایک عالم جس نے مسیحی فرقے مانٹیست (Montanist) کو نہایت مستعدی سے مغلوب کر کے اصول تثلیث میں اپنے مخترعات و موضوعات کی تعلیم شروع کی۔ اسکے بعد سبیلین (Sabellian) فرقے کی پیدایش ہوئی ترتولین Turtullian نے اوسکی تعلیم کی رد لکھی ہے یہ شخص دوسری صدی تک زندہ رہا Beetons' Hist P. 606

[2] مانٹیوس یا مانیطوس (Montanus) فرقہ عیسائی کا بانی یہ شہر فریجیہ کا رہنے والا حکیم تھا۔ اوس نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ اوس پر روح القدس کا نزول ہوا ہے اور اوسی کی طرح اوس کی دو شاگرد عورتوں پریسکلا (Prisiculla) اور مکسملا (Maxmulla) نامی پر بھی نزول روح القدس ہوا ہے مانیطوس مسئلہ تثلیث کا قطعی منکر تھا۔ اور دوسری شادی کرنے کو زنا محصنہ سمجھتا تھا اس کے کثیر التعداد مقلدین ہوئے۔ اور ان لوگوں نے عیسائی امت میں بڑی پراگندگی اور بدنظمی پھیلائی۔ اس نے اپنی نسبت نزول وحی ہونیکا دعوی کیا پھر تو بڑے بڑے عیسائی علما اور حکما اوس کی تقلید میں آگئے سب سے بڑھکر حیرت انگیز امر تو یہ ہوا کہ طرطولین کے ایسا عیسائی عالم متبحر بھی اوس کا مقلد ہو گیا۔ لیکن یہ عالم اپنے آخر عمر میں اوس کے حلقہ تقلید سے علیحدہ ہو گیا مانیطوس دوسری صدی تک زندہ تھا۔ پھر فوت ہو گیا۔ Beetons Hist P 353

المؤلف عفی عنہ

فرقہ مانویہ عین اوسی زمانہ مین جب مارکونائٹیس - والنٹین اور ناسٹینٹ اور دیگر فرقہائے مادیین ممالک روم مین اپنی تعلیمات ویسی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے - فارس مین ایک شخص پیدا ہوا جسکی شخصیت اور حیثیت نے دونون اعظم (ایشیا و یورپ) کی حکومت و فلسفہ پر نہایت گہرا اثر ڈالا - مانی طریقہ اور قرینہ سے تعلیمی کمال و جامعیت کا تیار اور کامل پیکر خاص تھا - اعلیٰ درجہ کا نجومی - اعلیٰ درجہ کا عالم کیمیا و طبعیات کا ماہر اعلیٰ درجہ کا مغنّی اور اعلیٰ درجہ کا مصوّر تھا - فن نقاشی مین اوسکے کمال ضرب المثل ہین - اور ہر شخص آجتک ارژنگ مانی سے پورے طور پر واقف ہے - وہ یہودیوں کے علوم رموز اسفار سے بھی کامل طور پر واقف تھا - عالمان مادیین کی تعلیمات سے بھی کماحقہ ماہر تھا اور مشرقی فلسفہ اور تصوف کی حکمت پر بھی عبور کامل رکھتا - بذات خاص بزرگان مُغ کے خاندان سے تھا - اور شریعت عیسوی کی بھی کامل تعلیم پا چکا تھا - ان تمام کمالات و اوصاف مین کامل ہوکر اوس نے موجودہ مذہبی خیالات سے جو اوسکے گرد و پیش ہر طرف پھیلے ہوئے تھے سخت نفرت ظاہر کی اور اوس نے ان مختلف مذاہب و طرائق کے مجموعہ سے ایک شریعت خاص کی بنا ڈالی - جو تمام اغراض انسانی و نفسانی کو بھی پوری کر سکتی تھی اور مقاصد قلبی و روحانی کو بھی - مانی نے اپنی اوس جرأت بیجا سے جو اوس نے تمام مروجہ مذہب کی موجودہ سیل روان کو ایک بالکل نئے اور خارجی طریقہ عقیدہ سے روک دیا - اور اپنے اس طریقہ مین وہ اوس عام تنقید و تردید کے الزام مین خواہ مخواہ داخل ہو گیا جس نے تمام مذہب کی تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کے کام بند کر دیے - مانی نے اپنے طریقہ خاص کی تعلیم و ہدایت کو بڑی رازداری سے مخفی رکھا - فرقہ اسماعیلیہ نے ایک زمانہ بعد کے مانی کا یہ طریقہ اختیار کیا - اور پھر فرقہ باطنیہ نے بھی اپنے زمانہ مین دیگر رموز مذاہب کی تنقید و تردید سے بچنے کے لئے یہ مخفی انداز پیدا کیا - اسی باعث سے ہر فرقہ اور طریقہ مانی کا مخالف ہو گیا - پھر تو حقیقت مین یہ نوبت پہونچی کہ جہاں کہین مانی یا اوسکے شاگرد اور مبلغین طریقہ پہونچے وہان اونکا نہایت بیباکانہ مظالم کے ساتھ تعاقب کیا گیا - حقیقتاً مانی کی شریعت - ملت عیسائی کے متعلق - قدیم ایرانی اور کالدی فلسفہ کا مجنونانہ مجموعہ تھا - اوسکے عقیدے کے مطابق - مادہ اور روح ہمیشہ سے کہ آرائے مخالفت تھے - ان دونون ضدّین کی مخالفت سے ترکیب انسانی کی ایجاد و خلقت ہوئی - انسان کا اصل جوہر دو قسمون پر تقسیم ہوا - ایک مادّی ایک روحانی - روحانی جوہر وہ تھا جو براہ راست آسمان سے انسان مین ودیعت کیا گیا تھا - اور مادی وہ جو خلقت کے امتزاج عناصر سے وجود مین خود بخود آیا - ان دونون متضاد جوہرون کے اختلاف و ضرر و رکاوٹ کے لئے اور جوہر روح کو قفس جسمانی (مادّی) سے نجات و مخلصی دلوانے کے لئے جسمین وہ (جوہر روحانی) مقید تھا - خدائے تعالیٰ نے فضائے آسمانی سے ایک ازلیت کے مجسمہ کو اپنے خاص جوہرون کے ساتھ نازل فرمایا - جو دنیا مین کرائسٹ کہلایا - کرائسٹ اُمت یہود کے درمیان ایک ظاہری پیکر انسان کیا تھ نمایان ہوا اور اوس نے اپنے دوران رسالت مین فانی ہستیون کو صورت جسمانی کی ظاہری بدکاریون سے ارواح نورانی کی مخلصی حاصل کرنے کی تعلیم دی

اور اس طریق سے اپنے خراب اور صرر رساں جوہر پر کامل فتحیابی حاصل کی۔ عالم ظلمت کے بادشاہ نے یہودیوں کو اسکے مار ڈالنے کی اشتعال دی۔ چنانچہ وہ صرف ظاہر طور پر نہ حقیقت میں مصلوب کر دیئے گئے۔ حالانکہ بخلاف اسکے وہ تبلیغ رسالت کے مناصب تمام ادا کر کے اپنے مسکن اعلیٰ کی طرف جو فضائے شمسی میں واقع ہے۔ واپس گئے۔

ان دلائل کے مطابق۔ مانی کا قرار دادہ کرائسٹ نہ کھا سکتا ہے۔ نہ پی سکتا ہے۔ نہ مصائب و تکالیف برداشت کر سکتا ہے اور نہ کبھی مر سکتا ہے۔ وہ اس طریق سے خدا کا آخر مماثل بنا کر کبھی نازل نہیں کیا جا سکتا۔ غرضکہ وہ آخر میں وہ ایک ہوائی ہیولا قایم ہوتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ وہ پیکر نورانی جو تمام اشیاء میں نورانیت دیکھتا ہے مگر خود مادہ میں مقید بنایا جاتا ہے لیکن بغیر صورت مخلوق اختیار کرنے کے وہ صورت مادی سے علیحدہ ہو جانے کے لئے کو شاں کہا جاتا ہے۔ یہ کیسے ؟

بہرحال۔ مانی کے یہ عقائد اور اسکے دلائل۔ عام اس سے کہ کیسے ہی صریح کفر آمیز اور خلاف عقل ہوں لیکن ظاہری طور پر اسقدر عقل سے بعید نہیں معلوم ہوتے جسقدر عیسائیوں کا موجودہ مسئلہ استحیلہ TRANS SUBTANTIATION کی عقیدت جسکو آج تک اتنی کثیر التعداد قوم عیسائی تسلیم کر رہی ہے۔ یعنی طعام نذر مسیح کا خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون و لحم میں پہونچکر مستحیل ہو جانا۔

مانی نے اپنے مقلدین کے دو گروہ قرار دیئے۔ اور ان میں سے پہلے منتخب شدہ لوگ نہایت سختی سے زاہدانہ اور مجردانہ معاشرت اختیار کرنیکے لئے مجبور رکھے گئے تھے۔ یہ لوگ ہر قسم کے گوشت وغیرہ کی خوراک کھانے اور شراب وغیرہ اشیاء منشی کے پینے سے سخت منع کئے گئے تھے۔ ازدواج اور دیگر لذات نفسانی کے اختیار کرنے سے بھی محروم رکھے گئے تھے۔ دوسرے قسم کے لوگ مقلدین سماعی کہلاتے تھے۔ انکی تکلیف بہم دا آسان رکھی گئی تھی وہ گھر بنانے اور اس رکھنے اور مال و متاع حاصل کرنیکے لئے ماذون تھے۔ وہ گوشت بھی کھا سکتے تھے۔ شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے لیکن تاہم انکی یہ آزادی بھی انکو بہت سے حدود و قیود کے اندر اور ان میں سخت سے سخت درجہ اعتدال قایم رکھنے کے شرائط کے ساتھ دی جاتی تھی۔ مانی کو بہرام گور نے قتل کر ڈالا۔ لیکن تاہم اوسکی تعلیم شریعت عیسوی میں اثر کر گئی اور اون تمام اختلافات و مناقشات میں جو آئندہ مختلف عیسائی طریقوں میں واقع ہوئی وہ پورے طور سے نمایاں تھی۔

تیسری صدی میں عیسائیت کا حال

سبیلین فرقہ کا آغاز

تیسری صدی کے اوسط میں سبیلین[۵] فرقہ نمودار ہوا۔ اوس نے ایک نئے قسم کا اختلاف مذہب مسیحی میں پیدا کیا۔ سبیلین SABALIAN نے تبلایا کہ حضرت عیسیٰ ایک انسان محض تھے

[۵] سبلس SABALIAN تیسری صدی کا عالم یونانی جس نے وجود عیسیٰ کی الوہیت کے خلاف بہت سے موضوعات مخترع کئے ۔ ما کار حرطینوس کے حکم سے ملک روم سے خارج البلد کیا گیا۔ CHAMBERS P 830

اوراونکا عقیدہ تھا کہ ایک قوت خاص پدر اعلیٰ کی طرف سے نازل ہوکر عیسیٰ کے ہیکل انسانی مین ملحق و متحد ہوگئی تھی۔ اوراس سا پروہ ابن اللہ قرار پائے یہ خاص طور کی تعلیم جو بقول گبن (Gibbon) کے موحدین کی اصلی راہ قرست تھی عیسائیت کے مختلف فرقون مین سخت مدلطی کا باعث ہوئی۔ چنانچہ چوتھی صدی کے ابتدا مین۔ اسی بنا پر اوریجن (Origen) نے اس عقیدے کی تعلیم پھیلائی کہ الوہیت تین جداگانہ جنسون کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ مذہب تثلیث قدیم لامذہبی کی تحقیق سے جو امت مسیحی کے لوگون نے ایجاد کرلی۔ کثیر اللٰہی کے ظنیات سے اونکی فطرت اصولاً سرایا رنگی ہوئی تھی عقیدۂ تثلیث حقیقتاً عیسائیون کی ایک قسم کی مدبرانہ مصلحت (دوالیسی) تھی جو اونھون نے شریعت عیسوی اور مذہب کثیر اللٰہی کے درمیان اختیار کرلی۔ بعد ازان اقتضائے ایام تعلیم تثلیث کامل طور سے شریعت تثلیث منکر ضروریات دینی مین داخل ہوگئی مگر قبل اسکے اسکے باعث سے بہت سے فلسفیانہ طریق و دلائل عیسائیت مین داخل ہوچکے تھے اسپرٹ آف اسلام بحوالہ (Mosheim P 911)

چوتھی صدی مین عیسائیت کا حال فرقہ ایرین کا ظہور

فرقہ ایرین کا ظہور عیسائیت کی خلاف عقل تعلیم سے عام انسانون کے قوائے ذہنی کی معرکہ آرائی کا نتیجہ ہے۔ شہر اسکندریہ مین جو مجنونانہ طریقہ کے عیسائیون کا مرکزی مقام تھا۔ اریوسؔ۱ (Arius) نامی ایک شخص نے۔ اپنے عالم مجتہد کے ارتداد کے بالکل خلاف۔ نہایت دلیرانہ اور بیباکانہ طور پر عموماً تمام ملک و قوم مین یہ صدائے احتجاج بلند کی کہ کرائسٹ ہرگز ذات آلٰہی کے جوہر کے ساتھ مشترک نہین ہین۔ اریوس کی تعلیم بہت جلد ممالک مصر اور شمالی افریقہ مین پھیل گئی۔ اور برخلاف اون تمام حملات و تعاقبات کے جو اسکی انقطاع اور سدباب کے لئے انواع و اقسام کی صورتون مین پیدا کئے گئے۔ اس طریقہ کی تعلیم ان ممالک مین نہایت استحکام سے پھیلکر قایم ہوگئی۔ بلکہ ممالک اسپین (Spain) تک پہونچ گئی اور اسکے قیام و استحکام کی یہ حالت اوسوقت تک ایسی ہی رہی جبتک کہ اس عقیدے والون نے مذہب اسلام نہ قبول کرلیا۔ اریوس کے اس طریقہ تعلیم سے جو عیسائیت مین تفریق کثیر پیدا کردی اوراس تفریق نے شاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء مین بمقام بتھینیا (BYTHYNIA) کونسل نائس منعقد کرنے کے لئے مجبور کردیا۔ اس مجلس مشورت مین طرفین سے سخت ردوکد کے بعد

۱ اریوس (Arius) امت مسیحی مین فرقہ ایرین کا موجد اور اصول تعلیم علمائے مسیحیہ اسکندریہ کا سخت مخالف اوس نے ذات مسیح مین وجود الوہیت کے متعلق ایسے ایسے اختلافات و اعتراض قایم کئے کہ بالآخر بادشاہ قسطنطین کو ۳۲۵ء مین کونسل نائس منعقد کرنیکی ضرورت ہوئی اس کونسل نائس کے فیصلہ سے اقوال اریوس ممنوع و مردود کردئے گئے اور جو اصول عقائد فی التثلیث اس کانسل مین وضع کئے گئے وہی جاری کئے گئے۔ اسکے بعد اریوس جلاوطن کردیا گیا لیکن دو برس بعد پھر قسطنطنیہ مین واپس بلا لیا گیا بلدا پنے عقائد سے تائب ہوا اور گروہ مخلصین مین داخل ہوگیا لیکن جب یہان سے وہ شہر اسکندریہ مین واپس گیا تو اتھانیسوس نے (Athanasiu) اوسکو شہر میں آنے نہ دیا۔ اس نے ہر چند شہر میں جانیکی کوشش کی مگر اہالیان شہر نے سختی سے روکدیا مجبور ہوکر وہ مصر میں چلا گیا اور وہان پہونچکر پھر اوس نے اپنی اختلافی رایوں سے عام طبقات میں شورش پیدا کردی یہ خبر پاکر پھر قسطنطین نے اوسے دربار میں بلوایا اور حکم دیا کہ وہ کونسل نائس کے فیصلہ سے اتفاق کریگا اقرار کرے ورنہ وہ دیکھیگا جو اسے دیکھنا پڑےگا۔ اریوس نے حلف لیکر اقرار کیا تو بادشاہ نے پھر اوسکو مذہب عیسائی میں لیلئے جانیکا حکم دیا لیکن جس دن وہ بڑے معبد عیسائی میں جارہا تھا راستہ ہی میں مرگیا لیکن اسکی تعلیم شریعت اوسکے ساتھ ختم نہوئی بلکہ نسلاً بعد نسلاً عیسائیت میں مدت تک پیدا کرتی رہی۔ ۲۵۶ء میں پیدا ہوا اور ۳۳۶ء میں فوت ہوا P 154

اریوس کی تعلیم قطعاً ممنوع کردیگئی اور گویا جرم قانونی قرار دیدی گئی اور کرائسٹ بدر اعلیٰ کے جوہر متحد تسلیم کر لیئے گئے۔

اسپرٹ اف اسلام بحوالہ ۳۰۵ GIBBON VOL IV P.305

اِس انتظام سے مذہب عیسوی کی جو حالت ہوئی ہو اوس سے قطع نظر کرکے آپ اس وقت سے اس مذہب کی تاریخ ستم وجور - اندرونی جنگ وجدال - خوفناک اور ظالمانہ حملات - باہمانہ نفرت اور قتل وغارت سے آلیس کی روز افزون مشاجرت عام قلوب انسانی سے عقل وانصاف زائل کردینے کے تفصیلی دفتر پیش کرتی ہے - ان - تمام واقعات وحالات مین عالمان شریعت کی بدکاریان جزو غالب بنکر داخل ہین - ان عالمان شریعت کی مسرفانہ تعیش ہیجا دعویٰ اور بدکاریان چارون طرف سے عام شکایتون کا باعث ہوئیں - زمانہ قدیم کے طریقہ تجرد نے فرقہ مانک (MONKS) کو اپنا قائمقام بنایا - اوران صاحبان تجرد کی بدکاریان ضرب المثل بن گیئن - مانک فرقہائے عیسائیت کے مرتب اور تیار فوجی رسالے تھے - جو ہمیشہ انواع اقسام کے فساد - تکرار - اور مخالف سلطنت پرجوشیان رومتہ الکبریٰ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کے ایسے مسیحی حکومت کے مرکزے شہرون کی عام شاہراہون اور سڑکون پر واقع کیا کرتے تھے ان کے ان مفسدہ انگیزی اور شرارت طبعی کے نتیجے ہمیشہ سخت خونریزیون مین نمایان ہوا کرتے تھے۔

نسطوریوس[۵۱] اور سینٹ سائرل[۵۲] (NESTORIUS & ST. CYRELL) قاتلان ہیتیا (HYPTIA) دو مسیحی علما کی باہمانہ جنگ وجدال نے عیسائیت کی تاریخ مین ایک قابل الذکر باب کا اضافہ کردیا ہے۔

مختلف مذہبی کونسلین | دوسری مذہبی مجلس مشورت - جو کونسل لوسیفس[۵۳] کے نام سے مشہور ہے - انھین اختلاف مذہب دور کرنیکے لئے جو شریعت مین واقع ہوگئے تھے منعقد ہوئی تھی - مگر جیسا کہ مورخ گبن کا بیان ہے - اس مجلس مشورت مین

---

۵۱ نسطوریوس (NESTORIUS) شاہ تھیوڈوسیس کے زمانہ میں قسطنطنیہ کا فتاب مقرر ہوا اوسنے شہر انطاکیہ سے سند جہاد حاصل کی اور مسلح دین مسیحی کے حملات الحام دینے مین اوس نے بہت بڑی ماموری حاصل کی ۴۲۸ء میں فرمان شاہی کے مطابق وہ قسطنطنیہ کا مجتہد اعظم مقرر ہوا لیکن ۴۳۱ء میں وہ مسئلہ حلول یا ذات عیسیٰ میں دو جوہروں کے انکاری جرم میں معزول کردیا گیا اور چار سال تک قسطنطنیہ میں مقید رہا - پھر ملک مصر میں جلا وطن کردیا گیا - اسکے بعد بہت سے دوسرے مقامات مین بحکم سلطنت رہا مقید رہکر بالآخر قید ہی کی حالت میں مرگیا اوسکی تعلیم و ہدایت تمام مشرقی ممالک مین پھیل گئی اور ابھی تک اوس اطراف مین اوسکے متبعین بکثرت پائے جاتے ہین - اوس نے ۴۳۹ء مین وفات پائی۔

۵۲ سینٹ سائرل (ST CYRELL) اسکندریہ کا بہت بڑا مسیحی عالم - اس نے نسطوریوس کے عقاید کی تردید و تکذیب مین اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف کردیا - وہ مسند اجتہاد سے ۴۰۳ء میں اوتار دیا گیا اس لئے کہ وہ گرجا کے بیت المال کو بیچکر فقرا و مساکین کو کھانا بانٹتا تھا - اوس نے مجلس علما میں اپنی اس بارکی اپیل کی اور وہ پھر اپنے قدیم عہدہ پر بحال کردیا گیا - لیکن بار دیگر ۴۱۶ء میں معزول کیا گیا اور پھر ایک بار اپنے قدیم عہدہ پر ممتاز کیا گیا لیکن شاہ ویلیں (VELEN) نے پانچ برس کے بعد اوسکو جلا وطن کردیا اور پھر بادشاہ کے زمانہ حیات تک واپس نہ آیا - اوسکی موت کے بعد آیا بھی تو فوراً مرگیا ۳۱۵ء پیدا ہوا ۳۸۶ء میں مرگیا (Beeton's Hist P 533)

۵۳ اپیفیوس (EPIPHINUS) جزیرہ قبرس (CYPRUS) کا عالم شریعت شاہ سلطین کا خاص مقرر کردہ تھا اس نے ایک شارح کتب قدیمہ کی رد لکھی ہے لیکن اس کی اصل کتاب سے اسکے اقتباسات جو اس نے دیگر علما و حکما کی تصنیفات سے مستنبط

عالم اسکندریہ کی خود رائی نے بحث و کلام کی آزادی کو بالکل روک دیا۔

وہ جنس غیر کی تعلیم و عقیدت جسمانیہ حکم عام دیکر بالکل حرام کر دیگئی کہ جو لوگ ذات عیسیٰ کو دو جدا حصوں میں تقسیم کرتے ہیں وہ تلوار دن سے خود حصوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ وہ خود پارہ پارہ بنا دیے جائیں اور جلتی آگ میں جلا دیے جائیں۔ یہ ایک عیسائی مجلس مشورت کے مخیرانہ مقاصد ثابت ہوتے ہیں۔

پانچویں صدی کے حالات

اس کے بعد شہر چالکیڈون[۵۱] (CHALEADON) میں ایک تیسری مجلس مشورت قایم ہوئی۔ یہ مجلس روم کے بشپ کے استصواب رائے سے قایم ہوئی تھی اس مجلس میں ذات واحد میں عیسیٰ کا عین ظہور خدا کی لیکن دو جداگانہ عناصر کی ترکیب کیساتھ بانٹ جانیکا عقیدہ بالوضاحت عام طور سے تسلیم کر لیا گیا۔ فرقہ مینو فیسائیٹ (MONOPHYSITES) اور نسطورین (NESTORIAN) نے فیصلہ چالکیدون کے سدراہ ہونیکی کوشش کی لیکن اس عقیدت کے متعصبین کے ہاتھوں سے جو اپنے زعم خاص میں کرائسٹ کے وجود اور ذات خاص کے راز کی تحقیق کامل کر چکے تھے۔ ان لوگوں کا قتل عام کر کے استیصال کامل کر دیا گیا۔ شہر بیت المقدس عیسائی راہبوں کے قبضہ جاتی میں آگیا۔ اور ان لوگوں نے عقیدہ ظہور ذات واحد کی صدائے احتجاج بلند کر کے تمام شہر کو غارت کر دیا۔ جلا دیا اور قتل کر ڈالا۔ یہاں تک کہ مزار عیسیٰ بھی خون انسانی سے ناپاک و آلودہ کر دیا گیا۔ اسکندریہ کے عیسائی۔ جو ایک عورت کو قتل کر چکے تھے اپنے اعظم ترین پیشوائے مذہبی کو بیت المقدس میں عین اصطباغ دیتے وقت اوسی مقام مقدس میں قتل کر دینے سے باز نہ آئے۔ یہاں تک کہ اوسکی صاف اور ستھری لاش کو آگ میں جلا دیا اور اوسکی خاک کو دریا میں بہا دیا۔

چھٹی صدی کے حالات اور فرقہ مینو فیسائیٹ[۵۲]

چھٹی صدی کے اوسط میں مینو فیسائیٹ فرقہ کا طالع واژون پھر ایک بار یعقوب (JACOB) نامی شہر اڈیسہ کے بشپ کے زیر ہدایت ہو کر راستی پر آیا تھا۔ یعقوب اور اوسکے جانشین اور قایم مقاموں کے زمانے میں پھر اس فرقہ نے مشرقی حکومتوں میں بہت بڑی شہرت

بقیہ صفحہ گذشتہ سے کے ہیں مدحا ستر اور معید ہیں سنہ ۱۳۱ء میں ولادت اور سنہ ۱۸۳ء میں وفات ہے۔ BEETONS HIST 641

[۵۱] چالیکڈون (CHALCADON) دریائے پونٹس (PONTOS) کے دہانے پر موجودہ شہر بالطوم (قسطنطنیہ) کے دوسرے جانب واقع ہے یہاں قوم مُع (MEGGIES) کے لوگ پہلے آباد تھے اس شہر کو سیتھس (SYTHIANS) (قوم سیتاں) نے بادشاہ غیلیوس (GALINNUS) کے عہد میں تیسری صدی عیسوی میں غارت کر ڈالا پھر شاہ جسٹنین (JASTINIANS) نے چھٹی صدی میں آباد کیا۔ پھر اسکو ترکوں نے اپنے زمانہ عروج میں برباد کر کے اسباب عمارت کو شہر قسطنطنیہ (استنبول) میں ڈھو کر اپنی عمارات میں صرف کیا۔ یہ شہر حکیم دیناقرطیس (ZENNCRATUS) کا مولد تھا۔ BEETONS HIST P 425

[۵۲] مینو فیسائیٹ (MONOPHYSITES) عیسائیوں کا وہ فرقہ جو ذات مسیح کو صرف ایک جوہر سے مخلوق سمجھتا ہے۔ بخلاف عیسائیوں کے عام عقائد کے جو عیسیٰ کی ذات کو الوہیت اور انسانیت دونوں جوہروں سے مرکب جانتے ہیں۔ BEETONS HIST 585

اور ہجرت پیدا کی فرقہائے نسطوریہ۔ ومتعصّبین عیسائیت اور اہالیان جالکیڈون پر اپنے متواتر حملات کرکے ان لوگوں (فرقہ یعقوبی) نے تمام دنیائے عیسائیت میں تباہ و برباد کر دینے والی لڑائیاں اور خونریزیاں چاروں طرف واقع کر رکھی تھیں غیر عیسائی طریق کے لوگوں کے نزدیک مابیوفیسائیت کی یہ تعلیم کہ عیسیٰ کی صفات روحانی و انسانی باہم متحد ہو کر ایک جنس خاص تیار ہو گئی ہے اور اس اتحاد صدیں سے کوئی تمیز یا تفریق۔ دو ذات یا مختلف میں کسی صورت سے نمایاں ہوتی ہے اور پیدا ہوتی ہے اصول مقرر کردہ کونسل جالکیڈون سے کسی طرح علیحدہ اور مختلف نہیں ہوتے لیکن تاہم یہ اختلافی خصوصیت بھی کثیر التعداد قوم انسانی کی مصیبتوں کا باعث ثابت ہوتی ہے۔ آخر کار ۶۳۰ء میں شاہ ہرقلوس (ہرقل) (HARCULUS) نے اس مذہبی بیقاعدیوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت سے ایک خاص عقیدہ کو جاری کیا اور اس کا نام مانوتھیالیٹس (MONOTHYLITES) رکھا

ساتویں صدی کے حالات فرقہ مانوتھیالیٹس کی ابتدا

اس فرقہ کی تعلیم یہ تھی جا برانہ تھی اور نہ محبوبانہ مانوتھیالیٹس کے عقیدے میں نہ عیسیٰ خدائے کامل تھے اور نہ انسان کامل۔ لیکن انکی ترکیب خلقت الوہیت اور انسانیت کے دونوں جوہروں سے نقد رمشترک مرکب تھی۔ اور ایسی کہ اوسکی ذات نہ مرکب معلوم ہوتی تھی اور نہ اس ترکیب میں کوئی تغیر یا بذریعہ تمیز کی جاتی تھی۔ بلکہ اس باہمی توحد و توصل سے صرف ایک ہی ذات یقین کی جاتی ہے۔

بخلاف اسکے کہ یہ صلح کن طریقہ تعلیم قلوب مختلفہ عیسائیت میں سکون و آرام۔ اتفاق و اتحاد پیدا کرے اسکے شیوع نے تو عیسائیوں کے مختلف فیہ فرقوں کے درمیان خرابیوں کو اور گہرا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیائے مغربی افریقہ شمالی اور ممالک یورپ کے اکثر حصّوں میں حضرت عیسیٰ کی منسوب الیہ قربانگاہوں میں قتل عام وغیرہ کے وہی منظر اور وہی عالم ہمیشہ پیش آتے رہے۔

آمد آمد اسلام سے ماقبل کی صدیوں میں ممالک مسیحی کے مذہب و ملت کی یہ کیفیت تھی۔ جو اوپر بیان کی گئی خلاصہ یہ ہے کہ قسطنطین کے مذہب عیسائی اختیار کرنے سے مذہب عیسوی نے سلطنت روما الکبریٰ میں نمایاں قوت پکڑی۔ لامذہبی کی راہ تو بند ہو گئی لیکن اسکے (لامذہبی کے) زوال کیوقت بڑے بڑے عظیم الشان اور خالص رومی سلاطین نے اسکو قائم رکھنا چاہا۔ لیکن اسکا زوال بعد انہدام لاعلاج ہو چکا تھا۔ مورخ گبن کا بیان ہے کہ لامذہبی اور کفر پرستی کے قطعی موقوف ہو جانے کے بعد یہ امید تھی کہ قوم عیسائی امن و امان اور سلامت روی کی حالتوں میں تنہا ہو کر اپنی کامیابی سے آرام و سکون پائے گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصول مذہب کا باہمانہ نفاق اونکے سینوں میں ابھی تک زندہ تھا۔ اور بجائے اسکے کہ وہ پیغمبر کے اصول و قواعد کی عملی طور پر مشق و پابندی کریں اون لوگوں نے ذات عیسیٰ کی تحقیقات و تفہیمات کا محققانہ انداز اختیار کیا۔ تمام مسیحی یوروپ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور شریعت عیسوی انواع اقسام کے اختلافات و موضوعات سے بھری پڑی تھی مردوں کی روحیں اوسی طرح کثرت سے پوجی جاتی تھیں اور معززین قوم و ملک کے

مجسمے اوسیطرح قابل تعظیم و پرستش تسلیم کیے جاتے تھے۔ قبر پرستی اور شخص پرستی دونوں عالمگیر ہو رہی تھیں۔ اور اسطرح
عیسائیت کفر پرستی سادی گئی تھی۔ عیسائیت کی ماتحتی کی وجہ سے قوم کی ملکی اور معاشرتی حالتیں بھی بالکل افسوسناک
ہو رہی تھیں

عیسائیت کے حیوانی مظالم

انسان سے خیالات و فیصلہ جات کی آزادی سلب کر لیگئی تھی۔ اور عیسیٰ کی حکومت
لامذہبوں اور کافروں کی بیرحمانہ قربانیوں اور جاں ستانیوں تک محدود کر دیگئی تھی۔ جو عقاید مروجہ ملک سے بال بھر بھی اختلاف
کرنیکی جرأت کرتے تھے شہر اسکندریہ کی کھلی سڑک پر اور مہذب دنیا کی کھلی آنکھوں کے سامنے۔ زمانہ قدامت کی شریف ترین
عورت نا قابل الذکر مظالم کے ساتھ۔ ایک عالم عیسائی کے ہاتھ سے جسکا نام دفتر عیسائیت میں شہید کے لقب مقدس سے
زابر تحریر کیا جاتا ہے۔ اور جسکے لئے موجودہ روشنی کے زمانہ میں ایک عذر خواہ۔ ڈریپر (DRAPER)
بھی پیدا ہو گیا ہے۔ ذبح کر ڈالیگئی ڈریپر کے خوش بیان صفحات میں اون خونخوارانہ جرائم کے پورے واقعات موجود ہیں۔ جو
ابدالآباد تک عیسائیت کے دامن پر بہت بڑا داغ لگائے رہیں گے۔

قتل ہپتیا

ایک خوش جمال عقیلہ اور نہایت پارسا خاتون جسکی درسگاہ شہر اسکندریہ میں صاحبان ذوق و اہل معاشرت
مروجہ کی کثرت سے ہمیشہ بھری رہتی تھی۔ مبلغین اور معلّمین عیسائیت کے ایک گروہ نے عین اوسوقت حملہ کر دیا جب وہ اپنی تعلیمگاہ
سے باہر آ رہی تھی۔ ان مویدین مذہب کے شور و غل میں وہ اپنی گاڑی پر سے کھینچ لی گئی۔ اور کھلی سڑک پر بالکل ننگی کر دیگئی
وہ تو خوف کی شدت سے نیم جاں ہو رہی تھی اوسے اسی شکل سے کھینچ کر ایک قریب کے گرجے میں لیگئے اور وہاں امام مذہب
کے چھرے سے قتل کر ڈالیگئی۔ اوسکی غریب لاش کے ساتھ بدکاری کیگئی۔ اسکے بعد اوسکی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیگئے
ایسپر بھی یہ خونخوارانہ مظالم اوسوقت تک تمام نہیں کئے گئے جب تک کہ سیپیوں سے اوسکا گوشت ہڈیوں سے بالکل
کھرچ نہ لیا گیا پھر بقیہ اجزائے لاش کو آگ میں ڈالدیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مظالم کے دنیائے عیسائیت نے اس ظالم
(قاتل ہپتیا سینٹ سارِیل) کو مذہبی امام و پیشوا کا خطاب دیا جس نے ایسی خوفناک اور انقلاب انگیز خونخواری دکھلائی
غریب ہپتیا[1] کا خون بہا سوائے عمر ابن العاص کی تلوار کے اور کوئی دوسرا نہ لے سکا۔

[1] ہپتیا (Hypatia) تھیون (Theon) کی لڑکی تھی۔ اور شہر اسکندریہ کی بہت بڑی ریاضی دان حکیمہ۔ باپ کے مرنے کے بعد اوس نے حکمت
افلاطون کی سند اوس شہر میں حاصل کی۔ اور کثیر التعداد طلباء اور شاگردوں کو ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم دینے لگی۔ یہاں تک کہ یونان اور اسکندریہ میں تعلیم
حکمت ارسطو اور افلاطون میں اوسکی شہرت تمام پھیل گئی۔ سیناسیس جس نے آخر میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اوسکا بڑا مداح تھا۔ اسیطرح ارسطیطیوس
جو حاکم اسکندریہ تھا ہپتیا کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اور ہر امر ضروری میں اوس سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ حاکم اسکندریہ اور سارِیل (قاتل ہپتیا) کے درمیان
سخت عداوت تھی جو آخر میں فیما بین جنگ و جدال کی صورت میں مبدل ہو گئی تھی۔ اور رہبانوں (Monks) کی وارستہ جماعت نے سارِیل کی طرف ہو کر
ارسطیطیوس پر حملہ کر دیا اور ارسطیطیوس کو بالآخر شہر سے بھاگنا پڑا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ہپتیا کو پکڑا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے

عیسائیت کے مظالم اور عالمگیر بدکاریان

حکومت قسطنطنیہ کی حالت خصوصاً شاہ جسٹینین (JASTINIAN) کے ایسے نامور اور موید عیسائیت کے ایام حکومت مین۔ تمام عیسائی حکومتون کی ملکی اور قومی بدکاریون اور بداخلاقیون کی مرتب فہرست ہے۔ اقاصرہ روم کے تخت شاہی پر ملکہ تھیوڈرا (THEODRA) کے قدم آئے اور وہ سلطنت کے تمام نظام مین بادشاہ کی شریک بلکہ شریک غالب بنگئین تھیوڈرا نے شہر قسطنطنیہ مین اپنی (بدکاری کی) علانیہ تجارت شروع کردی اور وہان کے آوارہ فراخ بات مردون مین انکا نام ضرب المثل ہوگیا لیکن باین ہمہ اوس شہر مین کامل تعظیم وتکریم کے ساتھ یہ سلطانہ تسلیم کرلی گئین اور بڑے بڑے حاکمان قتل وقصاص مجتہدان عصر تحصیلدار اور قلعہ کشا سپہ سالاران افواج انکی تعظیم واحترام کرنے لگے۔ تھیوڈرا کے جور ومظالم سے سلطنت روم تمام دنیا کی نگاہون مین ذلیل وخوار ہوگئی۔ جن مظالم کو نہ کوئی نصاب مذہبی روک سکتا تھا اور نہ عدو وقومی یہ شورش انگیز معدے۔ خونریز ہنگامے جن مین علمائے مذہب کی ہمیشہ نمایان شرکت رہتی تھی۔ اوس زمانہ خاص کے آئین تھے۔ ان موقعون پر تمام حکام نظام۔ عام اس سے کہ نظام انسانی ہون یا احکام روحانی سب پامال کردیے جاتے تھے۔ معابد اور مذابح (قربان گاہین) خونخوارون سے ناپاک بنے ہوئے تھے کوئی مقام نہ امن وآرام کے قابل تھا اور نہ طہارت واحترام کے لایق۔ قومی قوانین بالکل متروک کردیے گئے تھے۔ اور باعیانہ بدکاریان دن دہاڑے ہمیشہ جاری رکھی جاتی تہین۔ کوئی واقعہ ایسا خوفناک اس ناپاک شہر مین اوسوقت تک ظاہر نہین ہوا تھا جیسا کہ ایکا گھے عام بلوے کیصورت وطریقہ مین شاہ جسٹینین کے پانچوین سال جلوس مین واقع ہوا طبقہ رعایا کی عام طوائف الملوکی اپنی تمام خونریزیون اور بدکاریون کے ساتھ شاہی افواج متعصبین کی حمایت کی وجہ خاص سے ترقی ووسعت پاکر بالکل وحشیانہ انداز وصورت مین اس حد تک پہونچ گئی تھین کہ سلطنت کفار مین بھی اون کی نظیر نہین ملتی۔

شاہ مارقیوس کا خون ناحق

جب ہم قسطنطنیہ کی ان حالتوں کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں تو حکومت فارس کی حالت کو اوس زمانہ مین اس سے کہین بہتر سمجھتے ہین۔ عام جذبات انسانیت۔ ان مظالم وجرائم کو دیکھکر حضون نے مسیحی قسطنطنیہ کے کارنامون کو سراپا داغدار بنا دیا ہے۔ بالکل علیحدہ ہوجاتے ہین۔ جس زمانہ مین کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام بالکل کمسن تھے عین اوسوقت ایک نہایت نیک اور پرہیزگار عیسائی حکمران قسطنطنیہ[۱] جس کا مثل آجتک تخت بازنطیوم (سابق

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ اوسکے اعضا کو جلاڈالا ہیپتیا نے ومساطوس (Decline ...) کی تالیف اور دیگر کتابوں کی شرحیں لکھیں اور مقدس رمانہ سدیو رڈ۔ چارلس کنگسلے Kings by Revd Charlse نے ایک خاص کتاب میں اسکے واقعہ کو لکھا ہے۔ BEETONS HIST P 935

[۱] اس بادشاہ کا نام مراقس رومی تھا (MAURICEUS) یہ شخص نہایت قدیم خاندان رومن کا ممبر تھا۔ ۵۷۸ء میں شاہ طبریس اسے سالار فوج بناکر محاصرہ فارس میں بھیجا تھا۔ وہاں اس نے فتح عظیم حاصل کی ۵۸۲ء میں وہ شاہ طبریس کا قایم مقام ہوا۔ اور اوسکی لڑکی سے شادی کرلی اہل فارس روم پر چڑہائی کردی جاسیں سے صف آرائی ہوئی اور کامل آٹھ برس تک قائم رہی۔ اور بالاخر خسرو ثانی کے حکومت سے منتزع کیے جانے پر ختم کردی گئی تخت سے منتزع ہوکر خسرو نے مراقس سے کمک مانگی۔ اور مراقس نے مدد فوجی دیکر اوسکو اوسکا موروثی تخت دلوادیا اسکے معاوضہ میں چہ فتوحات فارس مراقس کے بدلے اسکے بعد ۲۰ عراق

مام قسطنطیہ) پر نہیں بیٹھا تھا ایک عیسائی بادشاہ کے اشارے سے قتل کردیا گیا وہ مظلوم بادشاہ اپنے قصر شاہی کے عبادت خانہ سے باہر کھینچکر لایا گیا اور اوسکے پانچوں بیٹے ایک ایک کرکے اوسکی آنکھوں کے سامنے قتل کردیے گئے اور حسرتناک منظر بادشاہ کی جان تمام کردیے جانے پر ختم کردیا گیا۔ اسکے بعد اوسکی بیوہ سلطانہ پر اور اوسکی لڑکیوں پر ہولناک مظالم ڈہائے گئے اور انکو بھی اوسی مقام پر قتل کردیا گیا۔ جو مقام اوس سے پہلے شاہ مراقس کے خون سے رنگین ہوچکا تھا۔

اسکے بعد کے واقعاتِ مظالم۔ جو مقتول بادشاہ کے احباب و رفقا کے ساتھ عمل میں لائے گئے۔ وہ عیسائیان قسطنطنیہ کے اخلاق کی کامل فہرست ہیں اونکی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ تالو سے زبانیں کھینچ لی گئیں۔ مثل حیوانات کے اون کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے۔ اون میں سے اکثر تازیانوں کے نیچے مرگئے۔ اکثر آگ کے شعلوں میں جلکر خاک ہوگئے اکثر کے کام تیر مار مار کر تمام کردئے گئے۔ اور جلدی سے مار ڈالنا۔ تو بقول گبن ایک قسم کا بہت بڑا رحم تھا۔ جو ان بدنصیبوں کو مشکل سے نصیب ہوا۔

سلطنت قسطنطنیہ خون تھوک تھوک کر قریب المرگ ہو رہی تھی۔ اور ملکی اور مذہبی تفریق و مناقشات سے صد پارہ ہوکر اور عقلی مجادلوں سے بیدل ہوکر۔ مذہبی عقاید میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی کوششوں سے بالکل کمزور ہوچکی تھی۔ اور ہمیشہ کشت و خون۔ بدکاریوں اور حرامزادیوں کے مناظر پیش کرتی رہی۔

عیسائیوں کا بہت بڑا مشہور و معروف مورخ ملمین (MILMEN) قسطنطنیہ میں اوس زمانہ کی مجنونانہ عیسائیت کی یہ حالت بیان کرتا ہے۔

قسطنطنیہ کا بشپ (مجتہد اعظم) سلاطین قسطنطنیہ کا دہنا ہاتھ ستہ سکار۔ ادنی علام اور پر جوش مذاق والا مصاحب تھا۔ اور کبھی ایسا کامل اخلاقی اثر حاکم سلطنت کے مزاج پر نہ پہونچا سکا۔ اس سے طبقہ زیرین کے ماتحت علماء و پیشوایان مذہب عیسوی قطع نظر آسکتے کہ اونھوں نے اپنے دوسرے احسان و استحقاق قوم پر مبذول کرکے قوت و دولت اور مراتب حاصل کرلیئے ہوں۔ جس سے وہ قوم کی حریص اور دیگر خواہشات نفسانی کو روک سکیں۔ مگر باوجود اسکے اونکی یہ تمام قوتیں اتنی کافی نہیں تھیں کہ وہ تمام قوم کے قلوب پر کبھی نظام امن قایم رکھنے کیلئے تحکم کرسکیں۔ یا قدیم زمانہ کی بداخلاقیوں کو موقوف کرسکیں۔ یا باہمی مناقشات و اختلافات میں سکون پیدا کرسکیں اور دو گرتی ہوئی قوموں کو یکجا کردیں بظاہر تو وہ قلوب پر حکمرانی کرتے تھے اور اس سے قبل زمانوں میں بھی وہ حکمرانی کرچکے ہیں لیکن قلوب عامہ پر یہ حکمرانی کسی اقتدار و عظمت یا احسان و خلوص کے ذریعہ سے نہیں کی جاتی تھیں بلکہ جاہل متبعین کو وہم پرستی کے خوف دلانے ڈرانے اور دھمکانے سے

بقیہ حاشیہ گذشتہ۔ رومیوں میں جنگ واقع ہوئی جس میں اہل عرب نے بارہ ہزار[۱۲] رومیوں کو قید کرلیا اگرچہ مراقس نے فدیہ دیکر اونکو چھوڑا لینا چاہا مگر عربوں نے دینے سے انکار کردیا اور سب کو قتل کرڈالا۔ اس جرم میں فوج نے مراقس کیساتھ غدر کیا اور فوکس (PHOCOX) کو اپنا بادشاہ بنا دیا اور قسطنطنیہ پر حملہ کرکے مراقس اور اوسکے تمام خاندان کو قتل کرڈالا ۵۳۹ ء میں پیدا ہوا اور ۶۱۰ء میں قتل ہوا۔

BEETONS 297.

حقیقتاً اس طبقہ کے لوگ (علمائے عیسائیت) مدات خود جہالت کے غار میں گر پڑے تھے۔ اور جہالت و حیوانیت کے آگے سرنگوں ہو گئے تھے اور یہ ایک نہایت ذلیل درجہ کی تہذیب تھی۔ رہبانیت نے قوم کے کثیر التعداد افراد کو محض زاہدانہ اور دینی مشاغل میں نہایت مستعد اور کار آمد لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن ان رہبانوں نے جب سے ملک کے جو بخواہانہ اور مخالفانہ معاملات ملکی میں اپنے حصے اور برتے بنا بنا کر شرکت کی۔ اوسی وقت سے اونکی نگاہوں میں اونکی وقعت اور اوروں کے اثر بالکل کم ہو گئے۔ وہ کہنے کے لئے تو دنیا سے بالکل علیحدہ تھے۔ تارک الدنیا و العلائق تھے۔ حیرت و تنہائی کے وادی میں ساکن تھے اور انہیں لوگوں میں وہ راہبین جو مانک (MONK) کے نام سے مشہور و معروف تھے اپنے اپنے صومعات میں تو بجائے خود نہایت مستحکم اور پُر امن تھے۔ اور ایسا ہی وہ اپنی نجات کی نسبت بھی یقین کامل رکھتے تھے لیکن اپنے فرقہ کے سوائے تمام نوع انسانی کو ایک لاعلاج فنا و نیستی کے لئے چھوڑے بیٹھے تھے ریرٹ آف اسلام ص ۳۶

بحوالہ MILMANS LATIN CHRISTIANITY VST INTRODUCTION P. 84

جو قطعات ملکی۔ ایشیائی ترکستان میں۔ دریائے فرات سے مغرب کی طرف واقع تھے۔ وہ پارتھین[1] PARTHIAN اور رومن قوموں کے ہاتھوں یکے بعد دیگرے برباد ہو چکے تھے۔ پھر ان دونوں تباہ کن قوموں کے بعد ان ممالک کو ایرانیوں اور رومیوں نے پامال کر کے تباہی و بربادی کے آخر درجوں تک پہونچا دیا تھا۔ وہاں کی رعایا کی بدکاریاں اونکی قومی تباہی سے بڑھی ہوئی تھیں متعصبین عیسائیت نے اونکی قومی حالتوں میں ترقی پیدا کرنے کی جگہہ اونکی خرابیوں کو اور روزی کر دیا تھا ان ممالک میں مذہب رومتی ذلیل ترین عیسائیت سے ایک طرف اولجھا ہوا تھا۔ اور فرقہ نسطوریہ (NESTORIAN) اپنے متعصبین مذہب کے گروہ سے دوسری طرف دست و گریبان تھا۔ اور یہ وہی قدیم جنگ تھی جو فیما بین۔ مانیکینوس اور دیپمبر ہائے اسوان کے درمیان ایک زمانہ دراز سے جاری تھی۔ الغرض ان مفسدات نے مغربی ایشیا کو برباد اور ناامیدی کا ناپیدا کنار ویرانہ بنا رکھا تھا۔

وہ گرد باد فتوحات جو افریقہ ہو کر گذر گیا۔ وہ قتل عام کشت و خون متعلمین و مبلغین مذہب عیسائیت کی زیادتی اور بدعنوانی سے بالکل بھرا اور مملو تھا۔ اُس نے نوراخلاق کے ایک ایک ذرے کو چن چن کر ملک مصر اور دیگر ممالک افریقہ کے حصوں سے جو قریب قریب زوال و نیستی کے پہونچے ہوئے تھے نکال پھینکا۔ قوم کی حالت اس سے بھی زیادہ ہیبتناک

---

[1] پارتھین (PARTHIAN) ایشیائے مغربی کے ایک علاقہ خاص کا قدیم نام ہے جو کیپین کے جنوب و مشرق کی جانب ایک چھوٹی جا کہ سے ہرکانیہ (hyrcania) سے ملا ہوا تھا۔ اب وہ علاقہ خراسان کے شمالی حصہ میں داخل ہے یہ قدیم سے ملک فارس کا علاقہ تھا اسکو سکندر اعظم نے فتح کر لیا تھا اور بعد فتح ملک شام سے ملا دیا تھا لیکن یہاں کی رعایا نے بغاوت کر کے اپنے ملک کو آزاد کر لیا۔ اگرچہ رومیوں نے اونکو مفتوح کرنیکی متواتر کوشش کی لیکن پھر وہ کبھی کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اوسکے خاص حاکم اربائینوس چہارم (ARBATINIUS IV) نے فارس والوں کے ساتھ جنگ کی اور عین معرکہ جنگ میں مارا گیا۔ اوسی وقت سے یہ علاقہ ممالک فارس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ملحق ہو گیا۔ (BEETONS HIST 528)

ہو رہی تھی، دورِ ردشن میں حاکمانِ شریعت اور قوم کے لوگوں کی دونوں آنکھوں کے سامنے نارسیسہ[1] (NARSES) کے السا ایک محسن قوم و ملک شہر قسطنطنیہ کے بازار میں زندہ جلا دیا گیا۔ ایسے ہی تختگاہ روم میں اگزارچ (EXARCH) نائب السلطنت) کے آنکھوں کے سامنے فریقِ مخالف نسب کے طرفداروں نے اعلان جنگ دیدیا اور تمام گرجاؤں کو عیسائیوں کے خون سے بھر دیا۔

ملک اسپین (اندلس) نے ان سے بھی زیادہ خوفناک بربادی اور طائف الملوکی کے واقعات پیش کئے۔ دولتمند طبقہ قوم اور وہ چند صاحبانِ اقتدار و حقوق۔ جو حکومت کی طرف سے عمّالانِ ملکی کے عہدوں پر ممتاز تھے یا حاکمانِ وقت ہونیکے خطابات و القابات رکھتے تھے۔ وہ گ تمام دینی اور دنیاوی تکالیف سے البتہ سبکدوش تھے۔ وہ انتہا درجہ کی عیش و عشرت کے ساتھ اپنے اپنے خوشنما محلات میں رہتے تھے۔ غلام و کنیز خدمت کے لئے ہمیشہ اونھیں گھیرے رہتی تھیں وہ لوگ اپنے اوقات زیادہ تر حمام کی صحبتوں میں صرف کرتے تھے۔ جو اونکی بدکاریوں کے اظہار کی اصلی شکارگاہ تھی۔ یا قماربازی کی میز پر اپنا وقت گذرانتے تھے۔ اِس سے جو وقت بچتا تھا وہ کھانے اور پینے میں صرف ہوتا تھا۔ ان کی یہ کثیر عیش و عشرت اور اون میں ان لوگوں کی بے حد زیادتیاں۔ عام طبقہ رعایا کی لاانتہا ناداری اور تکلیف کے ساتھ ایک خوفناک مقابلہ کا موقع دیتی تھیں۔ اب رہی متوسطین طبقات قوم۔ جنکو شہروں اور قصبوں کی آزاد رعایا کہا جاتا تھا۔ وہ رومن بادشاہوں کے مظالم سے روزانہ پیسے جا رہے تھے۔ زمینداری غلامی موقوف ہو گئی تھی۔ اوسکے قایم مقام آبادانہ غلامی قایم ہو گئی تھی اور اِس نے آزادی اور غلامی کے درمیان کی صورت اختیار کی تھی بعض حالتوں میں وہ غلاموں سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھے وہ جائز طریقہ میں شادی بیاہ بھی کر سکتے تھے۔ اور اپنی کاشت کے محاصل میں قدرے حصہ پانے کے بھی مستحق ہو جاتے تھے اور اونکے مالک اون سے مال مویشی نہیں لے سکتے تھے۔ باستثناء اسکے وہ اور حالتوں میں ملک کے غلام تھے۔ اور اون کی ذاتی خدمات بالکلیۃ حکومت سے وابستہ تھیں۔ اون کو سزائے جسمانی اوسی طرح دیجاتی تھی جس طرح گھر کے لونڈی غلاموں کو دیجاتی تھی۔ رعایا کچھ ایک ہی شخص کی غلام نہیں تھی بلکہ ملک بھر کی۔ اون کی خدمات کے تعلقات موروثی اور ناقابل انفکاک طریقہ سے اون کی زمین کاشت سے متعلق تھے۔ جسے وہ جوتتے بوتے تھے۔ اِن غلامانِ حکومت کے حالات جو خاصکر تمام حکومت کی رعایا پر مشتمل تھے۔ ناقابل بیان تھے۔ اون پر حیوانوں سے بھی زیادہ ظلم و بیرحمیاں کی جاتی تھیں۔ جہالت ملکی کے مارشانی حملات اِن بدقسمت قطعات زمین پر

[1] نارسیس یا نارسیز (NARSIS) اصل میں یہ ایک خواجہ سرا تھا جو شاہان قسطنطنیہ کی حرم سرا میں معمولی عہدے پر مامور تھا رفتہ رفتہ شاہ جسٹینین کا مشیر خاص ہو گیا اور بالآخر رومیوں کی تمام افواج کا نہایت اعلیٰ اور کارگذار سپہ سالار ہو گیا۔ یہ قوم گاتھ (GATH) کے محاصرے میں رومیوں کی طرف سے سپہ سالار افواج مقرر کر کے بھیجا گیا۔ اور ۵۲ھ میں وہ فتحیاب ہوا اور شاہ طلطلہ (TOLTILA) اوسی جنگ میں مارا گیا۔ اس کے بعد وہ شاہ روم کیطرف سے ممالک اٹلی میں وایسرائے بناکر بھیجا گیا۔ اوس نے اپنی حسن تدبیر سے تمام ملک الطالیہ میں بہت خوب انتظام کئے لیکن آخر میں اوس پر حرص و طمع کا الزام لگایا گیا اور شاہ جسٹینین کے بعد وہ اس جرم میں اس عہدے سے معزول کر دیا گیا وہ پچانوے برس کا ہو کر شہر روم قسطنطنیہ میں ۵۶۸ع میں زندہ جلا دیا گیا۔
BEETONS HIST P 501

س سے بھی زیادہ خوفناک بلا و مصیبت لائے لیکن جب ان میں بیداری آئی تو وہ از خود رفتہ خوفناک اور کامل الارادہ ہو گئے اور اونھوں نے ان طبقات آراضی کو لوٹا قتل کیا اور باقیماندہ لڑکوں عورتوں اور بادڑی لوگوں کو اپنا غلام بنایا۔ کثیر التعداد جو ان جزیرہ نما یوروپ میں آباد تھیں مقلدین حضرت عیسیٰ کے ہاتھوں جیسے جیسے خوفناک مظالم اون کے ساتھ ہوئے اور جس بیرحمی سے اونکا تعاقب کیا گیا وہ دلشکن ہیں ان لوگوں کا تعاقب عالمان شریعت عیسوی کے ہاتھوں اور اون کے حکم خاص سے بر پر حکم شاہ وسگوتھ سلیست (Visigoth Sisebut) سنہ ۶۱۶ع سے شروع ہو کر اوسوقت تک یہیں تمام کیا گیا جبتک اسلام ان مظلومین جہالت وجنون کے لئے پروانہ نجات نہ لایا۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے یوروپ کے یہودیوں کو اس قابل بنا دیا کہ میمونا مدس (Moses Maimonides) یا ابن جبریل[۱] کے ایسے قابل افراد پیدا کر سکے۔ اسپرٹ اسلام ار ص ۱۹ دیباچہ ۳۸

رائٹ۔ آنریبل مسٹر سید امیر علی سی۔ آئی۔ ای۔ ماالقابہ نے مندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں صفحات عالم پر الکفر ملۃ واحدۃ کی ایسی اچھی تصویر کھینچی ہے کہ پھر اوسکی دوسری مثال یا عکس ثانی پیدا کرنا دشوار ہے اس تفصیل سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا۔ کہ ظہور اسلام اور بعثت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ الکرام کے وقت کفر و شرک اور ضلالت و جہالت کی عام تاریکی دنیا کے اس سرے سے لیکر اوس سرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عادت الٰہی کے مطابق یہی وقت اور یہی موقع انوار رسالت کی ضیا افشانی کا خاص تھا۔ اس تفصیلی عبارت کے متعلق مجھکو کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تھی لیکن چونکہ موجودہ زمانہ میں تمام یوروپ کا زمانہ ہے اور اس کتاب میں تمامتر یوروپین مصنفین کی تعریفات سے مقابلہ ہے اس لئے ضرورت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت ممالک یوروپ کی جہالت و ضلالت جیسی تاریخوں سے ثابت ہوتی ہو وہ بھی تفصیل کے ساتھ پیش کر دیجائے کیونکہ مندرجہ بالا عبارت تفصیلی میں اس تشریح کی کمی رہگئی ہے اس غرض سے ہم مفصلہ ذیل عبارت میں آنحضرت صلعم کے مبعوث برسالت ہونیکے وقت یوروپین ممالک کے علیحدہ علیحدہ حالات قلمبند کرتے ہیں

ممالک یوروپ میں عیسائیوں کی دینی اور دنیاوی بدنظمی

رسول عربی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام یوروپ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ **انگلستان** میں برٹن (BIRTON) اور سکس (SAXON) قومیں آباد تھیں۔ نارتھمبرلینڈ۔ مڈلینڈ۔ کونٹیر۔ نارفاک۔ سفاک۔ اور سکس (قریب قریب تمام اضلاع انگلستان میں) ہیں ووڈن (WODDEN) کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس اور اوسکے اصلاع۔ برن ہلڈ۔ سگ برٹ۔ فری دی گونڈ وی۔ ہلمارک جبر افسانہ وقصص کی حالت میں گرفتار تھا

[۱] ابن جبریل۔ یہود کا بہت بڑا عالم شریعت اپیں کا باشندہ تھا۔ عام طور سے موسی مصری کہلاتا تھا کیونکہ وہ حاکم مصر کا حکیم خاص تھا اوسے قبل میں آکر مسلمان بتلایا تھا اس لیے کہ اوسوقت کو اسلامی سلاطین یہودیوں کے سخت مخالف تھے وہ مختلف زبان و علوم سے واقف تھا اور خاصکر علم فلسفہ اور علم الادویہ کا بہت بڑا کامل تھا وہ علم شریعت کی حقیقت کا بھی ماہر تھا۔ اور مدراس و تالمود (تعابیر و حدیث یہود) پر اوسنے بڑی بڑی شرحیں لکھیں اور دلائل عقلیہ سے اونکے مطالب کے مکاشفات کیں اوسکی تصانیف بڑی ضخیم ہیں اور اوسکی قدر و منزلت یہود و نصرانی میں ایسی ہے کہ ویسی کسی دوسرے عالم کی نہیں۔ یہود تو اوسکو موسیٰ ثانی کہتے ہیں اسکی شرح توریت اصول فقہ عبرانیاں وغیرہ مشاہیر تصانیف ہیں بمقام قرطبہ سنہ ۱۱۳۵ع میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۲۰۴ع میں فوت ہوا BEETONS Hist 259

اور اس علاقوں میں یا ڈربوں کے ایماسے بہت سی بدکاریاں روا رکھی جاتی تہیں - فرانس ہمیشہ سکسن قوموں سے دریائے البے (R ELBE) پر معرکہ آرا رہتا تھا - یہ لڑائی ۷۸۲ عیسوی کے بعد تک جاری رہی جس میں سارہے چار ہزار سکسن قیدی نہایت بیرحمی سے شہر وارڈن (WARDEN) میں ہلاک کیئے گئے -

ہینگری - اندرون استھادرصہ کی وحشی وناشائستہ اور آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا - جنکو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا - (سول ملٹری گزٹ مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء اڈیٹوریل نوٹ)

ہندوستان میں مجرموں کا زمانہ شروع ہوگیا تھا - اور وام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا - وہ اپنے گندے اصولوں کیطرف سادگان حال کی راہبری کرتا تھا - مندروں میں مرد وعورت کی برہنگی کی تمثالیں بنا کر رکھی جاتی تہیں اور انکی پرستش کی جاتی تھی عبادت خانوں کے درودیوار ایسی سراپا فحش تصویریں کندہ کیجاتی تہیں جنکے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آتی ہے (R C Dut Civilization of India 237)

چین اور مشرق بعید کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھکر خدا سے مونھہ موڑ لیا تھا ہر کام کے لیئے جدا جدا بت مقرر کر لئے تھے - کوئی بارش کا - کوئی اولاد کا - کوئی جنگ کا - کوئی امن کا -

قبل بعثت عرب کے خاص حالات

یہاں تک ہم معمورۂ عالم کے گوشہ گوشہ کی بت پرستی اور کفر پرستی کے مفصل اور مسلسل حالات قلمبند کرچکے اور دکھلا چکے کہ ایک کفر شعاری کی بدولت - انکے اخلاق - آداب معاشرت اور ملکی و قومی نظام کیسے تباہ و برباد ہو رہے تھے - اب ہم ان اقطاع عالم کے مندرجہ بالا حالات کو بالتفصیل بیان کرکے حسب الوعدہ اخیر میں جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ تباہی و بربادی کا نقشہ ذیل کے مضامین میں کہینچتے ہیں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ اس عام تاریکی کے زمانے اور اس دائمی ظلمت کے بیچ عالم میں اس قطعہ عالم کی جسکی نسبت وہاں کے باشندے قلب عالم ہونیکا دعوی اور اپنی سرزمین وطن کو ایک نامحدود و غیر محدود زمانے سے تقدیس کا مرکز - رسالت کی تبلیغ کا مخزن - ابراہیمؑ کا معبد اور اسمٰعیلؑ کا مسکن قرار دیتے آئے ہیں - ان خصوصیات و اوصاف سے تو یہ چاہتا تھا کہ وہ اور اوسکے باشندے بمقابلہ اور مقامات کے اپنے اطوار و کردار میں خدا پرستی اور صلاحیت کے مسلک قدیم پر قائم ہوں لیکن واقعات اسکے برعکس یہ بتلاتے ہیں کہ اونھوں نے اپنی قدیم عظمت کے تمام خصوصیات کو بالائے طاق رکھکر ایک مدت سے کعبہ میں بت پرستی اختیار کرلی تھی تفصیل یہ ہے -

کئی صدیاں گذر گئیں تھیں سیکڑوں نسلیں ختم ہوگئیں تھیں کہ جزیرہ نمائے عرب میں اوسوقت سے لے کر اسوقت تک کسی فرمانروا کا پورے ملک پر نہ تسلط ہوا تھا اور نہ کسی بادشاہ کی حکومت - ایک زمانہ دراز سے ملک کا ملک شتر بے مہار تھا - نہ کسی حاکم سے واسطہ نہ کسی حکومت سے سروکار حضرت شعیبؑ کے بعد سے جسے تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہوتا ہے آج تک اس قطعۂ زمین پر کوئی ہادی اُمت نازل ہوا تھا - نہ کوئی راہبر اور نہ پیغمبر اوترا تھا - اسوجہ سے یہ ملک کا ملک قوم کی قوم نہ خدا کے اصول ہدایت سے واقف تھی اور نہ قانون سیاست سے آشنا - ایک خالص آزاد قوم تھی اور کامل

جاہل ملک خشکی آزادی محض حیوانی تھی۔ انسانی لیکن وہ آزادی بھی انواع اقسام کی کیفر کرداریوں مین گرفتار تھی۔ اور ملکی نام و نمود بھی ہزار طرحوں کی جاہلیت مین نیست و نابود۔

زمانۂ جاہلیت مین اہل عرب حقیقتاً کسی الہامی مذہب کو نہین مانتے تھے۔ اونکو خدا کے وجود ہی سے انکار تھا اور حشر کے منکر تھے۔ اور چونکہ وہ گناہ کے قائل نہ تھے اس لئے عقبےٰ مین روح کی جزا و سزا کے بھی قائل نہ تھے وہ اپنے آپ کو جملہ قیود قانونی خواہ حدود رسمی سے بالکل مبرا اور مبرہ تصور کرتے تھے۔ اور اپنی ہی آزاد مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے اونکا عقیدہ تھا کہ انسان کا وجود دنیا مین ایک درخت یا جانور کے مانند ہے وہ پیدا ہوتا ہے اور بختگی پر پہونچکر تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے اور جانورون ہی کے مانند بالکل نیست نابود ہوجاتا ہے اکثر ان مین معتدل خیال والے بھی تھے۔ اور وہ روح کو غیر فانی سمجھتے تھے۔ اور اوسکی جزا و سزا کو آدمیون کے نیک و بد اعمال پر منحصر کرتے تھے۔ اس لئے ضرور تھا کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرین جس سے اونکو دائمی خوشی حاصل ہو اور اونکو ابدی تکلیف اور خرابی سے محفوظ رکھے۔ لیکن چونکہ اونکے پاس کوئی ایسا اصول جسکے وہ کاربند ہون موجود نہ تھا۔ اسلئے اونہون نے اون قواعد کی طرف توجہ کی جنکو اونکی ہمسایہ قومین مانتی تھیں اور اپنی سمجھ کے موافق ہر قوم سے ان لوگون نے کچھہ کچھہ باتین اخذ کرلین۔

عرب مین بت پرستی کیسے آئی یہی اسباب تھے جن اسباب سے عرب نے شام کے بُت پرستون سے بت پرستی سیکھی اور عمرابن لحیۃ ہبل نامی بت کو شام سے لاکر اور خانہ کعبہ مین نصب کرکے عرب کی بت پرستی کا بانی اور دائمی مشہور ہوا۔ ان لوگون نے بہت سے معتقدات اپنے ہی اصلی وطن کے الہامی مذہبون سے اور بہت سے غیر ملکون کے خیالات سے اخذ کرلئے تھے۔ اور پھر ان سب کو اپنے توہمات سے خلط ملط کرکے اپنے معبودون کو دین و دنیا کے اختیارات دے رکھے تھے لیکن اتنا فرق تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیوی اختیارات بالکل اون معبودون کے ہاتھ مین ہین۔ اور عقبےٰ کے اختیارات کی نسبت اونکا یہ اعتقاد تھا کہ اون کے بُت یعنی وہ جنکی پرستش کے لئے وہ بت بنائے گئے تھے اونکے گناہون کی معافی کے لئے خدائے تعالیٰ سے شفاعت کرین گے غرضکہ ظہور اسلام سے پہلے ملک عرب مین بت پرستی کی یہی کیفیت تھی۔ تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ اور جن بتون کی وہ پرستش کرتے تھے اونکی تفصیل یہ ہے۔

عرب کے بتون کے نام اور مقام

ہبل

(۱) ہبل۔ ایک بہت بڑا بت تھا۔ جو خانہ کعبہ کے اندر داہنے طرف جو خزانہ کا کنوان تین گز گہرا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھودا تھا۔ اوسپر کھڑا کیا گیا تھا۔ عمرابن لحیۃ اسکو ارض جزیرہ سے لایا تھا۔ اُحد کی لڑائی مین ابوسفیان نے اسی سے مدد چاہی تھی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کے حکم سے فتح مکہ کے روز حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اسکو توڑ ڈالا۔ توریت کے قدیم بت نعل کی یہ غالبًا تصحیف ہے۔

(۲) وُدّ۔ قبیلہ بنی کعب کا یہ بت اور وہ لوگ اسکی پرستش کرتے تھے۔ عرب کا رستم دستان مشہور پہلوان عمر بن عبدوُد کا نام اسی بت کے نام سے خاص نسبت رکھتا ہے۔

(۳) **سواع**۔ یہ بت قبیلہ مذحج کا تھا اور وہ اسکی پرستش کرتا تھا۔
(۴) **یغوث**۔ قبیلہ بنی مراد کا بت تھا اور وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔
(۵) **یعوق**۔ بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا اور وہ اسکو معبود سمجھتے تھے۔ اور عبادت کرتے تھے۔
(۶) **نسر** یہی بنی ہمدان کے قبیلہ کا بت تھا اور یمن کے لوگ اسکی پرستش کرتے تھے۔
(۷) **عُزّٰی**۔ قبیلہ بنی غطفان کا بت تھا اور وہ قبیلہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ اصل میں عُزّٰی تین درختوں کا مجموعہ تھا جس میں ذات باری عز اسمہ کا حلول سمجھ کر پوجتے تھے۔ عزّیٰ لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔
(۸) **لات**۔ یہ ایک بن گھڑا پتھر تھا جس میں لوگ خیال کرتے تھے کہ شان باری تعالیٰ کے کرشمے نے حلول کیا ہے لات کو عورت یعنی دیوی سمجھتے تھے۔ اسی رعایت سے لفظ اللہ کا مؤنث اللّات ہُوا۔
(۹) **منات**۔ یہ ایک عظیم الشان بت تھا اور سمندر کے کنارے پر قدید کے پاس عمرو بن لحیہ نے نصب کیا تھا۔ لات و منات کے بت کسی خاص قبیلہ سے علاقہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ عرب کی تمام قومیں اکی پرستش کیا کرتی تھیں۔
(۱۰) **دوآر**۔ یہ بت نوجوان عورتوں کی دیوی تھی وہ چند دفعہ اسکا طواف کرتی تھیں پھر اسکو پوجتی تھیں۔
(۱۱) **اصاف**۔ صفا پر نصب تھا۔
(۱۲) **نائلہ** مروہ پر تھا۔ ان دونوں بتوں پر ہر قسم کی قربانی ہوتی تھی۔ اور سفر میں جانے اور سفر سے آنے کے وقت انکو بوسہ دیتے تھے حقیقت انکی یہ ہے کہ بنی جرہم کے زمانے میں صفا و مروہ پر یہ دونوں بت نصب کئے گئے تھے۔ صفا پر جو بت تھا وہ مرد کی شکل تھا اوسکو اصاف کہتے تھے۔ دوسرا بت جو مروہ پر تھا وہ عورت کی شکل تھا۔ اوسکو نائلہ کہتے تھے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں انسان تھے۔ اور بنی جرہم انکو اپنا دیوتا سمجھتے تھے اونکے مرنے کے بعد اونکے دو بت بنا دیئے گئے اور پرستش ہونے لگی۔
(۱۳) **نھیک** (۱۴) **مُطعِم**۔ یہ بھی عرب کے دو قدیم بت تھے۔ نھیک کو صفا پر نصب کیا گیا تھا۔ اور مُطعِم مروہ پر۔
(۱۵) **ذات الانواط**۔ یہ ایک بہت بڑا سبز و شاداب درخت مقام حنین میں تھا جسکو لوگ پوجتے تھے۔
(۱۶) **ذُوالکفین**۔ یہ بھی ایک بت تھا۔ جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلوا دیا۔
(۱۷) **عبعب**۔ ایک بڑا پتھر تھا جس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ اور عرب ذبیحہ کے خون کا ملنا اوس پر نہایت ناموری کی بات سمجھتے تھے۔

انکے علاوہ۔ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کی صورت بنی ہوئی تھی۔ اور اونکے ہاتھ میں قرعہ اندازی کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی تصویریں دیواروں پر بھی کھنچی ہوئی تھیں۔ حضرت مریم کی بھی ایک صورت تھی۔ اسطرح کہ حضرت عیسیٰ اونکی گود میں ہیں۔

عرب کی ملکی روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ - وُد - یغوث - یعوق اور نسر مشہور لوگون کے نام ہین جو ایام جاہلیت مین گذرے ہین - اونکی تصویرین پتھرون پر منقش کرکے بطور یادگار کے خانہ کعبہ کے اندر رکھدین تھین - ایک مدت مدید کے بعد اونکو رتبہ معبودیت دیکر پرستش کرنے لگے - اسمین کچھ شک نہین کہ عرب کے نیم جنگلی باشندے ان مورتون پر خدا ہونے کا پورا اعتقاد نہین رکھتے تھے - اور نہ اون لوگون کو جنکی یہ مورتین تھین معبود سمجھتے تھے بلکہ اونکو مقدس سمجھکر کی مندرجہ ذیل خوبیان تھین

عرب جاہلیت ان مورتون کو اون شخصون کی روحون کی یادگار سمجھتے تھے - اور اونکی تعظیم و تکریم اس سبب سے نہین کرتے تھے کہ ان مورتون مین کوئی شان الوہیت موجود ہے بلکہ محض اس وجہ سے اون کی عزت و تعظیم کرتے تھے کہ وہ اون مشہور اور نامور اشخاص کی یادگار ہین جن مین اونکے اعتقاد کے موافق جملہ صفات الوہیت یا کسی قسم کی شان الوہیت موجود تھی - اون کے نزدیک ان مورتون کی پرستش سے اون لوگون کی روحین خوش ہوتی ہین جن کی وہ یادگار ہین تھین - اونکا یہ اعتقاد تھا کہ خدائے تعالیٰ کی جملہ قدرتین - بیمارون کو صحت بخشنا بیٹا بیٹی عطا کرنا قحط و وبا اور دیگر آفات ارضی و سماوی کا دور کرنا - اونکے مشہور و معروف لوگون کے اختیار مین بھی تھا کہ جنکی طرف اونہون نے صفات الوہیت کو منسوب کر رکھا تھا اور وہ خیال کرتے تھے کہ ان مورتون کی تعظیم و پرستش کیجائیگی تو اونکی دعائین اور منتین قبول کیجائینگی اونکا یہ بھی مستحکم عقیدہ تھا کہ یہ اشخاص خدا کے محبوب خاص تھے - اور اپنی مورتون کی پرستش سے خوش ہوکر پرستش کرنیوالون کو خدائے تعالیٰ کے قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہونگے - اور اون کو تمام روحانی خوشی عطا کرین گے اور اونکی مغفرت کی شفاعت کرینگے -

بتون کی پرستش کے لئے اون کا یہ قاعدہ تھا کہ بتون کو سجدے کرتے تھے - اونکے گرد طواف کرتے تھے اور اونکو نہایت ادب اور تعظیم سے بوسہ دیتے تھے - اونپر اونٹون کی قربانیان کرتے تھے - مویشیون کا پہلا بچہ بطور نذر کے چڑہاتے تھے - اپنے کھیتون کی سالانہ پیداوار اور مویشی کے انتفاع مین سے ایک حصہ معین خدا کے واسطے اور دوسرا حصہ بتون کے واسطے اوٹھا رکھتے تھے - اگر بتون کا حصہ کسیطرح کم ہوجاتا تھا تو خدا کے حصہ مین سے اوسکو پورا کردیتے تھے اور اگر خدا کا حصہ کسیطرح ضایع ہوجاتا تھا تو بتون کے حصہ مین سے اوسکو پورا نہین کرتے تھے -

عرب کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیان

یہ تو ملک عرب کی قومون کے دینیات کی خرابی تھی - اب اونکی اخلاقی اور معاشرتی خرابیان مفصلہ ذیل مضامین مین ملاحظہ ہون -

عورتین - حقیقت مین - ہر قوم و ملک کی معاشرت کی زیور ہین - عرب جاہلیت انکو سب سے زیادہ خراب حالت مین رکھتے تھے - مردون کو اختیار تھا جتنی چاہین عورتین کرلین - لیکن عورت شوہر کے بعد بھی اس سے مجبور تھی اگرچہ اس باب کے تعین کرنے کے لئے کوئی قانون منضبط نہین تھا کہ مرد کو کونسی قرابتمند عورتون سے شادی کرنا جائز ہے اور کون سی ناجائز - مگر با این ہمہ یہ رسم شایع تھی کہ اوس عورت سے جو قریب تر رشتہ رکھتی ہو - ازدواج نہین کرتے تھے اور

یہ اعتقاد خاص رکھتے تھے کہ ایسی عورت کی اولاد عموماً ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔ عرب کی جاہلانہ رسموں میں سب سے زیادہ خراب رسم اور ان سب سے زیادہ بیرحم رسم لڑکیوں کا مار ڈالنا یا اونکو زندہ دفن کر دینا تھا۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنیکے مجاز تھے لیکن باپ اپنے بیٹے کی یا متبنّیٰ کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا اور اوسکے خلاف عمل کرنا نہایت معصیت اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔ شوہر کے بعد اوس کا سوتیلا بیٹا۔ اگر وہ نہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیتا تھا اور جو شخص اسطرح چادر ڈال دیتا تھا اوس سے شادی کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ عورتیں اپنے متوفی شوہر کا ماتم ایک سال کامل تک کیا کرتی تھیں اور میعاد معینہ کے بعد بیوہ اونٹ کی چند مینگنیاں یا تو کسی کتے پر یا جو اپنے کندھے پر سے اپنی پیٹھ پر پھینکدیتی تھی جس سے یہ مراد تھی کہ اب بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کا کچھ بھی خیال نہیں رہا۔ عورتوں میں اپنے گھر سے بے حجاب نکلنے اور عام مجمعوں میں بدون پردہ اور حجاب کے آنے کا دستور تھا۔ اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات نہیں تھی۔ زناکاری بھی عام تھی اور ایسی کہ زنان فاحشہ پہچان کے لئے اپنے گھروں اور خیموں کے آگے ایک نشان کھڑا کر دیتی تھیں اور اس رعایت سے وہ صاحب رایات کہی جاتی تھیں۔ اصطلاح عام میں ان صاحب رایات زنان فاحشہ کو کاشانہ کہتے تھے۔ ملک کے بڑے بڑے میلوں اور دنگلوں میں یہ عمائد اور اکابر قوم۔ رؤسا اور اُمرا کی خاص دلچسپی کا باعث ہوا کرتی تھیں۔ انکے خیمے ڈیرے اور رہنے کے مکانات و مقامات اُمرا اور رؤسا سے تعیش پسند کے عشرت کدے اور تفریح گاہیں بنے رہتے تھے۔ اور ہر شخص نہایت آزادی سے بلاتامّل اِن بازاری عورتوں کے ساتھ ارتباط اور روزانہ آمد و رفت رکھتا تھا۔ میخانوں اور شراب کی عام دوکانوں پر ان کی بڑی ضرورت تھی۔ گویا انکی موجودگی ترکیب کی جزو اعظم تھی۔ اس رعایت سے میفروشان عرب بڑی بڑی رقمیں اُجرت میں دیکر ان میں سے متعدد افراد کو اپنی دوکانوں پر مقرر کر لیا کرتے تھے۔ اور اپنے محاورے میں انکو ستواہد کہتے تھے۔ عمرو عاص اور زیاد ابن سمیّہ کی ماں انھیں عورتوں میں تھیں۔

سفّاکی۔ خونریزی۔ رہزنی گویا اونکی فطرت تھی اور قتل و قصاص اونکی عادت تھی۔ خون کا عوض خون ہی ہوتا تھا۔ جو لوگ خون کی دیت لیتے تھے اونکو اونکے ہمجنس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اونکا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض خون سے نہ لیا جاوے تو ایک چھوٹا سا پرندہ اکیڑا مقتول کے سر سے نکل کر آسمان پر اِسقُونی اِسقُونی کہتا ہوا چلاتا پھرتا ہے۔ اور بعض کا خیال تھا کہ مقتول کی رُوح ایک چھوٹی چڑیا کی صورت میں متشکل ہو کر اوسکی قبر کے گرد گھوما کرتی ہے اور اُسقُونی اُسقُونی (مجھکو پانی پلاؤ مجھکو پلاؤ) چلاتی ہوتی ہے۔ اِس کیڑے کو ھامَّہ اور چڑیے کو صدیٰ کہتے تھے لبید شاعر ایک نوحہ میں کہتا ہے۔

فلیس الناس بعدك فی نقیر　　وما ھم غیر اصداء وھام

ترجمہ۔ تو ایسا نہیں ہے کہ تیرے بعد سوائے صدیٰ　　اور ہامّہ کے کوئی بھی تجھپر نوحہ و زاری کرنیوالا نہیں ہے

اون کا یہی عقیدہ تھا کہ انسان کی روح اوسکی سانس کے سوا کچھہ اور نہین ہے - روح محض ایک ہوا ہے - جو انسان کے جسم کے اندر رہے لیکن جو اون مین زیادہ تعلیمیافتہ تھے - یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ روح ایک نہایت چھوٹا سا جانور ہے جو انسان کے پیدا ہونیکے وقت اوسکے جسم مین گھس جاتا ہے اور ہمیشہ اپنے آپ کو ٹرپاتا ہے - اوسکے مرنے کے بعد وہ جانور جسم کو چھوڑکر قبر کے گرد پھرتا رہتا ہے - یہان تک کہ ایک الّو کے برابر ہو جاتا ہے -

زمانہ جاہلیت کے عرب دیوؤں اور جنیات ارواحوں کو مانتے تھے - تمام خیالی - وہمی اور فرضی صورتین جو سیامائون یا پرانی عمارتوں اور مسمار اور منہدم کھنڈروں مین اونکو نظر آتی تھین اور جنکی تنہا آدمی کے خیال مین اکثر ایک خاص صورت ہو جاتی ہے - ان سب کو مختلف قسم کی جنیات ارواحین تصور کرتے تھے - بعض لوگ ان مغالطات نظری کو مختلف بروح کی تاثیرات کی طرف سے منسوب کرتے تھے - اور اونکی رائے اوروں کی رائے کے مقابلہ مین اصل تر معلوم ہوتی تھی -

ٹوٹکوں اور شگون لینے مین اون کا مضبوط اعتقاد تھا - جب کوئی مصیبت یا تباہی ان پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں لیکر کچھہ او پر ٹرپکر ہوا نکتے تھے اور اونکو پھینکتے تھے اور ایسا کرنے سے اوس مصیبت کے دور ہونیکی توقع رکھتے تھے - جانوروں کے اوڑنے اور بولنے سے بھی نیک و بد شگون کیا کرتے تھے - مثلاً اگر کوئی شخص بیٹھا ہے اور کوئی جانور اسکے داہنے طرف سے بائین طرف راستہ کاٹ گیا تو اسے شگون نیک سمجھتے تھے اور سانح کہتے تھے - اور اگر وہ بائیں طرف سے داہنی طرف راستہ کاٹ گیا تو شگون بد جانتے تھے - اور بارح کہتے تھے یہ لوگ نیک و بد جنات مین بھی عقیدہ رکھتے تھے - اونکی مختلف شکلیں اور صورتیں قائم کر رکھی تھین اور اون کے مختلف نام رکھ لیے تھے - اونکے نزدیک بعض جنات بصف جسم انسان کے ایسا اور بصف جسم روحانی رکھتے تھے یہ لوگ علاوہ جنات کے اور وجود ون مین اور دیگر اقسام کی روحون مین بھی اعتقاد رکھتے تھے - جو انسان کی نظر سے غائب رہتی ہین لیکن آئندہ کی خبرون کو آوار بلند ظاہر کر دیتے تھے اور خود ہمیشہ پوشیدہ رہتے تھے - وہ فرشتوں کو اور ارواحون کو بھی جو دکھائی نہین دیتی تھین مانتے تھے - اور مختلف شکلین اون کی طرف منسوب کرتے تھے - ملخص از خطبات احمدیہ لاہور ص ۱۵۸ ۱۹۰

عرب کے الہامی مذہب مذہب صابئی

عرب کے ظہور اسلام کے وقت چار الہامی مذہب بھی ایک حد و مقدار تک رائج تھے ان مین قدیم ترین مذہب صابئی تھا -

مذہب صابئی کو عرب مین قوم سامیہ نے رواج دیا تھا چونکہ ہمیشہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو قدیم مذہب کا پیرو سمجھتے تھے وہ حضرت شیث یا اخنوخ یعنی اوریس علیہ السلام کو اپنا نبی کہتے تھے - اور اپنے مذہب کو اونھین کی طرف منسوب کرتے تھے اونکے پاس ایک کتاب بھی تھی جسکو وہ صحیفہ شیث کہتے تھے - صابئیون کے ہان سات وقت کی نمازین تھین اور وہ اونکو اسیطرح ادا کرتے تھے جسطرح مسلمان اپنی نمازین ادا کرتے ہین - مُردے کے بھی نماز پڑھاتے تھے - اور وہ مسلمانون کی طرح کامل ایک مہینہ قمری کا روزہ بھی رکھتے تھے - لیکن بااین ہمہ جو برائیان اور خرابیاں آہستہ آہستہ اونکے مذہب مین پھیلی گئین

وہ یقین کہ وہ ستارون کی پرستش کرنے لگے حرّان کے معبد مین یہ لوگ بنیت حج جمع ہوتے تھے - اونھون نے سات ہیکلین یعنی معبد سبع سیارون کے نام پر بنائی تھین اور جس ستارے کا جو معبد تھا اوس مین اوس ستارے کی پرستش کرتے تھے - خانہ کعبہ کی بھی ٹری تعظیم کرتے تھے - اون کا سب سے بڑا تیوہار اوس روز ہوا کرتا تھا جبکہ آفتاب برج حمل مین جو موسم بہار کا اول برج ہے - داخل ہوتا تھا - اور چھوٹے چھوٹے تیوہار اوسوقت ہوتے تھے جب پانچ ستارے زحل مشتری مریخ زہرہ و عطارد بعض برجون مین یکے بعد دیگرے داخل ہوا کرتے تھے - اون کا اعتقاد تھا کہ ان ستارون کے سعد و نحس اثر انسان کی قسمتون پر اور دنیا کے تمام امور پر پڑتے ہین وہ یقین کرتے تھے کہ بارش یا مینہ کی کثرت انھین ستارون کی تاثیر منحصر ہے - یہ خیال اور اس قسم کے اور خیالات و عقائد صابیون کے سوا عرب کے اور لوگون مین بھی رائج ہو گئے تھے - ان لوگون مین اعتکاف کرنیکا بھی رواج تھا - غارون اور پہاڑون مین چند روز تک مراقبہ اور سکوت مین بسر کرتے تھے

مذہب ابراہیمی اسلام سے پہلے پانچ انبیا عرب مین مبعوث ہوچکے تھے - (۱) حضرت ہودؑ (۲) حضرت صالحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت اسمٰعیلؑ اور (۵) حضرت شعیبؑ علی نبینا و آلہ و علیہم السلام یہ سب انبیا علیہم السلام حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل پر احکام عشرہ نازل ہونے سے پیشتر گذرے ہین - اصل اصول ان جمیع انبیاؑ کی شریعت کا خدائے واحد کی عبادت تھی - اور دیگر احکام و مسائل جنکو انبیائے مذکورہ نے بتلائی تھی باستثنا ر احکام و مسائل حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ اہل عرب کو سب فراموش ہو گئے تھے - اور کوئی مقامی روایت ایسی موجود نہین ہے جو ہمکو اسوقت اس بات سے واقف کرے کہ وہ احکام کیا تھے اور کیسے تھے - ان قومون کی نسبت فاضل معاصر مولوی محمد سلیمان صاحب نے رحمۃ للعٰلمین مین نہایت مختصر لیکن خوب جامع طور پر یہ عبارت لکھدی ہے -

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگون نے اپنے آپ کو مذہب سے درست کرنیکے بجائے - مذہب کو اپنی وجہ سے خراب کردیا تھا - اگر موسیٰ عیسیٰ شعیب - اور صالح علیہم السلام پیغمبرون کو اون کے دیکھنے کا موقع ملتا تو وہ ہرگز نہ پہچان سکتے کہ یہ ہمارے ہی اصول پر چلنے والے لوگ ہین - رحمۃ للعلمین دیباچہ ص ۸

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے مذہب کے احکام و مسائل کی نسبت بھی اسیطرح کوئی ایسی سند کافی نہین ہے جس سے کہ ہم اونکو تفصیلوار بیان کرسکین - اور ایسے بہت کم مسائل ہین جنہون نے باستعانت روایت مذہبی اور روایت مقامی کے ایسا تاریخی رتبہ حاصل کیا ہو کہ ہم اوسکے حوالہ دینے کے لائق ہون - حضرت ابراہیم کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا سب سے پہلا کام بت پرستی کا ترک کرنا - اپنے باپ کے بتون کا توڑنا - اور خدائے برحق پر یقین کرکے صدق دل سے اوسکی پرستش کرنا تھا ختنہ کرنا اور ڈاڑھی کا رکھنا رسوم مذہبی ہین جنکے بیان کرنے کی چندان ضرورت نہین ہے کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسمین حضرت ابراہیمؑ نے مروّج اور معیّن کی تھین - خدائے تعالیٰ کے نام پر قربانی کرنا بھی حضرت ابراہیمؑ نے مقرر کیا تھا اور یہ رسم آجتک اونکی اولاد مین اور اونکی اولاد کے پیرون مین بجنسہ مروّج ہے -

خدا تعالیٰ کی عبادت کیواسطے خانہ کعبہ کی تعمیر کی نسبت عرب کی تمام مقامی روایتین اور تمام مورخ اس امر پر متفق ہین
کہ خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مل کر بنایا تھا سیسٹ پال St. PAUL حواری نے جو گلیشیا
والون کے نام خط لکھا ہے۔ ہماری رائے مین اوس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو جو بیت المقدس کا ہمسایہ ہے
حضرت ابراہیم ع اور حضرت اسمٰعیل ع نے بنایا تھا۔ خانہ کعبہ مین اوّل خدا کی عبادت اوسکے اندر باہر کیا کرتے تھے اور اوسکے
طواف کے وقت ساری جماعت پکار پکار کر خدا کا نام لیتی تھی اور بوسہ دیتی جاتی تھی۔ تمام آدمیون کا میدان عرفات
مین جمع ہونا جہان کہ حضرت ابراہیم کا حجر اسود ہے نہ حضرت یعقوب کا سنگ عبادت یعنی قربانگاہ اور نہ حضرت اسمٰعیل ع
کا معبد بلکہ محض ایک وسیع میدان ہے ان لوگون کا ایک ساتھ شامل ہو کر خدا کا نام لیکر پکارنا اور اپنے گناہون کی معافی
چاہنا خاص خدا کی عبادت ہے۔ جس کا نام مسلمانون[1] نے حج رکھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اسی طرح پر عبادت
خدا کے بانی ہوئے تھے پس کون شبہ کرسکتا ہے کہ حج اوس واجب الوجود ولا شریک لہ کی خاص الخاص عبادت نہیں ہے

افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ ملک عرب مین بت پرستی کا عام رواج ہو گیا تھا اور با اینہمہ ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے
اشخاص تھے جو ان مذاہب الہامی مین سے کسی نکسی مذہب الہامی کے متبع تھے۔ اور خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے
انھین لوگون مین سے متعدد لوگون نے مجدد مذہب ہونیکا دعوی کیا ہی اور اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونیکا محض مین عام حفظ
کیا ہے۔ اور لوگون کو بت پرستی چھوڑ دینے پر ترغیب دی ہے۔ وہ لوگ جنھون نے اپنی نسبت مجدد ہونے کی شہادت دی تھی
تھی اون کے نام یہ ہین۔ حنظلہ ابن صفوان۔ خالد ابن سنان۔ اسد ابوکرب۔ قیس ابن صیدہ وغیرہم اور بعضون نے
حضرت عبد المطلب کو بھی ایک مجدد مذہب قرار دیا ہے۔

لیکن یہ کیسا ہی حیرت انگیز امر کیون نہ معلوم ہو کہ اس شخص کی اولاد جس نے اپنے باپ کے بتون کو توڑا اور اون کی
پرستش سے مونہہ موڑا اور خدائے واحد کی پرستش کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ انی وجہت وجھی للذی فطر السموٰت
والارض حنیفًا وما انا من المشرکین رفتہ رفتہ بت پرستی کی حالت مین ڈوب جائے لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز
تو یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ اوسی کی اولاد مین ایک ایسا شخص پیدا ہوا۔ جس نے پھر اپنے بتون کو بلکہ تمام عرب کی بتون کو
غارت کر دیا۔ اور جس نے خدائے اعظم اور علام الغیوب کی عبادت کو۔ جو تمام چیزون کا مبدا اور مرجع ہے۔ رواج دیا۔ اور اعلیٰ
ترین درجہ پر پہونچا دیا اور جس نے جہالت اور کفر کی اوس گہری تاریکی کو جس مین اوسکے تمام ہموطن مبتلا تھے دین حق کے
پاک و شفاف نور سے منور کر دیا۔

---

[1] سید صاحب اکثر انگریزون کی غلط تقلید مین ایسی بے اصل باتون کو اتنے محکم ملا تامل نقل کر دیتے ہین مسلمانون نے حج کا نام نہین رکھا ہی بلکہ خدا نے
اسی نام سے اپنی عبادت کے اس طریقہ کو مخصوص و موسوم کیا ہی آیہ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔ سورہ توبہ۔ وللہ علی
الناس حج البیت (آل عمران) اسپر شاہد ہے المؤلف۔

مذہب یہود یہودی مذہب کو شام کے یہودیوں نے عرب مین پھیلایا تھا۔ جو عرب مین آکر آباد ہو گئے تھے۔ اصل یہ ہے کہ یہودی مذہب عرب مین اون یہودیون کے ساتھ آیا تھا۔ جو پانچویں صدی قبل مسیح مین بخت نصر کے ظلم و جور سے جو اونکے ملک و قوم کی تخریب کا باعث ہوا تھا۔ بھاگ گئے تھے۔ اور شمالی عرب مین بمقام خیبر آباد ہوئے تھے۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب اونکی ضعف کی حالت نے کسیقدر سکون و قرار پکڑا تو اونھون نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کیا اور قبیلہ کنانہ حارث ابن کعب۔ اور کندہ کے بعض لوگون کو اپنے مذہب مین ملالیا سنہ ۵۲۴ق مین یمن کے بادشاہ ذونواس حمیری نے مذہب یہود اختیار کیا۔ تب اوس نے اور لوگون کو بھی بالجبر اوسی مذہب مین داخل کر کے اوسکو بڑی ترقی دی۔ اوس زمانہ مین یہودیون کو عرب مین بڑا اقتدار حاصل تھا اور اکثر شہر اور قلعے اونکے قبضے مین تھے۔ لیکن باینہمہ وہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔ جہان وہ جاتے تھے اونکی جنگجو اور مفسدہ انگیز طبیعت اور اطوار ساتھ ساتھ جاتے تھے۔ اور اونکے زیر اثر ہو کر قومون مین اختلاف۔ فرقون مین تکرار اور ہمسایہ قبائل و عشائر مین فساد پیدا کرتے تھے۔ خونخواری کے ساتھ عرب مین سودخواری کے بہت بڑے حامی اور معاون بھی لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر شاہراہون اور عام گذرگاہون پر دلیرانہ حملہ کر کے ملک و قوم کو یہ لوٹ نہ سکتے تھے۔ تو گھر بیٹھکر سودخواری کے ذریعہ سے اونھون نے خاندان اور قبائل کے قبائل کو لوٹ کر خاک سیاہ کر ڈالا۔

عیسائیون کی دیکھا دیکھی انھون نے بھی حضرت عزیر کو ابن اللہ تسلیم کر لیا۔ صرف اسوجہ سے کہ اونھون نے تین سو برسون کے بعد توریت کو از بر لکھوا دیا تھا۔ دولتمندی کی کثرت سے سودخواری کی ایسی قمار بازی کی تعلیم و مشغلہ بھی انھین لوگون نے پھیلایا۔ فاقہ مست عرب کے قبائل کو روپیہ قرض دیکر اون سے مفت خدمت لینا اور ادائے رقم قرض تک اونکو ایک طرح کی غلامی کی حیثیت مین بسر کرنیکی قدیم جاہلیت کا رواج بھی انھین نے جاری کیا۔ بالآخر انکا وجود ملک و قوم کے لئے فائدہ اور رفاہ کی بجائے ہر قرینہ سے نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوا۔

مذہب عیسوی تحقیق سے یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ عرب مین عیسائیت نے ۳ صدی عیسوی مین دخل پایا تھا وجہ یہ ہوئی کہ کلیسائے مشرق کی خرابیون اور بدعتون کی وجہ سے مغربی فرمانروایان مسیحی نے ان کلیسا کے متبعین عیسائیون کو گمراہ سمجھکر اون ممالک سے نکالدیا تھا۔ اور وہ ترک وطن پر مجبور ہو کر عرب مین آکر بس گئے تھے۔ اس سے یہ صحیح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جو مصیبت اور مجبوری یہودیون کو شام سے عرب مین لائی۔ قریب قریب وہی بلا و آفت عیسائیون کو بھی عرب کی سرزمین پر کھینچ لائی۔ اور عرب کی سرزمین نے جہان خدا کا گھر تمام مخلوقات کا مامن قائم تھا۔ ان مصیبت زدون کو پناہ دی۔ عیسائی مصنفین نے بیان کیا ہے کہ مذہب عیسوی نے اہل عرب مین بہت ترقی حاصل کی۔ مگر ہم اس امر مین اون سے اتفاق نہین کرتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ باستثنائے صوبہ نجران کے جس کے اکثر باشندون نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ قبائل حمیر غسان۔ ربیعہ۔ تغلب طے اور حیرہ مین سے معدودے چند اشخاص نے انکی تقلید کی تھی۔ اور کوئی جماعت

کثیر - یا قوم کی قوم عیسوی مذہب میں نہیں آئی تھی - اسلئے کہ ارمنیقا اور اب متقصرہ کی دستاویز سے حضرت مریم کی تصویر خواہ صورت حضرت عیسیٰؑ کو گود مین لیے ہوئے خانہ کعبہ کے اندر دیوارون پر بنی ہوئی ہو یا اوسکے اندر رکھی گئی ہو سر ولیم میور - خود لکھکر اقرار کرتے ہین کہ نہایت قلیل تعداد مین مذہب عیسوی سرزمین عرب مین یہان وہان پایا جاتا ہے - علاقہ نجران مین بنو حارث - علاقہ یمامہ مین بنو حنیف - چند افراد قبائل طے پر عیسائیت محدود تھی -

عرب کے اکثر حصون پر شاہان روم و اصفہان کی صف آرائیون سے خاص طور پر متمتع ہو کر عرب کے دو ملکی خاندان ملک غسان اور حیرہ نے - خسرو اور قیصر کی متابعت کو قبا مین اسطرح تقسیم کر لیا تھا کہ سلاطین حیرہ ملوک فارس کے مطیع تھے - اور فرمانروایان غسان اقاصرہ روم کے ماتحت تھے - اکاسرۂ عجم اور اقاصرہ روم کی باہمی جنگ و جدال نے حقیقتاً تمام ملک و قوم کے خشمہ سے خون چوس لیا تھا - حالانکہ اسباب جنگ میں بمقابلہ عیسائیون کے ایرانیون کے مطالبات حق بجانب ثابت ہوتے ہین - انھین کے زیر اثر ہو کر عرب مین حیرہ اور غسان کی ماتحتی حکومتین بھی باہمی کشت و خون اور دائمی جنگ و جدال مین مصروف رہتی تھین -

اب دیکھنا یہ ہے کہ عیسائیت کس اصول کے ساتھ عرب مین مروج تھی - اسکی تحقیق جہان تک کی جاتی ہے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین عرب پر عیسائیت کے مختلف طریقے اپنی مختلف فیہ اقسام کی تعلیم و تبلیغ پھیلا رہے تھے - طرفہ تر تو یہ ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو دوسرون کو اپنے دینیات کی تعلیم دیتے تھے - اور دوسری طرف خود آپس مین لڑے مرتے تھے - فرقہ نسطوریہ اور فرقہ یعقوبی باہمدیگر معرکہ آرا تھے - بخلاف یہود کے یہ عیسائی فرقے اپنے غلط عقائد کی تائید مین انتہا درجہ کے ضدی اور ہٹ دھرم بنے ہوئے تھے - اور حضرت عیسیٰؑ کے وجود ذات کی نسبت ذات الٰہی کا خاص مماثل - یا کم سے کم اوس کا فرزند حقیقی یا اوس کا کلام خاص یقین کرتے تھے - آپ کی پیدایش کو وہ کنوار الیت سے مختص سمجھتے تھے - اور آپ کے ظہور ذات کو الوہیت کا مماثل یا پیکر انسانی مین الوہیت کا متبادل جسکی ترکیب خلقت خاصکر عالم نور سے ہوئی ہے - قرار دیتے تھے - اس عقائد کی بنا پر عیسیٰ کی ایسی منزہ اور مقدس ذات نہ فنا کی جا سکتی تھی اور نہ خود فنا ہوئی - وہ کلمات استغاثہ جنکو متعصبین عیسائیون نے خاص حضرت عیسیٰ کی زبانی ادا کئے جانیکی شہرت دے رکھی ہے - حقیقت مین وہ نہ اونکی زبان سے نکلے تھے - اور نہ کبھی نکل سکتے تھے - خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو مصلوب ہوا وہ غیر عیسیٰ شخص تھا - اور اصل عیسیٰ دشمنون کے ہاتھ سے سراپا محفوظ رہکر اوسی عالم نورانیت کی طرف واپس تشریف لیگئے جہان سے وہ نازل ہوئے تھے -

یہ دلیل اگرچہ کیسی ہی متوہمانہ سمجھی جاوے - لیکن ابنیت حضرت عیسیٰ کے متعلق بمقابلہ اور دلیلوں سے زیادہ چسپان معلوم ہوتی ہے اور بظاہر قریب الامکان خیال کی جاتی ہے - پالیٹ یا ونٹیوس[۱] (PILATE PONTIUS) کی حضرت

[۱] پائلیٹ یا پیلاطوس یہ شخص ۲۶ء مین یہود کا گورنر مقرر ہوا تھا اس شخص نے حضرت عیسیٰ کو پہلے تمام الزامات سے بے قصور تسلیم کر لیا تھا لیکن آخر مین

عیسیٰؑ کی جان بچانے کے لئے ازحد خواہش جسکو طرطولین[۵۱] ظاہراً تو یہودی لیکن باطناً عیسائی قرار دیتا ہے خاص ہیرودس
(HERODIUS)[۵۲] کا بھی قتل نبی کے الزام گوارا کرنے سے انکار۔ اون چند ساعات تک جن میں وہ قوم بنی انسان کا محسن اور
مُصلح۔ اون خوفناک [illegible] کے لئے کھینچ لایا گیا۔ عام تاریکی کا پھیل پھیل کر تمام رات تک اوسی طرح قائم رہنا
اور صلیب دیئے جانے کے وقت خاص کر ایک قدرتی ظلمت کا تمام روئے زمین پر محیط ہو جانا۔ یہ سب قرائن متحد و متفق ہو کر
اس امر کے قریب الامکان ہونے کا یقین دلاتے ہیں کہ مسیحؑ بےقصور بالکل محفوظ رہ گیا۔ اور ملزم و مجرم مصلوب کر دیا گیا

مندرجہ بالا عبارت میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ عرب میں عیسائیوں کے مختلف فرقے جو آکر آباد ہو گئے تھے وہ مذہب
میں اختلاف آرا کی بنا پر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ اسکی تفصیل کے لئے مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ عموماً تمام عیسائی تو
حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ابن اللہ تسلیم کرتے ہی تھے۔ لیکن عرب میں یعقوبی فرقہ کے عیسائی حضرت مریمؑ کو
(نعوذ باللہ) خدا کی بی بی اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اس بنا پر فرقہ نسطوریہ سے جو زیادہ تر عراق عرب میں
آباد تھے۔ اور یعقوبی فرقہ سے جو تمام سے اکثر حجاز و یمن میں آباد تھے۔ ہمیشہ بڑے بڑے مقابلے اور مقاتلے پیش آ رہے تھے۔

ظہور اسلام کے وقت۔ خاص عرب کے۔ دینی۔ اخلاقی۔ ملکی اور قومی خرابیوں اور بربادیوں کا یہ مرقع تھا جو ہم نے
نہایت وضاحت سے کھینچکر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ سرزمین عرب پر موقوف و محدود نہیں ہے۔ اس سے پہلے ہم تمام
اقطاع عالم کے دینی اور دنیوی حالات۔ جو آنحضرت صلعم کے بعثت کے وقت۔ ثابت ہوتے ہیں۔ پوری تفصیل سے
دکھلا چکے ہیں ہمارے مرقومہ بالا تفصیل حالات کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا اور یقین کر لے گا کہ عام گمراہی و ضلالت
اور سراپا تاریکی و ظلمت کے ایسے شدید و سخت زمانہ و وقت میں یہ پیدا کنندہ زمین و آسمان اور خدائے رحیم و رحمان

بقیہ صفحہ گذشتہ حلف دیئے جائیگا تو اُسے از حکم شاہی کا اعلان بھی اسکی زبان سے برآمد ہوا یہودیہ کا گورنر ہو کر اس نے قوم سامری کے
یہودیوں کے ساتھ بہت سخت ظلم کئے اس لئے شاہ طبرس نے اوسے یہودیہ واپس بلا لیا۔ اور اوسکو عہدۂ امارت سے معزول کر کے علاقہ گال
کیطرف خارج البلد کر دیا۔ جہاں اوسنے خودکشی کر لی اور اسطرح ۳۹ء میں مرگیا۔

۵۱ طرطولین کتب اربعہ اناجیل کا نہایت قدیم اور مشہور و معروف یونانی مترجم اور مفسر

۵۲ ہیرا ڈو اینٹیپاس یا ہیرودس شہر طبریہ (گلیلی) میں اپنے باپ کا قائم مقام ہوا۔ اس نے شاہ ارطاس سلطان عرب کی لڑکی کو جو
اوسکی بیوی تھی طلاق دیدی اور اپنے بھائی فلپ کی بیوی سے عقد کر لیا۔ ارطاس شاہ عرب نے اس باعث سے ہیرودس کے ساتھ جنگ کی۔ اس
بدبخت نے حضرت یحییٰؑ کو بھی دوسری شادی کے ناجائز بتلانے کے جرم میں قتل کروا دیا۔ اس بنا پر یہودیوں نے اوسکے خلاف میں بغاوت کر دی۔ وہ بھاگ کر
روم الکبریٰ میں چلا گیا اس امید پر کہ شاہ روم اوسکو یہودیوں کی بادشاہی کا منصب عطا کر دیگا۔ لیکن وہ وہاں بھی وہ حصول مدعا میں
ناکامیاب رہا اور وہ آخر جلا وطنی کی حالت میں مرگیا یہ ہیرودس وہی تھا جسکے پاس حضرت مسیحؑ کو پیلیٹ یا پیلاطوس نے بھیجا تھا۔ بیٹن ہسٹری ص ۸۸۳
BEETONS HIST 883

کی رحمت کو اپنے بندوں کی نجات و مخلصی اور صلح و آشتی کی تعلیم و ہدایت۔ اور کفر و الحاد سے ترک تعلق کرنے اور اس ذات واحد کی پرستش و عبادت بجالانے کی خاص غرض و غایت سے ایک ایسے رہبر کامل کو نازل فرمانے کی ضرورت ہوئی جو اپنے انوار تعلیم و ارشاد سے کفر پرستی کی تاریکیوں کو دور کرکے معمورہ عالم کو پرنور کردیتا۔ جن لوگوں نے امم سابقہ کے ازمنہ خاصہ میں بالاستیعاب حالات وواقعات پڑھے ہیں اور انبیاے سابقین کے اسباب رسالت اور امم ماضین کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کو کامل طور سے سمجھ لیا ہے وہ موجودہ عالمگیر جہالت۔ ضلالت میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت رسالت کو پورے طور سے سمجھتے ہیں۔ ان کو یقینی طور پر علم ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کو دنیا سے اٹھے ہوئے دو ہزار سال اور حضرت سلیمان ؑ کو ڈیڑھ ہزار سال اور جناب عیسیٰ بن مریم کو آسمان پر صعود فرمائے ہوئے چھ سو برس ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ان حضرات کی تعلیم و تبلیغ نے جسقدر دنیا کو اور اہل دنیا کو برائی سے بچایا اور انکی بگڑی ہوئی حالتوں کو بنایا تھا اتنی مدت میں انہوں نے اپنی غفلت اور جہالت سے اسیقدر اپنی دینی اور دنیاوی حالتوں کو بگاڑ لیا۔ ان مقدس رہبران روحانی اور پیغمبران ربانی نے سب سے پہلے جس چیز کی تعلیم انھیں پہونچائی تھی۔ وہ معرفت اور وحدت الٰہی تھی اور اوسوقت سب سے پہلے جس چیز کو ان لوگوں نے بگاڑا تھا وہ بھی تعلیم تھی یا ورا سی وحدت الٰہی کی خراب و برباد حالت تھی جو ہر فرقے۔ ہر قوم۔ ہر ملک کے مندرجہ بالا حالات وواقعات سے پورے طور پر معلوم ہو چکی ہے حقیقت یہ ہے کہ اون کے عقائد میں وجود الٰہی ہی قائم نہیں رہا تھا۔ توحید کا کیا ذکر۔ نام کو تو یہ سب لوگ اپنے آپ کو مذہب العام کا متبع بتلاتے تھے۔ مگر حقیقتاً اون میں مذہب الہامی کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ اور نہ اسرار دینیات کی خرابی کی وجہ سے اون کے اخلاق۔ تمدن۔ معاشرت اور آداب ایسے خراب و خستہ ہو رہے تھے کہ حیوانیت اور انسانیت میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا۔ جن اصول عقائد کو وہ اپنے خیال میں حق پرستی سمجھتے تھے وہ حقیقت میں بت پرستی سے بھی بدتر تھی۔ جن تہذیب۔ اخلاق اور آداب کو وہ اپنے زعم میں معیار انسانیت خیال کرتے تھے وہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے معیار حیوانیت تھے اور اظہار نفسانیت۔

دنیا کے محققین جانتے ہیں کہ شیرازہ عالم کی ایسی ہی شکستگی اور ابتری کے خاص عالم میں۔ اور زمانہ کی ایسی ہی عالمگیر تاریکی اور سیاہی کے خاص وقتوں میں اور بندگان الٰہی کی ایسی ہی سیاہ کاریوں اور کافر کرداریوں کے موقع پر ارحم الراحمین اور ناظم مطلق کو اپنی رحمت کی فیض رسانیوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مدبر قدرت نے اصلاح عالم کے لئے اسوقت بھی وہی انتظام جاری فرمائے جو ہمیشہ سے عادت الٰہی قرار پا چکے تھے لیکن اپنے اس نظم میں اتنی بار یہ خصوصیت اللہ قائم کردی کہ اس دفعہ رہنمائی عالم کے اس انتظام کو ایسا مفصل اور مکمل بنایا اور اس نظم کے ناظم اور مجدد کو سلسلۂ ہدایت و رہبری کا ایسا خاتم اور متمم قرار دیا کہ آئندہ پھر زمانے کو پیغمبر کی ضرورت نہ رہی۔

وہ خاتم سلسلۂ رہبری متمم جریدۂ پیغمبری۔ خاتم النبیین۔ سید المرسلین حضرت محمد ؐ ابن عبداللہ ارحنا فداہ تھے

جو چالیس برس کے سن میں خاص معبد ابراہیمی اور موطن اسمٰعیل کے شہر مکہ معظمہ میں بقول عموم اٹھارویں رمضان یوم دو شنبہ سنہ ۴۱ عام الفیل مطابق ۱۲ فروری سنہ ۶۱۰ء اور بقول مشہور و جمہور ستائیسویں رجب کو مبعوث برسالت ہوئے۔

خاص عرب میں مبعوث برسالت ہونیکی مخصوص ضرورت

خاصکر جزیرہ نمائے عرب میں حضرت خاتم النبیین حبیب خدا محمد مصطفٰے علیہ وآلہ التحیۃ والثناء کے مبعوث برسالت فرمائے جانے کی وجہ خاص نہایت کھلی اور صاف ہے۔ ذیل کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

اگر ہم ملک عرب کو کرہ ارض پر دیکھیں تو اسکے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے جزیرہ نمائے عرب کو ایشیا۔ یورپ اور افریقہ کے براعظموں کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری (دونوں راستوں سے) دنیا کو اپنے داہنے اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لئے ایسے ملک میں دنیا کے جملہ اہل مذاہب کا پہونچ جانا اور جہالت کی حکومت علی کے زیر اثر ہو کر سب ہی کا بگڑ جانا بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر تمام دنیا کے ہدایت کے لئے ایک مرکز واحد قائم کرنے کے لئے ہم جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں۔ تو عرب ہی اسکے لئے موزوں ہے خصوصاً اوس زمانہ پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ۔ یورپ اور ایشیا کی تین بڑی قطعات ارض (سلطنتوں) کا عرب سے تعلق تھا تو عرب کے اون ۳ براعظموں میں بہت جلد پہونچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ رب العلمین نے اسی لئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرب میں پیدا کیا اور اونکو بتدریج پہلے اپنی قوم۔ اپنے ملک۔ پھر تمام عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا
رحمۃ للعلمین ص ۹

کرہ ارض پر آباد دنیا کو دیکھو کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ ۴۰ درجہ عرض البلد اور شمال میں زیادہ سے زیادہ ۸۰ درجہ تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہوا۔ جب ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال سے تفریق کریں تب ۲۰ درجہ رہجاتے ہیں اور جب ۶۰ سے ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تب بھی ۲۰ (درجہ شمالی) رہجاتے ہیں۔ اور مکہ ۲۱ درجہ پر آباد ہے۔ اسلئے مکہ کرہ ارض میں بھی وسط ہونیکا درجہ رکھتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مکہ کا نام لغات عرب کی کتابوں میں ناف زمین ہے۔ انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی۔ بلکہ قریباً وسط میں ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکہ بھی وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے۔ اور ان ہی خطوط کے اندر دنیا کی تمام نسلیں اسطرح مقیم ہیں کہ مشرق میں قوم آریا (ایرین) اور منگول (مغول) مغرب میں حبشی و ہامائٹ (حام) اور ریڈ انڈینز (امریکہ کے باشندے) پھر جب کل قوموں میں تبلیغ کا پہونچانا مدنظر ہو تو عرب ہی اس کام کا مرکز قرار دیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ۔ ہم نے تم کو درمیانی امت (درمیان عالم کی رہنے والی) بنایا اس لئے کہ تم تمام قوموں کے سامنے خدا کی شہادت ادا کرو۔ حاشیہ رحمۃ للعلمین ص ۹۔

تبلیغ دینیات کے علاوہ اگر سیاسی ضروریات کی نظر سے بھی دیکھا جاوے تو ایسے رہبر آخر الزمان و پیغمبر کامل کی تبلیغ

دینی اور تعلیم واجرائے احکام سیاسی کی ضرورت ہے۔ جو جزیرہ عالم میں بندگان الٰہی کی دینی و دنیاوی امور کی شیرازہ بندی کے لئے خاصکر مبعوث فرمایا گیا ہے بمعمورہ عالم کے وسط مقام کو اپنی تعلیم و تبلیغ کا مرکز بنانا کسقدر ضروری اور لازمی تھا اور اسی سے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم المرسلین والنبیین ہونے کے خاص ثبوت ملتے ہیں۔ کیونکہ آن سے پہلے جتنی رسالتیں گذر چکی ہیں وہ سب ایک ہی کام اور ایک ہی مقام کے لئے معین ہوئی تھیں۔ حضرت موسیٰ قوم بنی اسرائیل کو مصر سے مخلصی دلوا کر اپنے وطن اصلی کی طرف واپس لانیکے لئے مامور فرمائے گئے تھے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان ع بنی اسرائیل کی قوم و ملک میں احیائے شریعت و دینیات اور اجرائے نظام حکومت و سیاسات کی غرض سے مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جناب عیسیٰ ابن مریم ع باقیماندہ احکام عشرہ توراۃ کی تعمیل و تکمیل کے لئے نازل فرمائے گئے تھے ان تمام رہبران مقدسین کے ذمہ ایک ایک خاص مقام اور ایک ایک خاص کام کی درستی۔ اصلاح اور ترمیم متعلق کیگئی تھی لیکن بخلاف ان حضرات کے ہمارے سرور کائنات۔ مفخر موجودات محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمام معمورہ عالم کی ہدایت تھی اور رہنمائی۔ وہ تبلیغ دینیات کے بھی ذمہ دار تھے اور تعلیم سیاسات کے بھی تحسین و درستی اخلاق۔ تمدن او معاشرت غرض تمام انسانی ضرورتیں۔ جو ہر قوم و ملک کو ابتدائے عمر سے لے کر انتہا تک لاحق ہوتی ہیں شامل ہیں۔

تاریخیں شاہد ہیں اور دنیا کے کارنامے ایک سے لیکر ہزار تک گواہ ہیں کہ اس نبی اُمّی خطاب نے علوم دینیات و سیاسات کی اس خوبی اور خوش سلیقگی سے ایسی کامل تعلیم دی کہ پھر اسوقت سے لیکر ابدالاباد تک کسی رہنمائے عالم کو ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لانے اور تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔

ان ضروریات اور انکی تکمیل کے ذرایع و وسائل پر خیال کر کے ہر سطحی الذہن اور عامی العقل شخص بھی فوراً سمجھ جائے گا کہ ایسی کامل رسالت کی انجام دہی اور نیز دین و دنیا دونوں طریقوں میں بندگان الٰہی کی رہبری کے لیے مقام وسطی تبلیغ و تعلیم کا مرکز اگر کسی زاویہ یا گوشہ ملک میں قرار دیا جاتا تو ممکن نہیں تھا کہ دین الٰہی کی تعلیم اور دستور و آئین ملکی و قومی کی ترمیم اس وسعت اور استقرار و استقامت کے ساتھ کامل ہو جاتی۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شبلی صاحب واقعات تاریخ و سیر کو پہیلیوں کی طرح انگلیوں پر سمجھانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ خاتم رسالت اور متمم نبوت کی سیرت نگاری کے لئے خاصکر ان امور کو لکھکر ثابت کر دینا اور بتلا دینا۔ جن سے آپ کے خاتم النبیین اور سید المرسلین ہونے کے شہود و ثبوت قائم ہوتے ہیں۔ کسقدر ضروری تھا۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنے انداز تالیف میں عجلت رفتی کے ساتھ کوتہ قلمی بھی اختیار فرمائی ہے جس سے مقصود تالیف مفقود ہو جاتا ہے اور اصل مدعا معما بنکر رہجاتا ہے۔ بالآخر ہمکو مجبور ہو کر اتنے اوراق میں آپ کی کمی کو پورا کرنا ہوا جو ناظرین کتاب کے پیش نظر ہے۔

شبلی صاحب کا خاندان

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک چالیس برس کا ہو چکا تھا

رسولؐ پر غلط الزام فطرت صالحہ کے اثر سے قلب مبارک کا رجحان اور طبع مقدس کا میلان جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آغاز عمر سے اسوقت تک ہمیشہ امور خیر کیطرف متوجہ اور منعطف تھا۔ اگرچہ تمام ملک و قوم میں گمراہی کی شعار جہالت و ضلالت کے اطوار جاری تھے۔ چاروں طرف انواع اقسام کی بدکاریاں اور کفر کرداریاں قائم تھیں لیکن آپ ایک ذرہ بھر بھی کبھی ان سے اثر پذیر ہونا تو در کنار کبھی انکی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے اور جب کبھی ایسا موقع آپڑا تو آپؐ ان تمام افعال ذمیمہ سے قوم و ملک کے لوگوں کو تنبیہ فرمایا۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا طغرائے شرافت اسیقدر تھا کہ اس صنم کدے کے متولی تھے اور کلید بردار۔ با ایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ قریش نے اس بنا پر کہ ہر بات ممتاز رہنا چاہیئے یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لئے عرفات میں جانا ضرور نہیں۔ اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں۔ ورنہ انکو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر طواف عریان کا رواج عام ہو گیا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ان باتوں میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ سیرۃ النبی جلد اول بالکل صحیح ہے۔ جناب رسول خدا صلعم نے کبھی جہالت و ضلالت کے اعمال ذمیمہ اور مراسم قبیحہ میں کبھی اپنی قوم اور اپنے اہل وطن کا ساتھ نہ دیا۔ اور نہ ان میں شرکت فرمائی۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ شبلی صاحب کی نظر توجہ ہمیشہ خاندان رسولؐ پر مبذول رہتی ہے اور شروع سے لیکر کفار قریش اور مشرکین کعبہ کے اعمال ذمیمہ کی تصدیق و شہادت میں خاندان رسولؐ ہی کے رویہ اور اطوار کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ شبلی صاحب اپنے اس انداز بیان میں سخت عالمفریبی سے کام لے رہے ہیں اور سخت نفرت انگیز اور مغویانہ طریقہ سے قوم اور خاندان کو ایک ہی معنی میں مبتلا رہے ہیں حالانکہ معمولی علم و اطلاع والا شخص بھی دونوں لفظوں کے فرق بالمعنی کو پورے طور سے جانتا ہے۔ قومیت ایک علیحدہ شے ہے اور خاندان ایک جداگانہ شے ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ قوم کے تمام لوگ اوسکے خاندان میں داخل شمار کئے جائیں۔ لیکن شبلی صاحب کو تو اس عام فریبانہ اور مغویانہ ترکیب سے تعمیم اور مساوات فی المدارج کے غلط اصول قائم کرنے کی ضرورت خاص لاحق ہے۔ جس اوکے عقائد کے اعتبار سے اونکے تمام موضوع تالیف کی ترکیب و ترتیب کا انحصار ہے۔ اسلیئے اگر وہ ابتدا ہی سے قوم کو خاندان اور خاندان کو قوم نہ بتلائیں تو تعمیم و مساوات کی ترکیب قدیم کیسے ثابت ہو۔ یہ ضرورت تھی جس نے شبلی صاحب کے قلم سے خاندان رسولؐ کے اکابر افراد کو صنمکدہ کا متولی لکھکر بتلائے جاتے پر جرأت دلائی۔ اور پھر کفار مکہ اور مشرکین کے اون جاہلانہ مراسم حج بجا لاتے وقت ننگے ہو کر طواف کرنے میں بھی اونکا شامل ہونا شہادت کے طور پر پیش کیا۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ کفار قریش میں یہ جاہلانہ رسم ضرور جاری تھی۔ جہال عرب برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے آپ کے حوالے کے مطابق ابن ہشام نے اونکے اس وحشیانہ کردار کو پوری تفصیل سے جلد اول صفحہ ۱۰ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے

اور ہم نے اونکی تمام عبارت کو غور سے پڑھا ہے۔ لیکن اونکی عبارت میں آپ کی طرح خاص خاندان رسول ص کی تو کوئی تصریح نہین کی ہے۔ بلکہ عام لفظ قریش سے واقعہ کی تفصیل آغاز کی ہے۔ اون کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔ قال ابن اسحٰق وقد کانت قریش لا ادری قبل الفیل او بعدہ ابتدعت رای الحمس الخ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ قریش نے قبل واقعہ فیل یا بعد اوس کے قاعدہ حمس کی بدعت کو آغاز کیا۔ قریش مین خاندان رسول بھی اوسی طرح شامل ہے جس طرح خاندان ابوجہل اور خاندان ابوسفیان پھر اسمین خاندان رسول ص کو اس خصوصیت سے لکھنے کا آپ کو کون سا حق حاصل تھا۔ اور ابن ہشام کی مرقومہ بالا عبارت مین آپنے کس لفظ سے اس تخصیص و خصوصیت کے معنے پیدا کئے اور یہ مطلب نکال لئے۔ ہان۔ اگر اوس عبارت مین بنو ہاشم یا بنو عبد المطلب من قریش کے الفاظ تصریح و تخصیص ابن ہشام نے لکھے ہوتے تو آپ خاندان رسول کی تصریح و تخصیص فرمانے کے ضرور مستحق تھے۔ جب صورت حال ایسی نہین ہے تو آپ نے صریح فریب ہی کی نیت خاص سے خاندان رسول کی تخصیص فرمائی ہے۔

شبلی صاحب ہر واقعہ کو دیکھکر لکھیئے۔ دیکھئے قوم قریش مین سے بھی جس قبیلہ اور عشیرہ نے اس رسم جاہلیت پر اظہار افتخار کیا ہے۔ اور دوسرے قبیلون والون سے امتناع و انکار کے موقع پر تکرار کی ہے۔ اونکی تفصیل اشعار عرب کی شہادتون سے ابن ہشام نے پوری تصریح کے ساتھ جلد اول ص ۶۸ مین قلمبند کر دی ہے۔ لیکن آپ نے نہ اوسکو پڑھا اور نہ اون پر غور کیا۔ اسی لئے اپنی کتاب مین صفحہ ۶۸ کا حوالہ نہین دیا۔ یہ آپ کا خاص مولفانہ طریقہ استخفاف و اسقاط حالات ہے۔ ہم اوسکی تفصیل اوسی صفحہ ۶۰ سے ذیل مین درج کرتے ہین۔

(۱) کفار قریش کے اس معاہدے مین سب سے پہلے بنی عامر جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا داخل ہوا اور اونہون نے عمر بن معدے کرب کو اسکے متعلق فخریہ اشعار لکھکر بھیجے۔

(۲) بنی عامر کے ایک قائم مقام عباس بن مرداس السلمی نے جنگ جبلہ کے موقع پر اس رسم جاہلانہ کو اپنی مفاخرت کے اشعار مین منظوم کیا۔ اس لڑائی مین بنی عامر اپنے مخالف قبیلہ بنی حنظلہ پر غالب آئے۔ اسی معرکہ مین لقیط بن زرارہ بن عدس قتل ہوا۔ اور عمر بن عمر بن عدس بن زید بن عبد اللہ بن دارم بن مالک بن حنظلہ بھاگ گیا۔ پھر اسی جنگ قبائل کے اخیر سلسلہ مین بنی حنظلہ نے اپنے حریف کو شکست دی۔ یہ جنگ نجب کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس مین حسان بن معویہ الکندی جسکی کنیت ابو کبشہ تھی۔ بنی عامر کیطرف سے قتل ہوا۔ یزید ابن الصیق الکلابی اسیر ہوا اور طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب ابو عامر بن الطفیل بھاگ گیا۔

اب شبلی صاحب فرمائین کہ ان دعویداران اور مددگاران رسم حمس مین رسول صلعم کے خاندان کے کسی ایک فرد واحد کا بھی نام پایا جاتا ہے۔ یا کسی نوع و طریقہ سے ان معرکون اور اونکے اسباب مین ان حضرات کی سازش و شرکت کا کہین برائے نام بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پھر شبلی صاحب نے کس رعایت نسبت اور خصوصیت کے اعتبار پر خاندان رسول

کو اس جاہلانہ اور وحشیانہ مراسم کے ساتھ خاص طور پر منسوب کیا اور یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مراسم جاہلانہ میں اپنے خاندان کے شریک نہ ہوئے۔ کیا ابن ہشام کی کسی عبارت سے شبلی صاحب نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے خاندان والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب بھی کفار قریش کی طرح ننگے ہو کر طواف کرتے تھے؟ یا ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ طبری وغیرہم کسی عربی مورخ کی سند سے یہ واقعہ تحریر فرمایا ہو تا کہ عبدالمطلب یا اون کے کسی صاحبزادے کو کسی شخص نے ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر کوئی ایسا واقعہ ابن ہشام وغیرہ سے نقل کیا جاتا تو ہم آپ کے اس دعوے کی صحت اور اس بیان کی اصلیت پر اعتبار کرتے۔ افسوس ہے۔ آپ کی اس خود غرضی پر اور ایسی مغویانہ دلیری پر آپ اپنے قلم سے بلا تامل آگے پیچھے وہ باتیں لکھدیتے ہیں جنکا نشان آپ کے اصلی ماخذوں میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اور اسپر یہ سخت دلیری کہ ماخذ کا حوالہ بھی دیدیتے ہیں۔ صرف یہ سمجھکر کہ مصر کی چھپی ہوئی ابن ہشام ہندوستان میں کہاں ملتی ہے اور کون دیکھتا ہے۔ استغفر اللہ ربی۔

اب دیکھئے۔ اوسی ابن ہشام سے خاندان رسول صلعم کے اس شمول کی حقیقت کہاں تک صحیح معلوم ہوتی ہے۔

قال ابن اسحٰق حدثنی عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم عن عمہ نافع بن جبیر عن ابیہ جبیر بن مطعم قال رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل ان ینزل علیہ الوحی وانہ لواقف علی بعیر لہ بعرفات مع الناس من بین قومہ حتی یدفع معھم منھا توفیقا من اللہ ورسولہ صلعم ص ۷۹۔

ابن اسحاق عبداللہ بن ابی بکر سے بن محمد بن عمرو بن حزم سے وہ عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم سے وہ اپنے چچا نافع ابن جبیر سے وہ اپنے باپ جبیر بن مطعم سے ناقل ہیں جبیر کا بیان ہے کہ ہم نے قبل نزول وحی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام عرفات میں قوم کے لوگوں میں سے ایسے خاص اونٹ پر کھڑے ہوئے دیکھا پھر آپ میرے سامنے اونھیں لوگوں کے ساتھ بتوفیق الٰہی جو اوسوقت اُنکے شامل حال تھی تشریف لے گئے۔ ص ۷۹

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ مقام عرفات میں جانا اس رسم حمس کے رو سے بالکل ترک کر دیا گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے ساتھ قبل بعثت عرفات میں موجود تھے۔ اور راوی کے مطابق۔ وہاں توقف فرما کر۔ اوسکے سامنے ہی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تشریف لیگئے۔ اب فرمائیے۔ قوم کی قوم۔ خاندان کا خاندان تو آپ کے بیان کے مطابق تو اس رسم قبیحہ میں شریک و شامل تھا۔ تو پھر آپ کے ساتھ یہ کون حضرات تھے جنکو جبیر ابن مطعم نے دیکھا۔ شبلی صاحب کی دیانت و ذہانت جو کہے لیکن دنیا کی عدالت اور امانت تو یہی شہادت دیگی کہ وہ حضرات ممتازین بنی ہاشم تھے اور معززین بنو عبدالمطلب۔ توفیقات الٰہی اوسی وقت سے جنکے شامل حال تھی اور اوسی وقت سے وہ رسول اللہ صلعم کے اسوۂ حسنہ کی اقتدا کو اپنا تمغاے شرافت اور مدعائے قرابت سمجھے تھے

واقعات مناقص شان رسالت شبلی صاحب مرقومہ بالا عبارت میں جس رسول صلعم کے ایسے خصوصیات

آپکے فائز برسالت ہونے سے پہلے اِس اہتمام وشان سے دکھلا چکے ہیں اور آئیندہ عبارت میں اوسکے اطوار ورفتار کو محض عامیانہ طور پر معمولات کیے مقدار تک خود لکھکر بتلاتے ہیں۔ عبارت یہ ہے ۔

(۱) عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہوکر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جسکو اس فن میں کمال ہوتا تھا۔ داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا۔ لیکن راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے وہیں نیند آگئی۔ اوٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔

(۲) ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا۔ اوسدن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا۔ لیکن اندونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچالیا کہ تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے جلسوں میں جن پر لہو ولعب اور افعال واشغال عبث کی تعریف پوری مطابق ہوتی ہے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اتمیں شرکت فرمانے کی اکثر کوشش کرتے تھے لیکن توفیق الٰہی ہربار آپ کو اس کی شرکت سے بچالیتی تھی۔ اس بناپر ثابت ہوگیا کہ وہ عمل جسمیں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ حقیقتاً مذموم ومعیوب اور شان رسالت کے خلاف تھا۔ اور جو امتناع شرکت کی قدرت عملی ترکیب نکال لیتی تھی وہ مستحسن اور جائز تھی۔ مگر شبلی صاحب کے تحریر کردہ واقعات اسکے خلاف بتلاتے ہیں۔ جن مجمع میں آپ شریک ہونا چاہتے تھے۔ وہ عربوں کی داستان گوئی کی صحبت تھی جس میں وہ غالباً اپنے اسلاف قدیم کے معرکہ آرائیاں۔ نمود اریاں۔ شجاعت۔ دلیری۔ داد ودہش اور دیگر صفات وخصوصیات کے ذکر بیان کرتے ہونگے اور اسمیں بھی کلام نہیں کہ اوس میں مبالغہ آمیزیوں سے کام لیتے ہوں گے۔ لیکن باایں‌ہمہ ان میں بظاہر حرام غیر مشروع اور باعث معصیت ہونے کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تاوقتیکہ اُن صحبتوں کے بجنسہ وبلفظہ تقریر لکھکر اونکے حرام اور غیر مشروع ہونیکے ثبوت کامل نہ پہونچائے جاویں۔ اس بناپر اگر یہ مجمع ایسا ہی داستانیں اور واقعات سننے کے خاص موقعے اور مقامات تھے۔ تو پھر یہ مذموم کیونکر کیے جاوینگے۔ اور اتمیں کسی کی شرکت معیوب کیسے کہی جائیگی۔ اس سے زاید تو شبلی صاحب کی استحفاظ شرکت کی جو تدبیر لکھتے ہیں وہ مذموم اور مقبوح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ آپ خود لکھتے ہیں

لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا دیکھنے کیلئے کھڑے ہوگئے۔ نیند آگئی۔ اوٹھے تو صبح تھی۔

یعنی آپ کے توفیق الٰہی نے ایک مشغلہ سے بچانے کے لئے جس دوسرے مشغلہ کیطرف متوجہ کردیا وہ شادی کا جلسہ تھا اگرچہ اس جلسۂ شادی کے بابت کوئی تفصیلی حالات نہیں لکھے گئے لیکن اسمیں کوئی کلام نہیں کہ یہ جلسہ داستان گوئی کے مجمع سے زیادہ پر لطف اور دلچسپ ہوگا۔ تب تو شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ دیکھنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور نیند آگئی اوٹھے تو صبح تھی گویا رات بھر اوسی جلسہ میں کٹ گئی۔ مگر جب اس جلسۂ شادی کی کوئی تفصیلی حالت نہیں لکھی گئی تو شبلی صاحب

اپنے شادی کے جلسون ہی کی مثالون پر اندازہ کر کے خود تصفیہ فرمالین کہ آیا آپ کی عقیدت رسولؐ کی معرفت۔ ایسے جلسون مجمعون اور صحبتون مین۔ رسولؐ تو درکنار غلامان رسولؐ تک کی شرکت کو ایسی محویت و مصروفیت کے ساتھ کہ شام سے صبح کردی۔ ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کرے گی۔

شبلی صاحب اپنی جا و بیجا پر جوشیون مین جا و بیجا اور مناسب و غیر مناسب طریق و انداز بیان کا اپنی تحریر و بیان مین مطلق خیال نہین کرتے۔ آپ نے عیسائیون کے اس اعتراض کے جواب مین کہ آنحضرت صلعم خیالات و جذبات مین جو کچھ تغیر آیا ہے وہ ادعائے رسالت کے بعد۔ ورنہ آپ کے طرز و اطوار سب آپ کی قوم کے لوگون کی طرح تھے۔ آپ کسقدر چراغ پا ہوئے اور اپنی گذشتہ بحث بیان مین کتنی کد و کاوش اور سعی و کوشش سے اونکی تعریض کی تنقید فرمائی یہانتک کہ صحیح بخاری کی بھی تغلیط کی نوبت پہونچائی۔ اب اگر وہی عیسائی آپ ہی کی اس تحریر کردہ اطوار رسول کو اپنے دعوی اعتراض کا شاہد بنائین تو آپ کے پاس اونکا کیا جواب ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے جیسا کہ ہم اکثر مقامات پر دکھلاتے آئے ہین کہ آپ ایک مقام پر ایک واقعہ کا اقرار کرتے ہین اور دوسرے مقام پر اوسی سے انکار فرماتے ہین۔ اس تلون طبعی کا کیا علاج ہوسکتا ہے یہ دونون واقعات جو لکھے گئے ہین اونکے ماخذون کا بھی کوئی حوالہ نہین دیا گیا ہے کہ حقیقت حال کی کچھ اور تحقیق کی جاتی لیکن ہم کو اس بات کا خود یقین ہے کہ آپ نے انکو بے ماخذ کے نہین لکھا ہوگا۔ جو غالبًا اصحاب حدیث ہی ہون گے نہ ارباب تاریخ۔ سب سے زیادہ مضحکہ انگیز طریقہ تو آپ نے یہ اختیار فرمایا ہے کہ حاشیہ پر صفحہ مین انکے اسناد و حوالہ کی جگہ سر ولیم میور صاحب کی یہ عبارت ترجمہ نقل فرمادی ہے۔

سر ولیم میور صاحب لکھتے ہین کہ ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے مین اونکے چال چلن کی عصمت اور اونکے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ مین کمیاب تھی متفق ہین،،

بچے تک جانتے ہین کہ یہ شہادت کیسی ہے۔ اس شہادت کے اندراج سے تو خود شبلی صاحب پر یہ اعتراض قایم ہوجاتا ہے کہ سر ولیم میور اور تمام عیسائی مصنفین تک آپ کے اطوار کی پاکیزگی کو اتنے اعلیٰ درجہ تک بتلاتے ہین۔ بخلاف اونکے آپ مسلمان ہوکر اونکو ایسے عامیانہ معمولانہ اور بازارانہ گپ اور لہو و لعب کے جلسون اور صحبتون مین شام سے صبح تک محو و الودہ دکھاتے ہین فافہم فتدبر۔

ہم ایسے غلط فہم نہین کہ آپ کے اس مضمون کو بلا سند سمجھین ہمکو یقین ہے کہ آپ نے اسکو اپنے اسلاف کے کسی ماخذ اصلی سے نقل کیا ہوگا۔ لیکن نقل کرنے کے وقت آپ نے اسکے نتیجہ پر غور نہین کیا کہ ؎ این راہ کہ میروی بترکستان است

آپ جن حالات و واقعات سے ذات رسول کی عصمت اور پاکیزگی قبل از نبوت ثابت کرنا چاہتے ہین وہی واقعات معمولی اور عامیانہ جلسون اور مجمعون مین آپ کے رسولؐ کی شرکت اور مجالست ثابت کرتے ہین اور پھر اتنی محویت کے ساتھ کہ شام سے صبح ہوگئی۔ رہبر توفیق بھی استغفار رسولؐ کی نسبت ایک سوتی ہوئی تدبیر عمل مین لاتا ہے۔ اور ان مکروہ و نامشروع جلسون

کے مشاہدے سے باز رکھنے کے لئے صرف رسولؐ کو وہیں سلا دیتا ہے۔ اس سے اتنا نہیں بن پڑتا کہ رسولؐ کو گھر پہونچا دیتا کہ مشاہدۂ معصیت کے ساتھ شرکت لہو و لعب کے الزام سے بھی پورا استحفاظ ہو جاتا۔ نہ ایسے ایسے سراپا اغلاط واقعات اسلامی کتابوں میں مندرج کئے جاتے نہ اونکی بنا پر آج ان گمراہانہ اعتراضات کا مخالفین کو موقع ہاتھ آتا۔ یہ دلائل صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ واقعات و حالات ہی بالکل غلط ہیں۔ نہ انکی کوئی اصل ہے نہ حقیقت۔ طبقۂ اسلام میں مساوات امت اور سلسلۂ حضرت سید الانام میں تعمیم و طریقہ عام پیدا کرنے کی غرض سے پہلے خاندان رسولؐ اوسکے بعد شان رسول صلعم کی یہ نوبت پہونچائی گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ تو قبل بعثت کے حالات تھے۔ عین زمانۂ رسالت میں اور خاص صحن مسجد میں۔ جب رسول اللہ کی طرف (معاذ اللہ) حبشیوں کے ناچ دیکھنا اور دکھلانا منسوب و مشہور کیا جاتا ہے تو قبل بعثت ان لہو و لعب کے مشاغل کی کیا شکایت ہے وائے گر از پس امروز بود فردائے۔ افسوس تو یہ ہے کہ دوسروں کی پردہ پوشی کے لئے رسولؐ کی اتنی اور ایسی پردہ داری کی جاتی ہے۔ ہم بار بار لکھتے چلے آتے ہیں کہ شبلی صاحب اور اون کے اسلاف متقدمین نے حقیقتاً شان رسولؐ ہی کو نہ سمجھا ہے اور نہ اجتک سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ پہلے یہ حضرات شان رسول کی حقیقی معرفت کا سلیقہ پیدا کرلیں۔ ہم پھر سمجھائے دیتے ہیں کہ قبل و بعد رسالت کی شرط بیکار ہے۔ جب ہم نے ذات رسول صلعم کو از اولہ تا آخرہ فطرۃ صالحہ لدنیہ پر قایم و مترتب تسلیم کرلیا تو پھر عام اس سے کہ صحاح والے ایسے مناقض شان رسالت واقعات کے لکھنے والے ثابت ہوتے ہوں یا مسانید و سنن والے ہم اونکو پابند نہیں

نزول وحی اور حصول رسالت

شبلی صاحب نزول وحی اور حصول رسالت کی تفصیل کی ابتدا اس عبارت سے فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے۔ تجارت کا کاروبار تھا۔ متعدد اولادیں تھیں۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے۔ تاہم مطلوب حقیقی کا اتبک پتا نہ تھا۔

بالکل صحیح ہے۔ تفویض رسالت اور تعین نبوت کے وقت یہ تمام تعلقات معاشرت آپ کے گرد و پیش تھے جو خدا کی طرف سے اسوۂ حسنہ بنا کر دنیا اور اہل دنیا کی تربیت و ہدایت کی غرض سے دکھلائے جانے والے تھے۔ اور ان حصار تجرد اور رہبانیت کے ہزار سالہ طلسم ہمیشہ کے لئے توڑے جانے والے تھے۔ اور انکے خلاف اہل عالم کو یہ تعلیم دینی منظور الہی تھی کہ دنیا کے تمام جائز اور مستحسن تعلقات کے ساتھ رہکر بھی۔ الہیات و دینیات کا مبلغ اخلاقیات و سیاسات کا معلم معرفت الٰہی کی کافی تعلیم دے سکتا ہے۔ اور رہنمائی کونین کے تمام خدمات ادا کرسکتا ہے اوسکی تعلیم کامل نے تمام بنی انسان کے قلوب پر یہ زرین اصول کالحجر کر دیئے کہ دنیا اگر اصول دین اور حدود شریعت کے اندر ہے تو عین دین ہے۔

یہانتک تو شبلی صاحب کی عبارت شان رسالت اور اوصاف نبوت کے مطابق ہے لیکن آپ کا آخیر فقرہ کہ تاہم مطلوب حقیقی کا ابتک پتا نہ تھا قابل قبولیت نہیں اسلئے کہ آپ کے اوسی قدیم اصول تعمیم کیطرف راجع ہے اور پھر اس فقرہ پر بھی وہی عیسائیون کا گمراہانہ قیاس کہ جو کچھ آپ کی ذات مین تغیر آیا وہ وقت رسالت سے" صادق آجاتا ہے لاحول ولاقوۃ۔ حالانکہ یہ مطلقاً واسطہ ہے۔ رسول کی جیسی عصمت ذاتی قدیم سے ہے ویسی اوسکی معرفت الٰہی بھی قدیم ہے اسکی فطرت نبویہ ابتداہی سے علم لدنیہ کے فیوض و آثار پر فائز ہے۔ وہ ہدایت وارشاد کے لئے صرف ایک مدت خاص تک جسکی مناسبت اور مصلحت کا علم خاص ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہے وہ ماذون و مامور نہین کیا جاتا ورنہ اوسمین تمامی اوصاف و علامات نبوت۔ تفویض رسالت کے قبل سے پائے جاتے ہین۔ ہمارے رسول برحق کے متعلق کتابو مین کثیر التعداد واقعات ایسے موجود ہین جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اکابر و عمائد عرب نے قبل از نبوت آپ کو دیکھکر انھین محاسن اوصاف و مکارم اطوار کے اعتبار پر آپ کو نبی اللہ ہونیکی صحیح بشارت دیدی تھی چنانچہ طبقات ابن سعد مین ایسی خبر و واقعات کو ایک علحدہ باب مین جمع کر دیا ہے۔

اس بنا پر یہ لکھدینا کہ ہمارے رسول کو چالیس برس تک خدا کا پتا نہ لگا۔ اور چالیس برسوں کے بعد بعثت کے وقت سے وہ خدا کا شناسا ہوا۔ عقائد مسلمہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ نعوذ باللہ اگر بفرض محال ایسا ہی ہے تو پھر چالیس برس تک وہ کس وجود کا قائل اور کس مسلک کا سالک تھا؟ اور پھر اوسمین اور ورقہ بن نوفل اور عثمان بن حویرث وغیرہ کی ذات وصفات میں کیا فرق مابہ الامتیاز باقی رہا۔

پھر ہم وہی کہین گے کہ شبلی صاحب شان رسول کو سمجھے ہی نہین پہلے آپ سمجھ لیں کہ قبل البعثت انبیاء و مرسلین کے قلوب نورانی پر کون سے احوال مخصوصہ مستولی ہوتے ہین۔ وہ ابتداہی سے خدا کے وجود کو یکتا اور اوسکے ازلی اور ابدی ہونے کا یقین کامل رکھتے ہین اور اوسیطرح اونکو خدا کی تمام ذات وصفات کا علم راسخ اور یقین واثق ہوتا ہے۔ وہ رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے۔ عالم کائنات کے تمام اشیاء اور اون کے تمام افراد و اجزا سے اوس صانع برحق اور قادر مطلق کی قدرت کا مشاہدہ اور ثبوت قائم کیا کرتے ہین۔ اور حقیقتاً اس عالم اور اس زمانہ مین وہ اپنی واقفیت علم کو یقین اور پھر یقین کو سکینہ الٰہی کے انتہائی حدود تک پہونچاتے ہین اور یہین سے حدود انسانی کی انتہا اور حضائر ملکوتی کی ابتدا ہوتی ہے جسکا پہلا زینہ رسالت ہے۔ اونکے اس غور و تفحص اور فکر و تجسس کو ذات کو خاصکر تلاش وجود معبود سے تعبیر کرنا محض غلط فہمی ہے۔ اور یہی غلط فہمی شبلی صاحب کو بھی یہان لاحق ہوئی ہے حقیقت مین یہ مطلوب حقیقی کی تلاش نہین تھی۔ بلکہ اوس غیر مرئی وجود کا ثبوت اوسکے ظاہری مخلوقات و مصنوعات کے مشاہدات سے حاصل کرنیکا ریاض تھا۔ اور اس تلاش و جستجو سے معاذ اللہ کسی قلب کا وہم و گمان نہین کیا جاسکتا بلکہ تسلیۃ قلب کا یقین ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم نے خداوند عالم کے اس سوال (اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تم ایمان نہیں رکھتے) کے جواب

میں پورا ارشاد فرمایا کہ بلیٰ وَلٰکِن لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِی - ہاں میں تسلیم ایمان رکھتا ہوں لیکن یہ استفسار صرف اطمینان قلب کی غرض خاص سے ہے
اس واقعہ اور اسی کے ایسے خاص حضرت ابراہیم اور مشاہدہ اجرام فلکی حضرت خضر و موسیٰ اور حضرت داؤد و سلیمان
علی نبینا و آلہ وعلیہم السلام کے حالات و استفسارات مندرجہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ان حضرات مقدسین کو قبل و بعد
رسالت ان استفسارات سے وجود الٰہی کی خاص تلاش منظور نہیں تھی بلکہ اوسکے ثبوت قدرت کی - جو عین ثبوت وجود تھے
کیونکہ ذات الٰہی عین صفات ہے اور صفات عین ذات - اس غور و تفحص اور تلاش و تجسس میں وجود قدرت کی جلوہ آرائی
مطلوب تھی اور اوسکے مشاہدے اور معائنے درکار تھے - جنکے ذریعہ سے اونکی معرفت اور تبلیغ رسالت کی ضروریات میں اور
استحکام و تقویت سے دلائل و براہین بیان کرنے اور دنیا کے آگے بدیہیات کی صورت میں مثال پیش کرنے میں آسانی
اور سہولیت حاصل ہو

اب شبلی صاحب سمجھ لیں - شان رسول یہ ہے اور اوسکی تلاش اور جستجو انھیں مشاہدات قدرت کی طرف تھی نہ اصلی
وجود قادر مطلق کی جانب اس بنا پر آپ کا آخر فقرہ آپ کی صریح غلط فہمی پر مبنی تھا جسکی الحمد للہ کامل اور کافی اصلاح
کر دی گئی -

شبلی صاحب کسی مضمون کو سلسلہ سے کبھی نہیں لکھتے - نزول وحی کی ابتدا آخر مراتب وحی سے کیگئی ہے اور
اس کا آغاز واقعہ حرا اور نزول اقرا سے کیا گیا ہے - اس سے دینیات کا مبتدی - اس بیان کو پڑھکر حقیقت وحی کو
یہیں تک محدود کر دیگا - اور سمجھ لیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بارگی یونہیں وحی آسمان سے اوتر پڑی شبلی
صاحب - آپ نے کتاب خاص و عام - سب کی واقفیت و اطلاع کے لئے لکھی ہے - ہر مضمون کی تفصیل کو خاص طبقات
کے علم و اطلاع پر منحصر کرکے قلم انداز کر دینا - عوام کو کیا فائدہ دلیسکتا ہے - اس بنا پر آپ کو نزول وحی کے مدارج و مراتب
سلسلہ وار (بالاختصار ہی سہی) لکھکر بتلا دینا نہایت ضروری تھا - کہ اُن کی سمجھ میں آجاتا کہ مدبرین قدرت نے اپنے رسول
کے ہیکل انسانی پر مدارج روحانی کے بار - بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل فرمائے ہیں کہ وہ پیکر مطہر اوسکے جلال قدرت کو اپنی امکانی
قوت کے مطابق سنبھال سکے - طرفہ تو یہ ہے کہ حواشی زیرین میں کہیں کہیں حسب العادت اُنکا اشارہ بھی کر دیا گیا ہے پھر
نہیں معلوم کس مصلحت سے وہ مضامین و عبارات داخل کتاب نہیں کیگئی

شبلی صاحب سے بات بات پر کون اولجھا کرے - ہم شبلی صاحب کی ان تمام فروگذاشتوں سے قطع نظر کرکے جنکو ہم اونکے
مقام پر تفصیل سے بیان کرینگے - جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغراق فی اللہ اور تجسس فی اثبات الوجود المعبود
کے عوالم و کوائف کو جنمیں مدارج وحی کی حقیقت بھی ضمناً داخل ہے - ذیل میں بیان کرتے ہیں - اور باتفاق جمہور
یہ ثابت ہے کہ معارف ربانی اور مکاشف روحانی کے یہ عوالم و آثار قبل البعثت آپ کے قلب نورانی پر مستولی رہا کرتے تھے
اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کے حسن معاشرت اور اوس کے جائز اور ضروری مشاغل میں آ چکا

انہماک دنیا کے لئے اُسوۂ حسنہ تھے لیکن جیسا کہ شبلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ "بااینہمہ دست قدرت کو جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا" اِس لئے اوس کام کے مقابلہ میں جو منجانب اللہ آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا تھا۔ آپ دوسرے کاموں کو ہیچ مقدار اور ہیچ و پوچ سمجھتے تھے۔ اور زیادہ تر اسی فرض مخصوص کیطرف متوجہ رہا کرتے تھے۔ وہ فرض مخصوص کیا تھا۔ پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ وہ ذات واجب الوجود کا ادراک اور عالم کائنات کے ہر ہر جزو سے اوسکے ظہور قدرت کا ثبوت۔ اور اشیائے مخلوق میں انوار خالق کے مشاہدۂ قدرت کا اشتیاق تہا۔ اگرچہ یہ عالم آپ کی فطرت صالحہ کے ساتھ مخلوق ہوا تھا لیکن خلقت انسانی کے اصول نُمو وارتقا کی مطابق۔ جیوں جیوں سن مبارک میں ترقی ہوتی گئی۔ ان جذبات روحانیت میں بھی افزایش ہوتی گئی۔ تا اینکہ وقت بعثت سن مبارک چالیس برس کا ہو گیا تھا اسی مقدار سے آپ کے اِن قلبی اور روحانی انوار معارف میں بھی کامل اضافہ پیدا ہو کر یہ کمال بھی تکمیل کے درجہ منتہی تک پہونچ گئے۔

انھیں جذبات روحانی کے اثر سے جیسا کہ تمام تاریخ و سیر کے اتفاق اور کتب تفسیر و حدیث کی تفصیل و بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ بسا اوقات گہر سے باہر میدانوں۔ بیابانوں اور کوہستانوں میں نکل جایا کرتے تھے ہفتوں اور مہینوں کی خوراک اور اوتنے دنوں کا پانی اپنے ہمراہ لے لیا کرتے تھے۔ اور مہینوں۔ بیابانوں اور کوہستانوں میں قدرت الٰہی کے عجائب و غرائب اور اوسکی صنعت لا متناہی کے مدارج و مناصب کا براۃ العین مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اِن مشاہدات سے اس قادر مطلق اور صانع برحق کے وجود کا ثبوت حاصل فرمایا کرتے تھے تا وقتیکہ ایک شے کی حقیقت کامل طور سے نہ معلوم ہو لیتی تھی۔ دوسری شے کی ماہیت کی تلاش کا سلسلہ نہ اوٹھایا جاتا تھا۔ اگر اسئہ میان میں کھانے پینے کی چیزیں تمام ہو جاتی تھیں تو گھر واپس تشریف لا کر بقدر ضرورت پھر وہ چیزیں ہمراہ لے لی جاتی تھیں اور پھر اونھیں مقامات میں واپس آجاتے تھے۔

بسا اوقات ان تحقیقات کا مشاہدہ انوار الٰہیات کے ذریعہ سے عالم رویا میں ہو جایا کرتا تھا بعض اوقات الہام۔ القا۔ اور ندا کے طریقہ سے مسئلہ تحقیق طلب کا فیصلہ آخری آپ کو بتلا دیا جاتا تھا۔ ندا وغیرہ کی حالتوں میں آپ صرف کلمات ندا کو سن لیا کرتے تھے۔ اور ندا کنندہ کو باوجود تفحص و تلاش کے اپنے گرد و پیش کہیں بھی نہیں پاتے تھے درہائے جبل کے حلقوں میں کبھی اپنے وجود فانی سے اوسکے وجود باقی اور ازلی کے ثبوت فراہم کئے جاتے تھے۔ یہی آپکی ابتدائی عبادت تھی۔ جسکو علمائے تاریخ و حدیث نے تحنث کی خاص اصطلاح سے تمام کتابوں میں لکھا ہے اور حقیقت بھی یہی ہی اسوقت بھی تفکر اور تجسس فی اثبات الوجود۔ آپ کی عین عبادت تھی۔ جن لوگوں نے انبیائے سابقین کے حالات اور خصوصًا حضرت ابراہیم کی تحصیل معرفت کے واقعات کم سے کم اسوۃ الرسولؐ جلد اول میں پڑھے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِن مجاہدانہ تجسس ذات کو حضرت ابراہیمؑ کی تلاش وجود سے بالکل مطابق پائیں گے۔

ہم اپنے موجودہ سلسلۂ بیان میں آپ کی اس عبادت کے حالات لکھتے ہیں۔ مکہ کے کوہستانی مقامات میں

آپ نے جس مقام کو اپنی عبادت کے لئے تجویز فرمایا تھا وہ غار حرا تھا۔ یہ غار مکہ معظمہ سے تین میل کے فاصلہ پر اس کوہستانی سلسلہ میں واقع تھا جسکو جبل فاران کہتے تھے۔ یہ غار طول میں چار گز اور عرض میں پونے دو گز ہے۔ بعثت سے سات برس پہلے انوار الٰہی کی تجلیات اسی غار میں آپ پر ظاہر ہونے لگی تھیں۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان انوار الٰہی کی ضو فشانیوں کو دیکھکر سجدہ سرور ہوتے تھے۔ مگر ان تجلیات میں کوئی صورت یا اس سے کوئی آواز نہیں پیدا ہوتی تھی۔ رحمۃ العالمین ص ۲۹

بعثت کا زمانہ جتنا قریب ہوتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی طبع مبارک میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ ان ایام میں آپ اکثر پانی اور ستو لیکر شہر سے کئی کوس دور غار حرا میں جاکر بیٹھ رہا کرتے تھے۔ اور شبانہ روز عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس عبادت میں تحمید و تقدیس الٰہی کے علاوہ قدرت الٰہیہ پر تدبر و تفکر بھی داخل تھا اور یہی آپ کی قدیم عبادت تھی۔ جسکو تحنث سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غار حرا میں آپ تحنث یعنی عبادت کیا کرتے تھے عینی شرح بخاری میں ہے۔

قیل ما کان صفۃ تعبدہ اجیب بان ذٰلک بالتفکر والاعتبار	سوال کیا گیا ہے کہ اوس وقت آپ کی عبادت کیا تھی جواب کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت ہے جو آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا۔ تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی۔ وہوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہوگئے تو بیساختہ پکار اوٹھے لا احب الآفلین میں فانی چیزوں کو نہیں پسند کرتا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں اپنا منہ اسی کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔

ایک[1] مغربی مؤرخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے۔

سفر و حضر میں ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں ہزار سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتبار کروں؟ میں کیا کام کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانوں کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے بھی ان سوالوں کا جواب دیا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ گنبد گرداں۔ گردش لیل و نہار چمکتے ہوئے ستارے برستے ہوئے بادل ان سوالوں کے جواب نہ دے سکے۔ سیرۃ النبی ص ۱۷۴ بحوالہ کارلائیل ہیروز

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم خاص کو دیباچہ نبوت سمجھنا چاہیئے۔ اس عالم کی تکمیل کے بعد آپ کو رویائے صادقہ ہونے لگے۔ اور ان کے ذریعہ سے انکشاف حقائق ہونے لگے۔ اس عالم سے نبوت و رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدء بہ رسول اللہ صلعم من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم جس چیز سے پہلے آنحضرت صلعم پر وحی الٰہی نازل ہوئی وہ سچے خواب ہوتے تھے۔ اور خوابوں کے ذریعہ سے آپ

[1] اس عیسائی مادہ کی عبارت کو پیرایہ بیان تعلقات کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ان معاملات کو قد عرف نفسہ عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو

اسرار منکشف ہونے لگے۔ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہٖ وہی پیش آتا تھا۔ سیرۃ النبی (حاشیہ پر ہے)

اس سے ثابت ہوگیا کہ رویائے صادقہ بھی وحی الٰہی کا ایک شعبہ خاص ہے شاہد ہے اسکے ثبوت میں اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ ۔ حضرت ذبیح اسمٰعیلؑ کی پوری خبر حضرت ابراہیمؑ کو عالم خواب میں دکھلا دی گئی تھی۔ لیکن یہ بھی یقین کرلینا چاہیئے کہ یہ خواب انبیاء و مرسلین کے مقدس دائرے تک محدود تھے۔ ہمارے آپ کے خواب کو ان سے مناسبت نہیں۔[۵]

ابن سعد اسکے متعلق خود آنحضرت صلعم کے یہ اقوال نقل کرتے ہیں انا معشر الانبیآء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا ہم لوگوں (انبیاء علیہم السلام) کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ قلوب نہیں سوتے۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں تنام عینائی ولا ینام قلبی میری دونوں آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔ یہ حقیقت ہے انبیاء علیہم السلام کے خواب کی۔ خواب کی حالت خاص میں انبیا کے قلوب نورانی انکشاف حقیقت کے لئے بیدار اور کشادہ رہتے ہیں۔ اس بنا پر اکثر علمائے اسلام نے انبیا کے خواب کو بھی یقظان یعنی بیداری میں شامل کیا ہے قبل بعثت ایک مدت یہ زمانہ تک اسرار الٰہیات کے انکشافات رویائے صادقہ کے ذریعہ سے ہوتے رہے اسکے بعد ابتدا و الہام کے مدارج وحی آغاز ہوئے۔ طبری نے نہایت تفصیل سے اسکی کیفیت لکھی ہے۔ ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابی کثیر قال سئلت ابا سلمۃ ای القرآن انزل اول فقال یا ایھا المدثر فقلت یقولون اقرأ باسم ربک فقال ابا سلمۃ سئلت جابر بن عبد اللہ ای القرآن انزل اول فقال یا ایھا المدثر فقلت اقرأ باسم ربک الذی خلق فقال لا اخبرک الا ما حدثنا النبی صلعم قال جاورت فی حراء فلما قضیت جواری ھبطت فاستبطنت الوادی فنودیت فنظرت عن یمینی وعن شمالی وخلفی وقدامی فلم ار شیئا فنظرت فوق راسی فاذا ھو جالس علی عرش بین

ابن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ قرآن مجید میں کون سی آیت پہلے نازل ہوئی ہے ابوسلمہ نے کہا۔ یا ایھا المدثر۔ میں نے کہا لوگ تو کہتے ہیں اقرأ باسم ربک سب سے پہلے نازل ہوا۔ ابوسلمہ نے جواب دیا کہ میں نے یہی سوال جابر ابن عبد اللہ انصاری سے کیا تھا اور انہوں نے مجھے بتلایا تھا کہ قرآن میں سب سے پہلے یا ایھا المدثر نازل ہوا ہے میں نے بھی یہی ان سے کہا تھا۔ جابر بولے میں تمہیں وہی بتلاتا ہوں جو میں نے خود جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں حسب المعمول غار حرا میں عزلت گزین تھا کہ خدا کا فرشتہ مجھ پر نازل ہوا اور مجھے ندا کی میں نے دائیں۔ بائیں اور آگے پیچھے ہر چند اس ندا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا کے مطابق اور الانسان بصیرۃ علی نفسہ (انسان اپنی نفس کا خود بینا ہے) کے حکم کے موافق ایسے ہی سوالات وجدیات قلب مبارک میں پیدا ہو کر آپ کو خود باریتعالی کے کافی ثبوت پہونچاتے تھے[۵] علمائیوں نے اس شعبہ وحی یعنی رویۂ خواب کو بہت وسیع اور محض عام کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر شخص اس خواب (وژن) کی صلاحیت رکھتا ہے اس شعبہ وحی پر کیا موقوف ہے خصوصاً اکثر علمائے یورپ تو ہر شاعر کے کمال کو کمال نبوت سے مساوی اور مشتق بتلاتے ہیں نعوذ باللہ۔ المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

السماء والارض فجثثت منه فاتیت خدیجة فقلت دثرونی دثرونی وصبوا علی ماء قال فدثرونی وصبوا علی ماء فانزل اللہ عزوجل یا ایھا المدثر۔	ندا کرنے والے کی تلاش کی لیکن کسی کو بھی نہ دیکھا۔ پھر میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو اوس ناموس کو آسمان زمین کے درمیان دیکھا کیا دیکھا

مجھ پر جلال الٰہی کا رعب طاری ہو گیا۔ میں فوراً گھر لوٹ آیا اور خدیجہؓ سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو میری سر پر پانی چھڑک دو پس میں گرا اونھوں نے مجھ پر کپڑا ڈال دیا ٹھنڈا پانی میرے منھ پر ڈالا تو وہ کیفیت زائل ہو گئی اسکے بعد آیہ یا ایھا المدثر نازل ہوا طبری ص ۱۱۵۵ مطبوعہ جرمن

صاحب رحمۃ العالمین نے مشکوٰۃ باسناد صحیحین اور تاریخ طبری کے متعلقہ مرویات سے ماخوذ فرما کر اس واقعہ کو یوں لکھا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا تو ۹ ربیع الاول سنہ ۴۱ میلادی (مطابق ۱۲ فروری سنہ ۶۱۰ء) کو بروز دوشنبہ۔ روح الامین خدا کا حکم نبوت لیکر آنحضرت صلعم کے پاس آیا اسوقت آنحضرتؐ غار حرا میں تھے۔ روح نے کہا۔ اے محمدؐ بشارت قبول فرمائیے۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔ سعد السعادت محمد الدین فیروز آبادی اسکے بعد نبی صلعم فوراً گھر میں آئے اور لیٹ گئے۔ بی بی سے کہا کہ مجھ پر کپڑا ڈالدو (دثرونی) جب طبیعت میں ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے مشکوٰۃ ص ۵۱۴۔

نزول اقراء حسب المعمول ایک دن (باسناد طبری ۱۸ رمضان سنہ ۴۱ عام الفیل مطابق سنہ ۶۱۰ء) جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ غیب (روح الامین) نے آکر آپ کو ان الفاظ ربانیہ میں بشارت دی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ	پڑھ (دعوت دے) اوس خدا کے نام کو جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اوس خدا کے بزرگ نام کو یعنی اوس خدائے بزرگ کے نام پر تمام لوگوں

کو دعوت دے۔ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھلائیں کہ جنکو وہ نہیں جانتا تھا۔

شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ اس واقعہ کے بعد اوسیوقت گھر واپس تشریف لائے۔ تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت و انجیل کے ماہر تھے اونھوں نے آنحضرت صلعم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس اکبر ہے جو موسیٰ پر اوترا تھا۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ متردد نہ ہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا۔ پھر وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو اونھوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بلا شبہ

یہ الفاظ نکلے۔ "مجھکو ڈر ہے" لیکن یہ تردد نہ تھا ہیبت۔ یہ اضطراب جلال آلہی کا تاثر اور نبوت کے بار گران کی عظمت کا تحمل تھا آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے کہ چندروز تک وحی رک گئی۔ تو آنحضرت صلعم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے کہ اپنے آپ کو گرادیں۔ دفعتاً حضرت جبریل نظر آجاتے تھے اور کہتے تھے۔ اے محمدؐ۔ تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو اس سے آپ کو اسوقت تسکین ہو جاتی تھی۔ لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں تک رکجاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے۔ اور پھر حضرت جبرئیل نمایاں ہوکر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصۂ اول کی شرح میں معترضین کا اعتراض نقل کیا ہے کہ ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ اور ہو تو کسی عیسائی (ورقہ) کے کہہ دینے سے کیا تسکین ہو سکتی تھی۔ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ نبوت ایک امر عظیم ہے۔ اسکا تحمل دفعتاً نہیں ہو سکتا۔ پہلے آنحضرت صلعم کو خواب کے ذریعہ سے اس سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتاً فرشتہ نظر آیا تو آپ مقتضائے بشریت خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے آپ کی تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔ محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں فلما سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا اور آپنے اس کا اعتراف کر لیا۔ محدث مذکور اسکے بعد لکھتے ہیں کہ وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اسکی برداشت کرنیکے قابل ہو جائیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ ص ۳۱۰ مطبوعہ مصر

لیکن جبکہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبوت سے پہلے جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے۔ اسکی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں۔ جس سے راہب بحیرا نے آپ کے نبی ہونیکا یقین کر لیا جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اوس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھکو سلام کیا کرتا تھا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا۔ اور جسمانی آلائش نکال کر پھینکدی تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا کہ جس سے آپ اسقدر خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہو رہا تھا۔ اور اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور بار بار حضرت جبرئیل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا کسی اور پیغمبر کو بھی ابتدای وحی میں کبھی شک ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی کہ میں خدا ہوں تو کیا انکو کوئی شبہ پیدا ہوا تھا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنیکی ہمکو ضرورت نہیں۔ ہمکو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں۔ یہ روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک تمام ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے

سند مقطوع کافی نہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۰ تا ۱۵

الحمد للہ شبلی صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ بہت جلد اپنے اسلاف کی غلط فہمیوں کو سمجھ گئے اور اس بنا پر تقلید اسلاف کی کچھ حد بھی ہے۔ آخر کہاں تک؟ آپ کو بزرگان سلف پر طیش آ ہی گیا۔ اور پھر وہ طیش میں آپ نے بلا تامل اور بلا خیال پس وپیش کتب صحاح سے لیکر ابن حجر اور امام زہری تک۔ ایک ایک کی پوری خبر لے لی۔ نہ بخاری صاحب کا ادب کیا اور نہ مسلم صاحب کا لحاظ۔ اور نہ خود اسوقت کی برجوشی میں اپنے اعترافات و مسلمات کا کوئی خیال رہا۔ جسکو آپ اپنے دست و قلم سے باین الفاظ دیباچہ سیرۃ النبی میں لکھ چکے تھے کہ صحیح بخاری اور مسلم نے ایک غلط کیسی ضعیف تک روایت اپنی کتابوں میں نہیں لکھی۔ اب انھیں شبلی صاحب نے ان حضرات کی اتنی مدح سرائی پر سرے سے قلم پھیر دیا۔ اب شبلی صاحب خود فرمائیں کہ آپ کا دیباچہ والا یہ اصول کہ حدیثوں کی کتابوں کو تاریخ و سیرت کی کتابوں پر ضرور ترجیح ہے اسلئے کہ ان میں ایک حدیث بھی غلط اور ضعیف نہیں۔ آپ ہی کے اس تنقید و تردید سے صحیح ثابت ہوا یا غلط۔ لاحول ولا قوۃ۔ اِس عبارت تنقیدی کو تمام کرکے نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ چونکہ مرقومہ بالا روایت امام زہری کے بلاغات سے ہے اسلئے نہ قابل اعتبار ہے نہ لائق استناد۔

اسوقت اپنی ضرورت سے آپ جو چاہیں کہہ لیں۔ لیکن سب سے پہلے تو سوال بخاری و مسلم صاحبان سے ہے کہ یہ حضرات نقادانِ فن اور اُستادانِ احادیث کیسے تھے جو روایات میں بلاغات اور مرسلات کی بھی تمیز نہیں رکھتے تھے شبلی صاحب امام زہری کو ضرورت وقتی سے مجبور ہو کر جیسا کچھ نہ کہدیں۔ مگر خدا کے لئے آگے پیچھے کا بھی خیال رکھیں انھیں امام زہری کی مدح و ثنا میں (دیباچہ ص ۱۵) کتنی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ ورا اوسکا بھی خیال رہے۔ اور اگر اوپر نہیں خیال کیا جاتا تو اصول عقائد کے مطابق تو ادب اسلاف تو ضرور واجب ہے۔ دیکھئے امام زہری کون ہیں؟ تابعین ہیں اور خیر التابعین کے القاب اضافی سے ہمیشہ کتابوں میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ پھر تابعین کی مرویات کو آپ کے علماء نے اتنا مرتبہ دے رکھا ہے کہ مرویات صحابہ ادن سے فروتر ہیں۔ اور تابعین کے مرویات میں یہ ایسی خصوصیت ہے جسکو آپ مجھسے بہتر جانتے ہیں۔ ایسی حالت میں بلاغات و مرسلات تابعین کی نسبت آپ نہ زبان ہلا سکتے ہیں اور نہ ایک حرف منہ سے نکال سکتے ہیں تا وقتیکہ تقلید اسلاف کا قلاوہ گردن سے نہ اوتار لیجئے اور اُن تمام غلط اصول عقائد صحابہ و تابعین کو اپنے ہاتھوں سے نہ مٹا لیجئے۔ فافہم فتدبّر

شبلی صاحب کی غلط فہمی کی اصلاح

شبلی صاحب کی اتنی صفائی اور خامہ فرسائی کی کوششوں کے بعد بھی ہم دیکھتے ہیں کہ معترضین کے اعتراض اپنی جگہ پر ویسے کے ویسے ہی قائم ہیں۔ اور آپ ہوں یا آپ کے اسلاف کسی صاحب سے حقیقتاً اصل مدعاے اعتراض کا جواب نہو سکا آپ نے اپنے قدیم طریقہ تکذیب و تضعیف رواۃ و مرویات کا خانگی جھگڑا پیش کرکے جواب تو ٹال دیا۔ صریح دفع الوقتی

کردی۔ آپ کو بار بار لکھکر بتلا دیا گیا کہ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے مقابلہ میں اپنے رواۃ و مرویات کی تکذیب و تضعیف کی ترکیب مفید کار نہ ہوگے۔ وہ اسکے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ کہ آپ کا فلان راوی قابل وثوق ہے یا نہیں۔ یا اوسکی فلان روایت قابل اعتماد و استناد ہے یا نہیں اگر وہ راوی اور اونکی روایتیں جھوٹی ہین یا سچی تو وہ آپہی کی ہین اور آپ ہی تنہا اسکے جوابدہ ہین۔ اس بنا پر یہ آپ کی مرقومہ بالا عبارت تنقیدی معترضین کے لئے قابل تشفی و اطمینان نہیں۔ باوجود آپ کی اتنی طولانہ صفائی کے بھی معترضین کا یہ اعتراض کہ پیغمبر عرب کو (نعوذ باللہ) نزول وحی ہونے پر بھی اپنی نبوت کا یقین نہ آیا۔ یہانتک کہ جبرئیل کے بار بار یقین دلانے پر بھی پورا تیقن نہوا لیکن ایک مرد عیسائی مذہب ورقہ بن نوفل کے کہدینے سے آپ کو اپنی نبوت پر اعتماد و اعتبار کلی حاصل ہوگیا۔ ابھی آپ کے ذمہ باقی ہے۔

قیامت کی کہ آپ نے سند مین ایک لامعلوم الاسم محدث کا یہ قول لکھدیا فلما سمع کلامہ ایقن الحق واعترف۔ جب آپ نے اوسکا (ورقہ بن نوفل کا) کلام سنا تو آپ کو حق کی پہچان ہوئی۔ اس نے معترضین کی تعریض کو پوری تقویت پہنچادی۔ خوف الٰہی طاری ہونے تک کا جواب۔ آپ کے گمنام محدث نے جس کا نام اور جسکی کتاب کا نام خدا جانے کس مصلحت سے آپ بتلانا نہیں چاہتے تو مناسب اور فی الواقع ہے لیکن ورقہ سے دریافت کرکے اعتراف نبوت حاصل کرنیکو لکھکر اس نے تو ایسی فاش غلطی کی ہے کہ حقیقتاً شان مخصوصہ نبوت اور صفات منصوصہ رسالت ہی پر قلم پھیر دیا۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ شبلی صاحب نے بھی باین دعوے دقیق النظری اسپر کوئی توجہ نہین فرمائی۔ لیکن دنیا حقیقت شناسون سے خالی نہین۔ اگر ایک آپ کی نظر اصلیت اور حقیقت تک نہ پہونچ سکی تو کیا مولوی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری۔ صاحب رحمۃ العالمین کسیقدر اسکی حقیقت تک پہونچ گئے اور اونھون نے مفصلۂ ذیل عبارت مین معترضین کا ایک حد تک اطمینان وہ جواب دیا ہے۔

اس واقعہ (نزول وحی) کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً گھر مین آئے اور لیٹ گئے۔ بیوی سے کہا کہ مجھپر کپڑا ڈالدو جب طبیعت مین ذرا سکون ہوا تو بیوی سے فرمایا کہ مین ایسے واقعات دیکھتا ہون کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے اس فقرے سے حضور کا مطلب مشکلات نبوت کا بیان تھا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ نے کہا۔ نہین آپ کو ڈر کا ہے کا ہے مین دیکھتی ہون کہ آپ اقربا پر شفقت فرماتے سچ بولتے۔ راندون یتیمون اور بیکسون کی دستگیری کرتے ہین اور مہمان نوازی فرماتے ہین۔ اہل مصیبت زدون سے ہمدردی کرتے ہین۔ خدا آپ کو کبھی اندوہگین نہ فرمائیگا۔ بحوالہ مشکوٰۃ باب اسناد صحیحین

اب خدیجۃ الکبریٰؓ کو خود بھی اپنے اطمینان قلب کی ضرورت ہوئی۔ اسلئے وہ نبی صلعم کو ساتھ لیکر اپنے رشتہ کے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئین۔ حضرت خدیجہؓ کی درخواست پر نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ بن نوفل کے سامنے جبرئیل کے آنے۔ بات کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ ورقہ فوراً بول اوٹھا یہی وہ ناموس ہے جو موسی علیہ السلام پر اوترا تھا۔ کاش مین جوان ہوتا۔ کاش مین اوسوقت تک زندہ ہوتا۔ جب آپ کو آپ کی قوم نکالدے گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا قوم مجھے نکالدے گی۔ ورقہ بولا ہاں۔ اس دنیا میں جس کسی نے ایسی تعلیم پیش کی اوس سے شروع میں عداوت ہی ہوتی رہی ہے۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی نمایاں خدمت کروں۔ مشکوۃ باب مبادی صحیحین ص ۵۱۴

عبارت مرقومہ بالا کے ان الفاظ سے جن پر خط کھینچدیا گیا ہے کسقدر حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بعثت اور حصول منصب رسالت کے متعلق نزول ملک اور حصول وحی کے وقت ہی سے ایسا یقین داتی ہو گیا تھا کہ کسی سے استفسار و افادہ کی مطلق ضرورت نہیں تھی جو ساں رسالت و منصب نبوت سے عقلاً و نقلاً مستبعد ہے۔ اور در حقیقت یہ تیقن یہ استغنا رسالت کا عین مدعا اور نبوت کا خاص مقتضا تھا۔ حضرت خدیجہ ع نے اگر روایات صحیحین صحیح ہیں غالباً اپنے اطمینان قلب اور مزید تسلی کے لئے ورقہ بن نوفل کے پاس آپ کو لیجا کر اسوجہ سے آپ کے بیان کی تصدیق و توثیق کرنی ہوگی کہ وہ علی الاکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک رسول ظاہر ہونے والا ہے۔ جو ابلیس اور اوسکے لشکر پر غالب آئے گا۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ ع تصدیق رسالت کی غرض سے اپنے برادر عم زاد ورقہ کے پاس خود آپ کو لیکر تشریف لیگئی تھیں۔ جناب رسول مقبول صلعم نہ خود ورقہ کے پاس تصدیق رسالت کی غرض سے گئے تھے اور نہ آپ نے خود خدیجہ کو بھیجا تھا۔

شبلی صاحب تقلید اسلاف کے ایسے والہ و شیدا ہیں کہ واقعہ کی حقیقت و اصلیت بھی اصل ماخذوں میں تلاش کر لینا پسند نہیں فرماتے۔ اس واقعہ کی نسبت چونکہ غلط طور پر عموماً مشکوۃ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم خود یا حضرت خدیجہ ع آنحضرت ص کو لیکر ورقہ کے پاس آئیں۔ اور جب ورقہ نے آپ کے بیان کے کر آپ کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کر لی۔ تب آنحضرت صلعم کو اپنی رسالت کا یقین ہوا جیسا کہ ابھی ابھی صحیحین کے حوالہ اور مشکوۃ کی عبارت سے تحریر ہو چکا۔ شبلی صاحب نے بھی بے دیکھے بھالے اسی کو حرف بحرف نقل فرمادیا۔ کم سے کم آپ نے تاریخ طبری اوٹھا کر اس واقعہ کو اوس میں دیکھ لیا ہوتا تو آپ کو فوراً حقیقت کا پتہ لگ جاتا۔ اور کتب تاریخ پر کتب حدیث کو ہر مقام و موقع پر ترجیح دیے جانیکا غلط معیار جو آپ نے دیباچہ کتاب میں قایم کیا ہے ثابت ہو جاتا۔ امام المورخین ابن جریر طبری مفصلہ ذیل عبارت میں اس واقعہ کی حقیقت یوں لکھتے ہیں۔

فقالت خدیجة ابشر یا ابن عم واثبت فوالذی نفس خدیجة بیده انی لارجو ان تکون نبی هذه الامة ثم قامت فجمعت علیها ثیابها ثم انطلقت الی ورقة بن نوفل بن اسد وهو ابن عمها وکان ورقة قد تنصر وقرأ	بیان نزول وحی کو آنحضرت صلعم سے سنکر حضرت خدیجہؓ نے کہا اے ابن عم آپ کو بشارت ہو۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ سب صحیح و ثابت ہے۔ اور اوس خدا کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجکو یقین ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں یہ کہکر حضرت خدیجہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنے کپڑے پہنے اور اپنے ابن

الکتب واسمع من اھل التوراۃ والانجیل فاخبرتہ
بما اخبرھا بہ رسول اللہ صلعم انہ رأی وسمع فقال
ورقہ قدوس قدوس والذی نفس ورقہ بیدہ لئن
کنت صدقتنی یا خدیجۃ لقد جاءہ الناموس الاکبر یعنی
بالناس جبریل علیہ السلام الذی کان یاتی موسیٰ
وانہ لنبی ھذہ الامۃ فقولی لہ فلیثبت ورجعت
خدیجۃ الی رسول اللہ صلعم فاخبرتہ بقول ورقہ
طبری ص ۱۱۵۱ مطبوعہ جرمن۔

عمرادو ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس آئیں۔ ورقہ عیسائی طریق کے
آدمی تھے عیسائی علما سے علم توریت وانجیل حاصل کر چکے تھے جب
خدیجہؓ نے ورقہ سے وہ حرف بیان کیں جو رسول اللہ صلعم سے
سنکر آئی تھیں اور ورقہ نے اونکو سن لیا اور اسپر غور کیا تو پکار اٹھا
قدوس قدوس۔ اوسکی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں ورقہ کی جان ہے
اگر یہ سچ ہے۔ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے تو اے خدیجہؓ وہ ناموس اکبر
یعنی جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ یہ وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اتارا گیا
تھا اور تحقیق کہ وہ (آنحضرت صلعم) اس اُمت کے نبی ہیں میری
طرف سے جاکر اون سے کہدو کہ وہ اپنے مدعا پر ثابت قدم رہیں۔ یہ سنکر جناب خدیجہ وہاں سے واپس آئیں۔ اور جو کچھ ورقہ نے کہا تھا
سنکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا۔

کہئے تاریخ طبری کے مرقومۂ بالا عبارت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم خود بغرض تصدیق رسالت ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ یا جناب خدیجہؓ اس غرض سے آپ کو لے گئیں۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے صحیحین کے اسناد سے لکھکر بتلایا ہے۔ تو ایسی حالت میں معترضین کے اعتراض کی تائید آپ ہی کی کتب حدیث سے ہوئی نہ کہ تاریخ سے۔ تو پھر اونکی تردید وتنقید کی آپ کیسے ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ خاص سے تو آپ کے گمنام محدث صاحب نے بھی مرویات صحیحین ہونے پر اعتبار کرکے اسکو قبول کر لیا ہے اور لکھدیا الیقن بالحق واعترفہ اور آپ نے بھی تقلیداً اُسے تسلیم کر لیا۔ شبلی صاحب جالت موجودہ سے خود سمجھ لیں کہ معترضین کے اعتراض کا جواب کہاں نکلا۔ یہ روئداد تو عین اقبال وایجاب بتلاتی ہے۔ اب فرمایا جائے کہ ایسا سراپا غلط واقعہ جو سراسر مناقض رسالت ہی۔ آپ کی حدیث کی کتابوں میں نقل ہے یا تاریخ کی کتابوں میں خود ملاحظہ فرمالیا جائے۔ تاریخ میں جو واقعہ نقل ہے اور لکھدیا گیا ہے۔ اوسمیں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ معیار رسالت اور اقتدار نبوت کے بالکل مطابق ہے۔ بخلاف اسکے جو کچھ آپکی حدیث کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ شان رسالت اور نبوت کے سراسر مخالف اور مناقض ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی معترضین کے تمام اعتراض کی بنا ہے۔ جب صورت حال ایسی قایم ہوتی ہے تو آپ ناحق موقع وبموقع تاریخ کی کتابوں پر حدیث کی کتابوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

نہ شبلی صاحب کو خبر ہے اور نہ اون کے آئمہ حدیث کو کہ ورقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب ملے وہی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ نزول وحی۔ اور حصول رسالت کے بعد جب اس نعمت کے اوائے شکریہ کے لئے آپ خانہ کعبہ میں تشریف لیگئے تو وہاں ورقہ سے ملاقات ہوئی۔ اور جس تقدیس وعظمت سے ورقہ نے آپ کی تعظیم وتکریم کی وہ تاریخ

طبری کے مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فانصرف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی الکعبۃ فطاف بھا فلقیہ ورقۃ بن نوفل وھو یطوف بالبیت فقال یا ابن اخی اخبرنی بما رأیت او سمعت فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لہ ورقۃ والذی نفس ورقۃ بیدہ انک لنبی ھذہ الامۃ ولقد جاءک الناموس الاکبر الذی جاء الی موسی ولتکذبنہ ولتؤذینہ ولتخرجنہ ولتقاتلنہ ولئن انا ادرکت ذلک لانصرن اللہ نصرا یعلمہ ثم ادنی راسہ فقبل یافوخہ

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں طواف کرنیکی غرض سے تشریف لیگئے ورقہ آپ کو طواف میں مشغول دیکھکر آپ کے پاس سے چلے آئے اور کہنے لگے اے میرے بھتیجے تم نے کیا خبریں مشاہدہ کی ہیں یا سنی ہیں مجھے کہو تو۔ جناب رسول خدا نے تمام باتیں اون سے کہدیں ورقہ سنکر کہنے لگے قسم ہے اسکی جسکے قبضۂ قدرت میں ورقہ کی جان ہے کہ تم اس اُمت کے نبی ہو۔ اور بیشک تمپر وہی ناموس اکبر نازل ہوا ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا ہے لوگ تمہاری تکذیب کرینگے تمہیں ایذا دیں گے۔ تمہیں خارج البلد کرینگے اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال کرینگے۔ اگر میں اس زمانہ تک زندہ رہتا تو میں تمہاری نصرت کرتا۔ خدا تمہاری نصرت کریگا۔ پھر اپنا سر قریب لاکر آپ کی پیشانی اور کالوسہ لیا ص ۵۲ ۱۱ سرس

یہ شاہدہ تاریخی صاف صاف بتلا رہا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ آپ کو کوئی اونکے پاس لے گیا۔ بلکہ نزول جبرئیل اور وصول اقرار معادوت دولت سرا اور تصدیق وایجاب حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ غرض ان تمام واقعات کے بعد جب آپ حسب معمول خانہ کعبہ کے طواف کے لئے تشریف لیگئے تو آپ کو ورقہ ملے اور جو کچھ فیمابین گفتگو ہوئی وہ طبری کی زبانی اوپر نقل کر دی گئی۔ قریب قریب تمام تاریخون کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور حقیقتاً واقعہ بھی یہی ہے اور اتنا ہی ہے۔ باقی سب کتابون کا طومار ہے۔ اور زیادہ تر انہیں طوماروں سے عیسائی معترضین نے اپنے گمراہانہ اور مغویانہ دفتر سیاہ کئے ہین۔ تعجب ہے کہ متعصبین یورپ۔ تاریخ طبری مین اوسکی حقیقت حال کو دیکھکر جسے خود انہون نے اپنے چھاپکر شایع کیا ہے۔ ذرا بھی شرماتے نہیں۔

حدیثون کی اسی طومار بیکار کے سلسلہ مین التوائے وحی کی حالتون مین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتشار و اضطراب کے متعلق اونکا یہ بیان کہ نعوذ باللہ۔ آپ پہاڑ کی چوٹیون پر سے اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور اس اضطراب و التہاب کی خاص اور انتہائی حالتون میں خدانخواستہ آپ اپنی جان عزیز دیدینا چاہتے تھے بالکل لغویات اور مہملات ہین جسکی تردید و تکذیب خود شبلی صاحب بھی فرماتے ہین۔ لیکن ہمکو بھی اتنا لکھکر بتلا دینا ضروری ہے کہ خدا کا سچا رسول جو خاصکر جائز اور ناجائز امور۔ حلال اور حرام کا سب سے بہتر جاننے والا اور ان امور کے متعلق صحیح طریقہ عمل بتلا ہوا آتا ہے النفس النفیس خودکشی کے ایسے اخلاقی۔ مذہبی اور سیاسی جرم پر اقدام کرنے اور نعوذ باللہ حرام موت مرنے پر آمادہ ہوگا۔ ان ہذا لعبد الابعاد۔ کیا جاہل سے جاہل بھی کوئی مسلمان اسکو مانے گا۔

اس مین کلام نہین کہ کچھ دنون تک وحی کے رُک جانے سے آپکو ایک فکر و تعلق لاحق حال ضرور ہو جاتا تھا اور

یہ آپ کے خشیۃ اللہ کا باعث تھا۔ اور پھر جب وحی آنے لگتی تھی تو فوراً اطمینان خاطر بھی ہو جاتا تھا۔ بات اتنی تھی کتنی بڑھا دی گئی۔ افسوس ہے کہ بات بڑھانے والوں نے اپنی باتوں کو تو بہت کچھ بڑھا دیا لیکن رسول اللہ صلعم کی شان رسالت کو بالکل گھٹا دیا۔ ان تمام طومار اور قیاسات دور از کار کا خلاصہ یہ ہے جیسا کہ شہود تاریخی سے کھسکر بتلایا گیا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ خود ورقہ کے پاس گئے اور نہ کوئی آپ کو ان کے پاس لیگیا۔ رسول صلعم کو علم لدنیہؐ کے ذریعہ سے اپنی رسالت و نبوت کا مالنفس النفیس خود یقین کامل تھا اور کسی کی تصدیق و توثیق کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔

نزول وحی کو تنزیل اقراء سے آغاز سمجھنا۔ دوسری غلط فہمی ہے۔ جو اکثر علمائے حدیث و تاریخ کو پیدا ہوگئی ہے اس سے قبل جیسا کہ ہم اقسام وحی کے بیان میں مختصراً لکھ چکے ہیں۔ انوار تجلیات کے مشاہدات رویائے صادقہ کے واقعات نداو صدائے غیب کے خطابات اور القاء والہام کے خاص حالات مختلف صورتوں میں قبل از نزول وحی روح القدس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف ہوا کرتے تھے۔ اور یہی مدارج وحی الٰہی ہیں جنکی علماء و حکمائے اسلام نے شرح قسمیں بتلائی ہیں۔ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے منجملہ شش اقسام وحی کے چھ صورتوں کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۰۶-۲۰۸ تک میں بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نزول وحی کی ابتدا اسی واقعہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ نزول قرآن اور رسالت و نبوت کا اعلان آج ہی کے دن ہوا۔ آج تک خدا کا رسولؐ تبلیغ و تعلیم دین الٰہی کے لئے ماذون و مامور نہیں فرمایا گیا تھا گویا آج سے وہ منصب تبلیغ رسالت اور عہدہ ارشاد و ہدایت پر منجانب اللہ ماذون فرمایا گیا۔ حقیقت اتنی تھی قیاسات و ظنیات کا اتنا طومار لگا دیا گیا کہ اللہ کی پناہ۔

تبلیغ رسالت

نبوت کا پہلا سوال

شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

خاتم الانبیا علیہ والہ التحیۃ والثنا کا کام خود سلامت رہکر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا۔ اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جاوے۔ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاتے تھے۔ جو فیضیاب صحبت رہچکے تھے۔ جنکو آپکے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا۔ جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعوی کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے یہ لوگ حضرت خدیجہؑ آپ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں

پہلے تھے۔ زیدؓ تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر اور بزرگوں کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے" سیرۃ النبی ؐ

یہ تدریج و تدبیر بھی رسول صلعم کی ذاتی تجویز نہیں تھی۔ بلکہ قدرت کی تدبیر تھی اور مشیت کی ترتیب۔ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ یہ بہت بڑا راز تھا۔ ہم شبلی صاحب کی طرح اسکو پرخطر تو کہہ نہیں سکتے۔ پر اتنا البتہ کہہ سکتے ہیں۔ اور کیونکر ہوتا خداوند عالم اسی راز کو نباء العظیم کے خاص الفاظ سے تعبیر فرما چکا ہے۔ اور یہ امر بھی بالکل مطابق فطرت ہے کہ انسان اپنے تمام راز کا بالعموم آغاز انکشاف اپنے معتبر ترین محرم راز سے کرتا ہے۔ اور اس صفت خاص میں جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے بڑھکر ممتاز اور کون ہو سکتا ہے۔ خدا کے محرم راز نے۔ خدا کے اس راز کو سب سے پہلے اپنے محرم راز سے کہا۔ صدیقہ کبریٰ نے فوراً تصدیق کر لی۔ شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے ہی مومن تھیں۔ بالکل واقعہ ہے۔ نہ کوئی قلم آرائی ہے نہ طبع آزمائی۔ اب اسکی حقیقت اور واقعیت طبری کے خاص الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

حدثنا ابن حمید قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق وأما بنعمة ربك فحدث اي ما جاءك من الله من نعمة وكرامة من النبوة فحدث اي اذكرها وادع اليها قال فجعل رسول الله صلعم يذكر ما انعم الله عليه وعلى العباد به من النبوة سرا الى من يطمئن اليه من اهله فكان اول من صدقه وآمن به واتبعه من خلق الله فيما ذكر زوجته خديجة بنت خويلد رحمها الله

طبری ص ۱۱۵۶

ابن حمید سلمہ سے اور سلمہ ابن اسحاق سے۔ آیہ اما بنعمۃ ربک فحدث کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ یا رسول صلعم جو نعمت کہ خدا طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے تم لوگوں سے اوسکو بیان کرو یعنی امور نبوت جو تم پر مبذول ہوئے ہیں۔ اونکو بندگان الٰہی سے بیان کرو۔ اور اوسکی طرف لوگوں کو بلاؤ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس آیہ کے نزول کے بعد سے آنحضرت صلعم تمام نعمائے نبوت اور کرامتہائے رسالت کو۔ جو آپ پر تبلیغ عبادت کی غرض سے نازل فرمائی گئیں تھیں بیان کرنے پر مستعد ہوگئے لیکن آپ نے اوسکو بالکل بطور راز پہلے اپنے لوگوں سے ظاہر کیا جن لوگوں پر آپ کو پورا اطمینان تھا۔ اور انمیں سب سے پہلے یہ راز جس سے بیان کیا گیا وہ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جو تمام بندگان الٰہی میں سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کرنیوالی۔ آپ پر ایمان لانیوالی اور آپ کی اطاعت و اتباع فرمانے والی ہوئیں۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ ادھر مخبر صادق کی زبان سے دعوۃ اسلام کے الفاظ نکلے ادھر صدیقہ کے لبہائے مطہر سے لبیک کے جواب تصدیقی برآمد ہوئے۔ اس واقعہ سے تو حضرت خدیجہ کا استعجال فی الایمان ثابت ہوا

اب شبلی صاحب کے اس لکھنے کا بھی کہ حضرت خدیجہ اس پیام کے سننے سے پہلے مومن تھیں۔ ثبوت بھی ملاحظہ ہو۔

وقالت خدیجۃ یا ابن عم لعلک رأیت شیئا قال فقلت لها نعم فحدثتها الذی رأیت فقالت ابشر یا ابن عم انت هو الذی یعس خدیجۃ بیدہ انی لارجوا ان تکون ھذہ الامۃ

جب آپ نزول وحی سے مشرف اور جلال الٰہی سے سراپا متاثر ہو کر گھر میں تشریف لائے تو آپ کے اس غیر معمولی انداز و حال کو دیکھکر جناب خدیجہؑ نے پوچھا کہ کیا آپ نے آج کچھ (یا مشاہدہ) دیکھا ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا - ہاں - پھر جو کچھ نزول عزت اور وصول وحی الٰہی کے متعلق مشاہدہ فرمایا گیا تھا جناب خدیجہؑ سے ارشاد فرمایا گیا۔ سنکر جناب خدیجہؑ نے فرمایا۔ اے ابن عم آپ کو بشارت ہو۔ آپ اپنے ارادے پر ثابت قدم رہیئے۔ اوس خدا کی قسم جسکے قبضۂ قدرت میں خدیجہ کی جان ہے مجھے یقین ہے کہ آپ اس امت کے پیغمبر ہیں۔ طبری صفحہ ۱۱۵۱۔

اس واقعہ سے ثابت ہو گیا کہ جناب رسولخدا صلعم نزول وحی کے مشاہدات کا صرف وہ اظہار تھا کہ جناب خدیجہؑ نے اوسکی تصدیق فرمائی۔ حالانکہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسوقت کے بیان سے تبلیغ و دعوت منظور نہیں تھی بلکہ صرف اظہار حالت کیونکہ حضرت خدیجہ نے آپ پر ایک نئی حالت طاری دیکھکر استعجاباً استفسار کیا تھا۔ اوس کے جواب میں جو حالت خاص تھی بیان کر دیگئی یہ سنتے ہی جناب خدیجہؑ نے حسن استقلال و استقامت سے تصدیق رسالت فرمائی ہے۔ وہ الفاظ مندرجہ بالا سے ثابت ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ اسوقت تک آنحضرت صلعم نے دعوت کے قصد سے جناب خدیجہؑ سے نہ ارشاد رسالت کیا تھا اور نہ خود خدیجہ کبریٰؑ نے اسوقت تک ورقہ کے پاس جاکر رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اپنا اطمینان کیا تھا۔ ان تمام صورتوں میں یہ تاریخی واقعہ جناب خدیجہؑ کی تصدیق صاف الفاظ میں قبل از اجرائے دعوت ثبوت نبوت ثابت کرتا ہے اس لئے شبلی صاحب کا یہ لکھنا کہ سب سے پہلے جناب خدیجہ مومن نہیں۔ بالکل صحیح اور فی الواقع عالم تاریخ کے علاوہ دنیائے حدیث میں صدیقہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کی تصدیق رسالت میں سبقت ملاحظہ فرمائی جائے۔ امام قسطلانی تحریر فرماتے ہیں۔

وکان اول من امن باللہ وصدق وصدیقۃ النساء خدیجۃ

سب سے پہلے جو خدا پر ایمان لایا اور تصدیق رسالت کی وہ صدیقۃ النساء خدیجہؑ ہیں

علامہ عبدالباقی زرقانی اسکی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق وموسی ابن عقبۃ والواقدی والاموی وغیرهم وقال النووی وھو الصواب عند جماعۃ من المحققین وحکی الثعلبی وابن عبدالبر والسهیلی علی الاتفاق وقال ابن الاثیر لم یتقدمها رجل ولا امراۃ باجماع المسلمین زرقانی جلد اول ص ۲۴۰

ابن اسحاق۔ موسی ابن عقبہ۔ واقدی اور اموی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے اور امام نووی کہتے ہیں کہ جماعت محققین کا بھی یہی مختار ہے متفق علیہ امام ثعلبی علامہ ابن عبدالبر اور امام سہیلی بھی اسی پر اتفاق کرتے ہیں ابن اثیر لکھتے ہیں کہ تمام جماعت مسلمین میں کوئی مرد یا کوئی عورت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے پہلے اسلام نہیں لائی۔

امام قسطلانی قبل از دعوت حضرت خدیجہؑ کی تصدیق رسالت کے واقعہ کو جسکو ہم کسیقدر اوپر لکھ آئے ہین باین الفاظ تحریر فرماتے ہین۔

فقال لہا علیہ الصلوٰۃ والسلام خشیت علی نفسی فقلت لہ ابشر فواللہ لایخزیک اللہ ابدا ثم استدلت بما فیہ من الصفات والاخلاق والشیم علی ان من کان کذلک لایخزی ابدا مواہب لدنیہ

واقعہ نزول وحی بیان فرماکر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھکو اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؑ نے فرمایا کہ آپ کو بشارت ہو خدا کی قسم خدا تمہارے ساتھ کوئی مواخذہ نہیں کریگا اور اپنے اس قول پر آنحضرت صلعم کے محاسن عادات اور مکارم اخلاق کے تمام صفات موجودہ کو بیان فرماکر ارشاد کیا کہ جو شخص ان صفات حسنہ سے موصوف ہو اوسکے ساتھ کبھی کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسکی شرح مین علامہ زرقانی رقمطراز ہین۔

وھو من بدیع علمہا وقوۃ عارضتہا یہ استدلال حضرت خدیجہؑ کے کمالات علم ویقین کے عجائبات اور آپکی قوت کلامیہ واستدلالیہ کے نوادرات سے ہے۔ زرقانی جلد ۱ ص ۲۸۷

حضرت علیؑ مرتضیٰ کی سبقت فی الاسلام

جناب صدیقۂ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بعد حضرت صدیق الاکبر فاروق الامۃ اسد اللہ الغالب علی ابن ابیطالب تصدیق رسالت فرماکر مشرف بایمان ہوئے۔ ابن ہشام اور طبری مین ہے۔

قال ابن اسحٰق کان اول ذکر من الناس امن برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصلی وصدق بما جاء من اللہ تعالیٰ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم وھو ابن عشر سنین یومئذ وکان مما انعم اللہ علی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ کان فی حجر رسول اللہ صلعم

ابن اسحاق کہتے ہین کہ مردون مین سب سے پہلے جو شخص جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان تمام امور پر جو جناب الٰہی سے آپ کے اوپر نازل کئے گئے تھے۔ ایمان لایا اور تصدیق کی وہ حضرت علی ابن ابی طالب ابن عبد المطلب بن ہاشم تھے۔ اوسوقت آپکا سن دس برس کا تھا اور خدا نے تمام لوگون سے بڑھکر جو نعمت اسکے شامل حال فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ آپ بچپن سے آغوش رسولؐ میں پرورش پارہے تھے۔

(۱) طبری لکھتے ہین۔

عن زید بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول اللہ صلعم علی ابن ابی طالب۔

جو شخص جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب ہین ۔ منقول از زید بن ارقم۔

(۲) عن جابر بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلثاء

جابر بن عبد اللہ الانصاری سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کے دن مبعوث برسالت ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ

[۱] امام احمد بن حنبل نے مناقب میں امام نسائی نے خصائص میں۔ امام حاکم نے مستدرک میں۔ حافظ ابو بکر عثمان ابن ابی شیبہ نے اپنی سنن میں۔ ابن عاصم نے

مسکل کے دن آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۳)

عن عباد بن عبد اللہ قال سمعت علیا یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ وانا صدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب ومفتر صلّیت مع رسول اللہ صلعم قبل الناس لسبع سنین

عباد ابن عبد اللہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور صدیق اکبر۔ اور میرے بعد جو کوئی صدیق اکبر ہونے کا دعویٰ کریگا وہ جھوٹا ہوگا۔ مفتری کیونکہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ تمام لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھا کرتا تھا۔

اس دعویٰ بیان کی شہادت عفیف بھی ملاحظہ ہو طبری لکھتے ہیں

عن عفیف قال جئت فی الجاھلیۃ الی مکۃ فنزلت علی العباس بن عبد المطلب قال فلما طلعت الشمس وحلقت فی السماء وانا انظر الی الکعبۃ اقبل شاب فرمی ببصرہ الی السماء ثم استقبل الکعبۃ فقام مستقبلھا فلم یلبث حتّیٰ جاء غلام فقام عن یمینہ قال فلم یلبث حتّیٰ جاءت امرأۃ فقامت خلفھما فرکع الشاب فرکع الغلام والمرأۃ فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأۃ فخر الشاب ساجدا فسجدا معہ فقلت یا عباس امر عظیم فقال امر عظیم اتدری من ھذا فقلت لا قال ھذا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب

عفیف سے منقول ہے کہ ایام جہالت میں مکہ گیا اور عباس ابن عبد المطلب کے پاس مقیم ہوا جب آفتاب طلوع ہو کر آسمان پر چار دانگ پھیل گیا تو میں کعبہ کیطرف دیکھنے لگا۔ اس اثنا میں ایک جوان شخص کعبہ میں آیا اور اوس نے اپنا سر بلند کرکے آسمان کی طرف دیکھا پھر کعبہ کا بوسہ لیا۔ پھر کعبہ کی طرف مونھ کرکے کھڑا ہو گیا۔ کچھ عرصہ ہوا تھا کہ ایک نوجوان لڑکا آیا اور آکر اوس جوان شخص کے داہنے طرف کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ دیر نہ لگی تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اس اثنا میں وہ جوان شخص رکوع میں گیا تو وہ نوجوان اور وہ عورت بھی رکوع میں گئی پھر وہ جوان کھڑا ہو گیا

بقیہ صفحہ گذشتہ نے اپنی سنن میں۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں۔ امام عقیلی نے اور علامہ محب طبری نے ریاض النضرہ میں لکھا ہے عن عباد بن عبد اللہ قال علی انا عبد اللہ واخو رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانا صدیق الاکبر لا یقولھا ذلک بعدی الا کاذب صلیت قبل الناس بسبع سنین۔ عباد بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا جناب علی مرتضیٰؑ نے کہ میں بندہ خدا ہوں اور اوسکے رسول صلعم کا بھائی ہوں صدیق اکبر ہوں۔ میرے سوا کوئی ایسا قول و دعویٰ نہیں کر سکتا سوائے اسکے کہ وہ جھوٹا ہوگا میں نے سات برس پہلے سب لوگوں کے نماز پڑھی امام قتیبہ معارف میں لکھتے ہیں عن معاذۃ العدویہ قالت سمعت علیا یقول علی المنبر البصرۃ انا الصدیق الاکبر اسلمت قبل ان یسلم ابو بکر معاذۃ العدویہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو بصرہ کے منبر پر کہتے ہوئے سنا ہو کہ میں صدیق اکبر ہوں اور میں ابو بکر سے پہلے اسلام لایا ہوں۔ امام بخاری حضرت ابن عباس اور احمد بن حنبل ابی لیلیٰ کے اسناد سے لکھتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار مؤمن آل یاسین الذی قال یقوم اتبعوا المرسلین وحزقیل مؤمن آل فرعون الذی قال اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وعلی ابن ابی طالب وھو افضلھم فرمایا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ صدیق تین ہیں حبیب النجار۔ جو آل یٰسین کا صدیق ہے جسنے کہا تھا کہ اے قوم پیغمبروں کی متابعت کرو۔ دوسرا حزقیل جو مومن آل فرعون ہے جس نے کہا تھا

ابن اخی الله ربی من هذا معه فقلت لا قال هذا علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب ابن اخی اتدری من هذه المرأة التی خلفهما قلت لا قال هذه خدیجة بنت خویلد زوجة ابن اخی وهذا حدثنی ان ربك رب السماء امرهم بهذا الذی تراهم علیه وایم الله ما اعلم علی ظهر الارض کلها احدا علی هذا الدین غیر هؤلاء الثلاثة

طبری جز ۲ ص ۱۶۱

اور اس کے ساتھ ہی وہ نوجوان اور وہ عورت بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ جوان شخص سجدے میں گیا اور اس کے ہمراہ یہ دونوں بھی سجدے میں گئے۔ عفیف کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ یہ تو امر عظیم ہے۔ یہ سن کر عباس نے کہا کہ ہاں للہ امر عظیم ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا کہ جوان شخص محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ عباس نے کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ علیؑ بن ابی طالب بن عبدالمطلب میرے بھائی کے بیٹے ہیں۔ پھر عباس نے پوچھا جانتے ہو یہ عورت کون ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ عباس نے کہا یہ خدیجہؑ بنت خویلد میرے بھتیجے محمدؐ کی زوجہ ہیں۔ انہوں نے محمد صلعم نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کا خدا جو مالک کل ہے زمین آسمان ہے اور اسی نے اس امر کے کرنے کا انکو حکم دیا ہے جو تم دیکھتے ہو۔ اور قسم خدا کی اس وقت تک میرے علم میں سوائے ان تین آدمیوں کے روئے زمین پر کوئی دوسرا ایک بھی اس دین پر نہیں ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔ تیسرے علی ابن ابی طالب اور یہ سب سے افضل ہے

۵۲ **فاروق الامۃ**۔ امام دیلمی و طبرانی لکھتے ہیں عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ صلعم لعلی هذا اول من آمن بی وهذا اول من یصافحنی یوم القیمة وهذا الصدیق الاکبر وهذا فاروق الاعظم یفرق بین الحق والباطل وهذا یعسوب المؤمنین والمال یعسوب المنافقین حضرت سلمان فارسی سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی کی نسبت فرمایا کہ علی وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور سب سے پہلے یہی مجھ سے قیامت کے دن مصافحہ کریگا اور یہی صدیق اکبر ہے اور یہی فاروق اعظم ہے کہ حق اور باطل میں فیصلہ کریگا۔ اور یہی مومنین کا امیر ہے۔

خوارزمی۔ دیلمی اور عبدالبر مکی استیعاب میں لکھتے ہیں عن ابی لیلی قال قال رسول اللہ صلعم ستکون من بعدی فتنة فاذا کان ذلك فالزموا علیا فانه الفاروق بین الحق والباطل ابو لیلی سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے کہ عنقریب میرے بعد میری امت میں فتنہ برپا ہوگا۔ جب ایسا ہو تو تم علیؑ کی ملازمت اختیار کرو تحقیقکہ وہ حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے

۵۳ ابن ہشام نے حضرت علیؑ کا سن مبارک دس برس کا لکھا ہے حالانکہ آپ کا سن پندرہ ۱۵ برس سے لیکر سولہ ۱۶ برس تک کا بتلایا گیا ہے جیسا کہ شرح زرقانی میں ہے قال عبد الرزاق عن معمر فی جامعه عن قتادة عن الحسن وغیره قالوا اول من اسلم بعد خدیجة علی وهو ابن خمس عشرة سنة او ست عشر سنة استیعاب جلد دوم ص ۴۷۱

عبد الرزاق معمر سے اپنے جامع میں اور قتادہ سے قتادہ حسنؓ بصری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہؑ کے بعد جناب علی مرتضیٰؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اس وقت آپ کا سن پندرہ برس کا تھا یا سولہ برس کا۔

ابن ہشام نے ان کمین محدثین کی روایتوں پر اعتبار کیا جو حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام کے مسئلہ کو جب کسی طرح روپوش نہ کر سکے تو آپ کی سبقت کو کم وقعت کرنے کی غرض سے صغر سنی کے عالم میں بتلا کر ناقابل اعتبار قیاس کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ ماں کی گود اور گہوارہ ہی میں اندر والے

شبلی صاحب خود رقمطراز ہیں۔

حضرت خدیجہؑ کے بعد حضرت علیؑ ہیں جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے (تربیت پانے کا شرف اوپر بیان ہوچکا ہے) شبلی صاحب نے چونکہ اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حضرت علیؑ کی سبقت فی الاسلام کو تسلیم کرلیا ہے اسلئے مجھکو اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ کی سیرۃ النبیؐ میرے پیش نظر ہے۔ ہمارا موضوع تالیف زیادہ تر آپسی کے اختلاف۔ استخفاف اور دیگر معائب و مناقص کے انکشافات و اصلاحات تک منحصر ہے۔ سبقت اسلام کے مسئلہ کو محدثین متاخرین نے جیسی جیسی قیاسی رنگ آمیزیوں سے جھمکایا ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے غیرت سے اسکی حقیقت اور واقعیت کو مان لیکر میرے لئے اسکی زائد تفصیل و تشریح کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت زید کا اسلام۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے بعد زید تھے۔ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں۔

قال ابن اسحاق ثم اسلم زید بن حارثة بن شرحبیل بن کعب بن عبد العزی بن امرء القیس الکلبی مولی رسول اللہ صلعم وکان اوّل ذکر اسلم وصلّی بعد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ص ۸۵ مصر

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ زید بن حارثہ شرحبیل بن کعب بن عبد العزی بن امرء القیس کلبی۔ غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد اسلام لائے اور نماز پڑھی۔

ابن ہشام کے اسی قول کو طبری نے بھی اپنی تاریخ میں بلفظہ نقل کردیا ہے۔ ص ۱۱۶۰

حضرت ابوبکرؓ کا اسلام۔ طبری میں لکھا ہے۔

ثم اسلم ابو بکر بن ابی قحافہ الصدیق۔

پھر حضرت ابوبکر بن ابو قحافہ الصدیق اسلام لائے۔ ابن ہشام میں بھی عبارت درج ہے۔ اور شبلی صاحب نے بھی یہی ترتیب نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں (زید کے بعد حضرت ابوبکرؓ تھے۔ جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے۔

لیکن طبری نے آپ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایتوں کو لکھکر آخر میں یہ روایت لکھدی ہے۔

عن محمد بن سعد قال قلت لابی اکان ابو بکرؓ اوّلکم اسلاما فقال لا ولقد اسلم قبلہ اکثر من خمسین ولکن کان افضلنا اسلاما

محمد ابن سعد ناقل ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ انھوں نے کہا نہیں ان سے قبل پچاس آدمیوں سے زیادہ اسلام لاچکے تھے لیکن انکا اسلام ہملوگوں کے اسلام سے افضل تھا۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بچوں تک کی کامل الایمانی قرآن میں موجود ہے۔ و من سعد سعد فی بطن امہ سعید ماں کے پیٹ سے سعید ہوتا ہی اور بزرگی بعقلمند ۱۰ سال کا مسئلہ اور سیر مراد ہے اسکے علاوہ سیدہ مریمؑ اور سوا برس کے نوجوان کو بچہ کہنا اور کہیں یہ بابا لعان کا کام ہوگا ایسی صریح غلطیوں کے بعد بھی اپنے آپ کو دنیا سے علما کہلانا چاہتے ہیں۔ المؤلف عفی عنہ۔

یہان تک تو شبلی صاحب نے سابقین اسلام کی ترتیب سلسلہ وار قایم کی ہے اسکے بعد سلسلہ بیان کو پریشان کر دیا ہے حالانکہ تاریخ و حدیث کی کتابون مین ابھی صحابۂ اولین کی قبولیت اسلام اور شرف بایمان ہونیکو متعلق ترتیب وار سلسلہ ثابت کر رہی ہین بہرحال۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کے پچاس آدمیون کے بعد اسلام لانے والی روایت کو جسکو امام طبری نے اپنی روایات کے اخیر مین لکھا ہے قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے اور ترتیب مشہورہ کے مطابق آپ کو چوتھے نمبر مین شمار کیا جاوے تو پانچوین ابوذر چھٹے خالد ابن سعید ابن العاص۔ ساتوین عمران عبسۃ السلمی ثابت ہوتے ہین لیکن تاریخ و حدیث کی کتابون مین ان بزرگوارون کے بارے مین اسقدر اختلاف کثیر ہے کہ بالآخر کوئی صاحب اس کا تصفیہ نہ کرسکے کہ آخر ان تینون حضرات مین کون بزرگ پہلے ایمان لائے[۹] طبری مین مرقوم ہے۔

قال الواقدی اسلم معھم خالد بن سعید بن العاص خامسا واسلم ابوذر قالوا رابعاہ او خامسا واسلم عمرابن علسۃ السلمی فیقال رابعا او خامسا انما اختلف عدنا فی ھؤلاء النفر ایھم اسلم اول ذلک روایات کثیرۃ قال فیختلف فی الثلاثۃ المعدمین وفی ذلک ھؤلآء الذین کتبنا بعدہ۔ طبری

واقدی کا قول ہے کہ انکے ساتھ خالد ابن سعید بن العاصؓ اسلام لائے وہ شمار مین پانچوین مسلمان تھے پھر ابوذرؓ اسلام لائے وہ چوتھے یا پانچوین (آخر طبری گھبراکر لکھتے ہین) ہمارے نزدیک آپس مین اختلاف کثیر ہے کہ ان تینون بزرگون (خالد۔ ابوذر اور عمرؓ بن عبسۃ) مین کون بزرگ پہلے اسلام لائے ان تینون متقدمین اسلام اور ان کے بعد کے ایمان لانیوالے مسلمانون کے بارے مین جن کا ہم نے ذکر کیا ہے بہت سی روایات مختلف ہین۔

اس مین کلام نہین کہ واقدی ہون یا طبری۔ ایسے مقام مین مورّخ اور محقق کی مجبوری ظاہر ہے لیکن اس مسئلہ کے حل کی صرف یہی صورت باقی ہے کہ ان تینون حضرات کا اسلام بلا ترک تفاوت ایک ہی روز مین تسلیم کیا جاوے۔

اس بحث تقدیم مین طبری۔ ابن ہشام اور دیگر کتب احادیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اور حضرات نے

---

۹ عمر بن عبسۃ السلمی۔ یہ ہے اسلامی حدیثوں کی شان اور اسلامی تاریخون کا بیان کہ آجتک معلوم نہین کہ ان تینون بزرگون مین کون صاحب پہلے اسلام لائے ایک حضرت ابوبکر کی سبقت فی الاسلام ثابت کرنیکی کوششون نے حاصکر حدیثون کے دفتر اور تاریخون کے کارنامے سب مہمل اور معطل کردئے کہ صاف صاف پتہ نہ لگے حالانکہ عمران عبسۃ السلمی کے بارے مین خود امام عبدالبر نے استیعاب جلد دوم ص ۴۴۴ مین لکھا ہے کہ عمر ابن عبسۃ السلمی کو ایک شخص نے اہل کتاب مین سے بشارت دی تھی کہ مکہ مین ایک شخص ظاہر ہوگا کہ جو افضل ترین دین لائے گا جب اسکی خبر سنا تو تم اسکی پیروی کرنا یہ شخص مکہ کے قریب آیا کرتا تھا اور آپ کے متعلق برابر لوگون سے دریافت کیا کرتا تھا جب کچھ خبر نہین معلوم ہوتی تھی تو واپس چلا جایا کرتا تھا یہانتک کہ ایک بار کچھ لوگون سے انکو معلوم ہوا کہ ایک شخص مکہ مین پیدا ہوا ہے جس نے دین آبائی کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ یہ سنکر عمران عبسۃ السلمی مکہ مین آئے فسئلتہ عنہ فوجدتہ مستخفیًا و وجدت قریشًا الباً علیہ لوگون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت صلعم مخفی ہین۔ اور تمام قریش نے آپ کی مخالفت کی ہے" یہ واقعہ صاف صاف بتلا رہا ہے کہ بہت پیچھے کا ہے پھر سابقیت کا دعویٰ کیسا؟ ابن ہشام اور طبری کے رابعًا اور خامسًا کی حقیقت بربانی پھیر دیا المولف اولاد حیدر عفی عنہ۔

حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانیکے بعد۔ اونھین کی تحریک و ترغیب سے اسلام کو قبول کیا تھا وہ حضرت عثمانؓ ۔ طلحہؓ ۔ زبیرؓ وغیرہم آٹھ حضرات تھے ۔ ان حضرات کو بھی سابقین مین شمار کیا گیا ہے لیکن تعجب ہے کہ اونکو شمار تو کرلیا ہے لیکن نمبر شمار نہین بتلایا ہے لطف تو یہ بالاتر ہے کہ ان لوگوں کے بعد جو حضرات مشرف باسلام ہوئے خالد بن سعیدؓ ابوذرؓ اور عمر ابن عبسہ ۔ اونکو شمار بھی کیا ہے اور اونکا نمبر شمار بھی بتلایا ہے ۔ چنانچہ ابن ہشام اور طبری سے ترجمہ و خلاصہ کر کے شبلی صاحب لکھتے ہین ۔

حضرت ابوبکرؓ دولتمند ۔ ماہر انساب ۔ اصحاب الرائے اور فیاض تھے ۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو انکے پاس چالیس ہزار درہم تھے ۔ غرضکہ ان اوصاف کی وجہ سے مکہ مین اونکا عام اثر تھا ۔ اور معززین شہر اُن سے ہر باب مین مشورہ لیتے تھے ۔ ارباب روایت کا بیان ہے کہ صحابہ کبار مین سے حضرت عثمانؓ ۔ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص ۔ حضرت طلحہؓ سب انھین کی ترغیب و ہدایت سے اسلام لائے ۔ بحوالہ اصابہ فی احوال الصحابہ ۔

اس تفصیل و بیان سے ان حضرات کی حقیقت قبول اسلام تو ضرور معلوم ہوئی لیکن نہ انکے قبول اسلام کا وقت و زمانہ معلوم ہوا اور نہ نمبر شمار و تعداد ۔ بخلاف انکے حضرت ابوذرؓ ۔ خالد بن سعید وغیرہ کے مشرف باسلام ہونے کی کیفیت اگرچہ ان لوگون کے بعد لکھی گئی ہے لیکن صاف صاف لکھکر بتلا دیا گیا ہے کہ یہ حضرات چوتھے یا پانچوین نمبر کے بزرگوار تھے اسلئے مورخین و محدثین کا ان حضرات کے لئے شمار اور عدد خاص قایم کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ حضرات اون لوگون کے اسلام لانے سے ضرور پہلے اسلام لا چکے تھے ۔ اس بنا پر ۔ ابوذرؓ ۔ خالدؓ بن سعید وغیرہ حضرت عثمان طلحہ اور زبیر وغیرہم سے سبقت اسلام مین مقدم تھے ۔

ہم ان سعادتمندان ازلی مین سے چند بزرگوارون کے تفصیلی حالات ذیل مین قلمبند کرتے ہین ۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسلام لانا ۔ امام عبدالبر استیعاب جلد اول مین لکھتے ہین ۔

عن ابی جمرۃ عن ابن عباس لما بلغ اباذر مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمکۃ قال لاخیہ انیس ارکب الیٰ ھذا الوادی واعلم لی ھذا الرجل الذی یزعم انہ یاتیہ الخبر من السماء واسمع قولہ ثم ائتنی وانطلق الاخ حتی قدم مکۃ وسمع من قولہ ثم رجع الی ابوذر فقال رأیتہ یامر بمکارم الاخلاق وسمعت منہ کلاما ماھو بالشعر فقال ما اشفیتنی فیما اردت متزود وحمل شنۃ لہ فیھا

ابی حمزہ ابن عباس کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ مین مبعوث ہونیکی خبر ابوذر غفاری کو معلوم ہوئی تو ابوذرؓ نے اپنے بھائی انیس سے کہا کہ اوس وادی مین جاکر اوس آدمی کی خبر لاؤ جسکو یہ زعم ہے کہ آسمان سے اوسکے پاس خبر آتی ہے تم اوسکے قول کو سُن آؤ ۔ اور واپس آکر مجھسے بیان کرو اونکے بھائی انیس وہان سے چلے ۔ مکہ مین آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو سُنا اور حضرت ابوذر کے پاس واپس جاکر کہنے لگے کہ مین نے انکو دیکھا اُنکے اقوال وارشاد کو بالکل مکارم اخلاق کے اصول پر مبنی پایا اور

ماء حتی قدم مکة فاتی المسجد فالتمس النبی صلعم
ولا یعرفه وکره ان یسأل عنه حتی ادرکه اللیل فاضطجع
فرآه علی ابن ابی طالب وقال کان الرجل غریب قال نعم
قال انطلق الی المنزل فانطلقت معه لا یسألنی عن شیٔ
ولا اسأله قال فلما اصبحت من الغد جئت الی المسجد
فبقیت یومی حتی امسیت وسرت الی مضجعی فمر بی علی
فقال اما آن للرجل ان یعرف منزله فاقامه وذهب به وما
یسأل واحد منهما صاحبه عن شیٔ حتی اذا کان یوم
الثالث فعل مثل ذلک فاقامه علی معه ثم قال له الا
تحدثنی ما الذی اقدمک هذا البلد قال ان اعطیتنی عهدا
او میثاقا لترشدنی فعلت ففعل فاخبره علی رضی الله
عنه انه حق وان ما جاء به حق وانه رسول الله صلی الله
علیه وسلم فاذا اصبحت فاتبعنی فانی ان رأیت شیئا اخاف
علیک قمت کانی اریق الماء فان مضیت فاتبعنی حتی
تدخل معی مدخلی قال فانطلقت اقفوه حتی دخل علی رسول الله
صلعم ودخلت معه وحییت رسول الله صلعم بتحیة الاسلام فقلت السلام
علیک یا رسول الله وکنت اول من حیاه بتحیة الاسلام فقال علیک
السلام من انت قلت رجل من بنی غفار فعرض علی الاسلام
فاسلمت وشهدت ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله
فقال رسول الله صلعم ارجع الی قومک فاخبرهم واکتم
امرک من اهل مکة فانی اخشاهم علیک فقلت والذی
نفسی بیده لاصرخن بها بین ظهرانیهم فخرج حتی اتی
المسجد فنادی باعلی صوته اشهد ان لا اله الا الله
واشهد ان محمدا رسول الله فثار القوم علیه فضربوه حتی
اضجعوه واتی العباس فاکب علیه وقال ویلکم الستم

کلام میں ایسی تیزی پائی جو اشعار عرب میں نہیں پائی جاتی یہ سنکر حضرت
ابوذر نے فرمایا کہ تاوقتیکہ میں خود وہاں نجاؤں میری خاطر خواہ تسکین و
تشفی نہیں ہوتی پس اسیوقت وہ روانہ ہوئے اور صرف ایک چھوٹی سی توشہ
دان اپنے ساتھ لے لی جسمیں پانی بھر لیا اور مکہ کے مسجد الحرام میں داخل ہوئے
آنحضرت صلعم کی زیارت سے مشرف تو ہوئے مگر آپ کو پہچان نہ سکے اور نہ کسی سے
پوچھنے کی جرأت ہوئی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی وہ وہیں لیٹ رہے انکو اسحالت
میں دیکھکر حضرت علی ابن ابیطالب ان سے آکر دریافت کیا کہ تم کوئی مرد
مسافر ہو۔ بولے ہاں علی نے کہا کہ میرے ساتھ چلو ابوذر کا بیان ہے کہ
میں وہاں سے اوٹھکر آپ کے مکان پر آیا مگر میں نے نہ آپ سے پوچھا اور نہ
آپ مجھ سے کچھ استفسار فرمایا یہانتک کہ صبح ہو گئی اور پھر میں صبح سے مسجد میں
آکر تمام دن بیٹھا رہا یہانتک کہ شام ہو گئی۔ تو پھر میں اپنی خوابگاہ کی
طرف واپس آیا اور پھر حضرت علی میرے پاس آئے اور کہا کہ اس شخص کی
حالت پر تعجب ہے کہ یہ میرے ساتھ تو مقیم ہے اور میرے ہی ساتھ آتا
جاتا ہے لیکن باایں ہمہ آج تک مجھ سے کسی امر کے متعلق نہیں پوچھا۔ جب تیسرا
دن ہوا اور اوسدن بھی اور دونوں کے ایسا ہی ہوا تو پھر حضرت علی بن
ابیطالب میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے آیا تم مجھ سے اس شہر میں
اپنے آنیکا کچھ سبب کہ سکتے ہو ابوذرؓ نے کہا ہاں البتہ مگر آپ مجھ سے یہ عہد و
پیمان کر لیجئے کہ آپ مجھے ہدایت پانیکے طریقے بتلا دینگے کہ میں اسکے
مطابق تعمیل کروں پس حضرت علیؓ نے مجھے بتلایا کہ وہ بزرگ نبی اللہ ہیں اور جو کچھ
اونپر جانب سے نازل فرمایا ہے سب صحیح و برحق ہے اور وہ جناب حدیث کیطرف سے
عہدہ رسالت پر مامور فرمائے گئے ہیں جب صبح ہو تو تم ہمارے ساتھ چلنا
اگر میں تمہارے لئے کسی شی کا خوف دیکھونگا تو آب افتادہ کیطرح ٹھہرا
رہونگا اسکے بعد تم میرے ساتھ ساتھ آنا اور جہاں میں جاؤں وہاں جانا
ابوذرؓ کہتے ہیں پھر آپ چلے تو میں آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا یہانتک کہ آپ
جناب رسولخدا صلعم کی خدمت میں آئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ

تعلمون انه من غفار وان تجارتکم الی الشام وانقذوه منهم ثم عاد من الغد لمثلها وثاروا الیه فضربوا فاکب علیه العباس فانقذه ثم لحق بقومه فکان هذا اول اسلام ابوذر الغفاری[۱] استیعاب جلد اول

استیعاب جلد اول

حاضر خدمت ہوا میں نے بطریقہ اسلام آنحضرت صلعم کو سلام کیا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ اور میں پہلا شخص ہوں جسنے طریقہ و آداب اسلام کے مطابق آنحضرت صلعم کو سلام کیا۔ میرے جواب میں آنحضرت صلعم نے فرمایا تم کون ہو۔ میں نے عرض کی کہ میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی ہوں۔ اسکے بعد آپ نے حقیقت اسلام مجھپر ظاہر کی اور میں اسلام سے مشرف ہوا کلمہ شہادت پڑہا اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدان محمدا رسول اللہ۔ پھر اسکے بعد آنحضرت صلعم نے مجھسے فرمایا کہ اب تم اپنے قبیلہ کیطرف واپس جاؤ اور اپنے اسلام لانیکے معاملہ کو اہل مکہ سے پوشیدہ رکھو کیونکہ یہ لوگ سن لیں گے تو تمپر ظلم و ستم کریگے۔ ابوذر رض نے عرض کی کہ قسم اوسکی کہ جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں تو سب کے سامنے جاکر اس امر کا آواز بلند اعلان کرونگا یہ کہکر وہ آپ کی خدمت سے اوٹھے۔ مسجد میں آئے اور بآواز بلند فرمانے لگے اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدان محمدا رسول اللہ یہ سنتے ہی تمام قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے یہانتک کہ یہ زخمی ہوگئے اس اثنا میں حضرت عباس ابن عبدالمطلب آگئے اور انکے بچالینے کی غرض سے اپر گر پڑے اور مشرکین سے کہنے لگے افسوس ہے تم پر کیا تم نہیں جانتے ہو کہ قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔ یہ قبیلہ تمہارے قافلہ تجارت کی راہ شام پر واقع ہے۔ پھر انکو ان لوگوں کے پنجہ سے چھڑا دیا۔ پھر دوسرے دن صبح کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر مشرکین قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور انکو مارنے لگے۔ حضرت عباس پھر اپر گر پڑے اور اس ترکیب سے انکو بچا لیا اسکے بعد حضرت ابوذر غفاری رض اپنے قبیلہ کیطرف چلے گئے یہ حضرت ابوذر کے اوائل اسلام کے حالات تھے۔

امام عبدالبر لکھتے ہیں

وکان من کبار الصحابة قدیم الاسلام یقال اسلم بعد اربعة فکان خامسا۔ استیعاب جلد دوم ص ۲۶۴

ابوذر رض سبقت اسلام کے اعتبار سے اکابرین صحابہ سے تھے اور کہا جاتا ہے کہ یہ چار آدمیوں احدیجہ، علیؑ، زیدؓ اور ابوبکرؓ کے بعد اسلام لائے اور پانچویں مسلمان ہیں

لیکن شبلی صاحب ہیں کہ خواہ مخواہ انکو چھٹے ساتویں نمبر میں شمار کرتے ہیں۔

استیعاب کی تفصیلی عبارت سے جو اوپر لکھی گئی ہے ثابت ہوگیا کہ اسلام کی معرفت اور بانی اسلامؐ کی تصدیق حضرت ابوذر رض نے اپنی غایت تحقیق سے حاصل کی تھی جو انکے کمال فہم اور حسن عقل و شعور کا کافی ثبوت ہے۔ مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہی حقیقت اسلام کے متعلق نہایت احتیاط سے کامل تین دن تک غور فرماتے رہے اور دربار رسالت تک باریابی کیلئے ایک

[۱] شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی ص ۵۲ میں انکا ذکر کیا ہے مگر اپنی خاص ترکیب اختصار سے کہ حضرت علیؑ کی انکی قبولیت اسلام میں راہنمائی نہ ثابت ہوسکیں شبلی صاحب سے زیادہ مفصل تو صاحب رحمۃ العالمین نے انکے واقعہ کو لکھا ہے جس سے انکے قبول اسلام میں حضرت علیؑ کی راہنمائی پورے طور سے ثابت ہے ہم جانتے ہیں شبلی صاحب کی کوتہ قلمی کے یہ خاص مقامات ہیں لیکن انکو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ امر مولفانہ تدین کے بالکل خلاف ہے۔ آپ نے اُن لوگوں کے حال پر جو حضرت ابوبکر کی تحریک و ترغیب سے مسلمان ہوئے تھے کس تفصیل سے لکھے لیکن یہ سب لوگ چونکہ حضرت علی کی وساطت سے ایمان لائے تھے اسلئے اوسکی تفصیل کی ضرورت نہیں کہ اس ذکر کیساتھ علیؑ کا بھی ضرور ذکر آجائے گا۔ راقم قدیر المولف عفی عنہ

ایسے بزرگ معتبر کو اپنا راہنما بنانا جو مدینۃ رسول کا باب العلم مشہور ہے۔ یہ تمام امور انکی خوش وقتی۔ خوش قسمتی اور خوش انجامی کی دلیل واضح تھے حقیقتاً یہ اسلام کی حقانیت اور روحانیت کے اصلی ثبوت ہین کہ محض ابتدا ہی سے اسکی عظمت و شہرت اس سرعت و عجلت کیساتھ دور دور پھیل گئی کہ طالبان ہدایت اور حاجتمندان حقیقت بڑی بڑی مسافتین طے کرکے آتے تھے۔ اور اسلام سے فیضیاب ہوتے تھے۔

حضرت عمار ابن یاسرؓ اور اونکے قبیلہ کا اسلام لانا حضرت عمار یاسر اور اونکے قبیلہ کے مشرف بایمان ہونے کے متعلق تحریر ہے۔

وجاء الله بالاسلام واسلم یاسر وابنه عمار وامه سمیه وعبد الله اخو عمار بن یاسر وکان اسلامهم قدیما بمکة فی اول الاسلام وکان رضی الله عنهم ممن یعذب فی الله وکان رسول الله صلعم یمر بهم وهم یعذبون فیقول صبرا یا ال یاسر وقد فعلت ومن حدیث ابن شهاب عن اسمعیل بن عبد الله بن جعفر عن ابیه قال مر رسول الله صلعم بیاسر وعمار وام عمار وهم یؤذون فی الله فقال لهم صبرا یا ال یاسر فان موعدکم الجنة استیعاب جلد دوم ص ۴۳۶

جب اسلام کو خدا نے ظاہر فرمایا تو یاسرؓ اونکے صاحبزادے عمار۔ عمار کی ماں سمیّہ عمار کے بھائی عبد اللہ بن یاسر اسلام لائے۔ ان حضرات کا اسلام ابتدائے اسلام ہی سے قدیم تھا۔ اور یہ وہ بزرگوار تھے جن پر خدا کی راہ میں ظالموں کیطرف سے ظلم و عذاب بیحساب کیا گیا تھا جب ان لوگون پر ظلم کیا جاتا تھا تو اتفاق سے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اودہر سے گذرے۔ ان حضرات کو اس عالم مین دیکھکر ارشاد فرمایا کہ اے آل یاسرؓ صبر کرو۔ اے پروردگار تو آل یاسر کو انکے اعمال کے بدلہ مین بخشدے اور ابن شہاب کی روایت کے مطابق اسمعیل ابن عبد اللہ ابن جعفر اپنے باپ کی زبانی نقل کرتے ہین کہ جناب رسول خدا صلعم کا گذر آل یاسر۔ عمار۔ ابن عمار وغیرہم پر ایسے وقت مین ہوا کہ ان لوگون پر ظلم و ستم کیا جا رہا تھا یہ دیکھکر آپ نے فرمایا اے آل یاسر صبر کرو تحقیق تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔

طفیل ابن عمر دوسی کا اسلام لانا۔ مولوی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری زاد المعاد ابن القیم کے حوالہ سے اپنی کتاب رحمۃ العالمین جلد اول مین طفیل ابن عمر دوسی کے متعلق لکھتے ہین۔

انھین دنون طفیل ابن عمر دوسی مکہ مین آیا۔ یہ قبیلہ دوس کا سردار تھا اور نواحی یمن مین اونکی خاندان کی ریاست و حکومت تھی طفیل بذات خود شاعر اور دولتمند شخص تھا۔ اہل مکہ نے آبادی سے باہر جاکر اوسکا استقبال کیا اور اعلی پیمانہ پر اوسکی خدمت اور تواضع کی طفیل کا اپنا بیان ہے کہ مجھے اہل مکہ نے یہ بھی بتلایا تھا کہ جو شخص ہم مین سے نکلا ہی ذرا اوس سے بچے رہنا اوسکو جادو آتا ہے۔ جادو سے ماں باپ بیٹے۔ شوہر و زن اور بھائی بہن مین جدائی ڈالدیتا ہے ہماری جمعیت کو پریشان اور ہمارے کام کو ابتر کر رکھا ہے ہم نہین چاہتے کہ تمہاری قوم پر بھی کوئی ایسی مصیبت پڑے اسلئے ہماری زور سے یہ نصیحت ہے کہ تم نہ اوسکے پاس جانا نہ اوسکی بات سُننا اور نہ خود بات چیت کرنا یہ باتین انہون نے ایسی عمدگی سے میرے ذہن نشین کردین کہ

جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تھا تو کانوں کو روئی سے بند کر لیتا تھا تاکہ محمدؐ کی آواز کی بھنک بھی میرے کان میں نہ پڑے ایک روز میں صبح ہی جانب کعبہ میں گیا نبی صلعم نماز پڑھ رہے تھے چونکہ خدا کی مشیت ایسی ہی تھی کہ اونکی آواز میری سماعت تک ضرور پہونچے۔ اس لئے میں نے سنا کہ وہ ایک نہایت عجیب کلام پڑھ رہے ہیں۔ اوسی وقت میں اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں خود شاعر ہوں باعلم ہوں۔ اچھے برے کی تمیز رکھتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے اور کونسی روک ہے کہ میں انکی بات نہ سنوں اچھی بات ہوگی تو مانوں گا۔ ورنہ نہیں مانونگا۔ میں یہ ارادہ کرکے ٹہیر گیا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گھر کو چلے تو میں بھی پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اور جب حاضر ہوا تو نبی صلعم کو اپنا واقعہ مکہ میں آنے کا۔ لوگوں کے بہکانے یعنیہ درگوش نہ سننے اور آج حضور کی زبان سے کچھ سن پانے کا کہہ سنایا۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی بات سنایئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑہا۔ بخدا۔ میں نے ایسا پاکیزہ کلام کبھی سنا ہی نہ تھا جو اسقدر نیکی اور انصاف کی ہدایت کرتا ہو۔

الغرض طفیل اوسیوقت مسلمان ہو گیا۔ جیسے قریش بات بات میں مطاع و مخدوم کہتے تھے وہ بات کی بات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل وجان سے خادم اور مطیع بنگیا۔ قریش کو ایسے شخص کا مسلمان ہونا نہایت شاق اور ناگوار گذرا۔ بحوالہ زاد المعاد جلد اول صفحہ ۴۹۳ و ۴۹۴

ضماد بن ثعلبہ ازدی کا اسلام لانا | مولوی شبلی صاحب سیرۃ النبی جلد اول میں بذیل تذکرہ ضماد بن ثعلبہ ازدی رضہ تحریر فرماتے ہیں۔

ضماد بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں تھے نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جارہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے مکہ کے کفار آنحضرت صلعم کو مجنون کہتے تھے۔ لونڈوں کا غول دیکھکر ضماد نے بھی یہی خیال کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ محمد (صلعم) میں جنون کا علاج کرسکتا ہوں۔ آنحضرت صلعم نے حمد و ثنا کے چند موثر جملے ادا کئے۔ ضماد مسلمان ہو گئے۔

اس واقعہ کا مختصر اذکر امام نسائی اور مسلم نے بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل جلد اص ۳۰۲ میں مرقوم ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۴۳ بحوالہ اصابہ۔ استیعاب امام عبد البر مکی جلد دوم مطبوعہ حیدرآباد۔

خالد بن سعید بن العاص کا اسلام لانا | امام عبد البر استیعاب میں بذیل تذکرہ خالد ابن سعید بن العاص لکھتے ہیں

خالد ابن سعید بن العاص یکنی ابا سعید اسلم قدیما یقال انه اسلم بعد ابوبکر الصدیق فکان ثالثا او رابعا وقیل کان خامسا وقال ضمرۃ ابن ربیعه کان اسلم خالد قبل ابوبکر الصدیق	خالد ابن سعید بن العاص جنکی کنیت ابا سعید ہے قدیم الاسلام میں کہا گیا ہے کہ وہ ابوبکر الصدیق کے بعد ایمان لائے۔ اسلئے وہ تیسرے مسلمان ہیں یا چوتھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پانچویں مسلمان ہیں۔ ضمرہ ابن ربیعہ کا بیان ہے کہ خالد ابوبکر صدیق کے ہمراہ ایمان لائے۔

انھیں سابقین اسلام میں مقداد ابن جندب۔ خباب بن الارث۔ سعید بن زید بن ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون۔ عبیدہ۔ بلال۔ ابوفکیہہ اور صہیب رومی بھی داخل ہیں۔

مقداد ابن جندب کا اسلام شبلی صاحب کی کوتہ قلمی بڑی موقع شناس ہے۔ سابقین اسلام میں آپ فرداً فرداً تمام حضرات کا نام لکھکر بتلا گئے۔ لیکن حضرت مقداد ابن جندب کا بھولے سے بھی کہیں نام نہیں لیا گیا حالانکہ استیعاب میں ابن عبدالبر میں۔ جو وقت تالیف آپ کے ہمیشہ پیش نظر تھی۔ یہ عبارت صاف صاف لکھی ہوئی ہے۔

اول من اظہر الاسلام سبعۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وابوبکر وعمار وامہ سمیہ وصہیب وبلال والمقداد جلد اول ص ۵۹	پہلے سات آدمیوں نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ابوبکر۔ عمار۔ اور اون کی ماں سمیہ۔ صہیب بلال اور مقداد۔

تین برس تک تبلیغ رسالت کی مخفی انتظام پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اسلام کی تبلیغ نے جس تیزی سے کامیابی حاصل کی اور اوس کی تعلیم نے جیسی جلد جلد ترقی پائی ویسی کسی دوسرے مذہب نے نہیں۔ بعثت سے چند دنوں میں ان سعادتمندوں نے جنکے نام اوپر لکھکر بتلا دیے گئے ہیں۔ اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت سے شرفیابی اور بہرہ اندوزی حاصل کی واقعات بتلا رہے ہیں کہ انہیں زیادہ تر وہی حضرات ہیں جنکو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی خاص تعلق اور واسطہ بھی نہیں تھا یہ صرف اسلام کی حقانیت تھی۔ اور جناب سید الانام علیہ السلام کی تعلیم کی پاک روحانیت جنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے روحانی فیوض کا اتنا اثر پہونچایا کہ تمام بیگانے عقیدت اور محبت میں اپنے اور یگانے نظر آنے لگے اسلام کی یہ کامیابی کچھ اپنے ہی وطن اور اہل وطن تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ اوسیوقت سے دور دراز مقامات میں آپ کی مقدس تبلیغ اور پاک تعلیم کی شہرت ہُوئی۔ وہ لوگ جو عرصہ سے انوار حق کے متلاشی تھے حاضر ہو ہو کر شرفیاب اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاری۔ طفیل ابن عمرو دوسی۔ ضماد بن ثعلبہ ازدی۔ عمرو ابن عبسۃ السلمی وغیرہم انھیں سعادتمندان ازلی میں تھے لیکن بقول شبلی صاحب کے یہ جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہُوا۔ نہایت احتیاط کیجاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ تاریخ طبری میں ہے۔

فی السنین الثلث من مبعثہ الی ان امر باظہار الدعاء الی اللہ مستترا مخفیا امرہ وانزل علیہ وانذر عشیرتک الاقربین۔	بعثت سے تین برس تک حضرت کو حکم تھا کہ اپنے امر کو بطور راز مخفی رکھیں اسکے بعد (تین برس گذر جانے پر) آیہ وانی ہدایہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ مندوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ) کے مطابق۔ اظہار امر کا حکم نازل ہوا

حدیث و تاریخ کی متفقہ مرویات سے ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین الٰہی کی تعلیم و تعمیل کی دونوں صورتوں کو نہایت حزم و احتیاط سے مخفی رکھا کرتے تھے منشاء قدرت بھی یہی تھا اور مقتضائے مصلحت بھی یہی۔ دین الٰہی کی تعلیم و تلقین تو خلوت کی صحبتوں میں ہوتی تھی۔ جن میں وقتاً فوقتاً لوگ حاضر ہو کر شرف باسلام ہوا کرتے تھے

یہ حاضری بھی بڑی حفظ و احتیاط کے ساتھ ہوتی تھی۔ عمرو ابن عبسۃ السلمی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف امور تبلیغ ہی کے مخفی رکھے جانے کا حکم نہیں تھا بلکہ ذات مقدس کو نظر عام سے محفوظ رکھنے کا بھی خاص طور پر فرمان تھا۔ اس لئے کہ تعلیم ایمان سے تحفظ جان مقدّم تھا۔

خلوت کی یہ مخفی تعلیم بعد بعثت۔ وقت نزول آیہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین (اپنی رسالت کے امور مخفی کو ظاہر کرو اور مشرکین سے علحدہ رہو) سے شروع ہوئی اور آیہ وانذر عشیرتک الاقربین (اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈراؤ) کے وقت نزول تک قایم رہی۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلعم ہی کے حزم و احتیاط اور صبر و ثبات کا یہ حوصلہ تھا اور آپ ہی کے عزم و استقلال کی یہ ہمت کہ کفار و مشرکین کے درمیان بتیس دانتوں میں ایک زبان بنکر اپنی ذمہ داری کو ایسی رازداری اور خبرداری کے ساتھ من احسن الوجوہ انجام دیے گئے۔ اور انھیں مخفیانہ طریقے اور رازدارانہ ذریعے سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے سلسلہ کو برابر جاری رکھا یہاں تک کہ تین برس میں مسلمانوں کی معتدبہ جماعت تیار ہو گئی۔

حدیث و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ فرائض اسلام میں پہلے دو رکعت نماز کی تعلیم فرشتہ غیب سے آنحضرت صلعم کو پہونچائی گئی۔ چنانچہ طبری لکھتے ہیں۔

وجوب نماز: ان الصلوٰۃ حین افترضت علی رسول اللہ صلعم اتاہ جبرئیل وھو باعلی مکۃ فھمز لہ بعقبۃ فی ناحیۃ الوادی فانفجرت منہ عین فتوضأ جبرئیل علیہ السلام ورسول اللہ صلعم ینظر الیہ لیریہ کیف الطھور للصلوٰۃ ثم توضأ رسول اللہ صلعم کما رای جبرئیل ع توضأ ثم قام جبرئیل ع فصلی بہ وصلی النبی صلعم بصلاتہ ثم انصرف جبرئیل ع فجاء رسول اللہ صلعم خدیجۃ فتوضأ لھا یریھا کیف الطھور للصلوٰۃ کما اراہ جبرئیل فتوضأت کما توضأ رسول اللہ ثم صلی بھا رسول اللہ صلعم کما صلی بہ جبرئیل ع فصلت بصلاتہ مرہ ۱۱

جب فریضہ نماز کے وجوب کا حکم ہوا تو حضرت جبرئیل ع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ اوسوقت مکہ کے بالائی حصہ میں تھے حضرت جبرئیل ع آپ کو اوس وادی کے ایک طرف گھاٹی میں لے گئے اور وہاں ایک چشمہ جاری کرکے پہلے جبرئیل ع نے وضو کیا۔ اور آنحضرت صلعم اونکی وضو کے طریقہ و عمل کو دیکھتے رہے کہ وہ نماز کے لئے طہارت کا کیسے سامان کرتے ہیں۔ پھر اون کے بعد آپ نے اوسی طرح وضو کیا۔ جیسا جبرئیل کو دیکھا تھا پھر جبرئیل ع نے نماز پڑھی اور آنحضرت صلعم نے بھی ویسی ہی پڑھی۔ پھر وہاں سے آپ واپس ہوکر گھر میں تشریف لائے۔ حضرت خدیجہ ع کے سامنے اوسی طریقہ سے وضو کیا جسطرح جبرئیل کو وضو کرتے دیکھا تھا۔ پھر حضرت خدیجہ ع نے بھی اوسی ترکیب و عمل سے وضو کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے حضرت خدیجہ ع کے ساتھ اوسی طرح نماز پڑھی جس طرح حضرت جبرئیل ع کے ساتھ پڑھی گئی تھی۔"

یہانتک تو ہم نے مخفی ذریعہ سے دین الٰہی کی تعلیم و تبلیغ کے حالات لکھدیے اب ہم اوسکے فرائض و واجبات کے حالات لکھتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب رقمطراز ہیں

ان ایام (اخفا) میں جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور

وہان اپنی نماز ادا کرتے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی مین ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جاری تھی۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھتے تھے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آنکلے۔ انکو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا یہ کون دین ہے آپ نے فرمایا ہمارے دادا حضرت ابراہیمؑ کا یہی دین تھا۔ ابوطالب نے کہا مین اسکو اختیار تو نہین[1] کر سکتا۔ لیکن تمکو اجازت ہے۔ اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہو سکیگا

پہلے غربا نے امت نے دعوت اسلام قبول کی

شبلی صاحب اس مقام پر سابقین اسلام کی غربت و افلاس مین مشرف باسلام ہونے کو اسلام کی حقانیت کا کافی ثبوت ٹھیرایا ہے اور اس سرعت و عجلت کے ساتھ اس مقدار و حیثیت کے لوگون مین تبلیغ اسلام کے ترقی کرنے سے مخالفین اسلام کے اس مفویانہ تعریض کا جواب تردیدی نکالا ہے جو عالم مذہبی کی غرض خاص سے دنیا کو یہ تبلاتے ہین کہ معمورۂ عالم مین مذہب اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم انکی تحریر کو قابل نقل سمجھکر ملخصاً ذیل مین قلمبند کرتے ہین۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اسکو ذریعہ تلوار بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کتاب کے دوسرے حصہ مین آئے گی لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہئیے یعنی یہ کہ اوائل اسلام مین جبکہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دہونا تھا۔ کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے۔ یہ امر سب مین مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم مین سے کوئی منصب نہین رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے۔ مثلاً عمارؓ۔ خبابؓ۔ ابوفکیہہؓ صہیبؓ وغیرہ جنکو دولت و جاہ کے دربار مین جگہہ ہی نہین مل سکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگون کو لیکر حرم مین جاتے۔ تو رؤساء قریش ہنسکر کہتے تھے۔ اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا یہی وہ لوگ ہین جن پر خدا نے ہم لوگون کو چھوڑکر احسان کیا ہے کفار کے نزدیک انکا افلاس انکے تحقر کا باعث تھا لیکن یہی چیز تھی جسکی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے انھین کے ہاتھ آسکتی تھی۔ دولت و مال انکے قلب کو سیاہ نہین کرچکا تھا۔ فخر و غرور انکو انقیاد حق سے روک نہین سکتا تھا۔ انکو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دین گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرضکہ ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے اور حق کی شعاعین ان پر دفعتاً پرتو فگن ہو سکتی تھین۔ یہی سبب ہے کہ انبیا کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوا کرتے تھے عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے معاصرین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا۔

ما نراك اتبعك الا الذين هم اراذلنا بادي الرأي وما نرى لكم علينا من فضل بل نظنكم كاذبين	ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہین کہ تیری پیروی انھیں لوگوں نے کی جو رذیل ہین اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہین پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہی کہ تم سب جھوٹے ہو

ان نادار ان قوم کی سبقت فی الاسلام کے اسباب و علل مین جیسا کہ شبلی صاحب کا مختار ہے سوائے انکی خلوص و

[1] یہ فقرہ عالم موضوعیت کی خاص ایجاد ہے۔ مؤلف

صحت کے اور کون سا باعث بتلایا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر مخالفین کا یہ معاندانہ خیال کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا کسقدر لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے کیونکہ ابھی تو اسلام کی تبلیغ کے لئے ظاہری اعلان کا حکم بھی نہیں ہے۔ بانیٔ اسلام علیہ السلام تعلیم ایمان سے پہلے اپنی حفاظت جان قایم رکھنے کی بنا پر محض خلوت اور مخفی مقامات مین دین الٰہی کی تعلیم اور واجبات مذہبی کی تعلیم کے لئے بڑی تاکیدوں کے ساتھ مامور فرمائے گئے ہیں۔ ابھی تو نہ اسلام کے ہاتھ مین تلوار ہے نہ اوسکی کوئی فوج ہے اور نہ کوئی رسالہ تیار۔ صرف اوسکی اعجاز بیانی اور صدق زبانی اور محاسن اخلاق کی یہ تاثیر ہے کہ جو سنتا ہے وہ اوسکا مطیع و منقاد ہو جاتا ہے ایسی حالت مین معترضین اون لوگون کی قبول اسلام کا ذریعہ تلوار کی دہار کو کیسے بتلا سکتے ہین۔ جو کل تین برس کے اندر سیکڑون کے تعداد مین۔ مکہ معظمہ اور اوس کے گرد و نواح سے آآکر مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

مخالفین اسلام اگر تھوڑی دیر کیلئے تعصب کا حجاب اپنی آنکھون کے سامنے سے اوٹھا دین تو حقیقت حال کا نہایت آسانی سے مشاہدہ کر سکتے ہین۔ اسلام نہ کوئی نئی شریعت لایا ہے۔ اور نہ اوس نے اپنے نصاب و حکم شرعیہ کی نسبت کسی نوعیت کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام انبیاء و مرسلین گذشتہ کی بشارتین اور شریعتین ثابت اور کامل کر دینے کیلئے نازل کیا گیا ہی۔ اس لئے ضرور ہے کہ اسکے تمام تعلقات ابتدا سے لیکر انتہا تک قریب قریب تمام شریعتہائے سابقہ سے مطابق ہون۔ امم سابقہ کی گذشتہ مثالون سے کما حقہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ جس طرح انبیائے سابقین پر پہلے ایمان لانے والے زیادہ تر نادار اور مفلوک الحال افراد ملک و قوم ثابت ہوئے ہین۔ اوسی طرح اسلام کی ابتدائے تبلیغ و تعلیم کے ایام مین بھی علی الاکثر یہی حضرات دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ہم اس سے زیادہ اس بحث کو اس مقام پر طول دینا قبل از وقت سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ اسکی تفصیلی بحث اپنے مقام مناسب پر قلمبند کیجائے گی۔

ابتدا مین اظہار اسلام کی مضرت۔ اسکی صاحب ابن اثیر کے اسناد سے اوپر لکھ چکے ہین کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز چاشت حرم محترم مین جاکر پڑہا کرتے تھے۔ اسلئے کہ یہ نماز مذہب قریش مین بھی جاری تھی۔ اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مشرکین قریش کو آنحضرت صلعم کے امور سے انکار تو ضرور تھا لیکن یہ اکراہ و انکار مخالفت اور مخاصمت کی مہیب صورتون مین ابھی تک تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ اپنی جہالت و ضلالت کی تقاضہ سے طعن و تشنیع اور تعریض کے کلمات بکتے اور اسلام پر آوازہ کستے رہتے تھے جیسا کہ اھٰؤلاء من اللہ علیہم جیسا کے الفاظ تعریضی سے صاف ظاہر ہے۔ لیکن وہ خطاپوش و عطاپاش عالم رحمۃ للعالمین مجسم صلی اللہ علیہ و آلہ الاکرم منشور الٰہی و اعرض عن المشرکین کے مطابق۔ اونکی ان جاہلانہ حرکات پر کوئی توجہ اور اعتنا نہ فرماتا تھا۔ اور نہایت صبر و سکوت اور ثبات و استقلال سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اوسکے خاموشانہ انداز و طریق تبلیغ نے آہستہ آہستہ تھوڑے دنون کے اندر معتقدین کی معتدبہ جماعت قایم کر لی لیکن اتنی زد کامیابی پر بھی اوسکی خموش استقلال نے اپنی طرف سے پرجوشی کے کسی اظہار کو نہ مصلحت وقت سمجھا اور نہ مناسب مقام اوس کا عزم بالجزم

اوسی استقلال و پامردی سے کام کرتا گیا اور اپنی ترقی اور توسیع تبلیغ کا قدم آگے بڑھاتا گیا۔

لیکن پرجوش معتقدین سے اپنی روز کامیابی کے جذبات نہ رک سکے۔ اور وہ اسلام کے امور کو زیادہ مخفی رکھا جانا فطرت عامہ کے اصول معمول کے مطابق اپنی کمزوری۔ اپنا ضعف اور کسر شان سمجھنے لگے۔ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ اسلام کے اعلان پر اصرار کرنے لگے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا کی مصلحت کو خدا جانتا ہے۔ یا اوس کا رسول معمولی طبیعتیں اسرار قدرت نہیں ہو سکتیں اسلئے وہ قدرت کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں اونکی اصرار پر قدرت کا رازدار منصب رسالت کا ذمہ دار برابر انکار فرماتا گیا۔ وہ انکے اصرار اور اپنے انکار کی حقیقت و مصلحت کو پورے طور سے جانتا تھا اور اوس عمل پیرا ہوتا تھا۔ لیکن عقیدت مندوں کی معمولی طبیعتوں میں حقیقت شناسی کے اتنے جوہر کہاں تھے جو اوسکے منافع او ضرر کو بخوبی سمجھ سکتے۔ اسکی مثال حضرت ابوبکرؓ کے مصائب کا مفصلہ ذیل قصہ ہے۔ جو حضرت حمزہؓ کے عین اسلام لانے والے دن واقع ہوا جسکو ہم تاریخ الخمیس کی عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

وفی المنتقی وکان حمزۃ بن عبد المطلب اسلم یوم ضرب ابوبکر وذلک ان اصحاب رسول اللہ صلعم ورضی اللہ عنہم لما اجتمعوا وکانوا تسعۃ وثلثین رجلا الح ابوبکر علی رسول اللہ صلعم فی الظہور فقال یا ابابکر انا قلیل فلم یزل یلح علیہ حتی ظہر رسول اللہ فی نواحی المسجد وقام ابوبکر فی الناس خطیبا ورسول اللہ صلعم جالس وکان اول خطیب دعا الی اللہ عزوجل والی رسولہ وثار المشرکون علی ابوبکر وعلی المسلمین یضربونہم فی نواحی المسجد ضربا شدیدا و وطئوا ابوبکر وضرب ضربا شدیدا ودنا منہ الفاسق عتبۃ بن ربیعۃ فجعل یضربہ بنعلین مخصوفتین ویحرفہما بوجہہ واثر علی وجہ ابی بکر حتی ما یعرف انفہ من وجہہ وجاءت بنو تیم واجلوا المشرکین عن ابی بکر وحملوا ابابکر فی ثوب حتی ادخلوہ بیتہ

جلد اول ص ۳۳۲ مطبوعہ مصر

کتاب منتقی میں مرقوم ہے کہ اسلام حمزہ ابن عبد المطلب اوس روز واقع ہوا جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے مار کھائی وجہ یہ ہوئی کہ جب اصحاب رسولؐ کی تعداد انتالیس ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کرنا شروع کیا کہ اب آپ ظہور فرمائیں حضرت نے فرمایا اے ابوبکر ابھی ہم قلیل التعداد ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نہیں مانے اور اپنا اصرار بڑھاتے رہے۔ یہانتک انکا اصرار بڑھا کہ بالآخر حضرتؐ نے نواحی مسجد میں ظہور فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پہلا خطبہ تھا جو خدا اور رسولؐ کی دعوت کے متعلق پڑھا گیا۔ جناب رسولخداؐ خاموش بیٹھے ہوئے تھے اسپر گروہ مشرکین میں جو لوگ موقع پر موجود تھے اسقدر ہیجان ہوا کہ وہ سب کے سب حضرت ابوبکرؓ اور دیگر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ایکبارگی ٹوٹ پڑے عتبہ بن ربیعہ فاسق نے حضرت ابوبکر کے قریب آکر پاؤں سے جوتے نکالے جو بیوند اڑتی اور اس ترکیب سے مارنا شروع کیا کہ جدھر بیوند ہوتا تھا اوسی کو چہرے کیطرف گھما دیتا تھا جس سے حضرت ابوبکر کا چہرہ ایسا سوج گیا تھا کہ چہرے پر ناک نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس اثنا میں بنو تیم اسکے قبیلہ والے آگئے اور مشرکین سے چھڑا کے ایک چادر میں اوٹھا کر انکو گھر لے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کتمان ایمان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے تھے اس لئے اونھوں نے اسکے اظہار پر اصرار فرمایا حالانکہ جناب رسولخدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخفاو کتمان کی مصلحتوں کو سمجھکر انکو انکے غلط اصرار سے برابر سمجھاتے رہے لیکن چونکہ یہ رازدار قدرت اور واقف کار حقیقت نہیں تھے۔اس لئے نہ مانے نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی مصیبت میں پڑے اور دیگر مسلمانوں کے لئے مصائب و شدائد کا فتح الباب کر گئے۔

یہ تو تبلیغ اسلام کے حدود میں معتقدین کی بیجا مبادرت قریش کی اشتعال طبعی خصومت اور اذیت اہل اسلام و اتلاف اسلام کا باعث ثابت ہوئی۔اسی کے ایسا ایک دوسرا امر باعاقبت اندیشانہ طریقہ سے سعد ابن ابی وقاص کے ہاتھوں اسلام کی تعمیل واجبات کے متعلق سرزد ہوا۔جو اوسی تاریخ کی مفصلہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

وكان اصحاب رسول الله صلعم اذا صلوا ذهبوا الى الشعاب فاستخفوا من قومهم فبينما سعد بن ابى وقاص فى نفر من اصحاب النبى صلعم فى شعب من شعاب مكة اذ ظهر عليهم نفر من المشركين وهم يصلون فناكروهم وعابوا عليهم ما يصنعون حتى قاتلوهم فاقتتلوا فضرب سعد بن ابى وقاص رجلا من المشركين بلحى من جمل فشجه فكان اول دم اهريق فى الاسلام۔

اصحاب رسول اللہ صلعم اس زمانہ میں جب نماز پڑھتے تو پہاڑوں کی دروں میں جاکر اپنی قوم سے چھپکر نماز پڑھا کرتے تھے ایکمرتبہ سعد بن ابی وقاص صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ادہر سے کفار قریش کا گذر ہوا۔انلوگوں نے انکی نماز پر استہزا و تمسخر کیا۔یہانتک کہ جانبین سے لڑائی کی نوبت پہونچ گئی چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے اونٹ کی ہڈی اوٹھا کر ایک کافر کو مارا جس سے اوسکا سر زخمی ہوگیا یہ پہلا خون ہے جو اسلام میں بہایا گیا۔جلد دوم ص ۲۱۱

عبداللہ ابن مسعود صحابی نے بھی اوائل اسلام میں ایسے ہی جرأت بیجا کی تھی جسکی مفصل کیفیت ہم تاریخ طبری کی عبارت سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

اجتمع يوما اصحاب رسول الله صلعم فقالوا والله ما سمعت قريش هذا القرآن يجهر لها به قط فمن رجل يسمعهموه فقال عبد الله بن مسعود انا قالوا انا نخشاهم عليك انما نريد رجلا له عشيرة يمنعونه من القوم ان ارادوه فقال دعونى فان الله سيمنعنى قال فغدا ابن مسعود حتى اتى المقام فى الضحى وقريش فى انديتها حتى قام عند المقام ثم قال بسم الله الرحمن الرحيم رافعا بها صوته الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان ثم استقبلها يقرؤها قال فتاملوا وجعلوا يقولون

ایکبار اصحاب جناب رسول اللہ صلعم جمع ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ابھی تک قریش نے بلند اور واضح آواز سے قرآن نہیں سنا ہے ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جو انکو قرآن بلند آواز سے جاکر سناوے عبداللہ ابن مسعودؓ بولے وہ میں ہوں۔اصحاب نے کہا تمہاری طرف سے ہمکو خوف ہے اسلئے کہ قریش میں سے کوئی صاحب قبیلہ اوٹھکر تمہارے ارادہ میں تمہارے ساتھ مزاحمت کرے اور تمکو مار رکھے عبداللہ بولے آپ حضرات مجھے چھوڑ دیں خدا میری اعانت کریگا صبح ہوئی تو حرم محترم میں گئے اور مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے بسم اللہ کہی اور سورہ رحمان کی تلاوت شروع کی قریش نے سنا تو کہنے لگے کہ اس ام عبد (عبداللہ ابن مسعود کا لقب ہے) کیا کہتا ہے سو تو بالوگوں نے کہا یہ تو وہی چیز ہے جو محمد صلعم

ما یقول ابن ام عبد ثم قالوا انه لیتلو بعض ما جاء
به محمد فقاموا الیه فجعلوا یضربون فی وجهه وجعل
یقرء حتی بلغ منها ما شاء الله ان یبلغ ثم انصرف
الی اصحابه وقد اثروا بوجهه فقالوا هذا الذی
خشینا علیک قال ما کان اعداء الله اهون علی منهم
الان لئن شئتم لاغادینهم غداً بمثلها قالوا لا حسبک
فقد اسمعتهم ما یکرهون - تاریخ طبری مطبوعہ مصر ص صفحہ ۱۱۸۸

ان لوگوں کے زعم کے مطابق نازل ہوئی ہے یہ سنتے ہی تمام قریش اُٹھ
کھڑے ہوئے اور عبداللہ ابن مسعود کے منہ پر سب ملکر مارنے لگے لیکن
جہانتک خدا کو اُن سے تلاوت قرآن کرانی منظور تھی یہ تلاوت کر چکے جب
تلاوت کر چکے تو اصحاب رسول صلعم کے پاس واپس آئے - چہرۂ مبارکا
نشان بالکل نمایاں تھا - اصحاب اس حالت سے انھیں دیکھکر کہنے
لگے کہ ہمکو تمہاری نسبت اسی بات کا اندیشہ تھا عبداللہ نے کہا کہ دشمنان
خدا کی طرف سے یہ امر مجھے بالکل آسان معلوم ہوتا ہے - اگر آپ لوگ
چاہیں تو پھر کل میں اسی طرح کر دکھلاؤں - اصحاب نے کہا نہیں یہی کافی ہے جس چیز سے وہ کراہیت کرتے تھے وہ تم نے اونکو سنا دی -

شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو اسی حوالہ سے لکھا ہے - لیکن اپنے اختصار کے قدیم پیرایہ میں طبری کا حوالہ بھی غلط دیا ہے صفحہ ۱۱۸۱ کی جگہ ۱۱۸۸ ہونا چاہیئے - سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷۱

یہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی عقیدتمندوں اور معمولی لیڈروں نے راز دار رسالت کے مصالح قیمتی کی قدر و عظمت نہیں کی - اس لئے کہ وہ اسکے حقیقت شناس نہیں تھے اسلامی محدثین و مورخین کے خلوص عقیدت اسوقت ان حضرات کے اس طرز عمل کو جیسا کچھ مستحسن بتلاتے ہیں - اور انہیں سے ایک کو اسلام کا خطبۂ اول اور دوسرے کو حملۂ اول بہ ظاہر فرماتے ہیں - وہ اونکے حسن عقائد سے متعلق ہے لیکن بخلاف انکے جب ایک عاقبت بین اور مآل اندیش محقق ان واقعات پر نگاہ غور ڈالے گا تو اوسکو صاف طور سے معلوم ہو جائیگا کہ اون کے یہ مخلص عقائد باعث مفاسد تھے اونکی یہ مبادرت محض بیجا - بیوقت اور بالکل نازیبا تھی - یہ ہمت و حوصلہ صریح اشتعال انگیزی تھی اور فتنہ خیزی رسول بارہا ران پر جوشیوں کے اظہار سے منع فرماتا تھا - خدا و اعرض عن المشرکین کہکر معاملات کفار سے کنارہ کشی کی تاکید کر رہا تھا لیکن یہ پرجوش عقیدتمند کسیکی بھی نہیں سنتے جلتی آگ کے شعلوں کو اپنے ہاتھوں سے بھڑکاتے ہیں اور اوس میں آپ ہی آپ گرے جاتے ہیں - ان بیجا جراٰتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام قریش کے غیض و غضب میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اور اسلام و بانئ اسلام علیہ السلام کیطرف سے جو وہ ابتک خموشانہ اور غیر سروکارانہ روش اختیار کئے ہوئے تھے اور اسوقت تک اپنے انکار و اکراہ کو صرف جاہلانہ طعن و تشنیع اور وحشیانہ استہزاو تمسخر تک محدود کئے تھے ان واقعات سے اتنا متاثر ہوئے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی کھلی کھلی عداوت اور مخاصمت پر بڑی مستعدی سے آمادہ ہوگئے اور گویا اسیوقت سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں پر بلا و مصیبت کی فتح الباب ہے

شبلی صاحب نے ان واقعات کو سرے سے مرفوع القلم فرما دیا ہے - گویا تاریخی واقعات کی حیثیت ہی نہیں رکھتے - حالانکہ ان حالات کو تاریخوں سے زیادہ حدیثوں نے بیان فرمایا ہے - چنانچہ صاحب تاریخ الخمیس نے ان کو

حدیث کی مشہور و معروف کتاب المنتقی سے نقل کیا ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخفا و اسرار کی یہ
مدت حسن حزم و احتیاط۔ ہوشیاری اور بیداری سے کاٹی وہ آپ کے استقلال اور ہمت کے کافی ثبوت ہیں فی الحقیقت
یہ رسالت ہی کی ذمہ داری اور نبوت ہی کی قوت و پائداری تھی۔ اپنی جان کی حفاظت مسلمانوں کے جان و مال
کی نگرانی کفار قریش کی مجنونانہ تعریض اور مغرورانہ طعن و تشنیع پر سکوت و خموشی۔ مزید براں۔ پرجوش عقیدت مندوں کی بیجا
مسادرت اور نازیبا جرأت و ہمت کا ضبط و لسط ایسی اہم ضروریات اور مشکلات کو جناب رسول خدا صلعم بالنفس
النفیس تنہا بہ احسن الوجوہ طے فرماتے رہے۔ چنانچہ شبلی صاحب بھی اتنا ضرور اعترافاً لکھتے ہیں۔
تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا۔ ص ۱۵۳

نبوت کا چوتھا سال دعوت قریش

سہ سالہ رسالت اخفا کے انقضا کے بعد۔ مدبر قدرت نے وقتی تناسب اور مصالح پر نظر کر کے جناب رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو اَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ (اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب سے ڈراؤ) کا حکم محکم نازل فرمایا۔ جو لوگ تحقیق پسند ہیں اور
حقیقت شناس۔ وہ قدرت کے اِن نظام بالتدریج کی مصلحت و خوبی کو کافی طور سے سمجھتے ہیں حقیقت یہ ہی کہ ایسے
نازک وقت میں تبلیغ مذہب کی ادائیگی بالکل رازداری تھی۔ ہر خاص و عام سے اظہار و اعلان قیام اسلام کے
باعث نقصان تھا اور بقائے اسلام کیلئے خطرہ جان۔ بنا بریں ابتدا ہی سے اسکے اظہار تبلیغ اور اقرار و تصدیق کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے خاندان میں ان ذوات مقدسہ سے آغاز کیا گیا جو آپ سے اقرب ترین تھے اور جنکے خلوص ایمان اور وثوق عہد و
پیمان پر خدا اور رسول کو یقین تھا وہ بزرگوار حضرت خدیجہ آپ کی بی بی تھیں۔ آپکے برابر کے بھائی حضرت علی مرتضیٰ تھے گھر کے
پروردہ خاص زید ابن حارثہ تھے۔ انھیں حضرات سے بالاتفاق جمہور تبلیغ اسلام کی ابتدا فرمائی گئی۔ ان بزرگواروں نے
فوراً تصدیق رسول کر لی اور سب لوگوں سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

مشیت خداوندی نے وہی نظام مصلحت جو ابتدائے تبلیغ میں جاری فرمائے تھے اس وقت بھی نافذ فرمائے
اگرچہ اظہار تبلیغ اور اعلان دعوت اسلام کا (انذر عشیرتک الاقربین) حکم صادر ہو چکا تھا۔ لیکن تاہم اسکے نفاذ کا آغاز بھی
اپنے خاص اعزہ و اقارب سے کئے جانے کا خاص طور پر فرمان دیا۔ اس لئے کہ یگانوں پر بیگانوں سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے
جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی حسن مستعدی اور سرگرمی سے تعمیل فرمائی اسکو
ضرورتاً ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت میں حسب ذیل نقل کرتے ہیں اور پھر اسکے بعد منقدانہ طریقہ سے اصل واقعہ
کا انکشاف حقیقت کرتے ہیں۔ صحیح بخاری ص ... کے حوالہ سے لکھا جاتا ہے،
آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر آ رہا ہے

تو تم کو یقین آئیگا؟ سب نے کہا ہاں۔ کیونکہ ہم نے تمکو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ سنکر سب لوگ جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا سخت برہم ہوکر چلے گئے۔

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت اسلام کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا حمزہؓ۔ ابوطالبؑ اور عباسؓ سب شریک تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں وہ چیز لیکر آیا ہوں جو تمہارے دین و دنیا دونوں کو کفیل ہے اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا دفعتاً حضرت علیؑ نے اوٹھکر کہا گو مجھکو آشوب چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں تاہم میں آپ کا ساتھ دونگا قریش کے لئے ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ جوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چلکر زمانہ نے بتلا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا جلد ۱ ص ۱۵۴

ظاہر ہے کہ شبلی صاحب نے اس واقعہ کو صرف صحیح بخاری سے نقل کیا ہے۔ اور کسی تفسیر۔ حدیث اور تاریخ کی کتاب سے نہیں اسلئے کہ آپ کے اصول موضوعہ کے مطابق جس کا عنوان جو طلسم تقدم کے لئے !! آپ نے دیباچہ ہی سے اوٹھایا ہے۔ بخاری سے بڑھکر کوئی دوسری کتاب معتبر نہیں تھی اسکے مقابلہ میں سیرت و تاریخ تو سرے سے فروتر ہیں تو اونکا ذکر ہی بیکار ہے ایسے ہی تفسیر۔ حدیث یہانتک کہ بقیہ خمسہ صحاح بھی اسکے مقابل نہیں ہیں گو آپ کے اس طلسم بخاری کی حقیقت ہم آپ کے دیباچہ کے تبصرہ میں پورے طور سے دکھلا چکے ہیں۔ لیکن خاص اس روایت بخاری کی حقیقت حاشیہ زیرین صفحہ کی عبارت میں پوری تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ل چونکہ صحت بخاری کا طلسم شبلی صاحب نے دیباچہ کتاب ہی سے اس غرض و غایت سے باندھا تھا کہ ان عظیم الشان واقعات فضائل و مناقب حضرت علی مرتضیٰ اور جناب رسولخدا کے ساتھ آپ کی افضل ترین قربت رفاقت اور نصرت و حمایت اور پیرا سلام کے ساتھ آپ کی فرمایہ اور محبانہ شفقت اور خدمت پر پورے طور سے نقاب افگنی کی جائے جس سے دنیائے صحابیت میں مساوات اور تعمیم کے غلط اصول قایم و ثابت ہوں اس بنا پر اس واقعہ کو اور اسکے ایسے تمام واقعات اسلامی کو انواع اقسام کی صنعت و حرفت اور مختلف وضع و قماش کی قلمکاری سے حتی الامکان مٹایا ہی گیا دبایا ہے اور چھپایا ہے جیسا کہ اس واقعہ اور آیندہ تمام واقعات کے متعلق ہماری تنقیدی عبارت زیر حاشیہ سے پورے طور پر ظاہر ہوگا۔ ہم نے بخاری کے استخفاف اور اختصار واقعہ کے خلاف جن علمائے کبار کی تصنیفات سے اسکے تفصیلی حالات لکھے ہیں اگرچہ اون حضرات کی شہرت اور اعلمیت کسی توثیق کی محتاج نہیں ہے لیکن تاہم اصول کلام اور مزید طمانیت کی غرض سے ہم اونکی توثیق مفصلۂ ذیل عبارت حاشیہ میں قلمبند کرتے ہیں ہم نے امام نسائی کے خصائص کی عبارت سب سے پہلے لکھی ہے اس بنا پر پہلے اونکی توثیق ملاحظہ ہو۔

توثیق امام نسائی۔ امام سبکی طبقات الشافعیہ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الطاهر المقدسی سألت سعد بن علی الزنجانی عن رجل فوثقه فقلت ضعفه النسائی فقال یا بنی ان لابی عبد الرحمن شرطا فی الرجال اشد من شرط البخاری۔ ابن طاہر مقدسی نے سعد بن علی بن زنجانی سے ایک راوی حدیث کا حال پوچھا اوسنے اسکی توثیق کی میں نے کہا نسائی نے تو اسکو ضعیف کہا ہے تو سعد نے کہا اے میرے بیٹے عبدالرحمن نسائی کے شرائط رجال بخاری سے زیادہ سخت ہیں۔ اسی طرح طبقات الحفاظ امام سیوطی میں ہے قال الذهبی هو احفظ من مسلم بن حجاج

شبلی صاحب اور ان کے اسلاف۔ بخاری وغیرہم کی اصلی غرض مدعا ان ترکیبوں سے کیا تھی؟ وہی حضرت علیؑ کے فضائل ومناقب کا استخفاف اگرچہ سواد اعظم میں یہ مواد عالمگیر ہے لیکن امام بخاری صاحب اس مرض میں آغاز ہی سے مبتلا ہیں۔ اور اسکے ساتھ آپ کو شغف خاص ہے ہم دعوت قریش کے واقعہ کو۔ صحاح مسند سنن تفسیر۔ اور تاریخ کی اصلی عبارتوں کے ساتھ ذیل میں نقل کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جاوے گا کہ واقعہ کیا ہے اور بخاری صاحب لکھتے ہیں کیا۔ سب سے پہلے ہم امام نسائی کے خصائص سے جو اوپر کی صحیح میں داخل ہے۔ اسکی حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

عن ربیعة بن ناجذ ان رجلا قال لعلی بن ابی طالب یا امیر المؤمنین لم ورثت ابن عمک دون عمک قال جمع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بنی عبد المطلب فصنع لهم مدا من الطعام قال فاکلوا حتی شبعوا وبقی الطعام کما هو کان لم یمس ثم دعا بغمر فشربوا حتی رووا وبقی الشراب کان لم یمس ولم یشرب فقال یا بنی عبد المطلب انی بعثت الیکم خاصة والی الناس عامة وقد رأیتم ایکم ما یبایعنی علی ان یکون اخی وصاحبی ووارثی فلم یقم

ربیعہ بن ناجذ سے مروی ہے کہ کسی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہی کیوں وارث رسولؐ ہوئے اور آپ کے چچا وارث رسولؐ نہ ہوئے۔ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے خاندان عبد المطلب کو بلا کر دعوت دی۔ ایک مد طعام اور ایک پیالہ پانی سے سب کو سیر کر دیا اور کھانا پانی اسی طرح بچ رہا پھر فرمایا اے بنی عبد المطلب ہم تمہاری طرف خاص طور پر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کیلئے عام طور سے۔ تو کون شخص تم میں سے ہماری بیعت کرتا ہے۔ اس شرط پر کہ وہ ہمارا وارث ہو اور ہمارا صاحب ہو اور ہمارا بھائی ہو۔ ارشاد سنکر کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا ہم ہی ہر بار کھڑے ہوئے

باقی عبارت حاشیہ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ نسائی مسلم بن الحجاج (صاحب صحیح مسلم) سے زیادہ حافظ حدیث تھے۔ علامہ عبد الباقی زرقانی اپنی شرح میں لکھتے ہیں النسائی ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب الخراسانی ثم المصری الحافظ احد الائمة المشهورین والاعلام الطوافین والحفاظ المتقنین حتی قال الذهبی هو احفظ من مسلم ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب خراسانی بعدہ مصری یکے از ائمہ معتبرین علماء مکثرین اور حفاظ متبحرین میں سے ہیں اور بقول ذہبی مسلم سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں جسکے اکثر حوالے شبلی صاحب نے بھی سیرۃ النبی میں دیے ہیں۔ لکھتے ہیں

قال ابن طاهر المقدسی شرط البخاری ومسلم ان یخرجا الحدیث المجمع علی ثقة رجاله الی الصحابی المشهور قال العراقی ولیس ما قاله بجید لان النسائی ضعف جماعة اخرج لهم الشیخان او احدهما۔ ص ۳۰ ابن طاہر کہتے ہیں کہ شرط بخاری ومسلم یہ ہے کہ وہ ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جسکے رجال موثق ہوں یا صحابہ کا اجماع ہو۔ عراقی کہتے ہیں یہ درست نہیں کیونکہ نسائی نے بہت سے ایسے راویوں کو ضعیف کر دیا ہے جن سے بخاری ومسلم نے روایت کیا یا صرف بخاری نے یا صرف مسلم نے روایت کی ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے یہ روایت خصائص نسائی سے نقل کی ہے نہ صحیح نسائی سے اس بنا پر ہمارا فرض ہے کہ ہم ثابت کر دیں کہ خصائص بھی داخل صحیح ہے اور یہ کہ خصائص اسی صحیح کا ایک جزو خاص ہے اور ایک ہی شے ہے اسکے ثبوت میں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ابن حجر کی مفصلہ ذیل عبارت۔ وکانه لم یقف علیها والله الموفق (المزی) واخرج عمل یوم ولیلة للنسائی عن السنن وهو من جملة کتاب السنن فی روایة ابن الاحمر وابن سیار وکذلک افرد خصائص علیؑ وهو من جملة المناقب فی روایة ابن سیار

الیه احد فقمت الیه وکنت اصغر القوم فقال اجلس ثم
قالت ثلاث مرات کل ذلک اقوم فیقول اجلس حتی
کان فی الثالثة ضرب بیده علی یدی ثم قال فبذلک
ورثت ابن عمی دون عمی خصائص مطبوعہ مصر جلد ۹ ص ۶۸

حالانکہ ہم سب سے چھوٹے تھے حضرت نے تین بار اس کلام کا اعادہ کیا
لیکن کوئی شخص بجز میرے نہ کھڑا ہوا ہم ہی ہر بار کھڑے ہوئے۔ تو حضرت صلعم
نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر مارا حضرت علی بیان فرماتے ہیں کہ ہم
اسی سبب سے اپنے ابن عم کے وارث ہوئے۔ نہ ہمارے عم بزرگوار خصائص مطبوعہ مصر

صحیح بخاری کی عبارت مندرجہ بالا سے خصائص نسائی کی موجودہ عبارت کو ملایا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ بخاری صاحب
نے اپنی خود غرضی سے اس واقعہ کو کیسے مبہم اور مہمل طریقہ سے بیان فرمایا ہے اور اصل واقعہ کو جس سے حضرت علیؑ کی ربانیت ثابت
ہوتی کے حقیقی قول و قرار اور جناب مخبر صادق کی زبانی ان کے مراتب و مدارج کے اظہار ہوتے تھے۔ بالکل مرفوع القلم
کر دیا گویا انکا وقوع ہوا ہی نہیں تھا۔

اب مسند امام حنبل کی عبارت ذیل میں ملاحظہ ہو
حدثنا عبد اللہ ثنا ابی اسود بن عامر ثنا شریک عن
الاعمش عن المنهال عن عباد عن عبد اللہ الاسدی
عن علی قال لما نزلت هذه الآیة وانذر عشیرتک
الاقربین قال جمع النبی من اهل بیته فاجتمع ثلثون

عبد اللہ ابی اسود سے۔ ابی اسود عامر سے۔ عامر شریک سے شریک
اعمش سے۔ اعمش منہال سے منہال عباد سے۔ عباد عبد اللہ اسدی
سے عبد اللہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیہ وانذر عشیرتک
الاقربین نازل ہوا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے
گھر کے لوگوں کو جمع کیا وہ لوگ تیس آدمی تھے۔ ان لوگوں کی ضیافت

بقیہ حاشیہ
ولو یفرد التفسیر وهو فی روایة حمزة وحده ولا کتاب الملائکة ولا الاستعاذة والطب وغیر ذلک وقد تفرد بذلک راو دون
راو فما تبین لی وجه افراده الخصائص وعمل یوم اللیلة۔ مزی مصنف تہذیب نے نسائی کی کتاب عمل یوم ولیلۃ کو علیحدہ کیا حالانکہ بروایت
ابن احمر و ابن سیار وہ بھی کتاب السنن سے ہے۔ اسی طرح خصائص جناب علی مرتضیؑ کو بھی علیحدہ کیا حالانکہ وہ منجملہ جزو مناقب ہے اور نہ علیحدہ
کیا تفسیر کو نہ کتاب الملائکہ کو نہ کتاب الاستعاذہ کو اور نہ کتاب الطب کو جسکے متعلق ایک ایک راوی منفرد ہوا نسائی سے تو ہمکو اسکی کوئی وجہ نہیں
معلوم ہوئی کہ کتاب الخصائص اور عمل یوم واللیلہ کو کیوں اصل کتاب سے علیحدہ کیا گیا تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹

اب اسکے بعد یہ بھی سن لیا جاوے کہ فضائل علیؑ کا لکھنا اسکے وقت میں اتنا بڑا جرم عظیم تھا کہ سوائے قتل کے اسکی دوسری سزا ہی نہیں
تھی۔ چنانچہ نسائی غریب بھی اسی جھپیٹ میں آگئے اور اسی خصائص کے لکھنے کی وجہ سے انکی جان گئی۔ ان کا پورا قصہ ابن حجر کی زبانی ذیل میں
ملاحظہ ہو۔ قال ابن عباس سمعت المنصور الفقیه واحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی یقولان ابو عبد الرحمن امام من المسلمین
وقال محمد بن سعید البارودی ذکرت النسائی لقاسم المطرز فقال هو امام او یستحق ان یکون اماما وقال ابو علی النیسابوری
سئلت النسائی الامام بلا مدافعة وقال فی موضع رأیت من ائمة الحدیث اربعة فی زمانی واستاذی اثنان نیسابوری
محمد بن اسحق وابراهیم بن ابی طالب والنسائی بمصر وعبدان فی الاهواز وقال مامون المصری خرجنا الی طرطوس
واجتمع من الحفاظ عبد اللہ بن احمد ومربع وابو الاذان وکیلجة وغیرهم فکتبوا کلهم بانتخاب النسائی وقال ابو الحسن

فاکلوا واشربوا فقال لهم من يضمن عني ديني ومواعيدي ويكون معي في الجنة ويكون خليفتي في أهلي فقال رجل لم يسمه شريك يا رسول الله صلعم أنت كنت بحراً من يقوم بهذا ثم قال الآخر قال فعرض ذلك على أهل بيته فقال علي أنا

کیلئے۔ اور تمام لوگوں نے ملکر کھایا پیا۔ پھر آپ نے اون لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ تم میں سے کون شخص ضامن ہوتا ہے کہ میرے قرض کو ادا کرے میرے وعدوں کو پورا کرے اور میرے ساتھ جنت میں رہے اور میرا خلیفہ ہو حاضرین میں سے ایک شخص جسکا نام راوی نے نہیں لیا اوٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آیا یہ کیا ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص ضامن کھڑا کیا جاوے آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر آپ نے اسی ارشاد کو اپنے گھر والوں پر عرض کیا بالآخر حضرت علی نے اُٹھکر کہا کہ وہ میں ہوں

اگرچہ اس حدیث میں بھی حقیقت واقعہ پوری تفصیل سے نہیں ہے لیکن وہ الفاظ موجود ہیں جنکے پڑھنے لکھنے اور سننے سے امام بخاری اور اونکے معتقدین کو وحشت ہوتی ہے کیونکہ اوسمیں خلافت علی کا اظہار و اقرار ہے۔

کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال جلد ۶ ص ۳۹۷ میں اسکی صورت واقعہ یوں تحریر ہے۔

عن عليؑ قال لما نزلت هذه الآية وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال يا عليؑ إن الله أمرني أن أنذر عشيرتي الأقربين فضقت بذلك ذرعاً وعرفت أني متى أناديهم بهذا الأمر أرى منه ما أكره فصمت عليها حتى جاءني جبريل

حضرت علی مرتضیٰؑ سے مروی ہے کہ جب آیہ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤں لیکن میں نے اس میں جب سے توقف کیا اسوجہ سے کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ میری ہدایت سے اکراہ کرینگے اور میری بات

من المظفر سمعت مشائخنا بمصر يعترفون لأبي عبد الرحمن النسائي بالتقدم والإمامة ويصفون من اجتهاده في العبادة بالليل والنهار ومواظبته على الحج والجهاد وإقامة السنن المأثورة واحترازه عن مجالس السلطان وإن ذلك لم يزل إلى أن استشهد وقال الحاكم سمعت علي بن عمر الحافظ غير مرة يقول النسائي أفقه مشائخ مصر في عصره وأعرفهم بالصحيح والسقيم وأعلمهم بالرجال فلما بلغ هذا المبلغ حسدوه فخرج إلى الرملة فسئل عن فضائل معاوية فأمسك عنه فضربوه في الجامع فقال أخرجوني إلى مكة فأخرجوه وهو عليل وتوفي مقتولاً شهيداً وقال أبو بكر المأموني سألت عن تصنيفه كتاب الخصائص فقال دخلت دمشق والمنحرف بها عن علي كثير فصنفت كتاب الخصائص رجاء أن يهديهم الله ثم صنف بعد ذلك كتاب فضائل الصحابة وقرأها على الناس وقيل له وأنا حاضر ألا تخرج فضائل معاوية فقال أي شيء أخرج اللهم لا تشبع بطنه وسكت السائل - توفي سنة ۳۰۳ھ

خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ ابو علی نیشاپوری کہتے ہیں کہ نسائی ائمۃ المسلمین سے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ نسائی امام ہیں بلا مدافعت دوسرے مقام پر کہا کہ ہم نے چار آدمیوں کو ائمہ حدیث سے دیکھا ہے۔ محمد بن اسحاق ابراہیم بن ابیطالب نسائی مصر میں۔ عبدان اہواز میں۔ مامون مصری کہتے ہیں کہ حفاظ حدیث سے عبداللہ بن احمد۔ مربع۔ ابو الاذان عکیحہ وغیرہ جمع ہوئے بسلے کہا نسائی پر انتخاب لکھا کرو۔ ابو الحسین مظفر کہتے ہیں ہمارے

فقال یا محمد ان لم تفعل ما تؤمر به یعذبك ربك فاصنع لی صاعاً من طعام واجعل علیه رجل شاة واملأ لنا عساً من لبن ثم اجمع لی بنی عبد المطلب حتّٰی اکلمهم وابلغ ما امرت به ففعلت ما امرنی به ثم دعوتهم وهم یومئذ اربعون رجلا او ینقصونه فیهم اعمامه ابوطالب وحمزة والعباس وابولهب فلما اجتمعوا الیه دعانی بالطعام الذی صنعته لهم فجئت به فلما وضعته تناول النبی صلی الله علیه وآله وسلم حزة من اللحم فشقها باسنانه ثم القاها فی نواحی الصحفة ثم قال کلوا بسم الله الرحمن الرحیم فاکل القوم حتّٰی نهلوا عنه ما نری الا آثار اصابعهم والله ان کان الرجل الواحد منهم لیاکل مثل ما قدمت لجمیعهم ثم قال اسق القوم یا علی

جائیں گے اس بارے میں خموش رہا تا ایکہ پھر جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے لگے خدا فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تم نے ایسا نہیں کیا جیسا ہم نے تم کو حکم دیا ہے تو تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب کیا جاویگا پس تم (اے علیؑ) بقدر ایک صاع (یعنی تین سیر پختہ) طعام (روٹیاں) تیار کرو ایک بکری کا گوشت پکا لو۔ اور ایک کاسہ شیر مہیا کر لو اور تمام بنی عبدالمطلب کو ضیافت میں بلا لاؤ تاکہ میں اسی مجلس ضیافت میں اون سے کلام کروں اور جو کچھ اون کے متعلق حکم ہوا ہے اوسکو پہنچا لاؤں اور اون تک پہونچا دوں حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم کے مطابق سب سامان مہیا کر دیا اور تمام بنی عبدالمطلب کو بلا لایا وہ لوگ شمار میں کم و بیش چالیس آدمی تھے اور اون میں آنحضرت صلعم کے چچا۔ ابوطالب حمزہ عباس ابولہب سب ہی موجود تھے۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آنحضرت صلعم نے مجھے وہ کھانا کھلانے کیلئے حکم دیا جو لوگوں کے لئے تیار ہوا تھا میں جب ان کھانوں کو حضرت کے سامنے لایا تو آپ نے ایک پارچہ گوشت اوٹھایا اور اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھ دیا اور حاضرین سے کہا لیجئے آپ لوگ

بقیہ عبارت حاشیہ مشائخ بزرگ امامت اور تقدم نسائی کے قائل تھے۔ اور انکی عبادت حج و اجتہاد کی تعریف کیا کرتے تھے اور یہ کہ سنن ماثورہ کی اقامت کرتے تھے اور مجالس سلاطین سے پرہیز کرتے تھے یہی اونکے طریقہ اوات و معاشرت قائم رہے۔ یہانتک کہ شہید ہوئے۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے حافظ علی ابن عمر کو کہتے سنا ہے کہ نسائی فقیہ ترین ہیں اپنے زمانہ کے مشائخ میں اور سب سے زیادہ اعلم ہیں صحیح و سقیم احوال رجال کے۔ یہ جب اسد رتبہ و مراتب پر فائز ہوئے تو لوگوں نے ان پر حسد کیا جس سے وہ رملہ کیطرف چلے گئے وہاں لوگوں نے اسے حسد کیا اور فضائل معاویہ کو ان سے پوچھا تو اونھوں نے سکوت اختیار کیا جس پر سب نے مسجد جامع میں ملکر انکو خوب مارا انہوں نے کہا کہ ہمکو مکہ لے چلو وہیں انھوں نے مقتول و شہید ہو کر وفات کی۔ ابوبکر مامون کہتے ہیں کہ ہم نے نسائی سے کتاب خصائص کی وجہ تالیف پوچھی تو کہا کہ جب ہم دمشق میں پہونچے تو وہاں کے لوگوں کو حضرت علی سے منحرف پایا۔ لہٰذا اس امید پر کتاب لکھی کہ شاید اونکی ہدایت ہو اسکے بعد فضائل صحابہ لکھے اور سب کے سامنے اوسکو پڑھا تو کسی نے پوچھا کہ معاویہ کے فضائل نہیں لکھتے تو میں نے اوس سے کہا کہ اوسکی فضیلت کیا لکھی جاوے کیا اللّٰھم لا تشبع بطنہ (خدا کبھی اسکا پیٹ نہ بھرے) لکھدیا جاوے۔ یہ سنکر وہ سائل خموش ہو گیا اور میں بھی چپ ہو گیا۔ نسائی نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

فضائل علیؑ کو لکھنا اور معاویہ کے فضائل کو نہ لکھنا۔ اسکے قتل کا باعث ہوا محققین غور کریں کہ جب فضائل علیؑ کے استخفاف و اسقاط کا اہتمام اتنی مدت الایام سے چلے آتے ہیں تو چودہ سو برسوں کے بعد آج اصلیت اور حقیقت کا صحیح پتا لگانا کتنا دشوار ہے لیکن یہی حضرت علی کی حقیقت کی دلیل واضح ہے کہ اتنے اہتمام اور اتنی مدت ایام کے بعد دشمن کی کتابوں سے اصل حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

فجئتهم بذلك العسّ فشربوا منه حتى رووا منه جميعا وايم الله ان كان الرجل الواحد منهم ليشربه مثله فلما اراد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان يكلّمهم بدره ابو لهب الى الكلام لقد سحركم صاحبكم فتفرق القوم ولم يكلمهم رسولؐ الله فقال الغد يا عليؑ ان هذا الرّجل سبقني الى ما قد سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اكلمهم فعد لنا من الطعام بمثل ما صنعت ثم اجمعهم الىّ قال ففعلت ثم جمعتهم ثم دعاني بالطّعام فقرّبته لهم ففعل كما فعل بالامس فاكلوا حتى ما لهم بشئ حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلك العس فشربوا حتّى رووا منه

تناول فرمائیں پس تمام لوگوں نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ اور کھانا ویسا ہی کا ویسا ہی رہا اور سوائے اونکی ہاتھوں کے نشان تک نہیں معلوم ہوتے تھے حضرت علی فرماتے ہیں کہ قسم ہے اوس خدا کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ کھانا جو سب نے مل کر کھایا تھا مقدار میں اتنا کم تھا کہ اکیلا آدمی اوسے کھا جاتا اسکے بعد آپ نے مجھے حکم دیا انھیں سیراب کرو میں نے اونھیں وہی دودھ کا شربت پلایا اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا۔ اسکے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنیکا قصد کیا اس اثنا میں ابو لہب نے اوٹھکر آپ کا قطع کلام کیا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے صاحب نے تم پر جادو کیا یہ سنا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو گئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے

بقیہ عبارت حاشیہ دوسری روایت امام احمد بن حنبل کی ہے۔ علامہ سبکی کی کتاب طبقات الشافعیہ کے صفحہ ۱۹۹ سے لیکر صفحہ ۲۰۱ تک امام احمد بن حنبل کی توثیق میں لکھے گئے ہیں۔ بخوف طوالت ہم پوری عبارت نہیں لکھ سکتے اور نہ تمام ترجمہ کی نقل کر سکتے ہیں صرف اوسکے خلاصہ کو اپنی ضرورت کے لئے مناسب اور کافی سمجھ کر قلمبند کرتے ہیں کتاب کچھ ایسی نادر نہیں ہے۔ حوالہ موجود ہے ہر شخص پوری عبارت دیکھ لے سکتا ہے امام سبکی کہتے ہیں (۱) یہ کتاب (مسند امام احمد بن حنبل) ایک اصل ہے اصول میں اس امت کی (۲) یہ اصل کبیر ہے (۳) مرجع وثیق ہے (۴) بہت سی احادیث سے اسکی حدیثیں منتخب کی گئی ہیں (۵) یہ مسند امام قرار دیگئی ہے (۶) یہ کتاب معتمد علیہ ہے (۷) ملجائے (۸) مستند ہے (۹) امام احمد نے کہا ہے کہ میں نے سات لاکھ حدیثوں سے اسکو منتخب کیا ہے (۱۰) امام احمد نے کہا کہ جس چیز میں لوگ اختلاف کریں وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں (۱۱) امام احمد نے کہا جو حدیث اسمیں نہو وہ حجت نہیں ہو سکتی (۱۲) اسکی تمام حدیثیں مستند حجت ہیں (۱۳) امام احمد نے کہا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو امام بنایا ہے (۱۴) جب کسی حدیث میں اختلاف ہو تو اسی کیطرف رجوع کرو (۱۵) اس میں اونھیں لوگوں سے روایت لی گئی ہے جنکی صداقت و دیانت ثابت ہے۔ نہ ایسے شخص سے جس میں کوئی طعن ہو۔ (۱۶) سند اور متن میں پوری احتیاط کیگئی ہے (۱۷) اوسی روایت کو وارد کیا ہے جسکی سندیں صحیح تھیں آخر میں امام سبکی نے امام ابو موسیٰ کا یہ قول لکھا ہے قال امام ابو موسی ومن الدّليل انّ ما اودعه الامام مسنده قد احتاط فيه اسنادا ومتنا ولم يورد فيه الا ما صح سنده طبقات الشافعی امام سبکی ص ۲۰۲۔ ترجمہ یعنی امام ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ امام احمد نے اسناد و متن میں بڑی احتیاط کی اور اوسی روایت و حدیث کو وارد کیا ہے جسکی سند صحیح ہے۔

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں وجعل اى احمد مسنده ميزانا يعرف به حديث رسول الله ص فما وجد فيه ولو بطريق واحد من طرقه فله اصل وما لا فلا اصل له ص ۵ امام احمد نے اپنی مسند کو میزان

شبعوا ثم تکلم رسول اللہ صلعم فقال یا بنی عبد المطلب انی واللہ لا اعلم شابا فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرۃ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ہذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنہا جمیعا وقلت وانی لاحدثہم سنا وارمصہم عینا واعظمہم بطنا واحمشہم ساقا انا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی فقال ان ہذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع وتطیع لعلیؑ

مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علی اس شخص نے میرے کلام پر سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پھر آج تم ویسا ہی کھانا تیار کرو اور پھر سب لوگوں کو بلاؤ پس میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسے ہی سامان کئے جو کل کئے تھے۔ اور پھر ان لوگوں کو جاکر بلا لایا جب میں کھانا لیکر آنحضرتؐ کے پاس آیا تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا پس تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے بہت پیا اور سیراب ہو گئے کھانے سے فراغت ہو چکی تو آنحضرت صلعم نے ارشاد کیا کہ اے اولاد عبد المطلب اکی قسم میں جوانان عرب میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو میری طرح تمہارے لئے دین و دنیا کی خیر لایا ہو خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمکو اسکی طرف بلاؤں پس تم لوگوں میں سے اس امر خاص میں میری وزارت کون شخص کرتا ہے حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں اوس مجمع میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلعم گو میں ان لوگوں میں سب سے کمسن ہوں گو میری آنکھیں پر آشوب ہیں گو میرا پیٹ بڑا ہے میرے ساق پتلی ہیں لیکن با ایں ہمہ میں اس امر میں آپ کا وزیر بننے کے مستعد ہوں یہ سنکر آنحضرت صلعم نے میرے شانے پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ لوگو۔ دیکھو تم لوگوں میں یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے اور یہ میرا خلیفہ ہے اسکی باتوں کو سنو اور اسکی اطاعت کرو یہ سنکر تمام لوگ ہنستے ہوئے اوٹھکر کھڑے ہوئے اور حضرت ابو طالب کو مخاطب کر کے بطور تمسخر کہنے لگے آج سے تم اپنے بیٹے علی کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔

بقیہ عبارت حاشیہ سایا ہے جس سے حدیث رسولؐ پھیلائی جاتی ہے تو طریق حدیث ایک طریق سے بھی اس میں ہے اوسکی تو اصل ہو اور جو بیچ اوسکی کوئی اصل نہیں

ہندوستان کے امام المتکلمین شاہ عبد العزیز صاحب عجالہ نافعہ میں لکھتے ہیں حضرت والد ماجد قدس سرہ میفرمایند کہ مسند امام احمد در حد فقیر ازین طبقہ نیاید است وے را اصل است درمعرفت صحیح وسقیم بوے ساختہ می شود۔ حدیثے راکہ آنرا اصل است امابجہ کہ اورا اصل نیست صفحہ ۱۳ تیسری روایت کنز العمال ملا علی متقی کی ہے جس کا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہے اور جسکے مصنف کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ تحفۃ المحدثین شاہ ولی اللہ صاحب و پیر شاہ عبد العزیز صاحب نے انکو اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے ہم انکی توثیق میں مزید اطمینان کے لئے کتاب کشف الظنون سے جس میں جمع الجوامع سیوطی کے بعد اس کتاب کا طولانی ذکر کیا گیا ہے صرف اوسکی عبارت کو ذیل میں لکھتے ہیں ان الشیخ العلامۃ علاء الدین علی بن حسام الدین الہندی الشہیر بالمتقی رتب ہذا الکتاب الکبیر کجامع الصغیر وسماہ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ذکر فیہ انہ وقف علی کثیر مما دونہ الائمۃ من کتب الحدیث فلم یر فیہا اکثر جمعا منہ حیث جمع فیہ بین الاصول الستۃ واجاد مع کثرۃ الحدیث وحسن الافادۃ شیخ علامہ علاء الدین علی ابن حسام الدین ہندی المشہور متقی

مسلسل اور مفصل حقیقت حال تو یہ ہے جو کنز العمال کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوئی دیکھنے والے خود دیکھ لینگے اور پڑھنے والے خود سمجھ لینگے کہ ایسے مفصل واقعہ کو محض خود غرضی اور تعصب کی بناء پر خواہ مخواہ قطع و برید کر کے کیسا مہمل مبہم اور مجمل بنا دیا گیا ہے۔

تفسیر معالم التنزیل میں محی السنۃ۔ امام بغوی صاحب مشکوٰۃ المصابیح۔ بیک الفاظ۔ اس تمام واقعہ کو ویسا ہی لکھتے ہیں جیسا کہ کنز العمال سے ابھی ابھی نقل ہو چکا ہے ذیل میں صرف اونکے سلسلہ رواۃ نقل کئے دیتے ہیں۔ عن محمد ابن

عن عبد الغفار بن القسم عن المنهال بن عمرو عن عبد الله بن الحارث بن عبد المطلب بن عبد الله بن عباس عن علي ابن ابي طالب۔	محمد بن اسحاق عبد الغفار بن قسم سے وہ منہال سے وہ عمرو سے وہ عبد اللہ بن حارث بن عبد المطلب بن عبد اللہ بن عباس سے اور وہ علی ابن ابیطالب سے معالم التنزیل ص ۶۶۳ بمبئی۔

بقیہ عبارت حاشیہ اس کتاب عظیم کو اوسیطرح مرتب کیا ہے جیسی کتاب جامع الصغیر سیوطی مرتب کیگئی ہے اور اس کا نام کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال رکھا گیا ہے اسمیں بہت سی ایسی حدیثوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ائمہ حدیث کی نظر سے چھوٹ گئی تھیں اور جو فن حدیث کے اصول ستہ کے مطابق قابل نقل نہیں اور اس بارے میں مصنف نے بڑی سعی کی ہے اور اوس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔

ملا علی متقی کی توثیق تو ہو چکی مگر ملا متقی نے اس حدیث کو اصلاً علامہ ضیاء مقدسی کی کتاب مختارہ سے ماخوذ کیا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ اونکی توثیق بھی ذیل میں نقل کی جاوے کشف الظنون میں ہے المختارة في الحديث للحافظ ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي الحنبلي المتوفى سنة ثلاث واربعين وستمائة التزم فيه الصحة فصحح فيها احاديث لم يسبق الى تصحيحها ابن كثير وهذا الكتاب لم يتم وكان بعض مشائخنا يرجحه على مستدرك الحاكم كتاب مختارہ حدیث میں ہے۔ حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۴۳ھ کی تصنیف ہے اس میں التزام کیا گیا ہے صحت کا جسمیں ان حدیثوں کی ایسی صحت کی ہے جن کے قبل کوئی سابق نہوا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ کتاب ناتمام رہی ہمارے بعض مشائخ اسکو امام حاکم کی مستدرک پر ترجیح دیتے ہیں۔ تدریب الراوی میں ہے وصنف الحافظ ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي جمع كتابا سماه المختارة التزم فيه الصحة وذكر فيها احاديث لم يسبق الى تصحيحها محدث اونکے حافظ ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی ہیں جنھوں نے ایک کتاب جمع کی ہے جس کا نام مختارہ رکھا ہے اسمیں صحت کا ایسا التزام کیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا التزام نہیں کیا تھا۔

یہی مضمون کتاب التقیید والایضاح۔ زین الدین عراقی۔ اور ضوء اللامع سخاوی اور شرح مشکوٰۃ شاہ عبد الحق دہلوی اور اتحاف النبلاء میں ہے اور قول محسن مولوی حسن الزمان صاحب میں بھی موجود ہے جسمیں تصریح کی ہے کہ کتاب مختارہ کی کل حدیثیں صحیح ہیں۔

چوتھی حدیث امام بغوی کی تفسیر معالم التنزیل کی ہے۔ انکی توثیق بھی ملاحظہ ہو۔ امام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بذیل تذکرہ ثعلبی لکھتے ہیں في تفسيره والكتاب غالب الاحاديث التي فيه صحيحة وفيه ما هو كذب وموضوع باتفاق اهل العلم ولهذا لما اختصره ابو محمد الحسين بن مسعود البغوي وكان اعلم بالحديث والسنة والفقه منه والثعلبي اعلم باقوال

صحاح، مسند، سنن اور تفسیر کے اسناد ہو چکے۔ اب ایک تاریخ باقی رہی اگرچہ تفسیر معالم التنزیل میں سیرت ابن اسحق ہی سے یہ روایت لی گئی ہے اور ہمارے ثبوت کے لئے یہی کافی تھا لیکن جس سلسلہ سے ہم نے اپنے سلسلۂ بیان کو شروع کیا ہے اوسمیں ہم کسی اختصار نویسی یا کوتہ قلمی کو پسند نہیں کرتے۔ اسلئے اپنے سلسلۂ بیان کو اخیر میں تاریخ طبری کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں

قال حدثني محمد بن اسحق عن عبد الغفار بن القاسم عن المنهال بن عمرو عن عبد الله بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب عن عبد الله بن عباس عن علي بن ابي طالب قال لما نزلت هذه الآية على رسول الله صلعم وانذر عشيرتك الاقربين دعاني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال لي يا علي ان الله امرني ان انذر عشيرتي الاقربين فضقت بذلك ذرعا وعرفت اني متى اباديهم بهذا الامر ارى منهم ما اكره فصمت عليه حتى جاءني جبرئيل فقال يا محمد انك الا تفعل ما تؤمر به يعذبك ربك فاصنع لنا صاعا

محمد ابن اسحاق عبد الغفار بن قاسم بن منہال بن عمرو سے اور وہ عبد اللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب سے اور وہ عبد اللہ بن عباس سے اور وہ علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تو آپ نے مجھے بلا کر ارشاد کیا کہ اے علی خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤں میں نے اسکی تعمیل میں اس خیال سے توقف کیا کہ وہ لوگ میری ہدایت کو مکروہ جانیں گے تا اینکہ پھر جبرئیل آئے اور مجھ سے کہا کہ اے محمد اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو تمہارا پروردگار تم پر عذاب نازل فرمائیگا پس تم اے علی لقہ ایک صاع کے

بقیہ عبارت حاشیہ۔ المفسرين والنحاة وقصص الانبياء فهذه الامور نقلها البغوي من الثعلبي واما الحديث فلم يذكر شيئا من الموضوعات التي رواها الثعلبي بل يذكر الصحيح منها ويعزوه الى البخاري وغيره فانه صنف كتاب شرح السنة وكتاب المصابيح وذكر ما في الصحيحين والسنن ولم يذكر الاحاديث التي يعلم اهل العلم بالحديث انها موضوعة كما يفعله غيره من المفسرين تفسیر ثعلبی میں اگرچہ غالب احادیث صحیح ہیں لیکن بعض حدیثیں موضوع بھی اسمیں داخل ہیں۔ اس لئے جب ابو محمد حسین بن مسعود بغوی نے اوسکو مختصر کیا تو ثعلبی سے صرف اقوال مفسرین ونحاۃ اور قصص الانبیاء کو نقل کیا کیونکہ بغوی علم حدیث سنت اور قدیم اعلم تھے بہ نسبت ثعلبی کے کہ وہ اقوال مفسرین کے البتہ اعلم تھے بغوی نے اون حدیثوں کو البتہ نہ لکھا جو موضوعات سے تھیں اور ثعلبی نے اونکو روایت کیا تھا بغوی اوسی کو لکھتے ہیں بخاری وغیرہ سے کیونکہ یہ مصنف ہیں کتاب شرح سنۃ اور کتاب مشکوٰۃ مصابیح کے اور ذکر کیا اوسی کو جو صحیح و سنن میں ہے اور نہ لکھا اون حدیثوں کو جنکی موضوعیت ظاہر ہوئی علماء حدیث کو جیسا کہ اور مفسرین کرتے ہیں۔

آخر میں ہم اسکو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ طبری کی بھی توثیق ملاحظہ ہو علامہ داودی طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں محمد بن جرير بن يزيد بن غالب الطبري ابو جعفر رأس المفسرين على الاطلاق احد الائمة جمع من العلوم ما لم يشاركه فيه احد من اهل عصره وكان حافظا لكتاب الله بصيرا بالمعاني فقيها في احكام القرآن عالما بالسنن وطرقها صحيحها وسقيمها ناسخها ومنسوخها وله تصانيف عظيمة منها تفسير القرآن وهو اجل التفاسير لم يؤلف مثله كما ذكره العلماء قاطبة وذلك لانه جمع فيه بين الرواية والدراية ولم يشاركه في ذلك احد لا قبله ولا بعده مولده بآمل سنة ۲۲۴ ومات يوم الاحد سنة ۳۱۰ محمد ابن جرير

من طعام واجعل عليه رجل شاة واملأ لنا عسًّا من لبن ثم اجمع لي بني عبد المطلب حتى أكلمهم وأبلغهم ما أمرت به ففعلت ما أمرني به ثم دعوتهم له وهم يومئذ أربعون رجلا يزيدون رجلا أو ينقصونه فيهم أعمامه أبو طالب وحمزة والعباس وأبو لهب فلما اجتمعوا إليه دعاني بالطعام الذي صنعت لهم فجئت به فلما وضعته تناول رسول الله صلعم حذية من اللحم فشقها بأسنانه ثم ألقاها في نواحي الصحفة ثم قال خذوا بسم الله فأكل القوم حتى ما لهم بشيء حاجة وما أرى إلا موضع أيديهم وايم الله الذي نفس علي بيده وإن كان الرجل الواحد منهم ليأكل ما قدمت لجميعهم ثم قال اسق القوم فجئتهم بذلك العس فشربوا منه حتى رووا منه جميعا وايم الله إن كان الرجل الواحد منهم ليشرب مثله فلما أراد رسول الله صلعم أن يكلمهم بدره القوم إلى الكلام لقد سحركم صاحبكم فتفرق القوم ولم يكلمهم رسول الله

کھانا تیار کرو - ا صاع = ۲½ پختہ سیر یعنی روٹیاں پکواؤ - ایک بکرے کا گوشت تیار کراؤ اور ایک کاسہ شیر مہیا کرو اور تمام بنی عبدالمطلب کو ضیافت میں بلا لاؤ تاکہ میں ان سے کلام کروں اور جو کچھ کہ خدا تعالیٰ نے انکے متعلق مجھے حکم دیا ہے وہ ان تک پہنچا دوں حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے آپکے ارشاد کے مطابق سب فراہم کیا - اور تمام بنی عبدالمطلب کے لوگوں کو بلا لایا اسدن وہ لوگ تعداد میں کم و بیش چالیس آدمی تھے اور انمیں آپ کے چچا ابوطالب حمزہ عباس اور ابولہب بھی شامل تھے پس جب یہ تمام لوگ جمع ہوگئے تو آپنے کھانا کھانے کے لئے مجھسے کہا اور میں جو کچھ کھانا پکا تھا لے آیا اور جناب رسول خدا صلعم کے آگے رکھدیا آپ نے اُس سے ایک پارہ گوشت اوٹھایا اور اسکو اپنے دندان مبارک سے کاٹ کر طشت میں رکھدیا پھر تمام لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ آپ لوگ تناول فرمائیں - تمام لوگوں نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ خوب سیر ہو کر کھا چکے اور کھانا ویسا کا ویسا ہی رہ گیا اوسمیں اون کے ہاتھوں کا نشان تک نہیں معلوم ہوتا تھا - جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس خدا کی جسکے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے کہ وہ کھانا جو اتنے لوگوں نے ملکر کھایا ہے مقدار میں اتنا کم تھا کہ اکیلا آدمی اُسے کھا جاتا اسکے بعد آپ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں سیراب کردیں میں نے انہیں دودھ کا شربت پلایا اور وہ سب کے سب سیر ہو گئے اور قسم خدا کی وہ ایک آدمی کے پینے کی مقدار تھا اسکے بعد رسول اللہ صلعم نے کلام کرنیکا ارادہ کیا اس اثنا میں ابولہب نے اوٹھکر آپ کا قطع کلام کردیا اور قوم سے مخاطب ہوکر کہا کہ تمہارے دوست نے تم پر سحر کیا - یہ سنا تھا کہ تمام قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے - دوسرے دن پھر آپ نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یا علیؑ اس

بقیہ حاشیہ - بن یزید بن غالب الطبری جنکی کنیت ابوجعفر ہے علی الاطلاق راس المفسرین ہیں منجملہ اماموں کے ایک امام ہیں - وہ علوم میں جامع تھے جسمیں انکا کوئی شریک نہیں تھا - حافظ کتاب اللہ تھے صحیح سقیم - ناسخ اور منسوخ سے خوب واقف تھے تفسیر تو ایسی لکھی ہے کہ آج تک اوسکے مثل کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں گئی کیونکہ انھوں نے اسمیں روایت و درایت دونوں کو جمع کیا ہے جسمیں نہ انکا کوئی شریک نہ انکے قبل ہوا اور نہ انکے پیچھے ولادت مقام آمل ۲۲۴ھ میں ہوئی اور وفات ۳۱۰ھ میں۔

علامہ یافعی مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں له مصنفات مليحة في فنون عديدة تدل على وسعة علمه وغزارة فضله وكان ثقة في نقله وتاريخه أصح التواريخ وأثبتها - فنون عدیدہ میں انکی نہایت عمدہ تصنیفیں ہیں جن سے انکی وسعت علم اور جامعیت فضل و کمال ظاہر ہے نقل احادیث میں معتمد ہیں انکی تاریخ کو صحیح و ثابت ترین تاریخ کہا جاتا ہے۔

مصر کے اہل مطابع کی ایک حیرت خیز حرکت - تاریخ طبری کی اس روایت کے متعلق اخفاء حقیقت کی ایک حیرت انگیز حرکت مصر کے اہل مطابع عمل میں لائے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ کتاب پہلے جرمن میں چھاپی گئی جسکے مضمون روایت میں حضرت علیؑ کی نسبت آنحضرت صلعم کے جامع الفاظ وصیی و خلیفتی موجود ہیں جیسا کہ ہم اوپر نقل کرچکے ہیں - ملاحظہ طبری مطبوعہ جرمن ص ۱۱۷۳ اکثر اسی مطبوعہ جرمن کی نقل

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال الغد یا علی ان هذا الرجل سبقنی الی ما سمعت من القول فتفرق القوم قبل ان اکلمهم فعد لنا من الطعام بمثل ما صنعت ثم اجمعهم الی قال ففعلت ثم جمعتهم ثم دعانی بالطعام فقربته لهم ففعل کما فعل بالامس فاکلوا حتی ما لهم بشیء حاجة ثم قال اسقهم فجئتهم بذلک العس فشربوا حتی رووا منه جمیعا ثم تکلم رسول اللہ صلعم فقال یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومه بافضل مما قد جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدنیا والآخرة وقد امرنی اللہ تعالی ان ادعوکم الیه فایکم یوازرنی علی هذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنها جمیعا وقلت وانی لاحدثهم سنا وارمصهم عینا واعظمهم بطنا واحمشهم ساقا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیه فاخذ برقبتی ثم قال ان هذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا قال فقام القوم یضحکون ویقولون لابی طالب قد امرک ان تسمع لابنک وتطیع

شخص نے مجھے کلام کرنے میں سبقت کی اور قبل اسکے کہ میں کچھ کہوں قوم کے لوگ متفرق ہو کر چلے گئے۔ پس پھر تم آج ویسا ہی کھانا اور سب سامان وہی مہیا کرو۔ اور پھر سب لوگوں کو بلا لاؤ۔ میں نے آنحضرت صلعم کے حکم کے مطابق آج بھی ویسے ہی سامان سب مہیا کر لئے اور پھر ان لوگوں کو جا کر بلا لایا۔ جب میں کھانا لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے پھر وہی عمل کیا جو کل کیا تھا۔ تمام لوگوں نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ وہ دودھ پیا اور سیراب ہو گئے آپ طعام سے فارغ ہو کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مخاطب فرما کر کہا کہ اے بنی عبد المطلب خدا کی قسم میں جوانان عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس تمہارے دین و دنیا کی ایسی خبر لایا ہو جیسی کہ میں۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں اسکی طرف بلاؤں پس تم میں سے کون شخص ہے جو اس امر میں میری وزارت کریگا میرا بھائی ہوگا۔ اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہوگا۔ یہ سنکر تمام لوگ خاموش رہ گئے حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ باوجودیکہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں میری آنکھیں پر آشوب ہیں میرا پیٹ بڑا ہے میری پنڈلیاں پتلی ہیں لیکن میں۔ یا نبی اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر میں آپ کا وزیر ہوں گا۔ یہ سنکر آنحضرت صلعم نے میرے شانہ پر ہاتھ مار کر ارشاد کیا۔ یہ تم لوگوں میں میرا بھائی میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے

بقیہ حاشیہ۔ مصر کے مطبع میں چھپی چالاک دست اور بخاری پرست اہالیان مطبع کتاب میں ان الفاظ کا دیکھنا اور باقی رکھنا پسند نہ کر سکے بالآخر عبارت میں وصی و خلیفتی کی جگہ کذا وکذا کا لفظ بڑھا دیا۔ امام بخاری بھی اکثر مقام پر ایسے ہی ترکیب بر اثر عمل میں لاتے ہیں طبری مطبوعہ مصر کی عبارت متغیرہ ملاحظہ ہو فایکم یوازرنی علی هذا الامر علی ان یکون اخی کذا وکذا فاخذ برقبتی ثم قال ان هذا اخی کذا وکذا فاسمعوا له واطیعوا ص ۶۸ جلد ۹۔ افسوس حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی وصی و خلیفتی کو تو چھپایا۔ گویا مبتدای علل کو محذوف کر دیا لیکن صورت حقیقت نے فاسمعوا له واطیعوا کو ویسا کا ویسا ہی صحیح و سالم چھوڑوا دیا۔ جو اسی مبتدای علل کی خبر معلول ہے اور منطق کے اصول انطباق میں مسلم ہے کہ جب کسی جملہ یا فقرہ میں علل و اسباب نہ معلوم ہوں اور معلول و مسبب اُسکا موجود ہو تو وہی معلول و مسبب اپنی علل کی خبر کیلئے کافی ہوگا اسلئے اگر علل حقیقی وصی و خلیفتی نہ رہا تو نہ سہی اوسکا معلول اصلی۔ اطاعت اور اوسکی سماعت و متابعت تو اپنے مقام پر موجود ہے عالم سمجھ گیا کہ اُس کا عہدہ وزارت و خلافت مرقوم ہوا یا نہ ہو تو کیا جب اسکی سماعت، اطاعت کا حکم صریح موجود ہے تو وہ بذاتہ مفترض الاطاعت تسلیم کیا جاویگا۔ چودہ سو برس کے گذر جانے کے بعد بھی آج تک فضائل و مناقب علیؑ کے چھپانے گھٹانے اور مٹانے کی یہی کیفیت ہے پھر ان حضرات کے حقیقی مراتب و مدارج کی حقیقت کیسے معلوم ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ انھیں حقیقت نگاریوں کیلئے امام طبری پر شیعیت کا الزام لگایا گیا تھا کہ اونھوں نے بہت سی باتیں خلاف

اسکی باتوں کو سنو اور اسکی اطاعت کرو یہ سنکر تمام لوگ ہنستے ہوئے اور استہزا سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ تم اب اپنے بیٹے علی کے مطیع و منقاد بنائے گئے۔ اسکی باتوں کو سنو اور اسکی اطاعت اختیار کرو۔

اسلام کی اس اعظم ترین اور اولین واقعہ کی تفصیلی حالت یہ تھی۔ جسکو ہم نے اپنے متعدد اور متواتر ماخذوں سے اوپر نقل کردی یہ واقعہ ہر طریقہ سے دعوت اسلام اور تبلیغ ایمان کا سنگ بنیاد تھا۔ اسکی اہمیت تو اسی سے ظاہر ہے کہ بقول ابن اسحاق امام طبری اور امام بغوی وغیرہم جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرا سا توقف فرمانے کیلئے عتابانہ تہدید نازل فرمائی گئی تھی۔ اور اس خیال سے آنحضرت صلعم سخت متاثر ہو کر اسکی تعمیل میں پھر جس سرگرمی اور مستعدی اور جس سامان و اہتمام سے ایکبار نہیں دو دو بار مصروف ہوئے وہ روئداد واقعہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ پہلی بار بدبخت ابولہب کی حرکت سے آپ کو اسکے مقصد میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی لیکن حکم خداوندی کی عظمت و جلال آپ کے ہمت و استقلال سے آپ کو ذرا بھی بیدل نہونے دیا اور دوسرے دن اوسی اہتمام و انتظام سے منشاء خداوندی کے مطابق اس حکم الٰہی کو انجام دیا۔ اس تفصیل کو بخاری صاحب کے اقتصار اور شبلی صاحب کے اختصار سے مقابلہ کیا جاوے تو خود غرضی نفسانیت اور عصبیت کے اسرار ہویدا اور آشکار ہو جائیں گے اور وہ مقصد انگیز اغراض و اسباب بھی ثابت ہو جائیں گے جنکی بنا پر اس واقعہ کو اس اختصار۔ استخفاف اور قطع و برید کے خاص طریقہ سے نقل کیا گیا۔ کیونکہ صرف اسلئے کہ اسکی تفصیل تعمیم و مساوات کے اصول موضوعہ کو بالکل رد و باطل کر دیتی تھی اور جناب علی مرتضیٰ ع کے فضائل و مناقب کو آغاز اسلام سے دائرہ امت خیر الانام علیہ السلام میں خاص رسول اللہ ص کی زبانی عام اس سے کہ وہ تنہا

بقیہ حاشیہ۔ عقائد حصین اونکو یہ لکھنا چاہیئے تھا۔ لکھدی ہیں لیکن بذات خاص اونکی اور اونکی تصانیف کی عظمت و اہمیت ایسی ہی تھی کہ اونکی متروک کر دینے سے بہت سے عقائد کی مفید اور ضروری مطالب و مقاصد نیست و نابود ہو جاتے شبلی صاحب نے دیباچہ میں ان امور پر بہت اختصار کیساتھ روشنی ڈالی ہے اور ہم اونہیں کے خاتمہ مختصرہ کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض محدثین (سلیمانی) نے طبری کی نسبت لکھا ہے کہ شیعوں کیلئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين یہ جھوٹی بدگمانی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام تھے ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثل تاریخ کامل ابن اثیر ابن خلدون ابو الفداء وغیرہ انہیں کی ماخوذ اور اسی کی مختصرات ہیں سیرۃ النبی دیباچہ صفحہ ۲۰

اب ہم حسب الوعدہ بخاری کی ان روایتوں کی حقیقت دکھلاتے ہیں جنکو اونھوں نے دعوت قریش کے متعلق اپنی صحیح میں درج کیا ہے پہلی روایت یوں ہے عن ابن عباس لما نزلت وانذر عشيرتك الاقربين جعل النبي ينادي يا بني فهر يا بني عدي لبطون قريش وعن ابن عباس قال لما نزلت وانذر عشيرتك الاقربين جعل النبي يدعوهم قبائل قبائل وعن ابو هريرة ان النبي قال يا بني عبد مناف اشتروا انفسكم من الله يا بني عبد المطلب اشتروا انفسكم من الله يا ام الزبير بن العوام عمة رسول الله يا فاطمة بنت محمد اشتريا انفسكما من الله لا املك لكما شيئا سلاني من مالي ما شئتما الخ

ہون یا انصار۔ صحابہ ہون یا غیر صحابہ۔ ارجح اور افضل ثابت کرتی تھی سب سے زیادہ دہشت خیز اور خوف انگیز تو امین خلیفتی کا لفظ تھا۔ جس کا زبان رسول سے اقرار و اعلان شرف صحابیت او صحابہ کی خلافت کا بنا بنایا آشیانہ کا گھر مٹی کر دیا اور اصول عقائد کے تمام مصنوعی اغراض و مقاصد کو خاک مین ملا دیتا۔ تو پھر ایسی حالت مین بخاری صاحب اور اونکے ہمخیال علما و محدثین ایسے سادہ لوح نہین تھے۔ جو اپنے اسلاف کی اتنی کی کرائی کارروائی پر پانی پھیر دیتے اور "ع" ما از چراغ خویش در خانہ سوختیم۔ کی نظیر و مثال بنتے کے مطابق بخاری صاحب نے حسب ضرورت حسن داو پیچ اور کتر بیونت سے اس واقعہ کو اپنی صحیح کے متعدد مقامات پر لکھا ہے۔ یا اونکے ہمخیال محدثین نے جن جن ترکیبون اور چالون سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اوسکو ہم نے تفصیل سے حاشیہ زیرین کی عبارت مین محض عبرت ناظرین کے خیال سے لکھدیا ہے۔ اس لئے ہم اس کی نسبت یہان کچھ زیادہ تفصیل سے نہین لکھین گے۔

بقیہ عبارت حاشیہ عباس سے مروی ہے کہ جب آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا تو حضرت نے پکارنا شروع کیا اے بنی فہر اے بنی عدی بطون قریش کو۔ دوسری روایت ہے ابن عباس سے کہ آپ نے ہر ہر قبیلہ کو پکارنا شروع کیا تیسری حضرت ابوہریرہ سے کہ حضرت نے فرمایا اے بنی عبد مناف اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو اے بنی عبد المطلب اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو۔ اے مادر زبیر ابن العوام اور اے فاطمہ بنت محمدؐ اپنے نفسوں کو خدا سے خرید کر لو کیونکہ ہم تمہارے لئے کسی امر کے مالک نہیں ہیں۔ جو چاہو تم میرے مال سے لے لو۔

اب اسکی شرح اور جرح فتح الباری کے ان الفاظ مین ملاحظہ ہو وهذه القصة ان كانت وقعت في صدر الاسلام بمكة فلم يدركها ابن عباس لانه ولد قبل الهجرة بثلاث سنين ولا ابو هريرة لانه اسلم بالمدينة وفي نداء فاطمة يومئذ ايضا ما يقتضي تأخر القصة لانها كانت حينئذ صغيرة او مراهقة وان كان ابو هريرة حضرها فلا يناسب الترجمة لانه انما اسلم بعد الهجرة بمدة والذي يظهر ان ذلك وقع مرتين مرة في صدر الاسلام ورواية ابن عباس وابي هريرة لها من مراسيل الصحابة وهذا الموافق للترجمة من جهة دخولها في مبدء البعثة النبوية ويؤيد بذلك ما سيأتي من ابي لهب كان حاضرا لذلك وهو مات في ايام بدر ومرة بعد ذلك حيث يمكن ان تدعى فيه فاطمة او يظهر ذلك ابو هريرة وابن عباس ج ۳ ص ۱۳۱ یعنی اگر یہ قصہ ابتدائے اسلام مین مکہ مین واقع ہوا تو ابن عباس شریک واقعہ نہیں تھے کیونکہ وہ تو ہجرت سے صرف تین برس قبل پیدا ہوئے تھے اور نہ ابوہریرہ ہی تھے۔ کیونکہ وہ تو مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں پھر حضرت فاطمہؑ کو پکارنا بھی مقتضی تاخیر قصہ ہے کیونکہ وہ تو اسوقت بہت چھوٹی تھیں یا کچھ ہوش والی تھیں اور اگر ابوہریرہ حاضر تھے۔ تو ترجمہ کے مناسب یہ روایت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو ایک مدت کے بعد اسلام لائے تھے اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ دو مرتبہ ہوا ایک مرتبہ ابتدائے اسلام میں۔ کیونکہ ابولہب کی شرکت ہے اور وہ قریب جنگ بدر مرا ہے۔ تو یہ روایت مراسیل صحابہ سے ہوگی۔ اور دوسری بار مدینہ میں واقع ہوا جب دعوت فاطمہ اور شرکت ابن عباس و ابوہریرہؓ ممکن ہو سکتی ہے اب تو کسی کو اس روایت کی عدم صحت میں کلام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسکا اصل راوی وہ شخص ہے جو اسوقت پیدا ہی نہین ہوا تھا۔ نہ وہ اس مجمع میں آیا تھا اور نہ اسلام لایا تھا پھر بخاری کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

حرف استنا اور اضافہ کردینگے کہ شبلی صاحب نے مقدمہ کتاب مین ترجیح حدیث علی السیرۃ اور ترجیح بخاری علی سائر الصحاح کی نسبت جو اتنا طومار باندہا تھا اور یہ بتلایا تھا کہ سیرت رسولؐ کے متعلق تمام مرویات کو احادیث سے مستخرج کرنا چاہیئے۔ اور وہ حدیثین بھی کون جو صحیح بخاری مین مندرج ہون۔ اوسکی اصلی غرض اور گویا اوس مبتدا کی اب خبر معلوم ہوئی بقول شبلی صاحب ؎ ہمہ ورق کہ سیہ گشت و مدعا اینجا ست ؂

ہان جن مقاصد و عقائد کے اصول پر شبلی صاحب نے اپنی کتاب کی تدوین فرمائی ہے اور جن احادیث موضوعہ و مصنوعہ سے اوسکو مرتب فرمایا ہے اوسکے لئے وہ بذات خاص مجبور و مامور ہین۔ دوسرے لوگ یا وہ جو اصول تحقیق و انصاف کے مسلک پر قایم ہین۔ اسکے لئے کیون مجبور و معذور کئے جاینگے۔ طبری پر جو تشیع کا الزام لگایا گیا۔ اور پھر باوجود الزام۔ اونکو سواد اعظم کی امامت سے خارج نہین فرمایا گیا۔ جس کا ذکر گو کیسا ہی مختصر ہو۔ آپنے بھی اپنے دیباچہ کتاب ص۲۰ مین کیا ہے۔ اوس کا خاص باعث یہی تہا کہ امام موصوف نے تحقیق و انصاف کی روسی اس واقعہ کو اور اسکے ایسے اکثر واقعات کو جن سے آپکے اصول تعمیم و مساوات کی تردید و تغلیط ہوتی تھی۔ اپنی کتاب مین نقل کردیا۔ لیکن چونکہ طبری کی تاریخ و تفسیر کو خصوصاً طبقہ متقدمین مین جو اہمیت و افضیلت حاصل ہے وہ ہرگز

بقیہ عبارت حاشیہ روایت میں اتصال ضروری ہے کہ جو شخص راوی ہو وہ راوی اول سے ملا ہو۔ یہان راوی اول ہی ندارد ہے۔ کیونکہ ابن عباس اور ابو ہریرہ خود تو موجود ہی نہ تھے اب رہا یہ خیال کہ دوسرے سے سنا ہو تو وہ نام بھی مذکور نہیں ہے۔ لہذا روایت ہی ساقط ہوگئی۔

ابن تحریر نے بخاری پرستی کے اصول پر یہ بات تو مان لی کہ دو مرتبہ ایسا ہوا ہوگا لیکن اسکی کوئی سند نہیں دی۔ اور پھر آگے چلکر اقرار بھی کردیا کہ دو مرتبہ نزول آیہ ماننا خلاف اصل ہے پھر اس ماننے سے مخالفت حکم آلہی لازم آتی ہے۔ کیونکہ حکم ہے عشیرۃ اقربین کے اندار کا اور آپ پکارتے ہیں دور کے رشتہ والون کو کیونکہ پہلے نام لیا ہے بنی فہر کا جس سے بارہ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ پھر نام لیا ہے بنی عدی کا جس سے آٹھ یا نو پشت کا فاصلہ ہے۔ ابن تحریر اسکی یون تاویل فرماتے ہیں۔ ویدائہ للقبائل قریش قبل عشیرۃ الاقربین لیکون الانذار عشرتہ ولدخول قریش کلہا فی اقاربہ وکان الانذار العشیرۃ یقع بالطبع ویکون الانذار غیرہم بطریق الاولی ص۱۸۳ حضرت نے قریب والوں کو چھوڑ کر دور کے قبائل والون کو اسلئے ندا دی کہ اپنے عشیرہ کا انذار مکرر ہو جائے اور نیز اسلئے کہ قریش کلہم حضرت کے اقارب سے تھے۔ یہ معلوم ہو جائے اور اس لئے کہ انذار عشیرہ کا بالطبع واقع ہوتا ہی اور غیر کا انذار بطریق اولی ہوتا ہے اس سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ حضرت کو حکم تھا انذار اقربین کا اور حضرت نے اسکے خلاف عمل کی تو کیا کوئی مسلمان اسے قبول کرسکتا ہے کہ اگر انذار اقرب سے انذار ابعد بھی حاصل ہوتا تو لازم آتا کہ کلام خدا (نعوذ باللہ) لغو ہو جس نے انذار اقربین کا حکم دیا۔ حالانکہ عام طور سے ہی دیکھا جاتا ہی کہ جو حکم عام کیلئے ہوتا ہے خواص اپنے آپ کو اوس سے بری جانتے ہین اور اگر یہی مساوات عام مانی جاتی ہے تو جعلنا شعوبا و قبائل لتعارفوا کی تمیز و تخصیص کا حکم مخصوص کیون دیا جاتا۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جو قرابت بنی ہاشم کو آنحضرتؐ کے ساتھ تھی وہی

اسکے متروک کردیے جانے کی مجوز نہین ہوئی۔ کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو سواد اعظم مین گویا تاریخ و تفسیر کا خاتمہ ہوجاتا اِس بنا پر وہ بھی رکھ لئے گئے اور اونکی تفسیر و تاریخ بھی۔ آخر مین ہمکو یہ لکھدینا بھی نہایت ضروری ہے کہ صحیح بخاری اور اونکی ہمخیال و ہم مذاق محدثین کے علاوہ دیگر مفسرین و محدثین نے بھی اسی تفصیل و تصریح کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی اپنی تالیفات مین درج کیا ہے جس تفصیل سے امام محی السنۃ بغوی امام المغازی والسیرۃ ابن اسحاق اور امام طبری وغیرہم نے نقل فرمایا ہے۔ اونکی کتابون کے نام مندرجہ ذیل ہین۔

تفسیر خازن۔ تفسیر سراج المنیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ کنز العمال۔ دلائل النبوۃ۔ حلیۃ الاولیا۔ ذخیرۃ المال عجیلی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب الآثار طبری۔ کتاب الاکتفا۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابو الفدا۔ تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر۔ معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحب۔

تبلیغ اسلام کے اس عظیم ترین واقعہ کو جس پر گویا اساس اسلام قایم ہوئی۔ شبلی صاحب نے چند الفاظ مین لکھکر تمام کردیا۔ ہم جانتے ہین یہ آپ کی اختصار پسندی اور کوتہ قلمی کا خاص مقام ہے۔ اور ان واقعات و حالات کی تشریحات و تفصیلات کی راہون سے آپ ہمیشہ خموشی اور عجلت کے ساتھ نکل جاتے ہین لیکن نکلنے نہین پاتے

بقیہ عبارت حاشیہ سے صراحت ہی علی اور بنی تیم کو بھی آپ کے ساتھ تھی۔ بخاری کی اس قلمکاری سے اصل غرض تو یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح بنی عدی اور بنی تیم کو بھی آپ کی قرابتداری مین داخل کردیں۔

اب رہی یہ بحث کہ بخاری کی یہ حدیث مرسل ہے انھوں نے اسکے لئے جو مخصوص باب باندھا ہے اُسکے الفاظ یہ ہین باب من انتسب الی آبائہ فی الاسلام والجاھلیۃ (باب ان لوگوں کے حال میں جو جاہلیت و اسلام میں آپ کے آباء کرام کے ساتھ تعلق نسبی رکھتے تھے) بیہودہ معقول ہے۔ کیونکہ اختلاف ہے تو اسیں کہ از راہ مفاخرت اور مناظرت توپشت تک انتساب ناجائز ہے یا جائز کیونکہ امام احمد اور ابویعلی نے روایت کی ہے کہ جو شخص اپنی پست کرے اپنے آباء کفار کیطرف نو پشت تک۔ جس سے مفاخرت مقصود ہو تو وہ دسوان جہنم میں ہے مگر یہ مضمون اس عنوان سے نہین سمجھا جاتا۔ پھر ایسی بات باندھنے سے کیا فائدہ۔ پھر جتنی حدیثیں اس باب مین لکھین وہ سب اس عنوان سے خارج ہوئین **حدیث اول** مین حضرت نے فرمایا ہے۔ کریم ابن کریم ابن یوسف بن اسحاق ابن ابراہیم **دوسری حدیث** مین فرمایا ہے انا ابن عبدالمطلب **تیسری حدیث** میں فرمایا ہے۔ یا بنی فہر یا بنی عدی **چوتھی حدیث** میں کہا ہے۔ یا بنی عبد مناف یا بنی عبد المطلب۔ یا صفیہ بنت عبد المطلب یا فاطمہ بنت محمد ص ان تمام روایتوں کو اس باب سے کوئی تعلق نہیں پھر ایسی روایتوں کے لانے سے کیا فائدہ کیونکہ مدار نسب اتصال پر ہے اور یہان اتصال ہی مدارد ہے۔

اب دوسری حدیث ملاحظہ ہو باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک اعنی جانبک حدثنا عمر بن حفص بن غیاث قال حدثنا الاعمش قال حدثنی عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال لما نزلت

حقیقت سدراہ ہوجاتی ہے ۔ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست ۔ ان اسلامی علماء محدثین فضلاء اور محققین کو جانے دیجئے جنھوں نے آپ کے خلاف اسکی اہمیت کو اس تفصیل سے لکھا ہم بھی کہتے ہیں کہ تقلید اسلاف کے اصول قدیم کے بالکل خلاف کیا لیکن حقیقت تو کسی سے چھپنے والی نہیں ۔ اپنا ہو یا پرایا ۔ آپ اسکا کیا علاج کرسکتے تھے ۔ آپ نے تو حتی الامکان بہت روک تھام کی لیکن بالکل ناکامیاب رہے ۔

دعوت قریش اور عیسائی مؤلفین کی تحقیق۔

حقیقت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چودہ سو برسوں کے بعد اسکی عظمت واہمیت نے آپ کے ایسے مویدین اسلام پر اگر نہیں تو مخالفین اسلام کے قلوب پر پورے طور سے اثر کیا اور اتنی مدت دراز کے بعد اس واقعہ کی حیرت خیزی اور تعجب انگیزی ۔ صداقت اور حقیقت کو جیسے اور جتنے الفاظ میں انھوں نے بیان کیا ہے ۔ ویسے ہی اور اتنے الفاظ میں آپ نے نہیں ۔ وجہ یہ تھی کہ وہ حقیقت پسند تھے اور آپ اپنے مطلب کے غرضمند ۔ ہم ان کے چند اقوال و مختار ذیل میں قلمبند کرتے ہیں ۔

بقیہ عبارت حاشیہ ۔ واللہ عشیرتک الاقربین صعد النبیؐ علی الصفا فجعل ینادی یا بنی فھر یا بنی عدی لبطون قریش حتی اجتمعوا فجعل الرجل اذا لم یستطع ان یخرج ارسل رسولا لینظر ما ھو فجاء ابو لھب وقریش فقال ارأیتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی قالوا نعم ما جربنا علیک الا صدقا قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابو لھب تبا لک سائر الیوم لھذا جمعتنا فنزلت تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنی عنہ ماله وما کسب حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنا سعید بن المسیب وابو سلمہ بن عبد الرحمن ان ابا ھریرۃ قال قام رسول اللہ صلعم حین انزل اللہ وانذر عشیرتک الاقربین قال یا معشر قریش او کلمۃ نحوھا اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئا یا عباس ابن عبد المطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئا ویا صفیۃ عمۃ رسول اللہ لا اغنی عنک شیئا یا فاطمۃ ... اصبغ عن ابن وھب عن یونس عن شہاب صفحہ ۱۷ ۔ جلد ۳ صحیح بخاری شریف

مضمون وہی ہے جو اوپر پہلی روایتوں میں لکھا گیا اس لئے ترجمہ کی طوالت غیر ضرورت ہے ان روایات کا اختلاف کو صرف ملاحظہ فرمائیے پہلی روایت باب المناقب میں ہے کہ جب آیۂ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو حضرت پکارنے لگے اے بنی فہر ۔ اے بنی عدی اور یہاں یہ ہے کہ حضرت کوہ صفا پر چڑھ کر پکارنے لگے جو صریح مخالف روایت اول ہے (۲) روایت اول میں کوئی ذکر انکے اجماع وغیرہ کا نہیں ہے اور اس روایت میں یہ اہتمام دکھلایا گیا ہے کہ جو آ نہیں سکتا تھا وہ اپنا قاصد بھیج دیتا تھا اور نام کسی کا بھی نہیں بتلایا گیا سوا ابولہب کے (۳) روایت اول میں کوئی ذکر حضرت کے کلام یا گفتگو کرنے کا نہیں ہے اور یہاں ابو لہب کا آنا اور حضرت سے وجہ تلاش دریافت کرنا اور پہلا الٹی سیدھی کلامی کرنا کہ ابو لہب کے بارے میں سورہ تبت یدا کا نازل ہونا (۴) روایت اول میں جو ابو ہریرہ سے منقول ہے اس میں فرزندان عبد مناف و عبد المطلب کے بعد حضرت صفیہ اور جناب سیدہ کا نام ہے اور یہاں حضرت عباس کا نام بڑھا دیا گیا (۵) روایت اول میں جناب سیدہ اور صفیہ دونوں سے فرماتے ہیں کہ جو چاہو میرے مال میں سے مطالبہ کرو ۔ صرف یہ خطاب یہاں جناب سیدہ سے ہوتا ہے ۔ حضرت صفیہ سے نہیں ۔ کیا کوئی ایسی کتاب کو جسکے صرف ایک واقعہ میں اسقدر اختلاف و تناقض موجود ہو صحیح کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں ۔ حالانکہ دونوں کے راوی اول حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں

مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی فار محمدؐ اینڈ ہز قران میں لکھتے ہین۔ Apology for Mohammed & his Quran

محمد صلعم نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہ کیا۔ اور دوبارہ چند مہمان اپنے خاص قبیلہ کے جمع کئے۔ اور ان لوگون کے سامنے بھیڑ کا گوشت اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا۔ اس بے تکلف ضیافت کے بعد وہ اوٹھے اور اپنے پاکیزہ صفات بیان کر کے اسپیچ (جسکی فطرتی جوش بیانی آجتک یادگار ہے) اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ کون تم مین اس بارگران کی برداشت کرنے مین مدد کرے گا۔ اور کون شخص میرا نائب اور وزیر ہوگا جسطرح ہارونؑ موسیٰ کے وزیر تھے۔ کل مجمع تعجب کیساتھ سکوت مین ہوگیا اور کسی کو اس مجوزہ عہدہ خوفناک کے قبول کرنیکی جرات نہین ہوئی۔ لیکن نوجوان، پرزور علی (محمد کے چچازاد بھائی) نے اوٹھکر اور للکار کر کہا۔ اے نبی اللہ مین آپ کا نائب اور وزیر ہون گا۔ اگرچہ مین درحقیقت ان لوگون سے کمسن ہون اور میری طاقتین ان لوگون کے مقابلہ مین کمزور معلوم ہوتی ہین۔ اے نبی مین انلوگون پر تمہارا نائب ہون گا۔ محمد صلعم نے اپنا ہاتھ علی کے گردن مین ڈالدیا اور اونکو اپنے سینہ سے لگا کر باواز بلند کہا کہ دیکھو میرے بھائی اور میرے وزیر کو۔

مسٹر کارلائل۔ اپنی کتاب ہیروز مین۔ جس کا اکثر حوالہ شبلی صاحب نے بھی دیا ہی۔ لکھتے ہین۔

اگرچہ یہ مجمع جسمین علیؑ کے باپ ابوطالب بھی تھے۔ محمدؐ (صلعم) کا دشمن تھا۔ مگر تاہم سب لوگون کو ایک اوٹھتی عمر کے اڑکے

بقیہ عبارت حاشیہ۔ اور حضرت ابوہریرہ ہین۔ اب اسکی شرح مین ابن حجر عسقلانی کی گہرافشانی ملاحظہ ہو ھذا من مراسیل الصحابۃ وبذلک جزم بہ الاسمعیلی لان اباھریرۃ انما اسلم بالمدینۃ وھذہ القصۃ وقعت بمکۃ وابن عباس کان حینئذ اما لم یولد واما طفلا۔ یہ حدیث مراسیل صحابہ سے ہے جسکو ملاسیہ بیان کرتے ہیں۔ اسمٰعیلی نے اسکے ساتھ حزم و احتیاط کی ہے کیونکہ ابوہریرہ اکی بہت دنون کے بعد مدینہ میں اسلام لائے اور یہ واقعہ مکہ میں ہوا۔ اور ابن عباس اوسوقت پیدا ہی نہین ہوئے تھے یا بہت بچے تھے۔

حدیث مرسل کا ضعف تو ثابت ہو گیا۔ پھر فرمائیے کہ یہ حدیث مندرج صحیح بخاری کیونکر ہوسکتی ہے۔ جس کا راوی شریک واقعہ کیا واقعہ کے وقت تک پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ دوسرا راوی نہ وہان موجود تھا اور نہ اوسوقت تک مسلمان ہوا تھا۔ اور جس شخص کی دونون آنکھون کے سامنے بلکہ دونو ہاتھون سے یہ واقعہ اور اسکے سامنے سامان سرانجام اور انجام دئیے گئے ہین۔ اسکی شہادت عینی کی بخاری صاحب تصدیق نہین فرماتے جسکو ماننا اونکے سواد اعظم کے تمام محدثین مفسرین صاحب حس اور مورخین نے بمرتبۂ متواتر لکھا ہی اور بیان کیا ہی۔ اب حدیث مرسل اور تفصیلی حقیقت تدریب الراوی امام سیوطی کی جسکا اکثر حوالہ شبلی صاحب اپنی سیرۃ النبی مین دیتے ہیں مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو

ثم المرسل حدیث ضعیف لا یحتج بہ عند جماھیر المحدثین والشافعی کما حکاہ عنھم مسلم فی صدر صحیحہ وعند البر فی التمھید وحکاہ الحاکم عن ابن المسیب ومالک وکثیر من الفقہاء واصحاب الاصول حدیث مرسل ضعیف ہوتی ہیں۔ جن سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ جمہور محدثین اور شافعی کا یہی مختار ہے۔ جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح کے شروع میں اور امام عبدالبر نے اپنی تمہید مین بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور حاکم نے بھی ابن مسیب مالک اور بہت سے فقہاء اصولین کا یہی مسلک بتلایا ہے۔ تدریب الراوی ص ۶۶

آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونون ملکر تمام دنیا کے برخلاف کوشش کرینگے۔ ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی۔ اور تمام مجمع قہقہہ لگاکر منتشر ہوگیا لیکن ثابت ہوگیا کہ یہ ہنسنے کے لائق بات نہ تھی بلکہ ٹھیک اور درست تھی یہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر ایک شخص اوسے پسند کرے اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور نیز اور باتون سے جو ہمیشہ اوس سے ظہور مین آئین۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ محبت سے بھرا ہوا اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جسکی تیزرو تندجرأت کے آگے کوئی چیز نہین ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت مین کچھ عجیب طرز کی جوانمردی تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا لیکن باوجود اسکے مزاج مین ایسی نرمی۔ رحم اور سچائی تھی کہ ایک کرسچین نائٹ Knight Christian (عیسائی دیندار مجاہد) کے شایان تھی۔

واشنگٹن آروِنگ اپنی کتاب سکسیسرس آف محمدؐ مین Successors of Mohamed. لکھتے ہین۔

محمد صلعم نے باوجود اپنی پہلی کوشش مین ناکامیاب رہنے کے دوبارہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو اپنے مکان پر جمع کیا اور اونکی ضیافت کی۔ پھر کھڑے ہوکر خدا کے الہامی حکم سے اپنے سلسلہ کے لوگون کو آگاہ کیا اور باواز بلند فرمایا کہ اے اولاد عبدالمطلب جس خدا نے تملوگون کو افضل ترین نعمتین عطا کی ہین اوسکے نام سے تملوگون کو اس دنیا کی برکتین اور

بقیہ عبارت حاشیہ۔ امام نوویؒ لکھتے ہین فی شرح المهذب المرسل لا تحتج به عندنا وعند جمهور المحدثين وجماعة من الفقهاء وجماهير اصحاب الاصول والنظر قال وحكاه الحاكم ابو عبد الله عن سعيد بن المسيب ومالك وجماعة اهل الحديث والفقهاء ص ۵۷۔ امام نووی کہتے ہیں کہ مرسل سے احتجاج نہیں ہوسکتا۔ ہمارے نزدیک۔ نہ جمہور اصحاب اصول کے نزدیک۔ نہ صاحبان نظر کے نزدیک۔ اور حاکم نے سعید بن المسیب اور مالک جماعت اہل حدیث و فقہا سے اسی مختار کی حکایت کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف حضرت علی کی عداوت اور آپ کی فضائل و مناقب چھپانے کی غرض سے بخاری نے روایت متصل کے ہوتے ہوئے مراسیل روایت سے کام لیا۔ سو یہ ین مراسیل بخاری نے جو طوفان تائید بخاری مین اوٹھائے ہیں اوسکو ہم اگر تفصیل سے لکھین تو بہت طوالت ہو جائیگی فتح المغیث میں (ص ۵۷) اس بحث کو کامل تفصیل سے لکھا ہی اور اخیر میں جب مراسیل صحابہ کی صحت پر تصفیہ ٹہرا جیسا کہ شبلی صاحب کا بھی مسلک ہے (دیکھو دیباچہ) تو پھر اس تصفیہ پر بھی اتفاق نہو سکا۔ فتح المغیث میں نتیجہ بحث کے موقع پر یہ فیصلہ کن الفاظ مرقوم ہیں وبالغ بعضهم في المضيق فرد مراسيل الصحابة یہاں تک مبالغہ کیا گیا کہ مراسیل صحابہ کو بھی رد کر دیا گیا۔ ص ۵۷ اس کے ثبوت مین فتح المغیث کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ انه قال في الحديث الى عليه هو عن عبد الله بن مسعود انه سئل كان عبد الله مع النبي صلعم ليلة الجن قال لا ابو عبیدہ نے جو عبداللہ بن مسعود سے روایت کی تو پوچھا گیا کہ عبداللہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لیلۃ الجن میں تھے یا نہیں کہا گیا نہین۔ حالانکہ عبداللہ بن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں اور قصہ جن داخل قرآن ہے مگر صرف اسوجہ سے کہ وہ اوسوقت آنحضرت صلعم کے ساتھ نہ تھے اسلئے یہ روایت مقطوع قرار پائی۔ تو یہ روایتین ابن عباس اور ابوہریرہ کی کس قابل قبول ہوسکتی ہین جو اوسوقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اب ایک اور عالم خاص ملاحظہ ہو بعض علمائے اہلسنت اسکے قائل ہوئے ہین کہ حدیث مراسیل حدیث مسند ہے۔ اُسی فتح المغیث مین ہے

آیندہ کی تمام خوبیاں بخشتا ہوں پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا وزیر اور میرا جانشین ہوگا یہ سنکر سب لوگ خاموش رہ گئے
بعض لوگ تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخرکار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر
کے حضور میں عرض کی کہ اے پیغمبر صلعم میں حاضر ہوں محمد صلعم نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن میں ڈالدیے اور اونکو اپنے
سینہ سے لگاکر با آواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اوسکی فرمانبرداری کرو
نوجوان علیؑ کے اس جرات و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگاکر اس کمسن خلیفہ کے باپ (ابیطالب کو) اپنی بیٹے
کے سامنے سر جھکنے اور اوسکی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔

مسٹر گبن۔ ایم پی۔ Mr Gibbon M P اپنی تاریخ اقبال و ادبار روما میں لکھتے ہیں۔

محمد صلعم نے اظہار دعوت میں تامل فرمایا۔ اوسوقت تک کل ۱۴ آدمی ایمان لاچکے تھے۔ لیکن چوتھے برس
اونھوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کی غرض سے اونھوں نے
خاندان بنی ہاشم سے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا۔ اور اون کے لئے سامان ضیافت مہیا فرمایا۔ بعدہ اون لوگوں کو
مخاطب کرکے فرمایا۔ اے دوستو۔ اے عزیزو میں تم لوگوں کے لئے افضل ترین نعمتیں دین و دنیا کا خزانہ لایا ہوں جسکو
میرے سوا دوسرا شخص نہیں دیسکتا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تملوگوں کو اوسکی عبادت کی طرف بلاؤں۔ پس تم لوگوں
میں سے کون میرا رفیق اور وزیر ہوگا پیغمبر صاحب کے اس سوال کا کچھ جواب نہ دیا گیا۔ حتی کہ وہ حقارت رشک اور تعجب
کی خاموشی حضرت علیؑ کی جرأت سے دفع ہوئی جو اسوقت ایک چہاردہ سالہ نوجوان تھے۔ انھوں نے عرض کی کہ

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ ۵ میں۔ فترا حتلفوا هوا على من المسند او دونه او مثله او تظهر فائدة الخلاف عند
التعارض والذى ذهب اليه احمد وكثير المالكية والمحققون من الحنفية كالطحاوى وابوبكر الرازى مقدم
المسند قال ابن عبد البر وشبهوا ذلك بالشهود يكون بعضهم افضل حالا من بعض واقعد واتم معرفة و
ان كان الكل عدولا جائزى الشهادة یعنی آپس میں اختلاف ہے کہ مرسل بہتر ہے مسند سے یا کم ہے۔ یا برابر ہے۔ اس اختلاف کا نتیجہ
تعارض کیوقت ظاہر ہوتا ہے۔ مذہب احمد و اکثر مالکیہ اور محققین حنفیہ مثل طحاوی اور ابوبکر رازی یہی ہے کہ حدیث مسند مقدم ہے۔ ابن عبد البر کا
قول ہے کہ یہ شاہد ہی گواہی سے کہ بعض گواہی گواہ کی افضل ہوتی ہے بعض سے اگرچہ سب عدول اور جائز الشہادت ہوں۔ اس اختلاف سے یہاں
یہ معلوم ہوا کہ بعض ایسے بھی عقل کے پورے ہیں کہ مرسل کو ترجیح دیتے ہیں متصل پر۔ ہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ محققین کا یہی مذہب ہے کہ حدیث مسند
افضل ہے مرسل سے تو اب کوئی بخاری صاحب کی روح سے پوچھے کہ آپ نے حدیث مسند کے ہوتے ہوئے۔ جو آپ کے اوستاد امام حنبل کے
مسند میں موجود ہے کیوں اوس مسند کو چھوڑا اور اس مرسل کو درج صحیح کیا بجز استخفاف حق جناب علی مرتضی اور کون امر باعث تھا۔

اسناد احتجاج حدیث مرسل بھی ملاحظہ ہو۔ فتح المغیث میں ہے۔ دعلی من ذلك ما رويناه فى الحلية من طريق ابن
مهدى عن ابن هيعة انه سمع شيخا من الخوارج يقول بعد ما تاب ان هذه الاحاديث دين فانظروا عمن
تاخذون دينكم فانا كنا اذا هوينا امرا صيرنا حديثا انتهى وكذا قال سنحان ان هذه والله قاصمة الظهر

اے نبی اللہ ص میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت اور رفاقت کے لئے حاضر ہون۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لونگا اونکے دانت توڑ ڈالونگا۔ اونکے پیٹ پھاڑ ڈالونگا۔ اے نبی اللہ ص میں آپ کی وزارت کے لئے حاضر ہون محمد صلعم نے علی ع کے التماس کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا اور حاضرین نے ابوطالب کو چھیڑ کر کے اس عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے

عیسائی مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے ہمارے غرض شہادت واقعہ سے نہین ہے۔ بلکہ شہرت واقعہ سے طالبان تحقیق پر ثابت ہوگیا کہ حقیقت حال پوری تفصیل و تشریح کیساتھ کتنی مشہور و معروف ہے کہ ایشیا سے لیکر یوروپ تک تمام صاحبان تحقیق اس سے پورے واقف ہین اور اسلامی مورخین و محدثین کیا۔ غیر مسلم مولفین و محققین نے بھی اصلی ماخذون اور عربی کتابون سے اسکو لیکر اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات مین قلمبند فرمایا ہے۔

پھر ہم یاد دلاتے ہین کہ حقیقت کسی کے بھی چھپائے چھپ نہین سکتی۔ اس لئے کہ حقیقت ہی بخاری صاحب اور اونکے ہمنواد ہمخیال حضرات نے اسے لاکھ چھپایا۔ اور اسکی معانی و مطالب کو گھٹایا۔ لیکن حقیقت کے جبروت نے اونھین کے ایسے بیشمار علماء و محدثین سے تو لکھوا ہی تھا۔ مخالفین اور اغیار سے بھی حقیقت کی تفصیلی واقعات کا اعتراف کرا ہی چھوڑا۔ اب رہی بخاری صاحب کی طلسمی قلمکاری۔ اوسکی حقیقت عبارت حاشیہ سے پورے طور پر واضح اور روشن ہوکر مویدین بخاری کے لئے عبرت آموز ہے

(نبوت کا پانچوان سال)

بقیہ عبارت حاشیہ۔ الصحیحین بالمرسل اذ بدعة الخوارج کانت فی صدر الاسلام والصحابة متوافرون ثم فی عصر التابعین فمن بعد هم وهولاء کانوا اذا استحسنوا امرا جعلوه حدیثا و اشاعوه فربما سمع الرجل الشئ فحدث به ولم یذکر من حدثه به تحسینا للظن فیحمله عنه غیره ویجیئ الذی یحتج بالمقاطع فیحتج به مع کون اصله ماذکرت فلاحول ولا قوة الا بالله واما الالزام بتعالیق البخاری فهو قد علم شرطه فی الرجال و تقییده بالصحة بخلاف التابعین اس سے بڑھکر تو وہ روایت ہے جو بطریق ابن مہدی ابن لہیعہ سے مروی ہے کہ ایک شخص خارجی کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہتا تھا۔ یہ حدیثیں اصل دین ہین پس دیکھیں کہ تم کس سے اپنا دین لیتے ہو۔ کیونکہ ہم لوگوں کا قاعدہ تھا۔ کہ جب کوئی بات پسند آتی تو اسکو حدیث بنا لیتے۔ اس بنا پر ہمارے شیخ نے کہا کہ اس حدیث سے پورے طور پر ان لوگوں کی کمر توڑ ڈالی ہے جو حدیث مرسل کو حجت جانتے ہین کیونکہ خوارج کی بدعت صدر اسلام سے چلے آتے ہین جبکہ صحابہ بکثرت تھے۔ پھر زمانہ تابعین مین بھی اونکی ایسی ہی کثرت تھی۔ اور اونکا دستور تھا کہ جس امر کو پسند کرتے اسکو حدیث بنا لیتے اور شائع کر دیتے۔ جس سے اکثر ہوتا کہ سننے والے بوجہ حسن ظن کے اوسکو قبول کر لیتے اور دوسرون سے بیان کر دیتے جیکو وہ سنکر غیرون سے بیان کرتے۔ اور پھر اس سے وہ استدلال کرتے جو روایت مقطوع سے استدلال کرتے ہین۔ حالانکہ اونکی اصلیت یہ ہوتی ہے لاحول ولا قوة۔ رہ گیا الزام تعالیق بخاری کا تو وہ ایسے شخص ہین کہ اونکا حال شرائط رجال اور قید صحت معلوم ہے بخلاف تابعین کے۔

اس روایت نے جہاں یہ بتایا کہ مراسیل سے استدلال بالکل غلط ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بخاری کی روایتیں اسی قسم کی ہین اور اونکی تحقیق

کفار قریش کے اسباب مخالفت ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ ابتداً کفار قریش اگرچہ مخالفت اسلام کے صیغہ مین خموش رہتے تھے لیکن اسلام کے نام سے اونکو ایسی فطرتی نفرت تھی کہ اسکے ذرا سے اظہار و اعلان پر چراغ پا ہو جاتے تھے اور دبی ہوئی چنگاری کی طرح فوراً بھڑک اوٹھتے تھے اور غربائے مسلمین پر جو اوسوقت تک محض اونگلیون پر شمار کئے قابل تھے ٹوٹ پڑتے تھے اور اونکی غریب جانون پر قیامت کے ظلم و ستم ڈہاتے تھے تفصیل آگے آتی ہے۔

تفصیل سے پہلے ہمین چاہیئے کہ مشرکین قریش کے عام طبقہ مین مخالفت اسلام کے اسباب تلاش کرین اور یکجا کرکے اونکو مفصل اور مسلسل طریقہ سے بتلادین اور دکھلادین کہ ہر شخص اونکی مخالفت کے بیرونی اور اندرونی اسباب کو کما حقہ سمجھ لے حدیث و تاریخ کی کتابون مین یہ اسباب و علل ایک جگہ جمع کرنے کی ترکیب کے خلاف مختلف مقامات مین اہمیت واقعات کی رعایت و مناسبت کے اعتبار سے جمع کئے گئے ہین۔ صاحب رحمۃ العالمین نے مجمل طور سے اور شبلی صاحب نے مفصل طریقہ سے ان تمام توجیہات کو سیرۃ النبی مین مندرج فرمایا ہے۔ ہم اوسی کی نقل و خلاصہ کو اپنے مدعائے بیان کے لئے کافی سمجھکر حسب ذیل لکھتے ہین۔

قریش کی مخالفت اور اوسکے اسباب یہ تھے۔ مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اوسکی وجہ سے۔ وہ ہمسایگان (جار اللہ) حالانکہ آل اللہ۔[۵] خاندان الٰہی کہلاتے تھے۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ تعلیقات نے زیادہ حیرانی مین ست کو ڈالدیا ہے۔ کیونکہ وہ تنہا ایسی روایتوں ہی کو وجہ صحیح نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر مشائخ بھی خوارج تھے جو اس قسم کی حدیثیں پھیلاتے تھے کہ جس قسم کی چاہتے حدیث بنالیتے اور وہ درج صحاح ہوجاتی۔ امام مناوی تقریب مین لکھتے ہیں۔ السادسۃ من کفر ببدعۃ لم یحتج بہ بالاتفاق ومن لا یکفر قیل لا یحتج بہ مطلقا وقیل یحتج بہ ان لم یکن ممن یستحل الکذب فی نصرۃ مذھبہ او لاھل مذھبہ وحکی عن الشافعی وقیل یحتج بہ ان لم یکن داعیۃ وھذا ھو الاظھر الاعدل وقول الکثیر والاکثر وضعف الاول باحتجاج صاحبی الصحیحین وغیرھما بکثیر من المبتدعۃ غیر الدعاۃ (منقول از تدریب الراوی سیوطی) یعنی جو شخص کہ بدعت کا مرتکب ہوا اوس سے بالاتفاق استدلال نہین ہوسکتا۔ رہے وہ لوگ جو بوجہ بدعت کافر نہین ہوئے انمین اختلاف ہے بعض مطلقاً مانع ہیں بعض جائز جانتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے مذہب یا اہل مذہب کی نصرت میں کذب کو حلال نجانتا ہو۔ قول شافعی کا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مذہب بدعت کا داعی نہو تو جائز ہے اور اگر داعی ہو تو ناجائز یہی قول اظہر۔ اکثر اور اعدل ہے مگر قول اول اسوجہ سے ضعیف کردیا گیا ہے کہ شیخین نے صحیحین میں اکثر بدعتیوں سے روایت کی ہے +

[۵] جار اللہ ہو یا آل اللہ۔ جو چاہیں قریش اپنے لئے نام و لقب اختیار کرلیں۔ لیکن اس سے بات ہو کہ اہل بیت کا مقدس خطاب و القاب اوسوقت تک انھیں بزرگوارون تک مخصوص تھا جنکی نسبت مخصوصہ قرآن مجید کے الفاظ مخصوصہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ میں موجود ہین

+ لیجئے اس قول سے معلوم ہوا کہ کوئی قاعدہ جو شیخین کی وجہ خاص سے درست نہین رہ سکتا۔ عدم قبول حدیث مرسل کا قاعدہ بخاری کی وجہ ہی شکست ہوا۔ بدعتیوں سے روایتوں کا رواج صاحبین صحیحین سے ہوا۔ آخر یہ قاعدہ بھی شیخین کی بدولت نہ قائم رہ سکا آخر میں یہ بتایا گیا کہ اگر وہ بدعتی اپنی مذہب کا داعی ہو تو اوسکی روایت نہ لی جائے۔ اسکے متعلق امام سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہین۔

اسکی صرف وجہ یہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسا اعظم تھے اور جنکے آثار و اقتدار تمام مکہ پر تھا۔ اونکے نام یہ ہیں۔

(۱) ابوسفیان بن حرب۔ معویہ کا باپ۔ حرب فجار میں قریش کا سپہ سالار۔

(۲) ابولہب آنحضرت کا عم نافہم۔

(۳) ابوجہل ولید بن المغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار۔

(۴) ولید بن مغیرہ خالد کا باپ۔ قریش کا رئیس اعظم۔

(۵) عاص ابن وائل عمرو بن عاص کا باپ نہایت کثیر المال۔ کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا۔

(۶) عتبہ بن ربیعہ معاویہ کا نانا۔ نہایت شریف الطبع[۵۱] اور صاحب ریاست تھا

ان کے سوا۔ اسود ابن عبدالمطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث بن کلدہ۔ اخنس بن شریق ثقفی ابی بن خلف۔ عقبہ ابن معیط اموی اور ابوالبختری وغیرہم۔ صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے۔

پہلا سبب۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ خاندان بنی ہاشم اور بنو امیہ[۵۲] برابر کے حریف تھے۔ اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔ نا تربیت یافتہ اور تمدن قوموں کا قاعدہ ہے کہ کوئی تحریک ہو اونکی آبائی

بقیہ عبارات حاشیہ۔ الاول قید جماعہ قول عبداللہ اعتیہ اذا لم یروا ما یقوی بہ عنہ صرح بذالک الحافظ ابو اسحق الجوزجانی شیخ ابوداؤد والنسائی قال فی کتابہ المعرفۃ الرجال ومنھم زائغ عن الحق ای عن السنۃ الصادق اللھجہ فلیس فیہ حیلۃ الا ان یوخذ من حدیثہ ما لا یکون منکرا اذا لم یقو بہ بدعتہ وبذالک جزم شیخ الاسلام فی النخبۃ وقال فی شرحہ ما قال الجوزجانی متجۃ لان البلیۃ التی لھا وجد بت الداعیہ وارادۃ فیما اذا کان ظاہر المروی یوافق المبتدع ولو لم یکن داعیۃ الثانی قال العراقی اعترض علیہ بان الشیخین ایضا احتجا بعبد الحمید بن عبد الرحمٰن الحمانی وکان داعیۃ الی الارجاء واجاب بان ابا داؤد قال لیس فی اھل الاھواء اصح حدیثا من الخوارج ص ۱۹۔ یعنی جماعت محدثین نے جو قبول روایت اہل بدعت میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ داعی نہو۔ اور ایسی روایت نہ کرے جس سے اوسکے مذہب کی تقویت ہوتی ہو جسکی تصریح کی حافظ ابو اسحاق جوزجانی نے جو ابوداؤد اور نسائی کے شیخ ہیں اور شیخ الاسلام نے بھی اسی کے ساتھ جزم کیا ہے اور کہا ہے

۵۱ تعجب ہے کہ شبلی صاحب عتبہ بن ربیعہ سے دشمن رسول صلعم کو شریف الطبع کے اوصاف سے موصوف بتلاتے ہیں۔ کیا بدر کے واقعات آپ کو فراموش ہو گئے کیا شیبہ اور ولید اور عتبہ کی اسلام سے مخالفت اور معرکہ بدر میں شرکت آپ نے خود سیرۃ النبی میں نہیں لکھی ہے انکا تمام خاندان۔ بھائی بیٹا اور سب سے بڑھکر انکی صاحبزادی ہندہ جگرخوار کی جو جگرخواری کے حال پڑھکر کوئی کہہ سکتا ہے یہ لوگ شریف الطبع تھے۔ المؤلف سید اولاد حیدر عفی عنہ

۵۲ شبلی صاحب مساوات قیاس میں بنو ہاشم اور بنی امیہ کا دعوی کرتے ہیں۔ تو حقدار کون تھا اور ناحق کون۔ اسکا بھی اظہار کر دیا جاتا لیکن آپ ایسا نہیں کر سکتے بنو امیہ کی جانبداری جو آپ کا لازمہ فطرت ہے اور جس کا انتظام آپ نے شروع تالیف سے قائم کیا ہے صاف صاف کھل جائیگی اور تعمیم مساوات کا طلسم جو باندھا گیا ہے برباد ہو جائیگا کوئی تاریخ کوئی سیرۃ اس مساوات کو نہیں لکھتی۔ المؤلف۔ سید اولاد حیدر عفی عنہ

رسم و عقاید کے خلاف ہوا اونکو سخت برہم کر دیتی تھی اور جسکے ساتھ اونکی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی تھی اور اونکی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز نہیں بجھا سکتی تھی۔ آج ہندوستان اسقدر مہذب ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔ اور اگر حکومت موجودہ منتظم اور صاحب قدرت ہوتی تو اس سرزمین پر خون کا بادل برس چکا ہوتا۔

دوسرا سبب۔ عرب ایک مدت سے بُت پرستی میں مبتلا تھا خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) میں تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی ہُبل۔ خدائے اعظم تھا یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے۔ اولاد دیتے تھے۔ معرکہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔ خدا یا تو سرے سے نہ تھا۔ یا تھا تو وجود معطل تھا اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو فوراً برباد کر دینا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اسلئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور انمیں جن لوگوں کو جسقدر زیادہ نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا وہ اوسیقدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ قریش کا رئیس اعظم۔ حرب بن امیہ تھا۔ چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔ لیکن حرب کے مرنیکے بعد ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے ولید بن مغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی تھی۔ ابوجہل اسی کا بھتیجا تھا۔ اور وہ بھی قریش میں اعتبار رکھتا تھا ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندان ہاشم میں سب سے ممتاز اور کبیر السن ابولہب تھا[1]

بقیہ عبارت حاشیہ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ جب ایسی روایت کرے جو اوسکے مذہب کے موافق ہو تو وہ رد کر دی جائے گی۔ عراقی نے کہا کہ اسپر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شیخین نے تو ایسے ایسے بدعتیوں سے بھی روایت کی ہے جو اپنے مذہب خاص کے داعی تھے مثل عمران حطان کے جو خوارجیوں کا داعی تھا۔ اور بخاری و مسلم نے عبد الحمید بن عبد الرحمن حمانی سے استدلال کیا ہے۔ جو مذہب ارجاء کا داعی تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ داؤد کہتے ہیں کہ خوارج سے بڑھکر کوئی صادق اللہجہ نہیں ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان جسقدر صحیحین کے حالات پر غور کریگا اوسیقدر اوسکی حیرت بڑھتی جائیگی۔ کیونکہ کوئی قاعدہ ایسا نہیں ہے کہ محدثین اہلسنت نے ترتیب دیا اور بخاری و مسلم نے اوسکو اپنے طرز عمل سے توڑ نہ دیا کیونکہ دو نمونے تو دیکھ چکے کہ حدیث مرسل عام طور سے ضعیف ہوتی ہے مگر بخاری کا دارومدار زیادہ تر مراسیل پر ہے (۲) اہل بدعت کی عموماً اور خوارج کی خصوصاً تمام روایتیں قابل احتجاج نہیں لیکن بخاری نے اسقدر روایتیں خوارج سے لیں کہ آخر یہ کہنا پڑا کہ خوارج سے زیادہ کوئی صادق اللہجہ نہیں کیونکہ ایک نہیں صدہا خوارج رواۃ صحیح بخاری سے ہیں۔ امام سیوطی نے ایک مختصر سی فہرست خوارج راویان بخاری کی دی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے وکلھم اھل البدع عترمن اخرج لھم البخاری ومسلم واھل منھا ومنھم من کف اہل بدعت تھا اول

[1] ابولہب بنی ہاشم میں کبیر السن سردار تھا لیکن ممتاز کب تھا؟ اور حضرت ابیطالب کے مقابلہ میں اسکو امتیاز واعزاز عامہ کس نے دیا سوائے شبلی صاحب کے اور کس کو بتلایا جائے افسوس ہوا یہی تردید آپ ہی کرتے ہیں آگے چلکر اسی ابولہب کے حال میں لکھتے ہیں اسے حرم محترم کے خزانے سے غزال زریں چراکر بیچ ڈالا تھا۔ چور کو ممتاز کہنا شبلی صاحب کی خاص اصطلاح ہے۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی چچا تھا قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ اثر عاص ابن وائل کا تھا جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا۔ قریش کی عنان حکومت انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن عبدالمطلب۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن الحرث۔ امیہ بن خلف عقبہ بن معیط الاسدی انھیں لوگوں کے زیر اثر تھے۔ اور اسوجہ سے اعداے اسلام میں اون کے نام ہر جگہہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب عظیم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔ وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم (وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اوترنا تھا تو ان دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے رئیس اعظم پر اوترتا (یعنی ولید بن ربیعہ اور ابو مسعود ثقفی) عرب میں ریاست کے لئے دولت اور اولاد سب سے ضروری شرط تھی۔ اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہو۔ وہ عالم آخرت کے برکات سے محروم رہتا ہے۔ قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن مغیرہ امیہ بن خلف۔ عاص بن وائل السہمی اور ابو مسعود ثقفی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اوصاف سے خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا۔ اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

تیسرا سبب۔ قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جسکی یہ وجہ تھی کہ ابرہۃ الاشرم (شاہ حبش) جو کعبہ ڈھانیکو آیا تھا وہ عیسائی تھا یہی وجہ تھی کہ قریش کو عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اور مسلمان دل شکستہ ہوئے۔ چنانچہ یہ آیت اوتری۔

بقیہ عبارت حاشیہ لکیا یا ملکر مسلم و بخاری نے روایت کی ہے۔ نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن مہران[1] ایوب بن عائذ الکائی[2] ربیع[3] بن عبداللہ موہبی۔ شبابہ[4] بن سوار۔ عبدالحمید[5] بن عبدالرحمن ابو یحییٰ[6] حمانی عبدالحمید بن عبدالعزیز[7] داؤد عثمان بن غیاث[8] البصری۔ عمر بن[9] ذر عمرو[10] بن مرہ۔ محمد بن[11] حازم ابو معاویہ[12] البصری۔ ورقاء[13] بن عمیر الیشکری۔ یحییٰ[14] بن صالح ابو حاظی۔ یونس[15] بن بکیر ابو هولاء کانوا رجاء و هو تاخیر الحکم فی الحکم علی مرتکب الکبائر الی اللہ یہ لوگ تو وہ تھے جو مذہب ارجاء میں داخل تھے اور مرتکبان کبائر کے حول مآلہ کے حکم لگانے میں تاخیر کا حکم دیتے تھے۔) اسحاق[16] بن سوید العدوی۔ بہز[17] بن اسد۔ حریز[18] بن عثمان حصین[19] بن نمیر (قاتلان امام حسین علیہ السلام) خالد بن سلمہ الفافا۔[20] عبداللہ بن سالم[21] الاشعری قیس[22] ابن حازم هولاء رموا بالنصب وهو بغض علی رضی اللہ عنہ و تقدیم غیرہ علیہ یہ وہ لوگ ہیں جو ناصبیت اختیار کر چکے تھے اور ناصبیت بغض علی یعنی غیر کو آپ کے اوپر تقدیم دینے کا نام ہے۔ تدریب الراوی ص ۱۲۰ پھر اُسی کتاب میں ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں وعکرمہ مولیٰ ابن عباس والولید بن کثیر هولاء اباضیہ وهم الخوارج الذین انکروا علی علی التحکیم وتبرؤا منہ ومن عثمان وقاتلوہ۔ عکرمہ[23] ابن عباس کا غلام اور ولید[24] بن کثیر۔ خوارج کے فرقہ اباضیہ سے تھے جو تحکیم جناب علی مرتضیٰؑ کے منکر تھے۔ حضرت عثمانؓ سے تبرا کیا اور اون سے مقاتلہ کیا۔ ص ۱۲۱

ا ان اوصاف کے ساتھ مکاری عیاری۔ دغابازی اور حیلہ سازی کی خاص صفتیں کیوں چھوڑ دی گئیں قرآن کی جگہہ اینٹیں مدھوا نا۔ اونٹ کو اونٹھی بنانا دومۃ الجندل کے فیصلے میں ابو موسیٰ الاشعری کو جل دیکر بیوقوف بنانا۔ اسیب کچھ تو شبلی صاحب کی پیش نظر ہے۔ المؤلف۔ عفی عنہ

غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ۔	قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہوگئے۔ مغلوب ہونے کے چند سال بعد پھر غالب آجائیں گے خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ اِن اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیسائیت قایم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب۔ ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلہ نہایت ممتاز اور حریف یکدیگر تھے بنی ہاشم اور بنو اُمیہ۔ عبد المطلب نے اپنے زور و اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن انکے بعد اس خاندان[۱] میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ ابو طالب دولت مند نہ تھے۔ عباس دولتمند تھے۔ لیکن فیاض نہ تھے۔ ابو لہب بدچلن تھا۔ اس لئے بنو امیہ کا اقتدار بڑہتا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مخالفت میں بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں۔ اور وہی تمام لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔ عقبہ ابن معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلعم کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا ڈالی تھی۔ اُموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنی ہاشم سے برابری کا دعویٰ تھا۔ وہ بنی مخزوم تھے۔ ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا۔ اسلئے اس قبیلہ نے بھی

بقیہ عبارت حاشیہ۔ اب تیسرا قاعدہ بھی ملاحظہ ہو۔ اوسی تدریب الراوی سیوطی میں ہے الثالث الصواب انہ لا یقبل روایۃ الداعیۃ وبہ قال السلف کما ذکرہ فی المصنف فی الروضۃ فی باب القضاء فی مسائل الاقتداء۔ مذہب صحیح یہی ہے کہ راویوں کی اور اونکی جو مسلک کا بدعت کرتے ہیں۔ روایت نہ لینی چاہیئے مصنف نے اسکو استقضا رمسائل کے باب میں لکھا ہے امام مسلم نے اس قاعدہ کو بھی توڑ ڈالا تدریب الراوی میں ہے قال الحاکم کتاب مسلم ملآن الشیعۃ امام حاکم کہتے ہیں کہ صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے اب صحیح مسلم کی توثیق دیکھی جاوے تو اوسی کتاب میں ہے عن ابو علی النیشاپوری شیخ الحاکم قال ما تحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم ص ۱۲۶۔ ابو علی نیشاپوری امام حاکم کے استاد کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے کوئی کتاب صحیح مسلم سے بڑھکر صحیح نہیں ہے۔

اب صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ فرق ثابت ہوا کہ صحیح مسلم شیعہ رواۃ سے بھری پڑی ہے اور صحیح بخاری خوارج کے راویوں سے پھر جب ایسے خوارج استاد بخاری ہیں اور بخاری اون سے روایت کرتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ کبھی اون روایتوں کو لکھیں جو فضائل جناب امیرؑ میں

---

[۱] شبلی صاحب تو پیچھے جناب ہاشم کے پیچھے پڑے ہیں۔ آپ کا یہ لکھنا کہ عبد المطلب کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ کہاں تک صحیح فی الواقع اور تاریخ کے مطابق ہے۔ ایک تو عبد المطلب کے بعد اونکے گھر میں وہی مقدس ہے (صلوا علیہ وآلہ) جسکی سیرت نگاری کا شرف آپ حاصل کر رہے ہیں اس کے قبل گو غلط بھی ہی سہی۔ آپ چچا ابو لہب کو اسی گھر میں قریش میں ممتاز بتلا چکے ہیں۔ عباس کو متمول اور دولتمند قلمبند کر ہی چکے ابو طالب کی نسبت ابن ہشام ص ۱۲۲ میں رنگ و سید القوم کا اقرار کافروں کا خود موجود ہے۔ مگر ایک بنی امیہ اور اصول تعمیم کی تائید کی ضرورت میں پڑکر سب کچھ لے اترے ہے المولف عفی عنہ

آنحضرت صلعم کی سخت مخالفت کی ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ ابوجہل نے کہا کہ ہم اور بنو عبد مناف ہمیشہ حریف مقابل رہے۔ اونھوں نے مہمانداریاں کین تو ہم نے بھی کین انھوں نے خون بہا دیے۔ تو ہم نے بھی خون بہا دیے انھوں نے بھی فیاضیان کین تو ہم نے ان سے بڑھکر کین۔ یہانتک کہ جب ہم نے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنی ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۸ مصر

پانچوان سبب ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین بداخلاقیان پھیلی ہوئی تھین۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیون کے مرتکب تھے۔ ابولہب جو خاندان بنی ہاشم مین ممتاز تھا۔ اوس نے حرم محترم کے خزانے سے غزال زرین چراکر بیچ ڈالے تھے۔ اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب مین شمار کیا جاتا تھا۔ نمّام اور کذّاب تھا نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ مین گرفتار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیان کرتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیون پر سخت دار و گیر کرتے تھے۔ اس سے اونکی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی تہ و بالا ہوتی جاتی تھی قرآن مجید مین مبہم اور علانیہ ان کاروان کی شان مین آیتین نازل ہوتی تھین۔ گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا۔ لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے

بقیہ عبارت حاشیہ دالدو ہین۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری نے تفسیر وانذر عشیرتک الاقربین مین اوس روایت کو لیا جو صحیح اور معتمد ہیں اور انکو لیا جو صحابی غیر صحیح ہیں کیونکہ انکے راوی اوّل ابن عباس ہیں جو اس واقعہ کے ساتھ آٹھ برس بعد پیدا ہوئے۔ دوسرے ابوہریرہ ہین جو اس واقعہ کے چودہ یا سترہ برس بعد مدینہ میں آئے اور اسلام لائے پھر یہ روایت کیسے صحیح رہ سکتی ہے اسپر ابن حجر کا احتمال کرنا کہ ممکن ہے یہ آیہ دو مرتبہ نازل ہوا ہو کسقدر خلاف اصل ہے کیونکہ محدثین خود لکھتے ہیں لکن الاصل عدم التکرار النزول وقد صرح فی ھذہ الروایۃ بان ذلک حین وقع نزلت اصل یہی ہے کہ تکرار نہیں واقع ہوئی کیونکہ خود اس روایت میں موجود ہے کہ یہ واقعہ اسیوقت کا ہے جسوقت یہ آیہ مکہ میں نازل ہوا ہے تو پھر کون روایت صحیح مانی جائے۔ حضرت کا کوہ صفا پر چڑھکر پکارنا جیسا کہ اس روایت میں ہے یا پہلی روایت جسمیں وہیں انکا زنامذکور ہے کیونکہ اس روایت میں تو یہی ہے کہ جب آیہ نازل ہوا تو حضرت پکارنے لگے جس سے فوریت ظاہر ہے۔ تو ایک روایت ضرور غلط ہوگی۔

دوسرا طریقہ۔ اور جیسے ابن حجر لکھتے ہیں نحو وقع عند الطبرانی من حدیث ابی امامۃ قال لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین جمع رسول اللہ صلعم بنی ھاشم ونسائہ واھلہ فقال یا بنی ھاشم اشتروا انفسکم من النار واسعوا فی فکاک رقابکم یا عائشۃ بنت ابی بکر یا حفصۃ بنت عمر یا ام سلمۃ فذکر حدیثا طویلا فھذا ان ثبت دل علی تعدد القصۃ الاول وتعت بمکۃ لتصریحہ فی حدیث الباب انہ صعد الصفا ولم تکن عائشۃ وحفصۃ وام سلمۃ عندہ ومن ازواجہ الا بالمدینۃ فیجوز ان تکون متاخرۃ عن الاولیٰ فیمکن ان یحضرھا ابو ھریرۃ وابن عباس ایضا ویحمل قولہ لما نزلت جمع ای بعد ذلک لان الجمع وقع متراخیا ولو تراخی کما سیاتی قریبا ثم نزل تاتیا ورھطک منھم المخلصین فحص بذلک بنی ھاشم ونساءھم واللہ اعلم وفی ھذہ الزیادۃ تعقیب علی النووی حیث قال فی شرح مسلم ان البخاری لم یخرجھا اعنی ورھطک منھم المخلصین اعتمادا علی ما فی ھذہ السورۃ واغفل کونھا موجودۃ عند البخاری فی سورۃ تبت ص ۲۰۸ جلد ۸ طبرانی نے ابی امامہ

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آ جو بات بات میں قسم کھاتا ہے۔ آبرو باختہ ہے طاعن ہے چغلیاں لگاتا ہے۔ لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے بد تند خو ہے۔ اور ان سب باتوں کو جھوٹا نسب بتاتا ہے اسلئے کہ وہ مالدار ہے اور لڑکوں والا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اوسکی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹینگے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے۔

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی غفلت۔ عربی نخوت۔ دولت و اقتدار کا فخر۔ ریاست کا زعم۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جبتک ضرب نہایت سخت نہوتی وہ خبر نہ ہوتے۔ اِس لئے بڑے بڑے جبّار اسطرح مخاطب کئے گئے

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا

مجھکو اور اوسکو تنہا چھوڑ دو جس نے اوسکو پیدا کیا پھر بہت سا مال دیا بیٹے دیئے سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اوسکو اور دیں ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کی طرف ہے جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اوس شخص کی زبانی ادا ہوتے تھے جسکو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکسان تھا۔ یہ تھا کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عالم تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام انکا نام و نشان مٹاتا تھا۔ اور ان کی شان میں کہتا تھا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو۔ وہ سب دوزخ کے ایندھن ہونگے۔

بقیہ عبارت حاشیہ ۔ روایت کی ہے کہ جب یہ آیہ نازل ہوا تو حضرت نے بنی ہاشم کو اپنے ازواج کو اور اہل کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے بنی ہاشم تم اپنی جانوں کو خدا سے خرید کر لو۔ اور نار سے اپنی آزادی کی سعی کرو۔ اے عائشہ بنت ابی بکرؓ اے حفصہ دختر عمرؓ اے ام سلمہ! اسکے بعد طولانی حدیث کو لکھا ہے پس اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو دلالت کرتی ہے تعدد قصہ پر کیونکہ قصہ اولی مکہ میں واقع ہوا جسمیں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے کوہ صفا پر چڑھکر آواز دی اوسوقت نہ عائشہ موجود تھیں نہ حفصہ اور نہ ام سلمہ کیونکہ یہ سب تو مدینہ میں حضرت کی زوجیت میں آئیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ متاخر ہو اور اسوقت ابن عباس اور ابوہریرہ کی حاضری بھی ممکن ہے اور حدیث میں موجود ہے کہ حضرت نے سب کو جمع کیا۔ اور شاید کہ پہلے وانذر عشیرتک الاقربین تنہا نازل ہوا۔ جسکے بعد حضرت نے قریش کو جمع کیا پھر تخصیص کی اور اس زیادتی میں تعقیب ہے تو وہی یہ جنہوں نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بخاری نے وَرَهْطَكَ الْمُخْلَصُونَ کی روایت نکی۔ یہ غلطی ہے نووی سے اسوجہ سے ہوئی کہ صرف تفسیر سورہ شعرا پر اعتماد کیا۔ اور اس سے غفلت کی کہ یہ بخاری کے نزدیک سورہ تبت میں موجود ہے۔"

اس شرح سے گویا مقصد بخاری کی تکمیل تو یہ ہوئی کہ فضیلت و خلافت جناب امیرؑ کو بالکل مٹا دیا گیا۔ مگر جامع القرآن حضرت کی

مدت تک قریش کے تحمل کے اسباب ان کے اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کے سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا۔ توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہو جائیں گی لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا اور اسکے ناگزیر اسباب تھے قریش خانہ جنگیوں میں بے پناہ ہو چکے تھے۔ اور حرب فجار کے بعد مقدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی ہی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جاتا تو مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا اور جبتک بدلا نہ لے لیا جاوے یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنا قریش کے لئے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ بنی ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑینگے۔ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائیگا بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہیں تھا جس میں دو ایک آدمی اسلام نہ لا چکے ہوں اسلئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سیکڑوں تھے اور سب کا استیصال ناممکن تھا۔ سیرۃ النبی ج ا ص ۵ ۵-۱۶۱

کفار قریش کی تمام مخالفتوں کے یہی اسباب تھے جو تفصیل سے لکھے گئے۔ عام اصول فطرت کے مطابق مخالفت کے جتنے مختلف اسباب تھے مخاصمت کی اتنی ہی مختلف اور متفرق صورتیں بھی اختیار کی گئیں۔ ان خام خیالوں نے سب سے پہلے مخالفت اسلام کی جو تدبیر نکالی اور اوسکو عملی صورت میں لائے وہ اسلام لانیوالوں پر خونخوارانہ ظلم و تعدی تھی کیونکہ قریش یہ سمجھے تھے کہ ان ترکیبوں سے عام طبقات کو عبرت ہوگی۔ اور جو اسلام لا چکے ہیں وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند مظلومین اسلام کے احوال ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ جو بردہ دری ہوئی کیونکہ یہ آیہ دو مرتبہ نازل ہوا تھا۔ مگر ایک دفعہ کا بالکل نکالدیا گیا۔ حالانکہ صدہا آیتیں مکرر قرآن میں موجود ہیں۔ مگر یہ آیت نہ رہنے پائی۔ دوسرے یہ کہ اسکے ساتھ آیہ ورھطک منھم المخلصین بھی قرآن میں۔ دو مرتبہ نازل ہوا تھا جیسے صحیح مسلم و صحیح بخاری دونوں کا اتفاق ہے لیکن قرآن موجودہ میں اسکا کہیں وجود نہیں۔ تو پھر تحریف قرآن میں اہل سنت کو کیا عذر ہو سکتا ہے طرہ تو یہ ہے یہی اس پر لکھتے ہیں۔ وادی تفسیر تبت روایۃ ابی اسامۃ علی الاعمش ھذا السند و رھطک منھم المخلصین خرج رسول اللہ صلم حتی صعد الصفا فھتف یا صباحاہ فقالوا من ھذا فاجتمعوا الیہ فقال ارایتم ان اخبرکم ان خیلا تخرج من سفح ھذا الجبل اکنتم مصدقی قال ما جربنا علیک کذبا قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید قال ابو لھب تبا لک ما جمعتنا الا لھذا ثم قام فنزلت تبت یدا ابی لھب و قد تب ھکذا قراء الاعمش یومئذ من قولہ و تب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب حدثنا محمد بن سلام واخبرنا ابو معویۃ حدثنا الاعمش عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خرج الی البطحاء فصعد الی الجبل فنادی یا صباحاہ فاجتمعت الیہ قریش فقال ارایتم ان حدثتکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اکنتم تصدقونی قالوا نعم قال انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابو لھب الھذا جمعتنا تبا لک فنزل اللہ تعالی تبت یدا ابی لھب الی آخرہ یعنی جب آیہ وانذر عشیرتک الاقربین اترا تو حضرت باہر آئے اور کوہ صفا پر چڑھ گئے اور آواز دی جا یا۔

ظالمین قریش اور مظلومین اسلام سابقین مومنین کی فہرست مطلوبین مین نمبر اوّل آل یاسر ہیں جنکے مصائب و شدائد کسیقدر اوپر قلمبند ہوچکے ہین۔ خاندان کا خاندان طبقہ اوّل کا صاحب ایمان ہے۔ یاسر اصل مین یمن کے رہنے والے تھے۔ پریشان ہوکر مکّہ مین چلے آئے۔ ابوحذیفہ مخزومی کی کنیز سمیہ نامی سے عقد کرلیا۔ لڑکے بالے ہوگئے اور پھر یہین سکونت اختیار کرلی۔ یاسر کی بی بی سمیہ یاسر کے دونوں بیٹے عمار اور عبداللہ غرضکہ سارا گھر مشرف باسلام ہوچکا تھا لیکن دولت ایمان کے سوا گھر مین کچھ بھی نہ تھا تمام خاندان عُسرت اور ناداری مین بسر کرتا تھا۔ کفار قریش غریب بے یار بیچارون پر ٹوٹ پڑے اور ایک ایک کرکے ان غریبون کو اتنا مارا کہ جینے کے لالے پڑ گئے سراپا مجروح ہوگئے۔ اتفاقاً اسی حالت مین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ادھر آنکلے مومنین مخلصین کی یہ مصیبت آپ سے دیکھی نہ گئی لیکن مجبوری ایسی تھی کہ سوائے سکوت و خاموشی کے دوسرا کوئی چارہ نہین تھا۔ انکی مصیبتناک حالت مشاہدہ فرماکر ارشاد کیا اصبروا یاال یاسر فان موعدکم الجنۃ (اے آل یاسر صبر کرو تحقیق کہ جنت تمہاری وعدہ گاہ ہے) کمبخت ابوجہل نے یاسر کی بی بی سمیہ کو نیزے کی نوکین کوچ کوچ کر مار ڈالا غریب یاسر کا بھی ایسی ہی شدید ضربون سے خاتمہ بالخیر کردیا گیا۔ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ظالمین دیکھ لین گے انکی کیسی بازگشت ہونیوالی ہے۔

بقیہ عبارت حاشیہ (جمع ہوتے تم پر ٹوٹ پڑے) لوگوں نے کہا تم کیون پکارتے ہو غرضکہ سب جمع ہوئے تو حضرت نے کہا کہ اگر میں تمکو خبر دون کہ اس پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر آیا چاہتا ہے تو تم ہمکو سچا جانوگے سب نے کہا ہم نے تم پر کبھی کذب کا تجربہ نہین کیا ہی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کے ڈرانے والے ہیں عذاب شدید سے۔ ابولہب نے کہا (نعوذ باللہ) تم ہلاک ہوجاؤ کیا اسی لئے تم نے سب لوگوں کو جمع کیا تھا۔ اسپر سورہ تبت یدا نازل ہوا تبت یدا ابی لھب وتب وقد تب اسی طرح اعمش نے اوس روز پڑھا تھا (مگر قد کا لفظ اب قرآن مین نہیں ہی) اسی ایک روایت کو تین متفرق باب مین لکھا ہے اس سے بخاری صاحب کی خوش سلیقگی ظاہر ہے دوسری یہ کہ ورھطک منھم المخلصین بھی نازل ہوا تھا جو اب قرآن مین نہین ہے تیسری یہ کہ قد تب نازل ہوا تھا اب صرف تب رہ گیا۔ اس پر بھی تحریف قرآن سے انکار ممکن ہے اور کوئی وجہ اسکی تلاش کیجاسکتی ہے کہ ورھطک منھم المخلصین کیون نکال دیا گیا صرف اس لئے اسمین بنی ہاشم کی صریح مدح تھی پھر حضرات جامعین قرآن کب اسکو قرآن مین رہنے دیتے اس سورہ تبت کی شان نزول کو دیکھنا چاہیئے کہ آخر یہ سورہ کب نازل ہوا کیونکہ وانذر عشیرتک الاقربین کے نزول کے بعد اسکا نازل ہونا عقلاً بھی ناجائز ہے اور نقلاً بھی عقلاً اس وجہ سے کہ وہ مقام تالیف قلوب تھا کہ حضرتؐ اپنی نبوت کا اعلان کررہے تھے جو ایک ایسا عجیب و غریب امر تھا کہ عرب کے کان بھی اس سے آشنا نہ تھے کہ عرب مین بھی کوئی نبی ہوگا۔ اس لئے حضرت نے اس اہتمام سے اونکی دعوت کی اور نرم الفاظ مین پیغام الٰہی پہونچایا کہ کسی کو مغائرت نہ ہونے پائے ایسی حالت مین اسطرح کا سورہ آنا جسمین ایک شخص کی مذمت ہو کسقدر خلاف عقل ہو نقلاً اس وجہ سے کہ امام سیوطی لباب النقول فی اسباب النزول مین لکھتے ہین۔ اخرج البخاری وغیرہ عن ابن عباس قال صعد رسول اللہ صلعم ذات یوم علی الصفا فنادی یاصباحاہ فاجتمعت الیہ قریش قال ارائیتم لو اخبرتکم ان العدو مصبحکم او ممسیکم اکنتم تصدقونی قالوا بلیٰ قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابولھب تبا لک

(۲) **خباب بن الارت** تمیم کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بناکر فروخت کئے گئے اور اُم انمار نے خرید لیا۔ ایّس زمانہ میں اسلام لائے جب آنحضرت صلعم ارقم کے گھر میں مقیم تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لاچکے تھے قریش نے اونھیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایکدن کوئلے جلاکر زمین بچھائے۔ اسپر انکو چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ لے سکیں۔ یہانتک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہوگئے۔ خباب نے مدتوں کے بعد یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔ ابن سعد جلد ۳۔ خباب جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے بعض لوگوں کے ذمہ انکی بقایا تھی۔ مانگتے تو جواب ملتا کہ جب تک کہ محمدؐ (صلعم) کا انکار نہ کروگے کوڑی نہ ملے گی یہ کہتے کہ نہیں جبتک کہ تم مرکے جیو نہیں۔ سیرۃ النبی بحوالہ بخاری ص ۱۹۱

(۳) **حضرت بلال**۔ یہ وہی بلال ہیں جو موذن مشہور ہیں حبشی النسل تھے۔ اور امیہ بن خلف کے غلام تھے جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو امیہ انکو جلتی بالو پر لٹاتا۔ اور پتھر کی چٹان انکے سینہ پر رکھدیتا کہ جنبش نہ کرسکے۔ اکثر گردن میں رسی باندھکر لڑکوں کو پکڑا دیتا اور وہ مکہ کے پہاڑوں پر ان غریب کو جانوروں کی طرح گھسیٹتے پھرتے گردن میں رسیوں کے نیل پڑجاتے کبھی یہ ہوتا تھا کہ انکی مشکیں باندھ کر زمین پر ڈال دیتے تھے۔ اور ڈنڈوں سے پیٹے جاتے تھے۔ ان تمام ماروں کے بعد پیٹ کی مار بھی دیجاتی تھی جو سب سے بری تھی۔ متواتر کئی کئی دنوں تک غریب بے آب و دانہ رکھے جاتے تھے لیکن ان تمام مصائب و شدائد میں بھی وہ اسلام کا سبق نہ بھولے۔ ہر ہر ضرب پر اَحد اَحد کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے (اور بروایتے عباس بن عبد المطلب نے) انکو انکے مالک سے خرید کر کے آزاد کردیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ الحمد احمعتنا وانزل اللہ تبت یدا ابی لھب الی آخرہ۔ برحاشیہ جلالین ص ۱۱۱۔ یعنی بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم ایک روز کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور پکارے یاصباحاہ قریش جمع ہوگئے اور ابولہب نے کہا ہلاکت ہو تمہاری ہمکو تم نے اسی لئے سب کو جمع کیا تھا جسپر یہ آیۃ نازل ہوا (ملخصاً) تو وہ روایت بخاری کی بالکل غلط ہوئی کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ دوسرا ہے جسکو واقعہ وانذر عشیرتک الاقربین سے کوئی تعلق نہیں جو اسمیں امکان ہے۔ کیونکہ حضرت تو اکثر موقع پر اکر تبلیغ فرمایا کرتے تھے لہذا کسی دوسرے موقع پر اس واقعہ کا پیش آنا ممکن ہے۔ بخلاف واقعہ وانذر عشیرتک الاقربین کے کہ اوس سے کسی قسم کا تعلق ممکن نہیں ہے۔ اگر دوسری روایت پر نظر کیجاوے تو وہ بھی ممکن ہے اور ابولہب کی مذمت بھی کہ اوس سے کوئی بے ادبی ہوئی ہو۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے در منثور سیوطی جلد ۶ صفحہ ۴۰۸ میں ہے۔ اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ابن عباس ما کان ابولہب الا من کفار قریش ما ھو حتی خرج من الشعب حین تمالات قریش حتی حصرونا فی الشعب وظاھرھم فلما خرج ابولہب من الشعب لقی ھند بنت عتبہ بن ربیعہ حین فارق قومہ فقال یا بنت عتبہ ھل نصرت اللات والعزّٰی قال نعم فجزاک اللہ تعالیٰ خیراً یا ام عتبہ قال ان محمداً یعدنا اشیاء لانراھا کائنۃ بعد الموت فما ذلک وضع فی یدی ثم نفخ فی یدیہ ثم قال تبا لکما ما اری منکما شیئا مما یقول محمد فنزلت تبت یدا ابی لھب قال ابن عباس فحصرنا فی الشعب ثلاث سنین

(۴) **صُہَیبِ رومی** - یہ رومی مشہور ہیں۔ لیکن درحقیقت رومی نہیں تھے۔ انکے والد سنان نامی کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے۔ اور انکا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایکدفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا۔ اور جن لوگوں کو قید کر کے لیگئے اون میں صہیب بھی تھے یہ روم میں پلے تھے اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے انکو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے انکو خرید کر کے آزاد کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعوۃ اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہوگئے۔ قریش انکو اسقدر اذیّت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے جب انھوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو انھوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا۔ حضرت عمرؓ جب نماز میں زخمی ہوئے تو اپنی بجائے انھیں کو امامت دی تھی۔

(۵) **ابوفکیہہؓ** - کنیت تھی۔ افلح نام تھا۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ اور حضرت بلال کے ساتھ اسلام لائے تھے امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اونکے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا گھسیٹتے ہوئے لیجائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا۔ امیہ نے انسے کہا کہ تیرا خدا یہی تو نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے اسپر امیہ نے اس زور سے انکا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ انکے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ انکی زبان نکل پڑی۔ بحوالہ ابن سعد جلد سوم۔

بقیہ عبارت حاشیہ - واقطعوا عنا المیرۃ حتی ان الرجل منا یالنفقۃ فما یبایع حتی یرجع حتی ہلک فینا من ہلک الخ۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابو لہب بھی کفار قریش سے تھا جیسا کہ وہ لوگ تھے یہانتک کہ شعب سے خارج ہوئے جبکہ کفار قریش نے مشورہ کر کے ہم سب کو شعب میں محصور کر دیا تھا جب ابو لہب شعب سے خارج ہوا اور اپنی قوم سے مفارقت اختیار کی تو ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے ملاقات ہوئی تو ابو لہب سے پوچھا کہ اے ہندہ تو نے کچھ لات وعزیٰ کی نصرت کی تو کہا کہ ہاں۔ ای ابو عتبہ خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ ابو لہب نے کہا محمد (صلعم) ہم سے وہ باتوں کا وعدہ کرتے ہیں جنکو ہم نہیں جانتے کہ وہ موت کے بعد پورا ہو یا اوس سے اور بعد ازاں ابو لہب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھونکا اور کہا تبًّا لکما۔ ہلاکت ہو تم دونوں کو۔ محمد (صلعم) کے وعدوں میں سے ہم کچھ نہیں پاتے اسپر سورہ تبت یدا نازل ہوا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ہمکو قریش نے تین برس تک محصور رکھا اور اسطرح کہ ہم سے خرید و فروخت بند کر دی کہ ہم کچھ مال خرید کرنے جاتے تو ہمارے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچتے یہانتک کہ ہم میں سے جسکو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سورہ تبت یدا کا نزول بعد محاصرہ شعب ابی طالب - جو نبوت کے سنہ ۱۰ میں واقع ہوا لیکن بخاری نے صرف عداوت جناب علی مرتضیٰؑ کی وجہ سے اسکو وانذر عشیرتک الاقربین کے نزول سے ملحق کر دیا جو عقلاً اور نقلاً کسیطرح بھی ممکن نہیں ہے اب دیکھیے محاصرہ شعب ابی طالب کب ہوا بعثت سے تین برس تک تبلیغ مخفی ہوتی رہی۔ اوسکے بعد واقعہ دعوت قریش (سنہ ۴ نبوت) پیش ہوا پھر اسکے بعد حضرت حمزہؑ اسلام لائے تو جیسا کہ طبری کا بیان ہے فاستمرت بذلک ثم ان یکتبوا بینہم کتابا یتعاقدون فیہ فلما فعلت ذلک

کفار قریش کا یہ سلوک گھر کے غلاموں اور قوم کے ماوا لوگوں تک محدود و موقوف نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کے مقابل العفو جرم میں وہ اپنے عزیزوں اور قرابتداروں کے ساتھ بھی ایسے ہی ظلم و ستم سے پیش آیا کرتے تھے۔

(۶) **حضرت عثمانؓ بن عفّان** کے اسلام لانے کی خبر جب اونکے چچا کو ہوئی۔ تو وہ کمبخت حضرت عثمانؓ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔

(۷) **زبیر بن العوّام**۔ زبیر بن العوام جب اسلام لائے تو اونکے چچا بھی انھیں چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔

(۸) **مصعبؓ بن عمیر** کے اسلام لانے کی خبر ملنے پر انکے شفیق القلب ماں نے گھر سے نکال دیا تھا۔

(۹) **سعیدؓ بن زید**۔ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی سعید بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ کر ڈالدیا۔

(۱۰) **سعد بن وقاصؓ** اگرچہ اپنے قبیلہ میں نہایت معزز اور مقتدر تھے۔ تاہم کفار کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں تھے بنو اسد اسلام کے جرم میں ان کو سخت سزائیں دیتے تھے۔

بے رحم اور حد سے زیادہ خونخوار کفار قریش مظلومین اسلام کو ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ ان غریبوں کی ہمت و استقلال کے سوا کوئی اور شے اونکے تحمّل و برداشت کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ اونکی ہمت و استقلال کے سوا یہ بھی اسلام کی صداقت کا عین الکمال تھا۔

بقیہ عبارت حاشیہ قریش الحارث بوھاشم و بنو مطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبہ واجتمعوا الیہ فی شعبہ وخرج من بنی ھاشم ابولھب الی قریش۔ کفار قریش نے پھر آپس میں مفارقت و مخاصمت بنی ہاشم کا عہد کیا اور حلف معاہدہ لکھا۔ اور اسکو خانہ کعبہ پر لٹکایا جب اس کارروائی کی خبر پہنچی تو تمام بنی ہاشم ابوطالب کے پاس آئے اور وہ اون کو لیکر شعب میں داخل ہوئے مگر ابولہب اون سے علیحدہ ہو گیا۔ اور قریش سے جاکر ملحق ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ مفارقت ابولہب کا زمانہ اوسیوقت سے شروع ہوتا ہے جب سے وہ لوگ شعب میں محصور ہوئے۔ تو کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگرچہ سورہ تبّت یدا ابی لہب ابتدا ہی میں نازل ہوا ہوتا بقول بخاری صاحب وانذر عشیرتک الاقربین کے ساتھ تو پھر ابولہب اتنے دنوں تک بھی حضرت صلعم کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ تاریخ خمیس میں مرقوم ہے۔

وفی السنۃ السابعۃ من النبوۃ کما فی الحلوۃ الحیوان او الناس منھا علیٰ ما فی المنتقی تقاسمت قریش وتعاھدوا علیٰ معاداۃ بنی ھاشم و بنی عبد المطلب ص ۳۳۵ روایت حیوۃ الحیوان ۷ سال نبوت میں اور بروایت منتقی ۶ میں قریش نے معاہدہ کیا اور آپس میں قسم کھائی کہ بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب سے عداوت قایم رکھیں تو اس حساب سے نزول سورہ تبّت یدا کمسن حاکر ۹ سنہ یا ۸ سال میں ہوتا ہے لیکن بخاری صاحب نے ایک مصائل علیؓ کے چھپانے کی ضرورت سے اوسکو نزول آیت وانذر عشیرتک الاقربین سے ملا کر ایسا عبارت کیا ہے کہ بالکل قصّہ کا قصہ ہی غلط ہو گیا۔ لاحول ولا قوۃ۔ المؤلف عفی عنہ۔

(۱) مرقومہ بالا مظلومین اسلام سب کے سب مرد تھے۔ ناہنجار ظالمہ قریش نے مسلمان عورتوں کی صنف نازک و ضعیف پر بھی رحم نہ کھایا۔ ان مصیبت دیدہ اور آفت رسیدہ عورتوں میں سب سے پہلے جس خاتون کی نہایت وحشیانہ اور بیرحمانہ طریقہ سے جان لی گئی۔ وہ حضرت یاسر کی بی بی سمیہ تھیں اور حضرت عمار بن یاسر رض کی ماں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

(۲) لُبَینہ تھیں۔ یہ بیچاری کنیز تھیں حضرت عمر اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے میں نے تجھکو رحم کی بناپر نہیں بلکہ اس وجہ سے تجھے چھوڑ دیا ہے کہ میں خود تھک گیا ہوں۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں۔ دیکھو عمر اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو تم سے خدا اس کا انتقام لے گا۔

(۳) زنیرہؓ۔ لبینہ کی ایسی ہی دوسری کنیز۔ زنیرہ تھیں۔ یہ بھی حضرت عمر کے قبیلہ کی کنیز تھیں حضرت عمر اسلام سے پہلے ان کو بھی کھول کر ستاتے۔ ابوجہل نے تو ایک دن ایسی مار ماری کہ غریب کی آنکھیں جاتی رہیں۔

(۴) نہدیہؓ اور (۵) اُم عُبَیس۔ یہ بھی دونوں کنیزیں تھیں۔ اور صرف اسلام کے جرم میں یہ مصیبتیں جھیلی تھیں۔ یہ تمام جلادانہ بیرحمیاں یہ عبرت خیز سفاکیاں ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مورخ نے سچ لکھا ہے۔

> عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسائل نے وہ نشہ دینی آپ کے پیروں میں پیدا کر دیا تھا جسکو عیسیٰ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بیفائدہ ہے جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو اونکے پیرو بھاگ گئے۔ اونکا نشہ دینی جاتا رہا۔ اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلدئیے اسکے برعکس محمد صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔ (اپالوجی گاڈفری ہگنس ترجمہ اردو ص ۶۶ - ۶۷)

قریش اور آنحضرت صلعم کی مخالفت میں مشورت

کفار قریش اپنی اس تجویز میں کہ مسلمانوں کو اتنا ستایا جاوے کہ وہ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اونکی اذیتوں کو دیکھکر دوسرے لوگ قبول اسلام پر جرأت نکر سکیں بالکل ناکامیاب رہے۔ تو اب ان بیرحموں نے حضرت رسول خدا صلعم کی ذاتی ایذارسانیوں کی تدبیریں سوچیں۔ ان ناہنجار تجویزوں کو عملی صورت میں لانیکے لئے اونھوں نے ایک باقاعدہ مجلس مشورت قائم کی جس میں ہر قبائل و عشائر کے بیکس سردار شامل تھے کمال مآل اندیشی کے خیال سے مدبخت ابولہب کو اس مجلس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ؎ خدا بہنہ کرے ننگ خاندان نہ کرے۔

اس مفسدہ انگیز مجلس کا پہلا مقصد جو اتفاق رائے کیلئے پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ قبائل بیرونی جو مکہ میں آیا کرتے ہیں اونکو قربت اور صحبت رسول سے بچایا جاوے اور اونکے علیحدہ رکھنے کی یہ ترکیب ہے کہ اون سے آنحضرت صلعم کے متعلق ایسے خاص معائب بیان کئے جاویں کہ وہ خود بالطبع آپ سے متنفر ہو جائیں۔

سب نے اسپر اتفاق کیا کہ آپ کو کاہن مشہور کیا جاوے۔ ولید بن مغیرہ۔ جو قریش میں سب سے زیادہ کہن سال اور تجربہ کار تھا۔ بول اوٹھا میں نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے کہاں کاہنوں کی تُک بندیاں اور کہاں محمد (صلعم) کے کلام کی معجز نما فصاحت وسلاست دیکھو ایسی بات نہ کہو کہ قبائل عرب سنتے ہی کہنے لگیں کہ غلط الزام لگاتے ہو اور جھوٹ کہتے ہو۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ اچھا کاہن نہیں تو مجنون مشہور کیا جاوے۔ ولید نے پھر ٹوکا۔ اور کہا تو بہ کرو محمدؐ کو دیوانگی سے کیا واسطہ اور جنون سے کیا علاقہ۔

پھر یہ بات قرار پائی کہ انھیں شاعر بتلایا جائے۔ ولید کو یہ بات بھی پسند نہ آئی۔ اوس نے تمام مجمع کو مخاطب کر کے کہا۔ ہم خود شاعر ہیں ہمیشہ شعر کہتے ہیں۔ اصناف سخن اور اوصاف فن سے خوب واقف ہیں۔ ہم جانتے ہیں شعر میں کیا بات ہوتی ہے۔ محمدؐ کے کلمات کو شعر کے لغویات سے کوئی مناسبت نہیں۔

پھر اس پر اتفاق ہوا کہ اچھا انہیں ساحر کہا جاوے۔ ولید بولا یہ جادو بھی نہیں چلیگا۔ کہاں محمدؐ کے اخلاق وعادات کی لطافت کہاں ساحروں اور شعبدہ گروں کی نجاست محمد (صلعم) کا جمال جہان آرا اونکے محاسن و کمال کا آئینہ ہے۔ جادوگروں کی منحوس صورت اونکی سیہ کاریوں کی تصویر ہے۔

اب تو سوچتے سوچتے مجمع کا مجمع تھک گیا سب کے سب عاجز آگئے تو ولید ابن مغیرہ سے کہنے لگے کہ اچھا اب آپ ہی کچھ تجویز کریں اور کوئی مفید تدبیر نکالیں۔ ولید نے تمام جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اول تو اس امر خاص میں میں کچھ نہ کہونگا اور اگر کچھ کہونگا بھی تو وہ بالکل سچ ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ حقیقتاً محمدؐ کے کلام میں ایسی حلاوت ہے اور اوسکی تقریر میں عذب البیانی کی ایسی قدرتی تاثیر ہے کہ باپ بیٹے۔ بھائی بہن اور شوہر وزن میں مفارقت ہو جاتی ہے اور وہ برسوں سے تمہاری پیش نظر ہے میں اوسیقدر تم سے کہونگا اور بس تم سمجھنے والے ہو تو سمجھ جاؤ۔

ولید ابن مغیرہ کی اس تقریر نے تمام جلسہ میں سکوت کا عالم پیدا کر دیا۔ جو کچھ اسنے کہا تھا وہ بالکل سچ تھا اس لئے کسی فرد واحد کو اسکے خلاف مجال سخن نہ ہوئی لیکن وہ سرے سے جاہل تھے۔ جہالت سے اب بھی باز نہ آئے۔ اپنے ہی سردار قوم سے پیغمبر برحقؐ کے اوصاف سنکر عبرت پذیر تو نہوئے بلکہ خجالت وشرمندگی کے جاہلانہ غصہ میں پہلے سے بھی زیادہ بھر گئے اور پیچ وتاب کھانے لگے۔ بالآخر اپنی کارکرداریوں کے تقاضہ سے سب نے ملکر یہ تدبیر نکالی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر ممکن طریقہ سے پریشان کیا جاوے اونکی تعلیم کے ہر ہر مقصد کی تضحیک وتوہین کی جاوے اور مسلمانوں کو تمام مظالم کا نشانہ بنایا جاوے

(ابن ہشام جلد اول صفحہ ۹۰ وشفا قاضی عیاض صفحہ ۱۲۹)

قریش کی پہلی وفد ابی طالبؑ کی خدمت میں آنحضرتؐ کی شکایت

شبلی صاحب نے اس مقام پر نہایت مناسب طریقہ سے حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کر دی تو قریش کے چند معززین نے ابوطالب کے کر شکایت کی ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر انکو رخصت کر دیا

ادہر قوم و وطن کی انسانی قوتیں مخالفت اسلام کی تدبیریں سوچ رہی تہیں۔ راہیں نکال رہی تھین۔ اودہر

نبوتؐ کا چھٹا سال حضرت حمزہؓ کا اسلام لانا

اودہر نظام ربانی جبروتی طاقت اسکی وسعت کے سامان کر رہی تھی۔ شبلی صاحب رقمطراز ہین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اعمام مین حضرت حمزہ کو آپ سے خاص محبت تھی۔ وہ آپ سے دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے دونون نے ثوبیہ کا دودہ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اونکا مذاق سپہگری اور شکار افگنی تھا معمول تھا کہ مونہہ اندہیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے۔ تمام تمام دن شکار کھیلنے مین مصروف رہتے۔ شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے طواف کرتے قریش کے رؤسا صحن حرم مین الگ الگ دربار جماکر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ انکی قدر و منزلت کرتے تھے

شبلی صاحب نے اس واقعہ کی تمہید کو جس تفصیل سے تحریر فرمایا تھا اوس تفریح سے اصل واقعہ کو نہین لکھا جس سے معلوم ہوجاتا کہ اون کے اسلام لانے اور مشرف بایمان ہونیکے خاص اسباب وہی محبت و اخلاص کے جذبات تھے۔ ہم ذیل مین ابن ہشام کے خاص الفاظ سے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہین۔

ان ابا جہل مرّ برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عند الصّفا فآذاہ وشتمہ ونال منہ بعض ما یکرہ من العیب لدینہ والتضعیف لامرہ فلم یکلمہ رسول اللہ صلعم ومولاۃ عبد اللہ بن جدعان فی مسکن لہا تسمع ذلک ثم انصرف عنہ فعمد الی نادٍ من قریش عند الکعبۃ فجلس معہم فلم یلبث حمزۃ بن عبد المطلب ان اقبل متوشحا قوسہ راجعا من قنص لہ وصاحب قنص یرمیہ ویخرج لہ وکان اذا رجع من قنصہ لم یصل الی اہلہ حتی یطوف بالکعبۃ وکان اذا فعل ذلک لم یمرّ علی نادٍ من قریش الا وقف وسلّم وتحدث معہم وکان اعزّ فتی فی قریش واشد شکیمۃ فلما مرّ بالمولاۃ وقد رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ایکبار ابوجہل نے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کوہ صفا پر دیکھا اوس بخت نے آپ کو ایذا دی (روایتہ طمانچہ مارا) اور سخت کلامی کی اور بعض کہتے ہین کہ دین اسلام کی عیب جوئی کی جناب رسول خدا صلعم نے اوسکی بدزبانیوں کا کچھہ جواب نہ دیا اور قطعًا خاموش رہی عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی جس کا گھر قریب تھا یہ تمام واقعات دیکھہ رہی تھی اسکے بعد ابوجہل واپس آیا اور حسب المعمول رؤسائے قریش کے ساتھ کعبہ مین بیٹھہ گیا۔ حمزہ بن عبد المطلب کا یہ دستور تھا کہ ہر روز شکار کے لئے باہر جاتے تھے۔ مگر شکار سے گھر جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کر لیتے تھے اسکے بعد امرائے قریش سے جو وہان موجود رہتے تھے صاحب سلامت کرتے تھے اور تھوڑی دیر تک اونکے پاس بیٹھ جاتے تھے اور باتین کرتے تھے آپ مردان قریش میں معزز اور بہادر تمار ہوتے تھے۔

پس اس واقعہ کے دن عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی سے ملاقات ہوئی وہ اتفاقًا حضرت حمزہ کے گھر آئی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی

وآلہ وسلم الی بیتہ فقالت لہ یا ابا عمارۃ لو رأیت ما لقی ابن اخیک محمد آنفا من ابی الحکم ابن ہشام وجدہ ہہنا جالسا فآذاہ وسبہ وبلغ منہ ما یکرہ ثم انصرف عنہ ولم یکلمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاحتمل حمزۃ الغضب لما اراد اللہ بہ من کرامتہ فخرج یسعی لم یقف علی احد معدا لابی جہل اذا لقیہ ان یوقع بہ فلما دخل المسجد نظر الیہ جالسا فی القوم فاقبل نحوہ حتی اذا قام علی راسہ رفع القوس فضربہ بہا فشجہ شجۃ منکرۃ ثم قال أتشتمہ فانا علی دینہ اقول ما یقول فرد ذلک علی ان استطعت فقامت رجال من بنی مخزوم الی حمزۃ لینصروا ابا جہل فقال ابو جہل دعوا ابا عمارۃ فانی واللہ قد سببت ابن اخیہ سبا قبیحا۔

وہیں موجود تھے۔ اوس کنیز نے حضرت حمزہؓ کو مخاطب کر کے کہا ای ابا عمارہ (حضرۃ حمزہ کی کنیت ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو ابو الحکم ابن ہشام (ابوجہل کی کنیت) نے تمہارے بھتیجے محمد صلعم کے ساتھ کیا کیا ہے دیکھو تو ابھی وہ تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اوس نے انکو ایذا دی (طمانچہ مارا) اور سخت گالیاں دیں اور جو کچھ نہیں کہنے کو وہ سب کچھ کہا سنا۔ اور پھر وہاں سے چلا گیا لیکن محمد نے اوسکا جواب تک نہ دیا یہ سنکر حضرت حمزہ کو سخت غصہ آیا اور یہی غصہ اونکے لئے کرامت ایزدی کا باعث ہوا۔ حضرت حمزہ نہایت تیزی سے گھر سے نکلے اور راہ میں کہیں نہ ٹھیرے اور داخل کعبہ ہوئے ابوجہل کو دیکھا قوم کے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے آپ اوسی غیظ کی حالت میں آگے بڑھتے چلے گئے یہانتک کہ اوسکے سر کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ اور اپنی کمان اٹھا کر اوسکے ضرب شدید لگائی اور مارنے کے بعد اوس سے کہا کہ جس محمد کو تو برا کہتا ہے میں اسی دین میں داخل ہو گیا۔ اب اگر تیری مجال ہو تو مجھے اس دین میں داخل ہونے سے باز رکھ لے یہ سنکر بنی مخزوم کا ایک شخص ابوجہل کی حمایت میں اوٹھ کھڑا ہوا لیکن ابوجہل نے یہ کہکر اوسے فوراً روک دیا کہ ابو عمارہ کو تعرض نہ کرو انکو چھوڑ دو قصور میرا ہے میں نے حقیقتاً ان کے بھتیجے کو بہت بری بری گالیاں دی ہیں۔ ابن ہشام ص ۹۹ مصر

اس واقعہ کی تفصیل نے بتلا دیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سکوت و صبر نے حضرت حمزہؓ کے جذبات قرابت و یگانگی میں ایسا مفید اور شدید اثر پیدا کر دیا۔ جو حضرت حمزہ کے لئے رشد و ہدایت کا باعث ہوا اور بدبخت ابوجہل کے لئے اوسکی سزا و عقوبت کا سبب خاص ؎ چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار ٭

ایسا پھر اپنا ہے۔ کیسا ہی اختلاف ہو اور کتنی ہی مخالفت جب ایسے ناگزیر موقع آجاتے ہیں تو تعلقات قلبی و رحمانیت دلی میں غیر متحمل تحریک پیدا ہو جاتی ہے اور وہ مخالفت کو حقیقی مواصلت کی صورت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ حمزہ بھی ابولہب ہی کے ایسے شقی اور سنگدل ہو جاتے۔ خداوند عالم کو یہ بھی اپنی مصلحت خاص دکھلا دینی منظور تھی کہ اوسی گھر میں ابوطالب حمزہ اور عباس کے ایسے خیرخواہ رسولؐ بھی موجود تھے۔ اور ابولہب کا ایسا بدخواہ اور دشمن جان بھی۔

کفار قریش اور رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانیاں

حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے ادہر اسلام کی قوت بڑہی ودہر کفار کی خصومت۔ غریب مسلمان مرد اور عورتوں کو جن وحشیانہ طریقہ سے اذیت دیتے تھے اور اون کی غریب جانوں پر جس شدت سے ظلم و ستم ڈہاتے تھے اوسکی کیفیت اوپر لکھی جا چکی ہے اب اونکی بدبختی اور شامت بڑہتے بڑہتے آنحضرت صلعم کو بھی جسمانی ایذا پہونچانے لگی۔ ان تمام بیہودگیوں بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کا جواب رسول خدا صلعم کے پاس صرف صبر تھا اور خاموشی

جب کبھی بہت دل بھر آتا تھا تو صرف اتنا ارشاد کر دیا کرتے تھے۔ یا بنی عبد مناف ای جوار ھذا۔ اے بنی عبد مناف حق ہمسایگی خوب ادا کرتے ہو۔ طبری ۱۱۹۹

ان موذیوں میں الحکم بن ہشام (ابوجہل) عقبہ بن معیط الاموی۔ امیہ بن خلف۔ نوفل ابن خویلد۔ ابوسفیان بن حرب ابوالبختری اور عاص بن وائل السہمی وغیرہم سب سے زیادہ مشہور تھے اور سرگرم۔ ہدایت وارشاد کے وقت کلمات طعن وتشنیع کرنا۔ بیہودہ اور لغو کلمات بکنا۔ ادائے نماز کے وقت تالیاں اور سیٹیاں بجانا۔ ارکان نماز کی نقلیں اڑانا اور اون پر آوازے کسنا۔ راستہ چلنے میں آنحضرت صلعم کے پیچھے آوارہ لونڈوں کو استہزاو تمسخر کرنیکی غرض خاص سے ساتھ کر دینا۔ آپ کے راستہ میں کانٹے ڈالدینا اور راہ چلتے وقت آپ پر گھروں سے کوڑا ڈالدینا۔ ایذائے رسول کے متعلق طلمہ قریش کی یہ معمولی اور خفیف باتیں تھیں جب ان حرکات سے بھی آپ کے صبر وسکوت اور استقلال وثبات میں کچھ فرق نہ آیا تو کفار آپکی جسمانی تکلیف وآزار پر تیار ہوئے۔ تاریخ طبری میں مرقوم ہے۔

اقبل ابن ابی معیط ورسول اللہ صلعم عند الکعبۃ فلوی ثوبہ فی عنقہ وخنقہ خنقا شدیدا فقام ابوبکر من خلفہ فوضع یدہ علی منکبہ فدفعہ عن رسول اللہ صلعم قال ابوبکر یاقوم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔

آنحضرت صلعم۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ ابن ابی معیط اموی آیا اور اس نے اپنی چادر کو آپ لپیٹ کر رسی کے ایسا بنایا اور جب آپ سجدہ میں گئے تو چادر کو آپ کی گردن میں ڈالدیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کئے یہاں تک کہ بڑی سختی کے ساتھ آپ کا دم رکنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ پیچھے سے آگئے۔ اپنے ہاتھ اوس چادر میں ڈالکر آپ کی گردن سے اُسے جدا کر دیا اور کہا افسوس ہے اے قوم کے لوگوں۔ تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے خدا میرا پروردگار ہے۔ طبری

اس روایت میں امام ابن القیم زاد المعاد جلد اص ۲۹۷ میں اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ یہہ دیکھکر جنید شریر حضرت ابوبکر سے لپٹ گئے اور اونکی خوب زدوکوب کی۔ رحمۃ للعلمین صفحہ ۴۱

جب ان مصائب پر بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرائض تبلیغ اور تعلیم دین الٰہی کی خدمات میں ذرا بھی کمی نہیں کی اور اپنے بے مثال عزم واستقلال سے اون میں ویسے ہی مصروف رہے۔ تو ان بدعقلوں اور کوتہ اندیشوں نے اپنی جہالت وضلالت کے تقاضوں سے جناب رسول خدا کو تبلیغ اسلام سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے دنیاوی ثروت ومال کی ترغیب وتحریص کا ذریعہ سوچا۔ اس بنا پر کہ وہ حقیقت ناشناس سمجھے تھے کہ تبلیغ وتوسیع اسلام میں آپ کی یہ تمام سعی وکوشش اور کدوکاوش (نعوذباللہ) حصول نام ونمود اور وصول دولت وثروت پر مبنی ہے اس لئے انہوں نے یہ مجلس مشورت منعقد کی۔

کفار قریش اور آنحضرت صلعم کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ترغیب وتحریص

ابن ہشام کی تحقیق میں یہ مجلس مشورت حضرت حمزہؓ کے اسلام لانیکی بعد منعقد ہوئی۔ اِس کا محرک عتبہ بن ربیعہ تھا جو روسائے قریش

میں ایک مرد ممتاز شمار ہوتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں

ان عتبة بن ربيعة وكان سيدا قال يوما وهو جالس في نادي قريش ورسول الله صلى الله عليه واله وسلم جالس في المسجد وحده يا معشر قريش الا اقوم الى محمد فاكلمه واعرض عليه امورا لعله يقبل بعضها فنعطيه ايها شاء ويكف عنا وذلك حين اسلم حمزة ورأوا اصحاب رسول الله صلعم يكثرون ويزيدون فقالوا بلى يا ابا الوليد قم اليه فكلمه۔

عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سردار تھا ایک دن اکابر قریش کے ساتھ بیٹھا اور حسن اتفاق سے جناب رسول خدا صلعم بھی مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے قریش کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی رائے ہو تو میں اسوقت محمدؐ کے پاس جاؤں اون سے باتیں کروں اور چند امور جو میں نے سوچے ہیں اون سے پیش کروں۔ شاید وہ میرے کسی امر کو قبول کرلیں تو جیسا میرا خیال ہے ہم لوگوں کو اون کی طرف سے فراغت ہو جائے۔ سب نے متفق ہو کر کہا ہاں اے ابوالولید (عتبہ کی کنیت) جاؤ اور اون سے باتیں کرو۔

اب اصل واقعہ جسطرح پیش ہوا اور جو گفتگو عتبہ اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان واقع ہوئی۔ وہ ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

فقام اليه عتبة حتى جلس الى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فقال يا ابن اخي انك منا حيث قد علمت من السطة في العشيرة والمكان في البيت وانك قد اتيت قومك بامر عظيم فرقت به جماعتهم وسفهت به احلامهم وعبت به آلهتهم ودينهم وكفرت به من مضى من آبائهم فاسمع مني اعرض عليك امورا تنظر فيها لعلك تقبل منها بعضها قال فقال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم قل يا ابا الوليد اسمع قال يا ابن اخي ان كنت انما تريد بما جئت به من هذا الامر مالا جمعنا لك من اموالنا حتى تكون اكثرنا مالا وان كنت تريد به شرفا سودناك علينا حتى لا نقطع امرا دونك وان كنت تريد به ملكا ملكناك علينا وان كان هذا الذي يأتيك رئيا تراه لا تستطيع رده عن نفسك طلبنا لك الطب وبذلنا فيه اموالنا حتى نبرئك

عتبہ وہاں سے اوٹھا اور رسول اللہ صلعم کے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے میرے بھتیجے تمہارا اعتبار ہم لوگوں میں ہے اور ہم تمہاری قرابت اور شرافت نسبی سے خوب واقف ہیں لیکن تم نے تو قوم کی قوم کو ایک امر عظیم میں مبتلا کر دیا ہے اونکی تمام جماعتوں کو متفرق کر دیا ہے اونکے دانشمندوں کو بیوقوف بنایا۔ اونکے معبودوں کو عیب لگایا اونکے آبا و اجداد کی قدیم نموداریوں کو غلط ٹھیرایا لیکن تم اگر میری بات کو سنو تو میں اپنی چند تجویز کردہ امور تمہارے پاس پیش کروں شاید اون میں سے کوئی امر تمہیں پسند آجاوے تو طرفین کیلئے بہتر ہو۔ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہاں تم کہو میں ضرور سنونگا۔ عتبہ بولا اے میرے بھتیجے۔ اگر ان امور سے تمہاری غرض مال و دولت کا جمع کرنا ہو تو ہم تمکو اسقدر مال دیدیں کہ ہم لوگوں میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اور اگر اس کے ذریعہ سے تمکو اپنا شرف و اقتدار بڑھانا ہے تو ہم سے کہو ہم تم کو اپنا سر علیہ اور مقتدر مانلیں اور پھر ہم میں سے کوئی فرد واحد تم سے سرتابی نکر سکے۔ اور اگر تم کو حکومت کا خیال ہے تو ہم تمکو اپنا بادشاہ اور حاکم بنالیں اور اگر تم اسکے متعلق اپنی طبیعت میں مرض کا حرج پاتے ہو تو ہم سے کہو ہم

منه فانه ربما غلب التابع على الرجل حتى يداوى منه او
كما قال له حتى اذا فرغ عتبة ورسول الله صلى الله عليه واله وسلم
يستمع منه قال قد فرغت يا ابا الوليد قال نعم قال
فاستمع منى قال افعل فقال بسم الله الرحمن الرحيم
حٰمٓ تنزيل من الرحمن الرحيم كتاب فصلت اياته
قرآنا عربيا لقوم يعلمون بشيرا ونذيرا فاعرض اكثرهم
فهم لا يسمعون وقالوا قلوبنا في اكنة مما تدعونا اليه
ثم مضى رسول الله صلى الله عليه واله وسلم فيها
يقرءها عليه فلما سمعها منه انصت لها والقى يديه
خلف ظهره معتمدا عليهما يسمع منه ثم انتهى رسول
الله صلعم الى السجدة منها فسجد ثم قال قد سمعت يا
ابا الوليد ما سمعت فانت وذاك فقام عتبة الى اصحابه
فقال بعضهم لبعض نحلف بالله لقد جاءكم ابو الوليد
بغير الوجه الذي ذهب به فلما جلس اليهم قالوا ما ورائك
يا ابا الوليد قال ورائي اني سمعت قولا والله ما سمعت
مثله قط والله ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكهانة
يا معشر قريش اطيعوني واجعلوها بي وخلوا بين
هذا الرجل وبين ما هو فيه فاعتزلوه فوالله ليكونن
لقوله الذي سمعت منه نبأ فان تصبه العرب فقد كفيتموه بغيركم
وان يظهر على العرب فملكه ملككم وعزه عزكم وكنتم
اسعد الناس به قالوا سحرك والله يا ابا الوليد بلسانه
قال هذا رائى فيه فاصنعوا ما بدا لكم

تمہارے لئے کسی حکیم وطبیب کو تلاش کر لائیں اور اپنے مال و سرمایہ سے تمہارا علاج
کرادیں اور تمکو تندرست وصحیح المزاج کرالیں۔ الغرض۔ عتبہ کو جتنا کہنا تھا
وہ کہہ چکا۔ اور جناب رسولخدا صلعم اسکی تمام باتوں کو سن چکے تو آپ نے
فرمایا اے ابا ولید تم اپنی باتوں کو تمام کر چکے عتبہ بولا ہاں آپنے کہا کہ میری
بھی کچھ سن لو۔ عتبہ نے کہا ہاں کہئے آپنے فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
حٰم (یہ فرمان خدا ہے) رحمان (اور) رحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے یہ قرآن
کتاب ہے جس کی باتیں زبان عربی میں سمجھدار لوگوں کے لئے تفصیل کیساتھ
بیان کردیگئی ہیں (ماننے والوں کو) خوشنودی خدا کی خوشخبری سناتا اور
(منکروں کو عذاب خدا سے) ڈراتا ہے اسپر بھی اکثروں نے مونھ موڑ لیا اور وہ (اسکو)
سنتے ہی نہیں (اور اے پیغمبرؐ یہ لوگ یہی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم
بلاتے ہو۔ ہمارے دل تو اس سے پردوں میں ہیں۔"

یہانتک جناب رسولخدا صلعم پڑھتے چلے گئے اور عتبہ بن ربیعہ پر ایسی
محویت طاری ہوئی کہ غور سے سننے کیلئے اپنے ہاتھوں کو پیٹھ کے پیچھے باندھ لیا
اور بیٹھا سنتا رہا۔ یہانتک کہ آپ نے مقام سجدہ پر پہونچکر سجدہ کیا سجدہ کر
اوٹھے تو فرمایا اے ابو ولید تو نے سن لیا جو کچھ تجھے سننا تھا اسی سے تمیز کرلے
تو کیا ہے اور یہ کلام کیا ہے یہ سنکر عتبہ وہاں سے بالکل خموش اوٹھا اور اپنے لوگوں
کے پاس واپس چلا عتبہ کو آتا دیکھکر اونمیں سے بعض نے بعض سے کہا کہ قسم خدا کی
ابو ولید کا چہرہ متغیر اسوقت کے مقابلہ میں معلوم ہوتا ہے جسوقت وہ ہمارے
پاس سے گئے تھے اس اثنا میں عتبہ آگیا اور بیٹھ گیا۔ قریش نے پوچھا ہاں کہو
اے ابو ولید اب تمہاری کیا رائے قرار پائی عتبہ بولا تم اگر میری رائے پوچھتے ہو
تو قسم خدا کی میں ایسی چیز سنے چلا آتا ہوں جیسی میں نے آجتک کبھی نہیں
سنی تھی اور خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے اور نہ وہ سحر ہے۔ نہ وہ شگون ہے نہ وہ ٹوٹکا
ہے اور نہ قصہ ہے۔ کہا کہ اے معشر قریش میری باتوں کو سنو۔ میری رائے پر

چلو۔ تو اس شخص سے اور اسکے امور سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ۔ کیونکہ جو چیزیں میں اس شخص سے سن آیا ہوں وہ صرف حرف ہی نہیں اور اسکا اثر نہ
اہل عرب آپ ہی اس شخص سے سمجھ لینگے اور تمہاری مزاحمت کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر یہ شخص اہل عرب پر غالب آگیا تب بھی تمہارے حسب دلخواہ ہوگا
کیونکہ اس کا ملک تمہارا ملک ہوگا اور اسکی عزت تمہاری عزت الغرض تم دونوں حالتوں میں خوش قسمت ہوگے یہ سنکر تمام لوگ کہنے لگے ابو الولید

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔ عتبہ نے کہا۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی رائے کہدی اب تمکو جو اچھا معلوم ہو وہ کرو۔

ہجرت حبشہ۔ نبوت کا ساتوان سال

کفار قریش کو اسلام کی مخالفت مین ناکامیابی پر ناکامیابی ہی ہوتی جاتی تھی حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے وہ شکستہ خاطر ہو ہی رہے تھے کہ عتبہ کی سفارت کا برعکس نتیجہ دیکھکر انکا سوہات کا دل بیٹھ بھر کا ہو گیا۔ ان تیرہ قلبون کو اسلام کے انوار حقیقت کی روشنی تھوڑی ہی تھوڑی معلوم ہونے لگی تھی اور وہ براۃ العین اسکی معجز نما صداقت کے مشاہدات کرتے جاتے تھے لیکن جہالت کی سیاہی اور ضلالت کی تیرگی انکی خط تقدیر بنی ہوئی تھی۔ اور فطرتی بیرحمی اور شقاوت پتھر کی لکیر ہو رہی تھی۔ ان مشاہدات کے بعد بھی اسلام کی مخالفت مین اونکی ستمگاری اور خونخواری موقوف نہین ہوئی بلکہ بجائے اسکی اونکی جور وجفا اور ظلم وایذا اتنی بڑھ گئی کہ آخر کار خدا اور رسولؐ کو غریب مسلمانون کی حفاظت جان ومال کا خاص طور پر انتظام کرنا ہوا۔ ابن ہشام اور طبری لکھتے ہین۔

فقال النبی صلعم لهم لو خرجتم الی ارض الحبشة فان بها ملكا لا یظلم عنده احد وهی ارض صدق حتی یجعل الله لكم فرجا مما انتم فیه فخرج عند ذلك المسلمون اصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الی ارض الحبشة مخافة الفتنة وفرارا الی الله بدینهم فكانت اول هجرة فی الاسلام۔ ابن ہشام

جناب رسول خدا صلعم نے ارشاد کیا کہ تمہارے لئے بہتر ہے کہ یہان سے ملک حبشہ کی طرف چلے جاؤ کیونکہ وہان کا بادشاہ رحمدل اور انصاف پسند ہے اور اوسکی حکومت میں ایک کو دوسرے پر ظلم کرنیکی مطلق مجال نہیں اور اسکے ملک والے بھی سچے ہیں اور متدین۔ تم لوگ وہاں قیام کرو تاوقتیکہ خداوند عالم تمکو ان مصائب سے مخلصی عطا فرمائے ارشاد نبی کے مطابق مسلمانون کی ایک معتدبہ جماعت فتنہ وفساد کے خوف سے اور اپنی محافظت دین کے خیال سے فرار اختیار کرکے ملک حبش کیطرف چلی گئی۔ اور یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔

ملک حبش کو اہل عرب سے جیسی قربت اور تعلق تھا وہ ظاہر ہے حبش قریش کا قدیم مرکز تجارت تھا۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ منجملہ اور چیزون کے مکہ کا نفیس مال اور بہت بڑا تحفہ چمڑا ہوتا تھا خصوصاً رنگا ہوا چمڑا مکہ اور عموماً حجاز کی خاص صنعت شمار کیجاتی تھی۔ اور کتابون سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مکہ اور شام سے جو مال تجارت کے لئے حبش کو جاتا تھا وہ علی الاکثر چمڑا ہی ہوتا تھا۔

اہل عرب حبش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ نجاشی حبشی زبان کے لفظ نجوس کی تعریب ہے جسکے معنی زبان حبش مین بادشاہ کے ہین۔ موجودہ نجاشی (شاہ حبش کا نام) اصحمہ تھا تجارت کے کاروبار اور ہمیشہ کی آمد ورفت سے اہل عرب کو حبش کے تمام حالات معلوم تھے۔ اسی لئے مظلومین اسلام نے آنحضرت صلعم کے اس فرمان کو جو خاصکر انھیں کی حفاظت جان ومال پر مبنی تھا بسر وچشم قبول کرلیا۔

سب مسلمانوں کا ملکر ایکبار جانا مصلحت وقت نہیں تھا۔ اس لئے صحابہ کو دوبارہ ہجرت کرنی ہوئی۔ ایکبار گیارہ آدمیوں کا قافلہ گیا۔ شبلی صاحب نے مفصلہ ذیل صحابہؓ کے نام دیئے ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ (۲) عتبہ مع اپنی زوجہ سہلہ نامی و پسر ابو حذیفہ نامی (۳) زبیر بن العوام (۴) مصعب بن عمیر (۵) عبدالرحمن بن عوف (۶) ابوسلمہ مخزومی مع زوجہ ام سلمہؓ نامی (۷) عثمان بن مظعون (۸) عامر بن ربیعہ مع زوجہ لیلیٰ نامی (۹) ابوسبرہ بن ابی رہم (۱۰) حاطب بن عمرو (۱۱) سہیل بن بیضاء (۱۲) عبداللہ بن مسعود۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد دوسرا قافلہ بھی روانہ ہوا۔ اسمیں تقریباً ۸۱ یا ۸۲۔ آدمی تھے انکی تاخیر ہجرت کی وجہ انکی عسرت و ناداری تھی کہ وقت پر زاد و راحلہ کا سامان مہیا نہ ہو سکا۔ ان جملہ حضرات کے نام ابن ہشام نے جس تفصیل سے لکھے ہیں وہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ اور انکی زوجہ حضرت رقیہ (۲) عمرو ابن سعید بن عاص اور انکی بی بی فاطمہ بنت صفوان (۳) خالد بن سعید بن عاص اور انکی بی بی امینہ یا ہمینہ نامی قبیلہ بنی امیہ سے اتنے آدمی تھے قبیلہ بنی ہاشم سے (۴) حضرت جعفر ابن ابی طالب اور اون کی بی بی اسما بنت عمیس بنی اسد بن خزیمہ سے (۵) عبداللہ بن جحش (۶) عبیداللہ بن جحش اور انکی بی بی ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۷) قیس بن عبداللہ اسدی اور انکی بی بی برکۃ بنت یسار غلام ابو سفیان (۸) معیقیب بن ابی فاطمہ بنی عبد شمس سے (۹) ابو حذیفہ بن عتبہ (۱۰) ابوموسیٰ الاشعری حلیف آل عتبہ نوفل بن عبدالمطلب کے قبیلہ سے (۱۱) عتبہ بن غزوان بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے قبیلہ سے (۱۲) یزید بن زمعہ (۱۳) عمرو ابن امیہ بنی عبد قصی سے (۱۴) طیب ابن عمیر بنی عبدالدار سے (۱۵) مصعب ابن عمیر (۱۶) سویبط بن ہاشم (۱۷) جہم بن قیس (۱۸) عقیش بن عامر (۱۹) عامر بن ابی وقاص (۲۰) خزیمہ بنت جہم (۲۱) ابوالروم بن عمیر (۲۲) فراس ابن النضر (۲۳) بنی زہرہ سے عبدالرحمن بن عوف (۲۴) عامر بن ابی وقاص (۲۵) ابی وقاص مالک ابن اہیب (۲۶) مطلب بن ازہر اور انکی بی بی رملہ بنی ہذیل سے (۲۷) عبداللہ بن مسعود (۲۸) عتبہ بن مسعود (۲۹) مقداد بن اسود تیم بن زہرہ سے (۳۰) حرث ابن خالد اور انکی بی بی ریطہ (۳۱) عمرو بن عثمان بنی مخزوم سے (۳۲) عبدالاسد اور انکی بی بی ام سلمہ (۳۳) شماس عثمان بن عبد (۳۴) ہبار بن سفیان (۳۵) عبداللہ بن سفیان (۳۶) ہشام بن ابی حذیفہ (۳۷) سلمہ بن ہشام (۳۸) عیاش بن ربیعہ (۳۹) حلیف بنی مخزوم سے معتب ابن عوف (۴۰) بنی جمح سے عثمان بن مظعون (۴۱) سائب ابن عثمان (۴۲) قدامہ بن مظعون (۴۳) عبداللہ بن مظعون (۴۴) حاطب بن حرث اور انکی بی بی فاطمہ بنت مجلل (۴۵) محمد بن حاطب (۴۶) حرث بن حاطب (۴۷) حطاب بن حرث اور انکی بی بی فکیہہ بنت یسار (۴۸) سفیان بن معمر (۴۹) جابر بن سفیان (۵۰) جنادہ بن سفیان اور اون کی بی بی حسنہ (۵۱) انکے مادری بھائی شرحبیل بن حسنہ (۵۲) عثمان بن ربیعہ بنی سہم سے (۵۳) خنیس بن حذافہ (۵۴) عبداللہ بن حرث (۵۵) ہشام بن عاص بن وائل (۵۶) عاص بن وائل (۵۷) قیس بن حذافہ (۵۸) ابوقیس ابن الحرث (۵۹) عبداللہ بن حذافہ (۶۰) حرث بن الحرث (۶۱) معمر بن الحرث (۶۲) بشر ابن حارث

(۶۳) سعید بن عمرو (۶۴) عمیر بن رئاب (۶۵) بنی زبید سے محمیہ بن الجزء بنی عدی بن کعب سے (۶۶) معمر بن عبداللہ (۶۷)
عروہ ابن عبد العزی (۶۸) عدی بن نضلہ (۶۹) نعمان بن عدی (۷۰) عامر بن عدی اور اون کی بی بی لیلی (۷۱) بنی عامر
بن لوی سے۔ ابو سبرہ بن ابی ارہم اور اونکی بی بی ام کلثوم بنت سہل (۷۲) عبداللہ بن مخرمہ (۷۳) عبداللہ بن سہیل (۷۴)
سلیط بن عمرو (۷۵) سکران بن عمرو اور اونکی بی بی سودہ بنت زمعہ (۷۶) مالک بن زمعہ اور اونکی بی بی عمرہ بنت السعدی (۷۷)
ابو حاطب بن عمرو (۷۸) سعد بن خولہ (۷۹) بنی حرث بن فہر سے ابو عبیدہ الجراح (۸۰) سہیل بن بیضا (۸۱) عمرو بن ابی
سرح (۸۲) عیاض بن زہیر (۸۳) عمرو بن الحرث (۸۴) عثمان بن عبد غنم (۸۵) سعد بن عبد قیس (۸۶) الحرث بن عبد قیس

ابن ہشام نے تعداد تو اسی کی لکھی ہے لیکن نام گنائے ہیں چھیاسی کے۔ غالبًا اونھوں نے حلیف اشخاص کی ناموں کو شمار نہیں کیا ہے اور اسیطرح شوہروں کے ساتھ اونکی بی بیون کے نام بھی لکھدیے ہین مگر اونکو بھی شمار نہین کیا ہے یہ خواتین شمار میں اٹھارہ آتی ہین ان دونوں کے مجموع سے حضرات مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو چار معلوم ہوتی ہے۔

مولوی شبلی صاحب بہت صحیح لکھتے ہین کہ عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اونھین لوگون نے کی جنکا کوئی حامی اور مددگار نہین تھا لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار (دالا) خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیر اور مصعب[1] خود آنحضرت صلعم کے خاندان سے تھے عبدالرحمن بن عوف اور ابو سبرہ معمولی بزرگ نہین تھے۔ اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قریش کے ظلم و ستم بیکسون پر محدود نہ تھے بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اونکے ستم سے محفوظ نہ تھے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جنکو انگاروں کے بستر پر سونا پڑتا تھا یعنی حضرت بلال۔ عمار۔ یاسر۔ وغیرہ۔ ان لوگوں کے نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نہین پائے جاتے۔ یا تو انکی بے سروسامانی اس حد تک پہونچی تھی کہ سفر کرنا ہی دشوار تھا۔ یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے۔ اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے ؎ ولم زجور تو آسودہ است ومی نالم ٭ کہ غیر تیز کند لذت خدنگ ترا ٭

ملک حبش میں مہاجرین کا داخلہ کفار قریش ایسے کیا تھے جو مسلمانون کی کسی نقل و حرکت کی خبر پاتے اور خموش رہجاتے۔ مہاجرین کی روانگی کی خبر ملتے ہی قریش کا ایک دستہ اس قصد و ارادے سے فورًا روانہ ہوا کہ جانیوالون کو راستہ ہی مین گرفتار کر لیا جاوے لیکن جبتک یہ پہونچین پہونچین مہاجرین کشتی پر سوار ہو کر ساحل سے روانہ ہو چکے تھے۔ اس لئے تعاقب کرنیوالے ناکامیاب واپس آئے۔ لیکن ناکامی اور محرومی کے بعد بھی وہ اپنی چالوں سے باز نہ رہے۔ جیسا کہ بہت جلد بیان ہوتا ہے۔

[1] خاندان رسالت میں زبیر و مصعب آپ کو یاد آئے اور جعفر ابن ابی طالب کا نام بالکل فراموش ہوگیا۔ حالانکہ صفیہ کے لڑکون اور ابیطالب کے صاحبزادون میں جو فرق ہو وہ دیا جاتی ہے اور اس میں ہی باعتبار علاقہ نسبی کے آنحضرت کیساتھ جتنی قربت ہو وہ شبلی صاحب کی اس کوتہ قلمی سے چھپ نہین سکتی۔ المؤلف

مہاجرین کو نجاشی شاہ حبش نے اپنے ملک مین نہایت آرام اور امن و امان سے رکھا۔ اور کامل طور پر انکو مذہبی آزادی عنایت کی۔ ابن ہشام حضرت ام المومنین ام سلمہ کا یہ قول خود انکی زبانی نقل کرتے ہین۔

لما نزلنا ارض الحبشة جاورنا بها خير جار النجاشي امنا على ديننا وعبدنا الله تعالى لا نؤذى ولا نسمع شيئاً نكرهه سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۵

جب ہم لوگ ملک حبش میں پہونچے تو نجاشی بادشاہ حبش ہمارے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتا رہا اور ہم لوگ پورے امن کے ساتھ اپنے دین پر قائم تھے اور آزادی سے خدائے تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے کوئی ہمیں ایذا نہ دے سکتا تھا اور نہ ہم کوئی مکروہات سنتے تھے۔

شبلی صاحب مہاجرین کے آیندہ واقعات لکھتے ہین۔

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش مین امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبرین سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتے تھے آخر یہ رائے ٹھیری کہ سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرمون کو اپنے ملک سے نکال دو۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص (فاتح مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ نجاشی اور اوسکے درباریون مین ایک ایک کے لئے گران بہا تحفے مہیا کئے گئے امام احمد بن حنبل کی مسند مین بمسند اہلبیت کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تحفہ بھی علی الاکثر مکہ کا مشہور چمڑہ تھا۔ غرض نہایت سر و سامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔

یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریون سے ملے اور اونکی خدمت مین نذرین پیش کین اور کہا کہ ہمارے چند نادانون نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ہم نے اونکو نکالدیا۔ تو آپ کے ملک مین بھاگ آئے کل ہم بادشاہ کے دربار مین جو درخواست پیش کرین تو آپ بھی ہماری تائید فرمائین۔

نجاشی کے دربار مین قریش کی اپیل اُسکی تردید مین حضرت جعفرؓ کی تقریر

دوسرے دن سفراء دربار مین گئے۔ اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دیئے جائین۔ درباریون نے بھی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا۔ اور کہا کہ تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہی جو نصرانیت اور بت پرستی دونون کے مخالف ہے۔

مسلمانون نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کیلئے حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کو انتخاب کیا۔

سفراء قریش کی تردید مین حضرت جعفر نے نجاشی کے سامنے یہ تقریر کی۔

اَیُّھَا الْمَلِکُ۔ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بت پوجتے تھے مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریان کرتے تھے ہمسایون کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ توی لوگ کمزورون کو کھا جاتے تھے۔ اس اثناء مین ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اوس نے ہمکو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین سچ بولیں۔ خونریزیون سے باز آئین یتیمون کا مال نہ کھائین۔ ہمسایون کو آرام دین عفیف عورتون

بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ سچا دین ہے روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اوس پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی چھوڑ دی۔ اور تمام اعمال بد سے باز آئے اس جرم پر ہماری قوم ہماری جانکی دشمن بنگئی۔ اور اب ہمکو مجبور کرتی ہے کہ پھر اوسی گمراہی میں واپس جائیں نجاشی نے کہا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اوترا ہے کہیں سے پڑہو۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی چند آیتیں سنائیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک چراغ کے پرتو ہیں یہ کہکر سفرائے قریش سے کہا کہ تم واپس جاؤ۔ میں ان مظلوموں کو کبھی واپس نہ دونگا۔

دوسرے دن عمرو عاص نے پھر دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اور نجاشی سے کہا حضور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ع کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں ان لوگوں کو تردد ہوا کہ حضرت عیسیٰ ع کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں نجاشی عیسائی ہے۔ ناراض ہو جائیگا۔ حضرت جعفر نے کہا کچھ ہو۔ ہم کو سچ بولنا چاہیئے۔ غرض یہ لوگ دربار میں بلائے گئے۔ حاضر ہوئے تو نجاشی نے پوچھا تم لوگ حضرت عیسیٰ ع کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو حضرت جعفر نے کہا کہ ہمارے پیغمبر صلعم نے بتلایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اوٹھا لیا اور کہا واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ ع اوس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے اونکے غصہ کی کوئی پرواہ نکی اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب واپس آئے۔

اس اثناء میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اوس کے مقابلہ کے لئے خود گیا۔ صحابہ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں۔ حضرت زبیر رض اگرچہ سب سے کمسن تھے لیکن اونھوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہونچے۔ اوہر صحابہ نجاشی کے لئے خدا سے دعائے فتح کرتے تھے۔ چند روز کے بعد زبیر رض واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔

یہاں تک حالات لکھکر شبلی صاحب نے عیسائی مصنف مسٹر مارگولوس کا اعتراض عبارت حاشیہ میں لکھا ہے۔ مارگولوس نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از لطروحہ تلاش کر کے پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لئے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا۔ اس لئے اوھوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اوسکو مکہ پر حملہ کرنیکی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے۔ اس غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے آپ نے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو مکہ پر خود قابض ہو جائیگا۔ مجکو کیا ہاتھ آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔ صرف بے ثبوت لکھدینے سے بے ثبوت ہونیکی دلیل قائم نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس متعصب عیسائی مولف کو

وہ سوجھی جو حقیقتاً مشرکین کو بھی نہین سوجھی تھی لیکن مارگولوس کو اس معنویانہ وہم و قیاس کی کوئی سند کوئی حوالہ پیش کرنا ضرور تھا جیسا کہ اس سے قبل اوسنے اپنی اکثر غلط فہمیون کے ثبوت مین ضعیف اور موضوع مرویات اسلامی کو پیش کیا ہے۔ اگر اسلامی سند اوسکے پاس اسکی تائید مین موجود نہین ہے۔ تو اوسکی یہ تعریض نہ ہمارے لئے قابل توجہ ہے اور نہ ہم اسکے ذمہ دار ہیں جب مارگولوس نے کوئی سند پیش نہین کی تو تعصب و نفسانیت کے سوا اوسکے اس محبوبانہ قیاس کی کوئی دوسری وجہ نہین ہوسکتی۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثبوت

مشرکین قریش اپنی ناکامی اور اسلام کی کامیابی اور ترقی کو اپنی دونون آنکھون سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن اپنی جہالت و ضلالت سے ہٹتے نہین تھے۔ انوار اسلام نے قریب قریب اون تمام سیہ کارون کے گھرون مین اپنی روشنی پہونچا دی تھی لیکن اونکی سیہ بختی آجتک اونکو اسکے احساس سے محروم رکھے تھے حضرت حمزہ کے اسلام لانے سے وہ دل شکستہ ہو چکے تھے عمرو عاص کی سفارت حبشہ بھی پیام یاس لائی تھی کہ یکایک ایک تازہ مصیبت۔ یک لشدو وشد کی صورتین نمایان ہوئی جسکی انکو سوتے جاگتے کوئی امید تھی اور نہ توقع یہ مصیبت حضرت عمرؓ کا مشرف باسلام ہونا تھا حضرت عمرؓ کی مخالفت اسلام معمولی نہین تھی۔ اونکی مخالفت کا اثر مظلومین اسلام کے دائرے میں چارون طرف پھیلا ہوا تھا۔ خصوصاً بیچاری اور بیکس مسلمان کنیزان بس انکی زدو کوب سے اگر مرین نہین تھین تو مرنے کے بالکل قریب ہو چکی تھین ایسے شدید دشمن اسلام کو رام کرنا قدرت ہی کا کام تھا۔ شبلی صاحب مفصلاً یون رقمطراز ہین۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسوان سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوگئے حضرت عمر کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہین رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ زید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اس خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم ابن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا لیکن حضرت عمرؓ اسلام سے ابھی تک بیگانہ تھے۔ ان کے کان مین جب یہ صدا پہونچی تو سخت برہم ہوئے۔ یہانتک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اونکے دشمن بنگئے۔ لبینہ انکے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اوسکو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لے لون تو پھر مارونگا۔ لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدو کوب سے دریغ نہ کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اوترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیون پر بھی وہ ایک شخص کو اسلام سے بیدل نہ کرسکے آخر مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) جو بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر سے باندہی۔ رسول اللہ صلعم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا ؎

آمد آن یارے کہ ما می خواستیم ہ۔ راہ مین اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور کو دیکھکر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا) فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں فوراً پلٹے اور بہن کے پاس پہونچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ اُنکی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن آواز اُنکے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی بولیں کچھ بھی نہیں۔ انھوں نے کہا میں سُن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔ یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے۔ اور جب اُنکی بہن بچانے کو آئیں تو اُنکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا تمام جسم لہولہان ہوگیا لیکن اسلام کی محبت اس سے مالاتر تھی بولیں عمر جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔ ان الفاظ نے دل پر خاص اثر کیا حضرت عمر نے بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ انکے جسم سے خون جاری تھا یہ دیکھکر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے کر دیئے اوٹھاکر دیکھا تو یہ سورہ تھی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ | زمین آسمان جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے

ایک ایک لفظ پر اُنکا (حضرت عمر کا) دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہونچے آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (خدا اور اوسکے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار پکار اوٹھے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی دوسرا خدا نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوسکے رسول ہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزیں تھے حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہونچکر دستک دی چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہ نے کہا۔ آنے دو مخلصانہ آتا ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اوسی کی تلوار سے اوس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے کہا۔ کیوں عمر کس ارادے سے آیا ہے۔ نبوت کی پُرجلال آواز نے اُنکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کیساتھ عرض کیا (کہ) ایمان لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیساختہ اللہ اکبر پکار اوٹھے۔ اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے ملکر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

شبلی صاحب کے عقیدے میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانیسے اسلام میں جان بھی آگئی اور خاص شان بھی اسلئے آپ نے اپنے قدیم طریقہ اختصار سے دست بردار ہوکر خاص طور پر تفصیل سے کام لیا ہے لیکن تاہم اپنی خودغرضی کے اصول کو یہاں بھی ترک نفرمایا۔ اصل ماخذ میں جو امور مفید مطلب آپ کے تھے اوتنے تو لکھ گئے باقی القط۔ یہ نہ مولف کی شان ہے اور نہ محقق کا انداز بیان۔

آپ نے حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکی صورت اس انداز پر کھینچی ہے جس سے یہ امر پایا جاوے کہ موصوف کا اسلام لانا اونکی ذاتی تحقیق اور حُسن تعقل کا نتیجہ ثابت ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری ابو الطفیل دوسی وغیرہم کی حالات وواقعات سے معلوم ہوچکا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام آپ کے اصلی ماخذ کی عبارت اسکے خلاف حقیقت حال بتلاتی ہے اور اُسکی

تصریح کو آپ بالقصد اپنے ترجمہ سے نکال دیتے ہیں۔ ابن ہشام کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے خاندان کے لوگوں نے اسلام کی تعلیم خاص رسول اللہ صلعم سے بھی نہیں پائی تھی۔ بلکہ خباب بن الارت کے واسطہ سے اس موقع پر حضرت عمرؓ کے بھی راہ نمائی بزرگ تھے۔ اور حضرت عمر نے بھی انھیں سے اسلام کی خوبی اور بانی اسلام علیہ السلام کے دربار رسالت تک اپنی باریابی کے متعلق استفسارات کیے تھے اور خباب بن الارت نے انکو تشفی بخش جواب دیکر قبول اسلام اور حصول زیارت حضرت سید الانام پر آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔ ابن ہشام کی عبارت یہ ہے۔

فرجع عمر عامدا الی اختہ وختنہ وعندھما خباب بن الارت معہ صحیفۃ فیہا طٰہٰ یقرئھا ایاھا فلما احس عمر تغیب خباب فی مخدع لھما او فی بعض البیت	عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کی تنبیہ کا قصد مصمم کرکے اُس وقت پہونچے جب خباب بن ارت اُن دونوں اور انکی بہن اور بہنوئی کو اپنے صحیفہ میں سے جو انکے ہمراہ تھا سورۃ طٰہٰ کی آیتیں سنا رہے تھے جب حضرت عمر کے آنیکی آہٹ

ملی تو خباب ان کے گھر کی کسی پوشیدہ جگہ میں جا چھپے۔ یا قریب کے کسی مکان میں چھپ گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس خاندان میں معلّم اسلام خباب بن الارت تھے۔ انھیں کے فیضان تعلیم نے ان لوگوں کو مسلمان بنا دیا اس عبارت کا شبلی صاحب نے ترجمہ نہیں کی ہے۔

بھائی بہن میں اجزاے قرآن کے دکھلانے کی نسبت جو مکالمات ہوے وہ ابن ہشام کے الفاظ میں یہ ہیں ۔

قال لاختہ اعطینی ھذہ الصحیفۃ التی یقرؤن انفا انظر ما ھذا الذی جاء بہ محمد وکان عمر کاتبا فلما قال ذلک قالت لہ اختہ انا نخشاک علیھا قال لا تخافی وحلف لھا بالھتہ لیردنھا اذا قرأھا الیھا فلما قال ذلک طمعت فی اسلامہ فقالت لہ یا اخی انک نجس علی شرکک وانہ لا یمسھا الا الطاھر فقام فاغتسل فاعطتہ الصحیفۃ	حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ جو تم لوگوں پر پڑھا جاتا تھا مجھے دو تو ہم دیکھیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا نازل ہوا ہے چونکہ حضرت عمر پڑھا لکھنا جانتے تھے اسلئے اونھوں نے ایسا کہا یعنی انگی کر دیکھنا چاہا اس نے جواب دیا کہ مجھے خوف ہے کہ تم اُسے ضایع کر دوگے حضرت عمر بولے تم خوف نہ کرو اور اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم اوس صحیفہ کو پڑھکر واپس کر دیں گے جب انھوں نے ایسا کہا تو بہن کو انکے اسلام کی توقع ہوئی لیکن کہا بھائی بات یہ ہے کہ تم اپنی شرک

کی وجہ سے ابھی تک نجس ہو۔ اور اس صحیفہ کو سوائے طاہر شخص کے کوئی دوسرا نہیں چھو سکتا۔ یہ سنکر حضرت عمر اٹھے اور غسل کر آئے تب بہن نے وہ صحیفہ دیا۔

اس عبارت کو بھی شبلی صاحب نے بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔ اور حضرت عمرؓ کے قدیم انہماک فی الشرک اور اونکی بہن کے اخلاص فی الاسلام کے متضاد عوالم کو پیش کرنا خلاف غیرت سمجھا لیکن یہ امور انسان کی سعادت اور توفیقات سے متعلق ہوتے ہیں آسمیں نسبی یا سببی قرابت اور خصوصیت کا دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد جب خباب بن الارت نے آڑ سے حضرت عمرؓ کو قرآن پڑھتے اور اوسکی روحانی مطالب و معانی سے اثر پذیر

ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو اکبارگی سامنے آگئے۔ باہم جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے۔

فلما سمع ذلك خباب بن الارت خرج اليه فقال له يا عمر والله لارجو ان يكون الله قد خصك بدعوة نبيه فانى سمعته امس وهو يقول اللهم ايد الاسلام بابى الحكم بن هشام او بعمر بن الخطاب فالله الله يا عمر فقال له عند ذلك فدلنى يا خباب على محمد حتى آتيه فاسلم فقال له خباب هو فى بيت عند الصفا معه فيه نفر من اصحابه

جب خباب نے انکو (حضرت عمرؓ کو) ٹھنڈے دل سے قرآن پڑھتے سن لیا تو سامنے آکر کہنے لگے ای عمر میں خیال کرتا ہوں کہ خدا نے تجھکو پیغمبر خدا کی دعوت کیلئے خاص طور پر تجویز فرمایا ہے کیونکہ کل ہم نے آنحضرت صلعم کو یہ دعا فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ پروردگار تو اسلام کی حمایت ابی الحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن الخطابؓ کے ذریعہ سے فرما خدا کی قسم یہ بڑا اعزاز ہے یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ بولے کہ اے خباب تم اسی وقت مجھے آنحضرت صلعم کی خدمت میں لیچلو میں اسلام لاؤں خبابؓ نے کہا کہ وہ صفا کے پاس ایک مکان میں مقیم ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے چند اصحاب موجود ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں ابن ہشام ص ۲ امصر

یہ عبارت بھی شبلی صاحب نے اپنی غرض خاص سے قلمزد فرمادی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خباب بن الارت انکی راہ راست پر لائے۔ رسول اللہ صلعم کا نشان بتلانے اور اون کے اسلام لانیکے اصلی محرک ہوئے۔

قرآن مجید کے روحانی اثر نے جس طرح حضرت عمرؓ کو مسخر کر یا اوسکی کیفیت تو دیر معلوم ہوچکی۔ اب خباب بن الارت کی رہنمائی سے حضرت عمر باریاب زیارت ہوئے تو رسالت و نبوت کے تصرفات روحانی نے انکے رام کرنے میں جن عملی ترکیبوں سے کام لیا۔ اوسکے نقل و ترجمہ کو بھی شبلی صاحب قلم انداز فرما گئے۔ شاید حضرت عمرؓ کی کسر شان سمجھی گئی۔ اوسکی حقیقت ابن ہشام کی زبانی یوں ہے۔

فاذن له الرجل ونهض اليه رسول الله صلعم حتى لقيه بالحجرة واخذ بحجزته او بجمع ردائه ثم جبذه جبذة شديدة وقال ما جاء بك يا ابن الخطاب فوالله ما ارى ان تنتهى حتى ينزل الله بك قارعة ص ۱۲

حضرت عمرؓ آئے۔ اجازت مانگی۔ آنحضرت صلعم کیطرف سے ایک شخص نے آپکی اجازت دیدی آنحضرت صلعم خود انکی طرف بڑھے اور یہ حجرے تک آئے تھے کہ آنحضرت صلعم نے انھیں دیکھ لیا و لپکتے ہاتھ پکڑ لئے انکے گوشہ ردا کو تھامکر سخت زور سے کھینچا اور پوچھا کیوں ابن خطاب آج تم یہاں کیسے آئے۔ خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ تم میں تمام باتوں کی انتہا ہوگئی اور آخر خدا نے تمہیں ڈرا ہوا یہاں بھیجوایا۔

نہیں معلوم کہ حضرت صلعم کے ان چند الفاظ خطابیہ میں کیسی قیامت کے روحانی اثر تھے اور آپ کے اوس کشش و دستی میں کیسی معجز نما تسخیر کی قوت مضمر تھی کہ حضرت عمرؓ سے باوجود اتنی قدیم عداوت و خصومت کے اسموقع پر پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں سوائے سرافگنی عجز نمائی اور جبین سائی کے کچھ اور نہ بن پڑا۔ مندرجہ بالا سوال رسالت کے جواب میں نیچی آنکھیں کر لیں اور کہا۔

جئتك لاؤمن بالله وبرسوله وبما جاء من عند الله

یا حضرت میں تو صرف خدا و رسولؐ اور جو کچھ اوپر نازل ہوا ہے اوس پر ایمان لانے کی غرض خاص سے حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکے متعلق اس روایت سے تو موصوف کی اپنی سعی و کوشش کی جگہہ۔ قدرت کی جبروت۔ رسالت کے روحانی فیوض۔ اور بیچارے خباب دلائل اور بہنوئی کی رہنمائی اقدر مشترک خیالی معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر شبلی صاحب کا ان استحواف واقعات سے اگر یہ مدعا تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ بلا تحریک و مشارکت غیرے ثابت کریں تو وہ اون کے اصلی ماخذ کی عبارات مندرجہ بالا سے کسیطرح ثابت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکے متعلق دوسری روایت

شبلی صاحب کی قدیم عادت ہے کہ تلاش واقعات مین آپ اوس واقعہ یا روایت کو نقل کرتے ہین جو آپ کے مفید مطلب ہوتی ہین اور ان واقعات و مرویات کو جس سے آپ کا مطلب نہین نکلتا بالکل قلم انداز کر دیتے ہین لیکن اس موقع خاص پر آپ سے سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت عمر کے اسلام لانیوالے واقعہ مین تاریخ ابن ہشام کی صرف پہلی روایت کو تلخیص اور قطع و برید کے بعد ترجمہ کر کے لکھا ہے اور اوس سے یہ ثابت کیا جایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے مین کسی کی تحریص و ترغیب کی مداخلت نہین تھی۔ حالانکہ اوپر کی عبارت سے دکھلا دیا گیا ہے کہ موصوف کے اسلام لانیوالے واقعہ مین خباب بن الارت کی تحریک خاص طور پر شامل تھی۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر اپنے ماخذ اصلی کی دوسری روایت پر نہین گئی۔ جو اس سے زیادہ اونکے مفید مطلب تھی اور اُس سے ایک گونہ موصوف کی تحقیق خاص نکل سکتی تھی۔

ابن ہشام نے شبلی صاحب کی اختیار کردہ روایت کی نسبت لکھدیا ہے کہ حضرت عمر کے اسلام لانیکے متعلق یہ وہ روایت جو خاص مدینہ کے لوگون مین مشہور ہے۔

فھذا الحدیث الرّواۃ من اھل المدینۃ عن اسلام عمرؓ بن الخطّاب حین اسلم

حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکے وقت کی یہ وہ روایت ہے جسکے راوی مدینہ کے لوگ ہین۔

اس کے بعد ابن ہشام نے موصوف کے اسلام لانیکی وہ روایت نقل کی ہے جو مکہ کے راویون سے منقول و مذکور ہے

حدثنی عبداللّٰہ بن ابی نجیح مکّی عن اصحابہ عطاء و مجاھد واعمّن روی ذلک ان اسلام عمر فیما تحدّثوا بہ عنہ انہ کان یقول کنت عن الاسلام مباعدًا وکنت صاحب الخمر فی الجاھلیۃ احبّھا واشربھا وکان لنا مجلس یجتمع فیہ رجال من قریش بالحزورۃ عند اللّٰہ دار عمر بن عبید بن عمران المخزومی قال فخرجت لیلۃ ارید جلسائی اولئک فی مجلسھم ذلک

ابن اسحٰق کہتے ہین کہ مجھسے عبداللہ بن نجیح مکی نے اپنے اصحاب عطاء مجاہد سے اور اونکے سوا اور راویوں سے نقل کی ہو کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانیکے متعلق اونکو علم و واقفیت ہین یہ واقعہ گذرا ہے کہ جو حضرت عمر کا بیان ہو کہ مین ایام جاہلیت میں اسلام کا سخت مخالف اور شراب نوشی کا سخت عادی تھا۔ خوب پیتا اور پلایا کرتا تھا۔ اور ہمارا مکانات آل عمر بن عبید بن عمران المخزومی کے قریب ہماری شراب نوشی کی ایک صحبت گاہ قائم تھی جہاں بہت سے جوانان قریش جمع ہوا کرتے تھے۔ مین ایکدن کچھ رات گئے

قال فجئتهم فلم اجد فيه منهم احدا قال فقلت لو انى
جئت فلانا الخمار وكان بمكة يبيع الخمر لعلى اجد عنده خمرا
فاشرب منها قال فخرجت فجئته فلم اجده قال فقلت
لو انى جئت الكعبة فطفت بها سبعا او سبعين قال
فجئت المسجد اريد ان اطوف بالكعبة فاذا رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم قائم يصلى وكان اذا صلى استقبل
الشام وجعل الكعبة بينه وبين الشام وكان مصلاه
بين الركنين الركن الاسود والركن اليمانى قال فقلت
حين رأيته والله لو انى استمعت من محمد الليلة
حتى اسمع ما يقول فقلت لئن دنوت منه اسمع
منه لاروعنه فجئت من قبل الحجر فدخلت تحت ثيابها
فجعلت امشى رويدا ورسول الله صلعم قائم يصلى
يقرء القرآن حتى قمت فى قبلته مستقبله ما بينى وبينه
الا ثياب الكعبة قال لما سمعت القرآن رق له قلبى وبكيت
ودخلنى الاسلام فلم ازل قائما فى مكانى ذلك حتى
قضى رسول الله صلعم صلاته ثم انصرف وكان اذا
انصرف خرج على دار ابن ابى حسين وكانت طريقه حتى
يجزع المسعى ثم يسلك بين دار عباس بن عبد المطلب
وبين دار ابن ازهر بن عبد عوف الزهرى ثم على دار الاخنس
بن شريق حتى يدخل بيته ومسكنه صلى الله
عليه وآله وسلم فى دار الرقطاء التى كانت بيدى
معوية بن ابى سفيان قال عمر رضى الله عنه فتبعته
حتى اذا دخل بين دار عباس ودار ابن ازهر ادركته فلما
سمع رسول الله حسى عرفنى فظن رسول الله صلعم
انى انما تبعته لاوذيه فنهمنى ثم قال ما جاء بك يا ابن الخطاب

اس جلسہ گاہ میں جانے کی غرض سے گیا لیکن وہاں پہونچکر میں نے کسی کو بھی
نہ پایا۔ یہ تنہائی دیکھکر میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ لوگ
فلاں خمار میفروش کی دوکان پر گئے ہونگے جو مکہ میں شراب بنانی اور بیچنے
کیلئے مشہور تھا یہ خیال کرکے میں وہاں چلا اور یہ بھی ارادہ کرلیا کہ اُسی
سے شراب لے کر پیونگا لیکن اتفاق سے وہ بھی نہ ملا۔ اب مایوس ہوکر پھر
گھر لوٹنے کا ارادہ کرلیا اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی خیال آیا کہ خانہ کعبہ کا
طواف ستّا بار یا ستر بار کرتے چلیں یہ ارادہ کرکے میں داخل مسجد الحرام
ہوا میں نے جونہیں طواف شروع کیا دیکھا کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ شام کیطرف متوجہ کئے ہوئے نماز ادا کر رہے
ہیں اور خانہ کعبہ آپ کے اور سمت شام کے درمیان واقع ہے اور اسوقت
آپ کا مصلّے رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان قائم ہے آپکو دیکھکر
میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش ہم آج رات کو آپ کی زبان سے قرآن [illegible]
گوش لیتے جن کو ہم اور لوگوں کی زبانی سنا کرتے ہیں لیکن اسکے ساتھ
ہی یہ خیال آیا کہ آپ کی تلاوت کو بغیر قریب گئے کیسے سن سکتا ہوں
یہ سوچکر میں مقام حجر سے ہوتا ہوا آپ کے قریب آگیا اور ٹہل ٹہل کر آپ کو
سننے لگا آپ اسیطرح نماز میں قائم رہکر تلاوت قرآن مجید فرماتے رہے پھر میں
آپ کے آگے جاکر اسطرح کھڑا ہوگیا کہ مجھ میں اور آپ میں سوائے لباس
کعبہ اور کوئی شے حائل نہیں تھی۔ پس میں نے جونہیں آپ کی زبان مبارک
سے قرآن کی سماعت کی فوراً میرے قلب میں رقت پیدا ہوگئی اور میں
بیساختہ رونے لگا۔ اور اسیوقت سے شعشعہ اسلام میرے دل میں
جلوہ افروز ہوا۔ میں کچھ ایسا متاثر ہوا کہ جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا کا کھڑا
رہگیا اور وہاں سے ذرا نہ ہلا۔ یہانتک کہ جناب رسولخدا صلعم نے اطمینان سے
اپنی نماز تمام کی پھر آپ وہاں سے چلے پھر آپ ابن ابی حسین کے طرف سے [۵]
دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن ازہر بن عبد عوف الزہری کے درمیان
ہوکر پھر دار اخنس بن شریق سے گذر کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور اُن

۵ ان دور دراز اور پر پیچ راہوں سے آنحضرت صلعم کے گھر آنے کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ کفار کی ایذا دہی کے خیال سے آمد و رفت میں غیر متعارف راہیں اور گلیاں اختیار کرتے تھے۔ المؤلف

هذه الساعة قال قلت جئت لأؤمن بالله وبرسوله وبما جاء من عند الله قال فحمد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثم قال قد هداك الله يا عمر ثم مسح صدري ودعا لي بالثبات ثم انصرفت عن رسول الله ودخل رسول الله صلعم بيته قال ابن اسحق والله اعلم اي ذلك۔

دنوں آپ کا قیام دار الارقم میں تھا۔ جو بعدہٗ معاویہ بن ابوسفیان کے قبضہ میں آگیا تھا حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا۔ اور دار عباس بن عبد المطلب اور دار ابن ازہر کے درمیان آپ سے ملاقی ہوا۔ آنحضرت صلعم کو میرے آنے کی آہٹ مل گئی اور مجھے دیکھکر آپ کو یہ خیال گذرا کہ میں آپ کی ایذا دہی کے ارادے سے پیچھے پیچھے آتا ہوں آپ نے مجھے آنے سے منع کیا اور ارشاد فرمایا کہ اے ابن خطاب تم اسوقت میرے ساتھ کیوں آتے ہو۔ میں نے ملیاحۃً عرض کی کہ خدا پر۔ اوسکے رسولؐ پر۔ اور اوس شے پر جو نازل فرمائی گئی ہے ایمان لانے کی نیت سے آتا ہوں یہ سنکر آنحضرت صلعم نے خدا کی حمد کی۔ اور پھر مجھسے ارشاد کیا اے عمر۔ خدا نے تمہیں ہدایت کی۔ پھر آپ نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک رکھکر میرے ثبات ایمان کے لئے دعا فرمائی۔ اسکے بعد میں آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا۔ اور آپ اپنے مکان پر تشریف لیگئے۔

یہ دونوں روایتیں لکھکر ابن اسحاق کہتے ہیں کہ انہدونوں روایتوں میں کون صحیح الواقعہ ہے میں نہیں کہ

ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر

اس روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بہ مقابلہ سابق روایت کے اس امر کا زیادہ مظہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے میں اپنی سعی و کوشش سے کام لیا۔ اور باوجود اپنی قدیم اور عظیم مخالفت اسلام قدرت کیطرف سے جب آپکی ہدایت کے انتظام کئے گئے تو دم بھر میں انکی دشمنانہ مخالفت دوستانہ موافقت ہوگئی اور پھر یہی کہ جس سے یہ کوسوں دور رہنا چاہتے تھے صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے اوس کے پاس خود دوڑے چلے آئے اور خود بخود کہنے لگے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔ تعلیم و تلقین کے بعد بھی اصل ہدایت قدرت کا کام ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی۔ ہم اپنے نفس کی برائی اوسوقت تک دور نہیں کرسکتے تا وقتیکہ پروردگار عالم اس امر میں ہم پر رحم نہ فرمائے آ غاز جزو سیزدہم قرآن مجید سورہ یوسف۔

حضرت ابیطالب اور قریش کی آخری وفد کفار قریش اور مشرکین کعبہ کی قسمتوں میں سوائے ناکامی کے کچھ اور نہیں تھا حالانکہ وہ اسلام کو اسوقت تک بالکل لاوجود سمجھتے تھے اور اونکا مغرورانہ خیال یہ تھا کہ اسکے تھوڑے بہت موجودہ وجود کو نیست و نابود کر دینا بالکل اونکے اختیار میں ہے۔ جسوقت چاہیں گے اسکو کالعدم کردینگے۔ لیکن اسکے خلاف میں اونکی پے درپے ناکامیوں نے اونکو چونکا دیا تھا کہ اسلام اپنی بیمقداری میں بھی اتنی قوت اور پایداری رکھتا ہے کہ اونکی کثرت اور جمعیت اون کے خلاف کچھ بھی نہ کرسکی۔ جماعت قریش کا بالتدریج حلقہ بگوش اسلام ہونا۔ نجاشی کے پاس سے وفد کا محروم و مایوس واپس آنا۔ حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ اسلام کی کامیابی اور اونکی ناکامی کے مشاہدے تھے جنکو وہ خود آنکھوں سے

دیکھ چکے تھے اس بنا پر پھر قریش نے اپنی مخالفانہ تدابیر میں استمالت کا طریقہ اختیار کیا۔ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود گفتگو کر کے اور حضرت ابیطالب کے ذریعہ سے فہمائش کرا کے آنحضرت صلعم کو تعلیم اسلام سے باز رکھنے کی سعی و کوشش شروع کی اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہہ گفتگو کرنے سے پہلے اپنی تدبیر کی سلسلہ جنبانی حضرت ابی طالب سے آغاز کی ابن ہشام نے جس تفصیل و ترتیب سے اپنی سیرت میں ان واقعات کو بیان کیا ہے ویسا کسی دوسرے مورخ اور سیرت نگار نے نہیں جمع کیا ہے۔ اس بنا پر ہم ذیل میں اوسی کی تفصیل و ترتیب کو سلسلہ وار نقل کرتے ہیں۔

ثم مشوا الى ابی طالب ان لك سنا وشرفا ومنزلة فینا وانا قد استنهیناك من ابن اخیك فلم ینهه عنا وانا والله لا نصبر على هذا من شتم آبائنا وتسفیه احلامنا وعیب آلهتنا حتى تكفه عنا او ننازله وایاك فی ذلك حتى یهلك احد الفریقین او كما قالوا له ثم انصرفوا عنه فعظم على ابی طالب فراق قومه وعداوتهم ولم یطب نفسا باسلام رسول الله صلى الله علیه وآله وسلم لهم ولا خذلانه. ان قریشا حین قالوا لابی طالب هذه المقالة بعث الى رسول الله صلعم انه قد بدا لعمه وانه خاذله فابق علی وعلى نفسك ولا تحملنی من الامر ما لا اطیق قال فظن رسول الله صلعم یا عم والله لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری على ان اترك هذا الامر حتى یظهره الله او اهلك فیه ما تركته قال ثم استعبر رسول الله صلى الله علیه وآله وسلم فبكى ثم قام فلما ولى ناداه ابو طالب فقال اقبل یا ابن اخی قال فاقبل علیه رسول الله صلى الله علیه وآله وسلم فقال اذهب یا ابن اخی فقل ما احببت فوالله لا اسلمك لشیء ابدا ص ۸۹

الغرض قریش ملکر پھر حضرت ابی طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابوطالب ہم لوگوں کے آگے آپ کی بڑی عظمت اور قدر و منزلت ہے اور ہم سب ملکر آپ کے پاس یہ عرض کرنے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو منع کریں اور اگر آپ اونھیں منع نہ کریں تو ہم لوگ آپ کو باور کراتے ہیں کہ اب ہم لوگوں میں اپنے بزرگوں کے حق میں برا سننے۔ بیوقوف بنائے جانے۔ اور اپنے معبودوں کے عیب کی بابت اعلان سننے کی۔ اب کبھی تاب نہیں ہے۔ آپ اونھیں چپ رہنے کی ہدایت کریں ورنہ ہم اونھیں جان سے مار ڈالیں گے اور آپ اکیلے ہم لوگوں کا کچھ بھی نہ کر سکیں گے یہ کہکر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابیطالب کو اپنی قوم کی عداوت اور مفارقت بھی گراں معلوم ہوتی تھی اور اسیطرح جناب رسول خدا صلعم سے ان لوگوں کے کہنے کے موافق ترک تبلیغ اسلام کو کہنا بھی گوارا نہیں تھا آخرکار جب یہ لوگ اوٹھکر چلے گئے تو ابیطالب خود آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے جان عم۔ ابھی ابھی تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہتے تھے (اون لوگوں کی باتوں کو دوہرایا) تو میرے خیال میں تمہیں میری اور اپنی جان کا بھی خیال کرنا چاہیئے مجھپر اتنا بار نہ ڈالو کہ مجھسے نہ اوٹھ سکے یہ سنکر آنحضرت صلعم کو خیال ہوا کہ چچا کی توجہ میری طرف سے کم ہو گئی۔ قریش کی تہدید و ترہیب سے وہ مجھے چھوڑ دینگے اور اپنے ساتھ نہ رکھیں گے اور میری حمایت و اعانت سے دست بردار ہو جائیں گے۔ چچا کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ چچا اگر یہ لوگ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر لا رکھیں اور ماہتاب کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹونگا اور نہ خدا کے حکم سے ایک حرف بھی کم و بیش کرونگا۔ خواہ وہ لوگ مجھے اس کام میں ہلاک کر ڈالیں۔ اتنا فرماکر آنحضرت صلعم پر غیرت و حسرت کی ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ آبدیدہ ہو گئے اور وہاں سے اوٹھکر روانہ ہو گئے حضرت ابیطالب نے آپکو جاتا ہوا دیکھکر آواز دی اور واپس بلایا۔ جناب رسول خدا صلعم چچا کی آواز سنکر واپس آئے تو ابیطالب نے

کہا جاؤ جو تم کرتے ہو وہ کرو اور جو تم کہتے ہو وہ کہو میں جبتک زندہ ہوں کوئی تم پر دسترس نہیں پا سکتا۔

قریش نے ابیطالب سے اپنے معروضہ کے اثر کا دو چار روز تک انتظار دیکھا لیکن اپنی توقع کے خلاف تبلیغ اسلام میں آنحضرت صلعم کی وہی مستعدی اور سرگرمی دیکھی اس میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ تو اونکو ایکبار پھر اپنی محرومی کا یقین ہو گیا۔ اور اونھوں نے سمجھ لیا کہ قلبی تعلقات ابیطالب کو محمد (صلعم) کی دست برداری پر اوسوقت تک تیار نہیں کر سکتے جبتک کہ ہم محمد کے برابر عزیز یا اون سے زیادہ عظیم معاوضہ ابیطالب کے آگے پیش نہ کرینگے یہ تجویز کر کے ایک دوسری وفد عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو ساتھ لیکر ایک نئی فرمایش کرنیکے لئے ابی طالب کے پاس حاضر ہوئے۔ پوری کیفیت ابن ہشام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو

ثم ان قریشا حین عرفوا ان ابو طالب قد ابی خذلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واسلامه واجماعه لفراقهم فی ذلك وعداوتهم مشوا الیه بعمارة بن الولید بن المغیرة فقالوا له فیما بلغنی یا ابا طالب هذا عمارة بن الولید انهد فتی فی قریش واجمله فخذه فلك عقله ونصره واتخذه ولدا فهو لك واسلم الینا ابن اخیك هذا الذی قد خالف دینك ودین آبائك وفرق جماعة قومك وسفه احلامهم فنقتله فانما هو رجل برجل قال والله لبئس ما تسوموننی اتعطوننی ابنکم اغذوه لکم واعطیکم ابنی تقتلونه هذا والله ما لا یکون ابدا قال فقال المطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی والله یا ابا طالب لقد انصفك قومك وجهدوا علی التخلص مما تکرهه فما اراك ترید ان تقبل منهم شیئا فقال ابو طالب للمطعم والله ما انصفونی ولکنك قد اجمعت خذلانی ومظاهرة القوم علی فاصنع ما بدا لك

جبکہ کفار قریش نے یقین کر لیا کہ ابی طالب آنحضرت صلعم دستبردار ہونگے اور ہمارے تفرقہ جماعت و عداوت کا کوئی خیال نہ کرینگے تو وہ لوگ ایکبار پھر جمع ہو کر عمارہ بن ولید بن المغیرہ کو اپنے ہمراہ لیکر اونکے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا جو تمام قریش میں خوشحال اور خوبجمال ہے حاضر ہے آپ اسکو اپنی تبنیت میں قبول فرمائیں اسکی تعلیم و تادیب کریں نصرت و حمایت کریں یہ آپ ہی کا ہو کر رہیگا اور اسکی جگہ اپنے بھتیجے کو جو آپکے بزرگوں کے دین کا مخالف ہے اور آپ کی قومی جمعیت میں تفرقہ ڈالتا ہے اور آپ کے والستمال قوم کو بیوقوف سا ناتا ہے ہمکو حوالہ کر دیں کہ ہم اوسی مار ڈالیں اس امر میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں ہم دوسرا آدمی ہم حاضر کر چکے ہیں یہ سنکر حضرت ابیطالب نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھسے کیسی بُری خواہش ظاہر کی ہے تم مجھکو اپنا فرزند اس لئے دیتے ہو کہ میں اسکی ناز و نعم سے پرورش کروں اور اوسکے معاوضہ میں اپنا جگر بند تمہیں دیدوں کہ تم اسے جا کر قتل کر ڈالو۔ خدا کی قسم یہ تمہاری ایسی فرمایش ہے جو مجھسے کبھی نہیں ہو سکتی۔ ابوطالب کا یہ جواب سنکر مطعم ابن عدی بن نوفل بولا کہ ابوطالب تمہاری قوم نے بات انصاف کی کہی ہے۔ اور اون مکروہات سے جسے تم خوف کرتے ہو اپنی مخلصی چاہی ہے اور مدعا یہی کہ تمہارے خلاف میں کسی امر کے اقدام کے لئے سبقت کرنیوالے نہ ٹھیرائے جائیں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم کبھی قوم کے لوگوں نے انصاف کی بات نہیں کہی۔ بلکہ تمام لوگوں نے میرے ترک کر دئیے جانے اور مجھسے مقابلہ و مظاہرہ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے۔ بہتر جو وہ سوچتے ہیں کریں۔

اس وفد کا نتیجہ سب سے زیادہ قریش کے مقاصد کے خلاف نکلا۔ اور آج تک جو تھوڑی بہت توقع ہم قومیت اور ہمنسبیت کے

خیال پر لگی تھی وہ بالاتمام جاتی رہی۔ حضرت ابوطالب کے جواب صاف سے اونکو یقین ہوگیا کہ اونکی استدعا کو قبول کرلینا حضرت ابیطالب
کے لئے قطعی ناممکن ہے مطعم بن عدی نے ابوطالب کے جواب میں قوم کی طرف سے جو ترجمانی کی اوس نے صاف صاف لفظوں میں ظاہر
کردیا کہ انکار کیحالت میں ابیطالب کے ساتھ قوم بھی مقابلہ و معارضہ کے لئے بالکل تیار ہے۔ ان واقعات سے بآسانی اندازہ کرلیا
جاسکتا ہے کہ قریش کس حد تک جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل و ہلاکت پر اور اسلام کی تباہی و غارت پر آمادہ اور مستعد
تھے اونکی سرگرمی اور ہٹ دھرمی بے خودی کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی کہ اس عالم خود فراموشی میں اونھوں نے ایک ایسی مخالف فطرت
انسانی استدعا حضرت ابیطالب کی خدمت میں پیش کی تھی جسکو انسان کیا کوئی حیوان بھی قبول نہیں کرسکتا تھا حضرت ابی طالب
نے جو جواب دیا وہ اسی اصول فطرت کے خلاف ہونیکی بنا پر مبنی تھا لیکن وہ کور عقل ایسے بے خود تھے کہ اسکا ذرا بھی احساس
نہ کرسکے مطعم بن عدی بھی جو جملہ قریش میں معتدل مزاج مشہور تھا۔ اس سے اثر پذیر نہو سکا اور وہ بخلاف اسکے کہ جانبین
سے صلح و آشتی کے طریقہ و عنوان پیدا کرے۔ عداوت اور آیندہ محاربت کا اظہار کرنے لگا۔ لیکن حضرت ابیطالب کی خدمات دلی
اور تعلقات قلبی اور اونکے استقلال اور عزم بالجزم نے اپنے فرزند کی حمایت و نصرت سے جو زیادہ تر یتیم ابوطالب کے خاص لقب سے
مشہور تھا ہاتھ نہ اوٹھایا اور اونکی کثرت ایسی قلت اونکی تمول و مالداری اور ایسی ناداری عیالداری کی ذرا پروا نکی۔ اور اونکی ایسی ناممکن العمل التماس
و استدعا کا ایسا مسکت اور دندان شکن جواب دیا کہ اونکی حال و آیندہ کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور وہ قطعی مایوس ہوکر چلے گئے

قریش اور آنحضرت صلعم سے بالمشافہ گفتگو

سیہ بختان قریش اپنی اس کوشش میں بھی ناکامیاب رہے تو اونکی جہالت نے ایک
دوسرے انداز کی معنویانہ تدبیر کیطرف اونکی راہبری کی ابیطالب کیطرف سے قطعی مایوس
ہوکر اونھوں نے بالنفس النفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے مطالبات پیش کئے ابن ہشام نے پوری تفصیل کیساتھ
اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ اور صاحب رحمۃ للعالمین نے نہایت متانت و وضاحت سے اوسکا تمام و کمال ترجمہ کیا ہے
ہم بخوف طوالت ابن ہشام کی اصل عبارت کی نقل کو زاید از ضرورت سمجھتے ہیں اور رحمۃ للعالمین کی نقل ترجمہ کو اپنے اظہار مدعا
کے لئے ضروری سمجھکر ذیل میں لکھ دیتے ہیں۔

قریش مکہ نے مشورہ کی کہ محمدؐ (صلعم) کو قوم کے سامنے بلا کر سمجھانا چاہیے اس مشورت کے بعد اونھوں نے نبی صلعم کے پاس
کہلا بھیجا کہ کل سرداران قوم آپ سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں اور کعبہ میں جمع ہیں نبی صلعم خوش خوش وہاں گئے کیونکہ
آپ کو اونکے ایمان لانے کی بڑی آرزو تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جاکر بیٹھے تو اونھوں نے
گفتگو کا آغاز اسطرح کیا۔

اے محمد صلعم ہم نے تجھے بات کرنے کے بلایا ہے۔ خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ کوئی شخص قوم پر اتنی مشکلات
لایا ہو جسقدر تم نے اپنی قوم پر ڈال رکھی ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو تمہاری وجہ سے ہم پر نہ آچکی ہو۔ اب تم یہ بتلاؤ کہ اگر تم نے
اس نئے دین سے مال جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم ابھی تمہارے لئے مال جمع کردیں کہ اوتنا ہم میں سے کسی کے پاس رہ نہ نکلے

اور اگر شرف و عزت کے خواستگار ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیں اور اگر تم حکومت و سلطنت کے طالب ہو تو تمہیں اپنا بادشاہ مقرر کر لیں۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں جو چیز دکھائی دیتی ہے وہ کوئی جن ہے جو تم پر غالب آگیا ہے۔ تو ہم ٹونے اور ٹوٹکوں کے لئے اپنا مال صرف کریں کہ تم تندرست ہو جاؤ۔ یا قوم کے نزدیک معذور سمجھے جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں ہے جو تعلیم لیکر میں آیا ہوں وہ نہ طلب سوال مال کیلئے ہے۔ نہ طلب شرف یا حصول سلطنت کے واسطے ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے مجھپر کتاب اوتاری ہے مجھے اپنا بشیر و نذیر بنایا ہے میں نے اپنے پیغام تمکو پہونچا دیے ہیں اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے اگر تم میری تعلیمات کو قبول کر لوگے تب وہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے اور اگر رد کروگے تو میں اللہ کے حکم کا انتظار کرونگا کہ وہ میرے لئے اور تمہارے لئے کیا حکم بھیجتا ہے۔

قریش نے کہا اچھا۔ محمد (صلعم) اگر تم ہماری باتوں کو نہیں مانتے تو ایک اور بات سن لو تمکو معلوم ہے ہم لوگ کس سختی سے دن کاٹ رہے ہیں مال ہمارے پاس بہت کم ہے اور گذران بھی سب سے زیادہ تنگ ہے اب تم خدا سے یہ سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو ہمارے سامنے سے ہٹا دے تاکہ ہمارا شہر کھل کر میدان ہو جائے نیز ہمارے لئے ایسی نہریں جاری کر دے جیسی شام و عراق میں جاری ہیں نیز ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دے۔ ان زندہ ہونیوالوں میں قصی بن کلاب بھی ضرور ہوں کیونکہ وہ ہمارے سردار تھے۔ اور سچ بولا کرتے تھے۔ ہم اون سے تیری نسبت پوچھ لیں گے۔ اور اگر اونہوں نے تیری باتوں کو سچ مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے سوالوں کو بھی پورا کر دیا تب ہم بھی تجھے سچا مان لیں گے۔ اور مان لیںگے کہ ہاں خدا کے ہاں تیرا بھی کوئی درجہ ہے اور اس نے فی الحقیقت تجھے رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ تو کہ رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں ان کاموں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اس تعلیم کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں نے خدا کے وہ پیغامات تمہیں سنائے ہیں اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لوگے تو یہ تمہارے دنیا و آخرت کے لئے سرمایہ ہے اور اگر رد کروگے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کرونگا۔ جو کچھ اوسے میرا تمہارا فیصلہ کرنا ہوگا فرمائے گا۔

قریش نے کہا کہ اچھا اگر تم ہمارے لئے کچھ نہیں کرتے تو خود اپنے لئے خدا سے حسب ذیل سوال کرو۔

(۱) خدا ایک فرشتے کو تمہارے ساتھ مقرر کر دے جو یہ کہتا رہے کہ یہ شخص سچا ہے اور ہمکو بھی تیری مخالفت سے منع کر دے۔

(۲)۔ تم اپنے لئے یہ بھی سوال کرو کہ باغ لگ جائیں بڑے بڑے محل بن جائیں۔ خزانہ میں سونا چاندی جمع ہو جائے جسکی تمہیں ضرورت بھی ہے۔ ابتک تو تم خود بازار میں جاتے اور اپنی معاش تلاش کرتے ہو ایسا ہو جانے کے بعد ہم تمہاری شرف و فضیلت کی پہچان حاصل کرینگے اور تجھے خدا کا رسولؐ سمجھ لیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں ایسا نہ کرونگا اور نہ اپنے خدا سے ایسا سوال کرونگا اور ان باتوں کے لئے میں مبعوث نہیں کیا گیا ہوں۔ مجھے تو اللہ نے بشیر و نذیر بنایا ہے تم مان لو تو تمہارے لئے ذخیرہ دارین ہے ورنہ میں صبر کرونگا۔ اور خدا کے فیصلہ کا منتظر رہونگا۔

قریش نے کہا۔ اچھا۔ تم آسمان کا ٹکڑا توڑ کر ہم پر گرا دو۔ کیونکہ تمہارا زعم یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے جبتک
تم ایسا نہ کروگے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ خدا کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو
تمہارے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

قریش نے کہا کہ محمد (صلعم) یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے خدا نے تمہیں پہلے سے یہ نہ بتلا دیا کہ ہم تمہیں بلائیں گے ایسے
ایسے سوالات پیش کرینگے یہ یہ چیزیں طلب کرینگے۔ ہماری باتوں کا یہ جواب ہے۔ اور خدا کا منشا ایسا کرنے کا ہے چونکہ
تمہارے خدا نے ایسا نہیں کہا۔ اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے تیری نسبت سنا ہے وہ صحیح ہے کہ یمامہ میں ایک شخص رہتا
ہے جس کا نام رحمٰن ہے وہی تجھے ایسی باتیں سکھلاتا ہے۔ ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہ لائیں گے محمد (صلعم) یہ بھی سمجھ لو۔ آج
ہم نے اپنے سب عذرات تمہیں سُنا دیے۔ اب ہم آخر میں تم سے یہ بھی بقسمیہ کہے دیتے ہیں کہ ہم تجھے اس تعلیم کی
اشاعت کبھی نہ کرنے دینگے یہانتک کہ ہم سب مرجائیں۔ یا تم مرجاؤ۔

یہانتک بات پہونچی تھی کہ اونمیں سے ایک شخص بول اوٹھا کہ ہم ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں جو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں ہیں
دوسرا بولا محمد (صلعم) ہم تمہاری باتوں کا یقین نہ کرینگے جبتک کہ خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آخری بات سنکر اوٹھ کھڑے ہوگئے۔ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابو امیہ
مغیرہ بھی اوٹھ کھڑا ہوا یہ آپ کا پھوپی زاد بھائی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اوس نے کہا محمد (صلعم) دیکھو تمہاری
قوم نے اپنے لئے کچھ چیزوں کو تم سے چاہا وہ بھی تم نے نہ مانا پھر اونھوں نے چاہا کہ تم خود اپنے لئے ایسی علامات کا اظہار کرو
جس سے تمہاری قدر و منزلت کا ثبوت ہو سکتا ہو اسکو بھی تم نے قبول نہیں کیا پھر اونھوں نے اپنے لئے تھوڑا سا وہ عذاب
بھی چاہا۔ جس کا خوف تم دلایا کرتے ہو تم نے اسکا بھی اقرار نہ کیا۔ اب میں بھی عہد کیے کبھی ایمان نہ لاؤنگا ہاں اگر تم میرے سامنے
آسمان پر سیڑھی لگاکر چڑھ جاؤ اور پھر میرے سامنے رہنہ سے نیچے اوتر آؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں اور وہ تمہاری
شہادت بھی دیں تب میں ایمان لا سکتا ہوں۔ اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میں تب بھی تم پر ایمان نہ لاؤنگا۔ رحمۃ للعلمین ص ۵۱
بحوالہ ابن ہشام ص ۱۰۱ جلد اول۔

قریش کے ان مکالمات نے ثابت کر دیا کہ کوتہ بیناں قریش منصب رسالت کو انسان کے مصنوعات سے سمجھے ہوئے
تھے اور اغراض و مقاصد دنیاوی کے احراز حصول کا ذریعہ و وسیلہ یقین کرتے تھے۔ اونکے سنگین قلب اور بےحس ادراک
اثر پذیری کی قابلیت و صلاحیت سے بالکل خالی تھے وہ زبان رسالت سے اپنے ان تمام توہمات کی حرفاً حرفاً تردید و
تغلیط سُن چکے تھے اور اپنی ہی قوم و قبیلہ میں اون سعادتمندوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے جو بلا خیال وگمان ان
توہمات باطلہ کے تبلیغ اسلام کو ان تمام اغراض نفسانی سے پاک و صاف یقین کرکے اوسپر ایمان لاچکے تھے۔ الہامات قرآنی
اور احکامات ربانی کو سنکر اوسکی پاک اور سچی بشارتوں کو اپنے لئے دین و دنیا کی رفاہ و فلاح کا ذخیرہ سمجھکر طاعت خدا اور اطاعت

رسولؐ کا قلادہ اپنی گردنون مین ڈال چکے تھے۔ وہ ایمان لانے کے وقت نہ رسول اللہ صلعم سے کسی معجزہ یا کرامت کے اظہار کے خواہان ہوئے اور نہ خدا سے اپنے لئے یا اپنے رسولؐ کے لئے دولت و ثروت کے خواستگار۔ صرف اونکے قلب کی صفائی اور توفیق الٰہی اونکی راہنمائی کے لئے کافی تھی۔ اونکے قلوب روشن عقول سلیم اور فہم و ادراک کی صلاحیت نے قرآن مجید کی الہامات اور رسالت کی تعلیمات سے کامل طور پر حصول ایمان اور قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بخلاف انکے ان محرومان قوم و وطن کی جہالت و ضلالت نے انکی طبیعتون سے تعلیمات الٰہی کی تفہیم و ادراک کی تمام قوتین سلب کر لی تھین اور اونکی ظاہر نما پیکر انسانی کو قلوب لا یفقھون بھا و اذان لا یسمعون بھا و اعین لا یبصرون بھا (اونکے دل تھے مگر اون سے ادراک نہیں کر سکتے تھے کان تھے مگر اون سے سُن نہیں سکتے تھے آنکھین رکھتے تھے مگر اون سے دیکھ نہیں سکتے تھے) کا مصداق بنا کر جماد لا العقل کا مجسمہ تیار کر دیا تھا۔ باعتبار دینیات کے یہ نیم وحشی انسان اپنے گمراہانہ خیالات مین خدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ برحق کو ایک ملکی اور قومی شعبدہ گر یا ساحر سے زیادہ نہین سمجھتے تھے۔ اور رسالت و نبوت کے مقدس مقدار کو اپنی جہالت و ضلالت کی معیار پر آزمانا چاہتے تھے اس لیے خدا کے رسول برحق سے طلسم سدی اور شعبدہ بازی کی نسبت عجیب و غریب مستفسرات پوچھا کرتے تھے چنانچہ اونکے اس طول و طویل مکالمہ مین بھی انھین لغویات کا ذکر ہے اور کچھ بھی نہین۔ جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک ایک کر کے اونکے جاہلانہ سوالات کا جس متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا وہ آپ کی صداقت رسالت کا کافی اور واضح ثبوت ہے لیکن باوجود اسکے کہ اس وضاحت و صفائی سے تعلیم اسلام کے اغراض و مقاصد اونکے ذہن نشین کرا دیے گئے۔ بتلا دیے گئے اور سمجھا دیے گئے تاہم وہ بدبختان ازلی اور محرومان ابدی نہ سمجھنے والے تھے نہ سمجھے۔ صرف یہی امر رسالت کے کمال اور اون جاہلون کے نقص فطرت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

قریش اور بنی ہاشم سے ترک موالات کا تحریری معاہدہ

مشرکین قریش اور کفار مکہ کی یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہوئی۔ اب اونکے دماغ اور اونکی قوت متخیلہ مین کوئی دوسری تدبیر باقی نہین رہی جسکو وہ از سر نو تعلیم اسلام کے امتناع کی ضرورت سے عملی صورت مین لائین۔ آخر تھک کر رسول اللہ صلعم کی ایذا رسانی قتل و ہلاکت۔ غریب مسلمانون پر ظلم و ستم جاری رکھے جانے کی قدیم ترکیب نکالی۔ یہ کوئی نئی تجویز نہین تھی۔ یہ تو وہی ترکیب تھی جسکو وہ سالہا سال سے اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے متعلق جاری اور قایم رکھے تھے۔ ہان آمین یہ فرق البتہ ہوا کہ پہلے یہ کسیقدر نرمی اور توقف کے ساتھ ظاہر کی جاتی تھی اور اب برابر اور متواتر۔ زیادہ شدت اور سختی کے ساتھ۔

ان واقعات کے تھوڑے دنون بعد مخالفت اسلام اور عداوت حضرت سید الانامؐ کو کفار قریش نے ایک نئی صورت مین دکھلایا جس کیطرف مطعم ابن عدی اپنی تقریر مین حضرت ابی طالب سے اشارہ کر چکا تھا اور وہ بزرگ بنی ہاشم ان کے مخاصمانہ اغراض و مدعا کو بخوبی سمجھکر اونکو جواب بھی دیچکا تھا۔ اور اونکے تمام آیندہ مظالم کو نہایت استقلال و پایداری سے برداشت کرنیکے لئے تیار اور آمادہ ہو چکا تھا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ابن ہشام اپنی تاریخ مین لکھتے ہین۔

فلما رأت قریش ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد نزلوا بلداً اصابوا به امنا وقرارا وان النجاشی قد منع من لجاء الیه منهم وان عمر قد اسلم فکان هو وحمزه بن عبد المطلب مع رسول اللہ صلعم واصحابه وجعل الاسلام یفشوا فی قبائل اجتمعوا وائتمروا ان یکتبوا کتابا یتعاقدون فیه علی بنی هاشم وبنی عبد المطلب علی ان لا ینکحوا الیهم ولا ینکحوهم ولا یبیعوهم شیئا ولا یبتاعوا منهم فلما اجتمعوا لذلك کتبوا فی صحیفة ثم تعاهدوا وتوثقوا علی ذلك ثم علقوا الصحیفة فی جوف الکعبة توکیدا علی انفسهم وکان کاتب الصحیفة منصور بن عکرمه بن عامر جلد اول ص ۱۲۲

جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک حبشہ میں جاکر بمقابلہ یہان کے امن وامان سے رہنے لگے اور شاہ حبشہ نے بھی (نجاشی) قریش کی درخواست کو نہیں سنا اور اس سے کیگئی تھی حضرت عمر بھی اسلام لا چکے۔ اور حضرت حمزہ بھی مشرف بایمان ہو گئے اور رفاقت اور صحابیت رسولؐ پر جائز ہو چکے اور اسلام دیگر اقوام وقبائل مین بھی پھیل گیا۔ تو تمام قریش پھر ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے ملکر بالاتفاق اس مضمون کا ایک معاہدہ لکھا جس کے روسے اُن لوگون نے تمام بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے اپنے تمام تعلقات اس شرط کے ساتھ ترک کر دیے کہ نکوئی شخص انکے ساتھ نکاح کریگا اور نہ وہ انکے ساتھ نکاح کرنے پائیں گے نہ انکے ساتھ کوئی چیز بیچی جائے گی اور نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائیگی اس مضمون کا معاہدہ لکھکر اور اوسپر ہمیشہ عمل کرنیکی عہد وپیمان حلفی لیکر اوس تحریر کو وسط کعبہ مین اوسکی عظمت واہمیت قایم رکھنے کی غرض سے لٹکا دیا اس معاہدہ کو منصور بن عکرمہ بن عامر نے لکھا تھا۔

امام قسطلانی شارح بخاری اور محدث شیرازی نے اس معاہدہ مین اتنی عبارت مشروطہ کا اور اضافہ فرمایا ہے کہ یہ عہد نامہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ اوس وقت تک قایم رہیگا جب تک بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیے جانے کی غرض سے قوم کے حوالہ نہ کر دین۔ مواہب لدنیہ قسطلانی او روضۃ الاحباب محدث شیرازی جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۳۷

اس مین کوئی کلام نہین کہ کفار قریش اور مشرکین مکہ نے بنی ہاشم کے تباہ وبرباد کرنیکی یہ آخری تدبیر سوچی تھی۔ جو انسان کی زندگی کے لئے لاانتہا تکلیف دہ اور ضرر رسان تھی اور اسمین بھی شک نہین کہ اس تجویز وترکیب سے اونکا مدعا یہی تھا کہ بنی ہاشم ضروریات روزمرہ کے نہ ملنے کی وجہ سے تنگ وعاجز آکر یا تو قریش کے آگے اپنی اطاعت ومتابعت کی گردنین ڈالدینگے۔ اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی حمایت ورفاقت سے دست بردار ہو جائینگے۔ یا مکہ سے خارج البلد ہو جائینگے اور پھر خوف وہراس سے مکہ کے پاس آنے کا خیال بھی نہ کرینگے دونون حالتون مین انکا مقصود حاصل تھا۔

شعب ابی طالب کی ۳ سالہ قید

(یکم محرم ۷ سالِ بعثت)

کفار اپنی ترکیب مین تھے اور قدرت اپنی تدبیر مین۔ ابن ہشام اسکے آگے لکھتے ہین۔

فلما فعلت ذلك قریش انحازت بنی هاشم و

جب قریش نے یہ عہد بستہ کیا تو تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب حضرت

بنو المطلب الی ابی طالب بن عبد المطلب فدخلوا معہ فی شعبہ فاجتمعوا الیہ وخرج من بنی ہاشم ابو لہب الی قریش فظاہرہم

ابی طالب کے پاس جمع ہو گئے اور آپ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لیکر ایسے شعب میں جو شعب ابی طالب مشہور تھا چلے آئے۔ اور بنو ہاشم سے صرف ابو لہب قریش کے ساتھ رہ گیا۔

شعب ابیطالب اصلاً پہاڑ کا ایک درّہ تھا جو خاندان بنی ہاشم کا موروثی تھا۔

حقیقت میں حضرت ابی طالب کا صبر و سکوت اور ایسے سخت مظالم کے مقابلہ میں انکی ضبط و خاموشی انکی ہمت و استقلال کی عدیم النظیر مثال قائم کرتی ہے۔ ورنہ ذرا سے اشارہ پر خون کے دریا بہنے لگتے لیکن یہ امور جان رسول کی حفاظت اور دین اسلام کی اجرا و اقامت کے لئے سخت ضرر رسان تھے اونکو وہ پورے طور سے جانتے تھے اور حقیقت میں منشا قدرت اور مقتضائے مصلحت بھی یہی تھا جیسا کہ بہت جلد نتیجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

باتفاق جمہور (تاریخ و حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اونکے تمام خاندان نے شعب ابیطالب میں کامل تین برس تک جن مصیبت و شدت میں دن کاٹے اور راتیں گذاریں اونکا بیان دشوار ہے اور کیونکر ہو۔ کھانا پینا بند آنا جانا ترک خرید و فروخت موقوف شعب سے قدم باہر نکالنا دشوار۔ یہ ترک موالات کا ہیکویتی حبس دوام کی پوری سزا تھی غریب محصورین جنہیں خورد سال بچے اور شکستہ پا عورتیں بھی شامل تھیں۔ ایسا وقت آلگا تھا کہ دانہ دانہ کو محتاج تھے اتنی مجال تو تھی ہی نہیں کہ شہر میں جاکر ضروریات روزمرہ کی چیزیں لائیں اور اگر جرأت کرکے جائیں بھی تو دیتا کون ہے؟ اس مجبوری سے محاصرین کو تلاش آذوقہ کے لئے اطراف مکہ میں دور دور تک نکلنا پڑتا تھا اور صبح سے شام تک ان غریبوں کو لنصیب ما یصیب جو کچھ مل جاتا تھا۔ وہ رات کو گھر میں لاکر دن بھر کے بھوکے بال بچون کو کھلاتا ہوتا تھا

علامہ ابو جعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شارح نہج البلاغت کے اوستاد اور شیخ تھے لکھتے ہیں۔

"تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام میں خاصکر حضرت علی مرتضیٰ کے سپرد تھی یہ علی الصباح شعب سے نکلکر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکلجاتے تھے اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوریں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھکر لاتے تھے وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ کی سرحدی آبادیوں میں جاکر منع کر آتے تھے۔ اسلئے علی الاکثر فاقہ گذرتے تھے۔ اور شدت گرسنگی و تشنگی سے گرفتاران مصیبت کی غریب جانیں ہونٹھوں تک آپہونچی تھیں۔

علامہ ابن القیم اپنی کتاب زاد المعاد جلد اول ص ۹۹ ۲ میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس زور سے روتے تھے کہ اونکے رونے کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ امام قسطلانی شارح بخاری کا بیان ہے کہ بنی ہاشم کے بچون کے رونے کی آوازیں رات کے سناٹے میں تمام شہر میں سنائی دیتی تھی اور سنگدل و بیرحم قریش سنتے تھے اور ہنسا کرتے تھے اور انواع واقسام کے طعن و تشنیع کیا کرتے تھے شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ

ایسا سخت گذرا کہ طلح (نام درخت) کے پتے کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۷۹

قریش کی ایسی سخت قدغن تھی اور ایسی شدید روک تھام۔ ان مصیبت زدوں میں سے جو شخص چھپ چھپا کر تلاش رزق میں باہر نکل جاتا تھا اور سوء اتفاق سے قریش اسے دیکھ پاتے تھے تو سخت تعدی پہونچاتے تھے۔ موسم حج میں بیرونی قبائل سے اگر یہ لوگ خرید و فروخت کی کوشش کرتے تھے تو یہ ظلمہ وقت نہایت سختی سے انھیں منع کرتے تھے اور باز رکھتے تھے۔

تکلیفیں تو ایسی تھیں اور مصیبتیں ایسی اور حامی و مددگار ایک بھی نہیں لیکن صد آفرین ہے ان مظلومین کے صبر و سکوت پر ہزار احسنت ہے ان محصورین کے استقلال و پاداری پر اگر کسی شخص پر محض دو چار دن کے لئے ایسی مصیبتیں پڑ جاتیں تو وہ گھبرا کر یا تو جان دے ڈالتا یا ظلمہ وقت کی اطاعت کر لیتا۔ ان غریبوں پر تو اس آفت و مصیبت میں پورے تین برس گذر گئے۔ لیکن انکے پائے استقامت میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے سچے رسول کی حمایت۔ رفاقت پر یقین اور خدائے قادر و توانا کی نصرت و امداد پر توکل کئے ہوئے خموش بیٹھے رہے۔ اور ان تمام مصائب کو۔ رضاً بالقضاء و تسلیماً لامرہ کہہ کر جھیل گئے اور شکایت کیسی اور گلہ کیسا۔ کسی فرد واحد نے مونھ سے اُف بھی نہ کی۔

محصورین کی ہمت و استقلال کی تو یہ کیفیت تھی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرائض تبلیغ میں انہماک و محویت کی یہ حالت تھی کہ باوجود ان تمام شدائد کے۔ آپ محاصرہ کی موجودہ ضیق النفسی کی عالم میں بھی ہدایت و ارشاد سے باز نہ رہے بلکہ عزلت و انزوا کی یہ خاص صحبتوں میں آپ کو اس کی ادائی کا بہتر موقع مل گیا۔ مبتدیان اسلام رات کے پردے میں مخالفین کی آنکھیں بچا کر اور چھپ چھپا کر خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس معلم ربانی سے تعلیم ایمانی حاصل کرتے تھے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یدعو قومہ لیلاً ونہاراً سراً وجہاراً منادیاً بامر اللہ	جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح و شام مخفی اور علانیہ طور پر امر خدا کی طرف قوم کی دعوت کیا کرتے تھے۔

سالہ قید سخت سے مخلصی

(سنہ ۱۰ سال نبوت)

کامل تین برسوں کے گذر جانے کے بعد بھی چاہے سنگدل اور بے رحم مشرکین قریش کی ستمگاریاں دھیمی پڑ گئی ہوں یا ان کی جور و جفا اور ظلم و ایذا میں ذرا بھی کمی آئی ہو۔ نہیں وہ معاملات میں ویسے کی ویسے ہی سخت و شدید تھے۔ شعب ابیطالب کے آفت دیدہ اور مصیبت رسیدہ محصورین کی تکلیف و شدت کا خیال کر کے مکہ کے وہ معتدل مزاج لوگ جنکو انکی مصیبتوں کا کسیقدر احساس ہو چلا تھا اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے قرابت اور رشتہ مندی کا بھی واسطہ تھا کبھی کچھ تحائف کبھی کوئی کھانے پینے کی چیزیں نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ مخفی طور پر پہنچا دیتے تھے لیکن ساتھ ہی اسکے قریش دیکھ پاتے تو فوراً لیجانے والے سے چھین کر اسے کھا جاتے تھے۔ یا اپنے گھر لیجاتے تھے اور نہیں تو اسے ضایع اور نقصان کر دیتے تھے

غرض ہر حال مین اون حبیبر کو غریب محصورین تک پہونچنے نہ دیتے تھے۔

چنانچہ ابن ہشام ان مین سے اخیر واقعہ کی یہ کیفیت لکھتے ہین۔

فاقاموا علیٰ ذٰلک سنین او ثلاثا حتی جھدوا الّا یصل الیھم شی الا سرا او مستخفیا به من اراد صلتھم من قریش وقد کان ابو جھل بن ھشام فیما یذکرون لقی حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد معه غلام یحمل طعام یرید به عمته خدیجة بنت خویلد وھی عند رسول اللّٰه صلعم ومعه بالشعب فتعلق به وقال اتذھب بالطعام الیٰ بنی ھاشم واللّٰه لا تبرح انت وطعامک حتی افضحک بمکة فجاء ابو البختری بن ھشام بن الحرث بن اسد فقال ما لک وله فقال یحمل الطعام الی بنی ھاشم فقال ابو البختری طعام کان لعمته عنده بعثت الیه افتمنعه ان یاتیها بطعامها خلّ سبیل الرجل قال فابیٰ ابو جھل حتی نال احدھما من صاحبه فاخذ ابو البختری لحی بعیر فضربه به فشجه ووطئه وطئا شدیدا ابن ہشام ۱۲۳

جب بنی ہاشم پر اس قید و مصیبت میں دو برس یا تین برس گذر گئے کہ اگر اونکے قریب و رشتہ مند لوگ کچھ اونکی پاس بھیجنا چاہتے تھی تو نہایت خفیہ طور پر بڑی احتیاط سے بھیجتے تھے چنانچہ ایکبار کا ذکر ہے کہ ابوجہل نے حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد کو مع اونکے غلام کے دیکھا جسکے سر پر وہ کچھ از قسم طعام کہ جو اپنی عمہ حضرت خدیجہؓ کے واسطے۔ جو جناب رسالتمآب صلعم کے ہمراہ شعب مین تشریف رکھتی تھیں۔ لئے جاتے تھے۔ یہ دیکھکر ابوجہل اون سے لپٹ پڑا اور کہنے لگا تو بنی ہاشم کے لئے کھانا لئے جاتا ہے۔ مین تجھے کبھی نہ جانے دونگا اور تمام مکہ مین فضیحت کئے بغیر تجھے نہ چھوڑونگا۔ اس اثنا مین ابو البختری بن ہشام بن حرث بن اسد آگیا اور اوس نے ابوجہل سے پوچھا کہ تم مین اور اس مین کیا قضیہ پیش ہے ابوجہل نے جواب دیا کہ دیکھتے ہو یہ بنی ہاشم کیلئے کھانا لیے جاتا ہے۔ ابو البختری بولا تو کیا ہوا اوسکی عمہ اون لوگون بنی ہاشم کے ساتھ ہے وہ اوسکے لئے کھانا لئے جاتا ہے کہ اوسکو پہونچا دے۔ تو تمکو کیا ایسی پڑی ہے کہ تم اوسکی راہ روکتے ہو آدمی کی راہ چھوڑ دو اور اسکو جانے دو ابوجہل نے انکار کیا اور راستہ نہین دیا بلکہ اپنے دو رفیقوں میں سے ایک کو پکارا اس زبردستی کو دیکھکر ابو البختری کو بھی غصہ آگیا ایک اونٹ کی ہڈی پڑی تھی اوٹھائی اور ابوجہل کے سر پر اوس سے ایک ضرب شدید لگائی۔"

یہ ہین قدرت کے انتظام اور مشیت کے احکام۔ ہم پہلے لکھہ آئے ہین کہ کفار اپنی ترکیب مین مصروف تھے اور قدرت اپنی تدبیر مین۔ تین برس پہلے دنیا نے کفار قریش کی آمادگی اور مستعدی کا وہ عالم بھی دیکھا تھا جس ہماہمی سے یہ معاہدہ لکھا گیا تھا کعبہ مین آویزان کیا گیا تھا اسکے شرائط پر قایم رہنے کے لئے فرداً فرداً قسمین کھائی گئیں تھین حلف اوٹھائے گئے تھے۔ اور آج جبروت قدرت کا یہ نظارہ اور جلوہ آرائی بھی پیش نظر ہے کہ باوجودیکہ وہ معاہدہ کعبہ مین ابھی تک لٹک رہا ہے۔ مگر اوسکے لکھنے والے۔ اوسکی ادائے شرائط پر غلیظ قسمین کھانے والے اوس بیرحمانہ اور ظالمانہ تحریک کی حقیقت کو سمجھکر آپس مین ایک دوسرے کو ظالم اور جابر کہہ رہے ہین جن امور کو قطعی ممنوع کر چکے تھے اوسکی اجرا و تعمیل کو اپنے ہی دست و زبان سے جاری کر رہے ہین ابو البختری سا دشمن رسولؐ ابوجہل کے ایسے اپنے قدیم رفیق اور رئیس قوم کو اس امر کی مخالفت کے لئے ہڈیون سے مارتا ہے اور مجرم ٹہراتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ جن زبانون سے اس تحریر کی تجویز کی گئی تہی اور قسمیں کہائین گئین تھین اوہین زبانون سے یہ غلط معطل اور مفسدہ انگیز ٹہیرایا گیا۔

یہ کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ ابن ہشام جلد اول ص ۱۲۳ میں مندرج ہے شبلی صاحب نے اسکا خلاصہ لکھا ہے اوسکی مفصلہ ذیل نقل کو ہم اپنے مدعا کے بیان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انھیں کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی ہشام مخزومی خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجا کرتا تھا ایک دن وہ زبیر کے پاس جو عبد المطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زبیر تمکو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو۔ ہر قسم کا لطف اوٹھاؤ۔ اور تمہارے ماموں (ابی طالب) کو ایک دانہ نصیب نہو زبیر نے کہا۔ کیا کروں تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو ابھی پھاڑ کر پھینکدوں ہشام نے کہا میں موجود ہوں۔ دونوں ملکر مطعم بن عدی کے پاس گئے بختری (ابو البختری) ابن ہشام اور زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا دوسرے دن سب ملکر حرم میں گئے زبیر نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے لوگ آرام سے بسر کریں اور بنی ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائیگا میں باز نہ آونگا ابو جہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اسوقت بھی ہم راضی نہیں تھے غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کرڈالی ع خوب شد اسباب خود بینی شکست۔

مطعم ابن عدی۔ عدی ابن قیس۔ زمعہ ابن اسود (حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر) اور ابو البختری اور زبیر ہتیار باندھکر بنو ہاشم کے پاس گئے۔ اور اونکو درہ سے نکال لائے۔

قدرت کا یہ عجیب نظارہ تھا۔ خدا کی شان۔ یہی لوگ جنھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جبتک بنی ہاشم محمد صلعم کو قتل کرنیکے لئے ہمیں حوالہ نہ کردینگے اس معاہدے سے انحراف ناممکن ہے۔ آج وہی لوگ اوسی معاہدے کو اپنے ہاتھوں سے چاک کرکے محمد صلعم کو تمام بنی ہاشم کے ساتھ اپنی تلواروں کے سایہ میں لیکر درہ کوہ سے گھر تک بحفاظت تمام پہونچا دیتے ہیں[1] اس سے بڑھکر اسلام کی حقانیت۔ اور بانی اسلام علیہ السلام کی روحانیت کے اور کیا ثبوت ہوسکتے ہیں۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

مغرورین قریش اور مشرکین مکہ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے اختیاری بے مقداری اور بیکسی دبے یاری کے اظہار کی غرض خاص سے آپ کو۔ آپ کے تمام خاندان کے ساتھ درہ کوہ میں محصور کر رکھا تھا۔ یہ تجویز بظاہر انسانی تدبیر تو ضرور تھی

---

[1] کمال افسوس ہے کہ کفار قریش کو ان محصورین بنی ہاشم پر بالآخر ایسا رحم آیا کہ خود چھڑا کر گھر پہونچا دیا لیکن ۶۱ھ ہجری میں آج سے تقریباً ۳۷ برس بعد انھیں کی اولاد و احفاد کو جو اوسوقت مسلمان ہو چکے تھے اور صاحب ایمان کہلاتے تھے ارض کربلا کے محصورین بنی ہاشم پر جنمیں سبط رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام بھی داخل تھے۔ ذرا بھی رحم نہ آیا اور اونکی ہزاروں کی تعداد میں کسی فرد واحد کو خدا و رسول کے نام پر اتنا ترس نہ آیا کہ تین دن کی بھوک پیاس میں اس قیامت کے محاصرے سے نکال کر اونکے گھر تک پہونچا دیتا اسی مقام پر کہنا پڑتا ہے ع ہیچ کافر نکند اینچہ مسلمان کردند۔ المولف عفی عنہ۔

لیکن حقیقتاً وحشیانہ مظالم تھے اور حیوانی تعذیبیں۔ جناب رسولخداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے برحق پیغمبر تھے۔ اور خدا کی حمایت میں اُسکا پیام ان کفار و مشرکین کو پہونچاتے تھے۔ یہی مشرکین کے جاہلانہ اور گمراہانہ اغراض و مقاصد کے خلاف ہوتا تھا۔ اس لئے وہ آپ کے مخالف تھے اور اسی مخالفت کی بنا پر آپ کو درہ کوہ میں پہونچا دیے جانے اور آپ کے خاندان بھر سے ترک تعلقات کئے جانیکی ایسی بیرحمانہ اور ظالمانہ سزا تجویز کی تھی جس سے صریحاً آپکی ذاتی تحقیر و توہین منظور تھی لیکن ان کور عقلوں کی اس غلط اور گمراہانہ تجویز و ترکیب کا نتیجہ قدرت کی حسن تدبیر سے ظہور پذیر ہوا وہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور پوری تفصیل سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔

معراج اب قدرت الٰہی کے لئے اپنے رسول برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تحقیر و توہین کے ازالہ کلی کا سامان اعلان بھی ضروری تھا۔ اور عادت الٰہی بھی ہمیشہ سے یوہیں جاری ہے کہ انبیا و مرسلین کے گروہ مخصوصین میں۔ بلا و مصیبت کے بعد اونکے مراتب و مدارج میں نمایاں اضافہ کیا جاتا ہے اس لئے بروایت ابن سعد خداوند عالم نے شعب ابیطالب کی مصیبت سے مخلصی کے بعد۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رتبہ معراج جسمانی عطا فرماکر آپ کی خاص مرتبہ افزائی فرمائی اور راتوں رات کرشمہ قدرت نے آپ کو برأۃ العین تمام ملکوت سمٰوٰت کی سیر کرائی۔ جسکی صراحت آیہ وافی ہدایہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (آغاز سورۂ بنی اسرائیل جزو ۱۵)	وہ خدا (عجز و درماندگی کے عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو راتوں رات مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لیگیا جسکی گرداگرد ہم نے (دنیا و دین) کی برکتیں دے رکھی ہیں (اوسکے لیجانے سے مقصود یہ تھا) کہ ہم اونکو اپنی (قدرت) کے نمونے کی سیر کرائیں اور اونکو بعض اسرار غیب معلوم ہوں) درحقیقت وہی سننے والا دیکھنے والا (یعنی عیب دان) وہی خدا ہے۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب

سے پورے طور پر ہویدا و آشکار ہے۔

واقعہ معراج کے تعیین سال میں اختلاف ہے لیکن علی الاکثر محدثین و مورخین نے سنہ نبوت پر اتفاق کیا ہے اور شبلی صاحب نے ابن سعد ہی کے مختار پر اعتبار فرمایا ہے ابتدا سے لیکر اسوقت تک علما و حکمائے اسلام میں یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے زیادہ بحث معقول و منقول کیصورت میں دکھلایا گیا ہے جانبین سے خوب خوب طبع آزمائیاں اور خامہ فرسائیاں ہوئی ہیں اسکی پوری حقیقت اپنے حد تعقل کے مطابق تو ہم اس سلسلہ کی پانچویں جلد میں پوری تفصیل سے لکھینگے۔ ان شاء اللہ المستعان۔ لیکن تمہیداً حسب ذیل اشارہ کردینا ضروری اور مناسب مقام ہے۔

قدرت الٰہی کو جب اوسکے تمام صفات و تصرفات کے ساتھ ہم اور ہمارے علما و حکما تسلیم کر چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تمام ممکنات کو مشاہدہ عینی اور بدیہیات یقینی کے برابر مان چکے ہیں تو پھر جبروت قدرت کے اس سہل اور آسان مظاہر کو مشکل دشوار اور خارج از امکان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سرسید احمد خان مرحوم کو اس مسئلہ میں خاص طور پر تامل رہا ہے اور اونہوں نے بڑے شد و مد اور رد و کد سے خطبات احمدیہ میں معراج کی تمام مرویات مندرجہ کتب اسلامیہ کی تردید و تکذیب فرمائی ہے

گویا معراج جسمانی کے تمام دلائل دلا رہین کو غلط ٹھہرا کر ام المومنین حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کی مرویات پر اپنا محتار قایم کیا ہے اور اس واقعہ کو ایک خواب کے پیمانہ پر معمولاً سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں مرویات اختیار کردہ سید صاحب۔ محدثون کے اصول تنقید کے مطابق مراسیل اور موقوف الاسناد احادیث ثابت ہوتی ہین کیونکہ وقت وقوع اسکا سنہ ۱۱ سال بعث ثابت ہوتا ہے جسکو سید صاحب بھی تسلیم کرتے ہین۔ تو پھر اوسوقت حضرت عائشہ شرف زوجیت مین آئی کہان تھین۔ غالباً جناب صدیقہ کبریٰ خدیجہ بقید حیات تھین۔ اس لئے انکا بیان کیسے صحیح اور قابل اعتبار ہوگا یہی حالت معاویہ صاحب کی ہے وہ شاید اگر پیدا ہو چکے بھی ہوں تو دودھ پیتے ہون گے اسلئے قابل الروایات نہین۔ اور اصول تنقید احادیث کی روسے توسنہ ہجری تک جبتک یہ اسلام سے مشرف نہوئے کسی مسلمان کے آگے قابل الروایات ہو بھی نہین سکتے۔ اسکے علاوہ قاعدہ تنقید کے مطابق یہ دونوں حضرات اگر موجود بھی ہون اور قابل الروایت بھی ہون تاہم شریک واقعہ نہین تھے جو جسم مطہر رسول کو بستر مبارک پر رہتا دیکھ سکتے ہون کیونکہ باتفاق جمہور واقعہ معراج مکہ معظمہ مین حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر مین واقع ہوا۔ ابن اثیر ابن ہشام قسطلانی وغیرہم)

تیسرے راوی حسن بصریؒ ہین۔ جو صحابی بھی نہین تابعی ہین۔ اور یقیناً اوسوقت پیدا بھی نہین ہوئے تھے اس لئے ثابت ہوگیا کہ ان حضرات مین سے کوئی صاحب شریک واقعہ نہین تھے اس بنا پر کسی کا بیان نہ قابل اندراج ہوسکتا ہے نہ لائق احتجاج

سید صاحب اپنے خاص اصول طبعی کے مطابق اپنی عقل و ادراک سے پہلے ہر واقعہ مین حکمائے عقل کی نقل کیطرف متوجہ ہوتے ہین۔ وہ بھی حکمائے یونان کے خشک فلسفہ و حکمت پر۔ سب سے بڑی غلط فہمی جو تحقیقات دینیات مین آپ کو واقع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ہر اسلامی واقعہ کو یورپین علما و حکما کے اصول تالیف کے مطابق اوتارنا چاہتے ہین اور تمام مرویات قدیمہ اسلام کو مندرجات کتب قدیمہ کے موافق تلاش کرتے ہین اسی وجہ سے آپ نے بہت سی مرویات اسلامی کی تکذیب و تغلیط محض اسی بنیاد پر کردی ہے کہ مرویات توریت اسکے مخالف ہین جیسا کہ ذبیح اسحٰقؑ اور حقیقت حجر الاسود اور نعوذ باللہ سنگ پرستی طریقہ عبادت اولاد ابراہیم۔

ہم کہتے ہین کہ سید صاحب مرحوم نے بڑی غلطی کی کہ اس واقعہ معراج کی حقیقت کو بھی اپنے دستور و عادت کے مطابق توریت مین نہ دیکھ لیا کہ اونہین انبیاء کو حصول معراج کی کیا صورت تبلائی گئی ہے سفر تکوین مین حضرت یعقوبؑ کی معراج اور سفر تاریخ مین حضرت سلیمانؑ کی معراج۔ آسمان پر زینہ لگا کر تبلائی گئی ہے نہین معلوم کہان قدیم الہامی مرویات پر ہمارے سید صاحب مرحوم کونسی دلیل قوی رکھتے تھے۔

ہم اپنی تمہیدانہ تمہید مین معراج کے متعلق صرف اتنی ہی بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہین حکما و علمای اسلام مین یہ بحث و مسئلہ ہمیشہ معرکۃ الآرا رہا ہے امام رازی امام غزالی محقق طوسی اور ملا عبدالرزاق لاہجی وغیرہم نے بڑی بڑی معقولی بحث اس موضوع پر لکھی ہین۔ اور ہر قرینہ سے معراج جسمانی اور اوسکی معقولیت کے تمام مشاہدات کو عین امکان ثابت کیا ہے ملاحظہ

معراج القدس مضامین عالیہ ۔ تحریر یادرِ گوہر مراد لیکن ان تمام حضرات کے بیانات راکتشافات سے زیادہ سہل اور عام فہم مضامین میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے معراج کے تمام مقاصد ومشاہد کو بتلایا ہے اور سمجھایا ہے اونکی خاص عبارت مع ترجمہ ذیل میں نقل کی جاتی ہے ۔

واسری به الی المسجد الاقصی ثم الی السدرة المنتهی والی ماشاء الله وکل ذلک بجسده صلی الله علیه واله وسلم فی الیقظة ولکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادة جامع الاحکامهما فظهر علی الجسد احکام الروح وتمثل الروح والمعانی الروحیة الاجساد ولذلک بان لکل واقعة من تلک الوقائع تعبیر۔

نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا سیر کرائی گئی یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا لیکن سمجھ رکھنا چاہیئے کہ یہ ایک مقام ہے جو عالم مثال اور شہادت کے درمیان واقع ہے ۔ اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہے جسم پر اس عالم میں روح کا احکام ظاہر ہوئے اور روح و معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کی اس لئے ان تمام واقعات میں ہر ایک واقعہ کے واسطے ایک خاص معنی ہے اور تعبیر

واما رکوب البراق فحقیقته استواء نفسه النطقیة علی النسمة التی هی الکمال الحیوانی فاستوی راکبا علی البراق کما غلبت احکام نفسه النطقیة علی البهیمیة وتسلط علیها۔

براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ نسمہ پر جو کمال حیوانی ہے غالب آجائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم براق پر خوبی سے سوار ہوئے جس طرح آپ کے نفس انسانی کے احکام قوت بہیمیہ پر غالب اور مستلط ہیں ۔

واما اسرائه الی المسجد الاقصی فلانه محل ظهور شعائر الله ومتعلق همم الملاء الاعلی ومطمح انظار الانبیاء علیهم السلام فکانه کوة علی الملکوت

مسجد اقصیٰ تک کی سیر اس لیے ہے کہ وہ شعائر اللہ کے ظہور کا محل ہے ملاء اعلیٰ کی ہمتیں اس سے متعلق ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی نگاہوں کی نظرگاہ ہے ۔ گویا وہ ملکوت کا ایک قبہ ہے ۔

واما ملاقاته مع الانبیاء صلوة الله علیهم ومفاخرته معهم فحقیقتها اجتماعهم من حیث ارتباطهم بحظیرة القدس وظهور ما اختص به من بینهم من وجوه الکمال۔

انبیاء علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت کی حقیقت یہ ہے کہ حظیرۃ القدس سے جو اونکو اجتماعی ربط وضبط حاصل ہے اور اجتماعی امور کا نہایت کاملیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام جگہ ظہور ہوا ۔

واما رقیه الی السموات سماء بعد سماء فحقیقته الانسلاخ الی مستوی الرحمن منزلة بعد منزلة ومعرفة حال الملائکة الموکلة بها ومن یلحق بهم من افاضل البشر والتدبیر الذی اوحاه

آسمانوں پر یکے بعد دیگرے چڑھنے کی حقیقت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ تعلقات طبعی سے نکل کر مستوی (جائے استقرار) رحمٰن کی طرف جانا ہے نیز اون فرشتوں کی حالت سے معرفت حاصل ہونا آنحضرت صلعم اور آپ کی امت کے بزرگان قوم کے قریب تر رہنے پر مامور ہیں ۔ نیز تدبیر کلیہ کی شناخت

الله فیها والاختصام الذی یحصل فی ملائها

وامّا بکاء موسٰی فلیس بحسد ولکن مثال لفقد عموم الدّعوة وبقاء کمال لم یحصل مما هو فی وجهه

وامّا سدرة المنتهی فشجرة الکون وترتب بعضها علی بعض واجتماعها فی تدبیر واحد کاجتماع الشجرة فی الغاذیة والنامیة ونحوهما ولم یتمثل حیوانا لان التدبیر الجملی الاجمالی اشبه بالسیاسة الکلّی من الارادة وانما اشبه الاشیاء الشجرة دون الحیوان فان الحیوان فیه قوی تفصیلیة والارادة فیه اصرح من سنن الطبیعیّة۔

وامّا الانهار فی اصلها رحمة واثر فی الملکوت حذو الشهادة وحیوٰة وانماء فلذلک تعین ها الله بعض الامور النافعة فی الشهادة کالنیل والفرات۔

وامّا الانوار التی غشیتها فتدلیات الهیة وتدبیرات رحمانیة تلعلعت فی الشهادة حیثما استعدت لها۔ وامّا البیت المعمور فحقیقته التجلی الالهی الذی یتوجه الیه سجدات البشر وتضرعاتهم یتمثل بیتا علی حذو ما عندهم من الکعبة وبیت المقدس

وامر خمس صلوٰة بلسان الخمسین لانها خمسون باعتبار الثواب۔ ثم اوضح الله مراده تدریجا لیعلم ان الحرج مدفوع وان النعمة کاملة وتمثل هذا المعنی مستندًا الی موسٰی علیه السلام فانه اکثر الانبیاء معالجة للامّة ومعرفة بسیاستها

اور ان امور کی دریافت جن پر ملائکہ مقربین عرش میں مسابقت کیا کرتے ہیں

گریۂ موسیٰ ؑ واضح ہو کہ گریۂ موسیٰ ؑ سے حسد کا اظہار مقصود نہیں بلکہ اظہار اس امر کا ہے کہ اونکی رسالت تمام دنیا کے لئے عام نہ تھی اور یہ کمال باقی تھا جو انکو ملا نہیں تھا

سدرۃ المنتہی درخت عالم ہے کہ ایک جزو دوسرے جزو پر مرتب اور پھر سب کے سب تدبیر واحد کے اندر جمع ہیں جیسا کہ درخت کا غذا و نمو میں بھی حال ہے۔ واضح رہے کہ کسی حیوان سے اسکی تمثیل نہیں دیگئی کیونکہ وہ تدبیر کلیۂ اجمالیہ جو سیاست کلیہ سے مشابہت رکھتی ہے وہ کسی مدد ارادی سے بہتر مشابہت اسکی درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تمر مختلف قسم کی شاخیں والیاں اور بیج ہوتے ہیں اور غذا و نمو میں باہم مستفید ہیں اور حیوان میں یہ مشابہت پائی نہیں جاتی کیونکہ اس میں قوای تفصیلیہ بھی ہیں اور وہ ارادہ بھی رکھتے ہیں اور یہ سنن طبعیہ سے زیادہ صریح ہیں۔

دریائے آسمانی کی اصل خدا کی رحمت واقعہ ہے جو عالم ملکوت میں عالم شہادت کے محاذی موجود ہے یہ رحمات و نمود کھلی سی ہیں واصل ہیں اسلئے ظاہر چند اسباب نافع مثل نیل و فرات وغیرہ کا تعین فرمایا گیا ہے

انوار الٰہیات رہے وہ انوار جنھوں نے اسکو ڈھانپ لیا وہ تدلیات جمالی اور تدبیرات ربانی ہیں جو عالم ظہور میں جلوہ گستر اور نور ریز ہیں جہاں تک اس عالم میں انکی استعداد پائی جاتی ہے

بیت المعمور کی حقیقت وہ تجلی ہے جسکی طرف بندگان خدا کی دعائیں اور سجدوں کا رخ ہوتا ہے اور وہ خانہ کعبہ و بیت المقدس کے محاذ میں جیسا کہ لوگوں کا ان ہردو کی بابت اعتقاد ہے۔ ایک گھر کی تمثیل لئے ہوئے ہے

پانچ وقتوں کی نماز کا تقرر بھی یہاں تحریری سے ہوا ہے لیکن ثواب کے اعتبار سے یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں۔ گویا خداوند عالم نے آہستہ آہستہ یہ سمجھایا ہے کہ ثواب تو ۵۰ کے برابر کامل ہو اور حرج مرتفع اوٹھا دیا گیا ہے یہ مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سند سے متمثل کیا گیا ہے کیونکہ جناب ممدوح بہت سے انبیاء علیہم السلام سے امت کی اصلاح و درستی اور اصول سیاست اور شناخت و معرفت امت میں بڑھے ہوئے ہیں۔

شاہ صاحب کی مرقومہ بالا عبارت کو مشاہدات معراج کی اصلی حقیقت سمجھکر ہم نے نہین لکھا ہے بلکہ اس کی نقل سے ہمارا مدعای خاص یہ ہے کہ حکمت و فلسفہ کے موجودہ زمانہ ارتداد مین جو معراج جسمانی کے محال ہونیکی متعلق دعوی کئے جاتے ہین اونکو قریب العقل و الامکان ثابت کردین ورنہ معراج کے مشاہدات غیبیات قدرت کے ایسے نازک اسرار ربانی ہین جنکا تحمل الفاظ انسانی مین کیسے سکتے

صاحب رحمۃ العالمین نے خاتمہ بحث پر جو عبارت حاشیہ لکھی ہے ہم اُس سے پورا اتفاق کرتے ہین اور ذیل مین نقل کرکے بحث معراج کو تمام کردیتے ہین اور یہان اسیقدر بیان کو کافی سمجھتے ہین۔ صاحب رحمۃ للعالمین لکھتے ہین۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہین حضرت عائشہ و معویہ و امام حسن بصری سے مروی ہے کہ اسرار روح مبارک کو ہوا تھا اور جسم مبارک اپنی جگہ سے مفقود نہین ہوا تھا علامہ موصوف (ابن القیم) کہتے ہین کہ اسراء وحی اور خواب مین بہت فرق ہے۔ اسراء وحی سے مراد تو یہی ہے کہ رُوح مبارک کو ان جملہ مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اور خواب مین یہ بات نہین ہوتی۔ یہ درجہ اتم اکمل۔ اشرف اور اعلی ہے علماء کے ایک گروہ کا قول ہے کہ اسرار بدن اور روح کے ساتھ تھا۔ زاد المعاد ابن القیم صفحہ ۳۰۱۔

واضح ہو کہ عروج جسدی کا انکار آجکل کے فلسفہ خشک کے اعتبار پر فضول ہے کیونکہ جس قادر مطلق نے اجرام سماویہ کے بھاری بھرکم اجسام کو بمقام رکھا ہے اور عین خلاء مین اونکو قایم کیا ہے وہ جسم انسان کے جرم صغیر کو خلاء مین لیجانے کی بھی ضرور قدرت رکھتا ہے۔ آجکل اوکسیجن (OXYGINE) کی طاقت سے ہوائی جہاز اور ان جہازون کے اندر آدمی برابر اڑ رہے ہین۔ اس لئے خداوند کریم کا بنی کریم کو سواری براق جو البرق سے مشتق اور الکٹرسٹی (ELECTERICITY) کی طاقت مخفیہ کی جانب اشارہ کن ہے ملکوت السموات کی سیر کرانا کچھ بھی مستبعد نہین۔ رحمۃ اللعالمین ۷۶

براق اور معراج کی گویا تمام بحث کو میر وحید صاحب مرحوم لکھنوی نے اپنے ایک مصرعہ مین لکھکر تمام کردیا ہے۔ جو براق کی صفت مین فرمایا گیا ہے ؎ دیکھے کو براق اصل مین خالق کی کشش تھی۔

وجوب نماز پنجگانہ | معراج سے واپسی کے بعد اُمت اسلامیہ پر پانچ وقتون کی نماز واجب کی گئی۔ وجوب نماز کے تعین کی نسبت علماء دین مین اختلاف ہے۔ بیکار کا اختلاف ہے تحقیق کی جاتی ہے تو یہ اختلاف اصل نماز کے وجوب مین یا اوسکے تعین اوقات مین نہین ہے رکعات کی نسبت اختلاف ہے ورنہ اصل دو رکعتی نماز فجر اور عصر کی تو بعثت کے وقت ہی سے واجب کردیگئی تھی۔ اور ترکیب نماز بھی ناموس الٰہی نے اوسیوقت تعلیم کردی تھی۔ جسوقت وہ وحی الٰہی لیکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے

اگر اون علماء کے اقوال پر اعتبار کیا جاتا ہے جو متعلق وجوب نماز کو واقعہ معراج تک کھینچ لیجاتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریب قریب دس سال تک جو آنحضرت صلعم کا تنہا یا مخصوص صحابہ کے ساتھ ایک مدت تک مخفی طور پر نماز پڑھنے کی دو ایک روایات نہین بلکہ متعدد اور کثیر التعداد واقعات بالکل جھوٹے اور کالعدم ثابت ہوجائین گے۔ اور دس برس تک اہل اسلام اور بانی اسلام خود (نعوذ باللہ) بے نماز رہے ہونگے۔ پھر یہ بھی بتلا دینا ضروری ہوجائیگا کہ جب نماز کی ترکیب عبادت

نہیں تھی تو رسول اور اہل اسلام کا اتنی مدت تک کیا طریقہ عبادت تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ زمانہ رسولؐ کا بغیر کسی عبادت کے گذرا تو سراسر منافی شان رسالت ہے اور قطعی ناممکن ہے۔ اس بناء پر علمائے محققین کا محققانہ قول الکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ وجوب نماز کا حکم نزول قرآن اور حصول رسالت کے ساتھ ساتھ ہوا۔ بلکہ خدا کے فرشتے نے رسول خدا صلعم کو ترکیب نماز کے ساتھ ہی ترکیب وضو بھی بتلائی کیونکہ ہر نماز کے ساتھ وضو بھی (اگر ضرورت ہے) واجب ہے۔ طبری

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پہلے صرف دو وقتوں کی دو رکعتی نماز ادا کی جاتی تھی۔ اور بعثت کے زمانہ سے لیکر وقوع معراج تک ایسی ہی اور اتنی ہی نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ معراج میں نماز پنجگانہ اور رکعات چہارگانہ کا حکم ملا۔ اور اسوقت سے ظہر، عصر اور عشا کی چہار رکعتی نماز واجب ہو گئی۔

حضرت ابیطالب اور جناب خدیجہؑ کی وفات

اسلام کی تاریخ میں نبوت کا دسواں سال جسقدر اسلام کی ترقیات و توسیعات کے لئے خاص طور پر مشہور اور نمایاں ہے اسیقدر یہ سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود مصائب و آلام اور نزول حزن و ملال کے لئے بھی خاصکر مشہور اور مذکور ہے اعظم ترین مصائب جو آنحضرت صلعم کو پیش آئے وہ حضرت ابی طالب کے ایسے مشفق و مربی عم باوقار اور محسن و مددگار کا ایکبار سر سے اوٹھ جانا تھا۔

پھر اوسکے چند ہی روز کے بعد جناب صدیقہ کبریٰ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ایسی بی بی سے ہمیشہ کے لئے مفارقت نصیب ہوئی۔ رضا بقضائہ و تسلیماً لامرہٖ

حضرت خدیجہ کبریٰ وہ عظیم المرتبت محترمہ تھیں اور وہ جلیل المناقب معظمہ جن مقدسہ نے خاص رسول اللہ صلعم کے قول کے مطابق اسوقت سے آپ کا ساتھ دیا جب کوئی شخص آپ کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اوسوقت میں آپ کی تصدیق فرمائی جب کوئی شخص آپ کی تصدیق رسالت کرنیوالا نہیں تھا۔ اوس زمانہ میں اپنے مال و دولت سے آپ کی نصرت و اعانت فرمائی جسوقت ایک پیسہ سے بھی کوئی شخص آپ کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ ان تمام اوصاف مخصوصہ پر مستزاد یہ تھا کہ آپ کی زوجیتوں میں سے مدعائے زوجیت اصلاً کسی سے بھی آنحضرت صلعم کو حاصل نہیں ہوا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور آپ کے خاندان رسالت اور دودمان نبوت کا نام و نشان انہیں کے بطن سے ابدالاباد تک قائم رہا۔

جس طرح کفار قریش اور مشرکین کعبہ رسالت کے قبل ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و امانت پر اعتقاد کر کے۔ الامین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اسی طرح جناب خدیجہؑ کو انکی عصمت و حیا کے احترام سے الطاہرہ کے القاب خاص سے ہمیشہ یاد کرتے تھے۔

شبلی صاحب ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اون کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے[1]

[1] اگر بقول شبلی صاحب ابوطالب ریاست قریش اور امارت مکہ پر قائم نہیں تھے تو ابوجہل اور ابن امیہ سے معزز دیں قریش اور متمولین مکہ کا انکی عیادت کو آنا

وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابو جہل اور ابن امیہ نے کہا کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے بالآخر ابو طالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرونگا جب تک کہ خدا مجھکو اس سے منع نہ فرما دے۔

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹھ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے جو اوس وقت کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلعم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا۔ ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی یہ روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اسلئے محدثین زیادہ تر اونکے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت قابل حجت نہیں کہ آخر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس اسحاق کے سلسلہ میں عباس ابن عبداللہ ابن معبد اور عبداللہ ابن عباس ہیں اور دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے جو جان نثاریاں کیں اوس سے کون انکار کر سکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ کے اوپر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اوٹھائے شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضایع جائیگی۔

ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت صلعم انکی عیادت کے لئے گئے تو اونھوں نے کہا کہ بھتیجے جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا کیجئے مانگ کہ مجھکو اچھا کر دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آپ بھی خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۸۲

چونکہ شبلی صاحب نجات ابیطالب کے متوقع اور اونکے باایمان ہونیکے موید ہیں اس لئے ہمکو حضرت ابیطالب کے ایمان لانیکے متعلق بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ کیونکہ اونکے صاحب ایمان ہونیکے ثبوت میں متعدد کتابیں ہم سے صدہا برس پیشتر تیار ہو چکی ہیں۔ اور خود سواد اعظم کے اکابر علما و محدثین نے اس مسئلہ میں اپنے مخالفین کی تمام غلط فہمیوں کی مدلل اور مفصل طور پر پوری تردید کر دی ہے کہ اب اونمیں کسی کو عذر و کلام کی ذرا بھی گنجایش باقی نہیں ہے علامہ سیوطی کے خاص دو رسالوں کے علاوہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ خصوصاً ایسی حالت میں جب اونکی استدعا و استرضا کو خلاف انھوں نے آنحضرت صلعم کی حمایت و رفاقت سے ہاتھ نہ اوٹھایا یہانتک کہ شعب کے سہ سالہ مصائب و شدائد بھی بوڑھی جان پر برداشت کر لئے نتیجہ ثابت ہوتا ہے کہ شبلی صاحب کی یہ غلط بیانی صرف بنی امیہ کی مدد رسانی تھی اور فضائل بنی ہاشم سے روگردانی۔ اللہ باقی من کل فانی۔ المولف عفی عنہ

عمدۃ المطالب - محمد بن طلحۃ الشافی - مطالب السئول اور توضیح الدلائل محمد بن یوسف اور اسنی المطالب فی نجات ابیطالب مفتی احمد بن زینی دحلان متولی مسجد الحرام - مکہ معظمہ جو امام الحرمین سید محمد بن رسول الشہیر بعلامہ برزنجی کی کتاب کا خلاصہ ہے یہ تمام تصنیفات و تالیفات اسی موضوع خاص پر مرتب ہو چکی ہیں۔

لیکن باوجود اسکے کہ شبلی صاحب نے اپنی مذکورہ بالا رائے میں مؤلفین مرقوم الصدر کی تائید کی ہے مگر تاہم آپ کا طرز بیان کچھ مبہم کا مبہم رہ گیا ہے - ہمکو آپ کے ابہام کی اچھی صفائی ضروری نہیں ہے بلکہ آپ کی قدیم کوتہ قلمی کی شکایت ہے شکایت بھی نہیں - کیونکہ یہ آپ کی عادت ہے خصوصًا بنی ہاشم کے حالات میں اور انسان عادت سے مجبور ہے کیونکہ وہ طبیعتہ الثانیہ ہو جاتی ہے -

بہرحال شبلی صاحب نے بہت بڑی فروگذاشت یہ کی کہ حضرت ابیطالبؑ کی اوس وصیت کی نقل کیطرف تو جہ نہیں کی جو اونھوں نے تمام اکابر قریش کے مجمع میں اپنے بستر مرگ پر اپنے مرنیسے بالکل قریب بیان کی تھی اور جسکو قریب قریب تمام علماء محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے اوس کے نقل و مطالعہ سے آپ کو اونکے ایمان و اسلام کا پورا پتا لگ جاتا - ہم امام برزنجی کی عبارت والفاظ میں اوسکو حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں -

یا معشر قریش انتم صفوۃ اللہ من خلقہ وقلب العرب فیکم السید المطاع وفیکم المقدام الشجاع والواسع الباع واعلموا انکم لم تترکوا للعرب فی المآثر نصیبا الا احرزتموہ ولا شرفا الا ادرکتموہ فلکم بذلک علی الناس الفضیلۃ ولہم بہ الیکم الوسیلۃ والناس لکم حرب وعلی حربکم الب وانی اوصیکم بتعظیم ھذہ البنیۃ یعنی الکعبۃ فان فیہا مرضات للرب وقواما للمعاش وثباتا للوطاۃ وصلوا ارحامکم فان فی صلۃ الرحم منساۃ ای فسحۃ فی الاجل وزیادۃ فی العدد واترکوا البغی والعقوق ففیہما ہلکت القرون قبلکم اجیبوا الداعی واعطوا السائل فان فیہما شرف الحیاۃ والممات وعلیکم بصدق الحدیث واداء الامانۃ فان فیہما محبۃ فی الخاص ومکرمۃ فی العام واوصیکم بمحمد خیرا فانہ الامین فی قریش والصدیق فی العرب وھو الجامع

اے گروہ قریش تم مخلوقات خدا میں برگزیدہ ہو - اور عرب کے دل ہو سردار قابل اتباع - اور دلاور فراخ سینہ تم میں سے ہوتے ہیں تم جانتے ہو کہ عرب کی خوبیوں میں سے کوئی ایسا حصہ نہیں چھوٹا کہ جو تم نے جمع کر لیا ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں باقی رہی جو تمکو مل گئی ہو اسی سبب سے تم لوگوں پر فضیلت رکھتے ہو اور لوگ تمہارا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں لوگ تمہارے لئے لڑنے والے اور تمہارے آلات حرب ہیں میں تمہیں اس مکان یعنی کعبہ کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اس میں پروردگار عالم کی خوشنودی روزی کا سہارا اور سامان کی درستی ہے اور صلہ رحم اختیار کرو کیونکہ صلہ رحم میں کشائش ہے اپنی عمر کی زیادتی اور نسل کی کثرت - بغاوت اور نافرمانی کو ترک کرو کہ ان دونوں کے سبب تم سے پہلے بہت سے قرن (قومیں) ہلاک ہو چکے - مدعیان حقہ کے دعوت کرنے والے کی سنو اور سائل کی حاجت پوری کرو کیونکہ ان دونوں میں شرف حیات و ممات ہے اور تمہیں سچ بولنا اور امانت کا ادا کرنا لازم ہے کیونکہ ان دونوں باتوں کے سبب سے خواص سے محبت ہوتی ہے اور عوام میں عزت اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت تمکو وصیت کرتا ہوں کہ

لکل ما اوصیتکم بہ وقد جاء بامر قبلہ الجنان وانکرہ اللسان مخافۃ الشنآن وایم اللہ کانی انظر الی صعالیک العرب واھل الاطراف والمستضعفین من الناس قد اجابوا دعوتہ وصدقوا کلمتہ وعظموا امرہ فخاض بھم غمرات الموت وصارت رؤساء قریش وصنادیدھا اذنابا ودورھا خرابا وضعفاءھا اربابا واذا اعظمھم علیہ احوجھم الیہ وابعدھم منہ احظاھم عندہ قد محضتہ العرب ودادھا واعطتہ قیادھا یا معشر قریش کونوا لہ ولاۃ ولحزبہ حماۃ وفی روایۃ دونکم وان اسکم کونوا لہ ولاۃ ولحزبہ حماۃ واللہ لا یسلک احد سبیلہ الا رشد ولا یاخذ احد بھدیہ الا سعد ولو کان لنفسی مدۃ ولاجلی تاخیر لکففت عنہ الھزاھز ولدفعت عنہ الدواھی وقال لھم مرۃ لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمدؐ وما اتبعتم امرہ فاطیعوہ ترشدوا

وہ امین قریش ہے اور صدیق عرب اور جن باتوں کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام اوصاف کا جامع ہے وہ ایسا امر لیکر آیا ہے جسے دل تو قبول کرتا ہے مگر زبان بخوف طعن انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم میں گویا عرب کے فقیروں، قرب و جوار کے باشندوں اور کمزور لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اوسکی منادی قبول کرلی ہے۔ ان لوگوں نے اوسکے کلام کو برحق مان لیا ہے اور اوسکے حکم کو بزرگ سمجھ لیا ہے اور وہ انکو لیکر موت کی بھنوریں کو دپڑا ہے اور وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار سب اوس درجہ کے ہوگئے ہیں اونکے مکان تک برباد ہوگئے ہیں اور وہ جو زبردست تھے زیردست ہوگئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو محمدؐ کا دشمن سمجھتے تھے وہ اوسکے محتاج بن گئے ہیں اور جو اوس سے دور تھے قریب آگئے ہیں اعراب بادیہ نے اوسکی خالص دوستی اختیار کرلی ہے اور اپنے آپ کو اوسکے اختیار میں دیدیا ہے۔ اے گروہ قریش اوسکے دوست بنجاؤ اور اوسکے گروہ کے حامی بنجاؤ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تمہیں اور تمہارے بھائیوں کو لازم ہے کہ اوسکے دوست بنجاؤ اور اوسکے گروہ کے حامی ہوجاؤ اور قسم بخدا کوئی ایسا نہیں ہے جو اوسکی راہ چلے اور نیکی نہ پائے اور اوسکا ہدیہ قبول کرے اور سعید ہوجائے اور اگر میری زندگی میں کچھ دیر لگتی اور میری عمر کچھ اور ہوتی تو میں ہر قسم کی تکالیف و مصائب و شدائد کو اوس سے دور کرتا اور ایک بار قریش سے یہ بھی کہا کہ جبتک تم محمدؐ کی سنتے رہو گے اور اوسکے احکام کی پیروی کئے جاؤ گے تمہارے لئے بہتری ہی بہتری رہے گی لہذا اوسکی اطاعت کرو کہ رشید ہوجاؤ۔ منقولاً عن قاضی ذینی دحلان من کتابہ اسنی المطالب ص ۱۷۷

حضرت ابیطالب کے یہ الفاظ وصیت ہیں جو صاف بتلا رہے ہیں کہ انکا کیسا ولا۔ ان کا اور اگر یہ والا اوسوقت کی مسلمانو سے محبت عقیدت اور حمایت اسلام میں اگر ٹرہا ہیں تہا تو کسیطرح کم بھی نہیں تھا۔

اب ہم حسب الوعدہ شبلی صاحب کی مبہم عبارت اور دو حل فیصلہ کا انکشاف کرتے ہیں۔

خیریت ہے کہ شبلی صاحب نے اپنے اس ابہام فی الکلام کی وجہ خود لکھدی ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔ اس بنا پر (روایت بخاری اور ابن ہشام کے اختلافات دکھلاکر) ابو طالب کے اسلام میں اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح ترمانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں

اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ ایمان ابو طالب کے قائل ضرور ہیں لیکن بخاری صاحب کے خوف سے اقرار و اعلان

نہین کر سکتے۔ تو سوال یہ ہو کہ پھر آپ کے اس بیان سے ایک تحقیق کے طالب کو کیا فائدہ پہونچا۔ اور وہ کہان تک اصل حقیقت معلوم کر سکا؟ آپ کی آخری رائے دیکھکر وہ اتنا کہہ سکتا ہے کہ آپ موید ین اسلام ابوطالب کے ہمخیال ہین لیکن آپ خود محقق ہیں جانتے ہین کہ طالبان تحقیق کو کسی شخص خاص کی ذاتی رائے کے معلوم کرنے سے تسکین نہین ہوتی تاوقتیکہ وہ اپنے مدعائے تحقیق کی حقیقت اور اصلیت کو مع اوسکے تمام اسباب وعلل کے پورے طور سے نہ حاصل کر لے آپ کی دو رخی رائے اور اوسکی اہمیت اوسکو معلوم ہو گئی۔ جو اون دونون روایتون پر مبنی ہے۔ ایک مسلم و بخاری کی روایت پر جو ایمان ابیطالب کے مخالف ہے۔ دوسری سیرت ابن اسحاق کی روایت پر جو ایمان ابی طالب کی موید اور مثبت ہے۔

آپ نے ان متضاد مدمات کو جمع کر کے کوئی فیصلہ کن رائے تو دی نہین وہی ترجیح بخاری والا قدیم مسئلہ پیش کر دیا جس کا عنوان ایسے ہی مقامات کی ضرورت خاص کے لحاظ سے آپ نے اپنے دیباچہ کتاب ہی سے آغاز کیا تھا اور ہم نے بھی آپ کے دیباچہ کے تبصرہ مین شروع ہی سے آپ کے اس حفظ ماتقدم ہوشیاری اور قلمکاری کا مفصل اور مدلل طریقہ سے انکشاف حقیقت کر دیا ہے۔

کیون صاحب۔ ایک ایسا شخص بستر مرگ پر مر رہا ہے جو آپ کے نزدیک مسلمان بھی نہین اوسکے اعزہ اور احباب اوسکو آخری ملاقات کے لئے رخصت کرنیکی ضرورت سے اوسکے پاس جمع ہین۔ باہم گفتگو ہو رہی ہے تو اس واقعہ اور اسکے ایسے تمام واقعات کو سیرت و تاریخ کے موضوع سے تعلق ہوگا۔ یا آپ کی حدیث و اصول کی کتابوں سے؟ اور ان تمام واقعات شخصی یا قومی کی حقیقت معلوم کرنیکے لئے آپ سیرت و تاریخ کا مطالعہ فرماینگے۔ یا حدیث و تفسیر کی تالیفات کو دیکھینگے۔ کبھی کوئی شخص سیرت و تاریخ کے ہوتے ہوئے ان امور کی اطلاع وعلم کے لئے حدیث و تفسیر کی کتابون کو نہیں دیکھے گا۔ یہی تو آپ کی غرض خاص تھی کہ آپنے ان خصوصیات سیر و تاریخ کی تحقیق کو حدیث ہی کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری و مسلم مین دیکھنے اور اعتبار کرنے کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ اس لئے اصول تحقیق کی بنا پر اس واقعہ کی بابت سیرت ابن اسحاق کی روایت پر اعتبار کیا جائیگا اور اوسکے مقابلہ مین بخاری و مسلم کی مرویات پر کوئی توجہ نہین کی جائے گی کیونکہ سیرۃ ابن اسحاق بخاری و مسلم سے اتنی قدیم ہے کہ اوس کی تدوین کے وقت علم الحدیث کا نام بھی نہیں تھا۔ بخاری و مسلم کجا۔

اب اصول تنقید سے بھی دیکھئے تو ابن اسحٰق کی روایت مین کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ آپ خود لکھتے ہیں۔ عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس۔ دونوں ثقہ ہین لیکن بیچ کا ایک راوی یہان بھی رہ گیا ہے ہم کہتے ہین کہ نہیں رہا ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق نے عباس بن عبداللہ بن معبد کے بعد لکھدیا ہے عن بعض اھلہٖ (اپنے گھر والون میں سے کسی کی زبانی) ممکن ہے کہ عباس ابن عبداللہ کو وقت پر نام یاد نہ رہا ہو۔ تو جب عن بعض اہلہ موجود ہی تو ایک راوی دوسرا تو موجود ہی سلسلہ منقطع کیسے ہوا اور بیچ کا راوی رہ کیسے گیا؟ ایسی مثالیں آپ علی الاکثر تمام حدیثوں کے سلسلہ رواۃ مین پائیں گے۔ چنانچہ ابن سعد تو اکثر اپنی اسناد کی نقل قال بعض اہل العلم سے شروع کر دیتے ہیں اور بلا راوی کی روایتیں نقل ہوتی ہین۔

عباس ابن عبداللہ کی نسبت آپ وضع حدیث کا گمان کر ہی نہیں سکتے کیونکہ خود لکھ چکے ہین کہ عبداللہ بن عباس اور عباس

بن عبداللہ دونو ثقہ ہین۔ اس بنا پر آپ کو تسلیم کر لینا ہوگا کہ عباس ابن عبداللہ نے اپنے بعض عزیز کا حوالہ دیدیا ہے اور نام نہیں بتلایا صرف اس وجہ سے کہ اوسوقت اونکو نام نہیں یاد رہا۔ پھر جب آپ کا معتبر اور معتمد علیہ شخص یہ کہتا ہے کہ مین نے اپنے عزیز خاص سے سُنا ہے اور صرف نام نہین لیتا ہے تو کیا اوس کا یہ بیان آپ کے نزدیک قابل اعتبار نہوگا؟ پھر جب آپ کسیطرح اوسکے بیان کو قابل استرداد نہیں ٹھہرا سکتے تو آپ کا عن بعض اہلہ کی موجودگی ہی پر بہیدہ ہو کر کہدینا کہ بیچ کا ایک راوی رہگیا ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ ضرور قابل تسلیم ہوگا کہ عباس بن عبداللہ نے اپنے ایک عزیز سے اور اوس نے عبداللہ بن عباس سے اور اونھوں نے اپنے پدر بزرگوار عباس ابن عبدالمطلب سے سُنا ہو۔ حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو اس اسحق کی روایت اول سے آخر تک متصل ہے معضّل اور مسلسل اور کہیں سے بھی منقطع اور موقوف نہیں۔

اب اسکے مقابلہ مین بخاری اور مسلم کی روایت اور اونکی حقیقت سنئے۔ علی صاحب خود معترفانہ طور پر تحریر فرماتے ہین کہ بخاری کی یہ روایت چندان قابل احتجاج نہیں کہ آخر راوی ابو مسیب ہے جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہین تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے" جب اس روایت کی حقیقت حال اور کیفیت رجال سے آپ واقف ہوچکے تھے اور اسکے ساتھ ہی ابن اسحاق کی روایت کے متعلق یہ ثابت ہوچکا تھا کہ اسکے راوی بخلاف مسلم و بخاری کے ثقہ ہین اور یہ بطور مرفوع متصل مروی ہوئی ہے۔ تو پھر آپ نے صاف صاف لفظوں میں یکسو فیصلہ کیون نہ کردیا اور بتلا دیا کہ ایمان ابی طالب کے مسئلہ میں اختلاف بیکار ہے۔ ابن اسحاق کی روایت سے اونکا ایمان لانا حقیقی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق کی روایت کے متعلق آپ اپنا پورا اطمینان کرچکے ہین۔ ایک درمیان کے راوی کے رہجانے کا جو گمان کیا گیا تھا وہ بھی غلط نکلا راوی موجود ہے۔ مگر راوی اوّل کو اوسکے نام کی جگہ اوسکی خصوصیت یاد رہی کہ وہ اسکے گھر والون مین سے تھا تو اس روایت کا یہ اتنا سا نقص بھی جاتا رہا۔ ان تمام دلائل سے ابن اسحق کی روایت عقلاً و نقلاً بالکل صحیح اور فی الواقع ہے۔

لیکن باینہمہ ایک صحیحین کی اور اوسمیں بھی بخاری کی قلمکاری نے اسلام کے ہر واقعہ کی حقیقت ہی بدل دی ہے اور آپ حضرات نے عقیدتمندانہ طور پر تقلید اسلاف کے زیر اثر ہوکر اور مؤلف و محقق کے اصلی فرائض کے خلاف اونھین کی تائید و توثیق مین دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔ ابھی ابھی دعوت قریش کے واقعہ مین محض استخفاف فضائل علیؑ کی غرض سے بخاری نے جیسی جیسی طلسمی قلمکاریاں دکھلائی ہین اونکی پوری حقیقت کا صفحات گذشتہ کی عبارات زیرین حاشیہ مین پورا انکشاف کردیا گیا ہے اس واقعہ میں بھی جہانتک حقیقت کی نظر ڈالی جاتی ہے حضرات مسلم و بخاری کی قلمکاری ہی ثابت ہوتی ہے

استدلال۔ اب ہم اس بحث کے دوسرے پہلو کیطرف متوجہ ہوتے ہین۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم بخاری اور مسلم صاحب کی مرویات پر اعتبار کرلیں تو ہمکو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان روایات میں حضرت ابیطالب نے کس الفاظ مین انکار ایمان کیا ہی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری و مسلم نے ابو طالب کے اس کلمہ کو کہ مین عبدالمطلب کے

دین پر مرتا ہوں۔ انکار ایمان سمجھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلم و بخاری حضرت عبدالمطلب کے ایمان کے بھی قائل نہیں ہیں اور اوسکا کافر مرنا بھی (نعوذ باللہ) صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اونہوں تو علما کا یہ قول جمہور علما و محدثین کی مختار متفقہ سے بالکل بحال ہے شرح زرقانی میں حضرت عبدالمطلب کے با ایمان قضا کرنے کی بڑی طولانی بحث صفحہ ۱۹۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۲۹ پر تمام ہوئی ہے اور نتیجہ بحث میں حضرت عبدالمطلب کو تمام عمر دین حنیف پر ثابت اور مسلک توحید پر قائم بتلایا ہے اور خاتمہ بحث پر اکثر محدثین و محققین کے اقوال سے واقعہ اصحاب الفیل اور ہزیمت ابرہۃ الاشرم کے متعلق آپ کو صاحب کرامات تسلیم کیا ہے اور خود شبلی صاحب نے بھی دیباچہ میں مفصلہ ذیل واقعہ کو اُنکے موحد ہونے کے ثبوت میں نقل فرمایا ہے۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلعم کے جد امجد) کے ہات کی لکھی تھی۔ اوسکے الفاظ یہ تھے۔

حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة علی فلان بن فلان الحمیری من اهل وزل صنعاء علیه الف درهم فضة كیلاً بالحدیدة ومتی دعاه بها اجابه شهد الله والملكان۔	یہ عبدالمطلب بن ہاشم کا جو مکہ کا باشندہ ہے قرضہ فلاں ابن فلاں حمیری پر ہے۔ جو صنعا (یمن کے علاقہ میں شہر) اوزال کا رہنے والا ہے یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں جب طلب کیا جائیگا وہ ادا کردے گا۔ خدا اور اوس کے دو فرشتے گواہ ہیں۔

جب شبلی صاحب کے ان اعترافات اور مذکورۂ بالا علما و محدثین کی مذکورہ بالا تحقیقات سے حضرت عبدالمطلب کا دین دین حنیف اور مسلک توحید ثابت ہوتا ہے اور انہیں مسالک پر اونھوں نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ تو اب ابی طالب کا انتقال فرماتے وقت یہ اقرار کرنا جسکو خود صاحب صحیحین مسلم و بخاری لکھتے ہیں کہ میں دین عبدالمطلب پر مرتا ہوں کیسے (نعوذ باللہ) اونکی کافر مرنیکی دلیل ہو سکتا ہے کیونکہ دین عبدالمطلب جب دین حنیف اور شرع توحید ثابت ہو چکا اور یہی اونکے ثبوت ایمان کیلئے کافی تسلیم کر لیا گیا۔ تو پھر دین و ایمان ابیطالب میں جو باقرار اونکے عین دین و ایمان عبدالمطلب ہے کسی کو کیا عذر و کلام ہو سکتا ہے۔

ہم اس سے زیادہ بحث نہیں لکھیں گے تحقیق مزید کے لئے عمدۃ المطالب۔ مطالب السئول۔ اسنی المطالب تالیفات

لہ ہم اس موقع پر شبلی صاحب کو اونکی مدرسہ بالا بحث کیطرح کا راوی رکھا ہی یاد دلاتے ہیں کہ راوی رہا نہیں ذکر موجود ہے نام نہیں یاد رہا۔ جیسا کہ ابن ندیم کو پوری عبارت دستاویز (ہینڈنوٹ) یاد رہی لیکن قرض گیرندہ کا نام یاد نہیں رہا تو کیا اس سے دستاویز کا وجود ہی غائب کر دیا جائیگا۔ علی الاکثر کتابوں میں محدثین کا بھی دستور پایا جاتا ہے اسلیے ابن ندیم نے بھی وہی قدیم طریقہ نقل اختیار کیا ہے اور اس دستاویز میں قرض لینے والے کا نام چونکہ سہو ہو گیا ہے اسلئے فلاں بن فلان لکھ دیا لیکن تاہم حمیری کا لفظ لکھکر اوسکی قومیت بتلا دی۔ اسی طرح ابن اسحاق کے راوی کا ہے اوس عزیز کا نام وقت پر یاد نہ رہا مگر شخصیت اور خصوصیت ضرور یاد تھی۔ اس لئے بعض اہلہ لکھدیا تو کیا برا کیا بخاری صاحب تو اکثر نقل احادیث میں فلاں بن فلان اور کذا و کذا کی اشارت سے برابر کام لیتے ہیں۔ المولف عفی عنہ

امام سبکی۔ قرطبی۔ شعرانی اور علامہ ہیثمی اور امام سیوطی کے رسالجات کی طرف جو نجات آبائی کرام آنحضرت صلعم کے موضوع خاص پر لکھے گئے ہین۔ رجوع کرنا چاہیئے۔

بعد ابیطالب رسول اللہ کے مصائب ان دونون پے درپے صدمات نے جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت متردد اور مضطر بنا رکھا تھا۔ رسول اللہ صلعم کا گھر اوجڑ گیا تھا حضرت ابی طالب کے ایسا مربی اور سرپرست سر سے اوٹھ گیا لیکن بدخواہ۔ بد ارادہ اور ظالم کفار قریش کی دلی مرادین برآئین۔ تمنائین پوری ہوئیں۔ اب نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو مین حضرت خدیجۃ الکبریٰ (سلام اللہ علیہا) کی ایسی ہمدرد و غم مین ہر وقت کی شریک و رفیق بی بی باقی ہے۔ جو تردد۔ فکر اور رنج و غم میں آپ کو تسکین و تشفی دے اور نہ سرپر حضرت ابیطالبؑ کے ایسا عم بزرگوار اور پرستار قایم ہے جو ظالمین مکہ اور مشرکین قریش کے مہلک حملوں سے آپ کو بچالے اور نصرت و حمایت فرمائی۔ اونکی انھین خصوصیات کی رعایت سے آنحضرت صلعم یتیم عبد اللہ کی جگہ یتیم ابی طالب کے لقب خاص سے مشہور تھے۔ ان کے اوٹھ جانے سے مخالفین کو آپ کی ایذا رسانی کی عملی ترکیبوں مین پوری آزادی مل گئی۔ اور اب اونکو تامل و تحمل کی کوئی ضرورت یا مجبوری باقی نہین رہی اسوقت تک اونکو جو کچھ تامل ہوتا تھا وہ صرف حضرت ابی طالب کی عظمت اور ذاتی وجاہت کے سبب سے جسکو وہ اپنی وقد کی پیش کرنے کی ہر موقع میں اپنی تقریروں کیساتھ معترفانہ طور پر ظاہر کر چکے تھے اب وہ نہین رہے تو یہ مجبوری بھی نہین رہی۔ اور اب وہ کمال آزادی۔ بیباکی سے آنحضرت صلعم کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی مین سرگرم اور مستعد ہو گئے۔ یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکہ مین رہنا دشوار ہو گیا آپ اونکی اس دلیری اور جرأت کے سبب کو خوب جانتے تھے۔ اوسوقت جناب ابیطالب کی شفقت و مرحمت مربیانہ کو یاد فرما کر اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے

یا عمّ ما اسرع ما وجدت فقدك | اے عم بزرگوار آپ کے بعد جو مجبوری آپ والی تھی کیسی جلد آپڑی اسنی المطالب ص ۶۲ مطبوعہ دہلی۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مصائب و شدائد متواترہ سے ایسے متاسف اور متاثر ہوئے تھے کہ آپ نے ان عظیم تر مصائب کی خاص رعایت سے اِس سال کا نام عام الحزن رکھا تھا جو آج تک اسلام کی کتب تاریخ و حدیث مین منقول و مذکور چلا آتا ہے شبلی صاحب رقمطراز ہین

ابوطالب اور خدیجہ کے اوٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بیرحمی و بیباکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستاتے تھے ایک دفعہ آپ راہ مین جا رہے تھے کہ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈالدی اسی حالت مین آپ گھر مین تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئین۔ سر دھوتی تھین اور جوش محبت سے روتی جاتی تھین۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر۔ روؤ نہیں خدا تیرے باپ کو بچالے گا۔ طبری و ابن ہشام۔

سفر طائف اور رسول اللہ صلعم کی مصیبتین باوجود اسکے کہ آنحضرت صلعم کو متواتر صدمات پیش آئے مخالفین قریش اور معاندین مکہ نے گھر مین رہنا دشوار کر دیا اونکے ہر وقت کے ظلم و ستم سے یہاں دشوار ہو گیا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

کی نوبت پہونچگئی مگر باایں ہمہ جس منصب عظیم کے لئے آنحضرت صلعم منجانب اللہ مبعوث فرمائے گئے تھے جس عہدۂ جلیل کی تبلیغ وتعلیم کے لئے اور تنظیم و تعلیم پر مامور کئے گئے تھے اوسکے انجام دہی اور ادا کاری میں سرمو فرق نہ آیا۔

اتنے حزن و ملال اور ایسے اضطرار و انتشار کے عالم میں بھی آنحضرت صلعم کو ہمہ اُسی کی فکر تھی اور اوسی کا خیال یہ تو ظاہر تھا کہ مکہ معظمہ میں رہکر دعوت اسلام میں۔ مخالفت قریش کی وجہ خاص سے جسقدر دشواریاں اور مشکلیں پیش آتی تھیں اب وہ اسقدر شدید اور ناقابل برداشت ہوگئی تھیں کہ گویا آنحضرت صلعم کو مکہ میں رہکر اپنے اموریں آئندہ کامیابی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی اس بناپر ضرور تھا کہ اب بیرونجات میں خود تشریف لیجاکر بالنفس النفیس اسکے لئے کوشش فرماتے اس تجویز میں سب سے پہلے آپ طائف میں تشریف لیگئے شبلی صاحب سفر طائف کے حالات مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لیجائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں طائف میں بڑے بڑے امرا اور صاحب اثر رہتے تھے ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا یہ تین بھائی تھے۔ عبدیالیل مسعود اور حبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے پاس گئے۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا کہ اگر تجھکو خدا نے پیغمبر بناکر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ (عظمت) چاک کر رہا ہے دوسرے نے کہا کیا خدا کو پیغمبری کے لئے تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا تیسرے نے کہا میں بہرحال تجھسے بات نہیں کرسکتا۔ تو اگر سچا ہے تو تجھسے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل ہی نہیں۔

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپ ادھر سے نکلے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنا شروع کیا یہانتک کہ آپ کی جوتیاں خون میں بھر گئیں جب آپ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو بازو تھاما کھڑا کردیتے جب آپ پھر چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ تالیاں بجاتے جاتے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا اوس نے آپ کو اس حالت میں دیکھکر تو اپنے غلام کے ہاتھ جسکا نام عداس تھا۔ انگور کا خوشہ ایک کشتی میں لگاکر بھیجا۔ اس سفر میں زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔ سیرۃ النبی ص ۱۸۳

بیان میں اختصار شبلی صاحب کو اسقدر پسند ہے کہ وہ عبارت واقعات میں اس کی مناسبت وغیرہ مناسبت کا ذرا بھی خیال نہیں فرماتے۔ اسوجہ سے کوتہ رقمی کا موجودہ شعار آپ کے بیان میں ابہام پیدا کر دیتا ہے۔ اسکے علاوہ نقل و ترجمہ میں بھی آپ اپنے اصلی ماخذ سے اوسیقدر ترجمہ کرتے ہیں جسقدر اپنے مفید مطلب پاتے ہیں باقی بدارد۔ حالانکہ آپ کے ادنیٰ قلمزد حصہ روایت سے ارشاد رسالت کے روحانی آثار ثابت ہوتے تھے تینوں رئیسان ثقیف کے جواب میں لسان رسالت سے جو ارشاد کیا گیا وہ بالکل مرفوع القلم فرمادیا گیا حالانکہ طبری میں جو آپ کا مستند ماخذ ہے۔ آنحضرت صلعم کا یہ خوش اخلاقانہ جواب اس عبارت میں لکھا ہوا موجود ہے۔

وقد يئس من خير ثقيف وقد قال لهم فيما ذكر لي اذا فعلتم ما فعلتم فاكتموا وكره رسول الله صلعم ان يبلغ قومه عنه فيذئرهم ذلك عليه ص ۱۲ حرمی

جب آپ رسا ثقیف کی ہدایت کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے اون سے کہا کہ اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے ہی پاس رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں تک پہنچ کر کہا سکا بھی سبب بن جائیں۔

ایسے دردانگیز مصائب اوٹھا کر اوس صبر مجسم اور رحمت عالم نے بارگاہ احدیت میں اپنی مصیبت کے اظہار اور عطائے ہمت و استقلال علی المصائب کی غرض خاص سے جو دعا فرمائی ہے اوسکے حرف حرف سے جلال کی جبروت و جلال اور آپ کی شان عبدیت اور تواضع و انکساری ہویدا و آشکار ہے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب کے اختصار نے رسالت کے اس معیار کو بھی عام نگاہوں سے پوشیدہ رکھا۔ حالانکہ آپ کے تینوں ماخذ۔ مواہب لدنیہ۔ طبری اور ابن ہشام میں موجود ہیں ہم زبان اقدس کے ان دعائیہ فقرات کو ابن ہشام کے الفاظ میں حسب ذیل لکھتے ہیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحموں سے چور چلنے سے مجبور ہو کر عتبہ ابن ربیعہ کے باغ میں بیٹھ گئے تھوڑی دیر دم لے کر کچھ اطمینان ہوا تو یہ دعا فرمائی۔

اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وهواني على الناس يا ارحم الراحمين انت رب المستضعفين وانت ربي الى من تكلني الى بعيد يتجهمني او الى عدو ملكته امري ان لم يكن بك علي غضب فلا ابالي ولكن عافيتك هي اوسع لي اعوذ بنور وجهك الذي اشرقت له الظلمات وصلح عليه امر الدنيا والآخرة من ان ينزل بي غضبك او يحل علي سخطك لك العتبى حتى ترضى لا حول ولا قوة الا بك

الٰہی اپنی کمزوری بے سروسامانی اور لوگوں کے تحقیر کرنے کی نسبت میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے۔ اور زیادہ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے اب کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے؟ یا اوس دشمن کے حوالہ کیا جاتا ہے جو کام میرا اپنا رکھتا ہے؟ لیکن جب مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اوسکی پرواہ کچھ نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات سے پناہ مانگتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام درست ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اوترے یا تیری ناراضامندی مجھ پر وارد ہو مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ طبری ۱۔ ۱۲۰ ص

ایک عیسائی کا اقرار رسالت

اسے ہم شبلی صاحب کے اوس قلم زدہ حصہ روایت کو اوسکے اصل ماخذ سے لکھتے ہیں جسمیں عتبہ بن ربیعہ کا آپ کی خدمت میں اپنے غلام عداس نامی کے ہات خوشہ انگور کا تحفہ بھیجنا۔ عداس کا جو مذہبا عیسائی تھا آپ کی صبر و تحمل اور اخلاق پاکیزہ کا مشاہدہ کر کے آپ کی رسالت کا اقرار کرنا۔ اور مشرف باسلام ہونا تفصیل سے درج ہے۔ افسوس ہے کہ آپکی اختصار پسندی آپ کی کوتہ نظری کیسے مضبوط مطالب و مقاصد کو۔ باوجودیکہ اصلی ماخذوں میں مرقوم ہیں قلم زد کر دیتی ہے۔ طبری اور ابن ہشام اس واقعہ کو مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں۔

فلما رأی ابنا ربیعة عتبة وشیبة ما لقي تحركت له رحمهما فدعوا غلاما نصرانيا يقال له عداس فقالا له خذ قطفا من هذا العنب وضعه في ذلك الطبق ثم اذهب به الی ذلك الرجل فقل له ياكل منه ففعل عداس ثم اقبل به حتی وضعه بين يدي رسول الله صلعم فلما وضع رسول الله صلعم يده قال بسم الله ثم اكل فنظر عداس الی وجهه ثم قال والله ان هذا الكلام ما يقوله اهل هذه البلاد قال له رسول الله صلعم ومن اهل ای البلاد انت يا عداس وما دينك قال انا نصرانی وانا رجل من اهل نينوی فقال له رسول الله صلعم امن قرية الرجل الصالح يونس بن متی قال له وما يدريك ما يونس بن متی قال رسول الله صلعم ذلك اخی كان نبيا وانا نبی فاكب عداس علی رسول الله صلعم يقبل راسه ويديه ورجليه قال يقول ابنا ربيعة احدهما لصاحبه اما غلامك فقد افسده عليك فلما جاءهما عداس قالا له ويلك يا عداس ما لك تقبل راس هذا الرجل ويديه وقدميه قال يا سيدی ما فی الارض خير من هذا الرجل لقد خبرنی بامر لا يعلمه الا نبی الله تعالی فقالا ويحك يا عداس لا يصرفنك عن دينك فان دينك خير من دينه

طبری ص ۴ ۱۲ ج ۳

جب عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ نے آپ کا (آنحضرت صلعم) یہ حال دیکھا تو رحم کھا کر اپنے غلام نصرانی عداس نامی کو بلایا اور کہا کہ انگور کا ایک خوشہ کشتی میں لگا کر اس شخص کو دے آ۔ غلام حسب حکم کے مطابق خوشہ انگور ایک کشتی میں لگا کر حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے انگوروں کی طرف دست مطہر بڑھایا اور زبان مبارک سے پہلے بسم اللہ فرمایا پھر انگور کھانے شروع کر دیئے عداس نے نہایت حیرت سے جناب رسالتمآب صلعم کی طرف دیکھا اور پھر کہا یہ تو ایسا کلام ہے کہ یہاں کے باشندے ایسا کبھی نہیں کہا کرتے نبی صلعم نے پوچھا۔ عداس تم کہاں کے باشندے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے عداس نے جواب دیا میں نینوی کا رہنے والا اور عیسائی مذہب کا آدمی ہوں آنحضرت صلعم نے فرمایا تم مرد صالح یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو عداس نے کہا آپ انہیں کیا جانیں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا وہ تو میرے بھائی ہیں میں بھی نبی اللہ ہوں اور وہ بھی نبی اللہ تھے عداس یہ سنتے ہی رسول اللہ صلعم کے قدم پر گر پڑا اور سر آپ کے فرق مطہر اور دست و پائے مبارک کے بوسے دینے لگے عتبہ اور شیبہ دونوں غلام کی اس حیرت انگیز عقیدت کو دیکھ کر اپنے دل میں کہنے لگے کہ لو غلام تو ہاتھ سے گیا اتنے میں عداس لوٹ کر آگیا۔ تو اوس سے کہنے لگے کم بخت تجھے کیا ہو گیا تھا کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ عداس بولا حضور والا اس شخص سے بہتر آج کوئی دوسرا شخص روئے زمین پر نہیں ہے اس لیے مجھے وہ خبر بتلائی ہے کہ جو سوا نبی اللہ کوئی دوسرا شخص کبھی نہیں بتلا سکتا۔ دونوں نے ملکر عداس کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ خبردار کہیں اسکے پیچھے اپنا دین چھوڑ بیٹھے تیرا دین تو اوسکے دین سے خود بہتر ہے۔

رسالت کے ارشاد و ہدایت کا ایسا عظیم الشان معتبر اور پر اثر واقعہ اور شبلی صاحب کے ایسے محقق کے قلم سے قلم زد کر دیا جائے تعجب ہے تعجب تعجب تو یہ ہے کہ سیرۃ النبی کی تالیف میں زیادہ تر عیسائیت ہی سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر ایسے مقام میں عیسائیت کی خامی اور ناقص تعلیم کے مقابلہ میں اسلام کی کامل اور مؤثر تلقین و ہدایت کے واقعات دکھلائے گئے ہیں لیکن یہ واقعہ جو ہر قرینہ اور عنوان سے قابل استدلال تھا کیونکر قلم انداز کر دیا گیا؟ اس کا ظاہری سبب سوائے مولف کی عدم تحقیق واقعات

اور کوتہ فہمی کے انداز خاص کے اور کچھہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہم اس سے پہلے اسلام لانے والے عیسائی کے حالات کو خاتمہ تک پہونچا دینا ضرورت اور مناسبت مقام دونوں اعتبار سے مفید سمجھتے ہین۔ زرقانی اس کا مآل خیران الفاظ مین لکھتے ہین۔

فاكب عداس على يديه ورأسه ورجليه يقبلها واسلم رضي الله عنه وهو معدود في الصحابة وفي سيرة التيمي (ابن عقبة التيمي) انه قال اشهد انك عبد الله ورسوله۔

عداس آنحضرت صلعم پر جھک گیا آپ کے سر مطہر اور دست و پائے مبارک کے بوسے لئے اور اسلام لایا۔ خدا تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ سیرۃ التیمی کے مصنف علامہ ابن عقبہ التیمی لکھتے ہیں کہ عداس نے اسلام لاتے وقت اقرار کیا کہ آپ خدا کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

امام سہیلی کی روض الانف مین عداس کا آئندہ حال یون لکھا ہے۔

ذكر وان عداس لما اراد سيداه الخروج الى بدر امراه بالخروج معهما فقال لهما اقتال ذلك الرجل الذي رأيت بحائطكما تريدان والله ما تقوم له الجبال فقالا له ويحك يا عداس سحرك بلسانه وفي الاصابة قيل قتل عداس ببدر وقيل بل رجع ومات۔

عداس کا حال یہ ہے کہ جب جنگ بدر میں شریک ہونے کے لئے اوسکے دونوں آقا عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ آمادہ ہوئے تو اسکو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا اس نے کہا کیا آپ لوگ اوس شخص سے جنگ کرنیکے لئے جاتے ہیں جسکو میں آپکے احاطہ باغ میں دیکھ چکا ہوں قسم خدا کی اوسکو پہاڑ تو ہلا ہی نہیں سکتے عتبہ شیبہ نے جواب دیا کہ او ہو تجھ پر افسوس اسی زبان کے سحر نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ عداس جنگ مین مارا گیا اور ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد زندہ رہا اور اپنی موت سے مرا

افسوس ہے کہ جب شبلی صاحب سلسلہ بیان میں ایسے ایسے ضروری واقعات کو قلم انداز فرما دین تو پھر آپ کے سلسلہ کلام کو تمام اور تفصیل بیان کو کیسے کامل کہا جائیگا۔ یہ تو غیر مربوط۔ نا مسلسل اور غیر مکمل طریقہ تحریر ثابت ہوگا۔

سفر طائف اور زید بن حارثہ کی رفاقت

شبلی صاحب نے زید کے حالات مین صرف اسقدر کہدیا کہ اس سفر میں یہ بھی شریک تھے اس سے زاید کچھہ نہ لکھا ہم آپ کی اس کمی کو پورا کئے دیتے ہین۔

اس مقام پر (طائف مین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وعظ فرمانے کے عین موقع پر کفاروں نے اتنے پتھر برسائے کہ آپ چوٹ کے صدمے سے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ زید بن حارثہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اوٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے منھ پر پانی کے چھینٹے دیے تو ہوش آیا۔ رحمۃ للعالمین ص ۷۵

قیام طائف کی نسبت کچھ بھی شبلی صاحب نہین لکھتے اور نہ اوسکے ایام و وقت وقوع بتلاتے ہیں ابن اسعد دس روز کی مدت بتلاتے ہین۔ اور ماہ شوال کا عشرۂ آخر بیسوین تاریخ سے لیکر تیسوین تک سنہ اسلامی ثبوت قرار دیتے ہین۔ اونکے الفاظ یہ ہین

خرج الى الطائف ومعه زيد بن حارثة وذلك في ليال بقين من شوال سنة عشر من حين نبئ رسول الله صلعم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کیطرف تشریف لے گئے اس سفر میں زید بن حارثہ بھی شریک تھے شوال کا مہینہ تھا اور عشرۂ آخر بیسوین

فاقام بالطائف عشرۃ ایام | تاریخ کے لحاظ کے ایام۔ نبوت کا دسواں سال تھا۔ آپ نے دس روز تک طائف میں قیام فرمایا۔

کسی واقعہ کی نسبت تعیین وقت اور تعداد ایام کا نہ لکھنا مؤلف کے لئے اور خاصکر اوس مؤلف کے لئے جو تاریخی واقعات کی تدوین کرتا ہو یا سیرت کے حالات کی ترتیب دیتا ہو نہایت شکایت کے قابل ہے اور اصول تالیف سے اوسکی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ متقدمین سے زیادہ متاخرین اسکے پابند ہین لیکن شبلی صاحب اسکی ضرورت نہین سمجھتے۔

سفر طائف کے متعلق شبلی صاحب نے دو عیسائی مؤلفین کی مختلف رائین دکھلائی ہین وہ ضروری الذکر ہین اور حسب ذیل لکھی جاتی ہین۔

کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہون کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے مرگیولوس نے (العیاذ باللہ) آنحضرت صلعم کے اس سفر کو سوء تدبیر مین داخل کیا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور اونکے زیر اثر تھا اور وہان روساء مکہ کے باغ تھے جسکی وجہ سے اونکی آمد و رفت رہتی تھی۔ جب مکہ کے تمام روسا آنحضرت صلعم کے خلاف تھے تو طائف کے لوگون سے کیا امید ہوسکتی تھی لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روز اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیون کے وہ تنہا ایک مخالف شہر مین بیخوف چلے گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا الفصل ما شہدت به الاعداء آخر۔

کسقدر عبرتناک ہے کہ شبلی صاحب سر ولیم میور کی حدید تصدیق کو تو اس سرگرمی سے تائید اسلام مین نقل فرماتے ہین اور عداس رضی اللہ عنہ کی قدیم شہادت ایمان اور توثیق اسلام کو باوجودیکہ اصل ماخذون مین تفصیل سے درج ہے۔ مرفوع القلم کرتے ہین۔

سفر طائف مین گو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناکامیابی ہوئی اور خونخوار کفار کے ہاتھون سخت ترین مصائب و شدائد اوٹھانے ہوئے لیکن باانیہمہ اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو ہدایات وارشاد کی تبلیغی کوششین بیکار نہین گئین اتنے غیر متحمل ظلم و جفا اور ستم وایذا پر اس جگرداری اور بردباری سے صبر و سکوت اختیار کرنے نے ظالمین کفار اور مشرکین قریش کے دل مین آپ کے استقلال فی تبلیغ الرسالت اور استقرار فی تعلیم الامت کے ثبوت النقش کا نحو کردیے اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کو اپنے فرائض منصبی کی اداکاریون کے مقابلہ مین نہ جان جانے کی پرواہ ہے اور نہ ستائے جانیکی فکر۔

طائف سے واپس ہوتے ہوئے کسی شخص کے سوال کے جواب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مین اون لوگون کی تباہی و بربادی کے لیے کیون بدعا کرون۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہین لائے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ آئندہ انکی نسلین ضرور خدائے یکتا پر ایمان لانے والی ثابت ہونگی (رحمۃ العالمین ص ۵۰ بحوالہ صحیح مسلم عن ام المؤمنین حضرت عائشہ) یہ ہے رحمۃ للعلمین ہونیکی شان اور یہی سید المرسلین ہونیکی دلیل۔ یہ تو اس سفر کے ظاہری اثر تھے جو مخالفین کے قلوب پر ہوگئے

تھے اب ان کو تو جنہوں نے ہدایت وارشاد رسالت کے روحانی اثر کو بھی عداس کے واقعہ سے بالعین مشاہدہ کر لیا کہ وہ بلا تحریک وترغیب زبان مبارک سے دو لفظوں کا جملہ بسم اللہ سنکر اسقدر متاثر ہوا کہ دم کے دم میں کہاں تو پکا عیسائی تھا پکا مسلمان ہوگیا۔ اور بلا خوف و ہراس وبے وسواس بلند آواز سے اشہد انک عبدہ ورسولہ کہکر آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے لگا ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء

طائف سے مکہ میں واپس ہونیکے وقت دشواریاں۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی خدمات مکہ ہی تک منحصر نہیں تھے یا طائف ہی تک جاکر ختم ہونے والے نہیں تھے آپ نے دس روز تک طائف میں متواتر صدمات اوٹھائے اور اون پر بکمال استقلال صبر فرمایا گیارہویں دن طائف سے نخلہ میں چلے آئے وہ یار روز یہاں بھی قیام رہا پھر وہاں سے حرا میں تشریف لائے یہاں پہونچکر ستمگاران طائف کی طرح کفاران مکہ سے بھی ایذا رسانی کا خوف آیا کیونکہ اصلاً دونوں ایک تھے اور اونکی امارت ووجاہت کے زیر اثر وہاں کے تمام باشندے تھے۔ اس بنا پر آپکو اندیشہ تھا کہ مراجعت مکہ کے وقت مشرکین قریش بھی وہی منظر پیش کریں جو ظالمین طائف دس روز تک پیش کر چکے ہیں موجودہ قرائن واسباب بھی اسکا شبہہ دلا رہے تھے کیونکہ آپ مکہ کے معاونین ومعتقدین سے مکہ خالی ہو چکا تھا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ اوٹھ چکی تھیں حضرت ابوطالب انتقال فرما چکے تھے۔ اور بقول شبلی صاحب اب ان لوگوں کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا باقی رہی ضعفاے مسلمین کی جماعت جسمیں گو حضرت حمزہ اور حضرت عمرؓ کے ایسے لوگ بھی ضرور تھے مگر ان میں سے ایک بھی کفار کے بڑھتی ہوئی قوت کی مدافعت پر قادر نہیں تھا انھیں قرائن کو مد نظر رکھکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام حرا سے جیسا کہ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں مطعم ابن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ "اگر تم مجھے اپنی حمایت میں لینے کا وعدہ کرو تو میں مکہ میں آنے کا قصد کروں" مطعم نے آپ کا پیام سنتے ہی قبول کر لیا کیونکہ عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ کسی سے دشمن کی بھی درخواست اعانت ونصرت کو نامنظور نہیں کرتے تھے پھر اسیوقت مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں کو سامنے بلا کر حکم دیا کہ مسلح ہو کر حرم محترم میں چلے جاؤ۔ محمد صلعم آتے ہیں۔ خبردار کوئی فرد واحد اونسے مزاحم نہ ہونے پائے۔ بیٹے تو باپ کا حکم پاکر کعبہ میں گئے۔ اور اسی اثنا میں رسول اللہ صلعم شہر میں داخل ہوئے تو مطعم بن عدی اپنے ناقہ پر سوار ہو کر آپ کے ہمراہ ہو لیا۔ اور باواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلعم کو اپنی حمایت وضمانت میں لیا ہے اور میں اونکا حامی ہوں۔ کوئی شخص بھی آپ سے مزاحم نہوا۔ آپ باطمینان تمام خراماں خراماں خانہ کعبہ میں تشریف لائے طواف کیا نماز پڑھی پھر دولتسرا میں تشریف لائے امام قسطلانی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ مطعم اور اوسکے بیٹے آپ کو تلواروں کے سایہ میں لائے اور گھر تک پہونچا گئے۔

یہ ہے جبروت لاتناہیہ کی قدرت اور مشیت الٰہیہ کی ندرت کہ اوس نے مخالفین ومعاندین سے اسوقت وہ خدمت کرائی جو معتقدین ومویدین کے خاص فرائض تھے۔ ان اللہ بالغ امرہ وھو علٰی کل شئ قدیر۔

مختلف مواقع پر قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ

حدیث وسیر کی تمام کتابیں بتلاتی ہیں کہ مکہ میں واپسی کے بعد بھی تبلیغ اسلام کا سلسلہ مکہ میں رہکر اور بیرونجات میں جاکر ہمیشہ جاری اور قائم رکھا جاتا تھا۔

قبائل کے علاوہ ان تمام مقامات پر جہاں عرب میں سالانہ میلے اور تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں لگتی تھیں اور وہاں عرب کے قدیم تمدن کے مطابق ملک کے بڑے بڑے امراء، روساء، شعراء اور فصحاء جمع ہو کر اپنی فصاحت و بلاغت کے کمالات دکھلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ اسلام اور ہدایت عام کی ضرورت خاص سے وہاں خود تشریف لیجاتے تھے۔ اور مقیم ہو کر بندگان خدا کو خدا کے احکام پہونچاتے تھے۔ طبری اور ابن ہشام نے ان میلوں اور منڈیوں میں سے خاص طور پر عکاظ، مجنۃ، اور ذوالمجاز کا نام لکھا ہے۔ اور قبائل عرب میں بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، حارث، بن کعب، عذرہ اور حضارمہ کے نام بتلائے ہیں

ان تمام قبائل سے کے پاس آپ بالنفس النفیس تشریف لیجاتے تھے۔ اور قبول اسلام کی دعوت فرماتے تھے لیکن مدبخت ابولہب بھی سراغ لگا کر ہر مقام پر اور ہر قبیلہ میں آپ سے پہلے یا آپ کے ہمراہ پہونچ جاتا تھا اور جب آپ کسی جماعت میں موعظت فرماتے تھے تو یہ کمبخت آپ کے ساتھ ہی تقریر کرتا اور نعوذ باللہ کہتا کہ تم لوگ انکی باتوں کو ہرگز نہ سنا اور نہ اُن کی کسی قول وعہد پر اعتبار کرنا یہ تو مدت ہوئی دین عرب سے برگشتہ ہو گئے ہیں اور ہمیشہ جھوٹ بولنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

ہم ان قبائل میں سے چند قبائل کے واقعات طبری اور ابن ہشام سے خلاصہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قبیلہ بنو حنیفہ - یہ قبیلہ یمامہ میں آباد تھا۔ عرب کا مشہور مسیلمہ کذاب جسنے جہالت و گمراہی کے زعم میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسی قبیلہ کا سردار تھا۔

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ تشریف لیگئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے۔ مفروق سردار قبیلہ تھا حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کی معرفی کرائی اور کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے وہ آپ ہی ہیں مفروق نے آنحضرت صلعم کی طرف رُخ کر کے پوچھا۔ برادر قریش۔ آپ کیا یقین کرتے ہیں اور کیا تلقین فرماتے ہیں ارشاد فرمایا۔ خدا ایک ہے اور میں اوس کا پیغمبر ہوں پھر یہ آیتیں سنائیں۔

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم ان لا تشرکوا به شیئا وبالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن ولا تقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ذلکم وصاکم به لعلکم تعقلون	اے پیغمبر کہدو کہ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کا حق خدمت ادا کرو اور اپنے بچوں کو افلاس کی وجہ سے قتل کرڈالو ہم تمکو اور اونکو روزی دینگے فحش باتوں کے پاس نجاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جسکو خدا نے حرام کیا ہے ہلاک نہ کرو یہی خدا کی نصیحتیں

ہیں کہ تم ان پر سمجھکر عمل کرو۔

اس قبیلہ کے حقیقتاً تین رئیس تھے۔ مفروق مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ اور وہ سب کے سب آپ کی تشریف آوری کے موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے زبان مبارک سے ان آیات قرآنی کو سنکر صدائے احسنت بلند کی لیکن جب اقرار اسلام کا

وقت آیا تو ان الفاظ مین اپنی مجبوری ظاہر کی کہ مدت کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا رو د اعتقادی کا الزام لائے گا اسکے علاوہ ہمارا قبیلہ کسرائے فارس کے زیر اثر ہے۔ اور جانبین سے حال مین معاہدہ ہوچکا ہے کہ شاہ ایران کے بعد ہم لوگ کسی دوسرے حاکم یا فرمانروا کے زیر اثر نہ آئینگے۔ یہ کلام سنکر نہایت متانت اور خاموشی سے آنحضرت صلعم نے اونکی حقیقت بیانی کی تحسین کی اور فرمایا تو بہ خیر۔ خدا کا دین ہے تو خدا اوسکی آپ ہی مدد کریگا۔ روض الانف سہیلی باسناد قاسم بن ثابت۔

قبیلہ بنو عامر کے پاس تشریف لے گئے اور اونکو موعظت فرمانے لگے۔ تو اثنائے تقریر مین فراس نامی ایک شخص اوس قبیلہ کا آپ کے مدعا اور حسن بیان کو سنکر دوسرے لوگون سے کہنے لگا کہ اگر یہ شخص مجھکو ہاتھ آجائے تو مین اسکے ذریعہ سے تمام عرب کو اپنے زیر اثر کرلون۔ یہ کہکر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا اور پوچھنے لگا کہ یہ تو بتلائیے کہ اگر ہم سب آپ کا ساتھ دین اور آپ اپنے تمام مخالفین پر غالب آجائین تو کیا آپ کے بعد آپ کی ریاست ہمکو مل سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ خدا کی بات ہے اور خدا ہی کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو دے سکتا ہے اوس نے کہا۔ واہ واہ آج تو ہم اپنے سینے تیراندازان عرب کے سامنے ہدف بنائین اور حکومت دوسرے لے اوڑین۔ ہمین غرض نہین۔

قبیلہ کندہ مین تشریف لیگئے سردار قبیلہ کا نام ملیح تھا۔ موعظت فرمائی لیکن کسی کو بھی قبول اسلام کی توفیق نہوئی۔

قبیلہ بنی عبدالدار مین پہونچے تو ارشاد کیا کہ تمہارے جد اعلی کا نام عبداللہ تھا۔ تم لوگ بھی اسم بامسمیٰ ہوجاؤ تو تمہارے دین و دنیا کے لئے بہتر ہوگا لیکن کوئی بھی تیار نہین ہوا۔

قبیلہ بنو حنیفہ کی کیفیت اوپر بیان ہوچکی ہے۔ تمام ارباب تاریخ و حدیث کا اسپر اتفاق ہے کہ ان تمام قبائل مین سب سے بدتر طریق پر اسی قبیلہ نے آپ کا انکار کیا۔ مگر سبحان اللہ۔ اس خلق مجسم نے سوائے کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے دوسرا کوئی کلمہ زبان مبارک سے نہ نکالا۔

اگرچہ ان تمام قبائل مین تبلیغ اسلام کی متواتر کوشش فرمائی گئی اور ہر فرد واحد کو دین الٰہی کی بشارت پہونچائی گئی۔ لیکن بظاہر کہین بھی کامیابی نہ ہوئی اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ان تمام قبیلون کے دورے مین بدبخت ابولہب ساتھ ساتھ ہوتا تھا اور ہر دربار و ہر مجمع مین اور ہر موقع پر آپ کی تقریر کی تردید کرتا جاتا تھا۔ اور اوسکے مغویانہ بیان کے مطابق جاہل اہل قبائل اوسی کی سنتے تھے اور مانتے تھے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد و ہدایت کو ذرا خیال مین نہ لاتے تھے اس لئے کفار قریش کو یہ چاہتا تھا کہ وہ ان حالتون کو دیکھکر مخالفت اسلام کی طرف سے خموش رہجانے اور سمجھ لیتے کہ ابولہب کی مفسدہ انگیزیون سے اسلام کا دائرہ تبلیغ روز بروز تنگ ہوتا جاتا ہے اور بیرونجات مین ایکقدم بھی آگے نہین بڑھتا

طائف سے واپسی پر رسول اللہ کی مصیبتین

کفار قریش ایسے کب تھے کہ پیغمبر اسلام کی طرف سے ایک دم کے لئے بھی خموش رہتے۔ ہم اوپر بیان کرچکے ہین کہ مطعم بن عدی کی ضمانت و حمایت مین طائف سے لوٹ کر آپ مکہ مین داخل ہوئے تھے۔ ورنہ کسی شخص خاص کی حمایت و ضمانت بغیر آپ مکہ میں اپنے داخلہ کو پرخطر سمجھتے تھے قریش کی مخالفت اس حد تک

پہونچی ہوئی تھی۔ اونکی اس دلیری اور جرأت کا باعث صرف ابوطالب کے ایسے حامی اور مربی کا رسول اللہ صلعم کے سر سے اوٹھ جانا تھا۔ شبلی صاحب نے تفصیل سے اسوقت کے حالات کو لکھا ہے۔ ہم اونھیں کی نقل عبارت پر اکتفا کرتے ہیں۔

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اسقدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں سوء اتفاق سے جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے وہ ابوجہل۔ ابولہب۔ اسود بن عبد یغوث ولید بن مغیرہ۔ امیہ بن خلف۔ نبیہ بن الحجاج عقبہ ابن معیط حکم بن ابی العاص تھے اور یہی سب سے بڑھکر آپ کی دشمن تھے۔ (ابن سعد طبقات ج ۱ ص ۱۳۴) یہ لوگ آپ کی راہ میں کانٹے بچھاتے تھے نماز پڑھتے وقت ہنسی اوڑاتے۔ سجدے میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈالدیتے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں دھیاں پڑجاتیں آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوی نبوت کو سنکر مجنوں کہتے باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے (مسند امام احمد حنبل ج ۱ ص ۳۰۳) نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن قرآن کے بھیجنے والے (خدا) اور قرآن کے لانے والے رسول کو گالیاں دیتے (بخاری تفسیر ص ۶۸۶)

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اسوقت کوئی جاتا۔ اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اوٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سجدے میں جاتے تو اونکی گردن پر ڈالدیتا عقبہ ابن معیط نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈالدی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے کسی نے جاکر حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اوسوقت پانچ چھہ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں۔ اور اوجھ کو ہٹاکر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں۔ بخاری باب الطہارت وصحیح مسلم در زرقانی جلد اول ص ۲۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہیں کسی مجمع میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تھے تو ابولہب آپ کے ساتھ رہتا تھا اور برابر کہتا جاتا تھا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایکدفعہ جب میں اسلام نہیں لایا تھا کہ آنحضرت صلعم بازار ذوالمجاز میں گئے اور مجمع میں گھسکر لوگوں سے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اسکے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگ لات وعزی کی پرستش چھوڑ دو (مسند امام احمد حنبل جلد ۴ ص ۶۳)

طائف میں کفار نے آپ کو جو اذیتیں پہونچائیں اونکا بیان آگے آئیگا۔

ایکدفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھتے تھے عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا۔ اور کہا ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے [1]

---

[1] افسوس ہے شبلی صاحب نے ایک ایک کرکے قریش کے تمام چھوٹے بڑے مظالم کو بیان کردیا مگر مشرکین کی جماعت کا وہ بار بار ساکر دار کو داخل نہیں لکھا جسکی پوری تفصیل قرآن مجید آیہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَہْزِءِیْنَ کی تفسیر میں اور سورہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی شان نزول میں نہایت وضاحت کے ساتھ مرقوم ہے۔ اگر آپ نے کسی عمدا حق پر مروع القلم فرمادیا تو ہم معمولاً آپ کی کمی کو پورا کئے دیتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بچے خصوصاً اولاد ذکور کسی میں سب کے سب جان بحق تسلیم ہوگئے اور کوئی اولاد نرینہ باقی نہ رہی تو کفار جو ہر وقت ہر قسم کی عیب جوئی کیا کرتے تھے۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے اونکے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔ ابوجہل۔ ابولہب۔ اسود بن عبد یغوث۔ حارث بن قیس بن عدی۔ ولید بن مغیرہ۔ امیہ۔ ابی بن خلف۔ ابو قیس بن فاکہ بن المغیرہ۔ عاص بن وائل۔ نضر بن حارث۔ منبہ بن الحجاج۔ زہیر بن ابی امیہ۔ سائب بن صیفی۔ اسود بن الاسد۔ عاص بن سعید ابن العاص۔ عاص بن ہاشم۔ عقبہ بن معیط ابن الاسدی ہذلی حکم ابن العاص اور عدی بن حمرا۔ یہ سب کے سب آنحضرت صلعم کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے۔

مصائب پر رسول اللہ صلعم کا صبر یہ جو کچھ ہوا۔ نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اجنبی صدائیں رغبت سے سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شایستگی کا معلم اول ہے تاہم اسکے حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کو دار و رسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کیا؟ سقراط پیالہ پیکر فنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا حضرت عیسی علیہ السلام تیس چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاری سولی پر چڑھ گئے لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔

خباب بن الارث نے قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ انکے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا فرمایا گیا تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہیں جنکے سر پر آرے چلائے جاتے تھے اور چیرڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہانتک کہ شتر سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کریگا۔ اور اوسکو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہو گا۔ کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی؟ سیرۃ النبی جلد اول ضرور پوری ہوئی۔ اور پوری حقیقت اور واقعیت کے ساتھ پوری ہوئی۔ دنیا اور اہل دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے زمانہ حیات ہی میں نبی عربی صلعم نے اس بشارت ایزدی کو کامل کر دکھلایا۔ زبان رسالت اس پیشینگوئی کے متعلق اور وما ینطق الا وحی کے مطابق بالکل ترجمان قدرت ثابت ہو گئی۔ اب بھی مخالفین تعصب و نفسانیت سے تصدیق اسلام و بانی اسلام علیہ السلام کی نسبت عذر و کلام کریں تو انکار بدیہیات کے سوا اور کیا کہا جاوے۔ اور بدیہیات سے انکار کرنیوالا حیوان لایعقل سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ دیکھو اور جس میں عاص بن وائل اور عقبہ ابن معیط الاموی اور ابوسفیان بن حرب کے نام خصوصیت کے ساتھ بتلائے جاتے ہیں۔ اس امر خاص کے لئے آپ کو ابتر کہنے لگے کیونکہ محاورہ عرب میں لاولد کو تعریضاً ابتر کہا کرتے تھے۔ انکی تعریض کو سنکر آنحضرت صلعم بیحد محزون و ملول خاطر ہوئے۔ خدا نے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ کی بشارت پہونچائی اور حقیقت کی دائمی مثال دکھلائی کہ آج روئے زمین پر پیغمبر صلعم کی اولاد اور اونکے نام لیوا بیحد و بیشمار ہیں اور بنو امیہ و بنو سہم کی کوئی یادگار باقی نہیں اور اگر کوئی ہو بھی تو شرم و عار سے اقرار پر تیار نہو گا۔ المولف عفی عنہ

شبلی صاحب نے ایسے اس سوال کے جواب میں کہ انبیاء و مرسلین سابقین کے مقابلہ مین سرور عالم نے کیا کیا؟ صرف حضرت نوح ؑ اور جناب عیسیٰ ؑ کے استقلال کی مثال دکھلائی ہے۔ حالانکہ مدعائے بحث سے انکے حالات کو مناسبت نہین کیونکہ مدعا و سلسلہ بیان تو ایسی مثال چاہتا ہے کہ رنج و ایذا ظلم و جفا کے مقابلہ مین سوائے صبر و رضا کے شکوہ و بددعا نہ کی جائے۔ حالانکہ حضرت نوح ؑ نے اپنی اُمت کے مظالم سے تنگ آکر بددعا کی قرآن مجید مین اوسکے یہ الفاظ ہین۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا

اور نوح نے (اونکی حق مین) بددعا کی کہ (اے میرے) پروردگار (اس) کافروں مین سے کسی شخص کو بھی (زمین) پر چھوڑ کر رہنے بستا نظر آئے کیونکہ تو اگر انھیں رہنے دیگا تو تیرے بندوں کو گمراہ کرینگے اور ان سے جو نسل چلے گی وہ بھی بدکار اور کٹے کافر ہی ہوں گے۔

اب دیکھئے ظالمین اُمت کے ان مظالم سے تنگ آکر ایسے موقعون پر ہمارے سرور عالم روحنا لہ الفدا نے کیا ارشاد فرمایا ہے طائف مین جو آپ پر ظلم و ستم کئے گئے اور جیسے اور جتنے مصائب اوٹھائے گئے وہ اعظم ترین مصائب ہین۔ انسان کیلئے بالکل ناقابل برداشت لیکن ان ظالمین کی ستمگاریون اور کیفر کرداریون کے جواب مین کہا تو یہ کہ مین ان لوگون کی تباہی و بربادی کے لئے کیوں بددعا کرون۔ صرف اس لئے کہ ہمارے کہنے سے یہ ایمان نہین لائے۔ اگر یہ ایمان نہین لائے تو کیا ہوا۔ یقین ہے کہ انکی آئندہ نسلیں ضرور خدائے واحد پر ایمان لانے والی ہونگی۔ صحیح مسلم باسناد حضرت عائشہ جلد پنجم ۵

حضرت نوح ؑ کو اپنی اُمت ناشنوا کی آئندہ نسلین مین لڑکا فر ہی کافر ہونیکا اندیشہ ہے بخلاف انکے سید المرسلین خاتم النبیین کو مشرکین قریش کے اعقاب و اسلاف کے موحدین نکلنے پر یقین کامل ہے اسی لئے حضرت نوح ؑ ہاتھ اوٹھا کر بددعا کرتے ہین اور جناب محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سر جھکا کر صبر فرماتے ہین۔ اسی سے ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ حضرت نوح کا صبر و استقلال تسلیم و قلب اور سکینۂ الٰہی بڑھا ہوا تھا یا ہمارے سرور عالم کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی ناقص ہے۔ صلیب پر چڑھتے چڑھتے جناب عیسیٰ بن مریم ؑ کے لبہائے معجز نما سے یہ فقرے نکل ہی پڑے ایلی ایلی لما سبقتنی میرے خدا تو نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ یہ فقرات آج تک انجیل کے تمام مطبوعہ اور مرقومہ نسخون مین مرقوم ہین۔ لیکن ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی لڑائی مین سخت مجروح ہو کر دندان مبارک کے ٹوٹ جانے اور بیحد خون بہ جانے کی وجہ سے ایک گڈھے مین گر کر بھی ظالمین قریش کے ان مظالم و شدائد کا کوئی شکوہ یا گلہ نہین کیا۔ صرف کہا تو یہ رَبِّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ پروردگار میری قوم کو ہدایت فرما کہ وہ نہیں جانتے ہین۔

مرقومۂ بالا حضرت عیسیٰ کے فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اون کے پائے استقلال بھی جنبش مین آگئے لیکن رسول عربی صلعم کے استقرار و ثبات مین سرمو کمی نہین آئی۔ دعا کی بددعا نہ کی۔ جو کلمات ارشاد فرمائے وہ ہدایت کئے جانے کے فقرات دعائیہ ہی ثابت ہوتے ہین۔

شبلی صاحب نے غور نہین کیا۔ اور نہ تفحص حالات فرمایا۔ نوح اور عیسیٰ علیہما السلام ہی موقوف نہین۔ انبیائے سابقین

علیہم السلام کے مقدس دائرے میں حملہ حضرات کو قریب قریب ایسے ہی غلطی میں آئے ہیں اور ان بزرگواروں نے محض شریت کے تقاضے سے مختلف موقعوں پر اس طرح لہجائے شکایت کھولے ہیں لیکن سرور عالم نے ان امور میں ہمیشہ سے احتیاط ملحوظ رکھی اور سخت سے سخت مصیبتوں کے وقت میں بھی سوائے صبر و سکوت کے حرف شکایت زبان مبارک سے نہ نکالے اور آپ کے اس حلم و وقار، صبر و استقرار نے آپ کے خُلق مجسم اور رحمت عالم ہونے کی پوری شان دکھلادی۔

مدینہ منوّرہ اور قبائل انصار

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

خدا ہی اپنی رسالت کی جائے ودیعت کا بہتر جاننے والا ہے

شجرہ طیبہ رسالت کی نشوونما تو ریگستان مکہ سے ہوئی لیکن تیرہ برسوں کے بعد یہ نخل مقدس نخلستان مدینہ منورہ میں منتقل ہو کر بار آور ہوا۔ وادی فاران انوار رسالت کی تجلی گاہ تو ضرور تھا۔ مگر اوسکی جلوہ فرمائی کا ابدی مرکز یثرب کی خاک پاک تھی۔ توحید کی تعلیم مکہ سے ضرور آغاز ہوئی۔ مگر تیرہ برسوں کی شبانہ روز کوششوں کے بعد مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت سے زیادہ تیار نہ ہو سکی اسلام کی دعوت پر عام صدائے لبیک اہل یثرب ہی کی خوش قسمتی کے ساتھ مخصوص تھی۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا جو عمالقہ میں یثرب نامی رئیس القبیلہ نے اس شہر کو اپنے نام سے آباد کیا تھا جیسا کہ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے وقت سے اس کا نام مدینۃ النبیؐ ہو گیا اور فی الحال کثرت استعمال سے مدینہ ہو کر رہ گیا۔ جلد اول میں بیان ہو چکا ہے کہ بخت نصر کے وقت میں بیت المقدس کی تباہی و بربادی کے وقت قوم یہود پریشان و سرگشتہ ہو کر دور دراز اقطاع عالم میں جا کر پناہ گزیں ہوئی انھیں ایام میں یہودیوں کے اکثر قبائل اسطرف آکر آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ انکی نسلوں نے اس تمام علاقے کو اپنے زیر اثر کر لیا اور وہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں کی حکومت بھی حاصل کر لی انھوں نے اپنے زور و اقتدار سے قرب و جوار میں اپنے چھوٹے چھوٹے قلعہ بھی بنا لیے۔ انکی امارت و اقتدار کا اثر حوالی یثرب سے بڑھکر وادی القریٰ، تیما اور ارض خیبر تک پھیل گیا۔

انصار کی تحقیق خاص میں شبلی صاحب رقمطراز ہیں:۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے اور قحطان (جرہم اولیٰ) کی اولاد سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے۔ اوس اور خزرج۔ تمام انصار انھیں دو خاندان سے ہیں۔ یہ خاندان جب یثرب میں آیا۔ تو یہود یہاں اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے تمام مضافات اونکے قبضہ میں تھے۔ اور دولت و مال سے مالا مال تھے چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اسلئے دور دور تک بستیاں بسائی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک الگ رہے۔ لیکن انکا زور واثر دیکھکر بالآخر ان کے حلیف بن گئے ایک مدت تک یہ حالت قائم

رہی۔ لیکن اب انصار کا خاندان بھی پھیلتا جاتا تھا۔ اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اوسنے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جاوے پہلے اسکے شبستان عیش میں آوے۔ یہود نے اسکو گوارا کر لیا تھا لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو اونھون نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک ابن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک ابن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گذری مالک کو غیرت آئی اور اوٹھکر گھر مین آیا۔ اور بہن کو سخت ملامت کی اوس نے کہا ہاں لیکن کل جو ہوگا اس سے بھی بڑھکر ہے دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دولھن بنکر فطیون کی خلوت گاہ مین گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہنکر سہیلیون کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہان غسانیون کی حکومت تھی اور جبلہ حکمران تھا اس نے یہ حالات سُنے تو ایک فوج گران لیکر آیا اور اوس و خزرج کے روسا کو بلوا کر اونکو خلعت اور صلے دیے۔ پھر روسا یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دہوکے سے قتل کرا دیا یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سر سے قوت حاصل کی۔

انصار و یہودی۔

انصار نے مدینہ اور حوالے مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے مطابق خانہ جنگیان شروع ہوگئین۔ اور سخت خونریز لڑائیان ہوئیں سب سے آخر لڑائی مین جس کو بعاث کہتے ہیں اس زور سے معرکہ پڑا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑلڑکر مر گئے انصار اب اسقدر ضعیف ہوگئے کہ انھون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہمکو حلیف بنا لیجئے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔ انصار گو بت پرست تھے۔ تاہم یہود سے میل جول تھا اس لئے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے یہود سے گو انصار ایک گونہ رقابت رکھتے تھے۔ لیکن اونکے فضل و کمال علمی کے معترف تھے۔

یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قایم کئے تھے جنکو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ مین بھی یہی نام مذکور ہین) ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی اس سے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا یہان تک کہ انصار مین جسکی اولاد نہین رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہیگا تو یہودی بنایا جائیگا۔ یہودی عموماً یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنیوالا ہے۔ اس بنا پر سب سے پہلا شخص جو اسلام سے مشرف ہوا۔ قبیلہ انصار مین سوید بن صامت نامی ایک شخص بہت بڑا شاعر اور شجاع و دلیر مشہور تھا علمی فضل و کمال مین اپنی شہرت رکھتا تھا کہ اپنے قوم و قبیلہ مین ہمیشہ کامل کے لقب سے خاص طور پر پکارا جاتا تھا۔ شبلی صاحب کہتے ہین کہ اوسکو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جسکو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایکدفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوسکے حالات سُنے تو خود اوس کے پاس تشریف لیگئے اوس نے امثال لقمان پڑھکر سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے یہ کہکر قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین۔ سوید نے تحسین کی اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

کہا شبلی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے اور فی الواقع کہ سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ قرائن اور واقعات بالاتفاق ثابت کرتے ہیں کہ انصار کے وسیع دائرے میں اسلام کی تحریک سوید سے آغاز ہوئی۔ سوید کے بعد کسی قبیلہ میں ایک دوسرا سعید پیدا ہوا جس کا نام ایاس بن معاذ ہے یہ بزرگ گویا تحریک اسلام کے مؤید ثانی تھے۔

عقبۂ اولیٰ میں انصار مدینہ کی بیعت

ایاس کے حالات میں شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ اوس و خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو ادس کے عائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں انکو حلیف بنائیں۔ اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی داخل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپ انکے پاس تشریف لیگئے[۱] اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں۔ ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم تم جس غرض سے آئے ہو۔ یہ کام اوس سے بہتر ہے۔ لیکن قافلہ سالار یعنی ابو الحیشر نے کنکریاں اوٹھا کر انکے مونہہ پر ماریں اور کہا کہ ہم اس کام کے لئے یہیں آئے ہیں۔ اسکے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت انکی زبان سے تکبیر جاری تھی۔

شبلی صاحب نے اپنی عجلت رقمی اور کوتہ قلمی کے اصول پر ایاس کی تعلیم اسلام کے متعلق صرف ترتیل قرآن بتلائی ہے یعنی جب آنحضرت صلعم نے اس موقع پر قریش کی جماعت کے سامنے جس میں ایاس بھی شامل تھا صرف قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں اور یہی ایاس بن معاذ کی ہدایت کے لئے کافی ہو گئیں، حالانکہ تاریخ طبری کی عبارت جو آپ کا ماخذ اصلی ہے وہ صاف صاف لفظوں میں بتلا رہی ہے کہ اصول اسلام کے پورے عقائد ایاس اور انصار کی جماعت کے سامنے پیش کئے گئے تھے اور ان کی طرف دعوت فرمائی گئی تھی طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

قال انا رسول اللہ صلعم بعثنی الی العباد ادعوھم الی اللہ ان یعبدوا اللہ ولا یشرکوا بہ شیئا وانزل علی الکتاب ثم ذکر لھم الاسلام وتلا علیھم القرآن ص ۱۲۰۹	جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ معاشر انصار آگاہ ہو۔ میں خدا کا رسول ہوں اور بندگان الٰہی کی طرف اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ بندگان خدا کو خدائے یکتا کی طرف بلاؤں۔ خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اوسکا شریک نہ بناؤ۔ اور مجھپر کتاب نازل فرمائی گئی ہے

پھر آپ نے اصول اسلام بتلائے اور قرآن مجید پڑھکر سنایا۔ ص ۹ ۱۲

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ تشریف لیجانا کیا تھا۔ جوف کفار و ایذائے مشرکین کے خیال و لحاظ سے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ رات کی عین تاریکی میں جب شہر میں چاروں طرف سناٹا ہو گیا اور اندرونی و بیرونی آدمیوں کی آمد و رفت موقوف ہو گئی تو آپ شہر سے باہر نکلے اور قبائل انصار ساکنین مدینہ سے ان کی قیام گاہ پر ملے اور اونکو پہاڑ کی ایک گھاٹی میں لے گئے اور وہاں تبلیغ اسلام کی تحریک پیش کی اس لئے اس بیعت کا نام بیعت عقبہ رکھا گیا۔ عربی میں عقبہ پہاڑ کی گھاٹی کو کہتے ہیں۔

المؤلف عفی عنہ

اسی طرح انصار مدینہ کے اس اول سلم کے حالات کو بھی آپ نے قطع و برید کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار پسندی کے اصول پر صرف اتنا لکھ دیا ہے کہ مرتے وقت ابو ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔ حالانکہ آپ کا اصلی ماخذ بتلا رہا ہے کہ صرف تکبیر (اللہ اکبر) ہی نہیں بلکہ تہلیل (لا الٰہ الا اللہ و محمد رسول اللہ) اور تسبیح (سبحان اللہ) اور تحمید (الحمد للہ) کی صاف صدائیں جاری تھیں طبری ص ۱۲۰۹ مطبوعہ جرمن۔

صداقت تبلیغ کے طریقہ ادا کاری میں بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایام حج میں مختلف قبائل و عشائر کے پاس جا کر قبول اسلام کی ہدایت فرماتے تھے۔ اور شرک و بت پرستی سے بچنے اور خدائے واحد کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اسال یعنی رجب سنہ ۱۱ نبوی میں آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد عقبہ واقع ہے۔ جناب رسولخدا صلعم کو چند اشخاص نظر آئے۔ جو قبیلہ خزرج سے تھے۔ آپ نے اون سے پہلے ادنکے نام و نسب دریافت کئے پھر اونھیں دعوت اسلام دی۔ اصول ایمان بتلائے۔ اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھکر سنائیں اون سعادتمندوں پر الفاظ ربانی نے ایسے روحانی اثر دکھلائے کہ بے خود ہو کر ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور شوق اسلام کے تقاضہ سے کہنے لگے کہ دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مفاخرت و سرفرازی میں قبائل یہود تم پر سبقت لیجائیں۔ یہ کہکر حاضرین انصار نے یکوقت و بیکبار اسلام قبول کیا

مولوی شبلی صاحب نے خواہ مخواہ بیان ہی مختصر نویسی سے کام لیا۔ حالانکہ یہ مقامات خاص تفصیل کے ہیں۔ ہر مقام پر قرآن مجید اور ارشاد رسالت کے روحانی جذبات کو کسی قبیلہ کی قبولیت اسلام کے ثبوت میں پیش کر دینا کام نہیں آتا خصوصاً مخالفین اسلام کے لئے دلیل و حجت نہیں ہوتا۔ تحقیق کا متلاشی قبیلہ خزرج کی ان سعادتمندوں کے اتنے جلد ایمان لانیکے اسباب و حقیقت ضرور تلاش کریگا۔ اور آپ سے وجہ و اسباب دریافت کریگا۔ آپ کچھ نہیں جانتے اور نہ بتلاتے ہیں کیا جواب دیں گے۔ حالانکہ آپ کے ماخذ اصلی میں صاف صاف موجود ہے۔ لیکن آپ کی خود غرضانہ کوتہ قلمی اور عجلت رقمی سب کو الفاظ کئے جاتی ہے۔ اور صاف صاف بتلاتی ہے کہ انصار کی خصوصیات آپ کے نزدیک قابل ذکر نہیں۔ مہاجرین البتہ اونمیں بھی مخصوصین حضرات کے حالات قابل اندراج ہیں جنکی تفصیل و بیان میں آپ نے پوری توجہ اور وسعت نظری سے کام لیا ہے۔ جب یہ انداز تالیف اور شان تصنیف ہے تو آپ سے ماخذ اصلی کے صحیح نقل و ترجمہ کی کیا امید کیجا سکتی ہے

بہرحال۔ اب ہم تاریخ طبری کی اصلی عبارت سے اسواقعہ کی پوری حقیقت ذیل میں لکھکر بتلا دیتے ہیں کہ ان سواد تمندان انصار نے کیوں اتنی عجلت کے ساتھ اسلام سے سرفرازی حاصل کی۔ طبری کے تفصیلی الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قالوا لما لقیھم رسول اللہ صلعم قال لھم من انتم قالوا نفر من الخزرج قال امن موالی الیھود قالوا بلی قال افلا تجلسوا معہ فدعاھم الی اللہ عز و جل	جب خزرج کے ان لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی تو پوچھا کہ آپ کون حضرات ہیں وہ بولے ہم قبیلہ خزرج کے آدمی ہیں دریافت فرمایا کہ آپ لوگ قوم یہود کے تابع اور زیر اثر ہیں جواب ملا

وعرض عليهم الاسلام وتلا عليهم القرآن قال وكان مما صنع الله لهم به في الاسلام ان يهود كانوا معهم ببلادهم وكانوا اهل كتاب وعلم وكانوا اهل شرك واصحاب اوثان وكانوا قد عزوهم ببلادهم فكانوا اذا كان بينهم شيء قالوا لهم ان نبيا الآن مبعوث قد اظل زمانه نتبعه ونقتلكم معه قتل عاد وارم فلما كلم رسول الله اولئك النفر ودعاهم الى الله قال بعضهم لبعض تعلمن والله انه النبي الذي توعدكم به يهود فلا يسبقنكم اليه فاجابوه فيما دعاهم اليه بان صدقوه وقبلوا منه ما عرض عليهم من الاسلام وقالوا له انا قد تركنا قومنا ولا قوم بينهم من العداوة والشر ما بينهم وعسى الله ان يجمعهم بك وسنقدم عليهم فندعوهم الى امرك ونعرض عليهم الذي اجبناك اليه من هذا الدين فان يجمعهم الله عليه فلا رجل اعز منك طبری ص ۱۲۱

ہاں - ارشاد ہوا کہ اچھا آپ لوگ تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جائیں مجھکو آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں - وہ لوگ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلعم نے اونکو خدائے عزوجل کیطرف بلایا اور دین اسلام بتلایا اور قرآن مجید تلاوت فرمایا اور آپ کے اس طرز عمل سے اونکے دلوں میں پورا اثر ہوا کیونکہ یہود جو اونکے ساتھ اونکے شہر میں بستے تھے وہ اہل کتاب بھی تھے اور صاحب علم و ادراک بھی اور انصار اوسوقت تک مشرک تھے اور بت پرست - اور اس بنا پر انصار شہر کے یہودیوں کی بڑی عزت کرتے تھے - اور یہود اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنیوالا ہے اور اوسکے ظہور کا زمانہ قریب ہے لوگ اوسکی متابعت کرینگے اور تملوگونکو مثل قوم عاد و ارم کے غارت و قتل کرینگے - اتنا علم تو اونہیں پہلے ہی سے تھا اب اسوقت جب آنحضرت صلعم سے گفتگو ہوئی اور دین خدا کی دعوت دیگئی تو قبولیت کے اثر سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا اور کہنے لگا خدا کی قسم یقین کرلو کہ یہ پیغمبر وہی ہے جس کا ذکر و وعدہ یہود تم سے کر چکے ہیں کہیں ایسا ہو کہ اس امر میں وہ تم سے سبقت لیجائیں - پھر یکزبان ہوکر سب نے آنحضرت صلعم کی دعوت قبول کی اور جو جو امور متعلق دین اسلام بتلائے گئے وہ سب منظور کرلئے - اور آپ کے سامنے سب نے متفق اللفظ ہوکر اقرار کیا کہ ہم لوگوں نے اسوقت سے اپنے شعار قومی کو ترک کیا - اور آج سے کبھی شر و فساد کی طرف سبقت نہ کرینگے اور خدائے تعالیٰ آپ کی برکت سے ہم لوگوں میں باہمی اتفاق پیدا کردے اور جب ہم یہاں سے اپنی قوم کے پاس لوٹکر جائیں گے تو آپ کے احکام و ارشاد کی طرف اپنے ہمقوم لوگوں کو دعوت دینگے اور وہ تمام اصول اسلام جو آپ نے ہمیں تعلیم دیئے ہیں اور ہم نے قبول کرلیے ہیں اونھیں بتلائیں گے یہاں تک کہ خدائے تبارک و تعالیٰ اون لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق دے اور وہ اسے قبول کرلیں اور آپ یقین کرلیں کہ اب ہم لوگوں کے نزدیک کوئی شخص آپ سے زیادہ معزز نہیں ہے -

اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی خبر اور آپ کے اوصاف کی اطلاع قبیلہ انصار کو یہود کے ذریعہ سے معلوم ہوچکی تھی اور یہی وجہ خاص اور سبب اصلی تھا کہ اونھوں نے آپ کی زبان مبارک سے ہدایت و ارشاد کے الفاظ سنکر اور یہود کے بیان کردہ صفات کے بالکل مطابق پاکر بیساختہ کہدیا انه النبي الذي توعدكم به يهود تو وہی نبی ہے جس کا وعدہ یہود تم سے کرچکے ہیں - ہم نے طبری کی پوری عبارت بھی لکھدی اور اوس کا ترجمہ بھی صرف اس لئے کہ اسکے نہ لکھنے سے

جو اسہام شبلی صاحب کے بیان میں رہ گیا ہے اور جو آگے چلکر بہت سے اوہام و مفاسد کا باعث ہوتا صاف ہو جائے۔

یہ سعادتمندان انصار شمار میں چھ تھے اور قوم خزرج کے قبیلہ بنی نجار سے تھے شبلی صاحب نے اونکے نام حسب ذیل بتلائے ہیں۔

(۱) ابو الهیثم بن تیہان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حرث (۴) رافع بن مالک بن عجلان (اسوقت تک جتنا قرآن اوترچکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کو عنایت فرمایا۔ یہ بزرگ جنگ احد میں شہید ہوئے)

(۵) قطبہ بن عامر (جنگ یمامہ بزمانہ خلافت شہید ہوئے) جابر بن عبداللہ (۶) بہت کثیر السن ہوئے، احادیث کثیرہ کے راوی ہیں واقعہ کربلا کے بعد تک زندہ رہے) اور قبر مطہر حضرت امام حسین علیہ السلام کے اول زائر ہیں)

یہ خوش قسمت انصار دولت ایمان سے مشرف ہوکر جب مدینہ میں واپس گئے تو اونھوں نے اہل وطن کے سامنے سب سے گرانمایہ تحفہ اور بیش بہا ہدیہ پیش کیا وہ دین اسلام کی دعوت تھی اونھوں نے اس تحریک کو اس انداز سے آغاز کیا جس انداز سے وہ علمائے یہود کی زبانی سن چکے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ پھر آنحضرت صلعم سے مشرف ہوئے اور دین اسلام کو قبول کر لینے کے سارے واقعات سنانے کے بعد کہنے لگے کہ وہ شئی جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آگیا ہماری آنکھوں نے اوس کا دیدار دیکھا اور ہمارے کانوں نے اوسکے پاک کلام سنے اور اوس نے ہمکو ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا۔ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے بالکل ہیچ ہے۔ اسلام کے ان مبلغین اولیں کی بشارت کا یہ اثر ہوا کہ تھوڑے دنوں کے بعد قوم انصار کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوٹا جسمیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ اوسی سال کے آخر میں یہ نتیجہ نکلا کہ قوم انصار کے بارہ بزرگوار مکہ میں آکر مشرف باسلام ہوئے تفصیل حسب ذیل ہے۔

عقبہ ثانی کی بیعت

(سنہ ۱۲ سال نبوت)

سنہ ۱۲ سال نبوت کے ایام حج میں مفصلہ ذیل قوم انصار کے بزرگوار مکہ میں آئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر سعادت اسلام اور دولت ایمان سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اونکے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) ابو امامہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) طبقہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) معاذ بن حرث (۷) ذکوان بن عبد قیس (۸) خالد بن مخلد (۹) عبادہ بن صامت (۱۰) عباس بن عبادہ (۱۱) ابو الهیثم (۱۲) عویم بن ساعدہ

حسب ذیل شرائط و اصول اسلام کے مطابق یہ حضرات جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کے دست حق پرست پر شرفیاب بیعت ہوئے۔

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کرینگے اور اوسکی ذات واحد میں کسی کو اوسکا شریک نہ بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا نہیں کرینگے۔
(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کرینگے۔
(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائینگے اور نہ کسی کی چغلی اور غیبت کیا کرینگے۔
(۵) ہم کسی امر معروف میں معصیت نہیں کرینگے۔
(۶) ہم ہمیشہ احکام رسالت کی تصدیق کیا کرینگے اور ہمیشہ مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔
جب ان لوگوں نے حضرت رسالت میں خلوص نیت و عقیدت شرائط مالا یرعہد و پیمان شرعیہ کرلیے تو اون سے بطور موعظت ارشاد فرمایا گیا۔

فان وفیتم فلکم الجنۃ وان غشیتم شیئا من ذلک فاخذتم بحدہ فی الدنیا فھو کفارۃ لہ وان سترتم علیہ الی یوم القیامۃ فامرکم الی اللہ ان شاء عذبکم وان شاء غفرلکم

اگر تم لوگوں نے ان شرائط کو پورا کیا۔ تو تم جنت بریں کے مستحق ہوگے اور اگر ان میں سے کسی چیز کی بھی فروگذاشت کی تو قابل مواخذہ ہوگے اور اوسکے لئے دنیا میں تم پر حدود شرعیہ جاری ہونگے۔ اور وہ کفارہ ہیں۔ اور اگر تم نے اپنے گناہوں کو چھپائے رکھا تو پھر قیامت تک تم پر اسکا مواخذہ باقی رہ جائیگا۔ اور پھر خدائے تبارک و تعالیٰ کو اختیار ہوگا چاہے وہ تم پر عذاب کرے چاہے بخشدے۔

مصعب ابن عمیر کی تبلیغی خدمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے خلوص و عقیدت سے مدینہ میں تبلیغ اسلام کی وسعت اور کامیابی کا پورا یقین کرلیا۔ اور اون عقیدتمندوں نے اپنے اور اپنی باقیماندہ قوم و قبائل کی تعلیم و ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلعم کی خدمت میں یہ استدعا پیش کی کہ کوئی مبلغ اور معلم اسلام اونکے ہمراہ کردیا جائے۔ اس بنا پر آپ نے مصعب بن عمیر کو جو ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور سابقین اسلام کے ممتازین میں داخل تھے۔ احکام اسلام سکھلانے اور اصول دین بتلانے کی غرض سے اونکے ساتھ بھیجدیا۔

ابتداءً مصعب بن عمیر بہت خوشحال تھے اور نہایت آرام پسند۔ مکہ میں انکی سواری جلوس کے ساتھ نکلا کرتی تھی۔ یہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور آگے پیچھے مسلح غلاموں کے دستے رہا کرتے تھے۔ جسم پر ہمیشہ بیش قیمت لباس ہوتا تھا معمولی لباس میں کسی نے انکو کبھی نہ دیکھا۔ لیکن جب اسلام سے مشرف ہوئے تو ان تمام ظاہری اور فانی نمائشات کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ پھر تو انکی یہ حالت ہوگئی کہ جب مدینہ میں خدمت تبلیغ پر مامور ہوکر آئے تو تمام گلیوں کوچوں میں صرف ایک کمبل کا ٹکڑا کمر سے لپیٹے اور دوسرا ٹکڑا کاندھے پر ڈالے دین حق کی منادی کیا کرتے تھے۔ اسلام میں اصلی تاجدار اور حقیقی مجاہد کی یہی شان ہے۔

مصعب مدینہ میں تبلیغ اسلام کی منصب پر مقرر ہوکر آئے تو اسعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے۔ اہل مدینہ نے بڑے اعزاز و اکرام سے انکو اپنا مہمان کیا۔ اور ہر شخص خلوص اسلام کے تقاضہ سے انکی خدمت کو اپنا شرف یقین کرنے لگا۔ مصعب نے جس مستعدی اور سرگرمی سے تبلیغ اسلام اور تعلیم ایمان کے فرائض خاص مدینہ اور اوسکے قرب و جوار میں ادا کئے وہ اپنی آپ مثال

ثابت ہوتے ہیں۔ انکی تعلیم اتنے وسیع پیمانے پر مشہور ہوئی کہ مدینہ کے تمام لوگ انکو **المقری** (معلم) کے لقب سے پکارنے لگے تاریخ ابن ہشام اور طبری میں انکی خدمات تبلیغ کی نسبت لکھا ہے۔

ایک دن مصعب اور اسعد بن زرارہ۔ مدینہ کے مشہور و معروف کنوئیں بیر مرق پر بیٹھے ہوئے یہ غور کر رہے تھے کہ بنی ظفر اور بنی عبد الاشہل کو دائرہ اسلام میں لانے کی کیا ترکیب کی جاوے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ دونوں ابھی تک مشرف با سلام نہیں ہوئے تھے اور جب تک یہ دونوں شرفیاب اسلام نہ ہولیں انکی ماتحتی اور زیر اثر قبائل کا اسلام لانا دشوار تھا۔ انکے اس مشورے اور باہمانہ گفتگو کی خبر سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو بھی معلوم ہوگئی تو سعد فوراً اوٹھے اور اسید کے پاس پہونچے اور کہنے لگے کہ تم کس خواب غفلت میں آلودہ ہو۔ قوم کی قوم قبیلہ کا قبیلہ ہاتھ سے نکلا جارہا ہے مصعب ابن عمیر جو مکہ سے نئے دین کا مبلغ بنکر آیا ہے۔ وہ اور اوسکے ساتھ اسعد دونوں ملکر ہمارے قبیلہ کے سادہ لوح لوگون کو بہکا رہے ہین تمہین چاہیئے کہ فوراً جاکر نہایت سختی سے منع کرو اور صاف لفظون مین تاکید تمام ان سے کہدو کہ وہ دونون آج سے ہمارے محلہ مین قدم نہ رکھین۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا سعد مین خود جاتا لیکن بات یہ ہے کہ اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے تم جانتے ہو کہ میری ذرا سی فہمایش پر خانہ جنگی شروع ہوجائیگی۔ اسید نے کہا کوئی مضائقہ نہیں مین ابھی جاکر اس قضیہ کا خود تصفیہ کئے آتا ہون یہ کہا اور ہتیار باندہ لئے۔ اور سیدھے بیر مرق کی طرف روانہ ہوگئے اسعد دور سے اسید بن حضیر کو آتا دیکھکر مصعب بن عمیر سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آرہا ہے خدا کرے وہ تمہاری بات مان جائے۔ مصعب بولے اگر وہ آگیا اور ذرا دیر بھی بیٹھ گیا اور اوس نے میری باتون کو صرف سُن لیا تو پھر وہ میرے قابو مین آجائے گا۔ اتنے مین اسید بھی آپہنچا اور اسید نے پہلے کھڑے ہو کر اسعد اور مصعب کو خوب صلواتین سنائین۔ پھر کہا تم لوگ ہمارے قبیلہ کے کم عقل لوگون مین احمق بنانے کے لئے آئے ہو۔ مصعب نے نہایت نرمی اور سنجیدگی سے جواب میں کہا کہ آپ جب آگئے ہین تو تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ بھی جائین اور میری عرض داشت سن لین اور مطبوع طبع ہو تو مان لین ورنہ اوسکو میرے پاس چھوڑ دین۔ اسید نے کہا۔ خیر کہو۔ اس مین حرج ہی کیا ہے۔ مین تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جاتا ہون۔ یہ کہکر اسید بیٹھ گیا۔ اور مصعب نے نہایت متانت اور وضاحت سے پہلے اونکو اصول اخلاق و ایمان بتلائے پھر قرآن مجید کے چند آیات پڑھکر سنائے۔ اسید اونکی تمام باتون کو پورے اطمینان اور خموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ جب وہ اپنے کلام کو ختم کر چکا تو اسید وہ اسید ہی نہین تھا فوراً مصعب سے کہنے لگا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی شخص پہلے پہلے تمہارا دین قبول کرتا ہے تو تم کس ترکیب سے اوسکو اپنے دین مین لے آتے ہو۔ مصعب نے کہا کچھ نہین اوسے غسل کراتے ہین۔ پاک و پاکیزہ کپڑے پہناتے ہیں پھر کلمۂ شہادت پڑھاکر دو رکعت نماز نوافل پڑھا دیتے ہین۔ اسید یہ سنکر اوٹھا۔ فوراً غسل کیا کپڑے دہوئے اور مصعب کے پاس آپہونچا مصعب نے کلمہ پڑھاکر دو رکعت نماز پڑھا دی۔ جب اسید اسطرح مشرف باسلام ہوچکا تو مصعب سے کہنے لگا کہ ابھی میرے پیچھے ایک شخص اور ہے مین اوسے بھی ابھی جاکر تمہارے پاس بھیجے دیتا ہون۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے اوسے مسلمان بنالیا تو مدینہ بھر مین

پھر کوئی فرد واحد تمہارا مخالف نہ رہے گا۔ اتنا کہکر اسید وہاں سے اوٹھا اور سعد کے پاس پہونچا سعد نے اوسکو آتا دیکھکر فوراً اوسکے موجودہ تغیر کو پہچان لیا اور چلا کر کہنے لگا۔ اسید جس رنگ میں تم یہاں سے گئے تھے وہ رنگ تمہارے چہرے پر باقی نہیں رہا۔ کہو خیر تو ہے۔ اسید کہنے لگے اون دونو کو تو مین نے بطور خود سمجھا دیا ہے اور اون سے اقرار لے لیا ہے کہ وہ ہمارے منشاء و مشورت کے بغیر کوئی کام نہیں کرینگے۔ مگر وہاں تو ایک دوسرا قصہ پیش ہوگیا۔ بنو حارثہ ایکبارگی وہان پہونچ گئی اور وہ تمہاری مخالفت کی بناپر تمہارے خالہ زاد بھائی۔ اسعد بن زرارہ کے قتل کر دینے پر بالکل آمادہ اور طیار کھڑے ہیں۔ جاؤ اور بھائی کی جلد خبر لو۔ یہ سنکر اب سعد بن معاذ کو ٹہرنے یا کوئی بات کرنے کا وقت کہاں تھا نہایت عجلت سے اوٹھا اور مسلح ہو کر بڑی سُرعت سے موقع پر روانہ ہوا۔ مگر چلتے چلتے اسید اس تدبیر سے اتنا ضرور کہتا گیا کہ افسوس ہے۔ اسید تم سے کوئی کام پورا نہ ہوا

سعد بن معاذ جب یہاں پہونچے تو کچھ بھی نہ تھا مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ اطمینان سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اب سعد کو اسید کی اس حکمت عملی کی ترکیب معلوم ہوگئی۔ اور اوس نے سمجھ لیا کہ اسید کو صرف میرا یہاں بھیج دینا مقصود تھا اور کچھ نہیں یہ سوچکر وہ اون دونو آدمیون کے قریب آکر کھڑا ہوگیا اور اسید کی طرح دونون کو برا بھلا کہنے لگا اور آخر کلام مین اسعد سے تہدیداً یہ بھی کہا کہ اگر تو ہمارے تمہارے درمیان قرابت و عزیز داری کا واسطہ نہوتا تو تمہاری مجال نہ تھی کہ تم ہمارے محلہ مین قدم دہرتے۔ اسعد نے آہستہ مصعب سے کہا کہ یہ قبیلہ کے راس الرئیس ہین۔ اگر تم نے انکو قابو مین کر لیا تو پھر سارا مدینہ تمہارا مطیع ہے مصعب نے کہا انشاء اللہ۔

مصعب رؤسائے انصار کا مزاجدان تو ہو ہی گیا تھا۔ سعد کے ساتھ بھی اوس نے اپنی گفتگو کا وہی انداز رکھا جو اسید کے ساتھ رکھا تھا۔ نہایت آہستگی اور نرمی سے کہا کہ آپ تشریف رکھیے بیٹھ جائیے جو مین عرض کرتا ہون اوسے سن لیجئے۔ اگر مطبوع خاطر ہو تو خیر ورنہ مجھے کوئی اصرار نہیں۔ سعد نے بھی اسید کی طرح کہا کیا مضائقہ ہے۔ یہ کہا اور بیٹھ گیا۔ مصعب نے اوسی طرح اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے اسلام کی خوبیاں پھر اصول بتلائے اور اسکے بعد قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرمائین۔ مصعب کی تقریر سنکر بن معاذ کی ساری حرارت ٹھنڈی ہو گئی نتیجہ وہی ہوا جو اسید کا۔ یہ بھی اوٹھے نہائے دہوئے کپڑے بدلے اور حلقہ اسلام مین داخل ہوگئے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

سعد بن معاذ اسید سے زیادہ پرجوش اور سرگرم اوٹھے مصعب سے رخصت ہو کر جب اپنے قبیلہ کے پاس آئے تو اونھون نے تمام قبیلہ کے لوگون کو اپنے پاس بلایا اور اون کے سامنے صاف صاف لفظون مین اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور اون سے کہا کہ مین تو اسلام لاچکا۔ اب تم اپنی کہو۔ تمام قبیلہ نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو۔ ہر امر مین تمہاری رائے ہماری رائے سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔ سعد بن معاذ بولے تلمیحات و اشارات سے کام نہیں چلتا۔ مین تو اب تاوقتیکہ تم مشرف با سلام نہ ہو جاؤ کسی ایک مرد یا عورت سے بات کرنا بھی اپنے لئے حرام جانتا ہون یہ سننا تھا کہ قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہوگیا

جو موجود نہ تھے وہ صبح سے شام تک آتے رہے اور اسلام لاتے رہے رات کی نماز کے بعد جب قبیلہ کا جائزہ لیا گیا تو قبیلہ بنی عبد الاشہل میں ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں بچا جو اسلام نہ لاچکا ہو۔

افسوس ہے کہ عربی ماخذوں نے انصار کے اس خلوص اور جذب فی الاسلام میں صفحوں کے صفحے بھر دئیے ہیں لیکن شبلی صاحب کے اختصار نے انکو بڑی ہوشیاری اور کفایت شعاری سے صرف دو تین سطروں میں تمام کر دیا ہے۔ لیکن باینہمہ اتنا لکھکر ضرور اقرار کر دیا ہے کہ مدینہ سے قبا تک تمام اسلام پھیل گیا۔ صرف خطمہ۔ وائل اور واقف کے چند قبائل باقی رہ گئے۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۲۹

انصار اور رسول اللہؐ کو ہجرت مدینہ کی دعوت

اخلاص مندان انصار میں ہمت و حوصلہ کی اتنی افزائش ہوئی کہ سال آئندہ انھوں نے اپنے عقیدت مندوں کے پچھتر آدمیوں کی ایک وفد تیار کی اور انکو بسرکردگی مصعب ابن عمیر موسم حج میں حجاج مدینہ کے ساتھ اس غرض خاص سے بھیجا کہ وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں تشریف لانیکی خاص طور پر دعوت دیں۔

عقیدت مندان انصار کی یہ وفد جسمیں نصیبہ اور اسماء دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ حجاج مدینہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئیں ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ظلم و خوف کفار سے اسلام لانا گویا جان سے ہاتھ دھونا تھا اس بنا پر بڑے حزم و احتیاط اور پوری رازداری اور ہوشیاری سے کام لینا ہوتا تھا۔ اور یہ تمام امور اتنے مخفی طور سے کئے جاتے تھے کہ سوائے خاص عقیدتمندان اسلام کے کسی اور کو ان امور کی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

چونکہ شبلی صاحب نے ان معاملات کے اخفا و رازداری کی اہمیت کو اپنے مفید مطلب نہیں سمجھا ہے اس لئے بیعت ہائے عقبہ کے ان مخفی اور رازدارانہ طریقہ کے اظہار و اندراج کو حسب العادت مرفوع القلم فرما دیا ہے لیکن ہم اسکے انکشاف حقیقت کو موجودہ اور آئندہ واقعات ہجرت کے لئے نہایت ضروری اور مفید سمجھتے ہیں اس لئے تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت سے اسکی پوری کیفیت درج کرتے ہیں۔

ثم ان مصعب بن عمیر رجع الی مکۃ وخرج من خرج من الانصار من المسلمین الی الموسم مع حجاج قومهم من اهل الشرک حتی قدموا مکۃ فواعدوا رسول الله صلعم العقبۃ من اوسط ایام التشریق حین اراد الله بهم ما اراد من کرامته والنصر لنبیه صلعم واعزاز الاسلام واهله واذلال الشرک واهله قال کعب

مصعب بن عمیر اور انصار مسلمین کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اون جماعت مسلمین کے ہمراہ مدینہ کے مشرکین بھی تھے جو حج کے قصد سے مکہ میں آئے تھے یہ لوگ مکہ میں آئے اور جناب رسولخدا صلعم سے ملاقات کا وعدہ آگیا تو آپنے گیارہویں تاریخ (اوسط ایام تشریق) رات کو ان سے ملنے کا وعدہ فرمایا اور اس روز و تاریخ کو مشیت ایزدی نے اپنے پیغمبر کے اظہار کرامت و نصرت اور اسلام کی افزونی عزت و مسرت کے لئے قرار دیا تھا کعب کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ

فلما فرغنا من الحج وكانت الليلة التي واعدنا رسول الله صلعم ومعنا عبد الله بن عمرو ابو جابر واخبرناه وكنا نكتم من معنا من المشركين من قومنا امرنا فكلمناه وقلنا له يا ابا جابر انك سيد من ساداتنا وشريف من اشرافنا وانا نرغب بك عما انت فيه ان تكون حطبا للنار غدا ثم دعوناه الى الاسلام واخبرناه بميعاد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ايانا العقبة قال فاسلم وشهد معنا العقبة وكان نقيبا فبتنا تلك الليلة مع قومنا في رحالنا حتى اذا مضى ثلث الليل خرجنا من رحالنا لميعاد رسول الله صلعم نتسلل مستخفين تسلل القطا حتى اجتمعنا في الشعب عند العقبة ونحن سبعون رجلا ومعهم امرأتان من نسائهم نسيبة بنت كعب ام عمارة واسماء بنت عمرو بن عدي فاجتمعنا بالشعب ننتظر رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حتى جاءنا ومعه عمه عباس بن عبد المطلب

طبری جز ص ۱۲۲

مناسک حج سے فارغ ہو چکے تو وہی رات یعنی جس رات کو آنحضرت صلعم نے ہملوگوں کو مشرف باسلام فرمانے کا وعدہ کیا تھا اور ہملوگوں کے ساتھ عبداللہ ابن عمر جنکی کنیت ابوجابر تھی - وہ اوسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن ہم نے اونکو اس امر کی خبر کر دی تھی اور ہملوگ اس امر کو مشرکین سے جو ہمارے ساتھ آئے تھے چھپاتے تھے اور بڑی احتیاط سے پوشیدہ رکھتے تھے لیکن ابوجابر سے ہم نے خاص طور پر اسکو کہدیا کہ اے ابوجابر تم ہمارے سردار اور اشراف قوم قبیلہ ہو اور ہمکو یہ گوارا نہیں کہ ہم آخرت میں تمکو جہنم کا ایندھن ہوتے دیکھیں یہ کہکر ہم نے اونکو اسلام کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ اسی درہ کوہ کی طرف آج رسول اللہ صلعم نے تشریف لانے اور بیعت اسلام سے مشرف فرمانے کا وعدہ کیا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ابوجابر مسلمان ہوگئے اور ہمارے نقیب مقرر ہوئے اسکی تفصیل یہ ہو کہ اس گفتگو کے بعد ہملوگ رات کو سور ہے اور جب تین تہائی رات چلی گئی - تو ہم لوگ اپنی قیامگاہ سے اوٹھے اور ایک ایک شخص نہایت آہستگی کے ساتھ پاؤں دبا دبا کر مثل پرندہ قطار کے اُس گھاٹی کی طرف چلا اور اسی طرح ہم سب لوگ جمع ہوئے اُسوقت ہم لوگ دو عورتین ملاکر مجموعاً ستر آدمی تھے عورتوں میں ایک کا نام نسیبہ بنت کعب اور کنیت ام عمارہ تھی اور دوسری کا نام اسماء بنت عمرو بن عدی ہملوگ اوس پہاڑ کے درے میں بیٹھے انتظار کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم مع اپنے عم محترم عباس ابن عبدالمطلب کے تشریف لائے۔

طبری کی اس عبارت نے ثابت کر دیا کہ یہ امور کس رازداری اور ہوشیاری سے عمل میں لائے جاتے تھے اور سوائے ان معتمدین و معتبرین خاص کے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعتبار ہوتا تھا یا ایمان لانے والوں کو اپنے جن ہمراز احباب پر اعتماد و اطمینان کلی ہوتا تھا سوائے اون کے اور کسی سے اشارتاً یا کنایتاً ان امور کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت عباس کی شرکت و ہمراہی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ معدودے چند حضرات بنی ہاشم جو اسوقت تک بظاہر اسلام نہیں لائے تھے لیکن قرابت اور یگانگی کی فطرتی اور حقیقی تعلقات کی وجہ سے آنحضرت صلعم کے نزدیک بمقابلہ دیگر مسلمین کے زیادہ معتمد اور معتبر تھے اسی لئے اونکو ایسی سخت رازداری کے اوقات مین اونکے اخلاص و اتحاد پر پورا اعتماد کر کے اونکو اپنا رفیق و ہمراز بنایا گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے آنحضرت صلعم کے احباب خاص کی گذشتہ فہرست مین حضرت عباس کیا کسی بنی ہاشم کا نام نہین دیا - اور بعض بیرونی اشخاص کو احباب خاص میں داخل کر دیا ہے جسپر ہم مفصل بحث کر چکے ہین۔

اب ہم ان واقعات کو شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

اگلے سال ۷۲ شخص حج کے زمانے میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے جو بت پرست تھے چھپکر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباس بھی جو اسوقت تک ایمان نہیں لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے انھوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا کہ گروہ خزرج۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ انکے سینہ سپر رہے اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک انکا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دیدو۔ براء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا ہم لوگ تلوار کی گود میں پلے ہیں۔ وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابو الہیثم نے بات کاٹ کر کہا یا رسول اللہ صلعم۔ ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے ایسا تو نہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہوجائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر وطن چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں

آنحضرت صلعم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں۔ شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہونگے اور جو اچھی بات جو رسول کہیں گے اوس سے سرتابی نہ کرینگے۔ [۱]

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہوکر کہا بھائیو یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے سب نے کہا ہاں۔ ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

مفصلہ ذیل بارہ ۱۲ اشخاص جو نقیب انتخاب کئے گئے رئیس القبائل تھے انکا اسلام قبول کرنا تمام اسلام کا قبول کرنا تھا۔

---

[۱] شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شرائط صحیح بخاری کی روایت ہیں سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ عقبہ اولیٰ کے شرائط ہیں اخیر بیعت اس بات پر ہوگی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کرینگے، شبلی صاحب کی نظر اگر وسیع ہوتی تو آپ یہ تفریق و تخصیص نہ قایم کرتے اور سمجھ لیتے کہ منع عن الشرک والسرقۃ والزنا۔ والاجتناب عن قتل الاولاد والافتراء وغیرہ ذلک۔ یہ تمام شرائط اسلام کے ابتدائی اصول دین ہیں انکا اقرار ہر بیعت میں بقصد تبرک لیا گیا ہے حتیٰ کہ اخیر بیعت میں بھی بیعت کرنیوالوں سے بھی اقرار لیے گئے تھے۔ اس بنا پر یہ اصول ہر بیعت کے شرائط مخصوصہ کے ساتھ عام طور سے مشترک ہیں اس لئے بخاری نے عقبہ ثانیہ میں بھی اونکو لکھدیا اور اہل سیرت نے اس خیال سے کہ بیعت اولیٰ کے ذکر میں انکو لکھ چکے ہیں۔ انکو تو نہ لکھا مگر مخصوص شرط کو اس غرض سے قلمبند کردیا کہ انکا ذکر اوپر نہیں کیا گیا تھا شبلی صاحب یہیں سے فن تاریخ و سیرت اور فن حدیث کے اصول مختلفہ کو سمجھ لیں۔

لیکن بخاری کے شرط اخیر کہ رسول اللہ صلعم جو اچھی بات کہیں گے اوس سے سرتابی نہ کرینگے اسکو البتہ کسی تاریخ و سیر کے مؤلف نے نہیں لکھا ہو اور سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کا رسول اچھی باتوں کو چھوڑ کر کبھی بری باتوں کو بھی بتلاتا ہو جو صریح تنقیص شان رسالت ہے اس قسم کی بیعت مشروط اور اطاعت مخصوصہ تو حکم عام اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے اکل مخالف ہے۔ فافہم و تدبر

المؤلف

(۱) اسید بن حضیرؓ۔ جنگ بعاث میں انکے باپ اوس کے سردار تھے۔

(۲) ابو الہیثمؓ بن تیہان۔

(۳) سعد بن خیثمہؓ۔ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

(۴) اسعد بن زرارہؓ۔ انکا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ امام نماز تھے۔

(۵) سعد بن الربیعؓ۔ جنگ احد میں قدم رسالت پر جان دیکر شہید ہوئے۔

(۶) عبداللہ بن رواحہؓ مشہور شاعر ہیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

(۷) سعد بن عبادہؓ۔ معمر اور مشہور صحابی ہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انھیں نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۸) منذر بن عمروؓ۔ جنگ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

(۹) براء بن معرورؓ۔ بیعت عقبہ میں انصار کی طرف سے انھیں نے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت سے قبل انتقال کر گئے۔

(۱۰) عبداللہ بن عمروؓ۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۱۱) عبادہ بن صامتؓ۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

(۱۲) رافع بن مالکؓ۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

یہ بارہ شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے تھے رئیس القبائل تھے انکا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا صبح کو مکہ میں اس بیعت کی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے انکو اس بیعت کی خبر نہ تھی انہوں نے تکذیب کی کہ اگر ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

سعد بن عبادہ پر قریش کے مظالم

شبلی صاحب کی کوتہ قلمی کا کوئی علاج نہیں۔ حالانکہ اس سے سلسلہ واقعات میں اسقاط و ابہام واقع ہو جاتے ہیں جو شان تالیف اور تدبیر مؤلف کے مخالف ہے۔ آپ نے اوپر اتنے حالات لکھکر مابعد کے تمام واقعات مروع القلم فرما دئیے معمولی دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ مسلمین انصار پر اسکے بعد کوئی سختی یا تشدد نہیں گذرا وہ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر چلے گئے اور قریش نے بھی بت پرستان مدینہ سے استفسار کرنے کے بعد ان لوگوں سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور قطعی دست بردار ہو گئے۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف حقیقت ہے ظلمۂ قریش نے مشرکین مدینہ کے بیانات لینے کے بعد بھی انصار کی طرف سے اپنی تلاش و سراغ رسانی کا سلسلہ موقوف نہیں کیا اور مسلمین انصار سے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ جن میں ایک سعد بن عبادہ تھے ان پر جو مظالم ہوئے وہ بہت جلد بیان ہوتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ان قابل الذکر واقعات کو جو انصار کے سلسلہ حالات کے جزو آخر اور ضروری الذکر تھے صرف اسلئے قلم زد کر دیئے گئے کہ شبلی صاحب کے خود غرضانہ موضوع تالیف کے اصول خاص میں انصار کے اعمار واذکار قابل استخفاف و استنکار

ہیں خصوصاً سعد بن عبادہ تھے جو بقول شبلی صاحب اول دعویدار خلافت ہوئے تھے اور ایسی ناقابل عفو جرم کے مجرم تھے۔

سعد بن عبادہ کی داستان مصیبت ابن ہشام کی زبانی حسب ذیل ہے۔

وخرجوا فی طلب القوم فادرکوا سعد بن عبادۃ باذاخر والمنذر بن عمرو اخا بنی ساعدۃ بن کعب بن الخزرج وکلاهما کان نقیبا فاما المنذر فاعجز القوم واما سعد فاخذوه فربطوا یدیه الی عنقه بنسع رحله ثم اقبلوا به حتی ادخلوه مکة یضربونه ویجذبونه بجمته وکان ذا شعر کثیر قال سعد انی لفی ایدیهم اذ طلع علی نفر من قریش فیهم رجل وضیٔ ابیض شعشاع حلو من الرجال قال سعد بن عبادۃ قلت فی نفسی لان یک عند احد من القوم خیر فعند هذا فلما دنا منی رفع یده فلکمنی لکمة شدیدۃ قال قلت فی نفسی لا واللہ ما عندهم بعد هذا من خیر قال فواللہ انی لفی ایدیهم یسحبوننی اذ اوی لی رجل ممن کان معهم قال ویحک اما بینک وبین احد من قریش جوار ولا عهد قال قلت بلی واللہ لقد کنت اجیر لجبیر بن مطعم تجارۃ وامنعهم ممن اراد ظلمهم ببلادی وللحارث بن حرب ایضا قال ویحک فاهتف باسم الرجلین واذکر ما بینک وبینهما قال ففعلت وخرج ذلک الرجل الیهما فوجدهما فی المسجد عند الکعبة فقال لهما ان رجلا من الخزرج الآن یضرب بالابطح لیهتف بکما ویذکر ان بینه وبینکما جوارا قالا ومن هو قال سعد بن عبادۃ قالا صدق واللہ ان کان لیجیر لنا تجارنا ویمنعهم ان یظلموا ببلده قال فجاء فخلصا سعدا من ایدیهم فانطلق

ص ۱۵۵

قریش کو دل بکلنے کے بعد کچھ بھنک سی معلوم ہوئی وہ اہل یثرب کی تلاش میں نکلے۔ لیکن انکا قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو وہاں پایا منذر تو بھاگ نکلا اور انکے ہاتھ نہ آیا۔ مگر سعد بن عبادہ کو انھوں نے پکڑ لیا اوسکی سواری کے اونٹ کا تنگ کھولکر اوسکی مشکیں باندھیں مکہ میں لا کر انھیں مارتے تھے۔ اوسکے سر کے لمبے لمبے بالوں کو کھینچتے پھرتے تھے۔ یہ سعد بن عبادہ وہی ہیں جنکو جناب رسولخدا صلعم نے نقیب اسلام مقرر فرمایا تھا یہ اپنا واقعہ آپ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قریش مجھے مار رہے تھے تو ایک سُرخ وسپید اور شیریں شمائل شخص میرے پاس سے گذرا اوسے دیکھکر میرے دل میں خیال ہوا کہ اگر اس قوم میں سے کسی شخص سے میری بھلائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہوگا لیکن جب وہ میرے پاس آیا تو اوس نے میرے مونہہ پر بڑے زور سے طمانچہ لگایا۔ اسوقت مجھے یقین آگیا کہ ان لوگوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے خیر کی امید کیجائے اتنے میں ایک شخص اور آیا اوس نے میرے حال پر ترس کھایا اور کہا کیا قریش میں سے کسی کے ساتھ تجھکو شناسائی اور ربط نہیں ہے اور کسی شخص سے بھی تیرے پیمان عہد و پیمان نہیں ہے میں نے کہا ہاں جبیر بن مطعم اور حرث بن حرب تو عبد مناف کے پوتے ہیں وہ تجارت کے لئے میرے یہاں برابر جایا کرتے ہیں میرے اونکے شناسائی بھی ہے اور عہد و پیمان بھی ہیں نے اکثر اونکے جان و مال کی حفاظت کی ہے اور اوس شخص نے کہا کہ پھر تو ان دونوں آدمیوں کی دہائی کیوں نہیں دیتا اور اونکو اپنی نصرت و حمایت کے لئے کیوں نہیں بلاتا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پھر وہی شخص ان دونوں کے پاس گیا اور کہا کہ قبیلہ خزرج کا ایک آدمی گرفتار ہو کر مار کھاتا ہے اور غریب تمہارے نام لیکر پکارتا ہے۔ ان دونوں نے پوچھا وہ کون ہے اور اوسکا کیا نام ہے اوس نے بتلایا کہ وہ سعد بن عبادہ نام بتلاتا ہے۔ وہ دونوں بولے ہاں ہاں اوسکا ہم دونوں آدمیوں پر احسان ہے پھر وہ موقع پر آ پہونچے اور مجھے کو چھڑا دیا اور یہ ثابت قدم شخص یثرب کو چلا گیا۔

صاحب رحمۃ للعالمین اس واقعہ کے متعلق ذیل کی عبارت جات بہیں لکھتے ہیں۔

سعد بن عبادہ کے حال سے کیا نتیجہ نکلتا ہے کیا سبق ملتا ہے؟ یہی کہ اسلام کے ساتھ ہی خدا کی طرف سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بھوک پیاس کی آزمائش۔ قوم وملک کی عداوت کی آزمائش۔ ضرر جسمانی اور نقصان مال کی آزمائش وغیرہ وغیرہ اور جب کوئی شخص ان آزمائشوں میں پورا اوترتا ہے تب وہ خدا کے اوس ابدی وعدے کا مستحق ٹھیر جاتا ہے جو قرآن وانجیل وتوراۃ میں مومن سے کیا گیا ہے کہ اسکی دنیا بھی عمدہ ہوگی اور آخرت بھی عمدہ ہوگی۔ (ملخصاً از کتاب رحمۃ للعالمین ص ۷۶)

مرقومہ بالا عبارت سے ہر شخص بآسانی سمجھ لے سکتا ہے کہ ایک مؤلف نے اس واقعہ کو زاید از ضرورت سمجھکر مرفوع القلم کر دیا ہے اسکے خلاف دوسرے محقق نے اسکی نقل وتفصیل کو ضروری الذکر سمجھکر اس شرح وبسط سے قلمبند کیا ہے ظاہر ہے کہ مؤلف اول کی رائے اسکے مرفوع القلم کر دینے کی نسبت ضرور اوسکی اپنی ذاتی اغراض پر مبنی تھی اور مؤلف آخر نے بغیر کسی ذاتی اغراض ومطالب کے۔ صرف اسلام کی صداقت اور متقدمین اسلام کے استقلال واستقامت کے اظہار مدعا کو پیش نظر رکھکر اس واقعہ کو پوری تصریح کے ساتھ لکھ دیا ہے اگر تنہا شبلی صاحب نے اس پر اعتنا نہ فرمائی تو کیا سعد بن عبادہ کے اسلامی خدمات اسلام کی تمام کتابوں میں محفوظ ہیں اور انشاء اللہ ابدالآباد قایم وبرقرار رہیں گے

صحابہ کو ہجرت مدینہ کی اجازت

شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

مدینہ کو اسلام میں پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں قریش کو معلوم ہوا تو اونہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے یہ آیت اونہیں کی شان میں ہے۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا	کمزور مرد عورتیں اور بچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا ہم کو اس شہر سے نکال لے کہ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔

شبلی صاحب جسطرح خاص خاص موقع پر کوتہ قلمی کے دلدادہ ہیں اسی طرح خاص خاص حضرات کے گرویدہ بھی ہیں انکے ذکر احوال میں آپ کا کلک بیان بہت ہی وسیع البیان ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس واقعہ اور اس سے پہلے کے واقعہ میں خاصکر وہ حضرات اور اونکے خدمات ہیں جن سے آپ کو کم تعلق ہے۔ اس لئے سرے سے یہ واقعات ہی فہرست بیاں سے خارج کر دیے گئے لیکن ایک آزاد مؤلف اور خاصکر ایسے محقق کو جو بلا واسطہ وتعلق آزادی سے صرف اسلام کے واقعات کی ترتیب دیتا ہے اس تخصیص وتعقید اور قطع وبرید کی ضرورت نہیں شبلی صاحب کے خلاف مولوی سید سلیمان صاحب مؤلف رحمۃ للعالمین نے ان واقعات کو مفصلہ ذیل عبارت میں کس تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اون مسلمانوں کو جو مکہ سے ابھی باہر نہیں گئے تھے لیکن

اب جب اتنے ظلم و ستم ہونے لگے تھے کہ پیارا وطن انکے لئے آگ کا پہاڑ بن گیا تھا۔ یثرب چلے جانے کی اجازت دیدی۔ ان ایمان والوں کو گھر بار خویش و اقارب۔ ماں باپ بھائی اور زن و فرزند کے چھوڑنے کا کوئی غم نہ تھا بلکہ خوشی یہ تھی کہ یثرب جاکر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت پوری آزادی سے کرینگے۔ ان ہجرت کرنے والوں اور گھر چھوڑنے والوں کو قریش مکہ کی سخت مزاحمت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

صہیب رومی پر مظالم

صہیب رومی رضی اللہ عنہ جب ہجرت کرکے جانے لگے تو کفار نے انھیں آگھیرا اور کہا صہیب جب تو مکہ میں آیا تھا تو مفلس قلاش تھا۔ یہاں ٹھیر کر تو نے ہزاروں کمائے۔ آج یہاں سے جاتا ہے اور چاہتا ہے یہاں سے سب مال و زر لے کر چلا جائے تو ایسا کبھی ہونے کا نہیں۔ صہیب نے کہا اچھا۔ اگر میں سب اپنا مال و متاع تمہیں دیدوں تب تو مجھے جانے دوگے۔ قریش بولے ہاں۔ حضرت صہیب نے سارا مال اونکو دیدیا اور دامن جھاڑکر مدینہ کو روانہ ہوگئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا صہیب نے اس سودے میں نفع کثیر کمایا۔ بحوالہ ابن ہشام ص ۱۶۰

حضرت اُم سلمہ پر مظالم

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر ابو سلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا مجھے اونٹ پر بٹھلایا میری گود میں میرا بچہ سلمہ تھا۔ جب ہم چلے تو بنو مغیرہ نے آکر ابو سلمہ کو گھیر لیا۔ کہا تو جا سکتا ہے مگر ہمارے لڑکے کو نہیں لیجا سکتا اب بنو اسد بھی آگئے اونھوں نے ابو سلمہ سے کہا کہ تو جا سکتا ہے۔ مگر بچہ کو جو ہمارے قبیلہ سے ہے تو نہیں لے جا سکتا۔ غرض اونھوں نے ابو سلمہ سے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھلا دیا۔ بنو الاسد لوگ بچہ کو ماں کی گود سے چھین کر لے گئے اور بنو مغیرہ ام سلمہ رض کو لے آئے۔ ابو سلمہ جو دین کے لئے ہجرت کو فرض سمجھتے تھے زن اور بچہ کے بغیر مدینہ کو روانہ ہوگئے۔ اُم سلمہ روز شام کو اوس جگہ پہونچ جاتیں جہاں وہ بچہ اور شوہر سے الگ کی گئیں تھیں۔ گھنٹوں رو رو کر واپس آتیں۔ ایک سال تک اسی طرح روتے چلاتے گذر گیا۔ آخر اونکے چچا زاد بھائی کو رحم آیا۔ اور ہر دو قبائل سے کہہ سن کر ام سلمہ کو اجازت دلوادی کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائیں۔ بچہ بھی اونکو واپس دیدیا گیا۔ یہ تنہا مدینہ چلی گئیں ابن ہشام ۱۶۵

ہشام بن عاص اور عیاش پر مظالم

حضرت عمر رض کا بیان ہے کہ عیاش اور ہشام بھی میرے ساتھ مکہ سے مدینہ چلے عیاش تو روانگی کے وقت جائے مقررہ پر پہونچ گئے مگر ہشام کی بابتہ کفار کو خبر لگ گئی اونکو قریش نے قید کرلیا عیاش مدینہ جا پہونچے کہ ابو جہل مع اپنے برادر حرث کے مدینہ پہونچا۔ عیاش اسکے چچیرے بھائی تھے۔ اور تینوں کی ماں ایک تھی۔ ابو جہل اور حرث نے کہا کہ تمہارے بعد والدہ کی بری حالت ہو رہی ہے اوس نے قسم کھائی ہے کہ عیاش کا مونہہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کرونگی نہ سایہ میں بیٹھونگی اس لئے بھائی تم چلو اور ماں کو تسکین دیکر چلے آنا۔ حضرت عمر فاروق رض نے کہا عیاش مجھے تو یہ فریب معلوم ہوتا ہے تمہاری ماں کے سر میں اگر جوئیں پڑ گئیں تو وہ آپ کنگھی کرلینگی۔ اور اگر مکہ کی دھوپ سے ذرا بھی تپی تو وہ خود ہی سایہ میں بیٹھ جائے گی میری تو یہ رائے ہے کہ تمہیں جانا نہیں چاہئے۔ عیاش بولے نہیں میں والدہ کی قسم پوری کرکے واپس آجاؤنگا۔ عمر فاروق نے کہا اگر اچھا یہی رائے ہے تو میرا ناقہ لیتے جاؤ بہت تیز رفتار ہے اگر راستہ میں تمہیں کہیں بھی ان سے شبہہ گذرے تو تم اس ناقہ پر نہایت آسانی

سے انکی گوشت سے بچ کر آسکو گے۔ عیاش نے ناقہ لے لیا۔ تنہا چل کھڑے ہوئے ایک روز راہ میں مکہ کے قریب ابو جہل نے کہا ہمارا اونٹ تو تمہارے ناقہ کے ساتھ چلتے چلتے تھک گیا بہتر ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ عیاش بولا بہتر۔ جب عیاش نے ناقہ بٹھلایا تو دونوں صاحبوں نے اوسے پکڑ لیا مشکیں کس لیں اور اوسی طرح مکہ میں داخل ہوئے یہ دونوں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ دیکھو بیوقوفوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ اب انکو بھی ہشام بن عاص کے ساتھ قید کر دیا۔ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہونچ گئے تب حضور کی تمنا پوری کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ مکہ میں آئے۔ زندان خانہ سے دونوں کو شبا شب نکال کر لے گئے۔ ابن ہشام ص ۱۶۷ ج ۱

ان واقعات سے مہاجرین سابقین کے مصائب و شدائد جو حکم خدا و رسول کی بجا آوری میں ان مظلوموں کو ظلمہ وقت کے ہاتھوں اوٹھانے ہوئے تفصیل کے ساتھ ثابت ہو گئے۔ کیا ان میں سے ایک بھی شبلی صاحب کے لئے قابل الذکر نہیں تھا۔

ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ بِالْھِجْرَۃِ

۱۳ سال نبوت ۱ ہجری

یہ واقعہ تمام تر بخاری صاحب کی مضمون آفرینی اور شبلی صاحب کی قلم آرائی کا نمونہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق کی جائے تو علماء و محدثین سواد اعظم کے طباعیوں کا کامل دفتر جنکے مواد و اجزا کی ترتیب و تجمیع تو خلافت راشدہ کے وقت ہی سے آغاز ہوئی تھی لیکن امیر معاویہ کی دوران حکومت میں ادنکے فرمان شاہی کے ذریعوں سے ان تمام موضوعات کا اصل عقائد میں داخل ہونا اور ارکان اسلام تسلیم کیا جانا۔ تمام قلمرو اسلامی میں مشتہر اور نافذ کیا گیا۔ اور آیندہ حکومت امویہ و عباسیہ نے اسکو استقرار حکومت کا سب سے بڑا ضروری اور مستحکم ذریعہ یقین کر کے اس اہمیت کے ساتھ جاری کرایا کہ یہ موضوعات اور مصنوعات حقیقی واقعات اور اصلی حالات پر سبقت لے گئے۔ لیکن باوجود اتنے طول و طویل انتظام و اہتمام حکومت کے اسکی حقیقت اور اصلیت زمانہ سے نہ مٹنے والی تھی نہ مٹی تفصیل قریب آتی ہے۔ چونکہ ہمکو اس روایت کا تنقیدانہ طریقہ سے انکشاف حقیقت کرنا ہے اسلئے ہم شبلی صاحب کی پوری عبارت حسب ذیل نقل کر دیتے ہیں۔

نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا۔ اور اکثر صحابہ مدینہ میں پہونچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پُراثر ہے۔ اور اسی وجہ[۱] سے امام بخاری نے بھی باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہ رض کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رض گو اسوقت چھ سات برس کی تھیں لیکن انکا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلعم کا اور حضرت ابوبکر رض کا بیان ہے کہ اونھیں سے سنا ہوگا اور ابتدائے واقعہ میں خود بھی موجود

[۱] میری تمہیدی عبارت بیاں کے ثبوت میں شبلی صاحب کا مرقومہ مالا جملہ کہ یہ پر اثر داستاں ہے امام بخاری صاحب نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو

تھیں۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور انکا اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے دار الندوہ میں جو دار الشوریٰ تھا اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ۔ ابو سفیان۔ مطعم۔ نضر بن حارث بن کلدہ ابو البختری۔ ابن ہشام۔ زمعہ بن اسود بن مطلب۔ حکیم بن حزام۔ ابو جہل۔ منبہ۔ نبیہ۔ امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے۔ ان لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیر ڈال کر مکان میں بند کر دیا جاوے۔ دوسرے نے کہا۔ جلاوطن کر دینا کافی ہے ابو جہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص منتخب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلواروں سے اونکا خاتمہ کر دے اس صورت میں انکا خون تمام قبائل میں بٹ جاویگا۔ اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آخر اسی رائے پر اتفاق عام ہو گیا۔ اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپکی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس رکھوا جاتا تھا۔ اسوقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں آپکو قریش کے ارادے کی خبر مل چکی تھی۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھکو ہجرت کا حکم آ چکا ہے آج میں مدینہ روانہ ہو جاؤنگا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھکر سو رہو صبح کو سب کی امانتیں جاکر واپس دے آنا یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ جو پھیلا کر لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ کافی ہے شبلی صاحب جو دلائل کہ خاص اس واقعہ مختصر نویسی کی جگہ طول نویسی کیوں اختیار کی گئی اور تنگ بیانی کی جگہ وسعت بیانی سے کیوں کام لیا گیا۔ وہی ضرورت خاص اعراض یعنی العاقل تکفیہ الاشارہ شبلی صاحب ہر پہلو پر خیال فرما چکے ہیں از حضرت عائشہؓ کی کم عمری اور عدم صلاحیت نقل حدیث کا کس مزے سے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ سے سنا ہو گا یہ ہو گا کیا معنی یعنی معلوم ہوا کہ ان حدیثوں کے سمع میں آپ بھی کچھ مشکوک ہیں اور انکے استماع حدیث کو یقینی طور پر نہیں بلکہ بطریقہ احتمال جانتے ہیں اب دوسری طرف متوجہ ہوئیے اگر کوئی منصف مزاج حقیقت کا طالب ان مجہول کی نسبت حضرت عائشہ کے استماع کو صحیح بھی یقین کر لے تو اعتراض یہ پیدا ہوگا کہ خصائص حضرت ابو بکرؓ ثابت کرنیکے لئے مرویات حضرت عائشہ کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ بہت سے ایسے معاملے ہیں حضرت علیؑ کی شہادت دربارہ خلافت میں قابل وثوق نہیں سمجھی گئی اسلئے کہ باپ کا قول بیٹوں کے اثبات حقوق میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتا پھر وہی اصول و حدود شہادت یہاں بھی قائم ہونگے اور شبلی صاحب نے تو اس اصول کی اس سختی کے ساتھ پابندی کی ہے کہ ایسی روایتوں کو بلا تعلقات نسبی و نسلی صرف ارادت و عقیدت کی یکجہتی کی وجہ سے ساقط الاعتبار کر دیا ہے۔ چنانچہ بذیل ذکر غزوہ خیبر رقمطراز ہیں طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے انکی نسبت جو یہی شکایت کی۔ اس روایت کو طبری نے جس سلسلہ سند سے روایت کی ہے اوسکے راوی عوف ہیں انکو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب انکی روایت بیان کرتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن انکی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ

ہجرت سے دو تین پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ بولے کہ یہاں آپ کے حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اوس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا میرا باپ آپ پر فدا ہو۔ کیا مجھکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا ارشاد ہوا۔ ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کر رکھی تھیں۔ عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا ارشاد ہوا۔ اچھا مگر بقیمت۔ حضرت ابوبکر نے مجبورًا قبول کیا حضرت عائشہؓ اوس وقت کمسن تھیں۔ انکی بڑی بہن اسماءؓ جو عبداللہ بن زبیر کی ماں تھیں سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں پھاڑ کر اوس سے ناشتہ دان کا موتھہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جسکی وجہ سے آج تک ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے اونکو بیخبر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا تو مجھکو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہیں دیتے حضرت ابوبکرؓ سے پہلے قرارداد ہو چکی تھی دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں پوشیدہ ہوئے یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوجوان تھے شب کو غار میں ساتھ سوتے صبح موتھہ اندھیرے شہر میں چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں؟ جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا۔ آپ اور حضرت ابی بکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہونچا آتی تھیں۔ اسیطرح تین راتیں غار میں گذریں۔ بحوالہ بخاری باب الہجرت و مزید حالات منقول من باب مناقب المہاجرین۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بجائے جناب امیرؑ تھے۔ ظالمون نے انکو پکڑا اور حرم میں لیجا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا پھر آنحضرت صلعم کی تلاش میں نکلے ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آگئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ اب دشمن اسقدر قریب آگئے ہیں کہ اگر ایسے قدم پر اونکی نظر جائے تو ہمکو دیکھ لیں گے آپ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔

بقیہ عبارت صفحہ گذشتہ ہوناے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے ستعہ کی زمان سے اوس کا کیا رتبہ رہجاتا ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۶

اب شبلی صاحب کے اختیار کردہ اصول عقیدہ کے اور نیز اوس مختار سلف قدیم کے حضرت عائشہؓ کی یہ تمام مرویات نہ کبھی قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ لائق اعتبار حقیقت شناس اور انصاف پسند تو اپنے مرخود پسندی بزرگان میسر کے اصول زرین پر عمل پیرا ہو کر ان تمام واقعات مرویات کو موضوعات کا طومار سمجھیں گے جیسا عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔ المؤلف عفی عنہ

بہر حال چوتھے دن۔ آپ غار سے نکلے عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کیا گیا وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن رات برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اوتر کر زمین جھاڑی۔ پھر اپنی چادر بچھائی۔ آنحضرت صلعم نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اوس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کرالے۔ پھر اوسکے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ دودھ کے برتن پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پیکر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ آفتاب اب ڈھل چکا تھا۔ اسلئے آپ وہاں سے روانہ ہوئے (یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کئے ہیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

سراقہ کا قصہ قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر لائے گا اوسکو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جاوے گا۔ سراقہ بن جعشم نے سنا تو انعام کی اُمید میں نکلے عین اوس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے اوس نے آپ کو دیکھ لیا۔ اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ جواب میں نہیں نکلا لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاوے۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے گھوڑے پر سے اوتر پڑا۔ اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر تجربہ نے اوسکی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھدیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھدیا۔ ✓

عبارت حاشیہ زیریں ہٰذا (سراقہ بعد میں اسلام لائے۔ اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انھیں کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔ ✓

ایضاً حاشیہ زیریں ۳ (صحیح بخاری باب الہجرت النبی صلعم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات وقلم ساتھ رہتا تھا۔

حسن اتفاق سے ہے کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا مال لیکر آ رہے تھے۔ اوتھوں نے آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں چند کپڑے پیش کئے۔ جو اوس بے سروسامانی میں غنیمت تھے (سیرۃ النبی جلد اول از صفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۲۰۰)

بخاری کی مرویات ہجرت کی حقیقت کا انکشاف

شبلی صاحب تو امام بخاری کے ترجمان ہیں سے "آنچہ اوستاد ازل گفت ہماں می گویم" لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ شبلی صاحب

تے تمام رطب ویابس جو کچھ بھی صحیح بخاری مین ذخیرہ پایا اکھٹا کردیا اتنا تو ضرور ہے کہ بمقابلہ اون لغویات وحشویات کی جو طبرانی ودیلمی سہیلی اور سمہودی وغیرہم نے انبار کیے ہین یہ طومار کم ہے لیکن تاہم تحقیق کا طالب جب ہجرت کی حقیقت - اوسکی اصلی ضرورت اوسکے وقت وقوع کی موجودہ حالت کفار قریش کی بے انتہا مخالفت قتل رسول اللہ پر اونکی مشورت اور اوسکے اقدام کی صورت اور جان رسول ص کی خدا کی طرف سے رازدارانہ محافظت وغیرہ ان تمام اسباب وعلل اور چارون طرف کے حالات وواقعات پر غائر نظر ڈالتا ہے - اوسکے ساتھ بخاری کی ان مرویات کو اون سے ملاتا ہے تو یہ داستان کی داستان گو بقول شبلی صاحب کتنی ہی پراثر اور کیسی ہی پرلطف نہ ہو بالکل واقعہ کے خلاف مصلحت کے برعکس مناسبت وقتی کی منافی ثابت ہوتی ہے تفصیل آگے آتی ہے

بخاری کے دونون باب کے (باب الہجرت النبی وباب المناقب المہاجرین) ہر ہر جزئیات کی تفصیل کو جسکو شبلی صاحب نے بلفظہ نقل فرمانے کا اعتراف فرمایا ہے - پڑھ جایئے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات ہجرت تو نہین ہین - حضرت ابوبکرؓ کی صدیقیت اور صحابیت - حمایت اور رفاقت - خدمات اور رسول ص پر احسانات کے رنگا رنگ مرقعون کا قیمتی البم تیار کیا گیا ہے - جب اس طلسمی مرقع مین جناب رسالت مآب صلعم کے پیکر نورانی کی زیارت کی جاتی ہے تو اوسپر حضرت ابوبکرؓ کے احسان وامتنان کی پرپیاری اور انکی مشورت وہدایت کی متابعت کا رنگ ایک طرف افشائے راز خداوندی اور مصلحت ومناسبت وقتی سے خلاف ورزی کا گہرا سیاہ پڑا ہوا دوسری طرف صاف صاف نظر آتا ہے -

بخاری صاحب تو فضائل ومناقب حضرت ابوبکرؓ کی مضمون آفرینیون مین اور شبلی صاحب اونکی ریزہ چینیون مین اتنے محو ہوگئے کہ حقیقت نویسی سے کوئی واسطہ ہی نہین رکھا - واقعہ تو تاریخ اسلام کا اتنا بڑا عظیم الشان ہی لیکن آپ حضرات کے بیان مین نہ کہین اسکے سال وماہ وقوع کا پتا ملتا ہے اور نہ تاریخ وروز وقوع کا نشان پایا جاتا ہے اگر صحیح بخاری سیرت وتاریخ کے موضوع کی کتاب نہ تھی تو سیرۃ النبیؐ جلد اول تو ضرور اس صنف خاص کی تصنیف تھی - اس مین اسکی عدم موجودگی شبلی صاحب کے ایسے فاضل محقق کے لئے کیسی شرمناک فروگذاشت قرار پاتی ہے -

ہم اوپر لکھ آئے ہین کہ اس موقع پر آپ نے بخاری صاحب کی بالکل ترجمانی فرمائی ہے - جو صاحبان تحقیق کی نگاہون مین تقلید غلط سے بھی فروتر ہے - اسی بنا پر آپ نے جو بخاری مین لکھا پایا ہے - عربی سے اردو مین نقل و ترجمہ کردیا - دریافت حقیقت اور تلاش اصلیت سے کوئی واسطہ نہین - اس موقع پر شبلی صاحب نے حقیقتاً اپنی تالیف کی وقعت اور مؤلف ہونے کی حیثیت اور بھی گرادی ہے - آپ کے دیباچہ کے عنوان اور اوسکی تحریری شان کو پڑھا جاوے اور اس موقع کے انداز تالیف اور طرز بیان سے ملایا جائے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونون تحریرون کا لکھنے والا ایک ہی شخص ہے -

لیکن ہر امر کے لئے ایک سبب خاص ہوتا ہے - شبلی صاحب کی اس فروگذاشت کا سبب خاص یہی وہی ہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے کہ امام بخاری کی متابعت اور تقلید اسلاف کی مطابقت مین محو ہو کر آپ اپنی مولفانہ اور محققانہ شان وحقیقت بھی بھول گئے - اور سیرت وتاریخ کی کتاب لکھتے ہوئے اتنے بڑے عظیم واقعہ کی تعین ماہ وسال کو متروک

فرما گئے۔ حالانکہ تمہیدی عبارت میں صحابہ کو حکم ہجرت دیے جانے کے موقع پر اتنا لکھ چکے تھے کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع سال تھا۔ ص ۱۹۶۔

لیکن راس المہاجرین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص ہجرت کی تفصیل کرتے وقت آپ کو نہ دن کا خیال رہا نہ ماہ و سال کا۔ اگر ماہ و تاریخ و روز نہیں لکھا تھا تو صرف اوسی عبارت مندرجہ کا اعادہ کر دیا ہوتا کہ نبوت کا تیرہواں سال شروع تھا۔ یہ تمام اسباب و علل بتلا رہے ہیں کہ آپ کو واقعیت کے ساتھ دلچسپی نہیں ہے بلکہ آپ کسی خاص امر کی طرف اسکے متعلق زیادہ متوجہ ہیں۔

بہرحال شبلی صاحب کو بخاری صاحب کی نقل و ترجمانی کرنا ہے اور ہمکو سیرت و تاریخ کے موضوع پر ایسی تالیف کو ترتیب دینا ہے اس لئے اس واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہم اسکے وقوع کی تعیین ماہ و سال کو ضروری سمجھتے ہیں اور لکھکر بتلا دیتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں ہجرت رسول اللہ صلعم کا عظیم الشان واقعہ چھبیسویں تاریخ ماہ صفر کا دن تمام ہو کر روز پنجشنبہ ۱۳ سالہ بنوت مطابق ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا لیکن شبلی صاحب ۹ ہم ورق کہ سیہ گشت مدعا اینجاست۔

تمہیداً اتنا لکھکر ہم اصل واقعات کے انکشاف حقیقت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امام بخاری کی مضمون تراشی اور شبلی صاحب کی نقاشی کی اصلیت مفصلہ ذیل عبارت تنقیدی میں دکھلاتے ہیں:۔

واقعہ شب ہجرت حقیقتاً سر عظیم تھا۔ شبلی صاحب اور اونکے اسلاف قدیم نے عقبہ کی دونوں بیعتوں کے واقعات کو بڑے حزم و احتیاط اور کمال ہوشیاری اور رازداری سے تعمیل کیا جانا لکھا ہے۔ مگر واقعہ ہجرت کو جو اوسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اون دونوں واقعات کے صرف دو مہینوں بعد ظہور پذیر ہوتا ہے ایسا عام کر دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا حزم و احتیاط ہر کس و ناکس سے اتنے بڑے راز الٰہی کو افشا کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ انصار مدینہ کی بیعت کرنے کی خبر پاکر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کفار قریش کی مخالفت رسول اللہ صلعم پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔ تو کیا معمولی سے معمولی عقل و دماغ والا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا مدبر و حکیم الٰہی اور خدا کا رازدار و امین۔ جو تمام دنیا کے لوگوں سے بہتر موقع شناس اور مصلحت اندیش ہو وہ اسطرح اتنے بڑے اور ضروری راز الٰہی کو عام طور سے فاش کر دے کہ قبل از نزول حکم ہجرت۔ بروایتے چار روز اور بروایتے مہینوں پیشتر اپنے راز سے لوگوں کو آگاہ کر دے۔ اس بنا پر قبل و بعد حکم ہجرت اس سر عظیم الٰہی کا افشا کر دینا ذات مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صریح اتہام ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے گھر آکر ہجرت کے متعلق مشورت اور انتظام

اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے یہاں تشریف لائے اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ ابوبکرؓ نے کہا ہمکو بھی ساتھ لیجئے آپ نے منظور کر لیا لیکن افسوس بخاری صاحب کی یہ روایت اسقدر خلاف واقعیت وقوع ہوئی تھی کہ آخر ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے ایسے مؤید و مقلد بخاری نے بھی اس واقعہ کو بالتمامہ خلاف واقع اور ساقط الاعتبار سمجھا۔ اونکی عبارت حسب ذیل ہے۔

ولابن عباس حدیث اخر لعلہ اِمس بالمراد اخرجہ احمد والحاکم من طریق عمرو بن میمون عنہ قال کان المشرکون یرمون علیا وھم یظنون انہ النبی صلعم فجاء ابوبکر فقال یا رسول اللہ صلعم فقال لہ علی انہ انطلق نحو بئر میمون فادرکہ قال فانطلق ابوبکر فدخل معہ الغار الحدیث واصلہ فی الترمذی والنسائی (فتح الباری شرح صحیح البخاری)

ابن عباسؓ کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے اس مقام سے جسکو امام احمدؒ بن حنبل اور امام حاکم نے عمروؒ بن میمون سے روایت کی ہے کہ بعد تشریف بری جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین حضرت علیؑ پر پتھر برسا رہے تھے یہ سمجھکر کہ رسول اللہ لیٹے ہوئے ہیں کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور جناب امیرؑ کو آنحضرت سمجھکر کہا یا رسول اللہ تو حضرت علیؑ نے فرمایا رسول اللہ صلعم تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے تم بھی جاکر مل جاؤ ابوبکرؓ ادھر روانہ ہوئے اور حضرت کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اصل اسکی ترمذی اور نسائی میں ہے۔

اب نہ بخاری صاحب موجود ہیں جو بتلائیں اور نہ شبلی صاحب ہیں جو ارشاد فرمائیں کہ اس روایت ترمذی و نسائی کے سامنے آپ حضرات کی داستان طرازی اور افسانہ سازی کیا ہوئی کیونکہ آپ حضرات نے حقیقت و اصلیت واقعہ کے خلاف صرف اپنے معتقدانہ اصول کی بنا پر جن قصص و حکایات کے عنوان باندھے تھے اور پھر اون سے شاخ در شاخ مضامین تراشے تھے۔ وہ اصلاً و عقلاً کچھ بھی نہیں تھے۔ کیونکہ ابن حجر شارح بخاری کی مرقومہ بالا عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حقیقتاً نہ حضرت ابوبکرؓ کو کسی قسم کی اطلاع دی تھی اور نہ اون سے صلاح و مشورت کی تھی۔ کیونکہ دفعتاً حکم ہجرت آجانے کے بعد آپ کو ان امور کے لئے وقت کہاں تھا۔ جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے آئندہ معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ حکم ہجرت پاتے ہی آنحضرت صلعم فوراً غار کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد محض بطریق معمول آئے۔ اور جناب امیرؑ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبز چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ رسول اللہ سمجھے اور یا رسول اللہ کہکر پکارا جناب امیرؑ انکی غلط فہمی کو سمجھ گئے۔ فرمایا جناب رسالتمآب صلعم تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے اگر تمہیں خواہش ہو تو جاؤ۔ جب آخر وقت تک آنحضرت صلعم کی نقل و حرکت کی کوئی خبر و اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو ہونا اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی ہے تو آنحضرت صلعم کا انکے گھر جانا۔ مشورہ فرمانا۔ وغیرہ وغیرہ تمام مکالمات اور انتظامات جو کتابوں میں منقول ہیں۔ رسول اللہ صلعم پر صریح اتہام نہیں تو اور کیا۔ رہا اب اس امر کا ثبوت کہ حضرت ابوبکرؓ کی عدم اطلاع کی یہ حالت جو ابن حجر کے اس روایت سے ثابت ہوتی ہے وہ صرف ابن حجر نے بطریق منفرد لکھی ہے۔ یا اور محدثین و مورخین نے بھی بطور تواتر اپنی اپنی تصنیفات میں درج کیا ہے اسکے متعلق مفصلہ ذیل اسناد ملاحظہ ہوں۔

لیکن پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ابن حجرؒ نے موجودہ روایت کو امام احمد بن حنبلؒ اور امام حاکمؒ کے اسناد سے لکھا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور دونوں امامان حدیث نے اس واقعہ کو مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے اور اصل عبارت حدیث کو صحیحین۔ ترمذی و نسائی سے مستخرج و مستنبط بتلایا ہے اس بنا پر یہ روایت امام ترمذیؒ۔ امام نسائی منجملہ کتب صحاح اور امام احمد بن حنبل اور امام حاکم۔ مجموعاً پانچ جید ائمہ کبار محدثین کی مصدقہ و مسلمہ ثابت ہو گئی اب چھٹی سند اسکی تفسیر درمنثور امام سیوطیؒ

جلد دوم ص ۲۴۴ کی حسب ذیل عبارت میں ملاحظہ کی جاوے۔

اخرج ابن مردویہ وابو نعیم فی دلائل النبوۃ عن ابن عباس قال لما خرج رسول اللہ من اللیل لحق بغار ثور قال و اتبعہ ابو بکر فلما سمع رسول اللہ من خلفہ خاف ان یکون الطلب فلما رای ذلک ابو بکر تنحنح فلما سمع ذلک رسول اللہ عرفہ فقام لہ حتی تبعہ فاتیا الغار ذلک۔ درمنثور ج ۳ ص ۲۴۴

ابن مردویہ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ صلعم شب کو مکان سے باہر نکلے اور قریب غار پہونچے تو آپ کے پیچھے ابوبکرؓ بھی آرہے تھے۔ حضرتؐ نے جب انکی آہٹ سنی تو خوف ہوا کہ کوئی پکڑنے والا تو نہو ابوبکرؓ نے کھنکھارا تو حضرتؐ نے آواز سے پہچانا اور کھڑے ہوگئے یہانتک کہ دونوں وہاں سے ساتھ ہوگئے اور پھر اسی طرح غار تک پہونچے۔

اس روایت نے تو بخاری صاحب کی قلمکاریوں کی قلعی کھولدی اور بتلادیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی شرکت یا رفاقت جو کچھ تھی وہ آنحضرت صلعم کی اجازت سے تھی نہ آپ کی مرضی سے۔ بلکہ یہ آپ کے بلا رضا و اجازت آپ کے ساتھ ہولئے تھے اتنی انکی آہٹ پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر دشمن کے تعاقب کرنے کا گمان پیدا ہوا جسکو خود حضرت ابوبکرؓ بھی سمجھ گئے اور کھکھار دیے۔ اب یہ کون پوچھے کہ بقول زرقانی مہینوں پیشتر اور بروایت بخاری و شبلی صاحب ہجرت سے دو تین روز پیشتر جو رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے فیمابین ہجرت کے متعلق صلاح و مشورت ہوئی تھی اوسکا نتیجہ کیا یہی تھا کہ ایک کو دوسرے کی نقل و حرکت کی خبر تک نہ ہو۔ اور ایسی لاعلمی ہو کہ ضرورت معلومہ کے لئے وقت موعودہ پر حضرت ابوبکر کو آتے ہوئے دیکھکر بھی آنحضرت صلعم نہ پہچان سکیں۔

امام بیہقی کی عبارت بھی اسی درمنثور ص ۲۴۱ میں ملاحظہ ہو۔

اخرج البیہقی فی الدلائل وابن عساکر عن حلیہ بن محصن العنزی قال قلت لعمر بن الخطاب انت خیر من ابی بکر فبکی قال واللہ للیلۃ من ابی بکر ویوم خیر من عمر هل لک ان احدثک بلیلتہ ویومہ قال قلت نعم یا امیر المومنین قال اما لیلتہ فلما خرج رسول اللہ ھاربا من مکۃ لیلا فتبعہ ابو بکر فجعل یمشی مرۃ امامہ ومرۃ خلفہ ومرۃ عن یمینہ ومرۃ عن یسارہ۔

بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر حلیہ بن محصن عنبری سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے عمرؓ سے کہا آپ بہتر ہیں ابوبکر سے؟ تو حضرت عمر رونے لگے اور کہنے لگے قسم خدا کی ابوبکر کی ایک رات اور ایک دن بہتر ہے عمرؓ سے رات تو وہ کہ جس شب کو حضرت مکہ سے گریزاں ہوئے ہیں تو ابوبکرؓ نے تعاقب کیا اور آگے کبھی ہوجاتے تھے۔ اور کبھی آپ کے پیچھے چلنے لگتے تھے کبھی داہنے طرف چلنے لگتے تھے اور کبھی بائیں طرف ہوجاتے تھے۔

دیکھئے حضرت عمر کی اس روایت نے بھی بخاری والی مشورت اور مجالست اور انتظام و اہتمام سفر وغیرہ کی تمام بندشوں پر خاک ڈالدی اور کچھ ذکر نہ کیا۔

اب تیسری روایت اون مرقومہ بالا پانچ روایتوں کے علاوہ تاریخ طبری کی حسب ذیل ہے۔

ان ابا بکر اتی علیًّا فسأله عن نبی اللّٰه فاخبره انه لحق بالغار من ثور، وقال ان کان لك فيه حاجة فالحقه فخرج ابو بکر مسرعًا فلحق نبی اللّٰه فی الطریق فسمع رسول اللّٰه جرس ابی بکر فی ظلمة اللیل فحسبه من المشرکین فاسرع رسول اللّٰه المشی فانقطع قبال نعله ففلق ابهامه حجر فکثر دمها واسرع السعی فخاف ابو بکر ان یشق علی رسول اللّٰه فرفع صوته وتکلم فعرفه رسول اللّٰه صلعم فقام اتاه فانطلقا ورجل رسول اللّٰه تستن دمًا حتی انتهی الی الغار الصبح تاریخ طبری ص ۲۴۴ مصر

حضرت ابوبکر حضرت علی کے پاس آئے اور حضرت رسولخدا صلعم کا حال دریافت کیا حضرت علی نے کہا کہ حضرتؐ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے اگر تم کو کچھ مطلب ہو تو جا کر آپ سے مل جاؤ۔ حضرت ابوبکر نہایت سرعت سے اودھر چلے حضرتؐ کو انکے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو آپ نے انکو کوئی مشرک تعاقب کنندہ خیال کیا اور اس وجہ سے آپ دوڑکر چلنے لگے۔ یہانتک کہ نعلین مبارک کے آگے والا بند ٹوٹ گیا اور حضرتؐ کا انگوٹھا شگافتہ ہوگیا۔ جس سے بہت سا خون بہا۔ مگر باینہمہ آپ دوڑتے جاتے تھے تب ابوبکرؓ کو خوف ہوا کہ حضرتؐ کو اس سے بھی زیادہ تکلیف و صدمہ پہونچے تو ابوبکرؓ نے اپنی آواز بلند کی تو آنحضرتؐ صلعم انکو پہچانکر کھڑے ہو گئے یہانتک کہ ابوبکر بھی آ گئے اور ساتھ ساتھ چلے اور رسول اللہ صلعم کے پاؤں سے خون جاری تھا یہانتک کہ صبح ہوتے غار تک پہونچے طبری جلد دوم

اصل واقعہ تو یہ ہے جسکی اصلی صورت بدل کر مصنوعات و موضوعات کے رنگارنگ نقاب چڑھائے گئے ہیں۔ اور انہیں رنگ آمیزیوں کی وجہ سے بخاری صاحب کی مرویات کو تاریخ و سیرت کے مندرجات پر ترجیح دی گئی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بخاری صاحب کو حقیقت واقعہ کے استحفاظ سے زیادہ استحکام عقائد کی ضرورت تھی۔ جسکے لئے وہ ذمہ دار سمجھے بخلاف انکے ایک سیرت نویس اور تاریخ نگار کی نظر واقعہ کی اصلیت اور حقیقت پر رہے گی۔ وہ کسی واقعہ کی تفصیل و بیان میں حفظان عقائد وغیرہ کا پابند نہیں تو پھر مؤیدان بخاری کی تمناؤں کے خلاف طبری کی روایت و عبارت میں ان افسانہ سازیوں کا کہاں نشان ملیگا اسلئے ضرور تھا کہ حدیثوں کی مرویات کو تاریخوں کے واقعات پر ترجیح دیجا دے لیکن مشکل یہ پڑی کہ حدیثوں میں اور خصوصًا صحیحین ترمذی و نسائی میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں۔ اس مجبوری سے صحیح بخاری کو جملہ صحاح پر ترجیح دینی ضرور ہو گئی اب جب اتنی متواتر شہادتوں سے واقعہ ہجرت کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی تو ہر شخص بآسانی سمجھ لیگا کہ امام بخاری نے اصل واقعہ کو چھپایا اور اوسکی جگہہ ایسی روایت بنائی جو نہ نقلاً ثابت ہو سکتی ہے اور نہ عقلاً۔

نقل کی حقیقت تو نقل ہو چکی اب عقل کی یہ صورت ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم والا شخص بھی نہیں یقین کر سکتا کہ ایسے وقت میں جو آنحضرت صلعم پر انتہائے مصیبت کا تھا کہ ایک طرف ظالم کفار سے خود تنگ تھے۔ دوسری طرف یہ سامان پیش نظر تھے کہ آپ کے قتل کئے جانیکی تمام ترکیبیں تیار ہو چکی تھیں۔ پانچ قبیلوں کے بے رحم قاتل منتخب ہو چکے تھے دولتسرا کا محاصرہ ہو چکا تھا کہ ہجرت کا حکم پہونچا۔ ایسے تنگ وقت پر خوف عالم اور قیامت خیز موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی فرصت کہاں تھی کہ حضرت یہ سب سامان کرتے ابوبکرؓ کے گھر جاتے اور اطمینان سے سفر ہجرت کے متعلق مشورہ فرماتے۔

اب وقت کی تنگی کا ثبوت تفسیر معالم التنزیل کی مفصلہ ذیل عبارت میں ملاحظہ ہو۔

فاتی جبریل النبی صلعم واخبرہ بذلک (ای المشورۃ) المشرکین وامرہ ان لا یبیت فی مضجعہ الذی کان یبیت فیہ واذن اللہ لہ عند ذلک الخروج الی المدینۃ فامر رسول اللہ صلعم علی بن ابی طالب ان ینام فی مضجعہ وقال اتشح ببردی ھذا فانہ لن یخلص الیک منھم شئ تکرھہ ثم خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم واخذ قبضۃ من تراب فاخذ اللہ ابصارھم عنہ فجعل ینثر التراب علی رؤسھم وھو یقرء انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا الی قولہ فھم لا یبصرون۔ معالم تنزیل

(جب کفار نے مشورہ اشورائے قتل آنحضرت صلعم) تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر خبر دی اور کہا کہ آج کی رات جہاں آپ سوتے ہیں وہاں نہ سوئیے کیونکہ خدا نے اسیوقت آپ کو مدینہ چلے جانے کے لئے حکم دیا ہے اوسیوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہماری خوابگاہ میں سو رہو اور ہماری چادر اوڑھ لو تمہیں کوئی نقصان نہ پہونچیگا پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے باہر نکل آئے اور ایک مٹھی خاک اون لوگوں پر جو بیت الشرف کا محاصرہ کئے تھے ڈالدی۔ خدا نے اونکو آنکھوں کا اندھا کردیا کہ وہ آپ کو تشریف لیجاتے ہوئے مطلق نہ دیکھ سکے اور آنحضرت صلعم یہ قرآنی آیہ انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا تا فھم لا یبصرون تلاوت فرماتے ہوئے نکل گئے۔

معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت نے فی الحقیقت حال کا پورا انکشاف کردیا اور بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسوقت کہاں تھا۔ اور وقت نزول حکم ہجرت سے ایک لحہ پہلے آپ کو اسکی خبر کب تھی کہ آپ اسکی نسبت کسی سے صلاح و مشورت کرتے یا سفر کا انتظام فرماتے تفسیر قرآن کی عبارت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ نزول حکم ہجرت تک آپ کو اسکا مطلق علم نہیں تھا۔ دفعتاً ہجرت کا حکم آتا ہے اور فوراً مدینہ چلے جانیکا فرمان صادر ہوتا ہے اور آپ اوسی وقت حضرت علی مرتضیٰ کو اپنی خوابگاہ پر سلاکر اور اپنی ردائے مبارک اوڑھا کر وہ لفراسے بقصد مدینہ غار ثور کیطرف تشریف لیجاتے ہیں چشم زدن میں تو سب کچھ ہو جاتا ہے حکم بھی آتا ہے تعمیل بھی ہو جاتی ہے اور آپ حسب الحکم اوسیوقت بقصد مدینہ گھر سے باہر نکل جاتے ہیں پھر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسوقت کہاں رہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں اونکو اس امر کی اطلاع دیں رفاقت و مشارکت سفر کی بشارت پہونچائیں۔ چنانچہ سفر کرنے کی صلاح و مشورت ہو۔ راحلہ اور زاد راہ کے انتظام درست ہوں گھر کے دونوں پروردہ ناقے پیش ہوں قیمت چکائی جائے۔ بقول واقدی ناشتہ کے لئے ایک پوری بکری کا گوشت بھونا جائے اور ساتھ کیا جائے ان تمام افسانہ تراشیوں کو اوسوقت کی حالت اضطراب اور عالم انتشار۔ حکم آلہی کے فوری نزول اور اوس کی فوری تعمیل کی مصلحت خاص سے جس سے صرف حفاظت جان رسول مقصود تھی۔ کوئی مناسبت اور کوئی تعلق نہیں پایا جاتا ہے اور کیا کوئی سر میں دماغ اور دماغ میں عقل رکھنے والا شخص کبھی ایسا گمان بھی کرسکتا ہے کہ جس امر عظیم کو مدبر قدرت نے اس استحفاظ رازداری سے مخفی رکھا ہو کہ وقت نزول حکم تک اوسکی اطلاع رسولؐ کے ایسے امین و رازدار کو نہ کی ہو۔ اور نزول حکم کے ساتھ فوری تعمیل کی تاکید بھی فرمادی ہو وہ راز عظیم اس بے پروائی۔ بیباکی اور آزادی سے طشت ازبام کیا جائے۔

حسب طالبان تحقیق اس راز عظیم کی اہمیت کو ایک طرف رکھتے ہیں اور بخاری صاحب کی زبانی اسکی عملی صورت کو دوسری طرح

رکھتے ہیں اور فیہا ہیں مصلحت خداوندی اور مناسبت وقتی کو پیش نظر رکھکر مقابلہ کریں تو یہ صاف صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ تمام فسانہ سازیاں اور افترا پردازیاں صرف حضرت ابوبکرؓ کی مدح سرائی و مرتبہ افزائی کی غرض خاص سے کی گئی ہیں۔ ورنہ ان موضوعات کی نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ ان مصنوعات کی کوئی حقیقت۔

سب سے زیادہ حسرت و عبرت تو اسلام کے ان علمائے کبار کی ناعاقبت اندیشی پر یہ ہے کہ جو واقعہ قرآن مجید کے الفاظ ربانی میں بایں صراحت مذکور ہوا اسکو بھی یہ حضرات ایسی رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ اونکی تمام تفصیل و بیان فسانہ عجائب کی داستان معلوم ہوتی ہے۔

خداوند عالم اس واقعہ کو سورۂ انفال میں بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ	جسوقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کرلیں یا قتل کردیں یا خارج البلد کردیں اور وہ مکر کرتے تھے اور خدا اونکو مکر کا توڑ دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے مکریں کا۔

مشرکین کے جواب مکر میں جب مدبر قدرت اس عجلت و سرعت کے ساتھ اپنی حکمت و تدبیر کو عمل میں لارہا ہے تو پھر اوسوقت اتنی گنجایش کہاں باقی رہتی ہے اور اتنا موقعہ کہاں ہاتھ آتا ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے پاس جائیں مشورہ فرمائیں یا سامان سفر وغیرہ درست کرائیں۔ بلکہ تدبیر الٰہی کا مقتضا و مدعا تو اسیقدر رہتا کہ آپ حضرت علیؑ کو بستر مبارک پر سلاکر و لتسرائے عالی سے حتی الامکان جلد ہو نکل جائیں اور آیندہ اپنے تمام معاملات کو تدبیر الٰہی کے حوالہ فرمائیں نعم المولی و نعم النصیر اور یہی سب سے احسن اور سب سے بہتر ہوگا۔ یہی شان رسالت بھی تھی اور یہی شایان رسالت بھی۔ جیسا کہ معالم التنزیل کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہوچکا اور مفصلہ ذیل عبارت سے اور بھی بالتفصیل معلوم ہوجائیگا۔

وخلف علیاً بمکۃ حتی یودی عنہ الودایع التی قبلہا وکانت الودایع یودع عندہ لصدقہ وامانتہ وبات المشرکون یحرسون علیاً فی فراش رسول اللہ صلعم یحسبون انہ النبی فلما اصبحوا ثاروا الیہ فرأوا علیاً فقالوا این صاحبک قال لا ادری فاقتفوا اثرہ وارسلوا فی طلبہ۔ معالم التنزیل ص ۲۴۳	حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام کیا کہ جو امانتیں حضرت صلعم کے پاس لوگوں کی تھیں اونکو ادا کردیں کیونکہ آنحضرت صلعم کی صدق و امانت پر اعتبار کرکے لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے اور مشرکین فرش رسول اللہ صلعم پر علیؑ کا پہرہ دے رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی نبی خدا ہیں۔ جب صبح ہوئی تو سب کھڑے ہوکر متوجہ ہوئے اور چادر اوٹھائی تو دیکھا علیؑ ابن ابیطالب ہیں پوچھا تمہارے آقا کہاں گئے فرمایا ہم نہیں جانتے تو سب لوگ حضرت کا نشان لگاتے ہوئے چلے اور لوگوں کو حضرت کی جستجو میں روانہ کیا۔

ہم نے قرآن اور تفسیر دونوں کی عبارتوں کو لکھدیا۔ اب ان عبارتوں کو بخاری صاحب کی نوتراشیدہ مضامین سے ملایا جاوے تو صاف طور سے ظاہر ہو جاویگا کہ اس واقعہ کے متعلق تفسیر قرآن کی عبارت۔ مکر کفار کے جواب میں صرف تدبیر الٰہی اور حضرت علیؑ کی ایثار نفسی کے واقعات بیان کرتی ہے۔ بخلاف اسکے بخاری صاحب حضرت ابوبکرؓ کی مدح و ثنا کی داستان سنائے جاتے ہیں حقیقت واقعہ کی اصلی صورت کو چھپائے جاتے ہیں اور تمام و کمال واقعات میں حضرت علیؑ کی ان عدیم المثال اور فوق الکمال خدمات کا

کہیں ذکر بھی نہیں کرتے۔ نام بھی نہیں لیتے اب تو تمام اسلامی دنیا نے بخاری صاحب کی خود غرضانہ جانبداری اور طرفدارانہ قلمکاری کو دیکھ لیا اور سمجھ لیا۔[1]

اب اس روایت بخاری کے دوسرے موضوعات کے انکشافات حسب ذیل ملاحظہ ہوں۔

اسی روایت کا دوسرا طریقہ اسناد

بخاری صاحب باب الہجرت میں دوسری روایت یوں شروع کرتے ہیں قال ابن شہاب۔ اسناد ندارد کہاں ابن شہاب (یعنی امام زہری) کہاں زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب سوال یہ ہے کہ بخاری نے کس سے سُنا خیریت سے آپ تو ابن شہاب یا زہری کے وقت میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ابن حجر صاحب شارح بخاری کو جب کچھ کہتے سنتے نہ بنا تو بالآخر مجبور ہو کر اوسکی شرح میں لکھدیا بالاسناد المذکور یعنی اوسی سند سابقہ سے جو اوپر والی روایت میں مذکور ہے۔

---

[1] استغفر اللہ۔ بخاری کی کتنی حقیقت اور راویوں کا کیا وجود جو صحابیت یا حقیقت کو چھپا دیں اور وہ چھپی رہے ملاحظہ ہو امام فخر الدین رازی کی عبارت جو انہوں نے اس واقعہ کے متعلق تفسیر کبیر میں قلمبند فرمائی ہے بات علی ابن ابیطالب علی فراش رسول اللہ لیلۃ خروجہ الی الغار ویروی انہ لما نام علی فراشہ قام جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ وجبرئیل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباھی اللہ بک الملٰئکۃ ونزلت الآیۃ وَمَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ یعنی جب حضرت علی ابن ابیطالب شب ہجرت فرش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوئے تو حضرت جبرئیل (غرض مطلب) آپ کے سرہانے تھے اور میکائیل پائینتی اور جبرئیل پکارتے تھے مبارک ہو مبارک کون ہے مثل تیرے اے فرزند ابیطالبؑ کہ خدا تیری ذات سے مباہات کرتا ہے ملائکہ پر پھر یہ آیت (مرقومہ) اتری۔

تفسیر کے بعد تاریخ وحدیث کی شہادتیں بھی ملاحظہ ہوں "تاریخ خمیس جلد اول ص ۳۲۵" میں مرقوم ہے قال الغزالی فی الاحیاء ان لیلۃ بات علی بن ابی طالب علی فراش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوحی اللہ تعالیٰ الی جبرئیل ومیکائیل انی اٰخیت بینکما وجعلت عمر احدکما اطول من عمر الآخر فایکما یوثر صاحبہ بالحیاۃ فاختار کلاھما الحیاۃ فاحیاھا فاوحی اللہ الیھما افلا کنتما مثل علی بن ابی طالب اٰخیت بینہ وبین محمد فبات علیٰ فراشہ یفدیہ بنفسہ ویؤثرہ بالحیاۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابیطالب تباھی بک الملٰئکۃ فانزل اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جناب امیر فرش رسول صلعم پر سوئے تو خدا نے حضرت جبرئیل ومیکائیل پر وحی کی کہ ہم نے تم دونوں کو بھائی بنایا اور ایک کی عمر کو دوسرے سے طولانی کی اب کون تم میں ایسا ہے جو اپنی جان کو دوسرے پر نثار کرتا ہے تو دونوں نے زندگی ہی کو پسند کیا تو پھر خدا نے وحی بھیجی کہ کیوں تم لوگ مثل علی بن ابیطالبؑ کے نہیں ہوجاتے کہ ہم نے ان میں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مواخات قائم کی تو آج علیؑ نے اپنی جان کو اون پر نثار کردیا ہے اور اونکی حیات کو اپنی حیات پر اختیار کرلیا ہے اب تم دونوں زمین کی طرف جاؤ اور اونکی حفاظت کرو۔ حضرت جبرئیلؑ سرہانے آکر ایستادہ ہوگئے اور میکائیل پائینتی کی طرف آکھڑے ہوئے اور پکارتے تھے کہ کون شخص ہوسکتا ہے مثل تمہارے اے علی بن ابی طالبؑ کہ خداوند عالم تمہارے سبب سے فرشتوں پر مباہات کرتا ہے اور یہ آیہ نازل کیا کہ آدمیوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جو اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لئے بیچ ڈالتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

سوائے اسکے حقیقتاً جواب ہی کیا تھا؟ اگرچہ سیاق و سباق عبارت سے کتنا ہی خلاف ہو لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس جواب پر بھی کوئی دلیل نہ لاسکے کیونکہ بخاری کی عادت معلوم ہے وہ اکثر روایات مقطوع لاتے ہیں تو پھر ابن حجر باسنادہ المذکور کیسے لکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ آگے چلکر اسی کی شرح میں خود لکھتے ہیں وقد افرد عائذ فی المغازی من طریق الولید بن محمد عن الزھری کہ عائذ نے مغازی میں اسکو بطور افراد ذکر کیا ہے بواسطہ ولید بن محمد کے زہری سے اور روایت زیر بحث میں راوی دوسرا ہے۔ تو پھر اونہیں کی تحریر و اقرار کے مطابق باسنادہ المذکور کا لکھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور اسلئے بخاری کی یہ اور اس سے پہلی والی حدیث کیسے ایک ہو سکتی ہے۔

اسناد کے اعتبار سے روایت کی مقدار تو اتنی معلوم ہوئی اب واقعہ کی حقیقت و صداقت بھی ملاحظہ ہو۔

قول انما ھم اھلک — قال انما ھم اھلک۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کے اون طلبی کے جواب میں کہا (جلے آئیے)

خلاف واقع ہے۔ سب آپ کے اہل ہیں۔ بالکل خلاف واقع ہے۔ خیر حضرت عائشہؓ سے تو نکاح ہو چکا تھا اور وہ زوجہ کی تعریف کے اندر آچکی تھیں۔ مگر اسماء بنت ابی بکر کیونکر آنحضرت صلعم کے اہل میں کیسے داخل ہو سکتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے اصل خطاب سے تو بخاری صاحب کا نقل جواب زیادہ تعجب انگیز ہے۔ حالانکہ علماء و محدثین کے دیگر اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کبھی ان الفاظ میں آپ کو جواب ہی نہیں دیا (ملاحظہ ہو روحانی جلد اول) یہ بخاری صاحب کی حضرت ابوبکر کی زائد از ضرورت مدح سرائی ہے جس نے ممدوح کی عظمت کو بڑھایا کیا اور بھی گھٹا دیا۔ حالانکہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہشام ابن عروہ وغیرہ۔ اپنی روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا جواب صاف صاف ان الفاظ میں لکھتے ہیں وھما ابنتای میری دو تو بیٹیاں ہیں جو ہر طریقہ اور قرینہ سے بالکل مناسب اور فی الواقع ہے۔ اب صاحبان عقل و بصیرت خود تمیز کرلیں کہ بخاری کی روایت موافق واقع اور مناسب حال ہے یا ہشام بن عروہ اور دیگر راویان حدیث کی حدیثیں۔ امام بخاری کی یہ قلمکاریاں صرف حضرت ابوبکرؓ کی رسوخیت اور حضرت عائشہؓ کی خصوصیت کے اظہار کی بنا پر ہی تھیں لیکن افسوس کہ وہ کبھی پوری نہ ہو سکیں۔ انکے ان طلسمی موضوعات کا پردہ پورا دوسرے راویوں نے چاک کر ڈالا۔ اتنا تمہیداً و تنقیداً لکھکر ہم اس روایت موضوعہ کی آیندہ حقیقت کا انکشاف کرتے ہیں۔

اونٹوں کا ہدیہ پیش کرنا اونٹوں کے ہدیہ کے متعلق بخاری صاحب لکھتے ہیں قال ابوبکر فخذ بابی انت یا رسول اللہ احدی — حضرت ابوبکرؓ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میرے دونوں اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے لیا جاوے۔ ابن حجر صاحب اسپر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

زاد ابن اسحاق قال لا ارکب بعیرا لیس ھولی قال ھو لک ولکن بالثمن الذی ابتعتہا بہ قال اخذتہا بکذا وکذا قال اخذتہا بذلک	ابن اسحاق نے اضافہ کیا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہم اس اونٹ پر سوار نہ ہونگے جو ہمارا مال نہ ہو ابوبکرؓ نے کہا وہ تو آپ ہی کا ہے حضرتؐ نے کہا بشرطیکہ وہ قیمت لے لو جس قیمت پر تم نے لیا ہے ابوبکر نے کہا ہم نے اس قیمت پر لیا ہے حضرتؐ نے فرمایا اچھا ہم نے اس قیمت پر لیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ سرحال ہماری غرض بیان تذکرہ فضائل و مناقب جناب امیر نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھلانا ہے کہ بخاری صاحب کیسے دیانتدار ہیں کہ جو واقعہ مسلمات سے ہے یعنی حضرت علیؑ کا فرش رسول اقدس صلعم پر سونا اور آنحضرت کا بسری کا مارا ہونا اور حسب تمام واقعہ ہجرت کا دارومدار ہے اسکو تو لپیٹا سب یا کر گئے اور جو واقعہ بالکل خلاف واقعہ ہے اور خلاف آپ ہی کی نقاسی اور مضمون تراشی ہے اسی کو تمام صحیح میں بھر دیا۔ المولف عفی عنہ

دوسری روایت امام طبرانی کی ہے اسماء بنت عمیس سے۔ اوسمین یوں بیان ہے کہ حضرت نے ابوبکرؓ سے حوایا یہ ارشاد کیا کہ ہم بقیمت لے سکتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا اگر چاہئے تو قیمت دیدیجئے۔

امام واقدی کا قول ہے کہ قیمت آٹھ سو تیار ہوئے اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کا نام قصویٰ ہے یعنی بنی قشیر سے جو آنحضرت صلعم کے بعد تک زندہ رہی۔ لیکن ابن اسحاق بتلاتے ہیں کہ وہ ناقہ جدعا تھا جو اہل بنی حریش سے تھا۔ امام ابن حبان کا بھی یہی مختار ہے۔

شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی اسکے متعلق مدارج النبوۃ مین لکھتے ہین۔

ابوبکرؓ را دو شتر بود کہ بچہار صد درم و در روایتے بہشتصد درم خریدہ و در مدت چہار ماہ آنرا علف دادہ فربہ ساختہ نگاہداشتہ بود ہر دو را پیش آوردہ تا یکے را آنحضرتؐ قبول فرماید۔ فرمود قبول کردم الا بشرطیکہ ابتیاع پس بہشتصد درم آن ناقہ را از ابوبکر صدیق خرید۔ واما آنکہ حکمت در خریدن ناقہ از ابوبکر صدیقؓ باوجود نہایت صدق و ادعائے اتحاد و سابقہ انفاق ابوبکر صدیقؓ اموال کثیر را بر آنحضرت صلعم آن بود کہ نخواست کہ در راہ خدا استمداد و استعانت از کسے جوید۔ چنانچہ خلاصہ اشارہ آیہ لَا تُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا ناظر است۔

مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۴۴

حضرت ابوبکر کے دو اونٹ تھے جسکو انھوں نے چار سو درم پر اور بروایتے آٹھ سو درم پر خریدا تھا اور چار مہینوں تک چارہ وغیرہ کھلاکر خوب تیار کرکے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اسموقع پر دونوں کو آنحضرت صلعم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا آپ نے فرمایا کہ میں انھیں قیمت دیکر البتہ قبول کرسکتا ہوں پس آٹھ سو درم پر آنحضرت صلعم نے انکو حضرت ابوبکرؓ سے خرید لیا۔ اور حضرت ابوبکر سے باوجود انکی خصوصیت اور اعتماد و سابقہ اتحاد و انفاق اموال وغیرہ کی بلا قیمت نہیں لیا۔ خرید لینے میں حکمت یہ تھی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ خدا کی راہ میں کسی شخص کی استمداد و استعانت قبول کریں چنانچہ آیہ ولا یشرک (اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) میں اسکی طرف خاص اشارہ موجود ہے۔

محدث دہلوی کی مرقومہ بالا عبارت سے اس واقعہ مین جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرکت فی العبادت مین اسدرجہ حزم و احتیاط ثابت ہوا اور اس پر شاہ عبدالحق صاحب آیہ قرآنی سے اس عمل رسول کی مطابقت فرماکر صدائے احتجاج و استدلال بلند فرماتے ہیں۔ بخلاف انکے بخاری صاحب اور انکے ایسے مدح سرایان حضرت ابوبکر بخاص اقوال و افعال رسول صلعم سے حضرت ابوبکر کی ان امور عبادت مین شرکت ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور اپنے موضوعات و مصنوعات کے سر فلک طوفان اوٹھاتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خالص توحید کی تعلیم کے متعلق معلم اسلام علیہ السلام نے ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے امور مین بھی شرک کے تمام شعبوں سے بچنے اور احتیاط کامل رکھنے کا جس تاکید کے ساتھ حکم فرمایا ہے وہ جمہور کا مسلمہ ہے اس اصول مسلّمہ کے خلاف نعوذ باللہ وہی نفس قدسی برکت خود اپنی اس خالص عبادت مین کیسی دوسرے کی شرکت کو گوارا

فرما سکتا ہے۔ جو اوسکی شان رسالت کے نقیض اور اوسکی تعلیم و ہدایت کے خلاف واقع ہو۔ افسوس ہے کہ عقیدتمندان حضرت ابوبکر نے ان موضوعات کی ترکیب و ترتیب کیوقت حقیقت رسالت کو پیش نظر نہین رکھا اور اوسکے وقار و عظمت کو قابل اعتبار نہ سمجھا۔ بخاری کی غلط نگاری سے جہان رسالت کی نقیض و منافی اتنی باتین معلوم ہوئین۔ وہان ایک امر مفید بھی ثابت ہو گیا اور یہ بھی کرشمۂ قدرت ہے کہ بخاری نے ایسی روایت لکھدی جس سے ہمیشہ کے لئے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوبکرؓ کے بار احسان سے سبکدوشی مل گئی۔ اگر وہ بنظر عقیدت حضرت ابوبکر ادائے قیمت کی شرط اپنے طومار موضوعات مین نہ لکھتے تو اون کا کوئی کیا کر لیتا اونکا صاف صاف لفظون مین اس شرط کو لکھدینا تمام خالص مسلمانون کی مسرت گذاری کا باعث ہے۔ اسکے اندراج سے آنحضرت صلعم کے استغنا۔ توکل۔ صبر و رضا۔ جو خاص اوصاف رسالت ہین پورے طور پر معلوم و ثابت ہو گیا کہ آپ باوجود اس مصیبت کے کہ گھر سے بے یار و مددگار اور بلا ساز و سامان نکلے۔ مگر تاہم یہ کسیطرح گوارا نفرماتے کہ کسی کا اونٹ بلا قیمت یا مستعار لیکر خدا کی راہ مین دو قدم بھی راستہ طے کیا جاوے۔

جس رسول برحقؐ نے اپنے عم نامدار (ابیطالب) کے بار احسان کو بھی (حضرت علیؑ کو اپنی تربیت و پرورش مین لیکر) اپنے ذمہ باقی رکھنا جائز نہ رکھا۔ حالانکہ درحقیقت وہ کوئی بار نہ تھا۔ بلکہ باپ کے بعد چچا کے فرائض مین داخل تھا بھلا وہ ایسے شخص کا کیونکر احسان قبول کر لے سکتا تھا جو خود اپنی قوم اور قبیلہ مین کوئی امتیاز خاص نہین رکھتا تھا۔

جس رسول غیورؐ نے (ابی سلول) کے ایک کرتہ کا احسان جو آپ کے ایک عم نامدار (حضرت عباس) کے ساتھ کیا گیا تھا اپنے ذمہ باقی نہ رکھا اور اوس شخص معطی کو اپنے پیراہن کا کفن دیکر اوتار پھینکا۔ وہ ایک محض غیر ممیز شخص کا احسان اور خصوصًا خدا کے خاص کامون کے متعلق کیسے گوارا کر سکتا تھا۔

بہرحال جب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی کے ایسے عالم فاضل اور محقق کامل کو اسکا اقرار ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے نہ چاہا کہ خدا کی راہ مین کسی کی امداد و اعانت کو قبول کرین۔ اسلئے حضرت ابوبکر سے بلا قیمت ناقہ نہ لیا تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہرگز آنحضرت صلعم نے بطیب خاطر حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا کیونکہ ساتھ لیکر کسی کو غار مین جانا یقینًا لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا کا منافی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایسا شرک ہے جو ان الشرک لظلم عظیم کا مرادف ہے۔ کیونکہ جس امر کو خداوند عالم نے ایسے راز مین رکھا کہ سوائے رسولؐ کے اور اوسکو بھی عین وقت پر اور کسی کو اوس سے آگاہ نہین کیا اوسکی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ امین رسالت نے اوس سر الٰہی کو یون فاش کر دیا ہو گا۔

ان قرائن اور نیز خود بخاری کی روایت کی بدولت اس روایت کی موضوعیت واضح ہو گئی۔ کیونکہ جب بلا قیمت کسی کا اونٹ لینا گوارا نہ ہوا اور منافی لا یشرک بعبادۃ ربہ احدا سمجھا گیا تو اوسی راہ خدا کے کامون مین کسی دوسرے کو بالقصد والارادہ ساتھ لینا جو توجہ اور استغراق الی اللہ مین فرق ڈالنے کا باعث ہو۔ بالکل خلاف آیہ مذکورہ ہے اور صریح مخالف عقل اور منافی حقیقت ہے۔ حیف ہے کہ اس مخالف عمل کا عامل خود رسول اللہؐ کی ذات مبارک بتلائی جاتی ہے۔

بخاری صاحب کی قلمکاریوں کی کن کن اداؤں کی تعریف کی جائے آپ کی موزونیت بیاں کی۔ یا مناسبت مقام اور حقیقت کلام کی۔ اسی اونٹ والے قصہ میں آنکھیں بند کرکے یہ عبارت لکھنے کو تو لکھ گئے۔ وعلف راحلتین کا متاعندہ ورق السمر۔ وھو الخبط اربعۃ اشھر یعنی حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دونوں اونٹوں کو چار مہینوں تک ببول کے پتے کھلائے۔

سب کو جانے دیجئے ایک آن جرائے۔ جن سے بڑھکر بخاری کا معتقد و موید ہونا دشوار ہے انکے اس جملہ میں تین اعتراض وارد کئے ہیں اول یہ کہ ورق سمرہ کی شرح زہری نے کی تھی۔ بغلط بخاری نے اسکو بھی جزو روایت بناکر داخل حدیث اور مندرج صحیح کردیا۔ حالانکہ یہ خاص الخاص زہری کا قول ہے۔ نہ حضرت عائشہؓ اور نہ عروہ اصل راویان حدیث کا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چار مہینہ کی مدت بیان کی کہ چار مہینوں تک اونٹ کو چارہ کھلاتے رہے وقد تقدم فی اول الباب ان بین العقبۃ الثانیۃ وھجرتہ ثلثہ اشھر وبعض شھر علی التحریر یعنی اب یہ مذکور ہوچکا ہے کہ عقبہ ثانیہ اور ہجرت آنحضرت صلعم میں صرف دو مہینوں اور ایک مہینہ اور کچھ بعض سے ہوئی پھر بخاری صاحب کے یہ چار مہینے کہاں سے آگئے۔

اسی طرح خریداری شتر میں ایک نکتہ یہ بھی سب سے زیادہ لطیف ہے اور قابل دید۔ شاہ عبدالحق صاحب کی اوپر عبارت لکھی گئی ہے جسمیں یہ عبارت صاف صاف موجود ہے۔ "ابوبکرؓ دو شتر لود کہ چہار صد درم و در روایتی ہشتصد درم خریدہ چہار ماہ آنرا علف دادہ ہر دو را پیش آوردہ تا یکے را آنحضرتؐ قبول فرماید۔ فرمود قبول کردم ولیکن بشرط ابتیاع پس بہ ہشتصد درم آں ناقہ را از ابوبکرؓ خرید۔" اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ ان اونٹوں کی اصلی قیمت ایک روایت سے چار سو درم اور دوسری روایت سے آٹھ سو درم۔ اب۔ تایکے را آنحضرتؐ قبول فرماید۔ کی عبارت نے صاف کردیا کہ ایک ناقہ کی خریداری کی گئی اور یہی حضرت ابوبکرؓ کی خواہش بھی تھی۔ اور ضرورت و مناسبت وقت بھی یہی بتلاتی ہے۔ غرضکہ مسلّم ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک ناقہ خریدا لیکن۔ بہ ہشتصد درم آں ناقہ را از ابوبکرؓ خرید۔ کی تصریح نے ثابت کردیا کہ نو سو درم پر وہ ناقہ خریدا گیا۔ اب دیکھئے اگر چار سو درم والی روایت صحیح ہے جسمیں منقول ہے کہ چار سو میں دونوں ناقے خریدے گئے تھے اور ان میں کا ایک ناقہ رسول اللہ کے ہاتھ نو سو روپیہ پر بیچا گیا تو گویا چوگنی قیمت سے بھی زیادہ لی گئی۔ اور اگر آٹھ سو درم والی روایت پر اعتبار کیا جائے تو ایک ناقہ کی اصلی قیمت چار سو درم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلعم سے چار سو کے بدلے نو سو پورے گنوائے گئے۔

اور اگر کوئی عقل سے خالی یہ کہے کہ نہیں دونوں ناقوں کی خریداری کی گئی تھی۔ حالانکہ ایسا دعویٰ سراسر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے لیکن بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم اسے تسلیم بھی کرلیں کہ اس محسن عالم نے دونوں ناقے خریدے۔ ایک اپنے لئے رکھا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کو دیدیا۔ تاہم حضرت ابوبکرؓ کا اوپر ہی اوپر سو روپیہ کا نفع پا جانا ثابت ہوتا ہے اور سواری مفت

کیا حضرت ابوبکرؓ کے اس خلوص عقیدت اور محبت رسولؐ کا یہی تقاضہ تھا کہ ایسی مصیبت میں بھی رعایت و مروت کی جگہ رسول اللہ صلعم سے نفع کا لین دین کیا جائے۔ کیا حسن رفاقت ہے اور کیسی اچھی صدیقیت۔

اب اس تمام لفاظی اور افسانہ تراشی کا خلاصۂ حقیقت بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔ امام جلال الدین السیوطی تفسیر درمنثور جلد دوم صفحہ ۲۴۰ مین لکھتے ہین۔

فمكث هو وابوبكر في الغار ثلاثة ايام يختلف اليهم بالطعام عامر بن فهيرة وعليؑ يجهزهم واشتروا ثلاثة اباعر من ابل البحرين واستأجر لهم دليلا فلما كان بعض الليل من الليلة الثالثة اتاهم عليؑ بالابل والدليل فركب رسول اللهؐ وركب ابوبكر اخرى فتوجهوا نحو المدينة

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر تین روز تک غار مین ٹھیرے رہے اور عامر بن فہیرہ اونکے لئے کھانا لاتا اور علیؑ اونکے کھانے کا سامان کرتے رہے پس آپ نے (علیؑ نے) تین اونٹ بحرین کے اونٹوں مین سے خریدے اور ایک راہنما کو اجرت پر مقرر کیا جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو حضرت علی اونٹ اور راہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول اللہ صلعم اور ایک اونٹ پر ابوبکر سوار ہوکر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

۵ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرقومہ بالا روایت نے تو سرے سے بخاری صاحب کی تمام تمناؤن کا خون اور اونکی نیرنگ مضمون کو بالکل دگرگون کردیا حقیقت کا انکشاف اور تمام موضوعات ومصنوعات کا مطلع صاف ہوگیا ناکی کا پردہ اوٹھتے ہی حقیقت بین نگاہوں نے دیکھ لیا کہ جس طرح نہ رسول اللہ صلعم قبل از ہجرت حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ نہ مشورت ہوئی۔ نہ اونکو ساتھ لیا۔ اسی طرح نہ اونٹ پیش کئے گئے نہ خریدے گئے اور نہ کوئی راہنما مقرر کیا گیا اور نہ زادراہ وغیرہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہمراہ کیا گیا۔ ان تمام ضروریات سفر کا انتظام اوسی نفس قدسی کے سپرد کئے گئے جو خدا کے آگے رازدار قدرت ثابت ہوچکا تھا اور جسکی امانت وحمایت مین رسول اللہ صلعم کی جان اوسکے استحفاظ کی اصلی ترکیب اور ہجرت کا راز سپرد کیا گیا تھا۔ اور اوسی نے تن تنہا ہوکر بالنفس النفیس شہنشاہ رسالت کے استحفاظ جان کے ساتھ آپ کے آرام سفر کے بھی تمام انتظام درست فرمائے اور وقت موعودہ پر اونکو آپ کی خدمت مین پہونچا دیا اور جو رفیق قدیم شعب ابی طالب کے درہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آب وطعام کا انتظام کرتا رہا (دیکھو رسالہ نقیب الوحصر اسکافی) وہی غار ثور مین بھی آپ کو آب وغذا بھیجوا تا رہا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو صرف اپنی جان کا فدیہ بناکر چھوڑ نہی نہیں چلے گئے تھے بلکہ اوس رازدار قدرت اور فدیہ رسالت کو اپنی اور اوسکی حفاظت جان کا یقین دلاکر اور اپنے تمام امور متعلقہ ادائے امانت واموال اہالیان مکہ بحفاظت پردگیان عصمت۔ زاد وراحلہ سفر غرض جملہ سامان وضروریات کی فراہمی ودرستی کے انتظام حوالے اور سپرد فرمائے گئے تھے۔ اس بنا پر جو کچھ جناب علی مرتضیٰؑ نے انجام دیا وہ حرف بحرف حکم رسول اللہ تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ملاحظہ ہو تاریخ طبری جلد دوم کی مفصلہ ذیل عبارت۔

وارسل الي بطعام واستاجر لي دليلا يدلني على طريق المدينة واشتر لي راحلة ثم مضى رسول الله صلعم

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانب غار روانہ ہوئے تو حضرت علی مرتضیٰ سے ارشاد فرمایا کہ ہمکو کھانا بھیجی کرنا اور ایک راہنما کو اجرت پر مقرر کرنا جو مجھکو مدینہ

واعمی اللہ ابصار الذین کانوا یرصدونہ عملہ وخرج علیہم رسول اللہ صلعم۔ طبری جلد دوم ص ۲۴۴ مطبوعہ مصر

کی راہ پر لے چلے۔ اور ایک سواری ہمارے لئے خرید لیا۔ کہکر آپ روانہ ہوئے۔ اور ان کافروں کو اندھا کر دیا۔

اب تو واقعہ ہجرت کے ادن تمام طومار موضوعات کا پورا انکشاف ہو گیا۔ جو حقیقتاً عہد معاویہ کے مصنوعات ہین جو امیر صاحب کی شاہی فرامین اور سلطنت کے حکم و آئین کے ذریعے سے تیار و مرتب کئے گئے تھے۔ اور جنکی ترتیب و تدوین مین حرانون کے خزانے لٹائے گئے تھے بخاری پر منحصر نہین سواد اعظم کے تمام علمائے سلف تقلید عقاید کے پیچھے پڑکر انھین موضوعات کے ریزہ چین ہین۔ چونکہ ان مرویات موضوعہ مین۔ درجات و مدارج حضرت علی مرتضیٰ؏ کا استیصال یا کم سے کم ادن کے مماثل واقعات کا بیان کرنا معاویہ کے فرمان شاہی کے ذریعہ سے ہر راوی کا فرض اولین تھا۔ (دیکھو کتاب) الاحداث امام ابوالحسن مدائنی) اس بنا پر واقعہ ہجرت کے متعلق جتنی مرویات صحیح طور پر حضرت علی مرتضیٰ؏ کے مدارج و درجات کا اظہار کرتی ہین وہ بالکل و تراصل و نقل سے کالعدم کر کے ادسکے مماثل موجودہ موضوعات تیار کر دیئے گئے اور معاون سلطنتون نے اپنے استحکام سلطنت کی ضرورت سے انھین کے اجراء و نقل مین برابر تائیدین بھی کین اور تاکیدین بھی۔ لیکن استخفاف حقوق کے اتنے انتظام کے بعد بھی حقیقت کے نور اور اصلیت کے جوہر نہ چھپنے والے تھے نہ چھپے حقیقت حال اکثر کتب معتبرہ مین اوسوقت سے لے کر اسوقت تک برابر نقل و اندراج ہوتی آئی ہے اور ہوتی رہے گی جیسا کہ ہمارے حوالہ متذکرہ بالا سے ثابت ہو چکا۔

مسئلہ زیر بحث مین ہم اس سے زیادہ اپنا وقت رائگان کرنا نہین چاہتے کیونکہ ابھی تو ہجرت کے ان موضوعات کے کتنے میدان پڑے ہین جنکے خس و خاشاک اپنے مقام پر صاف کئے جایئن گے۔ واقعات ہجرت کے اولین مرویات کی تنقید کو تمام کر کے ہم اپنے آیندہ بیان کی تفصیل کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔

فرش رسولؐ پر علیؑ کا استقلال

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کے ہمراہ غار مین کچھ رات رہے داخل ہوئے جناب رسولخدا صلعم کے متعلق یہ کہنا کہ آپ پر کوئی اضطرابی عالم طاری تھا بالکل منافی شان رسالت ہے اسلئے کہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے آپ کو آپ کے استحفاظ جان کا یقین کامل دلا دیا گیا تھا پھر یقین کے بعد اس کے متعلق تامل و تزلزل ذات رسولؐ سے بالکل ناممکن الوقوع ہے۔ اس بنا پر جو مرویات ان امور کا اظہار کرتی ہین وہ عام اس سے کہ کیسی ہی صحیح سے صحیح حدیث کی کتاب مین نہون ہرگز اعتبار کے قابل نہین ہین۔

الغرض۔ آپ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ غار مین تشریف لائے اور خدا کا نام لیکر اور اوسکی تنہا حمایت و رفاقت پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے۔ صبح ہو گئی ظلمہ وقت جو سر شام سے خانہ رسالت کا محاصرہ کئے تھے ایکبارگی خوابگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ٹوٹ پڑے۔ اپنی کیفر کردارون کی تعمیل کے شوق مین سونیوالے کے مونھ سے جسے وہ یقیناً رسول اللہ سمجھے ہوئے تھے۔ ردائے سبز کا گوشہ ہٹایا تو سر مصطفیٰ کی جا نفس مصطفیٰ سوتا ملا۔ اس مشاہدہ کے بعد کفار کی قسمتون مین

حیرت حسرت اور ناکامی کے سوا تھا ہی کیا۔ شرم و خجالت مٹانے کی غرض سے حضرت علی مرتضیٰ سے پوچھا ابن صاحب تمہارے صاحب (آقا) کہاں گئے۔ جواب ملا۔

قال لا ادری او رقیباً کنت علیہ طبری ۱۲۳۴ میں بس جانتا۔ کیا تم انکو نگیرسپرد کر گئے تھے جو پوچھتی ہو۔

صحیح نسائی میں ہے کہ حضرت علیؑ پر تیر چلائے گئے۔ طبری لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا مستدرجۂ بالا جواب سنکر کفار نے انکو گرفتار کر لیا۔ اور خانہ کعبہ میں تھوڑی دیر تک بٹھلائے رکھکر چھوڑ دیا۔ طبری ص ۱۲۳۲

یہ تمام روایتیں اگرچہ مختلف الفاظ و عبارت میں مذکور ہیں لیکن مدعا سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت علیؑ کی پاداری استقلال اور کمال رازداری کا اظہار۔ عام اس سے کہ آپ پر کیسی ہی اور کتنی ہی تکلیف جسمانی نہ پہونچائی گئی ہو لیکن تاہم اوس حقیقی جان نثار اور سچے رازدار نے رسولؐ کا نشان نہ بتلایا نہ بتلایا بلکہ اونکے سوال کرنے پر ایسا مسکت جواب ارشاد فرمایا کہ اونمیں پھر کسی ایک کو بھی بار دیگر تحریک و تعریض کی مطلق جرأت نہیں ہوئی۔ یہ ہے اس مجاہد فی سبیل اللہ کے کمال استقلال کی عدیم النظیر مثال۔

انبیاے سابقین اور امم ماضیین کے حالات پر عبور رکھنے والے حضرات جناب عیسٰی ابن مریم کی گرفتاری والی روایت میں اونکے حواری یہودا کے کردار و اطوار سے پوری اطلاع رکھتے ہیں جسنے محض تیس روپیوں کی لالچ میں پڑکر دشمنوں کی خونخوار جماعت کو آپ کے قیام اور اوس مقام کا پورا نشان بتلادیا جہاں آپ ان خونخواروں کے خوف سے حکم خدا کے مطابق پوشیدہ تھے۔ کیا کوئی عیسائی محمد اصلعم کے اس جان نثار حواری کے اس استقلال و رازداری کی مثال حواریو عیسیٰ میں پیدا کر سکتا ہے؟ یہودا پر منحصر نہیں ہم نے تو شمعون اور فطرس کی جان نثاری اور استقامت و پاداری کی حقیقت بھی دکھلا کر پوری اور مفصل بحث کے ساتھ سراج المبین فی تاریخ الامیر المومنین جلد اول میں قلمبند کردی ہے۔ جو ان مقاصد کے موضوع خاص پر لکھی گئی ہے۔

بہرحال۔ بالاتفاق جمہور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار دن تک غار ثور میں مقیم رہے۔ اور جیسا بیان ہو چکا ہے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام حسب الحکم چاروں دن برابر آب و طعام نہایت رازداری اور ہوشیاری سے پہونچاتے رہے چار دن گذر جانے کے بعد حسب الہدایت سواری کے اونٹ اور راہبر بھی وقت مقررہ پر بھیج دیا گیا۔ ان حالات کے متعلق ہم جناب رسولؐ اصلعم کے ہجرت فرمانے اور غار ثور تک صحیح و سلامت پہونچ جانے تک کے تمام حالات بیان کر چکے۔ اب ہم اس سے آیندہ کے واقعات شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں لکھتے ہیں۔

غار میں حضرت ابوبکرؓ کی گریہ و زاری

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلعم کی جگہ پلنگ پر جناب امیر تھے ظالموں نے آپ کو پکڑا اور حرم میں لیجاکر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار کے موہنہ تک آ گئے۔ آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ اب دشمن

اسقدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر اونکی نظر پڑ جائے تو ہمکو دیکھ لیں گے۔ آپ نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا گھبراؤ نہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے

تعجب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو باوجود اسکے کہ ہجرت کے متعلق اتنے قبل سے ہر قسم کی اطلاع وحقیقت معلوم تھی اور بشارت نبویہ کے مطابق اس کا بھی یقین ہو چکا تھا کہ مدبر قدرت نے استحفاظ جان کی غرض خاص سے یہ تدبیر اختیار کی ہے اور اس طریقہ سے آپ حقیقی طور پر ظلم وجفائے کفار سے بالکل محفوظ ومصئون رہیں گے۔ لیکن تاہم یہ اضطرار وبیقراری یا گریہ وزاری اپر طاری تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر صدیقیت پر عناصر بشریت ضرورت سے زائد غالب تھی۔ بخلاف آپ کے اوس جان نثار شیدائی اور وفادار فدائی کے حال پر غور کیا جاوے جو فرش رسول پر کفار کی خونخوار تلواروں کے نیچے چموش لیٹا ہوا شام سے صبح تک آرام سے سوتا رہا۔ حالانکہ ان سے زیادہ اوسکی جان خطرہ میں تھی۔ اور اوس طولانی عرصہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی بیقرار نہ ہوا۔ حالانکہ واقعات یہ بتلا رہے ہیں کہ حضرت علیؑ کی طرح بقول شبلی صاحب حضرت ابوبکرؓ کو بھی ہجرت کے تمام واقعات معلوم لیکن حضرت ابوبکر بیقرار ہو جاتے ہیں اور ایسا کہ رسول اللہ صلعم کو اطمینان دلانے اور چپ کرانے کی ضرورت ہو جاتی ہے مگر حضرت علیؑ باوجود اتنے خطروں کے بھی نہ بیتاب ہوتے ہیں اور نہ بیقرار۔ نہ آپ پر حسرت ویاس کا اثر ہوتا ہے اور نہ اضطراب والتہاب کا احساس حقیقت شناس محققین ایسی ایک واقعہ سے دونوں بزرگوں کے استقلال۔ ثبات اور پائدار کے فرق مابہ الامتیاز معلوم کر لے سکتے ہیں۔

تقییداً اتنا عرض کر کے ہم پھر اپنے اصل بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مولوی شبلی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر اور رسول اللہ صلعم کی خدمت	تیسرے دن آپ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کیلئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا تھا۔ وہ آگے آگے رستہ بتاتا جاتا تھا ایکدن رات برابر چلے گئے

دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے چاہا کہ رسول اللہؐ صلعم سایہ میں آرام فرمالیں چاروں طرف نظر ڈالی ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اوتر کر زمین جھاڑی پھر اپنی چادر بچھائی۔ انحضرت صلعم نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اوس سے کہا کہ ایک بکری کا تہن گرد وغبار سے صاف کر دے پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہوایا۔ برتن کے موتھہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے دودھ لیکر انحضرت صلعم کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا آپ نے پی کر فرمایا کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ سیرۃ النبی ج ۱۔

اس روایت کو حضرت ابوبکر کی سیرت میں لکھنا زیادہ مناسب تھا۔ لیکن شبلی صاحب نے ایسی ضرورت خاص پر سیرۃ رسولؐ

صلعم میں اسکو ضم کر دیا لیکن افسوس ہے کہ صرف بخاری کے تنہا استناد سے کام لیا۔ اور تاریخ و سیرت کے کسی ماخذ کو دیکھا تک نہیں کہیں اس کا نام و نشان نہیں ہے۔ یہی وہ ضرورت اور مناسبت خاص ہے جسکی وجہ سے آغاز مقدمہ ہی سے صحیح بخاری کی مرویات کو تمام دنیا پر ترجیح دی گئی ہے۔ حالانکہ اسکی سراپا موضوعیت کی حقیقت تنقید بخاری جلد چہارم ص ۱۴ میں ملاحظہ ہو المختصر دنیائے تاریخ و سیرت میں اول تو اس روایت کا نام و نشان نہیں ہے۔ اگر کتب حدیث میں حسن عقیدت کی بنا پر اس کا وجود تسلیم بھی کر لیا جاوے تو حضرت ابوبکرؓ کے یہ حالات خادمانہ حقوق خدمت کی انجام دہی سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ موصوف الیہ کا اوسوقت فرض اوّلین تھا۔ باقی رہا دہنے والوں کے ہاتھوں کا دُھلوا لینا اور برتن کے موتھہ پر کپڑا باندھا ہوا دیکھنا جس سے آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی طبیعت پر خاص طور سے استدلال فرمایا ہے تو یہ عموماً ہر صاحب تمیز و شعور کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ کوئی ایسی اعجوبہ روزگار یا خلاف فطرۃ بات نہ تھی جسے آپ خرق عادت سمجھکر اس خصوصیت کے ساتھ اور اس تفصیل کے ساتھ لکھنے پر تیار ہو گئے۔ اس سے کہیں زیادہ مناسب مقام وہ روایت تھی جو قریب قریب تمام حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے۔ صاحب رحمۃ اللعالمین امام ابن قیم کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

واقعہ خیمۂ اُم معبد | غار سے نکل کر پہلے ہی دن اس مبارک قافلہ (پیغمبرؐ ابوبکرؓ اور راہنما) کا گذر خیمۂ ام معبد پر ہوا یہ عورت قوم خزاعہ سے تھی۔ مسافروں کی خبر گیری اور اوسکی تواضع کے لئے مشہور تھی۔ سر راہ پانی پلایا کرتی تھی اور مسافر وہاں ٹہیر کر ستایا کرتے تھے یہاں پہونچکر بڑہیا سے پوچھا کہ اس کے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے۔ وہ بولی نہیں۔ اگر کوئی شے موجود ہوتی تو دریافت کرنے سے پہلے میں خود حاضر کر دیتی۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری بندہی دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیوں بندہی ہے اُم معبد نے کہا کمزور ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ نبی صلعم نے فرمایا اجازت ہے ہم اسے دُوہ لیں۔ اُم معبد نے جواب دیا اگر حضور کو دودہ معلوم ہوتا ہے تو دُوہ لیں۔ نبی صلعم نے بسم اللہ کہکر بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔ برتن مانگا وہ ایسا بھر گیا کہ چھلکنے لگا یہ دودہ آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں نے پی لیا دوسری دفعہ پھر بکری کو دوہا گیا اور یہ بھی ہمراہیوں نے پی لیا تیسری دفعہ پھر برتن بھر گیا اور وہ اُم معبد کیلئے چھوڑ دیا گیا اور آگے کو روانہ ہوئے کچھ دیر کے بعد اُم معبد کا شوہر آیا خیمہ میں دودہ کا بھرا برتن دیکھکر حیران ہوا کہ یہ کہاں سے آیا۔ اُم معبد نے کہا ایک متبرک شخص یہاں آیا تھا اور یہ دودہ اوسی کے قدوم کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا۔ یہ تو وہی صاحب قریش ہے جسکی مجھے تلاش تھی اچھا تم ذرا اوسکی توصیف (حلیہ) تو بیان کرو۔ اُم معبد نے نہایت مفصل طور پر آپ کا حُلیہ بیان کیا۔ تو اوسکا شوہر سنکر بولا کہ یہ تو ضرور صاحب قریش ہے میں جاکر اوس سے ضرور ملونگا۔

مکہ سے باہر کے بدوی لوگ غیر مسلم قبائل میں آنحضرت صلعم کو صاحب قریش کہتے تھے۔ رحمۃ العالمین ص ۸۰۔۸۳۔

شبلی صاحب نے ایسی مفصل روایت کی موجودگی میں ایک ایسے واقعہ کو قلمبند فرمادیا جو اصلاً موضوع اور نقلاً خلاف موضوع ہے۔ نہ جس سے شان رسالت کا کوئی وقار قایم ہوتا ہے اور نہ کوئی اقتدار۔ اسناد کے اعتبار سے اُم معبد کی روایت اتنی مشہور اور متواتر ہے کہ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے لیکر حدیث و تفسیر تک کی کتابوں میں مندرج ہے اور خود شبلی صاحب کی اعتبار کردہ

تاریخ وحدیث کے قدیم ماخذوں میں کم وبیش طریقہ سے مذکور ومسطور ہے۔ طبری۔ ابن سعد۔ زرقانی۔ تاریخ الخمیس۔ ربیع الابرار وغیرہ تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

اب رہا یہ امر کہ ایسے مشہور واقعہ کو شبلی صاحب نے کیا سمجھکر مرفوع القلم فرمایا۔ اسکی صاف وجہ یہی آپ کی یورپین مصنفین کی تقلید اور اپنی موجودہ تالیف کو کسی نہ کسی طرح فلسفہ تاریخ سے مشہور کئے جانیکی اُمید تھی۔ اس واقعہ میں چونکہ رسالت کے تاثر روحانیت معلوم ہوتے ہیں۔ اس بناپر آپ کے قدیم واہمہ نے کہ یورپین مصنفین آپ کے مضامین پر خلاف عقل ہونیکا اعتراض کرینگے آپ کے قلم کو روک لیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ کسی خاص بزرگ کے کوئی تخصیصی حالات اس روایت سے نہیں ظاہر ہوتے تھے جن کے اندراج حالات سے آپ کو شغف خاص حاصل ہے اور جنکی اشاعت واقامت کی بناپر اس طرز خاص کی سیرۃ النبی مرتب کرنیکی آپ کو ضرورت لاحق ہوئی ہے۔

امام ابن القیم نے تو اتنی ہی تفصیل پر اس روایت کو ختم کردیا ہے لیکن تلاش وتحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے بھی اس طولانی واقعہ کے آخری حصّہ کو کسی غرض خاص سے مرفوع القلم فرمادیا ہے۔ ہم اسکے متروکہ حصہ کو تاریخ الخمیس کی عبارت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

روی الزمخشری فی ربیع الابرار عن ہند بنت الجون قالت نزل رسول اللہ صلعم خیمة خالتی ام معبد فقام من رقدته فدعا بماء فغسل یدیه ثم تمضمض ومجّ فی عوسجة الی جانب الخیمة فاصبحت وهی کاعظم دوحة وجاءت بثمر کاعظم ما یکون فی لون الورس ورائحة العنبر وطعم الشهد ما اکل منها جائع الا شبع ولا ظمآن الا روی ولا سقیم الا برئ ولا اکل من ورقها بعیر ولا شاة الا درّ لبنها فکنا نسمّیها المبارکة وینتابنا من البوادی من یستشفی بها ویتزود منها حتی اصبحنا ذات یوم وقد تساقط ثمرها وصغر ورقها ففزعنا فما راعنا الا نعی رسول اللہ صلعم ثم انها بعد ثلاثین سنة اصبحت ذات شوک من اسفلها الی اعلاها وتساقط ثمرها وذهبت نضرتها فما شعرنا الا بقتل امیر المؤمنین علیؑ فما اثمرت بعد ذلک وکنا ننتفع بورقها ثم اصبحنا واذا بها قد نبع

علامہ زمخشری (صاحب تفسیر کشاف) ربیع الابرار میں ہند بنت جون سے روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلعم میری خالہ اُم معبد کے خیمہ پر اوترے، تو حضرت کچھ آرام کر کے بیدار ہوئے اور پانی طلب کر کے ہاتھ دھوئے اور کُلّی کی اور گوشہ خیمہ کیطرف ببول کا ایک چھوٹا سا درخت تھا حضرت نے اپنی کلی کا پانی اوسی پر پھینکدیا۔ دوسرے روز وہ ایک عظیم الشان درخت ہوگیا اور بہت بڑے بڑے پھل اوس میں لگے۔ جنکا رنگ ورس کا سا تھا جو عرب میں خوشنما رنگ مانی جاتی اور کپڑا رنگنے کے کام میں آتی تھی اس سے عنبر کی خوشبو آتی تھی اور اوس کا مزا مثل شہد کے ہوتا تھا جسے بھوکا کھا لیتا تو سیر ہوجاتا تھا پیاسا سیراب ہوجاتا اور بیمار شفا پاجاتا اور اگر اونٹ یا بکری اوسکی پتی کھالیتی تو اون کے دودھ کثرت سے ہوتا۔ ہم لوگ اوسکو مبارکہ کہتے تھے۔ اطراف وجوانب سے لوگ آتے اور اوس سے شفا پاتے اور تبرک سمجھکر لے جاتے۔ ایک روز صبح کو ہم نے دیکھا کہ اوسکے پھول گرنے لگے اور اوس کے پتے چھوٹے ہونے لگے۔ اس حالت سے ہم لوگوں کو بڑا خوف معلوم ہوا کہ اسی میں خبر رحلت جناب رسول اللہ صلعم معلوم ہوئی اسکے تیس برس بعد کیا دیکھتے ہیں کہ جڑ سے ڈال تک اوس میں کانٹے لگ گئے ہیں پھل سب گر گئے ہیں اور اوس کی تازگی جاتی رہی

من ساقها دم عبيط وقد ذبل ورقها فبينا نحن فزعون مهمومون
اذا اتانا خبر مقتل الحسين بن علي ويبست الشجرة على اثر
ذلك وذهبت والعجب كيف لم يشتهر امر هذه الشجرة
كما اشتهر امر الشاة في قصة هي اعلى القصص

جلد اول ص ۳۷۷

آئے ہیں حتیٰ کہ شہادت امیر المومنین علیؑ آئی پھر اوس کے بعد اوس درخت نے پھل نہیں دیئے بلکہ صرف اوس کے پتوں سے ہم لوگ فائدہ اوٹھاتے تھے۔ تھوڑے دنوں بعد کیا دیکھا کہ اوس درخت کے سامنے سے خون تازہ جوش مار رہا ہے اور کل پتے اوسکے خشک ہو گئے ہیں اس اثنا میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی بعد اسکے وہ درخت بالکل خشک ہو گیا اور تعجب ہے کہ اس درخت کا قصہ کیوں نہ مشہور ہوا۔ حالانکہ بکری والے قصہ سے یہ بہتر قصہ تھا۔

ہم نے اس روایت کی پوری حقیقت لکھدی ہے طالبان تحقیق بآسانی سمجھ لیں گے کہ اسکے نقل واخراج میں اپنے اپنے مطلب کے مطابق علمائے ناقلین ومستخرجین نے کس درجہ تک تلخیص اور قطع وبرید کر کے اپنے مولفانہ تدین کی شان کو قائم رکھا ہے اکثر نے تو اس کو سرے سے ذکر کے قابل ہی نہیں سمجھا بعض جو اسکو اسکی اہمیت کی بنا پر قابل ذکر سمجھے وہ صرف کرامت رسول صلعم تک اسکو لکھکر رہ گئے۔ جیسے ابن القیم وغیرہ۔ انھیں میں اکثر ایسے منصف مزاج اور عدالت پسند بھی نکل آئے جنھوں نے تقلید اسلاف اور تائید عقائد کی پابندی سے قطع نظر کر کے اسکو لفظاً لفظاً اور حرفاً حرفاً لکھدیا ہے۔ جیسا علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور علامہ حسینؒ دیاربکری۔ صاحب تاریخ الخمیس۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اُن علمائے محدثین کو بالآخر اس روایت کے پورے نقل کر دینے میں کون سی وقت اور کون سی مجبوری سد راہ تھی؟ وہ بالکل ظاہر ہے اور سبب بالکل صاف۔ اور وہ یہ ہے کہ آخر حصہ روایت سے اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ موجودہ عقاید کے سراسر مخالف تھی کہ اوسکی نقل کیجاوے یا بیان کر کے اعلان کیا جاوے اس لئے اوس حصۂ حدیث کو نسیاً منسیاً کر دینا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ کوشش تو یہ ہے کہ واقعہ ہجرت کے تمام وفخر کے سہرا اکیلے حضرت ابوبکرؓ ہی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا نہیں۔ لیکن افسوس سوچنے والے یہ نہ سوچے اور سمجھنے والے یہ نہ سمجھے کہ اسکے استخفاف سے صرف اہلبیت علیہم السلام کے فضائل ہی نہیں پوشیدہ ہوتے بلکہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت بڑی کرامت بھی تو صفحہ روزگار سے مٹی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فضیلت اہلبیتؑ اصلاً ہے کیا؟ فضیلت وکرامت رسول صلعم کا ایک جزو۔

اس روایت کے استخفاف پر اتنا تعجب نہیں ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری صاحب نے تو اپنی صحیح میں فرش رسول اللہ صلعم پر حضرت علی مرتضیٰؑ کے سونے والے واقعہ کو بھی جو تمام اہل اسلام کا مسلمہ ہے نہ لکھا اور اس پر بھی اونکی کتاب صحیح کی صحیح ہے۔ بخاری کے خیال وتدین کے ایسے خیال والے ناقلین حدیث اور مولفین اخبار جب موجود ہوں تب علامہ زمخشری کی یہ متعجبانہ شکایت کہ ایسی روایت جو اعلیٰ قصص ہے اور بکری والی روایت سے زیادہ مہتم بالشان اور ضروری البیان ہے کیوں نہ مرقوم ہوگئی۔ کیا جواب دیا جاوے لیکن بات یہ ہے

جیسا کہ ہم برابر اپنے سلسلۂ بیان میں دکھلاتے آئے ہیں کہ حقیقت اور اصلیت کسی کے مٹانے مٹی ہے اور کسی کے چھپائے نہ چھپی ہے۔ ابن القیم اور ان کے ہم خیال علما و محدثین کی ایک جماعت نے اپنی ضرورت خاص سے چھپایا۔ مگر پھر اسکی حقیقت اوچھیں کی جماعت میں سے علامہ زمخشری۔ امام قسطلانی اور زرقانی وغیرہم کے ایسے لوگوں کو پہنچ لائی جنھوں نے اسکو صرف تمام و کمال لکھا ہی نہیں بلکہ اسکے چھپانے والے اور نہ لکھنے والوں کی عدم تدین کا پردہ بھی ناش کر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہرحال جب امام بخاری اور علامہ ابن القیم کے ایسے اوستادان و نقادان فن نے اس حدیث کو نہیں لکھا تو غریب شبلی صاحب کس شمار و قطار میں ہیں۔ جو اس کی نقل پر جرأت کرتے۔ اس بنا پر اونکی سیرت بھی اس واقعہ کی صورت حال سے بالکل خالی ہے۔

سراقہ بن جشعم کا قصہ اس کے آگے شبلی صاحب فرماتے ہیں قریش نے استہار دیا تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائیگا اوسکو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائیگا۔ سراقہ ابن جشعم نے سنا تو انعام کی امید پر نکلے عین اس حالت میں کہ آپ (غار سے) روانہ ہو رہے تھے اوس نے آپکو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں جواب نہیں میں نکلا لیکن سو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جائے دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا ابکی گھوڑے کے دونوں گھٹنوں تک زمین میں دہنس گئے گھوڑے سے اوتر پڑا اور پھر فال دیکھی اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر نتیجہ نے اوسکی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت صلعم کے پاس آکر قریش کے استہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھدیا۔ بحوالہ صحیح بخاری۔

شبلی صاحب چونکہ اپنی تاریخ میں بالکل صحیح بخاری کی ترجمانی کرتے ہیں اور علم تاریخ میں بخاری کے مبلغ معلومات معلوم اس لئے ایک تاریخ نویس اور سیرت نگار کو نہ اونکی تقلید کی ضرورت ہے اور نہ تنقید کی حاجت۔ لیکن حقیقت شناس اشخاص آپ کے اقرار کردہ جزئیات کے جاسدارانہ اور خود غرضانہ اضافات کو فوراً پہچان لے گا۔ کیونکہ آپ اپنی حاشیہ والی عبارت میں خود لکھکر اقرار کر چکے ہیں کہ یہ پوری تفصیل حرف بحرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے" اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی قلم دوات ساتھ رہتا تھا۔

آپ امام بخاری کے اعتبار پر اور وہ اپنے حفظان عقائد کی بنیاد پر آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے ساتھ حضرت ابوبکر کو اشتہار گرفتاری میں خواہ مخواہ داخل کر لیں تو اسکے آپ اور وہ خاصکر جوابدہ ہیں لیکن تاریخ و سیرت پر نظر رکھنے والا

جب کسی تاریخ و سیر میں حضرت ابوبکر کا نام نہیں پائے گا۔ وہ آپ کی ان جزئیات بخاری کی نقل کی حقیقت، ضرورت کو کماحقہ سمجھ جائے گا۔

اسی طرح عامر بن فہیرہ کا ایسے عالم اضطراب میں کہ جب لباس تک جسم پر بھاری ہو رہا تھا دوات و قلم ساتھ رکھنے۔ اور امن نامہ لکھدینے کی حقیقت ہے جسکو صرف آپ ہی کے ایسا انشا پرداز قابل نقل و اندراج سمجھے گا۔ دوسرا نہیں۔ اسلئے کہ تاریخ و سیر کی کتابوں میں جہاں واقعات کے حقیقی موضوع پر لکھی گئی ہیں سراقہ کا واقعہ وہیں تک مندرج ہے جہاں تک کہ وہ مشاہدہ کرامت کے بعد توبہ و انابت کرتا ہے اور اسکے بعد کچھ بھی نہیں۔ یہ امام بخاری صاحب کی وہی جزئیات ہیں جنکے ذکر و نقل کے مفید مطلب ہونے کی بنا پر آپ کو انکے اندراج کی بڑی ضرورت ہے اور انھیں جزئیات مخصوصہ کی بنا پر آپ نے تمام دنیا کی کتابوں پر صحیح بخاری کی مرویات کو ترجیح دی ہے اور اپنی کتاب کے عنوان ہی سے اسکا سامان باندھا۔

عامر بن فہیرہ کی حقیقت حال اسی طرح عامر بن فہیرہ کو حضرت ابوبکر کا صرف غلام لکھدیا ہے اور اون سے انکی دیگر تعلقات کو نہ بتلایا۔ یہ بھی مولفانہ تدین کے خلاف ہے۔ ہمیں کوئی کلام نہیں کہ عامر اصلاً حضرت ابوبکرؓ کی ملکیت میں تھے اور نہ اکیلے ہی انکی ملکیت میں تھے۔ بلکہ انکی ماں بھی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی ملکیت آگے چلکر زوجیت کے مرتبہ پر پہونچ گئی اور انکی ملکیت نے ابنیت اور تبنیت کی صورت اختیار کی۔ اور پھر ان تعلقات قربت کی رعایت سے آزاد بھی کردیے گئے تو اتنے تغیرات کے بعد تملیک کا دعویٰ باقی کہاں رہا۔ تاریخ طبری کی مفصلہ ذیل عبارت انکی حقیقت حال پر پوری روشنی ڈالتی ہے۔

وکان عامر بن فہیرہ مولّداً من مولّدی الازد کان للطفیل بن عبد اللہ بن سخبرہ وھو ابو الحارث بن الطفیل وکان اخا عائشہ بنت ابی بکر و عبد الرحمن بن ابی بکر لامھما فاسلم عامر بن فہیرہ وھو مملوک لھم فاشتراہ ابو بکر فاعتقہ وکان حسن الاسلام

عامر بن فہیرہ اصلاً قبیلہ ازد کے آدمی تھے۔ از طفیل بن عبد اللہ بن سخبرہ کے بیٹے تھے۔ انکی کنیت ابو الحارث تھی یہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے بھائی تھے کیونکہ ان سب کی ماں ایک تھیں جب مسلمان ہوئی تو حضرت ابوبکر نے انکو خرید فرمایا۔ پھر آزاد کردیا۔ ان کا اسلام مستحسن شمار ہوتا ہے۔ ص ۱۲۳۶

مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عامر کی ماں کسی وجہ سے انکو لے کر مکہ میں آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے انکی ماں کو انکے ساتھ خرید لیا۔ ماں کے ساتھ عقد فرما لیا۔ انکے بطن سے آپ کے ہاں حضرت عائشہؓ اور عبد الرحمن پیدا ہوئے۔ عامر بن فہیرہ اس اثنا میں مشرف باسلام ہوئے۔ تو حضرت ابوبکر نے انکو خدا کی راہ میں آزاد کردیا۔ شبلی صاحب کو لازم تھا کہ علاقہ ملکیت تک عامر کی معرفت کو نہ تمام کردیتے۔ بلکہ واقفیت عام کے لئے ضروری تھا کہ مفصلہ بالا واسطہ قرابت کو بھی بتلا دیتے۔ مرقومہ بالا مضامین تنقیدی کو تمام کرکے ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔

سفر مدینہ کی منزلیں

سراقہ کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت سراقہ تو قلادہ عقیدت گردن مین ڈال کر گھر کو واپس گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کی طرف روانہ ہوئے (طبری)۔ ابن سعد نے مکہ سے لیکر مدینہ تک اون تمام منزلون کو نام بنام گنوا دیا ہے جہان جہان آپ نے دوران سفر مین قیام فرمایا تھا اسوقت عرب کے ملکی نقشہ مین اونکا نام و نشان بھی نہین لیکن صرف اونکا نام لکھدینا عقیدتمندون کی دلچسپی کے لئے کافی ہوگا۔ ابن سعد نے ان منزلون کے یہ نام بتلائے ہین
۱ خرار۔ ۲ ثنیۃ المرۃ۔ ۳ القف۔ ۴ مدلجہ۔ ۵ مرجح۔ ۶ حداید۔ ۷ اذاخر۔ ۸ رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ پر آتا ہے یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی تھی)۔ ۹ ذا سلم۔ ۱۰ عثانیہ۔ ۱۱ قاحہ۔ ۱۲ عرج۔ ۱۳ جداوت۔ ۱۴ رکوبہ۔ ۱۵ عقیق۔ ۱۶ جثاثہ۔

مدینہ مین نزول رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سعادتمندان انصار مدینہ مین تشریف آوری کی خبر پا چکے تھے۔ صبح سے شام تک روزانہ قدوم میمنت لزوم کا انتظار ہوتا تھا اور ہر روز کی ناکامی عالم انتظار کو حدود انتشار تک بڑھا رہی تھی عقیدتمندون کی جماعت بیرون شہر جا کر روزانہ چشم براہ رہتی تھی اور واپس آتی تھی۔ ایکدن زیادہ از وقت انتظار کرکے معتقدین کا گروہ واپس آرہا تھا کہ یکایک ایک یہودی نے اپنے قلعہ کی بلندی سے دیکھکر اور انداز سے شان رسالت پہچان کر آواز دی۔ اہل عرب! تم جس بزرگ کے استقبال کو روز آتے ہو دیکھو وہ آگیا۔ اس آواز کا کانون مین آنا تھا کہ عقیدتمندون کے نعرہ تکبیر سے شہر کا شہر گونج اوٹھا۔

انصار کے پرجوش اور اخلاص مند قبیلے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم عقیدت ہوکر بڑی طیاریون کے ساتھ لباسہائے فاخرہ پہنے اور ہتیار جسمون پر سجے اپنے مقدس مہمان حضرت پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسم استقبال کے لئے نکلے انکے حسن عقیدت کی تو یہ حالت تھی اودھر مدینہ کے بالائی حصہ پر جو اصل شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے عالیہ اور قبا بھی کہتے ہین انصار کے بہت سے ممتاز اور معزز خاندان آباد تھے۔ ان خاندانون مین عمر ابن عوف کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ جسکے رئیس القبیلہ کلثوم ابن الہدم تھے۔

قبا مین نزول رسالت

قبا مین موکب رسالت آٹھوین ربیع الاولی ۱۳ سنہ نبوت یا سنہ ۱ ہجرت بروز دوشنبہ مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو پہونچا۔ عقیدتمندان قبا نے شرف ناصیہ سائی حاصل کرنے کے بعد مفاخرت دعوت و مہمانی کی عزت افزائی کے لئے بھی درخواست کی بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ اور کلثوم ابن الہدم کے مہمان ہوئے۔ خاص انکی عزت افزائی کا یہ سبب تھا کہ صحابہ مہاجرین۔ جو آپ سے پہلے مکہ سے نکل آئے تھے وہ سب کے سب اسوقت تک انھین کے مہمان تھے۔ جیسے ابو عبیدہ مقداد۔ خباب۔ سہیل۔ صفوان۔ عیاض۔ عبداللہ بن مخرمہ۔ وہب ابن سعد۔ معمر بن ابی سرح اور عمیر بن عوف وغیرہم شامل تھے۔

کلثوم ابن الہدم کے مکان مین قیام فرمانے کے متعلق تو گویا تمام تاریخون کا اتفاق ہے اور شبلی صاحب نے بھی اسی کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ لیکن طبری۔ ابن ہشام اور ابن سعد کی مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ کلثوم کے مکان مین جناب

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف آب وطعام اور خواب وآرام فرماتے تھے ارشاد وہدایت اور دیگر تعلیم دینیات وغیرہ کی صحبتیں سعد بن خیثمہ کے مکان میں منعقد ہوا کرتی تھیں جو کلثوم بن الہدم کے مکان سے ملا ہوا تھا کلثوم کے مکان میں جگہ تنگ تھی۔ اور سعد کا مکان بہت کشادہ تھا۔ اور اونکے اہل وعیال بھی نہیں تھے۔ اسعد محض تنہا رہتے تھے۔ مدینہ اور قرب وجوار کے لوگ جوق جوق ہر وقت زیارت کے لئے حاضر رہتے تھے۔ اور باریاب خدمت ہوا کرتے تھے۔ ہر وقت مخلصین کا ہجوم تھا اور معتقدین کا اژدحام اسی لئے اسعد بن خیثمہ کا مکان دربار رسالت کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔

ابن ہشام لکھتے ہیں۔

انما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اذا اخرج من منزل کلثوم بن هدم جلس للناس فی دار سعد بن خیثمہ وذلک انه کان عزبا لا اهل له وکان منزل العزاب من اصحاب رسول اللہ صلعم من المهاجرین ابن هشام ص ۱۷۰	جب آپ کلثوم بن ہدم کے مکان سے باہر ہوئے تو آپ نے لوگوں کی سعد خیثمہ کے مکان میں مجلس منعقد کی کیونکہ سعد ابن خیثمہ صاحب عیال نہیں تھے اور اصحاب مہاجرین بھی یہیں مقیم تھے اونکے ساتھ بھی عیال نہیں تھے۔ اسلئے اس مکان کو منزل العزاب کہتے تھے۔

عربی میں عزب اوسکو کہتے ہیں جسکے عیال نہیں ہوتے۔

دربار رسالت ہر وقت مخلصین کی کثرت سے بھرا رہتا تھا۔ باری باری سے عقیدت مند شرفیاب زیارت ہوتے تھے کلمات ہدایت وارشاد سنتے تھے۔ صداقت وحقیقت بیانی سے متاثر ہوکر اسلام کی دولت اور ایمان کی نعمت پاتے تھے عطائے الٰہی کا شکر نعمت ادا کرتے تھے۔ اور رسول خدا صلعم پر سلام ودرود بھیجکر رخصت ہو جاتے تھے۔ ہر روز کیا۔ ہر وقت یہی عالم پیش نظر رہا کرتے تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سعد بن خیثمہ کے مکان میں جو عامۃ المسلمین کے مجمع عام میں تقریر فرمائی گئی اوس کے آخری فقرات یہ تھے۔

یاایها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا والناس نیام وادخلوا الجنة بالسلام	ایہا الناس۔ اسلام کی اشاعت کرو۔ محتاج ومساکین کو کھلاؤ۔ صلہ رحم کیا کرو۔ رات میں نماز پڑھا کرو حالانکہ اور لوگ اوسوقت تک پڑے سوتے رہیں اور ان نیک اعمال کے آخر میں سلامتی کے ساتھ جنت بریں میں داخل ہو جاؤ۔

طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵۹۔ جز ص ح ۱

قبا میں حضرت علی مرتضی کا ورود قبا میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف لائے تین روز گذرے تھے کہ حضرت علی مرتضی بھی مکہ سے پاپیادہ چلکر خدمت بابرکت میں حاضر ہوگئے رفاقت اس مہاجر ومجاہد فی سبیل اللہ کی وہ حالت جس صورت سے وہ خدمت رسول میں حاضر ہوا ہے۔ اس طرح لکھتے ہیں۔

وکان علی یسیر باللیل ویختفی بالنهار وقد نقبت قدماه	جناب علی مرتضی راتوں کو چلتے تھے اور خوف کفار سے دن کو چھپے رہتے تھے

فمسحهما النبي صلى الله عليه وآله وسلم ودعا له بالشفاء
فلم يشتكيا في الحال وما اشتكاهما بعد اليوم قط ص ۲۴۲

جب حاضر خدمت ہوئے تو تکلیف زیادہ پیادہ پائی سے آپ کے دونوں پاؤں
زخمی ہو گئے تھے آنحضرت صلعم نے آپ کا یہ حال مشاہدہ فرما کر آپکے پاؤں کو
دست مبارک سے چھو کر دعائے شفا دی۔ آپ کے پاؤں اچھے ہو گئے اور پھر آپ کو مطلق شکایت نہیں ہوئی

واقعات ہجرت کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کی جتنی خدمتیں ہیں وہ اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہیں۔ مکہ سے مدینہ تک کی پیادہ پائی بھی صاف صاف اپنی ندرت اور یکتائی بتلا رہی ہے۔

قبا میں تشریف آوری کے تین دن بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو آجتک مسجد قبا کے نام سے مشہور ہو کر مصلائے مومنین ہے۔

شبلی صاحب نے قیام قبا کے حالات میں اہمیں سے کسی واقعہ کو نہ لکھا۔ آپ کی عجلت رقمی بہت سے ضروری اور قابل الذکر واقعات تاریخی کو مرفوع القلم فرماتی چلی جاتی ہے۔ اگر آپ کی تقلید و تاسی میں دو چار کتابیں اس انداز طریقہ کی اور لکھی گئیں تو امید ہے کہ سیرۃ الرسول اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات نیست و نابود ہو جائیں گے۔

قبا کے ایام قیام میں علما نے اختلاف کیا ہے لیکن تاریخ و سیرت کا زیادہ تر اس قول پر اعتبار ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے چودہ دن تک مقام قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو مدینہ کیطرف نہضت فرمائی قبیلہ بنی سلیم کے پاس پہونچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت آگیا مرکب روکدیا گیا اور وہیں بنی سلیم کے ساتھ نماز جمعہ ادا فرمائی گئی۔ جماعت میں سو آدمی شریک تھے۔ تمام تاریخ و سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاد اسلامی میں یہ پہلا جمعہ ہے جو پڑھا گیا اور پہلا خطبہ ہے جو نماز جمعہ میں بیان فرمایا گیا ہم تاریخ طبری سے اس مقدس خطبہ کی پوری عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

خطبة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
في أول جمعة جمعها بالمدينة في بني سالم بن عوف
الحمد لله۔ أحمده وأستعينه وأستغفره وأستهديه و
أؤمن به ولا أكفره۔ وأعادي من يكفره وأشهد أن لا إله
إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله
أرسله بالهدى والنور والموعظة على فترة من الرسل
وقلة من العلم وضلالة من الناس وانقطاع من الزمان
ودنو من الساعة وقرب من الأجل من يطع الله ورسوله
فقد رشد ومن يعصهما فقد غوى وفرط وضل ضلالا
بعيدا۔ وأوصيكم بتقوى الله فإنه خير ما أوصى به المسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلا خطبہ جو مدینہ
میں بمحلہ بنی سالم بن عوف کے قبیلہ میں پڑھا گیا
حمد و ستایش خدا کے لئے ہے میں اوسکی حمد کرتا ہوں مدد بخشش اور ہدایت اوسی سے
چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اوسی پر ہے۔ میں اوسکی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی
کرنیوالوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہی ہے کہ خدا کے سوا کوئی
عبادت کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اوسکا کوئی شریک نہیں محمد اوسکا بندہ اور
رسول اوسی نے محمد کو ہدایت۔ نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانہ میں بھیجا ہے
جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہیں آیا تھا۔ علم گھٹ گیا۔ گمراہی بڑھ گئی تھی
آخری زمانہ میں قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا ہے جو
کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ پاتا ہے اور جسنے ان کا حکم نہ مانا

المسلم يحضه على الآخرة وأن يأمره بالتقوى الله فاحذروا
ما حذركم الله من نفسه ولا أفضل من ذلك نصيحة ولا
أفضل من ذلك ذكرا وإن تقوى الله لمن عمل على وجل
ومخافة من ربه عون صدق على ما تبغون من أمر الآخرة
ومن يصلح الذي بينه وبين الله من أمره في السر والعلانية
لا ينوي بذلك إلا وجه الله يكن له ذكرا في عاجل أمره
وذخرا فيما بعد الموت حين يفتقر المرء إلى ما قدم وما
كان سوى ذلك تودّ لو أن بينه وبينها أمدا بعيدا
ويحذركم الله نفسه والله رؤوف بالعباد والذي صدق
قوله وأنجز وعده لا خلف لذلك فإنه يقول عز وجل
ما يبدل القول لدي وما أنا بظلام للعبيد فاتقوا الله
في عاجل أمركم وآجله في السر والعلانية فإنه من يتق
الله يكفر عنه سيئاته ويعظم له أجرا ومن يتق الله
فقد فاز فوزا عظيما وإن تقوى الله يوقي مقته ويوقي
عقوبته ويوقي سخطه وإن تقوى الله يبيض الوجوه
ويرضي الرب ويرفع الدرجة خذوا بحظكم ولا تفرطوا
في جنب الله قد علمكم الله كتابه ونهج لكم سبيله
ليعلم الذين صدقوا ويعلم الكاذبين فأحسنوا كما أحسن
الله إليكم وعادوا أعداء الله وجاهدوا في الله حق
جهاده هو اجتباكم وسماكم المسلمين ليهلك من هلك
عن بينة ويحيى من حي عن بينة ولا قوة إلا بالله فأكثروا
ذكر الله واعملوا لما بعد اليوم فإنه من يصلح ما بينه و
بين الله يكفه الله ما بينه وبين الناس ذلك بأن
الله يقضي على الناس ولا يقضون عليه ويملك من
الناس ولا يملكون منه الله أكبر ولا قوة إلا بالله
العلي العظيم۔

وہ بھٹک گیا اور رستہ سے گر گیا اور سخت گمراہی میں پھنس گیا ہے مسلمانو!
میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں بہترین وصیت جو مسلمان
مسلمان کو کر سکتا ہے یہ ہے کہ اوسے آخرۃ کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے
تقویٰ کی لئے کہے لوگو جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنیکو کہا ہے اونسے
بچتے رہو اس سے بڑھکر کوئی نصیحت ہے اور نہ کوئی ذکر ہے یاد رکھو کہ امور آخرت
کے بارے میں اس شخص کے لئے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے تقویٰ بہترین
مددگار ثابت ہوگا اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ
و ظاہر میں درست کر لیگا اور ایسا کرنے میں اوسکی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا
اوسکے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائیگا لیکن اگر کوئی نہیں
کرتا تو اسکا ذکر اس آیت میں ہے انسان پسند کریگا اور اوسکے اعمال اس سے
کہ دور ہی رکھے جاویں۔ خدا تمکو اپنے طرف سے ڈراتا ہے اور خدا تو اپنے بندوں
پر نہایت مہربان ہے اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں
کو پورا کیا تو اسکی بابتہ یہ ارشاد ہے ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم بندوں پر
ظلم نہیں کرتے۔ مسلمانو اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر و خفیہ کاموں میں اللہ سے
تقویٰ کو مد نظر رکھو کیونکہ تقویٰ والوں کی برائیاں چھوڑ دی جاتی ہیں اور اجر
بڑہا دیا جاتا ہے تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہونچ جائیں گے یہ
تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی بیزاری عذاب اور غصہ کو دور کرتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے
جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کر دیتا ہے۔
مسلمانو نعمت الٰہی میں اپنا حصہ لیلو۔ لیکن حقوق الٰہی میں فرو گذاشت
مکرو۔ خدا نے اسی لئے تمکو اپنی کتاب سکھلائی اور اپنا راستہ دکھلایا ہے کہ راستبازوں
اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ لوگو خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے تم
بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو خدا کے دشمن ہیں اونہیں دشمن سمجھو اور
اللہ کے رستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اوسنے تم کو برگزیدہ بنایا
اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تا کہ ہلاک ہونیوالا بھی روشن دلائل پر ہلاک
ہو اور زندہ رہنے والا بھی روشن دلائل پر زندگی کرے

کرے اور یہ سب اللہ کی مدد سے ممکن ہے۔ لوگو اللہ کا ذکر کرو اور آیندہ زندگی کے لئے عمل کرو کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اوس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملوں کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے لیکن اوس پر کسی کا حکم نہیں چلتا خدا بندوں کا مالک ہے اور بندوں کا اوسپر کچھہ اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے۔ اور ہمکو نیکی کی طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔

مدینہ میں داخلہ

بنی سلیم کی قیامگاہ سے مدینہ کتنا دور ہی تھا۔ جمعہ کی جماعت و خطبہ سے فراغت فرماکر موکب رسالت نمضت فرما ہوا اور شہر کے جنوبی جانب سے سلطان رسالت کا نزول اجلال ہوا داخلہ شاندار ضرور تھا لیکن یہ شان دنیاوی ساز و سامان اور نمائشی طریقہ و عنوان سے بالکل معرا تھی۔ تاہم اتنی سادگی اور سنجیدگی کے ساتھہ بھی ایسی ہیبت و جلال تھی کہ بڑے بڑے جگرداروں کے دل سطوت و عظمت سے ہلے جاتے تھے پیغمبر اسلام اپنے ناقہ قصوی پر سوار تھے اور مہاجرین سابقین صحابہ کبار اور اعوان و انصار بڑے قرینے اور سلیقے سے صفیں باندھے پیچھے پیچھے تکبیروں کے نعرے مارتے ہوئے خراماں خراماں چلے آتے تھے۔ سابقین اور منتظرین کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر مقام و راہ پر بوڑھے جوان اور بچے۔ عورتیں اور لڑکیاں جمال ہمایوں کی شوق زیارت میں گھروں سے بیتاب ہو کر نکل پڑی تھیں اور ہمہ تن دیدہ انتظار اسکی آمد کی منتظر کھڑی تھی۔ اور تکبیروں کے نعرے سنکر یہ بھی ویسی ہی تکبیروں کی پرجوش آوازیں بلند کرتی تھیں یہانتک کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں بخیر و خوبی داخل ہوگئے۔ داخلہ رسالت کی اس عظمت و جلال کو دیکھکر کتب سابقہ کی بشارت کے جاننے والوں کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ وہی مقدس بزرگوار ہے جسکی آمد کی خوشخبری حبقوق نبی نے ان الفاظ میں پہونچائی ہے۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو مقدس ہے کوہ فاران سے آیا۔ اوسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اوسکی حمد سے معمور ہوگئی۔ (حبقوق نبی کی کتاب۔ باب ۳۔ درس ۳)

جنوب سے آنے کی ندرت اور فاران سے آنے کی خصوصیت صاف صاف بتلا رہی ہے کہ یہ نبی موعود جسکی بشارت مرقومہ بالا آیۃ میں درج ہے سوائے پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرا ہو نہیں سکتا۔

انصار کی وہ لڑکیاں جو مکہ میں براہ راست آنحضرت صلعم کے دست حق پرست پر بیعت لا چکی تھیں یا اسکے بعد مصعب ابن عمیر کی تبلیغ و تعلیم سے مشرف باسلام ہوئی تھیں۔ ذیل کے اشعار میں ترانہ سنج تھیں۔

اشرق البدر علینا	من ثنیات الوداع	وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ہم پر چاند نکل آیا ہے	کوہ وداع کی گھاٹیوں سے	ہم پر صدا کا شکر واجب ہے	جبتک دعا مانگنے والے دعا مانگیں
ایها المبعوث فینا	جئت بالامر المطاع	نحن جوار من بنی النجار	یا حبذا محمدا من جار
اے ہماری طرف بھیجے ہوئے اور مبعوث	ہو کر آیا ہے اپنے احکام کے ساتھ آیا	ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں	محمد صلعم ہمارے کیسے اچھے ہمسایہ ہیں

معصوم اور صغیر السن لڑکیوں کی ترانہ سنجی سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ انکی طرف نگاہ شفقت اوٹھا کر ارشاد فرمایا گیا۔ کیا حقیقتاً تم مجھے چاہتی ہو سب نے عرض کی۔ جی ہاں۔ ارشاد ہوا تو یاد رکھو میں بھی تمہیں دل سے چاہتا ہوں۔

حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر میں قیام

کوکبۂ رسالت جب اوس مقام پر پہونچا جہاں مسجد نبوی موجود ہے اسی مقام سے ملا ہوا حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا مکان تھا۔ یہ قبیلہ بنی نجار سے تھے شائقین کے ہجوم اور معتقدین کے اژدحام سے یہاں قدم رکھنے کے لئے جگہ نہیں تھی ہر شخص رسول اللہ صلعم کی مہمانی کی شرفیابی کے لئے گرا پڑتا تھا لیکن بقول ئے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہے وہ عطا فرمائے۔ ابو ایوب انصاری کو اس شرف مخصوص کے عطا ہونیکی نسبت علماء و محدثین نے مختلف ذرایع اور اسباب بتلائے ہیں۔

اکثر یہ لکھتے ہیں کہ تصفیہ کے لئے قرعہ ڈالا گیا اور انھیں کے نام نکلا۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اوتارنے کا متمنی تھا اس لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے چنانچہ ناقہ حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اس بنا پر آپ نے انھیں کے گھر قیام فرمایا لیکن صحیح مسلم باب الہجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ کی میزبانی کے متعلق اختلاف ہوا تو آپ نے کہا کہ میں بنی نجار کے ہاں اوتروں گا جو بنی عبدالمطلب کے ماموں ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا۔ حضرت ابو ایوب اسی خاندان سے تھے امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابو ایوب کے گھر اوترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۴۲

حضرت ابو ایوب انصاری نے جس خلوص و عقیدت سے اپنے مقدس مہمان کی خدمت کی ہے وہ اپنی آپ مثال ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

قال ابو ایوب لما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بیتی نزل فی السفل وانا وام ایوب فی العلو فقلت له یا نبی اللہ بابی انت وامی انی لاکره واعظم ان اکون فوقک وتکون تحتی فاظهر انت فکن فی العلو وننزل نحن فنکون فی السفل فقال یا ابا ایوب ان ارفق بنا وبمن یغشانا ان نکون فی سفل البیت قال فکان رسول اللہ صلعم فی سفله وکنا فوقه فی المسکن فلقد انکسر حب لنا فیه ماء فقمت انا وام ایوب بقطیفة لنا ما لنا لحاف غیرها ننشف بها الماء تخوفا ان یقطر علی رسول اللہ صلعم منه شیء یؤذیه قال وکنا نصنع له العشاء ثم نبعث الیه فاذا رد علینا فضله تیممت انا وام ایوب موضع یده فاکلنا منه نبتغی بذلک البرکة

ابو ایوب ناقل ہیں کہ جب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں مقیم ہوئے تو میں آپکو بالاخانہ پر اوتارنا چاہا لیکن آپ نے معتقدین کے خیال سے نیچے ہی کے حصہ میں اقامت فرمائی۔ آخرکار میں بھی مجبور ہو گیا۔ اتفاق سے رات کے وقت پانی کا برتن ٹوٹ گیا ہم میاں بی بی فوراً اوٹھے۔ اور صرف ایک ہی لحاف ہم لوگوں کے پاس اوڑھنے کو تھا اوسکو پانی پر ڈالکر بالکل پانی جذب کر لیا اس خیال سے کہ پانی نیچے ٹپک کر ایذائے رسولؐ کا باعث نہو ابو ایوب بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں وقت کھانا آپ کے لئے تیار کر کے خدمت میں حاضر کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اوسکو ہم میاں بی بی تبرکاً کھا لیتے تھے اور ہمیں برکت کے خیال سے جہاں جہاں آپ کے دست مبارک کا نشان معلوم ہوتا تھا وہاں وہاں ہم دونوں اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالتے تھے۔

ابن ہشام۔ مصر۔ ص ۱۲۶

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کام جو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آغاز فرمایا وہ ایک مسجد کی تعمیر تھی۔ سات مہینے تک ایک انصاری کے افتادہ مکان میں جو کسی وقت میں مالک مکان کے جانوروں کی رہنے کی جگہ تھی نماز جماعت ہوا کرتی تھی لیکن یہ مقام عقیدت مندوں کے مصلے اور بندوں کی عبادت کے لئے کسی طریقہ سے موزوں نہیں تھا حضرت ابوایوب انصاری کے مکان سے ملی ہوئی انصار کی ایک زمین تھی جو بہت زمانہ سے افتادہ پڑی ہوئی تھی اوسمیں کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ اوسکی زمین سوائے کھجوریں سکھلانے جانے کے اور کسی کام میں نہیں آتی تھی شہنشاہ رسالتؐ نے اسی قطعہ زمین کو مسجود عالم ہونے کے لئے منتخب فرمایا۔ انصار کے مختارین بلائے گئے اور اون سے مدعا بیان کیا گیا۔ وہ فوراً بلا قیمت و معاوضہ نذر کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ آپ نے بلا قیمت لینے سے انکار کیا۔ چونکہ پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ اسکے اصل مالک قبیلہ انصار کے دو یتیم بچے ہیں لہذا ان دونوں یتیموں کو بلایا گیا وہ دونوں بچے اوسدنوں معاذ بن عفرا کی تولیت میں تھے۔ جب یہ دونوں لڑکے حاضر خدمت ہوئے اور اون سے زمین کے لئے ارشاد کیا گیا تو انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو انکے ولی معاذ پہلے عرض خدمت کر چکے تھے لیکن جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا قیمت لینے سے قطعی انکار کر دیا۔ بالآخر قیمت عدل طے پائی اور حضرت ابوایوب انصاری نے اپنے سرمایہ سے وہ قیمت طے کر دی۔ سیرۃ النبیؐ بحوالہ صحیح بخاری و عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۳ زرقانی

حضرت عمار بن یاسرؓ کے اعلیٰ خدمات

جب زمین کا معاملہ بمصالحت و مساہلت تمام ہو گیا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور معمولی مزدوروں کی طرح کام کرنے لگے شہنشاہ عالم کی یہ عملی شان دیکھکر پھر کسی مسلمان کو اتنی تاب کہاں تھی کہ وہ اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو۔ تمامی صحابہ مہاجرین اور انصار معتقدین جن میں بڑے بڑے رؤسا و دولت مندان قبائل بھی شامل تھے پھاوڑے اور کدال لیکر مور و ملخ کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور مٹی کھودنے اوٹھانے اور پھینکنے کا کام کرنے لگے کیسی خالص عقیدت اور کامل ارادت کا منظر تھا جن نازپروردہ جسموں پر قباہائے زریں ہوتی تھیں۔ وہ گرد و غبار سے اٹے تھے جن سرداروں کے سروں پر عمامہائے قیمتی دیکھے جاتے تھے اون پر مٹی کے ڈھیلے ایک پر دو دو تین تین رکھے ہوئے تھے اور وہ نہایت مفاخرت سے اس ادنی خدمت کو سعادت عظمی سمجھکر بطیب خاطر انجام دے رہے تھے یہ کیا تھا؟ اونکی بیمثال عقیدت اور لاجواب خلوص نیت اس خدمت میں حضرت عمار بن یاسر سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کئے گئے ہیں ابن ہشام لکھتے ہیں۔

ذکر سفیان بن عیینة عن زکریا عن الشعبی اول من بنی المسجد عمار بن یاسر	سفیان بن عیینہ زکریا سے اور زکریا امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا شخص جسنے مسجد میں ہاتھ لگایا وہ عمار بن یاسر ہیں۔

ہم اس بزرگوار کی خدمات جسکی نقل کو شبلی صاحب نے عمداً قلمزد کر دیا ہے۔ امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت مقدسہ سے نقل کرتے ہیں۔

وکان المسلمون یحملون لبنة لبنة وکان عمار بن یاسر ینقل لبنتین لبنة عنه ولبنة عن النبی صلعم فقال له علیه	تمام مسلمان ایک ایک اینٹ اوٹھاتے تھے اور عمار بن یاسر دو دو اینٹ ایک اپنے حصہ کی اور ایک جناب رسولخدا صلعم کے حصہ کی آنحضرت صلعم نے

السلام بعد مسح ظهره ونفض التراب عنه للناس اجرا ولك اجران واخر زادك من الدنيا شربة لبن وتقتلك الفئة الباغية وروى البخاري في بعض نسخه ومسلم الترمذي وغيرهم مرفوعا ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار۔ زرقانی ص ۳۴۴

ان کی پیٹھ پر دست مبارک رکھکر اور گرد وغبار جھاڑکر ارشاد فرمایا کہ سب کیلئے ایک ثواب ہے اور تمہارے لئے دو ثواب ہیں اور دنیا میں تیری آخری غذا دودھ ہوگا۔ اور بخاری نے اپنے بعض نسخوں میں اور مسلم وترمذی وغیرہ نے باسناد مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ بھی فرمادیا تھا کہ تجھکو فرقہ باغیہ قتل کریگا در آں حالیکہ تو اونھیں جنت کی طرف بلاتا ہوگا اور وہ لوگ تجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہونگے۔ زرقانی ص ۳۴۴

اس بشارت نبویہ کے حصول سعادت کی توجیہہ میں علامہ زرقانی کی حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

(لانه عليه السلام ابتدأ يعمل ترغيبا لهم في العمل) ويقول هذا البيت لعبد الله بن رواحة ۔ اللهم لا اجر الا اجر الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة وقال علي بن ابي طالب ۔ لا يستوي من يعمر المساجد يدأب فيها قائما وقاعدا ۔ ومن يرى عن التراب حائدا ۔ قال ذلك مطايبة كما هو عادة الجماعة اذا اجتمعوا على عمل وليس ذلك طعنا وعند البيهقي عن الحسن لما بنى النبي صلعم المسجد اعانه اصحابه وهو معهم يتناول اللبن حتى اغبر صدره وكان عثمان بن مظعون رجلا متنطعا يتحامى وكان عن ثوبه فاذا وضعها نفض كمه ونظر الى ثوبه فان اصابه شيء من التراب نفضه فنظر اليه علي بن ابي طالب فانشد يقول ۔ لا يستوي الخ فسمعها عمار بن ياسر فجعل يرتجزها ولا يدري من يعني بها فمر بعثمان فقال يا ابن سمية لاعرفن بمن تعرض ومعه حديدة فقال لتكفن او لاعترضن بها وجهك فسمعه صلى الله عليه وآله وسلم فغضب ثم قالوا لعمار بن ياسر انه قد غضب فيك ونخاف ان ينزل فينا قرآن فقال ارضيه كما غضب فقال يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم مالي ولاصحابك قال صلعم مالك ولهم قال يريدون قتلي يحملون

بنانے مسجد میں پہلی اینٹ اوٹھانیکے اسباب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دست مبارک سے کی اس لئے کہ اوروں کیلئے تحریک وترغیب کا باعث ہوئے آپ اینٹ اوٹھانیکے وقت عبد اللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ پروردگار تو مہاجرین وانصار پر رحم فرما اور اجر آخرت ہی اصل اجر ہے (غایت) فرمایا آنحضرت صلعم کو سنکر حضرت علی نے یہ شعر نظم کرکے پڑھا۔ اوسکا کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا ہے جس ارادے سے کہ اوس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجا لائے اور خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔ جناب علی مرتضی نے یہ اشعار بالکل بے غرض خاص سے پڑھے تھے جیسا کہ عام دستور ہے کہ کام کرتے وقت دل لگی کے لئے شعر پڑھتے جاتے ہیں اس سے مقصود آپ کی کسی پر طعن کی نہیں تھی۔ بیہقی حسن بصری کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلعم نے مسجد کی تعمیر شروع کی تو تمام صحابہ نے آپکی اعانت کی اور سب اینٹ مٹی وغیرہ ڈھونے لگے اسقدر کہ اونکے سینے خاک سے آلودہ ہوگئے۔ ایک صحابی عثمان بن مظعون نامی نفاست پسند بزرگ تھے کسی مٹی اوٹھانیوالے سے مٹی یا گارا گر پڑا اور وہ انکے کپڑوں میں بھر گیا انھوں نے اپنے کپڑوں کی طرف نظر کی اس خیال سے کہ مٹی سے کپڑے آلودہ تو نہیں ہوگئے جناب علی مرتضی نے انکی طرف نظر فرمائی اور شعر مذکورہ بالا پڑھا حضرت عمار یاسر نے اس شعر کو یاد کرلیا اور پڑھنے لگے عثمان بن مظعون کو برا لگا اور سمجھے عمار سے کہا کہ میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں اونکے ہاتھ میں اسوقت ایک لوہے کا عصا تھا اوسی دکھلا کر عمار یاسر سے کہنے لگے کہ اگر تم

لبنة لبنة وعمار یحمل لبنتین لبنتین فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدہ وطاف بہ المسجد وجعل یمسح وفرتہ ویقول یا ابن سمیۃ لیسوا بالذین یقتلونک تقتلک الفئۃ الباغیۃ

زرقانی ج ۱ ص ۳۴۴

ایسی تعریض کو نہ چھوڑو گے تو میں اسے تمہارے مونھ پر دے ماروں گا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن لیا سخت برہم ہوئے۔ یہ دیکھکر لوگ عمارؓ سے کہنے لگے کہ دیکھو آنحضرتؐ تم سے خفا ہو گئے قریب ہے کہ تمہاری شان میں کوئی قرآن کی آیت نازل ہو۔ عمار نے جواب دیا کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے غصہ پر بھی راضی ہوں۔ یہ سنکر عمارؓ نے پکار کر عرض کی یا رسول اللہؐ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں ارشاد ہوا کیسے؟ عرض کی وہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں لاد دیتے ہیں یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمارؓ کا ہاتھ تھام لیا مسجد کا طواف کرایا اپنے ہاتھوں سے انکی گرد جھاڑی اور ارشاد فرمایا ابن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہیں کرینگے تمکو تو ایک فرقہ باغی قتل کریگا۔

اسی کا خلاصہ تاریخ ابن ہشام میں ان الفاظ کے ساتھ درج ہے۔

فاخذها (اشعار علی ابن ابی طالبؑ) عمار بن یاسر فجعل یرتجز بها فلما اکثر ظن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ انما یعرض بہ وقال رجل منهم یابن سمیۃ واللہ انی لارانی ساعرض هذه العصا لانفک قال وفی یدہ عصا قال فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم قال ما لهم ولعمار یدعوهم الی الجنة ویدعونہ الی النار ان عمارؓ جلدة ما بین عینی وانفی فاذا بلغ ذلک من الرجل فلم یستبق فاجتنبوہ ص ۱۷۶ ج ۱ مطبوعہ مصر

عمار بن یاسر نے ان اشعار علی بن ابی طالبؑ کو یاد کر لیا اور اسکو پڑھنے لگے۔ اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے اکثر لوگوں کو یہ اشعار سنکر خیال ہوا کہ عمارؓ ہم پر تعریض کرتے ہیں انہیں میں سے ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابن سمیہ قسم خدا کی میں تمہارے اس تعریض کو سمجھتا ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عصا تمہاری ناک پر دے ماروں اس وقت اسکے ہاتھ میں عصا موجود تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سنکر سخت خفا ہوئے اور لوگوں سے کہنے لگے کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے پھر عمار سے ارشاد فرمایا کہ تم کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور یہ تمہیں دوزخ کی طرف بلائیں گے تحقیق کہ عمار بن یاسر میری آنکھوں اور میری ناک کے درمیان کی جلد ہے جب آپ کا یہ ارشاد لوگوں نے سنا تو پھر کسی نے سبقت نہیں کی اور سب نے اجتناب اختیار کیا۔

محدث شیرازیؒ اسکے متعلق روضۃ الاحباب میں یہ عبارت قلمبند کرتے ہیں۔

عمار بن یاسرؓ این رجز را یاد گرفت از زبان علی مرتضیٰؑ کرم اللہ وجہہ وخشت می کشید ومیخواند یکے از صحابہ نشستہ بود گمان میکرد و پنداشت کہ عمار تعریض بوے میکند بغضب رفت وعصائے در دست داشت گفت اے عمار خاموش میشوی والا ترا باین عصا بزنم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشنید

عمارؓ یاسر نے حضرت علی مرتضیٰؑ کا یہ رجز یاد کر لیا اینٹ اٹھاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔ صحابہ میں ایک شخص بیٹھا تھا اور گمان کرتا تھا اس نے خیال کیا کہ عمار ہم پر تعریض کرتے ہیں اسکو غصہ آیا۔ اسکے ہاتھ میں اسوقت عصا موجود تھا عصا دکھا کر عمار سے کہنے لگے چپ رہو نہیں تو اسی عصا سے تمہاری ناک

کہ آں مرد ما عماران سخن گفت و مود عمار ہر دو دیدہ من است بحکیس تواں ادرا آزردن و در صحیح بخاری مروی است کہ یاراں ور آنروز حستت میکشیدند یک یک و عمار دو دو حستت برمیداشت و روایتے آنکہ یک خشت از قبل خود و یک از قبل پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و آنسرور خاک از سراو پاک میکرد و میفرمود ویح یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار فقال عمار اعوذ باللہ من الفتن روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنو جلد اول صفحہ ۲

تو رٹھونگا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس مرد کی کلام کو جو اوس نے عمار سے کہے تھے سن لیا۔ آپ نے عمار کے حق میں کہا کہ عمار میری دونوں آنکھوں کے برابر ہے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ اوسدن ہر صحابی ایک ایک اینٹ اوٹھاتا تھا اور عمار دو دو اینٹین روایت میں ہے کہ ایک اینٹ اپنے لئے اور ایک اینٹ رسول اصلعم کے لئے۔ آنحضرت صلعم خاک اونکے سر سے پاک کرتے تھے اور کہتے تھے عمار تجھے فرقہ باغیہ قتل کریگا تو وہ ہیں جنت کیطرف اور وہ تمہیں دوزخ کیطرف بلائیں گے عمار نے کہا خدا فتنہ سے پناہ میں رکھے

جناب عمار یاسر کی تفصیل احوال سے چونکہ شبلی صاحب کے عقاید کی غلط فہمیوں کا انکشاف ہوتا تھا اسلئے اسے دفتر بےمعنی سمجھکر قلم انداز فرمادیا گیا۔ ہمین معلوم اس موقع پر بخاری صاحب کی تقلید سے کیون دست برداری اختیار کیگئی حضرت ابو بکرؓ کے حالات میں تو بخاری صاحب کی ہر ہر جزئیات کی نقل قلمبند کیگئی تھی لیکن یہ واقعہ باوجودیکہ اوسی صحیح بخاری میں ایک سے زیادہ مقام پر موجود ہے کیوں نہیں لکھا گیا۔ آخر اس کا کوئی سبب ہے؟ وہی ہے جو اوپر ہم لکھ چکے ہیں

ازواج مطہرات کے لئے مکانات کی تعمیر

حضرت عمار بن یاسر کی تفصیل خدمات کو ختم کر کے ہم اپنے آیندہ سلسلہ بیان پر آجاتے ہین۔ مسجد نبوی کا کام اسی سرگرمی اور مستعدی سے برابر جاری رہا۔ سات مہینوں مین مسجد اور ازواج مطہرات کے مکانات تیار ہوگئے۔ مسجد نبویؐ اور حرم مصطفویؐ کی عمارتیں۔ اونکی ساخت اور اونکی شکل و صورت عمارت کے اعتبار سے کیسی تھی ہم اوسکو شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کرتے ہین۔

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں کی دیوارین برگ خرما کے چھپر کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف بدل گیا تو شمالی جانب ایک دروازہ نیا قایم کردیا گیا فرش چونکہ بالکل خام تھا بارش مین کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہؓ نماز کے لئے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھالین۔ آنحضرت صلعم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوادیا۔

مسجد کے سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو **صُفّہ** کہلاتا تھا۔ یہ اون لوگون کے لیے تھا جو اسلام لائے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبویؐ جب تیار ہوگئی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات کے لئے مکانات بنوائے۔ اوسوقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہؓ نکاح مین آچکی تھیں اسلئے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے جو حجرے اینٹوں کے تھے اونکے اندرونی حجرے

کچی اینٹوں کے تھے ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ۔ ام حبیبہ۔ زینب جویریہ میمونہ اور زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔ اور حضرت عائشہ صفیہ اور سودہ مقابل جانب تھیں۔

یہ مکانات مسجد سے اسقدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑے ہو کر چھت چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے اون میں سعد بن عبادہ سعد بن معاذ عمارہ بن حزم اور ابو ایوب رئیس اور دولتمند تھے یہ لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں دودھ بھیجا کرتے تھے اور اوسی پر آپ اکثر بسر کیا کرتے تھے سعد بن عبادہ نے التزام کیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جسمیں کبھی سالن کبھی دودھ اور کبھی گھی ہوا کرتا تھا سیرۃ النبیؐ ص ۲۶۷

ایجاد اذان | مسجد نبوی بنکر تیار ہو گئی۔ اور پانچوں وقتوں کی نمازیں جماعت سے پڑہی جانے لگیں لیکن چونکہ اعلان نماز کا اسوقت تک کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تہا اس لئے لوگ آگے پیچھے آیا کرتے تھے۔ جو جسوقت آگیا اوس نے نماز پڑھ لی نتیجہ یہ ہوتا تہا کہ جماعت کی نماز پڑہنے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور فرادہ نماز پڑہنے والے کثیر التعداد ہوتے تھے۔ اسلام نے چونکہ عبادت الٰہی کے تمام سنجیدہ طریقوں میں اجتماع و اتحاد کے اصول کو مدنظر رکھا ہے اسلئے یہ تفرق و پراگندگی طبع انسانی کی بناپر یہ گی کا باعث ہوئی۔ تمام مسلمانوں کو اس بنا پر مسجد میں یک وقت آنے اور یک بار با جماعت نماز پڑہنے کے سہل اور عام پسند طریقہ اعلان وقت جاری فرمانے کی تجویز فرمائی گئی۔ جو پہلے ہی سے ایمائے مشیت اور منشاء قدرت ثابت ہو چکا تھا اور جس مسئلہ سے قدرت کا نفاذ و اجرا عمارت مسجد کی تکمیل تک رُکا ہوا تہا اس بنا پر ایک دن حضرت بلالؓ کو بلایا گیا۔ اذان کے ارکان تعلیم کئے گئے اور ارشاد فرمایا گیا کہ آج سے ہر نماز کے وقت اسی طرح نماز کا اعلان کیا جاوے کہ جسکو اواز سنکر نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں چلا آئے۔ اتفاق سے عبداللہ بن زید صحابی اوسوقت بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عرض کی کہ چند روز قبل میں نے خواب میں بھی یہی طریقہ اذان دیکھا ہے اُسی دن سے اذان کا طریقہ جو حقیقتاً وقت نماز کا اصلی اعلان ہے جاری اور قائم ہو گیا۔

واقعہ اتنا ہی ہے اور حقیقت اسیقدر۔ اب آگے چلکر اس سادے واقعہ میں جیسی جیسی رنگ آمیزیاں کی گئیں وہ شبلی صاحب کے الفاظ میں حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

اسوقت تک کسی خاص علامت ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جسوقت آتا نماز پڑھ لیتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کئے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لاویں لیکن اسمیں زحمت تھی صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم

کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھکر آتے جائینگے آپ نے یہ طریقہ بھی ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو
طریقے ہیں وہ بھی عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ اس سے
ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہوجاتی تھی۔ دوسرے دن میں پانچ مرتبہ دعوت اسلام کا اعلان ہوجاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض
کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی۔ جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ
حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے بخاری میں صاف
تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز
پیش کی اور آپ نے اسی کے موافق حضرت بلال کو بلاکر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں۔ سیرۃ النبیؐ ص ۲۰۰

واقعیت تو اتنی ہی تھی جسکو ہم ابتدا میں لکھکر دکھلا چکے اب شبلی صاحب اور بخاری صاحب اپنی اپنی ضرورت ہای خاص
سے اس واقعہ کو جس شکل و انداز میں چاہیں بدل دیں۔ لیکن حقیقت شناس حضرات ان قلمکاریوں کو خوب جانتے ہیں ؎
بہر طوریکہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم۔ ابھی ابھی واقعہ ہجرت میں جیسی جیسی قلمکاریاں کی گئیں ہیں
اونکی حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا گیا ہے۔ اون میں اگر حضرت ابوبکرؓ کے خصائص قایم کرنیکی ضرورت لاحق تھی تو اس واقعہ اذان
میں حضرت عمر کی اصابت رائے کی بنیاد رکھی تھی اور تقلید اسلاف اور استحفاظ عقاید کے اعتبار سے ان امور کی ابتدا آغاز
اسلام کے انھیں واقعات سے نہایت ضروری تھی نہیں تو ان خصوصیات کی قدامت میں نقص واقع ہوتا۔ یہی وہ
ضرورتیں تھیں جنہوں نے ان واقعات میں ان موضوعات و مصنوعات کے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں۔ واقعات
ہجرت میں حضرت ابوبکر کے خصائص داخل کئے ہیں اور واقعات اذان میں حضرت عمر کی خصوصیات شامل کر دیے گئے ہیں حالانکہ
حقیقت کی تلاش کی جائے تو معلوم ہوجائے کہ ان خارجی مداخلت کو حقیقت و واقعیت سے کوئی واسطہ نہیں۔
شبلی صاحب کی رفتار تحقیق تو بخاری صاحب تک ختم ہے اور حقیقتاً سوائے امام بخاری کے نہ اونکے لئے کوئی وسیلہ ہے
اور نہ کوئی حیلہ۔ اسی وجہ سے عنوان کتاب ہی سے اونکا دامن تھاما گیا ہے اور یہاں بھی صاف صاف لفظوں میں لکھدیا گیا ہے
جب اس اعتراف کے ساتھ کہ صحاح کی اور کتابوں نے بخاری کے خلاف اس واقعہ کو بیان کیا ہے یہ تحکمانہ فیصلہ کیا جاتا
ہے کہ بخاری کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دیجاسکتی تو آپ سے حقیقت نگاری اور صداقت بیانی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے اب
نہیں معلوم کہ اس موقع پر دونوں مختلف مرویات کے رجال و رواۃ کی تنقید سے کیوں کام نہیں لیا گیا کہ دونوں کے ضعف و استحکام
کی حقیقت کھل جاتی لیکن شبلی صاحب ایسے کیا ہیں جو اس مقام پر تحقیق رجال سے کام لیں گے وہ تو ایسی اور بخاری صاحب
کی ظاہری شہرت اور روایتی جامعیت سے عوام کو مرعوب بنانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اور اصل واقعہ میں وا تفکار حضرات
نہ ان ترکیبوں سے اثر پذیر ہوئے ہیں۔ اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اس واقعہ کی حقیقت کا کامل انکشاف علامہ احمد
بن خطیب قسطلانی شارح بخاری شریف نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں بڑی فراخ حوصلگی سے کر دیا ہے ہم اوسیں کا

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی تھی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ
کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہیں دیجاسکتی ہے

مفصلہ ذیل عبارت کو نقل کرتے ہیں۔

وكان الناس كما في السير وغيرها إنما يجتمعون إلى الصلوة لتحين مواقيتها من غير دعوة وأخرج ابن سعد في الطبقات من مراسيل سعيد بن المسيّب أن بلالا كان ينادي للصلوة الصلوة جامعة وشاور صلى الله عليه وآله وسلم أصحابه فيما يجمعهم له للصلوة وذلك فيما قيل في السنة الثانية فقال بعضهم ناقوس كناقوس النصارى وقال آخرون بوق كبوق اليهود وقال بعضهم بل نوقد نارا ونرفعها فإذا رآها الناس أقبلوا إلى الصلوة ورأى عبد الله بن زيد بن ثعلبة بن عبد ربّه في منامه رجلا فعلّمه الأذان والإقامة فلمّا أصبح أتى النبيّ صلعم فأخبره بما رأى كما عند أبي داود وفي رواية معاذ بن جبل عند الإمام أحمد قال يا رسول الله إني رأيت فيما يرى النائم ولو قلت إني لم أكن نائما لصدقت واستقبل القبلة وقال الله أكبر مثنى مثنى حتى فرغ من الأذان الحديث فقال قم مع بلال فألق عليه فليؤذن قال فسمع بذلك عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو في بيته فخرج يجرّ رداءه يقول والذي بعثك بالحق يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لقد رأيت مثل ما رأى ووقع في الأوسط للطبراني أنّ أبا بكر أيضا رأى الأذان وفي

جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے لوگ بغیر اذان کے بقصد نماز نماز کے وقت جمع ہو جایا کرتے تھے اور ابن سعد نے طبقات میں مراسیل سعید بن مسیب سے لکھا ہے کہ بلال صرف نماز کے وقت الصلوٰۃ جامع کی ندا بلند کر دیتے تھے جناب رسول خدا صلعم نے جب اذان کی نسبت صحابہ سے مشورہ کی کہ کس طریقے سے لوگ نماز کے واسطے جمع کئے جاویں یہ واقعہ ۲ھ ہجری کا بتلایا جاتا ہے تو بعضوں نے ناقوس بجانے کی جیسا کہ نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں تجویز پیش کی اور بعضوں نے کہا کہ بوق بجانے کی جیسا کہ یہود بجاتے ہیں بعضوں نے کہا نہیں بلکہ نماز کے وقت آگ روشن کر دیجایا کرے کہ لوگ اسے دیکھکر مسجد میں جمع ہو جاتیں عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ انصاری نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے انکو اذان و اقامت کی تعلیم کی اور صبح ہوئی (روز مشورۃ اذان) تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو دیکھا تھا بیان کیا اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک معاذ بن جبل نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم ہم نے بھی خواب کی حالت میں جیسا کہ سونیوالے دیکھتے ہیں یہی دیکھا ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ تم اوس وقت سوتے نہیں تھے تو ایسا کہنے والا بھی سچ کہتا ہوگا میں نے ایک شخص کو سبز کپڑے پہنے ہوئے دیکھا پس وہ قبلہ رو کھڑا ہو گیا اور اوس نے اللہ اکبر کہا پھر اسی طرح تمام ارکان اذان دو دو مرتبہ کہے اور اذان تمام ہوئی جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا تمہارا یہ خواب سچ ہے ان شاء اللہ۔ جاؤ بلال کے ساتھ کھڑے ہو۔ لوگوں نے کہا جس نے خواب اذان دیکھا ہے اُسی سے اذان کہلائی جائے آپ نے فرمایا بلال کی آواز بلند تر ہے معاذ کا بیان ہے کہ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور اذان کہنے لگا میری صدائے اذان کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنکر اپنے گھر سے بعجلت تمام و بکمال عجلت

لہ قال السيوطي يظهر من هذا أن يحمل على الحالة التي تعتري أرباب الأحوال ويشاهدون ما يشاهدون ويسمعون ما يسمعون والصحابة رؤس أرباب الأحوال امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہے کہ ناقلین خواب پر وہ حالت طاری تھی جو ارباب حال پر طاری ہوتی ہے اور وہ اُس حالت میں جو دیکھنا ہو دیکھتے اور جو سننا ہے سنتے ہیں اور صحابہ ارباب احوال کے رئیس ہیں المؤلف عفی عنہ۔

الوسيط للغزالي رآه بضعة عشر رجلا وعبارة الجيلي في شرح التنبيه اربعة عشر وفي سيرة المغلطائي انه رآه سبعة من الانصار وقال الحافظ ابن حجر في فتح الباري ولا يثبت شيء من ذلك الا لعبد الله بن زيد وقصة عمر جاءت في بعض الطرق۔

زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص ۴۵۴

اس حالت خاص میں داخل مسجد ہوئے کہ اونکی ردا زمین پر کھینچتی چلی جاتی تھی جناب رسولخدا صلعم سے عرض کی کہ قسم اوس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے اور طبرانی کی معجم اوسط میں مروی ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی خواب میں ایسا ہی دیکھا تھا اور امام غزالی کی اسناد سے بسیط میں ہے کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے اور علامہ جیلی شرح تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ (۱۴) چودہ آدمی ایسے ہی خواب کے مدعی ہوئے ہیں اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعویٰ کیا اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں صرف عبداللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور حضرت عمرؓ کا قصہ بعض طرق میں آیا ہے۔

مواہب لدنیہ قسطلانی کی مرقومہ بالا عبارت نے حقیقت کا پورا انکشاف کر دیا اور سوائے عبداللہ بن زید کے خواب کے جو محض اتفاقی طور پر واقع ہوا تھا سب کو بے اصل ثابت کر دیا۔ حضرت عمر کی مداخلت کو جسے بخاری صاحب نے خواہ مخواہ عبداللہ بن زید کے واقعہ پر ترجیح دینی چاہی ہے۔ اوسکی حقیقت و حیثیت بھی خود اونہیں کے شارح حافظ ابن حجر کی عبارت سے ظاہر ہو گئی جسکی نسبت وہ صرف یہ لکھکر کہ بعض طرق میں انکے خواب کا بھی ذکر آگیا ہے اور کوئی وزن و اہمیت نہیں دیتے۔

بخاری صاحب کی طرح طبرانی صاحب نے بھی معجم اوسط میں حضرت ابوبکر کے شامل کر دینے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیونکہ اونکی خوش عقیدگی کی نظر فاضل و مفضول کی دلیل اور وقوع خلافت کی ترتیب کی طرف منعطف ہوئی تھی۔ ان عقیدتمندانہ اضافات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ ادخال فی بدء الاذان میں پھر تو یہاں تک ترقی ہوئی کہ صرف انصار میں معاذ سے لیکر بروایت امام غزالی دس آدمیوں سے زیادہ اور بروایت علامہ جیلی چودہ[۱۴] آدمی اسکے شرف اولیت کے مدعی ہوئے امور تخصیص کو خواہ مخواہ معمول کے اصول پر تعمیم کے طریقہ میں داخل کرنے سے یہی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

جانبداروں کے ان طومار ناپیدا کنار کو اکٹھا کر کے آخر کار امام ابن حجر کو فتح الباری میں لکھ دینا پڑا۔

ولا يثبت شيء من ذلك الا لعبد الله بن زيد | سوای عبداللہ بن زید اور کسی کیلئے بھی ان میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوتی

اب فرمایئے شبلی صاحب کا یہ حکیمانہ فیصلہ کہ بمقابلہ روایت بخاری اور کسی کی روایت قابل اعتبار نہیں کہاں گیا۔

جب بذات خاص شارح بخاری اصل روایت بخاری کی مجہولیت اس زور و شور سے ثابت کر رہے ہیں اور حضرت عمرؓ کے قصہ کے بارے میں لکھتے ہیں تو اتنا کہ بعض طرق میں اس کا ذکر آیا ہے۔

جو صورت حال حضرت عمر کی داستان خواب کی معاذ کی زبانی مسند امام ابن حنبل کے اسناد سے لکھی گئی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ اگر بفرض محال انکا قصہ خواب بھی صحیح مان لیا جاوے تو بیشتر بعد از جنگ کی صورت رکھتا ہے کیونکہ عبداللہ بن زید اور معاذ دونوں کے بعد آکر یہ اپنا خواب دہراتے ہیں۔ اس صورت میں شبلی صاحب کا یہ دعویٰ کہ واقعہ

حضرت عمرؓ بالکل صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح بخاری میں داخل ہے اور شارح بخاری امام قسطلانی کا یہ آخر فیصلہ کہ سوائے عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کے اور کسی کے خواب دیکھنے کا واقعہ ثابت ہی نہیں محققین و مصنفین زمانہ کی نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ حضرات خود ہی تسلیم کرلینگے کہ کس کے قول میں حقیقت ہے اور کس کی رائے میں حاسدانہ اضافات کا ذخیرہ ہے۔

ان تمام اضافات کا جو اصل مدعا ہے وہ ہم اپنی تمہیدی عبارت میں اوپر لکھ چکے ہیں۔ یہ سب اصول عقائد کے استحکام کی غلط کوششوں کے نتیجے ہیں جنکی ابتدا ایجاد اذان کے متعلق حضرت عمرؓ کے اوصاف اضافی سے کی گئی ہے اور آگے چلکر اس مداخلت میں اتنی ترقی کیگئی ہے کہ (نعوذ باللہ) نزول وحی کو بھی آپ ہی کی مشورت اور تجویز و رائے پر محمول و موقوف ٹھیرایا گیا ہے۔ جسکو ہم اوسکے خاص مقام پر تفصیل سے بیان کرینگے۔

اب اس بحث کے متعلق ہمکو صرف اوسکی اصل حقیقت دکھلا دینی باقی ہے وہ علامہ زرقانیؒ کی زبانی حسب ذیل ہے

فی قوله علیه السلام انها الرؤیا حق فرتب الحکم علیها وهل کان ذلک عن وحی من الله له ام لا اجاب بانه صلی الله علیه وآله وسلم قد اریه لیلة الاسریٰ فروی البزار فی مسنده عن علی ابن ابی طالب قال لما اراد الله ان یعلم رسوله الاذان جاءه جبریل بدابة یقال لها البراق فرکبها حتی اتی الحجاب الذی یلی الرحمن فبینما هو کذلک اذ خرج ملک من الحجاب فقال یا جبریل من هذا قال والذی بعثک بالحق انی لاقرب الخلق مکانا وان هذا الملک ما رأیته منذ خلقت قبل ساعتی هذه فقال الملک الله اکبر الله اکبر فقیل من وراء الحجاب صدق عبدی انا اکبر انا اکبر وذکر بقیة الاذان وقال السهیلی وهذا اقوی من الوحی فلما تاخر فرض الاذان الی المدینة واراد اعلام الناس بوقت الصلوٰة تلبث الوحی حتی رأی عبد الله بن زید الرؤیا فوافقت ما رأی صلعم ولذلک قال انها الرؤیا الحق ان شاء الله زرقانی ج ا ص ۳۵۵

جناب رسولخدا صلعم کے اس حکم کی شرح میں کہ آپ نے عبداللہ بن زید کا خواب سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا خواب سچ ہے۔ یہ بتلایا گیا ہے کہ آپکے اس حکم سے اذان قایم ہوتی ہے اگر یہ امر بذریعہ وحی ہے تو واجب الاذعان ہے اور اگر نہیں ہے تو اذان واجب نہیں ہوسکتی۔ اسکے وجوب کے متعلق امام بزار نے اپنی مسند میں حضرت علی بن ابیطالبؑ سے یہ روایت کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہوا کہ اپنے رسول صلعم کو اذان کا طریقہ بتلائے تو حضرت جبرئیل براق لیکر آئے اور معراج کی رات کو آپ کو حجاب قدس تک لیگئے وہاں آپنے ایک فرشتہ کو دیکھکر حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے جبرئیل نے جواب دیا یہ مجھسے زیادہ مقرب الٰہی ہے اور قسم اوس خدا کی جسنے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اپنی وقت خلقت سے آج تک سوائے اسوقت کے اسکو نہیں دیکھا ہے یہ سنکر اس ملک نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر حجاب قدس سے فوراً آواز پیدا ہوئی کہ یہ میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اسی طرح اوس فرشتہ نے تمام اذان کے ارکان ختم کئے اور ہر بار حجاب قدس سے ندائے تصدیق و اجابت پیدا ہوئی۔ امام سہیلی مصنف روضۃ الانف کہتے ہیں کہ پہلے ترکیب اذان کا بذریعہ وحی نازل ہونا زیادہ قوی الاسناد ہے لیکن حکم اسکا قیام مدینہ تک اوٹھا رکھا گیا یعنی اسوقت تک اسکا اجرا ملتوی رہا۔ یہاں آکر تمام اہل اسلام کو وقت نماز سے اطلاع دینے کیلئے

جاری فرمایا گیا۔ یہانتک کہ عبداللہ نے خواب مین دیکھا اور آپ سے بیان کیا اور اسی سا آپ نے اونکی خواب کی تصدیق فرمائی اور ارشاد کیا تمہارا خواب برحق اور سچا ہے۔

اب مرقومہ بالا عبارت سے مفصل طور پر ابتداے اذان کی حقیقت کا انکشاف ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ مثل نماز و وضو کے اذان کی تعلیم بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی پہونچائی گئی تھی۔ اسمین کسی کی راے و مشورت کو دخل نہین تھا لیکن آپ نے جیسا کہ امام سہیلی لکھتے ہین تا حصول اطمینان اعلان حکم اذان کو مناسب وقت اور مصلحت سمجھا تا اینکہ قیام مدینہ مین تعمیر مسجد کی تکمیل کے بعد آپ نے اسکے نفاذ و اجرا کو ضروری سمجھکر صحابہ سے اسکا ذکر فرمایا ہر شخص نے اپنی مقدار عقل کو مطابق جواب دیا۔ انھین جواب دینے والون مین عبداللہ بن زید نے اپنے خواب کا بھی ذکر کیا جو حسن اتفاق سے تعلیم وحی کے موافق تھا اس لئے اونکے خواب کی تصدیق فرمائی گئی۔ اوسی دن سے حکم وحی کے مطابق حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا گیا۔ جو اسوقت تک جاری ہے۔

علماء و محدثین کی جانبداریون اور طرح طرح کی قلمکاریون نے اسکو کہان سے کہان پہونچا دیا۔ گویا رسول اللہ صلعم اسوقت تک ارکان اذان سے واقف نہ تھے یہ تو بالکل صحابہ کی مشورت و تعلیم تھی جس نے رسول اللہ صلعم کو اذان کی ترکیب اور اوسکے اجرا کی ضرورت بتلائی۔ ہم اپنے دیباچہ کتاب میں لکھہ آئے ہین کہ رسالت صحابیت اور خلافت کا ایک مقدمہ تیار کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ نہین۔ چنانچہ یہ تمام موضوعات اونھین عقائد کے مبادی ٹہرے ہین جو ابتداے رسالت کے ساتھ ساتھ کئے جاتے ہین۔

شبلی صاحب نے باوجود اتنی وسیع النظری کے روض الانف امام سہیلی کی اس عبارت کو جسے وہ اپنے دیباچہ مین معتبر ترین سیرت ٹہرا چکے ہین کیون نہ لکھا حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کو اسکے استنباط و نقل مین مکیبارہ دو مجبوریان پیش آگئین اول تو یہ کہ اس کا اندراج ان تمام مصنوعات کی حقیقت کا انکشاف کر دیتا۔ دوسری یہ کہ چونکہ اس تفصیل مین آنحضرت صلعم کے معارف روحانیت کا ذکر تھا۔ اوسکی نقل آپ کے فلسفہ تاریخ کے موضوع کے خلاف واقع ہوتی تھی اس بنا پر دونو طرح سے اسکا عمر قلم کر دینا آپ کیلئے ضروری تھا لیکن باایں ہمہ شبلی صاحب کو اسکا خیال نہ آیا کہ وہ سیرۃ النبی لکھہ رہے ہین کسی معمولی آدمی کی سوانح عمری نہین اسلئے اوسکے حالات و واقعات میں علی الاکثر روحانیت کا اظہار اور ربانیت کا اقرار کئے بغیر نہین کام چل سکتا چونکہ واقعات مذکورہ بالا نے ابتداے اذان کو تعلیم روحانیت ہی کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے اسلئے یہی روحانیت عین فلسفہ اذان ہے اور وہی اسکی تاریخ کا فلسفہ یقین کیا جائیگا۔

مہاجرین و انصار کے درمیان صیغہ اُخوت	مہاجرین جس مصیبت اور پریشانی مین مکہ سے نکل کر مدینہ پہونچے تھے وہ ظاہر ہے۔ وہ غریب اپنی جانوں کے سوا کچھ بھی اپنے ہمراہ نہین لائے تھے۔ جو کچھ بھی سرمایہ تھا وہ گھر چھوڑ آئے تھے کفار

قریش سے جان بچا کر چلے آئے یہی تمام دنیا کی دولت تھی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مہاجرین حقیقتاً کوئی بہت بڑی خوشحال اور دولتمند قوم تو تھی ہی نہین علی الاکثر اونمیں مفلوک الحال تھے اور نادار۔ مگر باایں ہمہ انمین بعض متمول بھی تھے اور خوشحال بھی لیکن مکہ

ہجرت کرتے وقت اونپر ایسی بے بسی کا عالم طاری تھا کہ وہ بیک بینی و دوگوش گھر سے نکل کر زر قریش سے جان بچا کر مدینہ چلے آتے کے سوا اوس وقت کچھ بھی نہ کر سکے۔ اس لئے جب وہ مدینہ میں پہونچے تو اون کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی اونکی تمام ضرورتوں کی کفیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری تک تینتیس یا چالیس مہاجر آچکے تھے اور سب کے سب رئیسان انصار کے مہمان تھے اور اس کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ انصار اونکی خدمت کرتے تھے کہ ان غریب الوطنوں کو گھر کا لطف آتا تھا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کے وقت جب ان حضرات کو دیکھا تو اونکو مکہ سے زیادہ یہاں خوشحال پایا لیکن باایں ہمہ سرور عالم نے اتحاد دینی اور اتفاق ایمانی کے اصول سے اس ضیافت و مہمانی کو حقوق اخوانی کے مضبوط رشتہ وحدت و یکجہتی میں منسلک فرمادیا۔

ابن ہشام اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ عقد مواخاۃ کا انتظام آنحضرت صلعم نے تعمیر مسجد کے بعد فرمایا اور انس بن مالک کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر باہمانہ اخوت کا صیغہ جاری فرمایا۔ ابن ہشام نے ان لوگوں کی طویل اور پر تفصیل فہرست لکھی ہے۔ شبلی صاحب نے اوس کا خلاصہ کر کے مشاہیر مہاجرین و انصار کے نام لکھے ہیں ہم اونھیں کے مفصلہ ذیل خلاصہ و انتخاب کو نقل کر دیتے ہیں۔

نام مہاجر	نام انصار
حضرت ابو بکرؓ	خارجہ بن زید
حضرت عثمانؓ	اوس بن ثابتؓ
زبیر بن عوامؓ	سلامہ بن وقشؓ
عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن یمانؓ
سلمان الفارسیؓ	ابو درداؓ
ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	عباد بن بشرؓ

نام مہاجر	نام انصار
حضرت عمرؓ	عتبان بن مالکؓ
ابو عبیدہ جراحؓ	سعد بن معاذؓ
مصعب ابن عمیرؓ	ابو ایوب انصاریؓ
ابو ذر غفاریؓ	منذر بن عمرؓ
حضرت بلالؓ	ابو رویحہؓ
سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا تھا کہ بے خانمان مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلام کی تکمیل کا سامان تھا۔ سیرۃ النبی ج ا

شبلی صاحب نے حسب العادت جب اسکی تفصیل بخاری شریف میں نہیں پائی تو بالآخر مجبور ہو کر تاریخ ابن ہشام کے انتخاب پر عمل پیرا ہوئے۔ اور کیونکر نہ ہوتے جب تاریخ و سیر کے خاص موضوع پر کتاب لکھ رہے تھے۔ اگر اس وقت تقلید بخاری مد نظر رکھتے تو تاریخی حیثیت سے ایک عظیم الشان واقعہ اسلامی کا سراپا سقوط ہوا جاتا تھا۔ اس مجبوری سے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بخاری بند کر دیگئی یعنی معلوم مولوی صاحب کا وہ اصول کہ سیر و تاریخ کی کتابوں پر مرویات حدیث

اور احادیث میں مرویات صحاح کو اور صحاح میں مرویات بخاری کو ترجیح حاصل ہے۔ اور جسکو آپ نے بڑے طمطراق سے دیباچہ کتاب میں لکھا ہے۔ اور تمام کتاب میں اسی عمل درآمد پر کارفرما ہوئے ہیں۔ اسوقت کہاں گیا۔ اور کیا ہوا؟ مانا کہ صحیح بخاری میں نہیں تھا اور صحاح سے لکھا ہوتا اور اگر اپنے ایجاد کردہ اصول ترجیح پر اصرار تھا تو اس واقعہ کو لکھا ہی نہ ہوتا۔ اسلئے کہ بخاری شریف میں نہیں تھا یہ انداز تحریر تو مولانا ذی اعتباری اور وضعداری کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

مگر نہیں باوجود اسکے کہ اپنے اصول مقررہ سے خلاف ورزی اختیار فرمائی گئی۔ لیکن تاہم تعلیم و تقلید بخاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور عام اس سے کہ اس نقل انتخاب میں بھی اصل عبارت کے نقل ماخذ میں تحریف ہوتی ہو یا صریح تدلیس۔ جس مقصد کا اس موقع خاص پر اسقاط و اخفاء منظور خاطر تھا وہ کر ہی دیا گیا وہ کیا تھا؟ اسقاط ذکر علی[۲] تاریخ ابن ہشام سے آپ کی نقل کردہ انتخابی فہرست دیکھ لی جائے حضرت علی مرتضیٰ کا نام نامی خصوصاً اور سائر بنی ہاشم کے اسمائے گرامی عموماً کہیں بھی پائے نہیں جاتے۔ ملاحظہ ہو جلد اول ص ۲۱۱

کیا عقد مواخاۃ کے انتظام میں یہ حضرات مستثنیٰ فرما دیے گئے تھے یا فی الحقیقت آپ کی طرح ابن ہشام نے بھی انکا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی تحقیق میں جب ابن ہشام کی اصلی عبارت دیکھی جاتی ہے تو اُس کی فہرست میں سرنامہ انہیں بزرگواروں کے اسمائے مقدس لکھے پائے جاتے ہیں۔ ہم عبرت ناظرین کے لئے ابن ہشام کی اصلی عبارت ذیل میں لکھے دیتے ہیں۔

آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین اصحابہ من المہاجرین والانصار فقال فیما بلغنا ونعوذ باللہ ان نقول علیہ ما لم یقل تآخوا فی اللہ اخوین اخوین ثم اخذ بید علی بن ابی طالب فقال ہذا اخی فکان رسول اللہ سید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العالمین الذی لیس لہ خطیر[۵۱] ولا نظیر من العباد وعلی بن ابی طالب اخوین وکان حمزۃ بن عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ وعم رسول اللہ صلعم وزید بن حارثۃ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخوین والیہ اوصی حمزۃ یوم احد حین حضرہ القتال ان حدث بہ حادث الموت وجعفر بن ابی طالب ذو الجناحین

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت صحابہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخاۃ کی تنظیم کا ارادہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے خدا کا حکم آیا ہے اور اگر نعوذ باللہ جو میں کبھی تم سے ایسی بات کہوں جو مجھ سے کہی گئی ہو کہ میں تم لوگوں کے درمیان صیغۂ اخوت جاری کروں اور تم لوگوں کو بھائی بھائی بنا دوں۔ اسکے بعد آپ نے حضرت علی بن ابیطالب کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم سید المرسلین امام المتقین اور رسول رب العالمین تھے اور بندوں میں کوئی شخص سوائے حضرت علی ابن ابیطالب کے رسول اللہ کا نظیر اور مماثل ذی القدر و المرتبت نہیں ہوسکتا تھا۔ اس بنا پر یہ دونوں بزرگوار بھائی بھائی بنے اور حضرت حمزہ جو اسد اللہ اور اسد رسول کے لقب مخصوص سے ملقب تھے اور جناب رسولخدا کے عم نامدار تھے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے غلام تھے بھائی بنے چنانچہ جنگ احد میں زخمی ہو کر قریب وفات حضرت

[۵۱] خطیر مثالہ فی القدر والمرتبہ۔ قدر و منزلت میں کسی کا مماثل۔ صراح مطبوعہ کلکتہ ص ۳۸۶

الطیار فی الجنۃ ومعاذ بن جبل اخو بنی سلمۃ اخوین
قال ابن ہشام وکان جعفر ابن ابی طالب یومئذ
غائباً بارض الحبشۃ۔

تاریخ ابن ہشام مجلد اول صفحہ
۱۸۹ مطبوعہ بولاق مصر

حمزہ ہی کو وصیت فرمائی تھی اور جعفر ابن ابی طالب جن کا لقب
ذوالجناحین (دونوں پروں والے) اور طیار فی الجنۃ (جنت میں اڑنے والے)
تھا معاذ بن جبل انصاری کے جو بنی سلمہ کے بھائی ہوتے تھے
بھائی بنائے گئے
ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب اوس وقت
تک ملک حبش میں مقیم تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر طیار کا معاملہ بھی اس موقع پر ایسا ہی تھا۔ جیسا حضرت عثمان کے غائبانہ
مین بیعت رضوان کے عقد کا واقعہ بتلایا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ شبلی صاحب بخاری صاحب کے ساتھ ساتھ قدم اور قلم اٹھا
رہے ہیں اور جو عنوان کہ دیباچہ کتاب سے اوٹھایا گیا ہے اوسکی شرط تقلید و متابعت حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً ادا فرما
رہے ہین اور وہ کیا ہے؟ استخفاف تمام بنی ہاشم عموماً اور اسقاط و اخفائے فضائل علی خصوصاً سبقت فی الاسلام
کے ابتدائی حالات مین جو بخاری صاحب نے قلمکاریاں کین اور آپ نے جن جن پہلوؤں سے اوکی جانبداری
کے حقوق ادا فرمائے وہ اوپر بیان ہو چکے۔ دعوت قریش کی حقیقت حال کو بخاری صاحب نے جن جن اقسام کے مختلف
فیہ الفاظ و عبارت کے ساتھ خلط بحث کردیا اور کسی طرح خلیفتی و وزیری یکمر گے الفاظ کو متن حدیث مین لکھا گوارا
نہ فرمایا اور آپ نے بھی اوسکو آمنّا و صدّقنا لکر حرف بحرف نقل کر ڈالا اوسکی بھی مفصل اور مکمل تنقید اوپر قلمبند ہوچکی ہے
ابھی ابھی واقعہ ہجرت مین فرش رسولؐ پر حضرت علیؑ کے سونے کی عظیم الشان اور متفق علیہ واقعہ کو بخاری صاحب نے قطعاً
مرفوع القلم فرما دیا اور کہین اوس کا ذکر تک نہین کیا۔ لیکن چونکہ بخاری کی یہ ایسی صریح حق پوشی تھی کہ آپ بھی اسکے
اقدام پر جرأت نہ کر سکے۔ مجبوراً آپ کو لکھنا ہی پڑا۔ اگر آپ اسی ایک واقعہ پر غائر نظر ڈالتے تو آپ کو بخاری کی مقاربت
کا پورا اندازہ ہو جاتا۔ لیکن آپ کو خود منظور نہ تھا۔

ان تمام واقعات کے بعد عقد مواخات کا مرقومہ بالا واقعہ ہے بخاری صاحب ایسے کہاں تھے جو ٹھنڈے دل سے
حضرت علیؓ کی ان خصوصیات کو لکھتے لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ واقعہ چونکہ اسلام کی تاریخ اتحاد کا نہایت
عظیم الشان اور قابل الذکر واقعہ تھا اور اسکے حذف و اسقاط سے ابتدائے اسلام کے اکثر واقعات غیر مسلسل اور نامکمل
رہ جاتے تو اس مجبوری سے آپ نے عارضی طور پر تقلید بخاری سے دست برداری اختیار کی اور تاریخ ابن ہشام سے اس
واقعہ کو لکھا لیکن تاہم اصل مدعا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور فضائل و خصائص علیؑ کی عبارت خاص کو باوجودیکہ ماخذ اصلی مین موجود
تھا نکال ہی ڈالا جیسا کہ مفصل طور پر اوپر بیان ہو چکا اس سے بڑھکر مؤلف کے لئے کونسا شرمناک واقعہ ہو سکتا ہے

استغفر اللہ ربی۔

اگر شبلی صاحب ابھی تک اس واقعہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ سمجھتے ہیں اور اسکے استخراج و استنباط کو محدثین و مفسرین کا مختار نہیں یقین کرتے تو ہم ذیل میں صرف ان علماء محدثین اور ان کی کتابوں کے نام لکھے دیتے ہیں جنھوں نے اس واقعہ کو بطریق حدیث مندرج فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے مناقب میں امام نسائی نے خصائص میں امام ابی شیبہ نے مسند میں امام حاکم نے مستدرک میں۔ امام عبدالبر نے استیعاب میں۔ طبرانی نے معجم میں امام سیوطی نے جمع الجوامع میں امام دارقطنی نے مسند میں ملا علی متقی نے کنز العمال میں۔ فقیہہ ابوالحسن معازلی نے مناقب میں اور امام دیلمی اور امام ابن مردویہ نے اپنی اپنی مناقب میں اس واقعہ کی تفصیل مختلف الفاظ و عبارت کے ساتھ قلمبند فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو ارجح المطالب فی عدد مناقب علی ابن ابی طالب مولفہ خواجہ عبید اللہ امرتسری مطبوعہ لاہور ص ۴۸۵

اپنی تنقیدی عبارت کو تمام کرکے اب ہم شبلی صاحب کے بقیہ مضامین کو جو انصار مدینہ کی فیاضی عالی ہمتی خلوص و محبت اور حقوق اخوت کے صاف و شفاف آئینے ہیں۔ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

مہاجرین و انصار کے باہمار سلوک	یہ رشتہ اخوت بھائیچارہ۔ یا (BROTHERHOOD) بالکل حقیقی رشتہ بنگیا۔ کوئی انصاری مرتا تھا تو اوسکی جائداد و مال مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے تھے (بحوالہ صحیح بخاری کتاب التفسیر)

یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (سورہ انفال رکوع آخر)	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے اونلوگوں کو پناہ دی اور اون کی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اوتری۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ	ارباب وراثت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اوسوقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر و حدیث میں یہ تصریح مذکور ہے۔

۴ھ ہجری میں بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور انکی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا اونھیں کو دیدئے جائیں۔ اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے اور نئے بھی اونھیں کو عنایت فرمادیجئے۔ بحوالہ فتوح البلدان مطبوعہ یورپ ص ۲۲

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ سعد بن الربیع نے جب

عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دیکر نصف لے لینے کی درخواست کی تو اونھون نے کہا کہ خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھکو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ اونھون نے سُوق قینقاع کا جو مشہور بازار تھا جاکر راستہ بتا دیا اُنھون نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید و فروخت کی۔ چند روز مین اتنا سرمایہ ہوگیا کہ شادی کرلی (صحیح بخاری مین یہ واقعہ دو مختلف موقعوں پر مذکور ہے۔) رفتہ رفتہ انکی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لدکر آتا تھا اور جس دن مدینہ مین پہونچتا تھا تمام شہر مین دھوم مچ جاتی تھی۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ

بعض صحابہ نے دوکانین کھولین۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ سُنح مین تھا۔ جہان وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے (ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳) حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے (مسند امام احمد حنبل) حضرت عمرؓ بھی تجارت مین مشغول ہوگئے تھے اور شاید اس تجارت کی وسعت ایران تک پہونچ گئی تھی اور صحابہ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کردی تھی۔ صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ پر جب لوگون نے کثرت روایت پر اعتراض کیا اور صحابہ کو اسقدر روایت نہین کرتے تو اونھون نے کہا اس مین میرا کیا قصور۔ اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا۔

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے نخلستان نے یہ انصار کو واپس کردیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد مین ہے۔

إنّ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لما فرغ من قتال اهل خيبر وانصرف الى المدينة ردّ المهاجرون الى الانصار منائحهم التي كانوا منحوهم من ثمارهم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین تھے واپس کردیے۔

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین اونکو دیدین اور جنکے پاس زمینین نہ تھین اونھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیے سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہان ایک قلعہ (جسکو گڈھی کہنا زیادہ موزون ہوگا) بنوایا حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔ حضرت عثمانؓ مقداد عبداللہ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین (معجم البلدان ذکر مدینہ) انصار نے مہاجرین کی مہمانی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ مین اُسکی نظیر نہین ملتی بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو بلاکر فرمایا کہ مین اسکو انصار مین تقسیم کردینا چاہتا ہون اونھون نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائیون (مہاجرون) کو اتنی ہی زمین عنایت فرمالیجئے تب ہم بھی لینا منظور کرین گے صحیح بخاری باب مناقب انصار۔

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مین آیا کہ سخت بھوکا ہون۔ آپ نے گھر مین دریافت کیا کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا صرف پانی ہے۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کوئی ہے جو اس کو اپنا مہمان

سائے۔ ابو طلحہ نے عرض کی میں حاضر ہوں۔ غرضکہ وہ اپنے گھر لیوا گئے۔ لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ اونھوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھدو۔ تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اسی طرح خالی ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت اوتری ہے[1]

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ | گو اون پر خود تنگی ہو تا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

اصحاب صفہ | انصار و مہاجرین کی عام جماعت مسلمین میں اہل صفہ بھی داخل ہیں شبلی صاحب ان کی حقیقت یوں لکھتے ہیں۔

صُفّہ۔ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے۔ گو اسکی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں صُفّہ سائبان کو کہتے ہیں یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارے پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا صحابہ میں اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت و زراعت بھی کرتے تھے۔ لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کردی تھی۔ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ انہیں سے ایک ٹولی تو دن کو جنگل سے لکڑیاں لاکر اور اون کو بیچکر اپنے بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کر لیتی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اوسی چبوترہ (صُفّہ) پر پڑ رہتے۔ حضرت ابوہریرہ بھی انھیں لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ایک ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اسطرح باندھ لیتے تھے کہ پاؤں تک لٹک آتی تھی اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ جو ٹپک ٹپک کر گرتیں اور یہ اوٹھا اوٹھا کر کھاتے کبھی دو دو دن کھانے کو نہ ملتا تھا اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے یہ لوگ اکثر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے باہر کے لوگ آتے انکو دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ دیوانے ہیں (بحوالہ صحیح ترمذی باب معیشۃ النبی ص)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کہیں سے کوئی صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم اون کے پاس بھیجدیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور انکے ساتھ بیٹھکر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکو مہاجرین و انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لیجائے۔ اور اونکو کھانا کھلائے۔ حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو

---

[1] شبلی صاحب نے اس مضمون میں مہاجرین کو انصار کی احسانمندیوں سے سبکدوش کرنیکی بیجا کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ کیا ثابت ہوئی آیہ مبارکہ قرآن سے ایثار انصار ہی کا بلہ بھاری کر دکھلایا آپکا یہ حفظ ما تقدم اور بیش بندی سقیفہ میں بحث ترجیح مہاجر علی الانصار کو قوت دینے کیلئے عمل میں لائی گئی تھی الموٴلف

اپنے ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ بحوالہ زرقانی وکر اصحاب صفہ مسعودی سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۱۵

یہودان مدینہ مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہودی نسلاً یہود تھے اور اس تقریب سے عرب مین آئے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انکو قوم عمالقہ سے جنگ عمالقہ کیلئے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اسکی تصدیق نہین ہوتی یہود کو تمام دنیا مین پھیلے لیکن انھون نے کہین اپنے نام نہین بدلے۔ آج بھی جہان ہین اسرائیلی ہی نام رکھتے ہین بخلاف اسکے عرب کے یہودون کے نام نضیر قینقاع۔ مرحب حارث وغیرہ ہوتے تھے جو خالص عربی نام ہین۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہین۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ ع نے ان سے لڑنیکو کہا تو بولے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ	تم اپنے خدا کے ساتھ جاؤ اور لڑو ہم یہین بیٹھیں رہین گے۔

بخلاف انکے عرب کے یہودی نہایت دلیر شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

ثم کانت وقعۃ بنی نضیر وھم فخذ من جذام الا انھم تھودوا وکذلک قریظۃ	پھر بنی نضیر کا واقعہ ہوا یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا۔ اسی طرح قریظہ بھی۔

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ مین ایک روایت لکھی ہے کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ مین عمالقہ سے اور انکی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ ع پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز مین چلے آئے مسٹر مارگیولوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے۔ انکا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودان مدینہ وخیبر وتجات کی بڑی آبادی مین ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے۔ عرب جو یہود ہوتے گئے وہ بھی انھین مین شامل ہوتے گئے۔

خاص مدینہ اور اوسکے اطراف مین یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ ان لوگون نے مضبوط برج اور قلعہ بنا رکھے تھے۔ انصار کے جو دو قبیلے تھے اوس اور خزرج۔ انمین باہم جو آخر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اوس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد ہونے پائین۔ ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ یہود اور مسلمانون کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائین۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا۔ جسکو دونون فریق نے منظور کیا یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا لکھا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے۔

مسلمانان اور یہودان مدینہ مین باہمانہ معاہدہ

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے اب بھی قایم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور اون کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہین کیا جائے گا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھین گے۔

(۴) یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کریگا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق شریک یکدیگر ہون گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کریگا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ رہے گی۔

یہودیون کا اس معاہدہ پر بطور ظاہر اقرار و دستخط ہوگیا۔ لیکن اونکے اس اقرار و اعتراف کو اون کے قلب و باطن سے کوئی تعلق نہین تہا جیسا کہ بہت جلد ثابت ہوتا ہے۔

اسلام سے یہود کا تنفر

حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے خدا کے نبی برحق حضرت موسیٰ علی نبینا و آلہ و علیہ السلام نے اپنے وعظ مین یہود کو یہ بشارت پہونچائی تہی کہ خدا موسیٰ ؑ کے بھائیون مین سے موسیٰ ؑ جیسا نبی پیدا کریگا اوسوقت سے یہودیہ امید کئے ہوئے تھے، اور اسی امید پر مدینہ مین ٹھیرے ہوئے تھے کہ بنی اسمٰعیل مین پیدا ہونے والا نبی ؑ یہود کے ادبار قومی کو دور کرنیوالا اونکی گذشتہ شان و شوکت۔ حکومت و سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا، اور جب سے یہود کو شام سے نکال کر ذلت و غلامی کے گڑھون مین ڈالدیا گیا تھا۔ اوسی وقت سے نبی موعود کے ظہور پر اونکی آنکھین اور بھی زیادہ لگی ہوئی تہین اب اسمٰعیلی نبی کا مدینہ مین تشریف لانا سنکر یہودی بہت خوش ہوئے تھے یہ حالت کسی نہ کسی طرح جنگ بدر تک قایم رہی لیکن جب انھون نے دیکھا کہ یہ تو مسیح کو راستباز ٹھیراتا اونکی تعلیم کو سچی بتلاتا مسیح پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری اور جزو لاینفک قرار دیتا اور اونکی بزرگی کرکے یہودیون کو الزام سے ملزم ٹھیراتا ہے تو اوسوقت سے سب یہودی نبی صلعم کے دشمن ہوگئے۔

مسلمانون سے عیسائیون کا تنفر

عیسائی بھی خال خال مدینہ اور اوسکے مضافات مین آباد تھے۔ مجموعی حیثیت سے عیسائی نہ شمار مین یہودیون کے برابر تھے اور نہ مال و اقتدار مین اونکے مقابل تھے لیکن تاہم ملک کی آبادی اونکی تعداد افراد سے خالی بھی نہین تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور فرمانے اور مدینہ مین تشریف لانے سے یہ بھی پہلے بہت خوش اور مطمئن ہوئے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام اپنے سب سے آخری وعظ مین ایک بشارت دینے والے کے آنیکی خبر دے گئے تھے جو دنیا کے ساتھ ہمیشہ رہے گا اوسکی رسالت آخر اور ہمیشہ دنیا مین قایم رہیگی، اور وہ دنیا کو سب چیزین سکھلائیگا اور تمام عیسائیون کو اوسی کے حکم پر چلنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اسلئے عیسائی بھی اوس نبی کا انتظار کررہے تھے جو یہود سے اون کے ظلمون کا بدلہ لینے والا عیسائیون کو جلال بخشنے والا مسیح کی صداقت ظاہر کرنے والا ہوگا۔ لیکن جب انھون نے دیکھا کہ نبی صلعم نے عیسائیون کے خودساختہ مسائل ابنیت۔ تثلیث۔ کفارہ رہبانیت اور یورپ کے الٰہی اقتدارات[1] کا رد کیا تو وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمن ہوگئے رحمۃ للعلمین ص ۹۵

---

[1] ڈاکٹر ڈریپر DR DRAPPER نے اپنی کتاب موسومہ مذہب اور سائنس مین جسکا ترجمہ مولوی ظفر علی خان۔ بی۔ اے۔ نے کیا ہے لکھا ہے

شبلی صاحب نے جو معاہدہ کی عبارت ابن ہشام کی اصلی عبارت سے خلاصہ کرکے لکھی ہے۔ وہ بالکل مبہم رہ گئی ہے اسلئے اوسکا انکشاف ہمارے لئے بہت ضروری ہے اس بنا پر ہم ابن ہشام کی اصلی عبارت سے ذیل میں اس معاہدہ کے تمام شرائط کو حسب ذیل قلمبند کرتے ہیں۔

(۱) هذا الكتاب من محمد النبي صلعم بين المؤمنين والمسلمين من قريش ويثرب ومن تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم

(۲) انهم امة واحدة

(۳) ان يهود بني عوف امة مع المؤمنين۔

(۴) وان بينهم النصر على من حارب اهل هذه الصحيفة

(۵) وان بينهم النصح والنصيحة والبر دون الاثم

(۶) وان اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين۔

(۷) وان بطانة يهود كانفسهم۔

(۸) وانه لا يأثم امرء بحليفه

(۹) وان النصر للمظلوم

(۱۰) وان يثرب حرام جوفها لاهل هذه الصحيفة

(۱۱) وان الجار كالنفس غير مضار ولا اثم۔

(۱۲) وانه ما كان بين اهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فان مرده الى الله عز وجل والى محمد النبي صلى الله عليه واله وسلم۔ ابن ہشام جلد اول مطبوعہ بولاق مصر صفحہ ۱۷۸

یہ تحریر ہے محمد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانب سے مسلمانوں کے درمیان جو قریش یا یثرب کے باشندے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو مسلمانوں کے ساتھ متحد اور کاروبار میں اونکے شامل ہیں۔

(۲) یہ سب لوگ ایک ہی قوم سمجھے جائیں گے۔

(۳) بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم شمار ہونگے

(۴) جو کوئی ان معاہد قوموں کے ساتھ جنگ کریگا مسلمان معاہدہ والوں کی نصرت کرینگے۔

(۵) مسلمانوں کے تعلقات معاہد قوموں کے ساتھ خیرخواہی خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہونگے۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہونگے

(۶) یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایام جنگ میں مصارف جنگ دیں گے

(۷) یہودیوں کے حقوق خاندانی قوموں کے حقوق کے برابر سمجھے جائینگے

(۸) کوئی شخص اپنے معاہد قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہیں کریگا۔

(۹) مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی

(۱۰) مدینہ کا اندر گشت و جوار کرنا اس معاہدہ کی رو سے سب لوگوں پر حرام ہوگا

(۱۱) ہمسایہ قومیں بھی معاہد قوموں کی ایسی سمجھی جاینگی تا وقتیکہ وہ ضرر رسان اور عامل گناہ نہ ثابت ہوں

(۱۲) معاہدہ والی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائیگا جس میں آیندہ فساد کا خوف ہوگا تو اس امر کا فیصلہ خدای بزرگ و برتر اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا جائیگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کہ عیسائی مذہب ابتدا میں سالہا سال تک تین اصول کی تعلیم کرتا رہا۔ حق اللہ یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدای بزرگ و برتر کی تعظیم کرے۔ حق الذات یعنی انسان کو چاہیئے کہ ذاتی طور پر نیک رہے حق العباد یعنی لازم ہے کہ انسان اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے اسکے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ ان ترمیمات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے جو عیسائی مذہب میں آگے چلکر بیرونی آمیزش سے پیدا ہوئیں اور آجتک قایم ہیں اول ترتلین کی تحریر قریبہ سنہ ۲۰۰ دیکھنا چاہیئے جو اوس سے قیصر سیویرس کے زمانہ میں جبکہ عیسائیوں پر طرح طرح

راس المنافقین عبداللہ ابن ابی سلول

مدینہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے لئے ناظرین کو راس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کے حالات پر بھی مجمل طور پر نظر ڈال لینی ضرور ہے۔ یہودان مدینہ کے سوا مدینہ مین ایک ممتاز اور بااثر شخص یہ بھی تھا اوس و خزرج کے قبیلون پر اس کا پورا رعب تھا اور اوسکو پوری توقع تھی کہ ان طاقتور قبیلون کے مدد سے مدینہ کی سب سے اعلی طاقت مین ہی بن جاؤنگا۔ جب اوس نے دیکھا کہ اوس و خزرج مسلمان ہورہے ہین تو خود بھی (بعد از جنگ بدر) بظاہر مسلمانون سے مل گیا لیکن جب اوس نے دیکھا کہ یہودی نبی صلعم کے خلاف ہوگئے ہین تو اوس نے چاہا کہ یہودیون پر بھی اس کا اثر قائم رہے اور مسلمان ہوجانیوالے قبائل بھی بدستور سابق اسکے زیر اثر رہین اس لئے اوس نے یہ رویہ اختیار کیا کہ مسلمانون مین بیٹھکر اونسے اپنی رفاقت کا اقرار کرتا اور دیگر اقوام کے سامنے اونکے ساتھ اپنے اتحاد و رفاقت و صداقت کا دعوی کیا کرتا تھا اور چونکہ فی الحقیقت اسلام کو وہ اپنی آرزوؤن کا پامال کنندہ سمجھتا تھا اس لئے جب موقع ملتا تو مسلمانون کی ضرر رسانی سے دریغ نہ کرتا۔ اسلام مین اوسکے گروہ کا نام منافقین تھا اور وہ راس المنافقین کے نام سے مشہور تھا۔

مدینہ کی یہ حالت تھی۔ اور اوس سے ظاہر ہے کہ اسلام کی دعوت اور منادی کے لئے اس جگہ بھی بہت سی دشواریون کا سامنا تھا ایک منصف اور غور پسند طبیعت فیصلہ کرسکتی ہے کہ ان سب مواقع پر غالب آجانا اسلام کی صداقت کی عمدہ دلیل ہے۔ اشاعت اسلام مین جو کامیابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ مین بمقابلہ مکہ معظمہ ہوئی اوسکا ذکر قرآن نے پہلی ہی سے بطور پیشین گوئی فرمادیا تھا وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ پچھلا تیرے پہلے سے بہتر ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ظاہر ہو رہے تھے بمقام روما قلمبند کی تھی۔ اس تحریر مین تثلیث کا ذکر نہیں ہے (گویا مسئلہ تثلیث تین سو صدی عیسوی تک عیسائیون کے عقاید مین داخل نہیں تھا یہ تیسری صدی کی نمو اور کونسل نیس کی خصوصًا مصنوعات ثابت ہوتا ہے) اور کفارہ کا تو ذکر دیا پایا جاتا ہے (عیسائیون کے عقائد مین مسئلہ کفارہ کی حقیقت یہ ہے کہ اونکے عقائد مین حضرت عیسیٰ کی شہادت اونکی امت کی تمام اعمال کا کفارہ ہوگئی۔ اور اب امت سے کسی پرسش اعمال کی ضرورت باقی نہیں) کیونکہ اوسکے الفاظ یہ ہیں۔ خدا نے انسان کو اعمال حسنہ و سیئہ کے لحاظ سے جزا و سزا مقرر کی ہے جو نیک ہوں گے اونھیں لذت جاودانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہو نگے اونھیں ابدی شعلون مین جھونک دیگا ڈاکٹر مذکور نے پھر لکھا ہے قیصر قسطنطین کے عہد مین عیسائیت میں بت پرستی شامل ہوگئی اور یا در کھو کہ پہلی کونسل اوسی کی صدارت مین ۳۲۵ء میں قائم ہوئی پھر کاونسلون کے انعقاد کی رسم پڑگئی۔ ہر ایک کونسل مذہب اور اعتقاد میں نئی نئی ترمیمات و اصلاحات عمل میں لاتی گئی۔ بس لئے ہم نے جو متن میں لفظ عیسائیون کے خود ساختہ مسائل درج کیا ہو وہ بالکل صحیح ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نبی صلعم نے جن مسائل مین اصلاح فرمائی تھی آہستہ آہستہ جزءًا جزءًا مختلف طریقہ عیسائیون کے مختلف فرقون نے بھی اون اصلاحات کو قبول کرلیا ہے۔ ا۔ رایسی مذہب کا جزو بنالیا ہے اگرچہ وہ ابتک اپنی اس سچی محسن رسول اللہ صلعم کے شکرگذار نہیں ہے مثلًا عیسائیون کا فرقہ یونیٹیرین وہ مسیح کو ابن اللہ نہیں تسلیم کرتا۔ پراٹسٹینٹ فرقہ اسلام کے بعد عیسائیون مین پیدا ہوا جو رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اقتدار کا سخت منکر ہے

رحمۃ العلمین ص ۹۵ و ۹۶

۱ سہ ہجری کے متفرق واقعات

ہجرت کا پہلا سال تمام ہوگیا۔ اس سال کے تمام مشہور اور قابل الذکر واقعات پوری تفصیل سے اوپر بیان ہوچکے۔ متفرق واقعات جو اپنی خاص اہمیت اور بیرتاریخی حیثیت سے ذکر کے قابل ہیں وہ یہ ہیں۔

دو رئیسان انصار کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زرارہ کی وفات۔

اس سال انصار میں سے دو بہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں سے تھے وفات پائی۔ کلثوم بن الہدم اور اسعد بن زرارہ۔ کلثوم۔ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہاں تشریف لائے تو انھیں کے مکان میں ٹھیرے اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انھی کے گھر اوترے تھے۔

اسعد بن زرارہ اون چھ شخصوں میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں جاکر آنحضرت صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق اون چھ شخصوں میں سے جن نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا یہی اسعد تھے یہ فخر بھی انھیں کو حاصل ہے کہ مکہ سے مدینہ میں آکر سب سے پہلے انھیں نے جمعہ کی نماز قایم کی۔ چونکہ یہ قبیلہ بنی نجار کے نقیب تھے اسلئے انکی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ اونکی جگہ کوئی شخص اس منصب پر بحال کیا جاوے چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں خود تمہارا نقیب ہوں۔ چونکہ آپ کا ننہال اسی قبیلہ میں تھا اسلئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہیں تھا۔

اسعد کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلعم اگر پیغمبر ہوتے تو اونکو یہ صدمہ نہ پہونچتا۔ آپ نے سنا تو فرمایا لا املک لنفسی ولا لصاحبی من اللہ شیئاً میں اپنے ساتھیوں کے لئے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ طبری ۱۲۶۱

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی۔ خالد بن ولید کے باپ ولید بن المغیرہ نے اور عمر عاص کے باپ عاص بن وائل السہمی نے۔

اسی زمانہ میں عبداللہ ابن زبیر بھی پیدا ہوئے۔ اور تاریخ طبری کے مطابق مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور زیاد بن سمیہ جسکو آگے چلکر امیر معاویہ نے سیاسی ضرورت سے زیاد بن ابوسفیان بنالیا بھی پیدا ہوئے۔

اب تک نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر، عصر اور عشا میں چار چار ہوگئیں لیکن سفر کے لئے اسکی وہی رہیں

۲ سہ ہجری

تحویل قبلہ شعبان ۲ھ

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا۔ اسسال تاریخ اسلامی میں دو عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوئے ایک سمت قبلہ تبدیل ہوا دوسرے یہ کہ مخالفین اسلام نے اسلام کے استیصال اور مسلمانوں کے قتل عام کرنے کیلئے علانیہ تلواریں نکال لیں اور مسلمانوں کو اونکی مدافعت اور اپنی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت خود اختیاری میں اونکی خونخواریوں کا جواب دینا پڑا۔

تعریف قبلہ اور اوسکی تعیین و تبدیل کے متعلق مولوی شبلی صاحب نے نہایت قابلانہ اور محققانہ تفصیل و تصریح قلمبند فرمائی ہے ہم اوسی کی مفصلہ ذیل نقل کو اپنے مدعائے بیان کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

ہر گروہ اور ہر مذہب کے لئے ایک امتیازی شعار ہوتا ہے جسکے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی نہیں قایم رہسکتی اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے اسلام کا خاص نمایاں وصف مساوات عام جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکساں اور متحد الجہتہ نظر آئیں۔ مذہب اسلام کا رکن اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اسطرح کہ ہزاروں اور لاکھوں اشخاص کی متفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے اسی بنا پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اوسکے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے یہی اصول ہے جسکی بنا پر نماز کے لئے ایک خاص قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اسقدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کیطرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرے سے نکل آتا ہے۔

اب صرف یہ بحث باقی رہی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جاوے۔ یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ اونکی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی لیکن ابراہیمؑ نسل کے جانشیں کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا جو اوس موحد اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک مکہ میں تھے۔ دو ضرورتیں ایک ساتھ در پیش تھیں۔ ملت ابراہیمیؑ کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کیطرف رخ کرنے کی ضرورت تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض تھی یعنی امتیاز، اختصاص وہ نہیں حاصل ہوتی تھی۔ کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم مقام ابراہیم پر نماز پڑھتے تھے جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسطرح دونوں قبیلہ سامنے آجاتے تھے مدینہ میں دو گروہ آباد تھے مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کیطرف نماز ادا کرتے تھے شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً سولہ مہینوں تک بیت المقدس کیطرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اوتری اور دفعتاً قبلہ بدل گیا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۔	تم اپنا مونھہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں رہو ادسی طرف پھیر دو۔

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا اونکو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا۔ اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی اونکے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہاں تک کہ (جیسا کہ ابوداؤد میں روایت ہے) جنلوگوں کی اولاد زندہ نہیں

رہی تھی۔ وہ یقین مانتے تھے کہ یہ زندہ رہیگا تو ہم اوسکو یہودی بنا لینگے۔ اسلام نے اونکے مذہبی اعزاز کو صدمہ پہونچایا تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انھیں کے قبلہ کیطرف رخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو اونکی ناراضی اور برہمی کا پیالہ لبریز ہوگیا اونھوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادے سے بدلدیا ہے دو دلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تزلزل اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے متعلق چند آیتیں اوتریں جس سے یہ مشکلیں حل ہوجاتی ہیں

سَیَقُوْلُ السُّفَہَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىھُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ ھَدَى اللّٰهُ ۭ

بیوقوف یہ اعتراض کرینگے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اوس سے اونکو کس نے پھیر دیا کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اوسکو جو ہم نے پھر قبلہ کردیا تو اوسکی یہ وجہ ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے اور پیچھے پھر جانیوالا کون ہے اور بیشک یہ قبلہ نہایت گراں اور ناگوار ہے بجز اون لوگوں کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ

یہ ثواب کی بات نہیں کہ تم پورب یا پچھم رخ کرو ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملائکہ پر۔ خدا کی کتابوں پر پیغمبروں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں عزیزوں کو یتیموں کو مسکینوں کو مسافروں کو۔ سائلوں کو اور اپنے غلاموں کو اپنی دولت دے ڈالے۔

ان آیتوں میں پہلے خدا نے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصد بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہیں خدا ہر جگہ ہے۔ جہت ہے ہر طرف ہے پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتلائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کردیتا ہے۔ بہت سے یہودی بھی جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے یہ اسلام کے مارآستین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز فاش ہوگیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ جو چیز اسکی قومیت۔ مذہب بلکہ اسکی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اس سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے پھر خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کردیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں۔ بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۱۹ سے ۲۲۱ شبلی صاحب نے قبلہ کی فلسفی تو تفصیل سے لکھدی لیکن اسکی تاریخی واقعیت اور کیفیت کا نام تک

نہین لیا۔ آپ کی مرقومہ بالا عبارت کو پڑھکر ہر شخص قبلہ کی تعریف حقیقت اور ضرورت کو تو ضرور سمجھ جائیگا لیکن اسکے متعلق کہ سولہ ۱۶ سترہ ۱۷ مہینون تک قبلہ ایک رُخ رہکر دوسرے رُخ پر کیسے بدلا۔ کہان بدلا۔ اور کس وقت و کس حالت مین بدلا یہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکے گا۔ حالانکہ آپ جب تاریخ و سیرت کے موضوع پر اپنی تصنیف مرتب کر رہے تھے تو آپ کا فرض اولین تھا کہ اسکے مقام وقوع وقت وقوع حالت اور صورت وقوع کو بھی اوسی تنظیم و ترتیب واقعات کے سلسلہ سے بیان فرما دیتے جس ترتیب و سلسلہ سے اور واقعات قلمبند فرمائے گئے ہین اور ترتیب سیرت و تاریخ کے اعتبار سے جبتک یہ کمی پوری نہ فرمائی جائیگی۔ اسلامی قبلہ کی تحویل و تعیین کی نسبت آپ کی موجودہ تحریر ناکافی اور غیر مکمل ٹھیرائی جائے گی۔

اب ہم آپ کی فروگذاشت شدہ امور متعلق بتحویل قبلہ کی تفصیلی کیفیت ذیل مین لکھدیتے ہین۔ ابن ہشام اور طبری اسکے سال و ماہ و روز وقوع کی نسبت لکھتے ہین۔

صرفت القبلۃ یوم الثلثاء فی شعبان علی رأس ثمانیۃ عشر شھرا من مقدم رسول اللہ صلعم المدینۃ وعن ابن سعد للنصف الشعبان

قبلہ کی تحویل شعبان کے مہینہ مین منگل کے دن۔ مدینہ مین آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کے اٹھارہ مہینے بعد واقع ہوئی اور ابن سعد کے مواقف ۱۵ شعبان تھی۔

تحویل قبلہ کی صورت۔ حالت اور کیفیت ہم مواہب لدنیہ۔ تاریخ مدینہ اور شرح زرقانی سے ذیل مین نقل کرتے ہین تاریخ مدینہ امام نور الدین سمہودی کے فارسی ترجمہ کی اصلی عبارت حسب ذیل ہے۔

ارجح آنست کہ تحویل قبلہ در مسجد قبلتین بودہ منقول است کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ زیارت کردم ام بشر را در بنی سلیم پس او برای ما و برای ایشان کہ ہمراہ بودند طعام درست دادہ۔ و وقت ظہر در آمد۔ آنحضرت صلعم با اصحاب خود در موضع مسجد قبلتین نماز ظہر میگذارد و چون دو رکعت نماز کرد مامور شد کہ رو بکعبہ کند۔ پس آنحضرت صلعم روے مبارک خود سوئے کعبہ گردانیدہ ہمین قبلہ است کہ خدا تعالی میفرماید فلنولینک قبلۃ ترضٰہا

قول مرجح یہی ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ مسجد قبلتین میں واقع ہوا منقول ہے کہ جناب رسولخدا صلعم محلہ بنی سلیم مین اُم بشر کے گھر ضیافت میں مع صحابہ کے تشریف رکھتے تھے۔ یہین آپ کو ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کے ساتھ اوس مقام پر جہان مسجد قبلتین ابتک موجود ہے نماز پڑھنی شروع کی دو رکعت نماز پڑھ چکے تھے کہ حالت نماز ہی مین تبدیل قبلہ کا حکم نازل ہو گیا اور اسی وقت آپ نے اپنا روئے مبارک کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ہم تجھکو اوس قبلہ کی طرف پھیر دینا جس سے تو راضی تھا۔

ترجمہ تاریخ مدینہ امام سمہودی فارسی (قلمی) زرقانی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۸۵۔ محدث شیرازی نے بھی روضۃ الاحباب مین باختلاف الفاظ یہی صورت واقعہ بتلائی ہے۔ روضۃ الاحباب جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۱۱

اسی موقع مبارک پر مسجد قبلتین کی عمارت آجتک اپنی تقدیس و تخصیص کو بتلا رہی ہے۔ تحویل واقعہ کی اصلی

واقعیت اور حقیقی صورت و کیفیت یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی۔

سلسلہ غزوات

سلسلۂ غزوات | شبلی صاحب نے اس عنوان سے غزوات کی نقل و تفصیل سے پہلے ایک طویل مضمون لکھا ہے جو اپنے مطالب و مقاصد کے اعتبار سے تفصیل غزوات کی تمہید ہے لیکن بعض مقامات میں ناتمام اور بعض مقامات مین آپ کے بیانات استدلال مبہم رہ گئے ہیں۔ ایسے اس نقص کو شبلی صاحب ابتدا ہی سے خود سمجھ گئے ہین چنانچہ اس عنوان کے آغاز ہی سے حاشیہ میں بہ عدر نامہ عبارت قلمبند فرماتے ہین۔

غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے واقع ہوا اور جس قسم کے واقعات پیش آئے اونکے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ وہ ضمنی طریقہ سے ادا نہین ہو سکتے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اوسوقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام واقعات سرسری نظر سے گذر جائیں۔ اس لئے ہم نے اسکو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے ناظرین ابھی سے اسکا خیال رکھیں صفحہ ۲۲۲

یہ کوئی ترکیب ہے اور کونی ترتیب تالیف بیان تو یہان ہے اور مدعا دو کامل جلدون کے پڑھ جانے کی نتیجہ مین آئیگا۔ واقعات تو سلسلہ بیان مین ایک مقام پر جمع کر دیے گئے اور لکھدیے گئے ہین لیکن اوسکے اسباب علل اور توجیہات و توضیحات وقوع کتاب کی دوسری اور تیسری جلدون کے مطالعہ پر موقوف کر دی گئی ہیں شاید شبلی صاحب نے اپنی تالیفات کے لئے یہ انداز خاص اختیار فرمایا ہو۔ لیکن اسوقت تک سیرت و تاریخ کی جتنی عربی۔ فارسی اور اردو کی کتابین ہمیری نظر سے گزری ہین اون مین سے کسی ایک مین بھی یہ ترتیب پائی نہیں جاتی عارضی طور پر کسی بیرونی مضامین کی مناسبت وقتی یا ضرورت اعتنائی کے حائل ہو جانے سے اگر کسی کتاب کے سلسلہ عنوان مین کوئی فصل واقع ہوگیا ہو۔ تو وہ بات ہے لیکن کسی مصنف نے اپنی تصنیف مین یہ انداز ترتیب نہین قائم رکھا ہے کہ ایک ہی عنوان و مضمون کو ایک مقام ناقص ناکامل یا مبہم چھوڑکر اوسکی تکمیل۔ توجیہ اور دیگر انکشافات دوسرے یا تیسرے حصہ مین قلمبند کیے گئے ہون۔ یہ تاریخ و سیر کے واقعات نہ ہوئے بوستان خیال کے فسانجات ہوئے کہ پہلی جلد مین ایک قصہ کا آغاز ہے تو دوسری مین تشبیب اور تیسری اور چوتھی جلد مین کہین جاکر نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی اس شان بیان مین بھی امام بخاری صاحب کی تقلید نہین چھوڑی ہے اونکی صحیح بھی تمام تر اسی ترتیب و ترکیب غلط سے بھری پڑی ہے۔ ایک باب مین ایک حدیث کچھ حصہ تک بیان کر دی گئی ہے پھر دوسرے تیسرے یا چوتھے باب و فصل مین جاکر اوسکے باقیماندہ حصہ کا اندراج کیا گیا ہے۔

بہرحال اتنا تمہیداً لکھکر ہم شبلی صاحب کی بے ترتیبی و ترکیبی کی آیندہ صورت حال پیش کرتے ہین۔ یہ عبارت

معذرت لکھکر آپ اپنے عنوان تمہید کو ان الفاظ مین لکھتے ہین۔

کیا عجیب بات ہے ارباب سیر مغازی کی داستان جسقدر دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہین یوروپ اوسی قدر اوسکو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے۔ کیونکہ اوسکو اسلام کے جور وستم کا مرقع آراستہ کرنا ہے اوسکے نقش و نگار کے لیے۔ لہو کے چند قطرے نہین بلکہ چشمہائے خون درکار ہین۔ یوروپ کے تمام مورخین نے سیرت نبویؐ کو اس انداز مین لکھا ہے کہ وہ لڑائی کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین۔

مولوی شبلی صاحب کے انتشار تحریر اور اضطرار ترتیب مضامین کی اصلی وجہ کھل گئی۔ وہی آپ کا قدیم عارضہ توہم یوروپین مصنفین سے آپکی تخویف و مرعوبیت اور اون کے مطالبات و اعتراضات کے جوابات ستدلانہ طریقہ سے پیش کرتے ہین آپ کا عجز و ضعف اور آپ کی سر اندازی اور سر افگندگی۔ جو ہم تمام ایسے مقامات پر دکھلاتے اور بتلاتے چلے آتے ہین یہان بھی عارض حال ہوگیا۔ آپ کا اضطراب آپ کی پراگندگی اسی سے ظاہر ہے کہ عیسائی مصنفین کے یہ اعتراضات آغاز مدعا سے آپ کے دل مین کھٹک رہے تھے۔ اونکی تردید کچھہ تمہید مین ضمنًا بیان کی گئی پھر تشفی خود نہ ہوئی تو حاشیہ مین عبارت معذرت لکھکر آئندہ تسکین کا یقین دلایا گیا۔ پھر خلاقدا کرکے جنگ بدر کے صاف صاف اور سیدھی سادے (بقول آپ کے) حالات لکھکر مخالفین کو اسلام کی جہاد کی گویا اصلی شان اور حقیقی عملی صورت دکھلائی گئی ہے۔ لیکن افسوس پھر بھی آپ کو اپنے بیان سے اطمینان نہوسکا تو غزوہ بدر پر ایک تبصرہ لکھا۔ اب خدا جانے اسکے بعد بھی آپ کو اپنے بیان سے پوری تسکین ہوئی یا نہین العلم عند اللہ۔

اتنے اضطراب کا باعث کیا تھا؟ وہی مرعوبیت اور استدلال کا غلط طریقہ۔ جو اس موقع پر بھی حسب العادت اوسی زور و شور سے اوٹھایا گیا ہے جیسے اور مقامات پر دو تزلہ بضعیف می ریزد۔ مرویات سیرت کو تنہا مخالفین کے ان تمام اعتراضات کا باعث ہر ممکن و ناممکن طریقہ سے ٹہرایا گیا ہے جنہون نے غزوات اسلامی کو جنگ دفاعی ثابت کرنیکے ساتھ عمومًا جنگ بدر کے متعلق خصوصًا یہ لکھدیا ہے کہ اس غزوہ کی غرض خاص قافلہ قریش کا لوٹ لینا تھا جو باتحتی ابو سفیان اسباب تجارت بیچکر ملک شام سے واپس آرہا تھا۔

اہل سیرت و تاریخ نے متفقًا اگر ایسا کیا تو بڑی غلطی کی لیکن ہم نے آپ کے استدلال کی تفصیل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس غلطی مین اگر واقعی غلطی ہے تو اکیلے سیرت والے ہی ملزم نہین ہین۔ بلکہ آپ ہی کے اقرار و اعتراف کے مطابق امام بخاری بھی اس جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہین۔ آپ خود خاتمہ بحث مین۔ ص ۲۶۵۔ پر رقمطراز ہین۔

گو اب یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقًا کیون غلطی کی اور صحیح بخاری وغیرہ مین تصریحات

کیوں پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

جب خود صحیح بخاری وغیرہ میں بقول آپ کے یہ تصریحات موجود ہیں۔ گو اونکی وجوہ آیندہ چلکر آپ خود ثابت کریں لیکن سیرت کے علاوہ۔ حدیثوں کی کتابوں میں بالخصوص صحاح کی کتابوں میں بھی اوسکا وجود قایم ہے تو ایک تحقیق کسندہ ضرور کہدیگا کہ اب اہل سیرت کو اکیلے اس الزام کا ملزم اور اس جرم کا مجرم بنانے کا آپ کو کوئی حق باقی نہیں رہا اب شبلی صاحب کا وہ طومار بیان کہ یورپ میں مصنفین کے تمام اعتراضات والزامات کے باعث اکیلے اہل سیرت ہیں کہاں ثابت ہو سکا۔ سیاہ کرنے کو صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالے گئے۔ اور آخیر میں اس طومار کی بناپر جو فیصلہ کیا گیا وہ صاف صاف بتلارہا ہے کہ اصل حقیقت کے سمجھنے میں فریقین (اہل سیرت واحادیث) کو غلط فہمی واقع ہوگئی ہے جسطرح ارباب سیر اصل مقصود تک نہیں پہونچے اوسی طرح اہل احادیث بھی اسکی اصلی تفہیم نہ کرسکے۔ اسی کے ساتھ آپ کی عبارت فیصلہ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اس غلط فہمی کی ابتدا اور اصل ارباب تاریخ وحدیث ہی سے نہیں ہوئی ہے بلکہ اسکا آغاز حقیقتاً صحابہ ہی کے خاص زمانہ سے ہوا ہے اور وہی حضرات جو ان واقعات کے اصل راوی ہیں وہی اسکے اصل باعث کو نہ خود سمجھ سکے نہ دوسروں کو سمجھا سکے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ارباب سیر ہوں یا اصحاب حدیث وتفسیر سب کے سب علوم صحابہ کے ریزہ چیں ہیں پھر جب انھیں حضرات نے کسی امر کے سمجھنے میں ابتداً غلطی کی تو اون کے سامعین وناقلین سے اوسکی جوابدہی کیسے لی جاسکتی ہے۔ ہمارے اس بیان پر شبلی صاحب کے معظلہ ذیل الفاظ فیصلہ خود شاہد ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے صحیح بخاری غزوہ تبوک میں حضرت کعب بن مالک کا جو مشہور صحابی ہیں اونکا قول نقل کیا ہے۔

ولم یکن رسول اللہ صلعم یرید غزوۃ الا ورّٰی بغیرھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ (گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں) تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعد بن خیثمہ کو پیچھے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے بخلاف انکے صحیح بخاری میں انھی کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔ دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی جنمیں صحابہ بھی داخل ہیں بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اوسکا اپنا استنباط ہوتا ہے یعنی اوس نے اسکو ایسا ہی سمجھا ہے۔ بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی۔ اور اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہ نے

مختلف قیاس کئے۔ اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا۔ وہی پھیل گیا۔ سیرۃ النبی ۔نتیجہ غزوہ بدر جلد اول ص ۲۶۶
اتنی سی بات کے لئے ہمارے شبلی صاحب نے اپنی کتاب کے چوالیس (ازا۲۲ صفحہ تا ۲۶۶) صفحات لکھ
ڈالے۔ اگر آغاز ہی میں اسکا اظہار کر دیا ہوتا تو اس طومار بیکار کی ضرورت نہیں تھی ہر شخص یہ سمجھکر مطمئن ہو جاتا کہ
بعض صحابہ کو جو اسکے اصل راوی ہیں۔ اسکے اصلی سبب کے بیان کرنے میں غلط فہمی واقع ہوگئی ہے اور یہ ان کے
قیاس کی خطا ہے۔ اور اسی کے ساتھ وہ یہ بھی دیکھکر اطمینان کامل کر لیتا کہ انھیں صحابہ کے طبقہ میں ایسے لوگ بھی ہیں
جو اسکے حقیقی اسباب وعلل کو بخوبی جانتے ہیں اور وہی امر بتلاتے ہیں جو اس واقعہ میں حقیقتاً تدبیر قدرت اور تجویز
رسالت کا عین مقصود تھا۔ چنانچہ آپ (شبلی صاحب) خود لکھتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں۔ ابن جریر نے طبری تاریخ میں اور بیہقی نے
دلائل میں روایت کی ہے اور اسکو صحیح لکھا ہے۔ اور اسکے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علیؑ ابن
ابیطالب ہیں۔

عن علیؑ قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا ثمارھا فاجتویناھا واصابنا بھا وعک وکان النبی صلعم یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول اللہ صلعم الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشرکین الیھا

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ میں آئے تو وہاں کے پھل کھائے کو ملے جو ہمارے موافق مزاج نہ تھے۔ اس لئے ہم لوگ بیمار پڑ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے جب ہمکو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو رسول صلعم بدر کو چلے بدر ایک کوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہونچ گئے۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سنکر آپ نکلے تھے اور بدر پر آکر قیام فرمایا تھا اس پوری
حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۰

اس بنا پر جو امور آپ نے نتیجہ میں دکھلائے ہیں وہ اگر آپ اس بحث کے مقدمہ میں دکھلا دیے ہوتے تو اتنی
طوالت کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی یہ آپ کی سعی بیکار ثابت ہوئی۔ اور اگر کچھ مفید کار ثابت بھی ہوئی تو صرف اہل
اسلام کے لئے جو حضرات ناقلین یعنی صحابہ اولین کے غلط استنباط اور پھر انھیں حضرات میں بعض بزرگواروں کے صحیح انکشافات
سے صحیح واقعات پڑھکر اس امر کی حقیقت سے پورے مطمئن ہوگئے لیکن مخالفین ومعترضین اسلام کی تسکین وتشفی تو اس جواب
استدلالی سے مطلق نہیں ہوئی کیونکہ وہ آپ کی رواۃ اولین یا آخرین کے غلط استنباط اور غیر صحیح قیاسات کی جوابدہ
نہیں۔ وہ تو آپ کی کتاب اور آپ ہی کی مرویات سے اپنا استدلال پیش کرتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ آپ کی کون کتاب
صحیح ہے اور کون غلط؟ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آپ کا کون راوی صحیح قیاس واستنباط کرتا ہے اور کون غلط؟
ہم برابر دکھلاتے اور بتلاتے آتے ہیں کہ مخالفین اسلام کے مقابلہ میں شبلی صاحب کا یہ طریقہ استدلال کہ ہماری

یہ روایت صحیح ہے اور وہ غلط - یہ کتاب مستند ہے - وہ غیر مستند - ہمارا یہ راوی صحیح قیاس استنباط کرتا ہے اور وہ غلط قیاس و استنباط کرتا ہے - مخالف کے لئے کبھی حجت نہیں ہو سکتا - بلکہ بجائے اسکے اوسکو اونھین کے احکام و عمل کی مثالین امور زیر بحث کے متعلق اونھین کی کتابون سے دکھلانی چاہئین اور اونھین کے اقوال و احکام سے اونکو معقول کرنا چاہئے۔ افسوس ہے کہ اگر اس بحث کو ہم یہین سے ابھی شروع کر دینگے تو ہمارے سلسلہ بیان مین ذکر قبل از وقت کا نقص پیدا ہو جائیگا اور پھر میرے تمہیدی مضامین بھی شبلی صاحب کی طویل تمہید کے مرادف بن جاینگے اس لئے ہم مخالفین کے جواب مین انبیاے سابقین کے احکام و عمل فی الجہاد کی چند مثالین ذیل مین لکھے دیتے ہین اسلئے کہ معترضین کا سارا اعتراض ان امور کی نسبت جیسا کہ آپ سنتے ہین یہ ہے کہ اشاعت اسلام کو بزور شمشیر ظالمانہ اور جابرانہ طریقہ سے دکھلائین - تو اصل مقصود معترضین کا ہمارے احکام اور عمل فی الجہاد کی شدت اور سختی کا اظہار ہے ہماری مفصلہ ذیل مثالیں قرآن اور حامل قرآن علیہ السلام کے احکام و عمل فی الجہاد اور ان امور مین حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وآلہ و علیہما السلام کے احکام و عمل فی الجہاد کے باہمی فرق مابہ الامتیاز کو بخوبی بتلا دینگی اور وہ یہ ہین -

یہود و نصاریٰ کے حکم و عمل فی الجہاد کی مثالیں

توریت کی کتاب الاعداد باب ۳۱ - آیت ۱ - ۴۵ مین مرقوم ہے -

> موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتون اور بچوں کو اسیر کیا - اونکی مویشی بھیڑ بکری اور مال و اسباب کو لوٹ لیا اونکے پانچ بادشاہون کو قتل کر ڈالا - اور اونکے سارے شہرون کو جنمین وہ رہتے تھے اور اونکے سب قلعوں کو جلا کر پھونک دیا -
>
> پھر موسیٰ بنی اسرائیل پر خفا ہوا اور اون سے کہنے لگا کہ کیا اب تک تم نے سب عورتوں (اسیر شدہ کو) جیتا رکھا ہے - تم اونکے بچوں کو جتنے بھی ہوں ایک ایک کر کے قتل کر ڈالو اور ہر ایک ایسی عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو اوسکو جان سے مار ڈالو لیکن اون مین وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ہین اونکو اپنے (مصرف کے) لئے زندہ رکھو -

یہ تو توریت کے حکم اور عمل فی الجہاد کی مثال کا صرف ایک نمونہ تھا جو دکھلا دیا گیا - اب حضرت عیسیٰؑ کا خاص حکم جہاد انجیل مقدس مین تبلیغ دین کے متعلق خاص اونھین کی زبانی ملاحظہ ہو -

انجیل متی - باب ۱۰ - آیت ۳۴ مین مندرج ہے -

> اے بنی اسرائیل - یہ مت سمجھو کہ مین زمین پر صلح کرانے آیا ہون - صلح کرانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلوانے کو آیا ہون -

پھر اپنے آخری وعظ مین حواریوں سے ارشاد ہوتا ہے - انجیل متی باب ۲۷

کپڑوں اور لتوں اور نقدی کے بدلے ہتیار خرید کر مسلح ہوجاتے جاؤ۔

ان احکام و عملیات کی موجودگی مین جنکی کثیر التعداد مثالین ہمارے پیش نظر ہین اور جنکو ہم اپنے اپنے مقامات مناسبت لکھین گے کوئی مخالف اسلام ہو۔ یہودی یا عیسائی۔ ہمارے رسولؐ برحق۔ رحمت مطلق کے احکام وعمل فی الجہاد کی مثالوں جو اسکے مقابلہ مین اذیت نہین رحمت۔ انتقام نہین عین انعام ثابت ہوتے ہین۔ موتہ نہین کہول سکتے وہ اپنی انصاف کی زبان سے کہدین اور بتلا دین کہ یہ طرز عمل جو حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام نے کفار کے ساتھ جہاد مین اختیار کیا اور مغلوبین کے ساتھ انتقام لینے کے لئے جو احکام بنی اسرائیل کو پہونچائے کیا اس امر کی تصدیق نہین کرتے کہ مذہب موسوی بزور شمشیر پھیلایا گیا ہم بطور احتجاج اونکو بتلائے دیتے ہین کہ اگر وہ ان مثالون پر تعصب و نفسانیت سے نہین عدالت و دیانت سے غور کرینگے تو اونکو حضرت موسیٰؑ کے اس عمل و حکم و شدت کا اعتراف کرنا پڑیگا اور ایسی اقرار و اعتراف کی ساتھ اونکو اسلام اور بانئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے رحم اور مترحمانہ طریقہ احتہاد پر جو نہایت صفائی کے ساتھ ہر معرکہ جنگ مین بالکل مداہنانہ ثابت ہوتے چلے آئے ہین نہ جارحانہ مخاصمانہ کسی قسم کے اعتراض کا کوئی حق باقی نہین رہے گا۔

یہ تو حضرت موسیٰؑ کی عمل جہاد کی مثال تھی اسیطرح عیسائی معترضین حضرت عیسیٰؑ کے مرقومہ بالا احکام کو نظر انصاف سے دیکھکر بتلادین کہ آپ کے اس حکم سے جو تبلیغ دین کے ابتدا ہی مین فرمایا گیا تھا کہ مین تم مین صلح کرانے نہین آیا بلکہ تلوار چلوانے آیا ہون۔ کیا یہ اس حکم سے یقینی طور پر مستفاد نہین ہوتا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کو ضرورت تبلیغ دین اور تاسیس ملک و قوم کی غرض سے کافرون اور دین الٰہی کے منکرون کے مقابلہ مین جہاد کا موقع ملتا تو وہ کس شدت اور سختی کے ساتھ تلوار چلواتے۔ کیا کوئی شخص بعد اسکے کہ آپ خود فرما چکے ہین مجھسے صلح کی امید نہ رکھو۔ مین روے زمین پر صلح کرانے نہین آیا۔ پھر آپ کی ذات مقدس سے نعوذ باللہ بندگان الٰہی کے طبقہ عام مین امن و امان یا صلح و اطمینان کی کون توقع کرسکتا تھا؟ بخلاف ان احکام کے سید المرسلین رحمۃ للعٰلمین کی تبلیغ دین کے واقعات کو آغاز سے دیکھو پڑہو اور غور کرو تو ثابت ہوتا ہے کہ جس دین کی تبلیغ کی آپ ابتدا فرماتے ہین اوس کا نام ہی اسلام ہے جسکے معنی سلامتی عام ہے۔ اور مسلم کی حقیقی تعریف یہی ہے ومن اسلم من یدہ ولسانہ مسلمان دراصل وہی ہو جسکے دست و زبان سے لوگ صحیح و سلامت رہین۔

ہم بار دیگر احتجاج کے طور پر تمام عیسائی مورخین اور یورپ مین محققین سے استفسار کرتے ہین کہ کیا وہ اسلام کی کسی معتبر یا غیر معتبر کتاب سے ثابت کرسکتے ہین کہ فاتحین اسلام نے کسی معرکہ مین اپنے مغلوبین کے اہل و عیال کے ساتھ ایسے ظالمانہ اور جابرانہ برتاؤ[۵] کئے ہین جیسے بنی اسرائیل نے اہل مدیان کے بال بچون کے ساتھ اختیار کئے۔ اور

---

[۵] یہود و نصاریٰ ان احکام توریت و انجیل کی شدت و سختی کو جن معنوں میں سمجھین اور انکی جو تاویلین قائم کرین۔ اونکے لئے اہل اسلام جوابدہ نہیں ہوسکتے۔ لیکن مسلمانون کے عقائد مین یہ احکام عین منشا قدرت تھے۔ جو ان کفاران قوم اور دشمنان الٰہی کی کیفر کرداریون اور

جب تک وہ ایسی مثالیں کتب اسلام سے زمانہ رسولؐ میں عمل فی الجہاد کی نہیں دکھلاتے اونکو کہنا اور ماننا پڑیگا کہ جہاد
میں حضرت موسیٰ کے طرز عمل سے پیغمبر عربؐ کے مسالک ترحم ۔ رعایات اور انسانی ہمدردی پر زیادہ اور بدرجہ اولیٰ
مبنی تھے ایسی صورت حال میں معترضین کے تمام اعتراضات خود اونھیں کے اسلاف کی حرکات و عملیات پر عاید
حال ہوتے ہیں اور اسلام کا دامن ان تمام الزامات سے بالکل پاک و صاف ہے ۔

یہان تک تو ہم نے شبلی صاحب کی غیر مفید تمہید کی تنقید لکھی ۔ اب ہم اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں ۔

شبلی صاحب غزوات رسولؐ کے اسباب و علل قائم کرتے ہیں ۔ اور اپنے اس مدعا کی تصریح و تفصیل میں اصل مقصد سے
ابعاد و دور جا پڑے ہیں ۔ جیسا کہ مرقومہ بالا بحث سے ظاہر ہوا لیکن وقوع غزوات کی جو ضرورتیں اور مجبوریاں قلمبند کیگئی
ہیں وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہیں اور وہی اسلامی تاریخ و حدیث کی کتابون میں بھی مرقوم ہیں ۔

لیکن تاہم ان توجیہات کی تصریحات میں نقص رہ گیا ہے کہ ان تمام غزوات و سرایات ۔ حملات قریش کی تجسس و
تلاش اور سراغرسانیون کے واقعات پر محمول فرمائے گئے ہیں حالانکہ علی الاکثر انمین ایسے غزوات پائے جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ اور بدکاریوں کی صورت سرا میں اوپر نازل ہوئے ۱۵ انصاف کیا گیا مکافات نہیں ۔ حضرت موسیٰ کو جن کفار
کے ساتھ اس سختی سے جہاد کا حکم نازل ہوا وہ اپنی شامت اعمالیون سے ایسے ہی بدکار ہو گئے اور اون کی بدکاریاں بھی ایسی ہی درجہ
انتہا پر پہونچی ہوئی ہونگی کہ خدائے ارحم الراحمین کو بھی جو ابتداء آفرینش عالم سے اسوقت تک کا فرین کو نزول عذاب میں برابر مہلت دیتا
رہا جیسا کہ امم سابقہ کے واقعات اور سوانحات سے ثابت ہے لیکن بخلاف اسکے ۔ اب اس قوم کی بدکاری اور کبیرہ کرداری اوس
ارحم الراحمین کے نزدیک ذرا بھی رحم و رعایت کے قابل نہیں تھی اور حقیقتاً اون کی نسل کا باقی رکھنا ہی دنیا میں بندگان الٰہی کے
لئے ہزاروں مفاسد کا یقینی باعث تھا ایسی وجہ سے اس صورت عمل فی الجہاد میں اونکے کامل استیصال کا علی الاعلان فرمان
دیدیا گیا ۔ جو تنظیم شریعت ۔ تاسیس قوم و ملک اور ترتیب اخلاق و تہذیب ۔ غرض ہر طریقہ اور قرینہ سے بالکل صحیح اور جائز تھا
بالکل اسیطرح حضرت عیسیٰ ابن مریم کا وہ ارشاد جو اوپر لکھا گیا ہے اوس موقع ۔ ضرورت اور اوس ناشنوا قوم یہود کی ضلالت اور شقاوت سے
پورا مطابق ہو جاتا ہے ۔ جن لوگوں نے کتب سابقہ میں حضرت عیسیٰ اور یہود کے حالات پڑھے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ اس گمراہ و نا شنوا قوم
یہود نے ایک دن بھی آپ کے ارشاد و تعلیم کو توجہ اور التفات کے کانون سے نہ سنا ۔ آخر کار عیسائیون کے عقائد کے مطابق آپ کو مصلوب
کر دیا ایسی کافر کیش اور خونخوار قوم کی بدکاریون کے مقابلہ میں آپ کا یہ ارشاد اونکی تباہی و بربادی کی بالکل سچی اور مطابق واقع
پیشین گوئی ہے ۔ جو دوسری صدی عیسوی سے لیکر تیسری اور چوتھی صدی عیسوی تک طرطوس قسطنطنیں اور سلاطین انطاکیہ عیسائی
حکمرانوں کی خونخوار تلواروں سے اس قوم کے تمام لوگوں کو اوٹھانا پڑی ۔ اس بنا پر جو اس ہی روح نے فرمادیا وہ اوس خونخوار
اور کفار قوم کے آگے آیا ۔

المولف سید اولاد حیدر

جو اقوام و قبائل گرد و نواح سے اسلام کے ساتھ شریک معاہدت ہونیکی غرض خاص سے اختیار فرمائے گئے تھے۔ ان امور کی توضیح و تنقیح کے لئے جب تک پھر اوس مقدس عہدنامہ کی بعض خاص شرائط کی نہ تفصیل کیجائے۔ جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں تب تک ان امور کی حقیقت کا پورا انکشاف دشوار ہے۔ اس لئے ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں اوس مبارک عہدنامہ کی بعض شرائط کی تفصیل حسب ذیل بیان کرتے ہیں۔

چونکہ اس مقدس معاہدہ کی ایک شرط خاص یہ بھی تھی وان الجار کالنفس غیر مضار ولا اثم ہمسایہ قومیں بھی معاہدہ قوموں کے برابر سمجھی جائینگی تا وقتیکہ وہ اپنے لئے ضرر رساں اور خدا کی گنہگار نہ ثابت ہوں۔ اس شرط کی بنا پر ضرور تھا کہ اون سے بھی داخل معاہدہ ہونے کے لئے سلسلہ جنبانی کی جائے۔ ایک تو امن و امان اور صلح و آشتی کے عام انتظام کی استحکام کی ضرورت سے اور دوسری قریش کی مخاصمانہ فریب دہی و سازش سے محفوظ رکھنے کی مصلحت سے گرد و پیش کی قوموں کو اس معاہدے میں شریک کر لینا نہایت ضروری تھا۔ اسکی تعمیل و تکمیل میں اتنی اہمیت تھی کہ ان میں سے اکثر نمودار اور ممتاز قبائل کے پاس خدا کا پیغمبر برحق بالنفس النفیس صلح عام کے یہ پیغام لیکر گیا اور ان میں سے جو اتنی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اونکی تعمیل کے لئے صحابہ بھیجدیے جاتے تھے۔ اسی تخصیص عملی کی بنا پر ارباب سیرت و حدیث نے۔ رسول اللہ صلعم کی موجودگی والے واقعات کو اپنی اصطلاح خاص میں غزوات کے نام سے لکھا ہے اور جن میں آپ موجود نہ تھے۔ اونکو سرایا۔

ہم اپنے موجودہ بیان میں صرف غزوات کی تفصیل شمال کی ضرورت سے مندرج کرتے ہیں۔

غزوات میں بالاتفاق تاریخ و حدیث غزوہ ودان یا غزوہ ابوا۔ جو اوسی کا دوسرا نام ہے۔ پہلا غزوہ رسول تبلایا گیا ہے۔

غزوہ ودان یا غزوہ ابوا

قبیلہ بنی حمزہ بن بکر بن عبد مناف موضع ودان میں مقیم تھا۔ ودان جحفہ سے ایک دن کی راہ پر واقع ہے۔ اور مقام ابوا یہاں سے کم و بیش آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں آپ کی والدہ ماجدہ علیہا مکرمہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا مزار مقدس ہے اور مدینہ منورہ یہاں سے اسی میل ہے۔ یہاں بنی حمزہ اور بنو مزینہ کے قبائل قریب ہی قریب مختلف قطعات ریگستان میں آباد تھے۔ اس بنا پر ان دونوں قبیلوں کی یکبارگی شرکت ضروری تھی۔ اسی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالنفس النفیس مدینہ سے معدودے چند اصحاب کے ہمراہ اسی میل تک کی زحمت سفر گوارا فرمائی و ودان میں پہونچے۔ قبائل سے ملے اور معاہدے کے متعلق گفتگو کی چونکہ تمام باتیں صفائی اور سچائی کے ساتھ کی گئیں اس لئے دونوں قبائل شرائط معاہدے پر فوراً راضی ہو گئے۔ دونوں قوموں کے سردار و حکمران عمرو بن مخشی الضمری نے معاہدہ لکھا لیا اور اپنی تمام قوم و قبیلہ کی طرف سے دستخط کر دے۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ تھے۔

هذا كتاب من محمد رسول الله لبني حمزة بانهم آمنون على اموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله ما بل بحر صوفة وان النبي اذا دعاهم

یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے سو بنی حمزہ کے لئے۔ ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رکھا جائیگا جو شخص ان پر حملہ کریگا اوسکے مقابلہ میں انکی مدد کیجائیگی بجز اوس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں حربی ہوں اور پیغمبر جب انکو مدد کے لئے بلائینگے تو یہ فوراً

نصرۃ احادیث۔

چلے آئیں گے۔ زرقانی بحوالہ روض الانف سہیلی ص ۴۴۸

غزوۂ بواط

انھیں کے ایسا بواط کے کوہستانی قبائل کے ساتھ بھی معاہدہ کیا گیا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خاص ۱۲ ربیع الاولی ۲ سنہ ہجری کو اون کے مرکزی مقام رضوی تک تشریف لے گئے۔ ان اطراف میں قبائل جہنی آباد تھے اونکے تمام سرداران قوم کو جمع کرکے شرائط و فوائد عہد نامہ سمجھائے اور اونکو بھی شریک معاہدہ فرما لیا گیا۔

غزوہ ذو العشیرہ

جمادی الآخر ۲ سنہ ہجری میں بنو مدلج کے قبیلہ کو شریک معاہدہ کر لیا گیا۔ اسکی تفصیل کیفیت یہ ہے مدینہ کے قرب و جوار کے تمام قبائل میں بنو مدلج کا قبیلہ امتیاز خاص رکھتا تھا۔ وہ کثیر التعداد بھی تھے۔ اور خوشحال و صاحب جائداد بھی۔ ذو العشیرہ کا انکا مقام سکونت تھا جو ینبوع اور مدینہ کے درمیان واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممتاز صحابہؓ کے ساتھ خود تشریف لے گئے سرداران قوم کو جمع کرکے جب انکو اس معاہدہ کے فوائد و منافع سمجھائے تو یہ لوگ بھی فوراً آپ کے ساتھ اس معاہدے میں شریک ہو گئے۔

اسی مقام میں حضرت علی مرتضیٰ کی کنیت ابوتراب قرار پائی۔

اسی موقع پر حضرت علی مرتضیٰ کی کنیت ابوتراب قرار پائی۔ امام قسطلانی، زرقانی اور ابن ہشام و طبری ارباب حدیث و تاریخ باتفاق خود ہا اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں۔

حدثني يزيد بن محمد بن خثيم المحاربي عن محمد بن كعب القرظي عن محمد بن خثيم ابو يزيد عن عمار بن ياسر قال كنت انا وعلي بن ابي طالب رفيقين في غزوة العشيرة فلما نزلها رسول الله صلعم واقام بها رأينا اناسا من بني مدلج يعملون في عين لهم وفي نخل فقال علي بن ابي طالب يا ابا اليقظان هل لك في ان تأتي هؤلاء القوم فننظر كيف يعملون قال قلت ان شئت قال فجئناهم فنظرنا الى عملهم ساعة ثم غشينا النوم فانطلقت انا وعلي حتى اضطجعنا في الصور من النخل وفي دقعاء من التراب فنمنا فوالله ما اهبنا الا رسول الله صلعم يحركنا برجله وقد تتربنا من تلك الدقعاء التي نمنا فيها فيومئذ قال رسول الله صلعم لعلي بن ابي طالب ما لك يا ابا تراب لما يرى عليه من التراب ثم قال الا احدثكما باشقى الناس رجلين قلنا بلى يا رسول الله قال احيمر ثمود الذي

محمد بن کعب قرظی سے اور وہ ابو یزید سے اور وہ عمار بن یاسرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمارؓ نے کہا کہ ہم اور حضرت علی بن ابی طالب غزوہ ذو العشیرہ میں ساتھ تھے جب جناب رسول خدا صلعم یہاں تشریف لائے اور مقیم ہوئے تو ہم لوگوں نے وہاں بنی مدلج کے لوگوں کو اپنے چشمہ اور نخلستان میں کام کرتے ہوئے دیکھا تو علی ابن ابی طالب نے مجھ سے کہا کہ اے ابو یقظان (کنیت عمار بن یاسرؓ) کیا تم یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ کس طرح اپنے نخلستان میں کام کر رہے ہیں میں نے کہا ہاں میں ضرور دیکھنا چاہتا ہوں پس ہم دونوں آدمی اون لوگوں تک گئے اور تھوڑی دیر تک اونکے کاموں کو دیکھتے رہے پھر ہم لوگوں کو نیند آنے لگی تو ہم لوگ وہاں سے واپس آئے اور ایک درخت کے نیچے ننگی زمین پر لیٹ گئے اور سو گئے اور پھر اتنی دیر تک سوتے رہے کہ آنحضرت صلعم نے آکر اور اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر ہم دونوں کو جگایا اور ہم لوگوں کے جسم سے گرد و غبار جو بھر گیا تھا دور فرمایا۔ پھر ہم دونوں سے خطاب کرکے ارشاد کیا کہ تم چاہتے ہو ہم تم دونوں کو دنیا کے دو شقی ترین مردم کے حال سے آگاہ کریں۔ ہم نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا دیا ہیں

عفراللہ والذی نصرک یا علیؑ علی ھذہ و وضع یدہ علی قرنہ حتی یبل منھا ھذہ و اخذ بلحیتہ۔

ابن ہشام جلد دوم مصر ص ۲

و شخص سب سے زیادہ شقی ہو گا کہ جس نے ناقۂ صالح کی کونچین کاٹ دین اور علیؑ کی طرف مخاطب ہوکے دوسرا شخص وہ ہے اے علیؑ جو تم پر ضرب لگائے گا اور یہ کہہ کر آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھکر موضع ضرب کو بتلا دیا۔ پھر ریش مبارک ہاتھون سے تھام کر فرمایا کہ تمھاری ریش بھی سر کے خون سے رنگین ہو جائے گی۔

یوروپ کے متعصبین مورخین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف اس تنظیم و تاسیس ملک و قوم کو انصاف کی ٹھنڈی نگاہون سے دیکھیں تو وہ بلا تحریک خود یقین کر لین گے کہ جس مقدس بزرگوار کو وہ تلوار سے دین پھیلانے کے لئے ملزم ٹھہراتے ہین۔ وہ تو اپنی ابتدائے تبلیغ سے بندگان الٰہی مین امن و امان اور صلح و آشتی کے خود جا کر انتظام کر رہا ہے

یہان تو رحمۃ للعالمین روئے زمین پر بندگان الٰہی کو تباہی و بربادی سے بچانے۔ اونکو عام صلح و آرام کی راہون پر لگانیکے لئے بالنفس النفیس دور و دراز سفر کی زحمتیں اوٹھاکر یہ انتظام اہتمام کر رہا تھا۔ وہان یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ آپ کے جان و ایمان کے مخالف کفار قریش کن خیالون مین تھے اور کیا سامان کر رہے تھے۔

قریش کی مکارانہ سازشین تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ عین اوسوقت جب آپ نواح مدینہ مین امن و امان عامہ کا انتظام قایم کر رہے تھے۔ قبائل کی خانہ جنگیان شب و روز کی خونریزیان موقوف فرما رہے تھے۔ ملک و قوم مین رفع فساد کی انسداد کر رہے تھے اوسیوقت مکہ اور دور دور تک اطراف و جوانب مین کفار قریش معاہدہ اتحاد و اتفاق کے عوض مین نفاق و فساد امن عام اور صلح و آرام کی جگہ مخالفت اسلام اور مسلمانون کے قتل عام کی آگ پھیلا رہے تھے۔ اونکی تمام مفویانہ اشتعال و تحریکات کا رخ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کی طرف تھا۔ حالانکہ اسلام کامل چودہ برس تک اونکے سخت ترین مظالم کو صبر و استقامت سے برداشت کرکے اون سے تین سو میل کی مسافت پر دور جاکر پناہ گزین ہوا تھا۔ جہان نہ انکے قوم کے لوگ تھے نہ انکا ملک و دیار تھا اور نہ ان سے کوئی کاروبار تھا۔ لیکن اس بے تعلقی اور بے سروکاری پر بھی کفار مکہ اور مشرکین قریش کے دلون سے اسلام کی مخالفت کا کانٹا نہین نکلتا تھا مخالفت اسلام تو اون اشقیائے ازلی کے دلون سے لگی تھی اور وہ سب کے سب ہروقت اسلام کے مٹادینے کی فکرون مین ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ قریش اس معاہدۂ مقدسہ کے انتظام کو سنکر پہلے سے بھی زیادہ چراغ پا ہو گئے۔ اور مکہ سے لے کر مدینہ تک کے تقریباً تمام قبائل و عشائر اسلام کے خلاف اپنی مفسدہ انگیزیون کے جال پھیلانے لگے۔

عبداللہ بن ابی سلول قریش نے سب سے پہلے یہودان مدینہ کو ایک طرف اوبھارنا چاہا۔ دوسری طرف عبداللہ ابن ابی سلول کے ذریعہ سے انصار کے مسلمان قبیلون مین نفاق پھیلانے کی کوشش کی یہودان مدینہ کی سازش سے چونکہ قبیلہ انصار کی نااتفاقی ہستی کام اسلام کے لئے زیادہ مضر ثابت ہونیوالی تھی اس لئے ہم سب سے پہلے عبداللہ بن ابی سلول کی سازش کے حالات ذیل مین قلمبند کرتے ہین۔

سعادتمندان انصار مین جو اوس و خزرج کی نسل کے نامور یادگار تھے۔ عبداللہ بن ابی سلول وہ بدبخت تھا جو اپنے چند

بدقسمتی ہمراہیون کے ساتھ ابھی تک دولت اسلام سے محروم تھا۔ حقیقت مین یہ شخص بڑا ہی چالباز اور حیلہ ساز تھا۔ انتہا درجہ کا فتنہ پرداز اس مین کوئی کلام نہیں کہ یہ اپنی چالاکیون اور فریب سازیون کی بدولت انصار کے تمام قبیلہ کو ایک گونہ اپنے قابو مین کرلیا تھا۔ اور اوس کا یہ اثر کچھ انصار ہی کے قبیلون تک محدود نہین تھا بلکہ عام باشندگان مدینہ بھی اوسکے اثر سے خالی نہین تھے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اوسکو اپنی ذی اثری اور ذی اقتداری پر پوری امید تھی کہ اوس وخزرج ان دونون قبیلون کی قوت واحد ایک دن میری ہی ذات مین جمع ہو جائیگی۔ اور اونکے تمام قوت واقتدار کا مرکز کلی میری ہی ذات تسلیم کی جائیگی۔ تاریخ مدینہ کی بعض مرویات سے اسکے عروج واقبال کی یہان تک حالت پہونچی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ جس سال مدینہ مین نزول اسلام ہوا اُسی سال انصار کے دونون قبیلون مین اس کے سردار قبیلہ مقرر کئے جانیکی بہت بڑی مجلس ہونے والی تھی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اسلام کے قدم کے آتے ہی اسکی تمام تمناؤن کا خاتمہ ہوگیا جب اسنے دیکھا کہ اوس خزرج کے تمام افراد قبیلہ بڑی مسارعت اور حسن عقیدت سے مشرف باسلام ہو رہے ہین اور اب دون سب سے کوئی بھی اسکی طرف نگاہ توجہ نہیں کرتا۔ تو گو بظاہر اسلام کا مطیع بنگیا اور اس خیال مین رہا کہ اگر قبائل انصار سے میرا اثر جاتا رہا تو قبائل یہود پر ابھی ویسا ہی اثر باقی ہے اور یہود سے اسلام کی اطاعت بالکل خلاف امید ہے اس لئے نصف کیا بلکہ زائد حصہ آبادی مدینہ کی حکومت میرے قبضۂ اختیار واقتدار سے کبھی جانے والی نہیں ہے مگر تھوڑے ہی دنون کے بعد جب یہود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ صلح مین شریک ہوگئے تو اوسکی یہ رہی سہی امید بھی جاتی رہی اور وہ دونون طرف سے مایوس ہوگیا۔

اِن متواتر ناکامیون اور مایوسیون کے بعد بھی وہ اپنی چالون سے باز نہ آیا۔ وہ بڑی چالاکی سے اہل اسلام کا ہمخیال وہمکلام بنا رہا۔ اس لئے کہ اس ظاہری اتفاق سے مسلمانون اور یہودیون میں اسکا اعتبار بنا رہے گا لیکن جب موقع پاتا تھا تو یہودیون اور دیگر قبیلہ والون کو اسلام کے خلاف ابھارا کرتا تھا قریش کو عبداللہ بن ابی سلول کے اس رویہ کی خبر ملی تو وہ تو ان ذرایع پر ہمیشہ گوش برآواز تھے اور اپنی تمام مخالفانہ اور مغویانہ ترکیبون کا اسی کو اپنا آلہ بنایا۔ اور مدینہ مین یہودیون سے پہلے اسی کو مضمون ذیل کا خط لکھا۔

انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلکم ونستبیح نساءکم ۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۶۷ باب تصحیح	تم لوگون نے ہمارے آدمی کو اپنے ہان ٹھیرا لیا ہے۔ اب تمہارا فرض یہ ہے کہ تم ہماری طرف سے ہوکر اوس سے لڑو اور اگر اس پر قدرت نہین رکھتے تو اپنے شہر اور اپنے قبیلہ سے اوسکو باہر نکال دو۔ ورنہ سمجھ لو کہ قریش نے اکٹھا

ہوکر قسم کھالی ہے کہ ہم سب مل کر تمہارے شہر اور تمہارے قبائل پر حملہ کردینگے۔ تمہارے جوانون کو قتل کردینگے اور تمہاری عورتون کو اپنے قبضہ میں لائین گے۔

دیوانہ را ہوئے بس است۔ اتنی اشتعال پر عبداللہ بن ابی چراغ پا ہوگیا۔ اور اپنے ہمراہیون کے ساتھ فوراً مسلمانون کی

غارت و تباہی اور کشت خون پر آمادہ ہو گیا۔ اسمین کوئی کلام نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدائے انتظام امن عام کے لئے یہ مفسدہ انگیزی کس حد تک مضرات ہوتی۔ مگر مصلح عالم نے فوراً اصلاح کر لی۔ وہ خُلق مجسم یہ خبر پاکر فوراً امام النفس النفیس عبداللہ بن ابی کے پاس چلا آیا۔ اور اوسکو سمجھایا اور فہمایش کے طور پر نہایت متانت سے ارشاد فرمایا کہ کیا تم خود اپنے بھائیون اور بیٹون سے لڑنے اور اونکے خون کے گرنے پر آمادہ ہو کیا یہ خبر سچ ہے کہ تم اون سے لڑو گے؟ حقیقت کے یہ دو جُملے کافی تھے۔ عبداللہ اصل مُدعا کو سمجھ گیا اور پھر قریش کے خط کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہُوا۔

یہ ہین رسالت کے حقیقی اور روحانی آثار جنھون نے چشم زدن مین قریش کے فریب اور عبداللہ بن ابی کے ارادون کو بالکل بے اثر کر دیا۔ اگر ابتدا ہی مین عبداللہ اس مفسدہ انگیزی سے باز رکھا جاتا تو جانبین سے تلوارین کھینچکر اسلام آج ہی تمام ہو جاتا۔

اسوقت تو عبداللہ ابن ابی سلول نے بظاہر اسلام سے اپنی صفائی کر لی لیکن اوسکے دل مین اسلام کی طرف سے کُھلی لگی کی لگی رہی۔ غزوہ بدر سے چند روز پیشتر قبیلہ بنوالحارث مین تشریف لے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر پر سوار ہو کر معدودے چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلے رستہ میں ایک مقام پر عبداللہ بن ابی۔ اپنے گروہ منافقین کے ساتھ جن مین یہودان مدینہ بھی داخل تھے۔ اور بعض مسلمان بھی شامل تھے بیٹھا تھا آپ کی سواری اوسکے پاس سے ہو کر گذری تو اوس نے نظر کراہت اپنے موںھہ پر کپڑا ڈال لیا۔ حقارت کے طنز آمیز لہجہ مین کہا۔ محمدؐ۔ گرد نہ اوڑاؤ۔ آنحضرت صلعم نے فوراً سواری روک لی۔ مجمع کو سلام کیا۔ اسکے بعد قرآن مجید کی چند آیتین پڑھکر سنائین عبداللہ کو اور بھی بُرا معلوم ہوا۔ کہنے لگا اے شخص مجھے یہ ہرگز پسند نہین۔ اگر تمہارا کلام سچ بھی ہو تو اوسکو ہماری مجلس مین پڑھا کرو۔ اس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ہان جو کوئی تمہارے پاس جائے اوسے تم البتہ سنایا کرو۔ آپ کے ہمراہیون کو اس منافق کے ان حقارت آمیز کلام پر سخت طیش آگیا۔ فوراً سب کے سب دست بقبضہ ہو گئے لیکن رحمت عالمؐ نے خلق مجسم کی پوری شان دکھلا دی اور فوراً جانبین مین صفائی کرا دی۔ بخاری باب السلام علی جماعت فیہا المسلم والکافر۔

یہودیون سے قریش کی خفیہ سازش

جب عبداللہ ابن سلول سے مخاصمت اسلام کی ترکیب چلتی نظر نہ آئی۔ تو قریش نے خفیہ طور پر یہودان مدینہ سے اپنی سازشون کی ریشہ دوانیان آغاز کین اور اسمین اونھین کامیابی ہوئی جیسا کہ معاملات یہود سے آیندہ معلوم ہو گا۔ یہ عہد شکن اور غدار قوم حضرت موسیٰ ع کے وقت ہی سے عہد شکنی اور خلاف وعدگی مکاری اور جعلسازی کے لئے بدنام چلی آتی ہے۔ ان لوگون سے ان اقسام کی کارروائی اور بیوفائی خلاف امید نہین ہو سکتی۔

مسلمانوں کو دھمکی

کفار قریش جب یہودان مدینہ کو اپنے دام مین لا چکے تو اونکی مخاصمانہ پر جوشی اور خصوصاً اس سازش مین اونکی کامیابی۔ اپنے راز کو چھپا نہ سکی۔ اونھون نے بڑے زورون مین اپنے ہمقوم و قبیلہ مہاجرین سے کہلا بھیجا کہ کہین تم انصار مدینہ کے بل بوتے پر نہ مغرور ہو جانا اور یہ سمجھنا کہ تم مکہ سے جان بچا کر صاف نکل آئے ہو۔ ہم مدینہ ہی مین آکر

تمام نام و نشان مٹا ڈالیں گے۔ رحمۃ للعلمین ص ۱ ح ۱

اس پیغام انتقام کو پاکر اہل اسلام جب دار الاوادن کی طرف سے پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو گئے۔

حملات قریش کے خطرے اور معاہدہ قوموں کی محافظت

یہودیوں سے ساز باز کرکے مشرکین قریش نے اپنی مفسدہ انگیزیوں کو عملی صورت میں لے آنیکی یہ ترکیب نکالی کہ سو سو پچاس پچاس آدمیوں کی مختلف ٹکڑیاں بنا بنا کر ان قبائل پر چھاپہ مارنے لوٹنے اور اونکے جان و مال کو غارت کرنے کے لئے روانہ کرنی شروع کر دیں جو اسلام کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جب ان خونریز حملات کی خبر لگی تو آپ نے شرائط معاہدہ کے مطابق ان تمام قبائل کی حفاظت و حمایت جان و مال کی غرض خاص سے صحابہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر روانہ کیں شبلی صاحب نے ان تمام سرایا کی تفصیل بطور اجمال ایک ہی مقام پر کر دی ہے۔ اسلئے کہ آپ غزوات و سرایات کی داستانیں کو بلند آہنگی اور وسیع البیانی سے سنانا نہیں چاہتے اور وہ اس خاص سبب سے کہ یورپ اس کو بڑے شوق سے سنتا ہے۔

(دیکھو تمہید سلسلہ غزوات سیرت النبی ؐ جلد اول)

لیکن اسلام با دل دردمند آپ سے اور یورپ والوں دونوں سے بزبان حال کہتا ہے۔

داستان غم دل ہوش میں آؤں تو کہوں ٭ سننے والا کوئی پہلو میں بٹھالوں تو کہوں

غزوات رسولؐ کی طرح سرایا کی تفصیل حقیقت بھی سیرت و تاریخ کی تمام اسلامی کتابوں میں درج ہے اور سرایا کے حالات و واقعات علیحدہ علیحدہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں لیکن شبلی صاحب اوسکی تفصیل کرنا نہیں چاہتے اس لئے ہم بھی اونھیں کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اجمالاً جو کچھ ان سرایا کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے اوسی کو حرف بحرف ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ ہجری میں واقع ہوا ہے۔ اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی ہے ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے۔ جنکو ان کی زبان (اصطلاح) میں سریہ کہتے ہیں۔ سریہ حمزہؓ سریہ عبیدہ بن الحارث اور سریہ سعد بن وقاص۔ لیکن انمیں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ بایں بچاؤ ہو گیا۔ یا بچکر نکل آئے سیرۃ النبی ؐ ص ۲۲۶ ح ۱

لیکن قریش کی سفاک شریر اور بیباک قوم ایسی کب تھی جو اس روک تھام اور بیچ بچاؤ کے معاملات کو اپنے خیال میں لاتی۔ اونکی سفاکی آزادی اور بیباکی۔ اونکی خونخواری اور مردم آزاری۔ ویسی ہی کی ویسی ہی بنی رہی استیصال اسلام کا جنون اور مسلمانوں کا قتل عام اور بیگناہ خون اونکی گردنوں پر سوار تھا اور وہ اپنی ان بدمستیوں اور بدکاریوں کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے اور برابر بڑھتے ہوئے مدینہ کی طرف چلے آ رہے تھے۔ یمن سے مکہ اور مکہ سے عقبہ تک گویا مدینہ تک کی نصف راہ میں جتنے قوم و قبیلے آمادہ تھے سب کو اپنا مطیع و شریک بنا لے آئے۔ اتنی دور میں گرد و نواح کے بہت آ لے

ایسے قبائل جو اسلام کی مخالفت پر کسیطرح راضی نہ ہو سکے اور محض غیر جانبدارانہ طریقہ پر قایم رہے وہ بھی ان کے دست تطاول سے نہ چھوٹے جب ان پر دباؤ ڈالنے کا کوئی پہلو نہ ملا تو ان غریبوں کی راہیں مسدود کر دیں اس لیے کہ وہ اہل مدینہ سے آمد و رفت نہ رکھ سکیں۔ اونکے یہ ظالمانہ بندوبست ایک مدت تک قایم رہے اور فتح مکہ کے بعد ان کے راستے کھلے چنانچہ جب سنہ ہجری میں بحرین سے بنی عبد القیس کی سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مین آئی تو ان لوگوں نے آنحضرت صلعم سے عرض کی مضر کے قبائل جو ہماری راہوں مین حائل ہین ہمکو آپ کی خدمت تک نہیں آنے دیتے اس لئے ہم صرف ایام حج مین جبکہ عموماً لڑائیان موقوف ہو جاتی ہین شرف زیارت حاصل کر سکتے ہین۔ اور ایام مین حصول زیارت سے ہم مجبور رہین

بخاری۔ ذکر وفد عبد القیس

ظالمان قریش کی انہین انتظامات سے اونکی انتہائی مخاصمت کا پورا اندازہ کر لیا جا سکتا ہے ان ظالمانہ انتظامون کو درست کر کے وہ یہودیون کی سازش اور اوس غدار قوم کی مضبوطی پر اتنے جری ہو گئے کہ اونکی غارتگر جماعت مدینہ کے قریب پہونچکر قزاقی اور غارتگری کے مفسدات برپا کرنے لگی۔

کرز بن جابر الفہری کا مدینہ پر حملہ

ربیع الاول سنہ ۲ ہجری مین انہین قزاقان قریش مین سے ایک غارتگر جسکا نام کرز بن جابر الفہری تھا اپنے جتھے کے ساتھ بڑھتا ہوا اور راستہ بھر مین لوٹ مار کرتا ہوا نخلستان مدینہ تک پہونچگیا اور باشندگان مدینہ کی مویشیان جو باہر میدانون مین چھٹی چر رہی تھین لوٹ کر لیگیا۔ اور نخلستان مدینہ مین آگ جلا کر بہت سے اشجار مثمرہ کو خاک سیاہ کر دیا۔ چونکہ اہل مدینہ کو اس غارتگر کے یون آجانے اور چھاپہ مارنیکا ذرا بھی پہلے سے خیال و احساس نہ تھا۔ اس لئے وہ اپنی غنیمت کے ساتھ صاف نکل گیا۔ گویا مدینہ والون کو اپنی جرأت و دلیری اور طاقت دکھلا گیا کہ ہم ایسے ہین کہ تین سو میل کا دھاوا کر کے تمہارے گھرون سے تمہارے مویشی لے جاتے ہین۔ اور تمکو کانون کان خبر بھی نہین ہو سکتی۔

تاریخ و احادیث کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار قریش کی ان مفسدہ انگیزیون سے عموماً اور کرز بن جابر فہری کے موجودہ مفسدات کے مشاہدات سے خصوصاً باشندگان مدینہ پر سخت اضطرار و انتشار کا عالم طاری تھا اور ہر شخص اپنے جان و مال کو سخت خوف و خطرے مین سمجھتا تھا۔ یہودان مدینہ کے غدارانہ انداز اور عبد اللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین کے مکارانہ اطوار اس سے زیادہ اور سخت تر مصائب کے آیندہ نزول کا یقین دلا رہے تھے۔

مدینہ مین مخالفت قریش کے خوف و اندیشے

مکہ سے مدینے مین ظالمان قریش کی تاخت و تاراجی اور حملات و غارات کی روزانہ خبرین آ رہی تھین۔ اسکے پھیلانیوالے قریش ہی تھے۔ جو اہل مدینہ کو مضطرب الحال پریشان اور مرعوب کر لینے کے خیال سے۔ یہود اور عبد اللہ ابن ابی سلول کی معرفت اسکو مدینہ مین مشہور کراتے تھے۔ بظاہر ہر شخص ان خبرون کو سنکر اپنی جان و مال اور حفاظت اہل و عیال کے متعلق فکرمند ہو جاتا تھا۔ بالنفس النفیس جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یہ حال ہو رہا تھا کہ راتوں کو بیٹھے بیٹھے کاٹ دیتے تھے۔ اور تمام صحابہ ہتھیار باندھے صبح و شام کر دیتے تھے۔ صحیح نسائی میں مرقوم ہے

كان رسول الله صلعم اول ما قدم المدينة يسهر من الليل	جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو راتوں کو جاگ کر کاٹا کرتے تھے۔

صحیح البخاری باب الجہاد میں ہے کہ انہیں ایام میں آپ نے ایک بار صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا آج کی رات کو کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص نے ہتھیار لگا کر یہ خدمت رات بھر انجام دی۔

امام حاکم مستدرک میں ان ایام کی پر آشوبی ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی بن كعب قال لما قدم رسول الله صلعم واصحابه المدينة واوتهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة وكانوا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ جب مدینہ میں آئے اور انصار نے انکو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ہو کر ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا صحابہ صبح سے شام تک ہتھیار باندھے رہتے تھے اور ہتھیار باندھے سوتے بھی تھے۔

ابوجہل کی قیامت کی چال
عبداللہ بن جحش کا بیجا استعمال
عمر بن عبداللہ حضرمی کا قتل

واقعات مرقومہ سے مدینہ کی پر آشوبی اور عالم اضطراب کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس اثنا میں ابوجہل کی ایک دوسری چال چلا اور حقیقتاً قیامت کی چال چلا۔ جنگ بدر کے وقوع سے دو مہینے پیشتر اس نے مکہ میں یہ مشہور کر دیا کہ قریش کا قافلہ تجارت جو بسرگردگی ابوسفیان بن حرب اپنا مال بیچکر اور قیمت میں زر و مال کثیر لے کر شام سے واپس آ رہا ہے او سے مسلمان چھاپہ مارینگے اور لوٹ لینگے لین گے۔ یہ خبر بالکل غلط تھی اور شریعت اسلام کے مطابق سخت گناہ۔ لیکن سوء اتفاق سے اتنی جلد مؤثر ہوئی کہ آن واحد میں مکہ سے مدینہ تک تمام مخالف قبائل میں اسلام کی مخالفت میں تلواریں کھینچ گئیں۔

یہ تو معلوم ہے کہ قریش کیا سارے عرب کی کائنات تجارت تھی جسمیں مجموعاً تمام قوم و قبیلے کے لوگ شریک تھے اور یہی انکے ابوقہ اور بسر اوقات کا تنہا ذریعہ تھا۔ اسکی نسبت ایسی تباہی و بربادی کی خبر پا کر کوئی قریش یا انکا ہم عہد اور ہمنوا اپنے گھر میں کبھی خموش بیٹھ سکتا تھا!

ایک نہ شد دو شد۔ یہ بھی اتفاق کی بات ہے یہ ہنگامہ تو ابھی برپا ہی تھا کہ عبداللہ بن جحش[1] سے بمقتضائے بشریت ایک بیجا مبادرت ہو گئی۔ اوسکی تفصیل ہم شبلی صاحب کی زبانی حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب سنہ ۲ ہجری میں (یعنی اوسوقت جب غارت کاروان کی خبر مشہور تھی) عبداللہ بن جحش کو بارہ[2] آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک نشانہ راہ

---

[1] شبلی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن جحش جنکی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلعم کے ماموں زاد بھائی تھے۔ قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمر کی خلافت تک زندہ رہے۔ (طبقات ابن سعد) افسوس ہے کہ شبلی صاحب کو باوجود اتنی دعوی عقیدت کے خاندان رسالت سے اتنی مغائرت ہے کہ کسی اور بھی قرابتوں کو بھی بھول جاتے ہیں بلکہ پھوپی کے لڑکے کو ماموں کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ المؤلف

کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ نے عبداللہ کو ایک خط دیکر روانہ کیا اور فرمایا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا عبداللہ سے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ مین قیام کرو۔ اور صرف قریش کے حالات کا پتا لگاؤ اور مجھکو اطلاع دو اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لئے آتے تھے سامنے سے نکلے عبداللہ نے اون پر حملہ کر دیا اوہیں سے ایک شخص عمر بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا دو شخص گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ نے مدینہ مین آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزین بھی پیش کین۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا مین نے تمکو یہ اجازت نہین دی تھی غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا۔ صحابہ نے عبداللہ سے نہایت برہم ہوکر کہا۔

صنعتم مالم تومروا به وقاتلتم فی الشهر الحرام ولم تومروا بقتال ۔ طبری ص ۱۲۷۵	تم نے تو وہ کام کیا جسکا تمکو حکم نہین دیا گیا تھا اور تم ماہ حرام مین لڑے حالانکہ اس مہینے (رجب) مین تمکو لڑنے کا حکم نہین تھا۔

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے عمر بن الحضرمی جو مقتول ہوا وہ عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا اور وہ حرب ابن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف تھا عرب کے قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی۔ جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان ونوفل دونون مغیرہ کے پوتے تھے مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا۔ اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا۔ اس بنا پر واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ معرکہ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے۔ عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کے بھانجے تھے اونھون نے تصریح حال کی ہے کہ غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئین سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ علامہ طبری لکھتے ہین۔

وکان الذی هاج واقعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلعم وبین مشرکی قریش فیما قال عروة بن زبیر بن العوام ما کان من قتل واقد بن عبدالله التمیمی عمرو بن الحضرمی ص ۱۲۸۴	جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین قریش کے درمیان پیش آئین جیسا کہ عروہ بن زبیر ابن العوام کا قول ہے سب کا سبب یہی ایک تھا کہ واقد تمیمی نے عمر حضرمی کو قتل کر دیا تھا

مقولہ بالا عبارت سے کفار مکہ کا مدینہ پر اس تیزی اور پھرتی سے حملہ آور ہونا۔ اور جنگ بدر کا وقوع اور اوسکے تمام اسباب وعلل پورے طور سے معلوم ہوگئے اور اوسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عبداللہ بن جحش سے خلاف حکم ایک بیجا جرأت واقع ہوگئی۔ اسی لئے جناب رسولخدا صلعم ہی نے نہین بلکہ تمام صحابہ نے بیکبار دو الزامون کے لیے اونکو ملزم ٹھیرایا ایک تو خلاف حکم وہدایت آنحضرت صلعم قافلہ قریش سے لڑنا۔ اونکو قتل وغارت کرنا۔ دوسرے ماہ مبارک رجب مین جنگ کرنا۔ جو نہ تنہا شرع اسلام ہی کے خلاف تھا بلکہ عرب کے قدیم دستور کے بھی مخالف تھا۔

مخالفین اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان لڑائیوں کی نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ صحابہ کو اونکے ذریعہ سے قزاقی کی تعلیم دیجاتی تھی اور اوس طریقہ جبر وتشدد سے گرد و نواح کے قبائل کو بزور شمشیر مسلمان بنایا جاتا تھا۔

وہ ان واقعات کو انصاف کی آنکھون سے دیکھین پڑہین اور غور کرین کہ حقیقت حال اگر ایسے ہی تھے جیسا تم کہتے ہو تو پہر عبداللہ بن جحش پر آنحضرت صلعم کو عتاب فرمانے اور مال غنیمت واپس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ عبداللہ نے تو عین آپ کے مدعا اور منشاء کے مطابق کام کیا تھا۔ زجر و توبیخ کی جگہ تو اونکی پیٹھ ٹھونکنی چاہتی تھی اور صحابہ کو بھی کیا ہو گیا تھا کہ عبداللہ کی اس عمدہ کارگذاری کو حقارت کی نگاہون سے دیکھنے لگے اور ایسے کارگذار شخص کو ملزم اور قصوروار ٹھیرانے لگے۔

جنگ بدر کا مدعا حملۂ قریش کی مدافعت تھی۔ کاروان تجارت کی غارت

یہ سطحی الذہن اور قصیر الاطلاع معترضین یورپ اصل حقیقت تک پہونچتے نہین مرویات غیر مقید اور مقید کی شناخت۔ واقعیت اور اصلیت کی معرفت کا شعور انمیاز تو رکہتے نہین۔ صرف تعصب دینی کی اقتدار اور مخالفت اسلام کے مدعا کو پیش نظر رکھکر ملا وسواس و تامل تعریض کا ایک پہلو نکال لیتے ہین اور اوسکو اپنی تحقیق جدید کا نمونہ بناکر دنیا بھر مین ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہین۔ انھین لغویات کے ایسا خاص معرکہ بدر کے متعلق عیسائی متعصبین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابوسفیان والے قافلہ کو لوٹنا تھا۔ جو ملک شام سے مال تجارت بھکر آرہا تھا نعوذ باللہ۔ اسی ارادہ سے آپ مسلمانون کے ساتھ نکلکر مقام بدر پر مقیم ہوئے تھے کیونکہ وہین سے شام جانے کا راستہ پہاڑون کی تنگ گھاٹیون سے ہو کر نکلتا ہے لیکن چونکہ آپ کے ارادون کی خبر قریش کو ہو چکی تھی اس لیے ابوجہل بھی اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج جرار تیار کرکے مکہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ چونکہ قبل اسکے کہ ابوسفیان اپنا کاروان لے کر بدر مین پہونچے ابوجہل اپنا لشکر لیکر وہان پہونچگیا اسلیئے آنحضرت صلعم کو محض اتفاقی طور پر مقابلہ و مقاتلہ کی مجبوری واقع ہو گئی۔

عیسائیون کا یہ اعتراض اور اسکے تمام قرائن و اسباب جو اونھون نے اکٹھے کیئے ہین بالکل غلط اور بے اصل ہین ہم جانتے ہین کہ ہمارے ہی ماخذون سے اسکے اسنادون کو ملے ہین۔ اور ہماری حدیث و تاریخ دونون قسم کی کتابون مین یہ مرویات موجود ہین۔ چنانچہ طبری مین یہ واقعہ بایں الفاظ مرقوم ہے۔

ولما سمع رسول الله صلعم بابي سفيان مقبلا من الشام ندب المسلمين اليهم وقال هذه عير قريش فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله ان ينفلكموها فانتدب الناس فخف بعضهم وثقل بعضهم وذلك انهم لم يظنوا ان رسول الله صلعم يلقى حربا

لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کا شام سے رد نہ ہونا سنا تو مسلمانون کو بلاکر فرمایا کہ قریش کا کاروان شام سے آرہا ہے جس مین اونکا مال ہے چلو شاید خدا تمکو اس مین سے حصہ دلوادے۔ لوگ آمادہ ہو گئے اور بعضون نے پہلو تہی کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم کو کوئی لڑائی تو پیش آئیگی نہین۔ طبری ص ۱۲۲۹

یہ تو تاریخ کی روایت ہوئی۔ اسیطرح حدیث کی بھی بعض مرویات ہین چنانچہ صحیح بخاری۔ باب غزوہ تبوک مین عبداللہ بن کعب صحابی کی یہ روایت منقول ہے۔

عن عبد الله بن كعب لما تخلف عن رسول الله صلعم

عبداللہ بن کعب اپنے باپ کعب کا قول بیان کرتے ہین کہ مین

فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ تبوک غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر ولم یعاقب احد تخلف عنھا انما خرج النبی صلعم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد

(کعب) جناب رسولخدا صلعم کو چھوڑ کر کسی غزوہ مین پیچھے نہیں رہا مگر غزوہ تبوک کے۔ اور ہان غزوہ بدر مین بھی شریک نہ تھا۔ اور جو اس مین شریک نہ ہوا اوس پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے لیکن خدا نے دونون فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

یہی مرویات معترضین کے باعث اعتراض ہین اور سرمایۂ ناز۔ ہمکو ان کی مرویات اسلامی سے انکار نہین۔ بلکہ اقرار ہے۔ یہ ضرور تاریخ وحدیث اسلامی کی مرویات ہین اور صحابہ کے منقولات لیکن ہم اپنر اعتبار نہین کرتے اس لئے کہ ہم یقینی طور پر جانتے ہین کہ ان مرویات کے راویون کو انکے بیان مین سخت غلط فہمی واقع ہوئی ہے اونھون نے مدعائے رسول کو اپنے قیاس کے موافق سمجھا اور دوسرونکو سمجھایا جو بالکل حقیقت اصلیت اور واقعیت سے خلاف تھا جیسا کہ ہم پوری تفصیل سے اپنی مندرجہ بالا عبارت تمہیدی مین لکھ چکے ہین۔ معترضین کو اتنی تحقیق کی ضرورت نہین۔ وہ عالم اس سے کہ کیسی ہی خلاف واقع خلاف عقل اور خلاف مناسبت و مصلحت ہو۔ جب کوئی اسلامی روایت اپنے مفید مطلب پالین گے اوسی کو آلۂ استدلال بنالین گے۔ اونھون نے طبری اور بخاری ہماری دو مشہور اور قدیم ماخذون سے اپنے اعتراض کی تائید مین دو روایتین نقل کردی ہین۔ مگر بمصداق آنکہ ؎ چشم بداندیش کہ برکندہ باد۔ اونکو اوسی طبری اور بخاری مین اس بحث کے متعلق حسب ذیل مرویات نظر نہ آئین۔

عن علی ابن ابی طالب فلما ان علمنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول اللہ صلعم الی بدر وبدر بئر فسبقنا المشرکین الیھا الخ

حضرت علی بن ابیطالب سے منقول ہے کہ جب ہمکو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہین تو حضرت رسولخدا صلعم بدر کیطرف چلے۔ اور بدر ایک کنوئین کا نام ہے۔ جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہونچ گئے

معترضین کی آنکھون مین اگر کچھ بھی حقیقت بینی اور واقعہ شناسی کی بصارت ہوتی تو وہ اوسی تاریخ مین مرقومۂ بالا عبارت کو پڑھکر یقین کر لیتے کہ جنگ بدر کا اصلی باعث کیا تھا۔ شام سے آتے ہوئے قافلہ قریش کا لوٹنا تھا۔ یا مکہ سے قریش کی آتی ہوئی حملہ آور فوج سے مدافعانہ مقابلہ کرنا تھا۔ کیونکہ اس روایت کا اصل راوی وہ بزرگ ہے جو بقول شبلی صاحب کے معرکہ بدر کا ہیرو ہے۔ پھر وہ اپنے چشم دید واقعات مین کہین کاروان ابوسفیان کی تاراجی کا اشارۃً وکنایۃً ذکر بھی نہین کرتا۔ تو ایسے مقتدر اور معتبر شخص کے چشم دید بیانات کے مقابلہ مین کسی دوسرے ایسے شخص کے بیان کو جو شروع سے آخر تک شریک واقعہ نہین تھا۔ ترجیح دینا۔ نافہم معترضین ہی کا کام ہوگا۔ ذی فہم محققین تو کبھی اسکے پاس بھی نہین جائین گے۔

پھر اوسی تاریخ طبری مین بذیل واقعہ عبداللہ بن جحش۔ جسے ہم اوپر بھی لکھ آئے ہین مرقوم ہے۔

وكان الذي هاج وقعة بدر وسائر الحروب التي كانت بين رسول الله صلعم وبين مشركي قريش فيما قال عروة بن الزبير ما كان من قتل واقد بن عبد الله عمرو بن الحضرمي۔

اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت صلعم اور مشرکین میں پیش آئیں سب کا سبب یہی تھا کہ واقد بن عبد اللہ تیمی نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔

پھر اسی طبری کی تیسری سند بھی ملاحظہ ہو۔ عبد اللہ بن جحش کے واقعہ میں۔ عروہ بن زبیر کے جس قول کا حوالہ دیا گیا ہے اوسکی تفصیل میں علامہ طبری کے یہ الفاظ ہیں۔

وكانت تلك الواقعة هاجت الحرب بين رسول الله صلعم وبين قريش أول ما أصاب به بعضهم بعضاً من الحرب وذلك قبل خروج ابوسفيان وأصحابه إلى الشام۔ طبری ۱۲۸۵ مطبوعہ جرمن

اسی واقعہ نے آنحضرت صلعم اور قریش کے درمیان جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں ایک فریق نے دوسرے کو صدمہ پہونچایا اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

طبری کی اس روایت میں صاف طور پر تصریح موجود ہے کہ جنگ بدر شام سے ابوسفیان کے قافلہ کی روانگی سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔ تو اب معترضین پشیمان و سرگریبان ہو کر اپنے اعتراضات کی مقدار حقیقت کو خود سمجھ لیں کہ اونکا اعتراض معیار صحت و صداقت پر کہاں تک صحیح اوترتے ہیں۔ وہ ہمارے جس ماخذ (طبری) سے اور اوسکی صرف ایک روایت سے اپنی تعریض کی تائید پیش کرتے ہیں اوسی ماخذ سے اوسکی متعدد اور متواتر۔ ایک نہیں تین تین تردید یں ہم نے پیش کر دیں۔ ان اسناد و استدلال کو دیکھ کر کیا کوئی صحیح دماغ اور سلیم عقل رکھنے والا شخص کبھی کہہ سکتا ہے کہ عیسائیوں کے اس اعتراض میں کوئی اصلیت ہے۔

اب رہا یہ امر کہ طبری نے ایسے مختلف فیہ اقوال کیوں جمع کئے۔ اسکی حقیقت اور اسکی اصل وجہ ہم ڈاکٹر سید احمد خان کے الفاظ میں حسب ذیل نقل کئے دیتے ہیں۔ جو ہمارے مدعائے بیان اور معترض کے اطمینان کے لئے کافی ہوگا۔ سر سید مرحوم خطبات احمدیہ کے دیباچہ میں۔ اسلامی کتب تاریخ و حدیث کی سُقم و صحت پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

مذہب کی تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کے مختلط مجموعہ ہیں جن میں صحیح اور غلط مشتبہ اور درست۔ سچی اور جھوٹی روایتوں کا امتیاز نہیں۔ اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں اون میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ ہے۔ قدیم مصنفوں اور اگلے زمانہ کے مورخوں کی تصنیفات سے زیادہ غرض یہ تھی کہ ہر ایک قسم کی روایتوں اور افواہوں کو جو اونکے زمانہ میں پھیل رہی تھیں۔ ایک جگہ جمع کر دیں اور اس بات کی تحقیقات اور تصحیح کہ کون سی ان میں بالکل صحیح ہے اور کون سی غلط۔ اور کس میں زیادتی ہوئی ہے یا کمی۔ اور کس میں اصل مضمون سمجھنے میں اور واقعہ بیان کرنے میں غلط

فہمی واقع ہوئی ہے۔ آیندہ وقت یا آیندہ نسلوں پر منحصر رکھیں مگر افسوس ہے کہ پچھلی نسلوں نے بعوض اس کے کہ تحقیقات مطلوبہ کر کے اپنے بزرگوں کے مقاصد کی تکمیل کرتے انھیں کتابوں کو اپنی تصنیفات جدیدہ کا ماخذ بنایا اور اسی لئے ان پچھلے مصنفوں کی تصنیفوں میں بھی وہی نقص باقی رہگیا جو ان قدیم مصنفوں کی تصنیفوں میں تھا۔ دیباچہ خطبات احمدیہ مطبوعہ لاہور ص ۱۱ -

حقیقتاً ہمارے قدیم ماخذ ہر اقسام کے واقعات کے مجموعے ہیں صحت واقعات کے مقررہ اصول وقواعد کے مطابق اونکے معائنہ اور موازنہ کی ضرورت ہے صاحبان تحقیق معیار مقررہ کے موافق اونکی صحت کی جب پوری تصدیق و توثیق پا لیتے ہیں تو اونکی نقل واستنباط پر قلم اوٹھاتے ہیں لیکن معترضین کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اونکو تو اپنے تعصب و نفسانیت کا کام چلتا کرنا ہے۔ عیسائی معترضین کے اعتراض کی یہی کیفیت اور حالت ہے جو بیان کی گئی۔

باقی رہا صحیح بخاری میں قافلہ ابوسفیان کے قصد تاراجی والی روایت کا موجود ہونا۔ جسکے راوی کعب صحابی بدری ہیں اوسکا جواب ابھی ابھی ہم اوپر دے چکے ہیں اور عنوان بحث میں بیان کر آئے ہیں کہ یہ صحابہ کی صرف غلط فہمی ہے۔ جو ان کے غلط قیاس پر محمول ہے حقیقتاً چونکہ وہ جنگ بدر میں خود شریک نہ تھے ۔ جیسا کہ اسی روایت میں وہ خود اقرار کرتے ہیں اسلیئے وہ جنگ بدر کے اصلی اسباب اور حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد وارادہ کی حقیقت اور اصلیت کو نہ سمجھ سکے ۔ اس بنا پر اونھوں نے ذاتی طور پر جنگ بدر کا جو کچھ مقصد سمجھا تھا وہی دوسروں کو بھی سمجھایا لیکن کعب کی اس نقل واستنباط کی تردید حضرت علی مرتضیٰ ع کے قول وارشاد سے جو بخلاف کعب کے اس جنگ میں شریک تھے اور شریک بھی کیسے شریک غالب تھے ۔ پورے طور سے ہو گئی ہے جو صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی حملہ آوری کی خبر پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کیطرف نہضت فرمائی آپ کے اس بیان میں ابوسفیان کے کاروان کا نہ ذکر ہے او نہ نام ونشان ۔ اسلئے جناب امیر ع کے ایسے شریک و امیر جنگ کے چشم دید بیان کے مقابلہ میں کعب کے غائب از موقع بیان کو کوئی نہ قابل التفات سمجھ سکتا ہے نہ لایق اعتبار اس بنا پر صحیح بخاری کی یہ روایت صرف نقل ہی نقل سمجھی جائے گی۔ اور اصل میں کچھ بھی نہیں۔

ان واقعات تاریخی اور مرویات احادیث سے اعلیٰ تر شہادت قرآنی ہے جسکے بیان وارشاد کے آگے بخاری ہوں یا طبری خس بھر بھی حقیقت نہیں رکھتے ۔ خدائے تبارک و تعالیٰ جنگ بدر کے اسباب و وقوع کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ

اے پیغمبر جسطرح تمکو تیرے خدا نے گھر سے حق پر نکالا مسلمانوں کا ایک گروہ اوسے پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ لوگ حق کے ظاہر ہونے پیچھے تجھ سے حق بات پر جھگڑا کرتے تھے ۔ گویا موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں جسکو

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ۔

خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تمہارے قابو میں آ جائے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے خرخشہ والی جماعت تمکو ہاتھ آ جائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے۔ اور کافرون کی جڑ کاٹ دے۔

آیہ مرقومہ بالا اوسوقت کی پوری حالت بتلا رہی ہے۔ اوسوقت مدینہ مین دونون خبرین زور سے گرم تھین۔ قافلہ ابوسفیان کی آمد کی بھی اور مدینہ مین ابوجہل کے حملہ کی بھی۔ مسلمانون کی جماعت مین اوسوقت دو مختلف خیال ورای کے لوگ تھے پہلی قسم کے وہ لوگ تھے جو قریش کی فراقانہ تاخت و تاراجی اور کرز بن جابر الفہری کی عین مدینہ مین آکر نخلستان انصار کی غارتگری سے سخت متاثر ہو کر قریش کے راہ تجارت جو بدر کے قریب ہو کر شام کو جاتی تھی قطعی بند کر دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ سعد ابن معاذ مکہ مین جا کر قریش کے موبھر پر اپنے اس ارادہ کو کہہ بھی آئے تھے (بخاری باب المغازی)

اور اپنے اس ارادے کی بناپر قافلہ ابوسفیان کی واپسی شام کے موقع پر راہ روک دی جانے کی صلاح دیتے تھے اور یون قریش کی تاخت و تاراجی کا کلہ بکلہ جواب دینا چاہتے تھے اور اہل اسلام کی قلیل جماعت اور افراد کفار کی کثیر تعداد کے اعتبار پر قریش سے جنگ و مقابلہ مین خود بھی رکتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روکنے کی خواہش کرتے تھے چنانچہ آیت مرقومہ بالا مین انھین لوگون کے حالات کی تصریح ہے۔

دوسری جماعت کے اہل اسلام دونون امور کے اختیار مین بالکل خاموش تھے۔ اور وہ ان امور کو قطعًا رضائے الٰہی اور منشائے حضرت رسالت پناہی پر چھوڑے ہوئے تھے۔ اس خموش جماعت سے تو خدائے سبحانہ تعالیٰ کو کسی خطاب کی مطلق ضرورت ہی نہین تھی کیونکہ وہ تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے اصول پر پورے طور سے عمل پیرا تھے جو کچھ خطاب تھا وہ جماعت اول سے جو جنگ و قتال کی دہشت و ہیبت سے کانپے جا رہے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ قافلہ پر حملہ کیا جاوے جو آسانی سے مع مال و متاع کے ہاتھ آ جائے اور جدال و قتال کی مصیبتون سے سامنا نہ ہو۔ لیکن مشیت کو یہ منظور نہ تھا۔ منشائے قدرت جیسا کہ الفاظ قرآنی ثابت کر رہے ہین یہ تھا کہ مقابلہ و مقاتلہ سے ایکبار حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے اور پھر اس صفائی کے ساتھ کہ گویا کفر اپنے بیخ و بن سے مستاصل ہو جائے۔ اسی بناپر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت اول کی صلاح و رائے کو ہمیشہ سنا مگر چونکہ خلاف مصلحت خداوندی تھا کبھی اوس پر عمل نہ فرمایا۔ بلکہ نہایت حزم و احتیاط سے خاموشی اختیار فرمائی اور مدینہ مین مکہ سے قریش کے آنے والے حملہ آورون کا انتظار کرتے رہے جب وہ قریب آ گئی تو باوجود اپنی قلیل جماعت کے آپ اونکے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوئے۔ جیسا کہ تاریخ طبری کی عبارت سے حضرت علی مرتضیٰؑ کی زبانی اوپر لکھا جا چکا ہے۔

اصلًا و حقیقتًا۔ جیسا کہ ہم اوسی طبری کی سند سے عروہ بن زبیر کی زبانی اوپر لکھ آئے ہین جنگ بدر قافلہ ابوسفیان

کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

ہم نے مرقومہ بالا بحث میں معترضین کے ان تمام معاندانہ تعریض اور معاندانہ تشنیع کی کامل تنقید و تردید کر دی ہے اور خاص کر اونکی ان ماخذوں کی اسناد سے جنکو اونھوں نے بڑی سرگرمیوں سے اپنی تعریضات کی تائید میں پیش کی تھیں دکھلا دیا ہے کہ اونکی پیش کردہ مرویات محققین کے نزدیک بالکل بے اصل اور ناقابل اعتبار ہیں جس پر اونھوں نے اپنے توہمات و مفتریات کے یہ سربفلک طوفان اوٹھا رکھے ہیں۔ اور دنیا کی نگاہوں کے سامنے اسلام کے انوار حقیقت پر اپنی عالمفریب ظلمت قلبی کا پردہ ڈال رکھا ہے۔

جنگ بدر کے اصلی اسباب

اس بحث کو پوری تفصیل سے لکھکر اب ہم جنگ بدر کے واقعات کی تفصیل و بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں اسباب جنگ میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن عبد اللہ حضرمی کا اتفاقیہ طور پر عبد اللہ بن جحش کے ہمراہی واقد بن عبد اللہ التمیمی کے ہاتھ سے مقتول کئے جانے نے تمام قریش کو جوش انتقام اور مسلمانوں کے قتل عام پر برانگیختہ کر دیا۔ اہل عرب میں مقتول کا انتقام جسے وہ اپنی زبان میں ثار کہتے ہیں اون کے تمام فرائض سے اعلیٰ تر تھا اور اون کے واجبات میں سے کسی امر واجب میں اتنی اہمیت اور عظمت نہیں تھی جتنی قاتل سے مقتول کا بدلہ اور عوض لینے میں اون میں یہ اتنا قدیم دستور تھا کہ زمانہ کے تصرفات قانون معاشرت کے تغیرات اور حکومت و سلطنت کے اختیارات اسکے متعلق کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ پیدا کر سکے اور نہ اونہیں کبھی اصلاح و ترمیم کی جرأت کر سکے۔ ایام عرب کے قدیم معرکے اونکی قیامت خیز اور جانسوز لڑائیاں جن میں قبیلے کے قبیلے اور قوموں کی قومیں صفحہ روزگار سے نیست و نابود ہو گئیں شاہد صادق ہیں شبلی صاحب اسکی اہمیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

عرب کا خاصہ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامہ کارزار قایم ہو جاتا تھا۔ دونوں طرف سے ٹڈی دل اوٹھ آتا تھا۔ اور خون کی ندیاں بہائی جاتیں۔ یہ لڑائیاں مدتوں تک قایم رہتی تھیں قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا۔ عرب لکھے پڑھے نہ ہوتے تھے تاہم مقتول کا نام کا غذ پر درج ہو کر خاندان میں ورثہ چلا آتا تھا۔ بچوں کو یہ نام یاد کرا دیا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر خون کا انتقام لینا ہے۔ داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس برس قایم رہیں اور جن میں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہو گئیں اسی بنا پر ہوئیں۔ عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں۔ یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۶۲

یہ غزوہ بدر کے وتر کا دیباچہ ہے۔ ممکن تھا کہ اگر حضرمی کا خون عبد اللہ بن جحش کی تیز طبعی سے یا غلط فہمی سے نہ واقع ہوتا تو وقوع جنگ بدر میں کچھ توقف ہو جاتا۔ لیکن حضرمی کے قتل نے کفار کو جوش انتقام میں ایسا بیچین کر دیا کہ پھر وہ دم بھر کے لئے نہ بیٹھ سکے۔ اس اثنا میں اس غلط افواہ نے جس کا موجد مفسد ابو جہل ثابت ہوتا ہے (دیکھو رحمت العلمین)

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین۔ کفار قریش کی شرار انتقام کو اور تیز کر دیا۔ وہ ابوجہل کی یہ غلط افواہ تھی جسکو ہم اوپر اسکی قیامت کی چال بتلا چکے ہین۔ اس نے مشہور کر دیا کہ شام سے قافلہ تجارت کی واپسی کا حال سنکر پیغمبر خدا صلعم مسلمانون کے ہمراہ اوس پر حملہ کرینگے اور ابوسفیان کے قافلہ کو مع مال و متاع کے لوٹ لین گے"

مشرکین قریش کی بر جوشیون کے لئے حضرمی کا قتل ہی کیا کم تھا۔ اوس پر مسلمانون کی غارت کی خبر سونے پر سہاگہ کا کام کر گئی۔ اپنی تمام کائنات کی بربادی و تباہی کا حال سنکر غم و غصہ کی حرارت سے اونکے بدن مین لہو دوڑنے لگا اور وہ مبہوت ہوکر استیصال اسلام اور مسلمانون کے قتل عام کے لئے ایکبار گھرون سے نکل پڑے۔ شبلی صاحب اس غلط افواہ اور ابوجہل کی اس قیامت کی چال کی ان الفاظ مین پوری تفصیل فرماتے ہین۔

حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا۔ وہ اسی سلسلہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان وغیرہ بھی پیش آگئین۔ (واقعات سرایا) دونون فریق ایک دوسرے سے پر حذر رہتے تھے۔ اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہوتا ہے۔ غلط خبرین خواہ مخواہ مشہور ہوکر پھیل جاتی ہین۔ اس اثنا مین ابوسفیان قافلہ تجارت لیکر شام گیا تھا اور ابھی وہ شام ہی مین تھا کہ یہ خبر وہان مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین۔ ابوسفیان نے وہین سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے۔ قریش نے لڑائی کی طیاریان کر دین۔ مدینہ مین یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لیکر مدینہ آرہے ہین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا واقعہ پیش آیا۔ سیرۃ النبی جلد اول

مدبران قدرت اور منتظمان مشیت مسلمانون کی قلیل جماعت۔ اونکی غربت۔ اونکا نازک موقع اونکی نازک حالت اور دشمنون کی لاانتہا مخالفت اور تمام بیرحمی و شقاوت کا ابھی اندازہ کر رہے تھے۔ اور مسلمانون کو صبر و رضا اور تحمل و سکوت کا امتحان لے رہے تھے۔ ابھی تک مسلمانون کو حکم جہاد نہین آیا تھا۔

نزول حکم جہاد۔ اور اوسکی ضرورت مفصلہ ذیل کی توجیہات و تصریحات سے ظاہر ہے۔ مدینہ مین آنحضرت صلعم کی تشریف آوری سے بارہ مہینون تک جہاد کا حکم نازل نہین ہوا۔ طبری لکھتے ہین۔

خرج فی صفر غازیا علی راس اثنا عشر شہرا من مقدمہ المدینۃ	مدینہ مین تشریف لانے سے بارہ مہینوں کے بعد صفر مین آنحضرت صلعم جہاد کیلئے نکلے۔

اتنے دنون تک حکم جہاد کا انتظار کیا گیا۔ اسی سے ظاہر ہے کہ ان ایام مین اذن جہاد نہ ملنے کی وجہ سے آپ نے مسلمانون کی جماعت کے ساتھ خاص کر ایسی حالت مین جب چارون طرف سے کفار قریش کے خونخوار حملات کی خبرین آرہی تھین اور گرد و نواح مدینہ تک اونکی دوڑین پہونچ گئی تھین۔ کیسے اضطراب و مصیبت مین بسر کی ہوگی جسکی مختصر سی کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہین۔ اسلام مین دشمنون پر جارحانہ حملہ کرنے اور سبقت فی القتال کے عمل قطعاً ممنوع کئے گئے تھے۔ اس لئے جیسا کہ صاحب رحمۃ العالمین لکھتے ہین اسلام کو جنگ جارحانہ (OFFENSIRE) سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جسکے معنی صلح اور فروتنی کے ہین۔ جو مذہب دنیا مین صلح کا پیغام لیکر آیا ہو جس مذہب کی پیرو

ایسا نادر دن کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم ہو۔ وہ کیسے بے محابہ کسی پر تلوار لیکر دوڑ جا سکتے ہین۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانون نے کامل تیرہ برس تک مکہ مین طرح طرح کے ناقابل برداشت مظالم کفار کے ہاتھون سے سہے۔ غیر تکمہ غیر لوگ اور غیر مذہب و آیین کے لوگون مین جا کر پناہ لی لیکن اپنے دشمنون پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ اسی طرح آخر بار۔ کامل خموشی صبر اور استقامت کے ساتھ اپنے گھرونکو اپنے مقبوضات کو۔ اپنی جملہ جائداد و کائنات کو مکہ مین چھوڑکر دامن جھاڑتے ہوئے خالی ہاتھ مدینہ چلے آئے۔ اور یہان آکر سخت افلاس ناداری اور غریب الوطنی اور بیماری کی حالتون مین کامل ایک برس تک اسی خموشی سکوت اور صبر مین بسر کی۔ مگر اب جب دشمنون کی تلوارین گلون سے آلگین اور جان و مال کی تباہی و بربادی کا عین وقت پہونچ گیا اور وہ موقع آلگا اور وہ غیر متحمل ضرورت آپڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔ اگر اب بھی یہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مرغیوں کی طرح گھرون کے اندر ذبح کر دیے جاتے اور پھڑک پھڑک کر اندر ہی اندر رہجاتے۔ باہر کسیکو خبر بھی نہ ہوتی۔ انکی جانون کے خاتمہ سے دنیا کو یہ نقصان ہوتا کہ پھر روے زمین پر خالص توحید کا نام لیوا نام لینے کو بھی نہین ملتا

حضرت مسیح[1] نے اپنے پورے[2] تین برس کے وعظ و نصیحت کے بعد جبھی ضرورت سے مجبور ہوکر اپنے حواریون کو حکم دیا تھا کہ کپڑون۔ لتون اور نقدی کے بدلے۔ ہتھیار خرید کر مسلح ہوجائین (انجیل متی باب ۲۷) اوسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانون کی موجودہ حالتون پر رحم فرماکر انکو بھی چودہ سال تک صبر کرنے اور ظلم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنون کے ساتھ مدافعانہ مقابلہ کا حکم دیا۔

اب وہ وقت آگیا۔ اور منتقم حقیقی کی نگاہ حقیقت نے دیکھ لیا کہ بیگناہ مسلمانون کی گردنین کفار کی تلوارون کے نیچے آیا چاہتی ہین۔ تو حکم جہاد کی آیت شہنشاہ رسالت پر ان الفاظ و عبارت مین نازل ہوئی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۔ ربقائی بحوالہ صحیح نسائی ج ۱ ص ۳۶۶	جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) انکو بھی اس لڑائی کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اون پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا انکی مدد پر یقینی قادر ہے

لیکن تفسیر ابن جریر طبری مین سب سے پہلی جو آیت متعلق حکم جہاد بتائی گئی ہے وہ یہ ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ	خدا کی راہ مین اونلوگون سے تم بھی لڑو جو تم سے لڑتے ہین۔

ان دونون آیتون کے علاوہ۔ صاحب رحمت اللعلمین مرقومہ ذیل آیت کو بھی حکم جہاد مین داخل فرماتے ہین۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ۔ حج ع	یہ لوگ ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے۔ صرف اسلئے کہ انہون نے اپنا پروردگار مان لیا ہے اور اگر بعض کو (حملہ آورون کو) بعض لوگون (مسلمانون) سے خدائے تعالی دفع نہ کراتا تو ضرور عیسائیون کے گرجا۔ یہودیون کے معابد۔ اور ترساؤن کے مندر اور مسلمانون کی مسجدین جن مین خدا کے نام کا ذکر کثیر ہوتا ہے۔ گرا دی جاتیں۔

عیسائی متعصبین۔ حکم جہاد کی اصلی اغراض ضرورتیں اور خاص مجبوریاں جو ان الفاظ آلہیہ میں بیان ہوئی ہیں۔ اور جن غیر متحمل حالتوں میں جب کا مردو استخوان کا خاص وقت آلگا۔ اسلام کو اپنے جان و مال کی حفاظت اور خونخوار دشمنوں کی مدافعت میں دست بقبضہ ہونے کا اذن ملا ہے۔ پڑھیں سمجھیں اور غور کریں اور پھر اپنے مفسدہ اور مغویانہ تعریضات سے مقابلہ کریں تو کیا وہ یا دنیا میں کوئی اور بشرطیکہ انصاف پسند حقیقت بین اور واقعہ شناس ہو۔ کہہ سکتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے ان احکام ترحمانہ اور عیسائیوں کے ان اعتراضات مغویانہ میں کوئی مناسبت یا لگاؤ ہے؟

مخالفین کے تمام اعتراضات کا مقصد اسپر ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا اور قبائل وعشائر عرب پر بلا وجہ حملے کئے گئے۔ اسکی تصریح توجیہ الفاظ قرآنی میں خود موجود ہے کہ جس جنگ کی مسلمانوں کو اجازت دیجاتی ہے وہ خالص مدافعانہ ہے اور بالکل حفاظت خود اختیارانہ پھر بجبر تزہ رکاوا اہمہ وخیال کیسا پھر بھی الفاظ اس جنگ مدافعانہ کے اسباب وعلل کو بھی نہایت صفائی سے بتلا رہے ہیں کہ مسلمانوں کو محض بےبسی اور بیکسی کی ایسی حالتوں میں حکم جہاد دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ملک و وطن۔ قوم و قبیلہ اور گھر بار سے صرف اس جُرم پر کہ وہ بخلاف کفار کے بیشمار بتوں کی پرستش سے قطعی انکار۔ اور ایک خدا کی عبادت کا قلبی اقرار کرتے تھے۔ نکال باہر کر دیے گئے تھے۔ اور بیتن سو میل کی دور و دراز مسافت پر جلا وطن کر دیے گئے لیکن اسپر بھی خونخوار ان کفار انکے تعاقب اور انکے قتل و غارت سے باز نہ آتے تھے۔ ان امور کی تفصیل و تصریح کے بعد یہ آیات قرآنی اور الفاظ ربانی صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ اہل اسلام کو جہاد کا حکم تنہا کچھ انکے ذاتی منافع۔ قومی فوائد اور مذہبی ترقی و اشاعت کی غرض خاص سے نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان احکام کا اصلی مدعا یہ تھا کہ اہل اسلام نے مدینہ میں آکر یہودیوں اور عیسائیوں کے مختلف قوم و قبائل سے انکی حفاظت و حمایت کے جو معاہد قایم کئے اور بلالحاظ اختلاف قومیت و مذہب نہایت کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے غیر اقوام غیر قبائل اور غیر مذاہب کے افراد۔ انکی جان و مال اور ان کے اہل و عیال کو ان معاہد کی رو سے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا ہے اور انکو انکے تمام امور دینی و قومی میں آزاد اور خود مختار کر دیا ہے ان شرائط معاہد کو عملی طور پر نہایت استقلال و استحکام سے پورا کریں جو امن عام اور تمام لوگوں کی راحت و آرام کے اصول پر مبنی تھا اب ایسی حالت میں اگر اہل اسلام کو مقابلہ و مقاتلہ دشمن کی جو صریحاً ان نظم امن کے برہم زن تھے اجازت نہ دیجاتی تو وہ ان شرائط معاہد کے پورے کرنے سے بالکل مجبور و معذور رہتے۔ آخر میں نتیجہ وہی نکلتا جیسا کہ خود آیہ قرآنی میں بالتصریح موجود ہے کہ تمام قبائل و مذاہب کی آزادی بند ہو جاتی۔ عیسائیوں کے گرجوں۔ یہودیوں کے معبدوں۔ ترساؤں کے مندروں اور مسلمانوں کی مسجدوں میں خدا کے نام کی تسبیح و تقدیس بکقلم موقوف ہو جاتی ایسے واضح اور صاف توجیہات و تصریحات پر بھی متعصبین یورپ اسلامی جہاد کو زور شمشیر سمجھیں تو یہ انکی صریح نفسانیت ہے اور جہالت۔

غزوہ بدر

(۱۷- رمضان المبارک جمعہ سنہ ۲ ہجری)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

اے مسلمانو! خدا نے واقعہ بدر میں ایسے موقع پر تمہاری نصرت و حمایت کی جب تم بالکل کمزور و ضعیف ہو رہے تھے

غزوہ بدر

واقعہ بدر کے تمام ابتدائی اسباب پورے طور سے بیان ہو چکے۔ حقیقتاً اسکی ابتدا اوسیوقت سے سمجھنا چاہیئے جسوقت سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح و سلامت مکہ سے مدینہ چلے آئے تھے کفار قریش کو شب ہجرت کے خونخوارانہ انتظام سے خاتمہ اسلام اور قتل جناب سید الانام علیہ السلام کا پورا یقین تھا لیکن تدبیر الٰہی سے ان بدبختان ازلی کو جسقدر اپنی کامیابی کی پوری اُمید تھی اوسیقدر مایوسی۔ محرومی۔ اور ناکامیابی نصیب ہوئی۔ تعاقب بھی کیا گیا کوسون تک وادی و صحرا کی خاک ڈالی گئی۔ گرفتاری کے لئے اشتہار انعامی دیے گئے۔ مگر سوائے حسرت و ناکامی کے اب اونکی قسمتون میں کچھ نہ تھا۔ اپنے سے انتہا غم و غصہ کی آگ مین جل بھن کر گھر بیٹھ رہے اسپر بھی استیصال اسلام کی اور مسلمانون کے قتل عام کی خلش دل سے نہ گئی۔ مدینہ مین اسلام کا عروج اور مسلمانون کا اطمینان سُنکر بیچین ہو گئے استیصال اسلام کی فکرین کرنے لگے۔ تدبیرین سوچنے لگے۔ مکہ سے مدینہ تک کی قوم و قبائل کو اسلام کے خلاف اوبھارا انصار مدینہ سے کچھ چلتی نظر نہ آئی۔ عبداللہ بن ابی سلول کو مسلمانون کی مخالفت پر برانگیختہ کیا یہودان مدینہ سے۔ جو اسلام کے ساتھ معاہدہ مین شریک ہو چکے تھے۔ سازش پیدا کی اس سے بھی اطمینان نہین ہوا تو خود سو سو دو دو سو کی جمعیت سے قرب و جوار کی بسنے والی قومون پر۔ جو اسلام کے معاہدے مین آچکی تھین تاخت و تاراج کی پھر بالکل قزاقانہ اور خونخوارانہ طریقہ سے نخلستان مدینہ تک چڑھ دوڑے اور مسلمانون کی بہت سی بکریان لوٹ کر لیگئے۔ اور اُنکے نخلستانون کو جلا دیا۔

مسلمانون کو مدینہ مین آئے ہوئے ایک برس سے زاید ہو چکے تھے۔ اس اثنا مین کفار نے مسلمانون کی خلاف اپنی جابرانہ اور ظالمانہ چھیڑ چھاڑ اور چاپکدستیان برابر شروع کر دین اور جاری رکھین لیکن مسلمانون نے ابھی تک اونکے خلاف مین ایک قدم بھی آگے نہین بڑہایا تھا۔ متعصبین یورپ انھین واقعات اور ابتدائی حالات سے کفار کے مظالم اور مسلمانون کے صبر و تحمل کا پورا اندازہ کرلین۔ پھر اشاعت اسلام کو بزور شمشیر قایم ہونے کے ثبوت دینے پر حوصلہ کرین گے

کفار قریش اور بدر کا سامان جنگ

کفار قریش کے اس سلسلہ مخالفت مین جسکی تفصیل کو ہم بطور اجمال بیان کر رہے ہین ابو سفیان کے اُس قافلہ تجارت کی تیاری بھی ہے۔ مسلمانون کی نسبت جسکے لوٹنے کو بقول مولوی شبلی صاحب یورپ کے مورخین غزوہ بدر کا اصلی سبب قرار دیتے ہین۔ یہ کاروان بھی غزوہ بدر یا مسلمانون کی قطعی استیصال کے سامان فراہم کرنے کی غرض خاص سے مرتب کیا گیا تھا اور شام کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ساتھ ہم کفار مین صلاح و مشورے سے یہ قرار پایا تھا کہ اس

کاروان سے اس کی بار جو کچھ نفع حاصل کیا جاوے اوسکا ایک حصہ بھی ذاتی مصارف مین نہ اوٹھایا جائے سب کا سب مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرائی مین لگا کر اون کا یکبار خاتمہ کر دیا جاوے۔

اس بنا پر اس کاروان تجارت کا معمولی طور پر سامان مہین کیا گیا تھا۔ قریش کے تمام رؤسا اور امرا بلکہ ہر ہر فرد قوم نے اپنے تمام سرمایہ سے اسمین شرکت کی تھی۔ یہان تک کہ خواتین تک کا بچا بچایا اور رکھا چھپا یا سرمایہ بھی اسکے نذر کر دیا گیا۔ شبلی صاحب تو اشارون سے بات کرتے ہین۔ آپ ایسے اوسی انداز خاص مین اسکی طرف بھی اشارت فرمائی ہے۔ عبارت یہ ہے۔

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضرورت مصارف جنگ کا بندوبست تھا۔ اس لئے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا۔ اس سر و سامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دیدی۔ نہ صرف مرد بلکہ عورتین بھی جو ... بار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی تھین۔ انکا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا۔ سیرۃ النبی م۔

اس سعد جلد دوم صفحہ ۷ مین۔ خاص ابوسفیان کی اس کاروان کی کثرت سامان کے متعلق لکھتے ہین۔

واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نش فصاعدا الا بعث بہ معنا۔	مکہ مین کسی مرد قریش یا زن قرشیہ کے پاس ایک حبہ بھی ایسا نہیں بچا تھا۔ جو اوس نے ہمارے ساتھ نہ کر دیا ہو۔

ابوسفیان کا یہ قول و اقرار خود۔ اکی بار بخلاف دستور قدیم اس کاروان کی اتنی اہمیت کی خاص غرض و غایت کو صاف صاف بتلا رہا ہے کہ قریش کو اپنی تمام دولت و کائنات کو تجارت مین اکی بار لگا کر اور اتنے نفع کثیر او ٹھانے سے کون سی عظیم الشان مہم کو انجام دینا تھا۔ یہ عظیم الشان مہم وہی مسلمانوں کا قتل عام تھا جسکے لئے سو رہے کر کے با جود بایمہ سامان کیے گئے تھے۔

آخر مین ان سامانون کا نتیجہ بھی کچھ نہ نکلا۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ قریش مین سب سے زیادہ خاتمہ اسلام کا متمنی اور متعجل ابوجہل تھا۔ اس لئے اوس نے اپنی عجلت کی سوء تدبیری سے۔ یا قریش کی زبون تقدیری سے کفار قریش اور مشرکین عرب کے دلوں مین اسلام کے خلاف ایک غیر مستحق برہمی پیدا کر دینی کی غرض خاص سے یہ غلط افواہ پیدا کر دی کہ مسلمان ابوسفیان والے قافلہ پر واپسی کے وقت مدینہ کے قریب حملہ کرینگے اور لوٹ لینگے۔ اس غلط افواہ کی ظاہری صورت کے قراین بھی موجود ہوگئے اس لئے کہ مدینہ کے پاس مقام بدر کے قریب ہی سے تمام جانے کا راستہ پہاڑون کی تنگ گھاٹیوں سے ہو کر نکلتا ہے۔ اس بنا پر کفار نے خود بھی سمجھ لیا اور اونکو سمجھا بھی دیا گیا کہ ابوسفیان جب اس مقام پر آئیگا تو مسلمان اپنی کمینگاہون سے۔ جہان وہ پہلے ہی سے پوشیدہ ہونگے۔ ایکبار نکل کر اوسکو لوٹ لینگے

ابوجہل کی یہ چال قیامت کی چال تھی۔ جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور حقیقتاً اس نے قبائل عرب مین ایک ہیجانی

کیفیت ضرور پیدا کر دی سو ابو جہل کی غرض و غایت اتنی ہی تھی لیکن منشائے تقدیر نے اوسکے دعائے تدبیر کو اولٹ دیا ابو جہل نے مخالفت اسلام مین اہل عرب کی کثرت تعداد اور اونکے انتہائے جوش و سرگرمی پر اعتبار کرکے بلا انتظار واپسی کاروان اور بغیر خیال فراہمی سامان جنگ۔ جیسا کہ باخودہا کی مشورت سے قرار پا چکا تھا ایک ہزار مسلح جوانون کی طیار جماعت لیکر جنگ کی تیاری کر دی اور بدر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اپنی اس عجلت کا سبب یہ بتلایا کہ اس جمعیت سے کاروان تجارت کی حفاظت اور حملہ آور مسلمانون کی مدافعت کی جائیگی جو قریب ہی۔ شام سے واپس ہوتے ہی مسلمانون کے ہاتھون مین پھنس جائینگے۔

اس بنا پر ابو جہل تو اتنی کثیر جمعیت کے ساتھ یلغار کرتا ہوا مدینہ کے قریب پہونچ گیا۔ وہان لوٹنے والے اور لٹنے والے دونو یکے دو دون اپنے اپنے مقامات پر خموش بیٹھے رہے۔ مسلمان مدینہ مین اور ابو سفیان شام مین جیسا کہ طبری مین مرقوم ہے۔

و دلت قبل مخرج ابی سفیان واصحابه الی الشام	واقعہ بدر ابو سفیان اور اوسکے ہمراہیون نے روانگی شام سے پہلے واقع ہو چکی تھی۔

کفار قریش تو مسلمانون کی طرف سے اپنی مخالفت یا اونکے قتل و غارت کے خیال آپ پیدا کر کے اپنی ہوا مین آپ اوڑ رہے تھے بخلاف انکے مسلمان اونکے مظالم کا مدینہ مین گھر بیٹھے مشاہدہ کر رہے تھے اور یقین کر رہے تھے کہ اونکی بڑہتی ہوئی شرارتین ایک نہ ایک دن انکو مدینہ پر حملہ کرنے کے قصد سے ضرور چڑہا لائینگی بالکل مسلمان خموش رہکر اسوقت تک اشارہ قدرت اور منشائے مشیت کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ جسکے بغیر وہ اپنی ذراسی جنبش اور حرکت کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔

مشاہدات متواترہ کے علاوہ وحی الٰہی کے ارشادات اپنے پیغمبر برحق کو قریش کے ان ظالمانہ تدبیر و ارادے سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ طبری کے اسناد سے حضرت علیؑ کا یہ ارشاد کہ جناب رسولخدا صلعم ہم لوگون سے اکثر چاہ بدر کی نسبت پوچھا کرتے تھے۔ اس امر کا شاہد صادق ہے کہ آپ جنگ بدر کے متعلق قبل از وقوع بذریعہ وحی مطلع فرما دیے گئے تھے۔ اور لشکر قریش کے بالکل قریب پہونچ جانے تک کسی قسم کی تحریک و سبقت کرنے سے روک دیے گئے تھے۔ چنانچہ جمہور مورخین و محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ لشکر کفار کے بالکل قریب بدر آجانے کی صحیح خبر پاکر آنحضرت صلعم نے اونکی مدافعت کا ارادہ فرمایا۔ جو حکم قدرت اور تدبیر مشیت کا عین مقصود تھا۔

جنگ بدر کا اعلان اور مبارزان اسلام کے اظہار عقیدت

جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لشکر قریش کے قریب بدر پہونچ جانے کی تحقیق خبر مل گئی تو آپ نے اون سے مقابلہ و مقاتلہ کے متعلق سب سے پہلے جو کام کیا۔ وہ تمام اہل اسلام کی جماعت مین اس قصد و ارادۂ جنگ کا اعلان کرنا اور شرکت محاربت پر مسلمانون کا عام استمزاج لینا تھا۔ حکم ہوا اور تمام اہل اسلام حاضر تھے۔ وہ کفار کے مظالم اور اپنے مصائب کو خود جانتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلعم کو زیادہ بیان کی ضرورت نہین ہوئی۔ سب نے سمعاً و اطاعتاً کہکر سرہائے تسلیم جھکا دیے لیکن اوس

رحمت عالم اور خلق مجسم کا ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ وہ مہاجرین سے نہیں۔ بلکہ اپنے خلق عظیم کے تقاضہ سے جماعت انصار کی زبان و الفاظ میں اپنے اس قصد کی تصمیم و تسلیم کا اقرار کرانا چاہتا تھا۔ اسلئے کہ جو شرائط جنگ کی اون سے معاہدہ لئے گئے تھے وہ مدینہ کے اندر ہی رہکر اونکو جنگ و مقابلہ کرنے کا پابند بناتے تھے۔ مدینہ سے باہر جاکر جنگ کرنے کے شرائط نہیں تھی اور یہ ظاہر تھا کہ مدینہ سے آٹھ میل کی مسافت پر جاکر اونکو دشمن سے لڑنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نزدیک یہ خلاف معاہدہ واقع ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ رک رہے تھے اور بار بار اونکی طرف رخ کرتے تھے اور اونکے جواب کے منتظر تھے۔ مزاجدان جان نثار اور آداب شناس انصار آنحضرت ؐ کے مدعائے دلی کو سمجھ گئے۔ گروہ انصار سے سعد بن عبادہ ہمہ تن عقیدت بنکر اوٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے اب ہم ان جان نثاران اسلام کی تقریریں پہلے شبلی صاحب کی زبانی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

سعد بن عبادہ رئیس خزرج کی تقریر

سعد بن عبادہ۔ (رئیس قبیلہ خزرج) نے اوٹھکر کہا کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ خدا کی قسم آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ مقداد نے کہا کہ ہم قوم موسیٰ ؑ کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں۔ ہم لوگ آپکے داہنے سے بائیں سے سامنے سے پیچھے سے لڑینگے۔ انکی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ چمک اوٹھا۔ سیرۃ النبی ص ۲۳۱

شبلی صاحب نے اپنے اوسی قدیم نا ہمہ۔ مستشرقین یوروپ کے خوف سے اس واقعہ کو جس قطع و برید کے ساتھ مسلم کرکے لکھا ہے وہ محققین کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ایک تو آپ کی صحیحین کے محدثین نے اس تاریخی واقعہ کو جس اختصار کے ساتھ لکھا تھا وہی اسکی تفصیل کے استخفاف کے لئے کافی تھا۔ اوسپر آپ کی تلخیص نے اور بھی ناقص کردیا۔ یہ اصلی موضوع کے ماخذوں کو چھوڑ دوسرے خارجی ماخذوں سے استنباط و استخراج مرویات کا نتیجہ ہے۔ ایک تو یہ غلطی کی دوسرے جان نثاران انصار میں اصل جان نثار سعد بن معاذ کی تقریر کو بالکل تصرف کردیا حالانکہ سعد بن عبادہ کی نسبت تقریر کرنے کا واقعہ ہی محققین کے نزدیک اب تک مشکوک ہے۔ اور سعد بن معاذ کی تقریر پر اتفاق جمہور ہے۔ چنانچہ اسکی تفصیل حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

اب ہم اس واقعہ کی پوری تفصیلی کیفیت طبری اور ابن ہشام سے حسب ذیل نقل کرتے ہیں۔

کان علیہ السلام احدھم من قریش فقام ابوبکر ؓ[۹۱]	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مجمع مسلمین کو قریش کی خبر سے مطلع فرمایا تو

[۹۱] تعجب ہے کہ ماخذوں میں حضرات شیخین کا ذکر ہے مگر اونمیں سے کسی بزرگ کی تفصیلی تقریر نہیں۔ اس ضرورت سے زرقانی کی شرح میں تلاش کیگئی اوسمیں بھی حضرت ابوبکر کی تقریر کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ ہاں حضرت عمرؓ کی تقریر کے یہ الفاظ دکھلائی دیے یا رسول اللہ ؐ انھا قریش وعزھا والله ما ذلت منذ عزت ولا امنت منذ کفرت والله لتقاتلنك فاھب لذلك اھبته واعد لذلك عدته۔ یا رسول اللہ ؐ یہ قریش اور انکی عزت کا معاملہ ہے قریش نے جب سے عزت پائی آجتک ذلیل نہ ہوئے اور جب سے کافر ہوئے آجتک ایمان لاکر

الصديق فقال واحسن ثم قال عمر بن الخطاب
فقال واحسن ثم قام عمر بن الخطاب فقال واحسن
ثم قال المقداد فقال يا رسول الله امض لما اراك
الله فنحن معك والله لا نقول لك كما قالت بنو اسرائيل
لموسى اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون
ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون
فوالذي بعثك بالحق لو سرت بنا الى برك الغماد لجالدنا
معك من دونه حتى تبلغه فقال رسول الله صلعم
خيرا ودعا له به ثم قال رسول الله صلعم اشيروا علي
ايها الناس وانما يريد الانصار وذلك انهم عدد الناس
وانهم حين بايعوه بالعقبة قالوا يا رسول الله صلعم انا
براء من ذمامك حتى تصل الى ديارنا فاذا وصلت الينا فانت
في ذمتنا نمنعك مما نمنع منه ابناءنا ونساءنا فكان رسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم يتخوف ان لا تكون الانصار
ترى عليها نصرته الا ممن دهمه بالمدينة من عدوه وان
ليس عليهم ان يسير بهم الى عدو من بلادهم فلما قال ذلك
رسول الله صلعم قال له سعد بن معاذ والله لكانك
تريدنا يا رسول الله قال اجل قال فقد آمنا بك و
صدقناك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطيناك
على ذلك عهودنا ومواثيقنا على السمع والطاعة
فامض يا رسول الله لما اردت فنحن معك فوالذي بعثك
بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه
معك ما تخلف منا رجل واحد وما نكره ان تلقى بنا عدونا

حضرت ابوبکر الصدیقؓ کھڑے ہوئے تقریر کی اور اُنکی تعریف کیگئی
پھر حضرت عمر بن الخطابؓ کھڑے ہوئے تقریر کی اور تعریف کیگئی پھر حضرت
مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ آپکو جو حکم خدا ملا ہے وہ کیجیے
ہم لوگ آپکے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم آپ کی خدمت میں ہرگز نہیں کہینگے جو
بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ تم اور تمہارا خدا دونوں
لڑنے جاؤ ہم یہیں بیٹھے کے بیٹھے رہینگے لیکن اسکے برخلاف ہم تو یہ کہینگے
کہ آپ اور آپکا خدا غنیم سے لڑنے کے لیے چلیں ہم آپ کے ساتھ چلنے اور لڑنے
کو تیار ہیں۔ اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ
ہم لوگوں برک الغماد (علاقہ یمن) تک بھی لیجائیں تو ہم آپ کی رکاب میں برابر تلوار چلایا
کرینگے یہانتک کہ آپکا ارادہ پورا ہو۔ یہ سنکر جناب رسول اللہ صلعم نے مقداد کو دعائے خیر دی
اسکے بعد آپ نے فرمایا ایہا الناس تم لوگ مجھے اس امر میں مشورہ دو اس کہنے سے آپ کا
روئے سخن خاصکر انصار کی طرف تھا اور اون میں بھی خاصکر اونھیں مخصوصین
انصار سے جو پہلے آپ سے بیعت عقبہ کر چکے تھے۔ اونھوں نے عرض کی یا رسول اللہ
صلعم ہم اسوقت تک آپکے ذمہ دار نہیں تھے جبتک آپ ہمارے شہر و وطن میں
نہیں آئے تھے۔ اب جب آگئے تب ہم آپ کے بالکل ذمہ دار رہینگے اس بنا پر ہم
آپ سے اون تمام امور کی مدافعت کرینگے جن امور کی ہم اپنے اہل و عیال سے
مدافعت کرتے ہیں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دل میں یہ خیال رہا کہ کہیں میرے
سوال کے جواب میں انصار یہ نہ کہیں کہ ہمنے آپسے مدینہ کے اندر دشمن کے حملہ آور ہونیکے وقت مدد کرنیکا وعدہ
کیا ہے اور ایسی حالت میں کہ جب دشمن سے باہر جاکر مقابلہ کی ضرورت ہو تو
وعدہ نہیں۔ جب آنحضرت صلعم نے تقریر میں اسکی طرف اشارہ کیا تو سعد
بن معاذ نے اوٹھکر عرض کی کیا اس ارشاد سے ہم لوگوں کی طرف اشارہ ہے آپ نے
ارشاد فرمایا ہاں سعد نے عرض کی کہ ہم سب آپ پر ایمان لاچکے آپ کی
تصدیق کر چکے اور جو کچھ حضور پر منجانب اللہ نازل فرمایا گیا ہے اوسکی شہادت

بقیہ حاشیہ صفحہ دیگر۔ آپکے ابوبکر و عمر خدا کی ہیبت او سر قائم کیجئے اور اوس کا وعدہ پورا کیجئے مخلصین کی مندرجہ بالا اظہار عقیدت سے اس تقریر کو جو منافقت کے
وہ محققین کی نگاہوں سے مخفی نہیں یہ جوش عقیدہ محدثین کا ایجاد ہے حقیقت کچھ بھی نہیں شیخین کا نام داخل کر دیا گیا ہے ورنہ واقعیت ہوتی تو اصل واقعہ
کے ساتھ ان بزرگوں کی تقریریں بھی واقعات تاریخی سے نقل ہوتیں
المؤلف

وانا لصبر فی الحرب صدق فی اللقاء لعل اللہ یریک منا ما تقر بہ عینک فسر علی برکۃ اللہ ۔ یا رسول اللہ صلعم ہم تو سعد نشیط دلت دے چکے اور آپ کی اطاعت و متابعت کے معاہدے لکھ چکے پھر استفسار کی ضرورت کیا ہے آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے اوس پر عمل کیجئے ہم سب آپ کی خدمت کو حاضر ہیں اوس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا ہو اگر آپ ہمکو اس دریا میں کود پڑنے کیلئے حکم دیں تو ہم بلا تامل داخل دریا ہو جائیں ۔ اور ہم میں سے کوئی شخص بھی آپ کے اس حکم سے نہ خلاف کر سکتا ہے اور نہ انکار کر سکتا ہے ۔ اور آپ میدان جنگ میں دیکھیں گے کہ ہم جدال و قتال کی سختی کے وقت کیسا صبر و تحمل کرتے ہیں اور ہم اپنی جان نثاریاں دکھلا کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کرینگے بس خدا کی تائید و برکت کی امیدوں پر آپ تشریف لے چلیں ۔ جدہر کا قصد فرما چکے ہیں ۔ سعد ابن معاذ کے یہ کلمات عقیدت سنکر آپ بیحد مسرور ہوئے ابن ہشام جلد دوم ص ۱۳ مصر

اس تقریر کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزم جہاد مستقل کر دیا ۔

میدان بدر کی طرف روانگی	بارہویں رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری کو آپ قریب تین سو چودہ ۳۱۴ آدمیوں کی جمعیت لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور ایک میل کی مسافت پر جاہ ابی عتبہ کے پاس قیام فرمایا ۔ یہاں ٹہر کر لشکر اسلام کا جائزہ لیا گیا ۔ اور سب کو یہاں جمع ہونیکا

حکم فرمایا گیا جان نثار مہاجر و انصار سر فروشیوں کی پر جوشیوں میں لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے ۔

بقیہ عبارت حاشیہ کیونکہ علامہ زرقانی نے حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کی نسبت تو کمال تفحص کے بعد آخر کار یہ لکھدیا ہے لم اقف علی ذکر ما یہمیں معلوم ہو تا آپ نے کیا تقریر کی حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی وہ نقل کر کے حقیقت حال دکھلا چکی گئی ۔ اوس زرقانی کی تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ قصہ تقریر نتیجہ ہیں صرف علما کی خوش عقیدگی کے حاشیہ ہیں کیونکہ امام سہیلی نے اس مسئلہ میں کامل بحث کی ہے زرقانی اوسکو مفصلہ ذیل عبارت میں لکھتے ہیں

قال سید الناس فی عیون الاثر المذکور ہو سعد بن معاذ وہ حفظہ عن انس ان رسول اللہ صلعم شاور حین بلغہ اقبال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض	عیون الاثر میں سید الناس لکھتے ہیں کہ یہ کلام جو سعد بن عبادہ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے وہ حقیقتاً سعد بن معاذ کی زبانی ہو جیسا کہ انسؓ نے ایسے لفظوں میں بیان کیا ہو کہ جب آنحضرت صلعم کو ابو سفیان کے آنے کی خبر ہو چکی تو

آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور تقریر کی آپ نے کچھ توجہ نہ فرمائی پھر حضرت عمرؓ نے تقریر کی آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی ۔

ان واقعات کے الفاظ و معانی کو ۔ روایت مرقومہ بالا کے الفاظ خاص سے مقابلہ کر کے حقیقت حال خود سمجھ لی جا سکتی ہے جس میں واقعیت تو نام کو بھی نہیں ۔ ہاں خوش عقیدگی کے ہاتھوں سے تبرکاً اسکے داخل کئے جانے کی مناسبت ضرور جھلکتی ہے یہ تو اس موقع پر ان دونوں بزرگوں کی تقریر کی حقیقت حال کا انکشاف کیا گیا ۔ اب ہم شبلی صاحب کے اوس مختار کی تنقید کرتے ہیں جو آپ نے سعد بن عبادہ کی تقریر کی نسبت قائم فرمایا ہے اور اصل مقرر سعد بن معاذ کی تقریر کو قطعاً مرفوع القلم کر دیا ہے چنانچہ ہم زرقانی کی عبارت سے علامہ سید الناس کی مرقومہ بالا عبارت کے بقیہ مضامین ذیل میں نقل کر کے شبلی صاحب کے اس مختار کی پوری تنقید کیے دیتے ہیں ۔

فقام سعد بن عبادۃ فقال ایانا ترید یا رسول اللہ و	سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کا روئے سخن کیا ہماری طرف ہے

جان بازوں کی عقیدت مندانہ پر جوشیوں اور سرگرمیوں کا یہ عالم تھا کہ صغیر السن اور غیر مکلف بچے تک شریک جہاد ہونے کی تمنا میں گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ اور جوانوں کی صف میں ملکر کھڑے ہوگئے تھے معائنہ کے وقت ان کو غیر مکلف قرار دے کر واپس جانے کا حکم ہوا۔ ان نو عمر بچوں میں عمیر بن ابی وقاص بھی تھے۔ جب انکو بھی واپسی کا حکم ہوا تو یہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے آنحضرت صلعم ان کی بیتابی سے بہت متاثر ہوئے اور بالآخر اجازت دیدی عمیر کے بھائی سعد بن ابی وقاص نے اس کمسن جان نثار اسلام کی کمر میں تلوار باندھکر گود میں اٹھا لیا۔ اور ساتھ لے لیا۔

بقیہ عبارت حاشیہ۔ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان
نخیضها لأخضناها ولو امرتنا ان نضرب اكبادها الى برك الغماد لفعلنا۔ الحديث القول
كابن ابی شیبة وابن عائذ وابن مردویه قال الحافظ و
يمكن الجمع بانه صلعم استشارهم مرتين الاولى بالمدينة
اولی ما اتاه خبر العير وذلك بين من لفظ مسلم وثانی
حين خرج اقال او سفيان والثانية لانه كانت بعد
ان خرج كما فی حديث الجماعة ووقع عند الطبرانی
ان سعد بن عبادة قال ذلك بالحديبية وهذا
اولى بالصواب زرقانی ص ۵ مصر

لوگوں سے ہے قسم اس کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ انکو
حکم دیں تو ہم اس کے کلیجوں پر ضربیں لگاتے ہوئے برک الغماد تک چلے جائیں
اس حدیث کو ابن ابی شیبہ۔ ابن عائذ اور ابن مردویہ نے لکھا ہے حافظ
ابن حجر اس اختلاف کا فیصلہ یوں کرتے ہیں کہ انکی تطبیق کی یہ صورت قرار
پا سکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے دو بار مشورت کی ایکبار مدینہ میں جب قافلہ ابو
سفیان کی خبر آمد معلوم ہوئی تھا کہ حدیث مسلم کے الفاظ سے ظاہر ہے پھر آپ نے
صحابہ سے مشورت کی جب ابو سفیان کی آمد معلوم ہوئی دوسری بار مدینہ سے
نکل کر جیسا کہ روایات جماعیہ سے ظاہر ہوتا ہے لیکن طبرانی نے اس قول
ابن عبادہ کی نسبت لکھا ہے کہ سعد بن عبادہ نے صلح حدیبیہ میں بیعت رضوان
کے موقع پر یہ تقریر کی تھی۔ اور یہی صحت سے قریب تر ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شبلی صاحب نے محض صحیح مسلم کے اعتبار پر ایسے اس مختار کو قلم کیا ہے حالانکہ آپ ہی کے محققین و محدثین سعد بن عبادہ کی اس تقریر میں شکوک ہیں۔ تقریر ہونا یا نہ ہونا تو در کنار۔ یہ حضرات تو سعد بن عبادہ کو شرکاء جنگ بدر ہی میں داخل نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ زرقانی اسکی حقیقت کا حسب ذیل انکشاف فرماتے ہیں۔

واختلف فی شهود سعد بن عبادة بدرا ولم يذكره موسى
بن عقبة ولا ابن اسحاق فی البدريين وذكره الواقدی
المدائنی وابن الكلبی اما الواقدی الحافظ المتروك مع
سعة علمه والمدائنی وثقه ابن معين وقال ابن عدی ليس
بقوی وابن الكلبی فيه كلام العيون وفی فتح الباری
اشارة لانه قال لم يشهد سعد بن عبادة بدرا وان
كان يتأهب فنهش فاقام فضرب له بسهمه واجره وفی عيون

علماء میں اس امر پر اختلاف ہے کہ سعد بن عبادہ شریک بدر تھے یا نہیں انکو موسیٰ بن
عقبہ اور ابن اسحاق نے شرکاء بدر میں نہیں لکھا ہے لیکن واقدی ابن مدائنی اور
ابن کلبی نے لکھا ہے واقدی حافظ حدیث تو باوجود شہرت علم کے متروک الحدیث ہیں
اور ابن مدائنی کو اگرچہ ابن معین نے ثقہ لکھا ہے لیکن ابن عدی قوی الحدیث نہیں
جانتے۔ ابن کلبی کے بارے میں صاحب عیون نے کلام کیا ہے اور فتح الباری
نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سعد بن عبادہ معرکہ بدر میں شریک ہی نہیں تھے
اب رہی یہ بات کہ پھر انکا حصہ کیوں دیا گیا۔ اسکی نسبت عیون الاثر میں ہے

مجاہدین کا شمار کیا گیا تو تعداد میں مجموعًا تین سو تیرہ آدمی نکلے جمہور کا متفقہ بیان ہے کہ یہی طالوت کے لشکر کی بھی تعداد تھی جو جالوت کے مقابلہ میں نکلا تھا شہر کی محافظت اور انتظام کے لئے ابو لبابہ کو مدینہ کے حصہ زیرین کا عالم بنا کر یہیں سے روانہ کر دیا گیا۔ اور عاصم بن عدی کو۔ مدینہ کی بالائی آبادی کا جسے عالیہ کہتے ہیں امیر و محافظ مقرر کرکے بھیجدیا گیا۔ ان ضروری انتظامات کے بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی روانگی سے پہلے بسبسہ اور عدی کو لشکر قریش کی خبر رسانی کیلئے بھیجدیا اور یہ دونوں آدمی جہینہ بدر کیطرف جہاں لشکر قریش کے پہونچنے کی خبر ملی تھی روانہ ہو گئے۔ مخبروں کی روانگی کے دوسرے دن

ما نقله المصنف عنه ورویناه عن ابن سعد انه کان یتہیأ للخروج الی بدر ویاتی دور الانصار یحضهم علی الخروج فنهش قبل ان یخرج فاقام فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لئن کان سعد لم یشهدها لقد کان علیها حریصا وقال روی ان بعضهم علیه السلام ضرب له بسهمه واجره اشیٰ وهو انصا ایماء الی ان الاختلاف بالاعتبار لا حقیقی ص ۵

…ول کو لکھکر مرقوم ہے کہ ابن سعد کے اسناد سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ جنگ بدر میں شریک ہونیکو آمادہ تھے۔ اور انصار کے گھروں میں جاکر اونکو شرکت جنگ پر آمادہ کرتے تھے اس اثنا میں انکو سانپ نے کاٹ لیا اور رک گئے پھر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ سعد بن عبادہ گو لڑائی میں شریک نہیں ہوئے لیکن وہ آمادہ ضرور تھے بعض راوی کہتے ہیں کہ اسی بنا پر اونکا حصہ غنیمت میں دیا گیا پس یہ اختلاف اگر قابل اعتبار بھی ہوں تاہم حقیقت حال نہیں ہو سکتی

بدر کی شرکت سے بعض صحابہ کا رکنا۔ اسی ضمن میں ہمکو ایک امر کی حقیقت کا انکشاف بھی نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرقومہ بالا عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ شبلی صاحب کی عجلت رقمی اصل لوگوں کے (سعد بن عبادہ) کے حالات کو تو چھوڑتی جاتی ہے اور محض صحیحین کے ظاہری اعتبار اور صرف بخاریوں لوگوں کے واقعات کو قلمبند کرتی ہے (سعد بن عبادہ) انھوں نے بقول اجماع (دیکھو فتح الباری) یہ تقریبی تھی اور یہ جو شریک جنگ ہوئے۔ اور اگر یہ تقریبی ہی تو جہ برس بعد صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان کے موقع پر یہ ہمارے **شمس العلماء کی تحقیق** ہے اور اس کی بنا خاصکر وہی غلط اصول ترجیح حدیث علی التاریخ ہے۔ فن تاریخ و سیرت ان واقعات کے صحیح مواقع اور اسباب و ذرایع کے حفظ و ذکر کی خاصکر بمقابلہ حدیث کے ذمہ دار ہے کیونکہ اوسکا موضوع خاص انھیں امور کا حفظ و بیان ہے۔

حالات کے استقصار سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد بن عبادہ ہی تنہا شریک بدر نہیں ہو سکے تھے بلکہ صحابہ میں اکثر حضرات شرکت سے محروم رہے۔ سعد کے لئے تو سانپ کے کاٹنے کا عذر معقول بھی تھا لیکن اور بزرگوں کے شریک نہ ہونے کے لئے کوئی وجہ معقول نہیں ثابت ہوتی سوائے اسکے کہ اونسے محض اتفاقی غلط فہمی واقع ہو گئی۔ مرویات حدیث و تاریخ سے مستنبط ہوتا ہے کہ روانگی کا حکم پاکر اکثر حضرات شرکت جنگ سے پہلوتہی کرتے تھے اور کسمساتے تھے۔ اونکے تامل کی وجہ یہ تھی جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنی غلط فہمی سے آنحضرت صلعم کے اس ارادے کو کاروان ابوسفیان پر حملہ ہی یقین کئے ہوئے تھے لیکن جب آنحضرتؐ کے ارشاد سے اونکو کفار قریش کے مقابلہ کا پورا ثبوت مل گیا۔ تو نفع کے عوض محض جان کے نقصان کا خیال کرکے وہ شرکت کے لشکر سے پس و پیش کرنے لگے تاریخ و حدیث کی مرویات کے علاوہ خاص جا کے الفاظ قرآن مجید میں اسکے شاہد حال ہیں۔

آپ لشکر اسلام کے ہمراہ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور روحا و منصرف ذات اجذال، معلات اور اثیل کی منزلوں کو طے فرماتے ہوئے چشمہ بدر پر پہونچ گئے۔ زرقانی کی تحقیق میں بروایتے چھتیس ٣٦ اور بروایتے تیس ٣٠ میل روزانہ کی رفتار کے حساب سے ۸۰ میل کی مسافت گویا ڈھائی دنوں میں تمام کردی گئی۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داخلہ کی خبر سنکر دونوں مخبر حاضر ہوئے غرض کی کہ غنیم اس وادی کے اوس پار تک پہونچ گئے ہیں۔ آپ نے آگے بڑھنے کو مصلحت نہ سمجھکر وہیں قیام فرمایا۔

موقع بدر | بدر مدینہ منورہ سے اسی میل (چالیس کوس) کے فاصلہ پر مغرب و شمال کی طرف شارع عام پر واقع ہے یہیں سے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ہوکر شام جانے کا تنگ اور کج مج راستہ نکلتا ہے۔ مقام بدر قدیم منزل گاہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں صاف پانی کے اکثر چشمے جاری ہیں۔ عرب کے مشہور اور قدیم سالانہ میلوں کے مقامات میں بدر بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں کے سالانہ میلوں کے متعلق طبری لکھتے ہیں۔

وكان بدر موسماً من مواسم العرب يجتمع لهم بها سوق كل عام فيقيم عليه ثلاثا وتنحر الجزور ويطعم الطعام ويسقى الخمور وتعزف عليها القيان وتسمع بها العرب

بدر عرب کے مشہور مقامات میں تھا یہاں ہر سال تین دن تک میلہ لگا رہتا تھا کثرت سے اہل عرب جمع ہوتے تھے اونٹوں کو ذبح کرکے کھانے پکاتے تھے اور کھاتے تھے شراب پیتے تھے عرب کی مشہور گانے بجانے والی عورتوں کا گانا بجانا سنتے تھے طبری ص ۱۳۰۰

بقیہ عبارت حاشیہ صفحہ گذشتہ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

جس طرح اے پیغمبر تیرا خدا تجھکو حق پر تیرے گھر سے (مدینہ سے) نکال لایا حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔ وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتا ہے گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جاتے ہیں اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنی موت کو دیکھ رہے ہیں اور جب خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے تم چاہتے ہو کہ بے حرج والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کردے اور باطل کو مٹادے گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہوں۔

متعصبین یورپ دیدۂ انصاف کھولکر ان آیات قرآنیہ کے صاف الفاظ کو پڑھیں اور سمجھ لیں کہ غارت قافلہ کے واقعہ کی بنا پر جو آپ لوگ ایسے موہوم اور لغو اعتراضات قائم کرتے ہیں وہ قرآن کے ان الفاظ سے کہیں ظاہر نہیں ہوتا۔ قرآن نہ اوسکی تصدیق کرتا ہے اور نہ تائید بلکہ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے یہ خیال پیدا کیا تھا اونکو تنبیہ و تادیب کے غرض خاص سے یاد دلاتا ہے کہ تمہاری خواہشوں کے خلاف خدا تعالیٰ کفار سے کھلے میدان میں مقابلہ کرکے حق کو قائم اور باطل کو مستاصل کرنا چاہتا ہے۔ ان کلمات سے صاف ظاہر ہے کہ بعض مسلمانوں نے یہ خیال ضرور پیدا کیا تھا لیکن خدا نے اسے قبول نہ فرمایا۔ اول یہ کہ بعض مسلمانوں کا یہ اپنا خیال و قیاس تھا۔ اسلام اونکے لئے جوابدہ نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ خدا نے اونکی اس تجویز و ارادے کی برائی خود ظاہر کردی اور اونکی حسب تمنا کارروائی نہ فرمادی تو پھر مخالفین یورپ کا ایسے بے اصل اور خلاف واقعہ امر سے استدلال کرنا کمال بدعقلی ہے۔ اب رہا یہ کہ ہمارے قدیم حدیث و تاریخی ماخذ اسکی تائید کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی ماخذ قرآن مجید سے زیادہ معتبر نہیں۔ المؤلف عفی عنہ

لشکر اسلام میں سامان جنگ

یہ تو اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کل تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمی تھے۔ تعداد تو یہ تھی سامان پر نظر کی جائے تو تین سو تیرہ آدمیوں میں سواری کے لئے کل ساٹھ (۶۰) اونٹ تھے اور لشکر بھر میں صرف دو گھوڑے ایک حضرت مقداد کے پاس اور ایک زبیر ابن العوامؓ یا ابی مرثدؓ کے پاس۔ انتظام یہ کر لیا گیا تھا کہ باری باری سے کچھ لوگ اونٹوں پر راہ طے کرتے تھے اور باقی لوگ پیدل چلتے تھے جب سواری کے لوگ ایک مقررہ حد تک سواری پر چل چکتے تھے تو اوتر آتے تھے۔ اور وہ خود پیدل چلنے لگتے تھے اور اپنی جگہ پیدل چلنے والوں کو اونٹوں پر سوار کر دیتے تھے اس انتظام میں راحت و مساوات عام کا اس درجہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مرکب بھی شرکت سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب محدث شیرازی تو صرف حضرت علی مرتضیٰؑ کو آپ کا رفیق بتلاتے ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض منزلوں پر آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہؓ اور ابو لبابہؓ کو بھی ہمراہ لے لیا تھا۔ زید کی رفاقت میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن ابو لبابہ کی شرکت تو بالکل خلاف واقع ہے۔ کیونکہ ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابو لبابہ تو منزل اول ہی سے مدینہ کے حصۂ زیرین کا حاکم بنا کر واپس کر دیئے گئے تھے وہ تھے کہاں جو شریک راحلہ ہوتے؟

تاریخ و حدیث کی متفقہ مرویات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم حسن خلق اور عدل و تواضع کے اظہار و تقاضہ سے خود بھی پیدل چلتے تھے۔ اس لئے کہ مساوات کی تعلیم ہو۔ اور معمولی طبیعت والوں کو اپنے پیغمبر کی طرف سے آسانی کا سوء ظن نہ ہو حضرت علی مرتضیٰؑ یا اور جو کوئی ایسے موقع پر ساتھ ہوتا تھا عرض کرتا تھا کہ آپ سوار ہو لیں ہم پیدل چلتے ہیں قوت روحانیہ نبوت کے خاص انداز میں ارشاد ہوتا تھا

ما انتما باقوی منی وما انا بغنی عن الاجر منکما	تم لوگ مجھ سے قوی تر نہیں ہو اور میں تمہارے اول ہو آخر کی مدد و حمایت سے بالکل مستغنی ہوں روضۃ الاحباب محدث شیرازی۔

یہ ارشاد آپ کی موت کے اوصاف مخصوصہ کا کامل اظہار کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ پیغمبر تمام قوائے جسمانی اور روحانی میں عام طبقہ انسانی سے خاص طور پر قوی تر اور اعلیٰ تر مخلوق کیا جاتا ہے۔

راحلہ کا تو یہ سامان تھا۔ اسلحات جنگ و آلات حرب و ضرب کی قلت کی یہ حالت تھی کہ سارے لشکر میں کل چھ (۶) شخصوں کے پاس زرہیں تھیں۔ باقی سب کے سب اسلحات سے بالکل ننگے تھے تین سو تیرہ (۳۱۳) آدمیوں میں سے کل آٹھ (۸) آدمیوں کے پاس تلواریں تھیں۔ باقی سب کے پاس یا نیزہ و سنان تھے یا تیر و کمان اسی مختصر سے سامان سے اور اسی مختصر سی جماعت جان نثاران سے اسلام کو کفار کے اوس عظیم الشان لشکر جرار کا مقابلہ کرنا تھا جو تعداد میں ان سے سہ گونہ تھا۔ اونکی ایک ہزار آہن پوش پہلوانوں میں سو جرار سواروں کا رسالہ ایسا تیار تھا۔ جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ طلایہ کا کام کرتا ہوا فوج کے آگے آگے چلتا تھا۔ اور معرکہ جنگ میں ساقین لشکر سے بجلی کی طرح کوندتا ہوا غنیم کے سر پر گر پڑتا اور دم کے دم میں دشمن کا کام تمام کر دیتا۔ اسلحات کی یہ کثرت تھی کہ ہر شخص دوہری دوہری زرہیں پہنے تھا۔ سروں پر ایک

خود پر دو دو خود رکھے تھا۔ جوشن۔ خفر، زرہ بکتر وغیرہ غرض جنگی لباس میں وہ کونسا لباس تھا جو اونکے پاس موجود نہ تھا یہی کیفیت آلات حرب و ضرب کی بھی تھی۔ ہر شخص ضرورت سے زائد اپنے بدن پر ہتیار لگائے تھا من بھر کے جسم پر دو دو من لوہے چڑہائے تھا۔ خوشحالی دولتمندی۔ فراغت اور اطمینان کا یہ عالم تھا کہ راستہ میں لشکر کا بڑا ور رؤسا و امرائے عرب کا عشرتکدہ سجاتا تھا۔ نو نو دس دس اونٹ روز ذبح کئے جاتے تھے اور ریشہ ریشہ ہوکر تمام فوج میں بٹ جاتے تھے اسی طرح اون کے تمام اسباب تعیش اور سامان آرام و راحت کا اندازہ کرلینا چاہیئے۔

فریقین مقابل کے ان متوازی حالات کو پڑہکر نہایت آسانی سے ہر شخص فیصلہ کریگا کہ طیاری جنگ کے اعتبار سے کبھی مسلمان کفار کے مساوی نہیں تھے۔ نہ مسلمانوں کے پاس ضرورت جنگ کے موافق اسلحات جنگ تھے نہ آلات حرب۔ نہ راحلہ ہی اتنا تھا نہ سامان مقابلہ۔ مخالف مقابل کے برابر نہ اونکی تعداد ہی تھی نہ شمار۔ نہ پیدل نہ سوار اتنی بڑی بے سامانی سے اتنے بڑے ساز و سامان کے مقابلہ پر طیار رہنے عام نگاہوں میں تو اونکی یہ جرأت بھی خودکشی دکھلائی دیگی لیکن حقیقتاً اونکی یہ ظاہری بے سروسامانی اپنے پہلو میں کامل الایمانی کی روحانی قوت رکھتی تھی جو نہ سامانوں کی افزایش سے گھٹ سکتی تھی اور نہ اسلحات و آلات حرب کی برق سے کٹ سکتی تھی۔ اور یہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ اپنی قلیل جماعت سے اتنی بڑی کثیر جماعت عظیم سے مسلمانوں کا مقابلہ نہیں تھا بلکہ استقرار علی الحق ثبات فی الایمان اور استیصال الباطل کے مسئلوں میں انکی سرفروشیوں اور جانبازیوں کی پہلی آزمایش اور اولین امتحان ثابت ہوتا ہے۔ جو مدبرین قدرت کی طرف سے آماجگاہ بدر میں لیا گیا۔ اور اس امتحان قدرت کے ہر شعبہ میں کامل ہو کر جان نثاران اسلام نے بتلادیا کہ کامیابی یا فتح و فیروزمندی تعداد افراد پر منحصر نہیں بلکہ اسکی تحصیل و تکمیل زیادہ تر استقرار و استقلال کے کمال اور خدا کی تائید و اتصال پر موقوف ہوتی ہے۔

حباب بن منذر کی مفید مشورت

جس مقام پر لشکر اسلام نے قیام کیا تھا وہ جنگ و مقابلہ کی ضرورتوں کے اعتبار سے تجربہ کاران معارک کی نگاہوں میں موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوا۔

حباب بن منذر جو بڑے بہ آزما اور معرکہائے جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے اور صحابہ اولین میں داخل تھے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اس موقع پر قیام وحی الٰہی کی ہدایت سے کیا گیا ہے یا محض تدبیر جنگ کی تجویز سے ارشاد ہوا حکم وحی سے نہیں ہے۔ حباب نے عرض کی مقابلہ کی مصلحتوں کے اعتبار سے تو مناسب یہ ہے کہ یہاں سے کچھ اور آگے بڑھکر سامنے والے چشمہ پر قبضہ کرلیا جاوے اور آس پاس کے جتنے کنوئیں ہیں سب بیکار کردیے جائیں اور وہی مقام لشکر کی قیام گاہ اور غنیم سے رزمگاہ قرار دیا جائے۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حباب بن منذر کی صلاح پر عمل فرمایا۔ بعضے مسلمانوں کو یہ موضع قیام پسند نہ آیا اور وہ کنوؤں کے بیکار کئے جانے کو بھی اچھا نہ سمجھے۔ اسلئے مصرف کے لئے صرف ایک چشمہ کے پانی کو تمام ضروریات کے لئے

ناکافی سمجھکر قیامگاہ کی زمین کی سختی اور کمی آب کا عذر کرنے لگے۔ تائید ایزدی نے اون کی رفع شکایت کے سامان مہیا کردیے رات آئی تو کثرت سے مینہ برسنے لگا اور خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام رات برساکیا تمام ریگ جسمین گھٹنے دہس جاتے تھے یک لخت جمکر تمام زمین ہموار اور سخت ہوگئی مسلمانون نے کثرت سے جابجا مینہ کا پانی روک کر متعدد حوض بنائے اور بہایت اطمینان و آسانی سے وضو و غسل کی ضروریات عمل مین لانے لگے۔ خدائے مسبب الاسباب نے اونکے ان اسباب فراغت و اطمینان کے نزول کی خبر اپنے ان الفاظ مین دی ہے۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ	مسلمانو یاد کرو جب خدانے تمہارے لئے آسمان سے مینہ برسایا کہ تم اس سے طہارت کرو
طبری ۹ ۱۳ روضۃ الاحباب محدث شیرازی ص ۲۲۷	

سقایان قریش کی گرفتاری

حباب بن منذر کی تجویز انسانی تدبیر ربّانی کے مطابق نکلی۔ اور فی الحقیقت لشکر اسلام کو آرام و اطمینان کے علاوہ غنیم سے مقابلہ و مقاتلہ کی نسبت بھی ذریعہ فتح و کامرانی ثابت ہوئی۔ جیساکہ سلسلہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ منزل اول سے غنیم کی سُراغ رسانی کے لئے جو مخبر بھیجے گئے تھے اونھون نے قریش کے وادی کے اوس پار تک آجانے کی اطلاع پہونچائی تھی لیکن اونکا کوئی آدمی اسوقت تک کہین دکھلائی نہین دیا تھا جس سے اونکی جمعیت سامان و طیاری کی تفصیلی کیفیت معلوم ہوتی۔

اس ضرورت سے جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ ع زبیر بن العوام اور سعد بن ابیوقاص کو رات کے وقت حکم دیا کہ اودہر اودہر جاکر غنیم کا صحیح پتا لگائین حکم رسول اللہ پاکر یہ تینون حضرات حسن اتفاق سے چشمۂ بدر پر عین اوسوقت پہونچے جب لشکر قریش کے سقے پانی لے رہے تھے۔ ان لوگون کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب بھاگے لیکن ان مین دو شخص گرفتار ہوگئے ایک کا نام اسلم تھا دوسرے کا عریض ابو یسار بنی الحجاج کا غلام تھا۔ دوسرا بنی عباس کا۔ یہ لوگ ان دونون غلامون کو گرفتار کرکے خدمت رسول اللہ صلعم مین لے آئے آپ نماز مین مصروف تھے۔ ان لوگون نے اُن دونون سے نام و نشان پوچھنا شروع کیا۔ اون دونون نے اپنے صحیح نام بتلائے اور کہا کہ ہم قریش کے غلام ہین چشمۂ بدر سے پانی لینے آئے تھے ان لوگون نے (بنابر تصدیق) کہا نہین تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم قریش کے آدمی نہین ہو بلکہ ابوسفیان کے کاروان والے ہو۔ یہ کہکر اونھین مارنے لگے۔ دونون نے مار کے خوف سے کہدیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہین۔ اس اثنا مین جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور ان حضرات سے مخاطب ہوکر کہا عجب بات ہے۔ جب سچ کہتے ہین تو تم لوگ اونھین تنبیہ کرتے ہو۔ اور جب جھوٹ کہتے ہین تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ حقیقتاً قریش کے غلام ہین اور پانی لینے آئے تھے۔ پھر بالنفس النفیس اون سے مخاطب ہوکر استفسار حال فرمایا اونھون نے عرض کی ہم قریش کے غلام ہین کوئین سے پانی لینے آئے تھے کہ آپ کے اصحاب نے گرفتار کرلیا۔ پوچھا گیا قریش کہان ہین۔ اونھون نے جواب دیا کہ اس ٹیلہ کے اوس طرف استفسار ہوا تعداد مین کتنے ہین وہ بولے صحیح تعداد تو

ہم تلا نہیں سکتے لیکن اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اونکی جمعیت کے کھانے کے لیے ایک دن نو اونٹ اور دوسرے دن دس اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں یہ سنکر ارشاد ہوا کہ قریش کی جمعیت نو سو اور ایک ہزار آدمیوں کے درمیان ہے۔ پھر اون سے پوچھا گیا کہ اشراف قریش میں سے کون کون لوگ لشکر کے ہمراہ آئے ہیں۔ اونھون نے جواب میں کہا۔ عتبہ[1]۔ شیبہ[2] ربیعہ کے بیٹے ابو البختری[3]۔ حکیم بن حزام[4]۔ حارث بن عامر[5]۔ طعیمہ بن عدی[6]۔ نضر بن الحارث[7]۔ زمعہ بن الاسود[8]۔ ابو جہل[9] امیہ بن خلف[10]۔ نبیہ[11] اور منبہ[12]۔ حجاج کے بیٹے سہیل بن عمرو[13] اور عمرو بن عبدود[14] یہ سنکر آپ نے اصحاب کی طرف خطاب کر کے ارشاد کیا۔

ھذہ مکۃ قد القت الیکم افلاذ کبدھا کہ لے تم لوگون کی طرف اپنے پارہائے جگر کو بھیجدیا ہے۔ طبری ۱۳۲۴

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قریش کے متعدد پانی بھرنے والون میں صرف یہی دو آدمی گرفتار کئے گئے تھے جو خدمت رسول میں حاضر کئے گئے۔ باقی بھاگ گئے تھے۔ انھیں بھاگنے والون میں ایک شخص عجیر نامی تھا اس نے جاکر قریش سے اپنے ہمراہیون کی گرفتاری کا سارا واقعہ کہدیا۔ قریش مسلمانون کی طرف سے ایک تو یونہیں جلے ہوئے تھے یہ خبر سنکر غصہ کی آگ میں اور جل بھن گئے۔ لیکن وقوعہ کو بہت عرصہ ہو چکا تھا مسلمان اسیرون کو اپنی لشکرگاہ میں لیجا چکے تھے۔ اور دریافت حال کر چکے تھے رات کا وقت تھا۔ انھیں وجوہ سے قریش نے مسلمانون سے کسی فوری معاوضہ یا محاربہ کا خیال نہ کیا۔ اور خموش رہ گئے۔

یہ امر بھی یہان لکھکر بیان کر دینا نہایت ضروری ہے کہ اگرچہ چشمہ بدر پر مسلمانون کا قبضہ ہو گیا تھا اور ان لوگون نے جابجا سے چشمہ کا پانی روک کر اپنے مصرف کے لئے چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیئے تھے تاہم اوس رحمت عالم نے خدا کے اس فیض روان کو منکران خدا کے لئے بھی نہ روکا اور دشمنون کو بھی دوستون کی طرح اس سے فیضیاب و سیراب ہونے کی اجازت دیدی۔

افسوس ہے جنگ بدر میں بمقابلہ کفار رسول اللہ صلعم کی یہ تعلیم تھی لیکن آج سے ساٹھ برس بعد جنگ کربلا میں مسلمانون نے بمقابلہ آل اطہار اس تعلیم کی کیا تعمیل کی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

کفار قریش کی دستی کا منحہ ۔ حکیم بن حزام جو رؤسائے قریش میں تھے مسلمانون کے حوض کے پاس آئے بعض صحابہ نے روکنا چاہا۔ آنحضرت صلعم نے روکنے والون کو فوراً منع کیا۔ اور حکیم پانی لے کر چلے گئے۔ کسی کی حوس نہیں اور بدنیتی چھپ نہین سکتی حکیم بن حزام[1] کی نیت میں بدی نہیں تھی۔ وہ مسلمانون کی انسانیت ہمدردی اور عام مروت و رعایت کا امتحان لینے آئے تھے۔ اور امتحان لے کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد انھین کے جانب سے ایک بدنیت۔ شریر الخلقت اسود بن الاسود مخزومی نامی حوض پر آیا یہ شخص اپنی جمعیت سے کہکر آیا تھا کہ میں جاکر مسلمانون کے حوض سے پانی بھی لاتا ہون اور خراب بھی کر آتا ہون

حوض پر آ کر اس نے پانی لیا مسلمان دیکھتے تھے کچھ نہ بولے۔ اب اس شریر الطبع نے پانی پیکر اپنے پیرون سے حوض کی مینڈ کو جو چارون طرف پانی جمع رہنے کی لئے بنائی گئی تھی توڑنا شروع کر دیا۔ اس لئے کہ پانی سب بہہ جائے اور مسلمانون کو تکلیف ہو۔

حضرت حمزہؓ اسکی شرارت کو دیکھ رہے تھے تلوار لے کر دوڑے وہ اوٹھے اونھین پر تلوار کھینچکر قتل پر آمادہ ہو گیا حضرت حمزہؓ کو اوسکا مداہنانہ جواب ضروری ہو گیا اوس نے تلوار سے اس کے سر پر وار کیا۔ لیکن اوسکی تلوار سے پہلے انھین کی تلوار۔ اسود کی ٹانگ کاٹ گئی اور وہ حوض کے کنارے گر پڑا۔ حضرت حمزہؓ اوسے وہین چھوڑکر واپس آئے۔ اب اس شریر نے اپنا قول پورا کرنے کے لئے قصد کیا کہ حوض مین گر کر اپنے خون سے تمام پانی کو خراب اور ناقابل استعمال کر دے۔ حضرت حمزہؓ اپنے مقام سے اس شریر کے قصد و مدعا کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ وہ حوض مین گھسکتے گھسکتے اپنے اس ارادے سے حوض کے قریب ہو چکا۔ یہ اوس کے سر پر تھے اور اونکے ایک ہاتھ مین یہ دو ٹکڑے تھا۔ (ابن ہشام جلد دوم مطبوعہ مصر ص ۱۷)

یہ واقعہ خوش نیتی اور بدنیتی کے خوشگوار و ناگوار نتیجون کا سچا مرقع ہے۔

میدان بدر میں لشکر اسلام کی صف بندی

سولھوین رمضان کی رات لشکر اسلام نے میدان جنگ مین کاٹی۔ جناب رسولخدا صلعم نے رات بھر پلک سے پلک نہ لگائی۔ تمام رات عبادت گذاری اور دعا و زاری مین بسر کر دی صبح کا سپیدا دیکھکر مصلے سے اوٹھے مسلمانون کو نماز کے لئے اوٹھایا صبح کی نماز پڑھا کر جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب و عقاب پر ایک پر اثر تقریر فرمائی اور نعمات الٰہی کی بشارتین دیکر مجاہدین اسلام کو پر جوش اور تازہ دم بنایا اور صف بندی کا حکم فرمایا۔

حکم رسولؐ پاتے ہی دم کے دم مین جان نثارون کی جماعت میدان کارزار میں سر فروشی کو طیار تھی۔ ترتیب فوج اور درستی صفوف کی طرف آپ بالنفس النفیس متوجہ ہوئے۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا اوسی کے اشارے سے اس سلیقہ اور قرینہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی صفین درست فرماتے تھے کہ ہر صف کے خط مستقیم سے ایک شخص کا قدم آگے یا پیچھے بڑھنے نہین پاتا تھا۔ ہر شخص کو صف سے آگے یا پیچھے ہو جانیکی سخت ممانعت تھی شور و غل غوغا و ہنگامہ کا عام طور سے لڑائیون مین دستور ہو تا ہے آپ نے جان نثاران اسلام کو اس سے قطعی طور پر ممنوع فرمادیا۔ اور بخلاف اسکے مبارزین اسلامی کو غنیم کے مقابلے میں بالکل خموشی اور سراپا سکوت سے کام لینے کی سخت تاکید و تہدید فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ شور و ہنگامے سے مقابلہ کے وقت اضطراب بڑھ جاتا ہے اور اطمینان قلب اور تجمیع حواس مین فرق آتا ہے۔ اور مقابلہ و مقاتلہ کے وقت اطمینان دل اور ثبات و ہوش و حواس مردان برد کے لئے لازمی ہے۔ غنیم سے مقابلہ یا حریف مقابل سے مقاتلہ میں سبقت کرنے یا دشمن پر پہلے ہاتھ اوٹھانے کی

بڑی سختی کے ساتھ ہر مجاہد کو فرداً فرداً منع فرما دیا گیا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں اور اخلاق و تہذیب انسانی کے موافق مبارزین اسلام کو آداب جنگ بتلائے کل مہاجرین و انصار کی موجودہ جمعیت کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ مہاجرین کا دستہ انصار سے علیحدہ قائم کیا اور مصعب ابن عمیر کو۔ اور بروایتے حضرت علی مرتضیٰ ع کو علمبردار بنایا[۱] انصار میں قبیلہ اوس و خزرج کے جدا جدا دستہ مرتب فرمائے۔ اوس کے دستہ کا علمبردار خباب بن منذر کو اور خزرج کے دستہ کا سعد بن معاذ کو علمدار مقرر فرمایا۔

دن نکلتے نکلتے قریش بھی پہاڑ کے اس پار آگئے مسلمانوں کی جانباز جماعت ان سے قبل اونکے انتظار میں طیار تھی۔ قریش غرور و نخوت میں ایسے مدہوش تھے کہ لشکر اسلامی کی نسبت ابھی اونھیں کسی قسم کی خبر و اطلاع نہیں تھی۔ عمیر ابن وہب جمحی ایک بہیر تیلا اور جوان قریش گھوڑے پر سوار ہو کر بڑی تیزی سے مسلمانوں کی صفوں کے قریب آیا اور گھوڑے کو ادہر سے ادوہر تک دوڑاتا ہوا پھر اپنے لشکر سے جا ملا اور سرداران قریش سے لشکر اسلام کی حالت ان الفاظ میں بیان کی۔

قد رایت البلایا و تحمل المنایا نواضح یثرب تحمل الموت الناقع قوم لیس منعة ولا ملجا الا سیوفهم و الله ما اری ان یقتل رجل منهم حتی یقتل رجل منکم فاذا اصابوا منکم اعداد هم فما خیر العیش بعد ذلك

میں اونکی جماعت کو دیکھ آیا۔ ان کے پاس مدینہ کے لدے اونٹ ہیں جو موت کا سم قاتل لدا ہے اونکے پاس سوائے اونکی تلواروں کے اور کوئی بھی اونکی جانوں کا محافظ و نگہبان نہیں ہے خدا کی قسم (جرأت و ہمت کے اعتبار سے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم اونکا ایک آدمی قتل کرو گے تو وہ بھی ضرور تمہارا آدمی قتل کرینگے لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرابت و یکجہتی کے لحاظ سے اگر تم ادھر وہ ادھر کٹ کٹ بھی مرے۔ تو پس ماندگان کو تمام عمر لطف زندگی نہیں ملے گا ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۸

عمیر ابن وہب جمحی نے لشکر اسلام کی حسب حقیقت اپنے لشکر والوں سے بیان کی صحیح اور فی الواقع تھی یہ ظاہر ہے کہ آدمیوں میں ہر قسم کی طبیعت و خیال کے لوگ ہوتے ہیں صلح پسند و جنگجو۔ تیز طبیعت و نرم مزاج۔ نیک طینت و بد نفس وغیرہ ذالک۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ کفار کی اتنی بڑی جمعیت ترکیب مزاج کے ان مخالف عناصر سے خالی ہوتی۔ ابھی ابھی نیک نیتی اور بدنیتی کے واقعہ میں جس نیک نیت قریش کی مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں وہی صاف دل۔ نرم مزاج۔ رئیس مکہ حکیم بن حزام۔ عمیر ابن وہب کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اس مقابلہ و مقاتلہ کی حقیقت کو کما حقہ سمجھکر اپنی نیک نیتی اور انصاف پسندی کے ارادے سے جانبین میں مصالحت کرا دینے پر آمادہ ہوا۔ یہ خیال کر کے سب سے پہلے حکیم بن حزام۔ عتبہ بن ربیعہ کے پاس جو تمام جمعیت قریش کا سید و سردار تھا آیا اور کہنے لگا۔ عتبہ اگر تم چاہو گے تو آج سے

[۱] حضرت علی کی علمداری باسناد تاریخ کامل ابن اثیر اور مناقب ابن احمد ارجح المطالب لاہور صفحہ ۵۵۳

بلکہ ہمیشہ تک کی نیک نامی آن واحد مین تمہین دستیاب ہو جائیگی اور وہ ایسی لازوال ہو گی کہ آیندہ کئی پشتون تک تمہاری یادگار رہجائیگی۔ عتبہ بھی حکیم کے ایسا صلح پسند اور نرم مزاج تھا کہنے لگا تم بتلاؤ اور ضرور بتلاؤ۔ حکیم بولے طرفین سے جس قدر کشت و خون ہو چکا ہے اوسکی حقیقت تمہین خوب معلوم ہے۔ باپ بیٹے کا بھائی بھائی کا سر کاٹنے پر طیار ہے یہی دیکھ رہے ہو کہ اتنے بڑے عظیم فتنہ و فساد کا اصلی سبب وہی حضرمی کا خون ہے اور وہ حسن اتفاق سے تمہارا ہی حلیف ہے۔ ایسی صورت مین ایک دوسرے کی گردن کاٹنے سے بچنے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ تم اپنے حلیف حضرمی کا خون بہا اپنی طرف سے دیدو قصہ ختم ہے۔

عتبہ تھا نیک دل اور صاف مزاج حکیم کی بات بھی تھی عدالت اور دیانت سے لگتی ہوئی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد عتبہ فوراً راضی ہو گیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ابوجہل کی مشورۃ و رضامندی بغیر یہ انتظام ناممکن تھا اس لئے عتبہ نے حکیم کو ابوجہل کے پاس اپنی طرف سے بھیجا اور اپنی رائے کہلا بھیجی۔ وہ شخص کا دشمن اتفاق و صلح کا برہمزن ایسا کیا تھا کہ نفاق و فساد کے سوا کبھی صلح و اتحاد کی تجویزون کی تائید کرتا۔ حکیم سے عتبہ کا پیام سنتے ہی چراغ پا ہو گیا۔ اور عتبہ پر جبن و بزدلی کے الزام لگانے لگا۔ اور سوء اتفاق سے اوسکو عتبہ بن ربیعہ کے بدنام کرنے کے لئے یہ شوشہ بھی ہاتھ لگ گیا کہ اسکے بیٹے ابوحذیفہ پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے اور مہاجرین اولین کے ہمراہ مدینہ مین آکر ساکن ہو چکے تھے اور اسوقت بھی لشکر اسلامی مین جانفروشی کیلئے سر بکف سامنے استادہ تھے اس بناپر وہ صاف صاف لفظون مین کہنے لگا کہ عتبہ کی یہ ساری بزدلانہ ترکیبین بیٹے کے جان بچا لینے کے لئے ہین۔ حکیم اوسکی بیہودہ گویانہ کلمات سنکر اوس کے پاس سے فوراً واپس آئے اتنے ہی عرصہ مین یہ خبر جمعیت قریش مین پھیل گئی کہ جو نیک نیت اور انصاف پسند تھے وہ عتبہ کی تجویز سے موافق اور ابوجہل کے انکار سے مخالف نکلے۔ اسی بناپر بنو زہرہ اور اون کا حلیف قبیلہ دونون لشکر قریش کا ساتھ چھوڑ کر اپنے موطن و مسکن کی طرف واپس چلے گئے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۷۔ طبری ص ۱۳۰۰۔

حکیم کے واپس جانے کے بعد ابوجہل نے سوچا کہ شاید عتبہ کی تجویز کا اثر لشکر والون پر زیادہ پھیلے اور وہ مسلمانون سے لڑنے مین پہلو تہی کرین تو پھر استیصال اسلام اور مسلمانون کا قتل عام کا ارمان دل کا دل ہی مین رہ جائیگا یہ سوچکر اوسنے فوراً عمرو بن عبداللہ حضرمی کے بھائی عامر کو بلایا اور اوس سے کہنے لگا۔ لو سنو! تمہارے خاص حلیف عتبہ صاحب تمہارے بھائی کے قاتلون سے بجائے اسکے کہ انتقام لین تمکو اوس کا خون بہا مسلمانون سے بھی تمہین اپنی طرف سے ادا کرکے مسلمانون کو جو تمہارے بھائی کے یقینی قاتل ہین بالکل پاک و صاف چھوڑ دینے والے ہین مناسب یہ ہے کہ تم فوراً ساری قوم کے سامنے ایسا استغاثہ جسکو محاورہ عرب مین طلب ثارات کہتے ہین پیش کرو۔ عامر نے طلب ثار کے مروجہ دستور کے مطابق اپنا جیب و گریبان چاک کیا۔ عمامہ سر سے اوتار ڈالا اور میدان مین نکل کر تمام مجمع کے سامنے۔ واعمراہ۔ واعمراہ۔ واخاہ۔ واخاہ کا غل مچایا۔ آواز کے سنتے ہی تمام قریش اوسکی حمایت پر

مستعد ہو گئے۔

اس اثنا میں حکیم بن حزام بھی لوٹ کر عتبہ کے پاس پہونچے اور ابوجہل کا مفسدانہ جواب اوس سے کہدیا عتبہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ معرکہ کارزار گرم ہونے دو۔ ثابت ہوجائیگا شجاعت و دلاوری کا تمغا کون پاتا ہے اور نکبت و بدنامی کا ٹیکا کس کے سر لگتا ہے۔

لشکر قریش کے حالات یہان تک لکھکر اب ہم لشکر اسلام کے واقعات کی طرف رجوع کرتے ہین۔

میدان جنگ مین عریشہ رسولؐ کی طیاری

آغاز جنگ سے پہلے سعد بن معاذ نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمارا جان نثارانہ خلوص اس امر کو گوارا نہین کرتا کہ آپ کھلے میدان کی اس تیز دھوپ مین معمولی سپاہیون کے ساتھ معرکہ قتال مین کھڑے رہین ہم آپ کے لئے فوراً ایک سائبان یا چھپر (عریشہ) تیار کئے دیتے ہین آپ اوسی کے سایہ مین تشریف رکھکر سرفروشان لشکر کی جان نثاریان ملاحظہ فرمائین۔ اگر خدا نے ہمین فتحیاب کیا تو کوئی بات نہین اور اگر خدانخواستہ نتیجہ خلاف ہوا تو آپ مخالفین کے ہاتھون سے محفوظ رہکر فوراً مدینہ پہونچ جائینگے اور باقی ماندہ مسلمانون سے مل جائینگے جو خلوص و عقیدت مین ہم سے ہرگز کم نہین ہین۔ وہ مدینہ مین صرف اس خیال سے پیچھے رہ گئے ہین کہ انکو اس جنگ کا حقیقتاً یقین ہی نہ تھا۔ اگر اونکو اس امر کا یقین ہوتا کہ آپ جنگ کرینگے تو وہ بھی اُسی وقت سے سربکف ہمراہ رکاب ہوتے۔

جناب رسول خدا صلعم نے سعد بن معاذ کی یہ عقیدت مندانہ تقریر سنکر اونکو دعائے خیر دی اور عریشہ کی تیاری کا حکم دیا۔ دم کے دم مین کھجور کی شاخون اور پتون سے عریشہ طیار کر دیا گیا اور سعد بن معاذ اپنے چند اعوان و انصار کے ساتھ عریشہ رسول صلعم کی حراست و پہرہ داری کی غرض خاص سے ننگی تلوارین لے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ طبری ۱۳۱۵۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۵

عامر حضرمی کی صدائے استغاثہ نے اپنے لشکر قریش کو بھڑکا کر مقابلہ پر فوراً آمادہ کر دیا۔ میدان جنگ مین پہونچکر وہ اپنی صفین درست کرنے لگے۔ اور تھوڑی دیر مین بدر کا میدان قریشیون کا جنگل ہو گیا۔ خدا کے انتظام کی کس کو خبر۔ کثرت سے پانی برس جانے کی وجہ سے۔ میدان کارزار مین جدھر قریش کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کسیقدر نشیب ہونیکی وجہ سے وہ قطعہ زمین بالکل کیچڑ ہو گیا تھا اور دلدل کی صورت ہو رہا تھا جس مین سوارون کے علاوہ پیدل سپاہیون کو بھی پاؤن جمانا مشکل ہو رہا تھا۔ گھوڑے تو خیر۔ اونٹون کی تو جانون پر آبنی تھی۔ جو قدرت کی طرف سے خاص ریگستان کے لئے پیدا کئے گئے ہین یہ کیچڑ۔ دلدل اور پانی کے سیلاب کے لئے۔

قریش کے تجربہ کار اور نبرد آزما سرداران لشکر نے رزمگاہ کی اس نامناسبت کو سمجھا لیکن اب تو خنجر و گلو کا وقت آگیا تھا۔ مہلت کہان تھی۔ جو تبدیل مقام کی تدبیر کی جاتی۔ ایک تو وجہ یہ تھی جسکی وجہ سے قریش اسکی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی کثیر التعداد جمعیت کی بنا پر اپنی کامیابی کے اسدرجہ متیقن تھے کہ وہ ان اقسام کی چھوٹی چھوٹی دشواریون کو کچھ خیال مین نہ لائے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ لشکر اسلام میں تین علمدار تھے قریش نے بھی تین ہی علمدار مقرر کئے ایک طلحہ بن ابی طلحہ۔ دوسرا ابو عزیز بن عمیر تیسرا نضر بن الحارث۔ اس فوری ترتیب کے بعد وہ مقابلہ و مقاتلہ کے لئے پورے طیار ہو گئے۔

لشکر اسلام میں چونکہ سبقت کرنے کی سخت ممانعت تھی اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالنفس النفیس یہ حکم عام دے چکے تھے کہ میرے حکم بغیر کوئی مسلمان دشمن پر ہاتھ نہ اوٹھائے اس بنا پر مسلمانوں کی صفیں دیواروں کی طرح میدان کارزار میں پاؤں جمائے خموش کھڑی تھیں۔ قریش آج سے کیا مہینوں سے لڑائی کے لئے بیچین ہو رہے تھے میدان کارزار کا منظر اسوقت قابل دید تھا۔ مقابل فوجوں کی کثرت وقلت کے اعتبار سے نہیں یا حسن و نقص ترتیب وآرایش فوج کی نظر سے نہیں بلکہ حق و باطل اور کفر و اسلام کے نقطہ نظر سے ایک طرف ایک خدا کے نام پر کل تین سو تیرہ جانیں قربان ہونے کے لئے سر بکف استادہ ہیں دوسری طرف لاتعداد بتوں کے لئے ایک ہزار جانیں بھینٹ چڑھنے کے واسطے طیار ہیں مصور قدرت نے اس منظر کی بولتی ہوئی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ	جو لوگ لڑے اس میں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا۔ اور دوسرا خدا کا منکر تھا۔

درمیان دلوں کے دہلا دینے کے لئے یہ منظر کافی تھا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کسی طریقہ سے بندگان خدا کے خون سے اپنے دست مبارک کو آلودہ کرنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس خونیں منظر سے بیحد متاثر ہو رہے تھے خصوصاً جانثاران اسلام کی قلت اور لشکران خدا کی کثرت مشاہدہ فرما کر آپ بیحد بیتاب ہو جاتے تھے بار بار دست دعا خالق ارض وسما کی طرف اوٹھاتے تھے اور نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ فرماتے تھے رب انجز وعدہ وانصر عبدہ۔ پروردگار اپنا وعدہ پورا کر اور اپنے بندے کی نصرت فرما۔ اس عالم خاص کی محویت ایسی ہوتی تھی کہ ردائے مبارک دوش اقدس سے اوتر کر زمین پر گر پڑتی تھی اور آپ کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔ دعا والتجا سے فارغ ہوتے تھے تو سجدہ کرنے لگتے تھے اور سجدے سے اوٹھتے تھے تو پھر ان الفاظ میں دعا فرمانے لگتے تھے۔

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لاتعبد فی الارض ابدا۔	اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج ہلاک ہو گئے تو پھر روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔

صحابہ حاضرین جن میں تسلی صاحب حضرت ابو بکر کا نام خصوصیت کے ساتھ بتلاتے ہیں آپ کی برابر اور متواتر تسکین فرماتے تھے لیکن آپ کو تا وقتیکہ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ	فوج کو شکست دی جائیگی اور وہ اپنی پشت پھیر دینگے۔

کی بشارت نہ آئی چین نہ آیا۔

اس بشارت کے پاتے ہی آپ قلب مطمئن کے ساتھ میدان گیرودار میں تشریف لائے اور جانبازان اسلام کو

ان الفاظ میں حکم جہاد دیا۔

جب تک قریش تم سے بالکل قریب اگر تم پر حملہ نہ کریں تم اون پر ہاتھ نہ اوٹھانا اور اگر وہ تم سے قریب نہ آئیں اور صرف دور سے تیر برسائیں تو تم بھی اونکو اپنے تیروں سے جواب دینا لیکن ٹھیر ٹھیر کے تیر چلانا۔ اس لئے کہ ایکبارہی تمہارے ترکش تیر سے خالی نہ ہو جائیں۔

خونخواران قریش میں اتنی احتیاط اور اتنے توقف و تحمل کی تاب کہاں تھی مسلمانوں کی مرتب اور مسلسل فوج کو دیکھتے ہی اونکی آنکھوں میں خون اوتر آیا غیظ و غضب سے تمام جسم کا خون اونٹنے لگا ایک دم کے لئے بھی جنگ میں ٹھیرنا یا توقف کرنا اونکی مردانگی کے خلاف شان تھا۔

سب سے پہلے قریش نے عامر حضرمی کو جس کا بھائی عبداللہ سریہ عبداللہ بن جحش میں مارا گیا تھا مسلمانوں کی فوج پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا وہ غیظ و غضب میں آمد ہی تھا ہوا آیا اور تلوار نکال کر مسلمانوں پر حملہ کرنے لگا عامر کا سب سے پہلے بھائی کے قصاص میں لشکر اسلام پر حملہ آور ہونا اس امر کے ثبوت کامل ہونے کیلئے تنہا کافی ہے کہ جنگ بدر صرف عبداللہ حضرمی کے خون کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ کاروان کی غارتگری وغیرہ کے داستانیں جو اسکے اسباب میں بتلائی جاتی ہیں وہ سب غلط اور بے اصل ہیں۔

شبلی صاحب بخلاف مرویات تاریخ و سیر و احادیث کی جزئیات کی بنا پر لکھتے ہیں کہ مہجع جو حضرت عمرؓ کے خاندان کا قدیم غلام تھا عامر کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔[1]

عتبہ بن ربیعہ ابوجہل کے طعنوں سے دل افگار ہو رہا تھا۔ جوش شجاعت میں اپنے بھائی اور بیٹے کو ہمراہ لے کر میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ معرکہ آرائیوں اور نام و نمود کے موقعوں پر سرداران قبیلہ اور ممتاز قوم ایک خاص امتیازی نشان لگا کر جاتے تھے اسی کے مطابق عتبہ بن ربیعہ نے امتیاز خاص کے لحاظ سے اپنی زرہ میں آگے کی طرف شتر مرغ کا پر لگا لیا تھا۔ میدان جنگ میں آتے ہی مقابل سے اپنا مبارز طلب کرنے لگا مسلمانوں کے لشکر سے تین جوانان انصار عوذ و معوذ پسران حارث اور عبداللہ بن رواحہ اونکے مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے عرب کے خاص دستور کے موافق ان سے نام و نسب پوچھا انھوں نے اپنے نام بتلائے اور کہا کہ ہم انصاران مدینہ ہیں عتبہ نے صاف لفظوں میں کہدیا ہمکو تمہاری ضرورت نہیں تم واپس جاؤ تم ہمارے کفو نہیں ہم اپنے کفو سے لڑتے ہیں۔

---

[1] ابن ہشام طبری۔ روضۃ الاحباب تاریخ و سیر کی کوئی کتاب عامر سے مہجع کے مقابلہ کی کیفیت نہیں لکھتی۔ زرقانی کے ص ۵۲۵ میں ابن اسحاق وابن سعد جو آگے عامر کے مقابلہ اور مہجع کے قتل کو لکھا ہے شبلی صاحب کے چونکہ مفید مطلب تھا اور حضرت عمر کی نوعی تعلق خصوصیت پائی جاتی تھی۔ اس لئے آپ نے بلا تحقیق اسی کو اپنا مختار قرار دیلیا۔ حالانکہ آپ سے پہلے کتنے قدیم مورخین و مولف سیرت کی اسپر نگاہیں پڑی ہونگی لیکن کسی نے اسکو قابل نقل و اندراج نہ سمجھا کیوں؟ اسلئے کہ اسکے سمجھنے میں راویوں کو غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مہجع بالاتفاق حمو ایل[illegible]

یہ عرب کی خاص شجاعانہ شان شرافت اور امتیاز انہ شعار تجارت ہیں۔ انصار واپس چلے گئے عتبہ نے رو اتہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر مدا و بکر مخاطب کیا کہ ہمارے مقابلہ کو ہمارے کفو والے بھیجے جائیں۔ آپ کے قلب مبارک پر عتبہ کے اس احتجاج ہمقومیت کا پورا اثر ہوا اور آپ نے بھی شجاعت ہاشمی کے اقتدار و شعار خاص سے جیسا طبری و ابن ہشام کے خاص الفاظ بتلا رہے ہیں فوراً پکارا۔

قم یا حمزۃ بن عبد المطلب۔ قم یا عبیدۃ بن الحارث بن عبد المطلب۔ قم یا علی بن ابی طالب فلما قاموا ودنوا منھم قالوا من انتم قال عبیدۃ عبیدۃ قال حمزۃ حمزۃ قال علی علی۔ قالوا نعم اکفاء کرام طبری [۱۳۱۷]

حمزہ بن عبد المطلب۔ اوٹھو عبیدہ بن حارث بن عبد مطلب اوٹھو علی ابن ابی طالب اوٹھو۔ یہ حضرات حسب حکم بکر حریف کے پاس پہونچے تو عتبہ نے نام پوچھے۔ عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں۔ حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں علی نے کہا میں علی ہوں۔ عتبہ نے کہا کہ ہاں تم لوگ البتہ ہمارے بزرگان کفو ہو

بخلاف شبلی صاحب تمام سیرت و تاریخ کے مولفین اور محدثین نے انھیں حضرات کے مقابلہ سے جنگ بدر کی تفصیل بیان کو آغاز کیا ہے لیکن شبلی صاحب نے بعض جزئیات حدیث پر اعتبار کرکے مہجع غلام حضرت عمرؓ اور عامر کے مقابلہ سے بدر کے سلسلۂ بیان کو شروع فرمایا ہے جسکی حقیقت کا انکشاف عبارت حاشیہ میں مندرج ہے۔

جناب رسولخدا صلعم نے قریشیوں میں بنی ہاشم کی خصوصیت اسوجہ سے کی کہ مہاجرین قریش کے دل میں یہ موذی خیال و احتمال نہ پیدا ہو کہ رسول خدا بنی ہاشم کی جانوں کو پہلے خطرے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے اور نکو بچا کر عتبہ کے سوال پر قریش مہاجرین سے مقابل بھیجتے ہیں۔ اس بنا پر آپ نے اصول عدالت و مساوات کی رو سے پہلے اپنے اعزہ و اقارب کو سرفروشی کے لئے میدان جنگ میں بھیج دیا کہ کسی کے دل میں جو وغرضی اور عزیزوں کی دردمندی کا شبہ ہو اور اونکے ثبات ایمان اور شوکت اسلام کا باعث ہو۔ زرقانی ۲ ۵ جلد ۱

ایک دوسری وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے سخت و شدید خدمات میں سبقت جب تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ میں بدر کے دن شہید اول مہجع اس شہید اول کی بنا پر اسکے مبارز اول ہونیکی غلط فہمی واقع ہوئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شہید اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مبارز اول بھی ہو جیسا کہ فی الواقع ہے۔ مبارزان اول بالاتفاق جمہور یہی حضرات بنی ہاشم ہیں۔ انمیں کوئی مارا نہیں گیا یہ مارکر لوٹ آئے حکم تیر اندازی میں جو اونکے بعد دیا گیا مہجع کا قصہ تمام تاریخوں میں درج ہے۔ یہ غریب تیر اندازی کرتا تھا ایک تیر لگا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ اوسوقت مسلمانوں کی طرف کوئی قتل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ شہید اول تھا۔ شہید اول ہو پیسے مبارز اول نہیں تھے اسیوجہ سے کسی مورخ نے اسکے مقابلہ و مقاتلہ کا ذکر نہیں کیا ابو اسحاق وغیرہ اور اونکے راویوں کو شہید اول ہونے کی بنا پر مبارز اول ہونیکی ہی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مورخین حقیقت حال سمجھکر آجتک اپنی تالیفات سے مرفوع القلم کرتے آئے لیکن شبلی صاحب کو اسے اپنا مختار بنانیکی بعض مخصوص ضرورتوں کی وجہ سے مجبوری ہوئی جسکو ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں۔ یہ واقعہ قریش کے دستور قدیم سے بھی خلاف ہے جیسا کہ ابھی عتبہ نے انصار کو بوجہ غیر جنسیت کے واپس کر دیا پھر کیونکر یقین کیا جائے کہ عامر حضرمی نے مہجع سے جو اسلامی غلام اور نسل قریش سے نہیں تھے کیونکر مقابلہ ہونا قبول کر لیا ہوگا۔ المولف عفی عنہ۔

خود اپنی یا اپنے والوں کی طرف سے نہین دکھلائی جاتی دوسروں کی ہمت کے قدم اوٹھنے دشوار معلوم ہوتے تھے۔ بنی ہاشم کو اول مقابل پاکر ہر شخص کے کلیجے بڑھ گئے۔ اور ہمتین دونی ہوگئین اور اونھون نے سمجھ لیا کہ فرائض جہاد ایسے واجب التعمیل ہین کہ جناب رسول اللہ صلعم اونکی انجام دہی کے لئے سب سے پہلے اپنے ہی اعزہ و اقارب کو پیش کرتے ہین۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ شجاعان ہاشمی اپنے مقابل عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نام و نسب بتلا چکے تو جانبین سے یون مقابلہ شروع ہوا کہ عتبہ حضرت حمزہؓ سے مقابل ہوا شیبہ عبیدہ سے اور ولید ابن عتبہ حضرت علی مرتضیٰؑ سے مقابل ہوا۔ جانبین سے تلوارین کھنچ گئیں عتبہ کو حضرت حمزہؓ نے مار گرایا اور ولید حضرت علی کی تلوار سے دم کے دم مین سیدم ہوا لیکن شیبہ نے تیز دستی کرکے عبیدہ کے پاؤن پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے اونکے گرتے ہی حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؑ نے موقع پر پہونچکر شیبہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور مجروح عبیدہ کو اپنے کاندھوں پر اوٹھا کر خدمت رسول مین لائے۔

مجروح عبیدہ۔ اور موت شہادت

عبیدہ کا زخم کاری تھا اور کثرت سے خون جاری عبیدہ نے حاضر خدمت ہوتے ہی نہ زخم کی کیفیت اور نہ درد و تکلیف کی شکایت عرض کی۔ جمال مبارک پر نظر کرتے ہی پوچھا تو یہ یا رسول اللہ صلعم کیا مین درجہ شہادت پر فائز نہین ہوا۔ آپ نے اس خالص جان نثار رسالت اور طلبگار شہادت کے جواب مین ارشاد فرمایا تم ضرور فائز الشہادت ہوئے۔ زبان رسالت سے یہ بشارت سنی تھی کہ روئے افسردہ اور چہرہ پژمردہ پر اصلی فرحت اور ابدی اطمینان و راحت کے آثار نمودار ہوگئے اور اوس کامل الایمان نے بطور یادو ہانی عرض کی۔ یا رسول اللہ افسوس ہے کہ اسوقت ہمارے عم محترم حضرت ابیطالب زندہ نہ ہوئے اگر وہ موجود ہوتے تو اسموقع پر وہ معترفانہ طور پر اقرار کرتے کہ اونکے اس شعر کا جو آپ ہی کی مدح مین تصنیف ہوا ہے اصلی مستحق مین ہون۔

ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل
عن ابنائنا والحلائل

ہم محمد کو اوسوقت دشمنون کے حوالے کر دینگے جب ہم اونکے گرد لڑکر مرجائیں اور ہم محمد کیلئے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہین طبری ۱۳۱۸

اسلام کے مجروح اول حضرت عبیدہ رض کے احوال کو خاتمہ تک یہین پہونچا دینا بہتر ہے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ان کا زخم کاری تھا۔ جنگ بدر سے واپسی مین منزل روحاء پر پہونچکر یہ جان نثار مجاہد انتقال کر گیا۔ اور وہین یہ شہید راہ خدا مدفون کر دیا گیا۔ طبری ص ۱۳۱۸ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷۔

صحیح بخاری باب التفسیر مین ہے

عن قیس بن عبادہ قال قال علی انا اول من یجثوا بین یدی للخصومة یوم القیامة وقال قیس وفیهم نزلت هذان خصمان اختصموا فی ربهم الخ قال هم الذین تبارزوا یوم بدر حمزة وعلی وعبیدة

قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت علیؑ نے کہ مین قیامت کے دن سب سے پہلے ایسا جھگڑا پیش کرونگا قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت کہ دو مدعی لڑے اپنے رب کے واسطے الخ اون لوگوں کیواسطے نازل ہوئی ہے جو جنگ بدر میں لڑے اور وہ حضرت حمزہؓ علیؑ اور عبیدہؓ تھے دو مین میں

(من المومنین) وعتبۃ وشیبۃ وولید بن عتبہ (من الکافرین)	اور عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ قتل کافرین ہیں۔

شبلی صاحب نے اپنی کتاب مین بیان سے سلسلہ جنگ کے واقعات مین اپنی خود غرضانہ ترکیب وضرورت تالیف سے خواہ مخواہ بدترتیبی پیدا کر دی ہے۔ اور تمام عربی اور فارسی تاریخ وسیرت کی ترتیب ماخذ سے علیحدہ حضرت زبیر بن العوام کی معرکہ آرائی کی تفصیل داستان شروع کردی ہے۔ حالانکہ طبری۔ ابن ہشام ۔مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب کسی کتاب مین اس داستان کا نام ونشان نہین ہے۔ شبلی صاحب کی یہ ترتیب واقعات بھی تاریخ وسیرت کی ترتیب سے بالکل مخالف ہے۔ اور یہ واقعہ بھی اونکے مختار کے خلاف ہے اسی باعث سے قابل ذکر نہین سمجھا گیا ممکن ہے کہ شبلی صاحب کی جزئیات حدیث سے ہو جسکو آپ ایسے مقام پر ڈھونڈ نکالتے ہین اور خواہ مخواہ تاریخ وسیر کے واقعات ومشاہدات مین خلط ملط کر دیتے ہین۔

ہم چونکہ اونکے بیان کردہ واقعات کو واقعہ تاریخی کے معیار تک پہونچا ہوا نہین پاتے اس لئے اپنے سلسلہ بیان مین نقل نہین کرتے ہم اسکی حقیقت کا انکشاف علیحدہ کرینگے۔ شبلی صاحب کی موجودہ ترتیب واقعات کے خلاف طبری اور ابن ہشام عربی کی دو قدیم تاریخون نے عتبہ اور شیبہ کے مارے جانے کے بعد جو ترتیب قائم کی ہے اور جو سلسلہ بیان اختیار کیا ہے ہم اوسی کو اپنا مختار قائم کرکے اپنے آئندہ بیان مین نقل کرتے ہین

ابن ہشام مبارزان بنی ہاشم کے اظہار شجاعت اور عتبہ وغیرہ کے قتل و ہلاکت کے بعد لکھتے ہین۔

ثم تزاحف الناس ودنا بعضھم من بعض وقد امر رسول اللہ صلعم ان لا یحملوا حتی یامرھم وقال ان اکتنفکم القوم فانضحوھم عنکم بالنبل ورسول اللہ صلعم فی العریش ومعہ ابی بکر الصدیق جلد دوم ص	اس کے بعد لوگ آگے بڑھ گئے۔ اور بعض اپنے بعض مقابل سے بالکل متصل ہوگئے۔ یہ دیکھکر جناب رسول خدا صلعم نے حکم فرمایا کہ اب مقابل پر اپنے قریب سے حملہ آور ہو۔ ملکہ اون پر کسیقدر فاصلہ سے تیر چلاتے رہو۔ یہ حکم دیکر آپ عریشہ کی طرف چلے گئے۔ وہاں آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق تھے

یہ فرمان اور یہ انتظام آنحضرت صلعم کے فنون جنگ کے کمال اور انتہائے حزم واحتیاط کا شاہد کامل ہے حقیقتاً معارک جنگ کا ایک تجربہ کار اور نبرد آزما سپہ سالار غنیم کی کثرت اور اپنی قلت پر نظر کرکے احتیاط وہوشیاری کی ایسے ہی حکم جاری کرتا ہے۔

دو اسلامی تیر اندازون کا قتل

ابن ہشام کی ترتیب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تیر افگنی کے سلسلہ مین مہجع کا قتل واقع ہوا جسکے تفصیلی حالات ہم شہدائے بدر کے ذکر مین لکھین گے۔ اور یہ ترتیب بالکل قرین قیاس اور فی الواقع معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عتبہ کی جنگ کے بعد آنحضرت صلعم نے تیر اندازی کا حکم دیا جیسا کہ ابھی ابھی اوپر بیان ہوچکا اسی بنا پر ابن ہشام نے جنگ عتبہ کے بعد ہی قتل مہجع کو لکھا ہے اور اونکو شہید اول بتلایا ہے اسلئے کہ اگرچہ عبیدہ

مہجعؓ سے پہلے زخمی ہوچکے تھے - لیکن زندہ تھے - اور چار دن کے بعد فوت ہوئے مگر مہجع عربؓ تو تیر لگتے ہی ٹھنڈا ہو گیا اس لئے وہ شہید اول ضرور ہے۔

ان کی شہادت کے بعد اسیطرح حارثہ بن سراقہ جو قبیلہ بنی نجار کے ایک مرد انصاری تھے - فائز بشہادت ہوئے۔ دو مسلمانون کی متواتر شہادت کے واقعات مشاہدہ فرماکر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عریش سے میدان جنگ مین تشریف لائے اور جان نثاران مہاجر و انصار کی ہمت افزائی ان الفاظ مین فرمائی۔

والذی نفس محمد بیدہ لا یقاتلہم الیوم رجل فیقتل صابرًا محتسبًا مقبلًا غیر مدبر الا ادخلہ اللہ فی الجنۃ ابن ہشام ص ۱۷ ج ۲

اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت مین محمدؐ کی جان ہے - آج کے دن جو شخص صبر و تحمل سے دشمن کے سامنے قدم آگے بڑھاتا ہوا - پیچھے ہٹتا ہوا قتل کریگا یا مارا جائیگا اوسکو خدا یقینی طور پر داخل جنت کریگا۔

اس حکم کے بعد مسلمان پھر اپنی صف سے آگے بڑھکر حریف سے مقابل ہوگئے اور اب چارون طرف سے مقابلہ و مقاتلہ شروع ہوگیا اسوقت تک گو مہجع اور حارثہ دو اسلامی مبارز رفائز بشہادت ہوچکے تھے - لیکن کفارون کے مقابلہ مین مسلمانون ہی کا پلہ بھاری تھا - اسلئے کہ ان شہیدان اسلام کے مارے جانے سے پہلے قریش کے ایسے انتخابی اور سربرآوردہ سرداران قبیلہ مارے جاچکے تھے جنکی کمی کو مہجع اور حارثہ کا قتل کبھی پورا نہین کرسکتا تھا عتبہ شیبہ اور ولید کے ایکبار مارے جانے سے کفار کے لشکر مین مسلمانون کا خوف اور رعب پیدا ہوگیا تھا اس بناپر جو مسلمان جس کافر کے مقابلہ پر آتا تھا وہ خوف زدہ ہوجاتا تھا - چونکہ ہر طرف سے لڑائی شروع ہوگئی تھی اسلئے متعدد مبارزان اسلام جن مین حضرت حمزہؓ حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت ابودجانہ انصاری کے نام خصوصیت سے لئے جاتے ہین شمشیرِ کھینچکر لشکر کفار مین دھنس پڑے۔

ابن ہشام وطبری کے مختار کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مبارزان اسلام کو ان الفاظ مین ہدایت خاص دے رکھی تھی۔

قال لاصحابہ یومئذ انی قد عرفت ان رجالًا من بنی ہاشم وغیرہم قد اخرجوا کرہًا لا حاجۃ لہم بقتالنا فمن لقی منکم احدًا من بنی ہاشم فلا یقتلہ ومن لقی ابا البختری بن ہشام بن حرب بن اسد فلا یقتلہ ومن لقی العباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ لم یقتلہ فانہ انما اخرج مستکرہًا ابن ہشامؒ

آپ نے تمام صحابہ کو اوس دن یہ حکم دے رکھا تھا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ بہت سے بنی ہاشم اور دوسرے لوگ بھی قریش کے دباؤ کی وجہ سے آگئے ہین حقیقتاً اونکو ہم سے لڑائی کی حاجت نہیں ہے اس لئے اگر کوئی بنی ہاشم تمکو مل جائے تو نہ مارنا اور جس شخص کو ابو البختری بن ہشام بن حرب بن اسد مل جائے تو وہ اوسکو بھی نہ مارے اور جسکو حضرت عباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ مل جائیں تو اونکو بھی نہ مارنا کیونکہ وہ بھی بکراہیت کفار کے ہمراہ آئے ہیں۔

افسوس ہے شبلی صاحب نے ایسے متفق علیہ واقعہ کو کیسے صریح قطع و برید اور صحیح تلبیس کے ساتھ صرف چند لفظوں میں لکھکر ختم کر دیا ہے۔ اور مستثنیٰ لوگوں میں بنی ہاشم کے ناموں کو جنکے نام سب سے پہلے بتلائے گئے ہیں بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے حالانکہ آپ کے ماخذ بھی عربی کی قدیم تاریخیں ہیں۔ جو یکزبان ہو کر آغاز ہی میں عام طور سے بنی ہاشم کے مستثنیٰ کر دیئے جانے کو لکھ رہی ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ اونکے ذکر و نام اپنے جریدۂ تاریخی سے نکالے دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ کن کن کتابوں سے آپ نکالیں گے اور کہاں کہاں سے کاٹیں گے ؎ قرآن مٹے کسی کے مٹائے تو ہم مٹیں۔

ہم اصلی ماخذ کی صحیح عبارت تو لکھکر بتلا چکے۔ لیکن آپ کی عبارت بھی محض عبرت ناظرین کے لحاظ سے ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آنحضرت صلعم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں اون میں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ انلوگون کے نام بھی آپ نے بتلا دیئے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۲۳۰

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اون ماخذوں کا یہ صحیح ترجمہ ہے۔ آپ کا صرف اتنا لکھدینا کہ اونکے نام بھی بتلا دیئے گئے تھے صاف صاف بتلا رہا ہے کہ آپ کسی ضرورت سے اونکا نام بتلانا نہیں چاہتے۔ اور پھر ناظرین کتاب کو اصل ماخذ کا محتاج رکھتے ہیں۔ اصل مقصد تو بنی ہاشم کے ناموں کے استخفاف سے ہے تاکہ انکا استثنا و استخصاص کسی طریقہ سے معلوم نہ ہونے پائے۔ جب ایک معمولی واقعہ کے بیان میں اسقدر اسقاط و ابہام سے کام لینا تھا تو پھر کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی شعر گفتن چہ ضرور۔ ہاں خوب یاد آیا۔ اس حکم کے بعد والے واقعہ کو جو اسکے ساتھ لازم و ملزوم اور تمام سیر و تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے بالکل چھوڑ دیا۔ اور اوس کے لئے چند الفاظ بھی نہ صرف کئے۔

ابو حذیفہ کی عقیدتمندانہ غلط فہمی اور اوسپر خجالت و شرمندگی	جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوس حکم کو سنکر ابو حذیفہ بن عتبہ جو مسلمان ہو کر مہاجرین اولین کے ساتھ ہی مدینہ میں آچکے تھے اور بدر میں موجود تھے جوش عقیدت میں

کہنے لگے۔ ابن ہشام اس جوشیلی اور کامل الوفا جوان کے اظہار عقیدت کا واقعہ مفصلہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

فقال ابو حذیفۃ انقتل اباءنا وابناءنا واخواننا و عشیرتنا ونترک العباس واللہ لئن لقیتہ لالحمنہ السیف قال فلما بلغت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لعمر بن الخطاب یا ابا حفص قال عمر واللہ لانہ لاول یوم کنانی فیہ رسول اللہ صلعم بابی حفص ایضرب وجہ عم رسول اللہ صلعم بالسیف	ابو حذیفہ جو موقع پر موجود تھا یہ حکم سنکر کہنے لگا عجیب بات ہے کہ ہم اپنے باپ بھائی اور قبیلہ والوں کو تو مار ڈالیں اور عباس کو چھوڑ دیں قسم بخدا اگر وہ مجھکو مل گئے تو میں ضرور اپنی تلوار سے اون پر حملہ کرونگا۔ جب اسکے اس کلام کی خبر آنحضرت صلعم کو ہوئی تو آپ نے حضرت عمر سے پکار کر کہا اے ابا حفص۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ یہ پہلا دن تھا کہ آپ نے مجھے میری کنیت سے پکارا اور کہا اے عمر کیا رسول اللہ کے چچا پر بھی تلوار چلائی جائیگی حضرت

فقال عمر یا رسول الله دعني فلاضرب عنقه بالسيف فوالله لقد نافق فكان ابو حذيفة يقول ما انا بآمن من تلك الكلمة التي قلت يومئذ ولا ازال منها خائفا الا ان تكفرها عني الشهادة فقتل يوم اليمامة شهيدا - طبری ۱۳۲۴

عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ صلعم ابو حذیفہ نے کلمہ نفاق کہا۔ مجھے حکم ہو تو اوسکی اپنی تلوار سے اوسکی گردن کاٹ دون۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ بولے۔ ابو حذیفہ کا بیان ہے کہ مین اپنی تمام عمر اس کلمہ کے کہنے پر توبہ و ندامت کرتا رہا۔ اور خدا سے ہمیشہ اسکے کفارے مین طلب شہادت کرتا رہا۔ یہانتک کہ یہ جنگ یمامہ مین شہید ہوئے

اس واقعہ کی تفصیل یہ تھی جسکو شبلی صاحب نے قطعاً مرفوع القلم فرما دیا۔ اس انداز تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے مفید مطلب مضامین کو صرف لکھتے ہین اور باقی سب کو القط کر دیتے ہین۔ یہ مولف کا متدینانہ طرز تالیف نہین ہے بلکہ خود غرضانہ شان بیان ہے اور سخت قابل اعتراض۔

لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ حذیفہ کے نہ لکھنے مین آپ کی خود غرضی باعث نہین تھی۔ وہ تو صرف حکم استثنائے بنی ہاشم تک محدود رکھی گئی ہے۔ ابو حذیفہ کے اسقاط واقعہ کا سبب خاص وہی عیسائی معترضین کا خوف تھا جو آنحضرت صلعم کے حکم برات بنی ہاشم پر ابو حذیفہ کے کلمات تعریض دیکھکر آپ کے اس حکم پر غیر عادلانہ اور نامساویانہ رعایات قرابت اور محبت کا عیب لگائین گے اور شاید آپ اونکے اس اعتراض کا جواب نہ پائین گے۔ حالانکہ یہ آپ کا صرف وہم ہی وہم ہے۔ اگر آپ کو معترضین کے جواب کی تلاش ہوتی تو آپ اسی واقعہ ہی کے الفاظ و معانی سے اونکے جواب کو باسانی پالے سکتے تھے۔ اب ہم سے سنئے۔

حقیقتاً جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم بالکل اصول عدالت اور مساوات پر مبنی تھا اور اس امر کو کہ بنی ہاشم اور دیگر چند قریش کفار و مشرکین کے دباؤ سے شریک جنگ ہوگئے تھے ورنہ آنحضرت صلعم سے لڑنے کا اونکا ارادہ نہین تھا صرف آنحضرت صلعم ہی نہین جانتے تھے بلکہ خود کفار قریش کو بھی اس کا اقرار و اعتراف تھا۔ جیسا کہ طالب ابن ابی طالب کے واقعہ سے جسکو طبری نے پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ اور آپ نے ذکر بنی ہاشم کی ناگواری طبع کی باعث سے بالکل مرفوع القلم فرما دیا ہے کما حقہ ثابت ہے طبری کی مفصلہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قد كان بين طالب بن ابي طالب وكان في القوم وبين بعض قريش محاورة فقالوا والله لقد عرفنا يا بني هاشم وان خرجتم معنا ان هواكم مع محمد فرجع طالب الى مكة فيمن رجع

طالب ابن ابی طالب جو قریش کے اوسوقت ہمراہ تھے اور بعض قریش کے درمیان تکرار ہوگئی تو قریشیون نے کہا قسم خدا کی اے بنی ہاشم ہم تم لوگونکو خوب پہچانتے ہیں تم ہمارے ساتھ تو بظاہر نکل آئے ہو لیکن تمہاری تمنائیں محمدؐ کے ساتھ ساتھ ہین۔ یہ سنکر طالب اوسیوقت مکہ کی طرف واپس چلے گئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ غیرتمند جوان بنی ہاشم قبل از جنگ لشکر قریش سے جدا ہوکر گھر واپس گیا۔ اور چونکہ

یہ واقعہ قبل از جنگ ظہور پذیر ہوا اس بنا پر ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کے دل میں بنی ہاشم کی طرف سے یہ ہمیشہ خیال جاگزین نشین اور وہ ہمیشہ اسکا اظہار و اقرار کرتے تھے۔

لیکن طبری کی مابعد والی روایت سے جسکو اس نے امام الانساب کلبی کے استناد سے لکھا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عین مقابلہ کے وقت واقع ہوا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آخر وقت تک کفار قریش کو اپنے اس اقرار پر اصرار تھا اور وہ روایت یہ ہے۔

واما ابن الکلبی فانہ قال فیما حدثت عنہ شخص طالب بن ابی طالب الی بدر مع المشرکین اخرج کرھا فلم یوجد فی الاسرے ولا فی القتلٰی ولم یرجع الی اھلہ وکان شاعراً وھو الذی یقول۔

یا رب اما یغزون طالب
فی مقنب من ھذہ المقانب
فلیکن المسلوب غیر السالب
ولیکن المغلوب غیر الغالب

لیکن ابن کلبی مرقومہ بالا روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ طالب ابن ابیطالب بدر تک ہمراہی مشرکین دیکھے گئے تھے اور حقیقتاً وہ بکراہیت ساتھ آئے تھے لیکن بعد جنگ نہ وہ اسیروں میں قید ہو کر آئے اور نہ مقتولین میں پائے گئے اور نہ لوٹ کر گھر گئے اور وہ خود شاعر تھے اور انکے یہ اشعار مشہور ہیں۔

اے خدا۔ اگر ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی میں
لوگ طالب سے لڑیں تو تو اوسکو قاتلین میں
یہ مقتولین میں غالبین میں یہ مغلوبین میں رکھنا

طبری صفحہ ۱۳۰۸

شبلی صاحب کو کیا پڑی ہے کہ بنی ہاشم کے تفصیل حالات پر توجہ کریں۔ یہ تو آپ کے اصلی مقصود و موضوع کتاب کے خلاف ہے لیکن بحیثیت واقعہ نگار تمام حالات و واقعات پر نگاہ ڈالنی ضرور ہے اور خصوصاً وہ واقعات کہ جو واقعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذی ہمت اور صاحب غیرت شجاع بنی ہاشم کا ذکر خصوصاً اس لئے اور قابل ذکر تھا کہ اس غیرتمند کے متعلق سوائے آجتک اتنے حالات کے جو اوپر لکھے گئے دنیا کو اور کوئی حالات معلوم ہی نہ ہو سکے تمام تاریخ سیر تین اور رجال و تذکرے بالکل خموش ہیں اور طالب بن ابیطالب کا کوئی حال نہیں لکھتے اور نہ سوائے اشعار بالا کے اس غیور بنی ہاشم کی کوئی یادگار دنیا میں پائی جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ طعن قریش کا اس غیرتمند کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ سرکوہ و صحرا ہو کر کہیں دور و دراز مقام میں ختم ہو گیا۔ انا للہ

واقعات مرقومہ بالا سے بالتصریح ثابت ہو گیا کہ کفار قریش کو بھی بنی ہاشم کی کراہیت شرکت و ہمراہی کا اقرار تھا۔ اونکی شرکت و رفاقت محض نسبی تعلقات کی وجہ سے تھی نہ مخالفت اسلام اور نہ قتل اہل اسلام کی غرض خاص سے تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ایسے غیر جانبدار اور غیر سروکار لوگوں کے بھی قتل کر دیئے جانیکا حکم عام دینا بالکل ہوائی ضلالت تھا

ہ مخالف عدالت اور جب یہ حکم بالکل اصول عدالت او حقیقت الامری پر مبنی ہے تو اعتراض کیا اور معترض کا توقف کیسا؟

یہ تو اس حکم کے مبنی بعدالت ہونیکا ثبوت ہوا اب بقاعدہ مساوات ہونیکا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے اس حکم استثنا میں صرف بنی ہاشم ہی کی خصوصیت قایم فرماتے تو معترضین خلاف مساوات ہونیکا سند پکڑ سکتے تھے لیکن الفاظ حکم میں وَ غَیْرُھُمْ تو خود موجود ہے یعنی علاوہ بنی ہاشم کے مخصوص قریش میں چند ایسے اشخاص اور بھی موجود ہیں شبلی صاحب خود بھی لکھ چکے ہیں کہ قریش میں ایسے بھی ہیں صفحہ ۳۲۲ تو پھر ثابت ہو گیا کہ اس حکم استثنا و معافی میں تنہا آپ کی قرابتداری نہیں تھے بلکہ اصول مساوات کی مطابق غنیم کے قبیلہ خاص میں ایسے غیر جانبدار اور نیک نیت لوگ بھی داخل ہیں جو حقیقتاً مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے جیسا کہ ابوالبختری کا نام حکم استثنا میں موجود ہے۔ اور عنقریب اسکے واقعہ سے عملی صورت میں یہ بہت جلد معلوم ہوتا ہے۔ ان مشاہدات کی موجودگی میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے احکام عادلانہ اور مساویانہ کو خودغرضانہ بتلانا کسی عقل والے کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جب خود اعتراض کی بے وجودی اور عدم اصلیت کی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے تو اوس پہ توقف کرنا اور خوف کی وجہ سے تاریخی واقعہ کو عمداً مرفوع القلم کر دینا مؤلف کے حد درجہ کا ضعف قلم او ضعف رائے ثابت کرتا ہے۔

ابوالبختری کی جاہلانہ غیرت اور روحشیانہ حمیت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ابوالبختری کا نام بھی تبلا دیا گیا تھا اور حکم مستثناۃ میں یہ بھی داخل تھے اتفاق وقت سے مجذر بن زیاد بلوی نے جو انصار مدینہ میں سالم بن عوف کا حلیف تھا ابوالبختری کو پالیا۔ دشمن پر حملہ کرنیکے عوض مجذر نے نہایت متانت سے کہا کہ مجھے تمہارے قتل کا حکم نہیں ہے لہذا میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ابوالبختری نے پوچھا اور میرے رفیق زمیل کو جو میری رفاقت میں یہانتک آیا ہے کیا حکم ہوا ہے۔ مجذر نے کہا زمیل کو میں نہ چھوڑونگا۔ اسلئے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیلے تجھی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے یہ سنکر ابوالبختری نے نہایت بے پروائی سے عرب کی جاہلانہ شان شجاعت میں جواب دیا۔

والله اذن لاموتن انا وهو جميعا لاتحدث بى نساء
مكة انى تركت زميلى حرصا على الحيوة

قسم بخدا۔ ہم کیا تمام لوگ ایسی صورت میں مرجانا قبول کرینگے کہ مکہ کی عورتیں کہیں ابوالبختری نے اپنی جان کی لالچ میں زمیل کو قتل کرا دیا

مجذر اوسکے یہ احسان فراموشانہ جواب سنکر ابوالبختری پر حملہ آور ہوا۔ اور ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر سے مقابل ہوا اور مارا گیا۔

لن يسلم ابن حرة زميله
حتى يموت او يرى سبيله — ابن ہشام ص۱۹ ج۲

شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔
جب تک مر جائے یا موت کا راستہ نہ دیکھ لے

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اب لڑائی چاروں طرف شروع ہو گئی تھی اور مبارزان اسلام لشکر کفار میں ہر جگہ دھنس پڑے تھے۔ ابوالبختری کا ادہر مجذر نے خاتمہ کر دیا اودھر امیہ بن خلف کی موت گلوگیر ہو گئی۔ اوسکی تفصیل یہ ہے۔

امیہ ابن خلف کا قتل

عبدالرحمٰن ابن عوف کا اپنا بیان ہے کہ مجھسے اور امیہ بن خلف سے سامنا ہوگیا امیہ سے اور مجھ سے مکہ ہی مین وعدہ ہوچکا تھا کہ اگر وہ مدینہ مین آئیگا اور اوسکو کسی مصیبت سے سامنا ہوجائیگا تو مین اوسکی جان بچالونگا امیہ کے ایسے سخت دشمن اسلام سے تمام خصومت اسلام اور مسلمانون کی اذیت عام کے انتقام لینے کا موقع تو خوب ہاتھ آیا تھا لیکن وعدہ کا خیال ایسا لگا تھا کہ مین اوسکے قتل سے باز رہا مین اوسوقت تک کثیر التعداد زرہین مقتولین کفار کی لوٹکر جمع کرچکا تھا اور اونکو کاندھے پر اوٹھا رے تھا امیہ نے کہا عبدالرحمٰن اپنا وعدہ یاد ہے۔ مین نے کہا ہان یہ کہکر مین اوسے پہاڑ کے ایک ایسے مقام پر لے آیا جہان مسلمان اوسے نہ دیکھ سکین۔ اس اثنا مین امیہ کی نظر دور سے حضرت حمزہ پر پڑی۔ اوس نے اوسوقت اونکو کسیوجہ سے نہ پہچانکر مجھسے پوچھا کہ تمہارے لشکر مین یہ وردی والے بزرگوار کون ہین مین نے دیکھکر کہا کہ حمزہ بن عبدالمطلب ہین امیہ بولا یہی ہین جنہون نے ہمارے ساتھ یہ سب کام بگاڑ رکھے ہین۔ اثناے گفتگو مین کہین بلال حبشی کی نظر امیہ پر پڑگئی۔ یہ امیہ بن خلف وہی شخص تھا جس نے بلال کی غریب جان پر اسلام لانے کے ابتدائی زمانے مین انواع اقسام کے مظالم ڈہائے تھے۔ ان بیچارہ کی پیٹھ پر پاؤن رکھکر جلتی دہوپ مین ان سے انکار اسلام پر بجبر و زبردستی اقرار لیتا تھا اور یہ غریب انکار کے عوض مین احدًا احدًا کے نعرے لگاتے تھے۔ اسوقت حضرت بلال کو امیہ کے دیکھتے ہی اوسکے تمام مظالم کا خیال آگیا پھر تو انصار کی جماعت کو بلال نے بیچین ہوکر ان الفاظ مین پکارا۔ ھذا راس الکفر امیہ بن حلف ۔ یعنی سراپا رئیس کفر امیہ بن خلف یہ کھڑا ہے بلال کی پاٹ دار آواز صداے اذان بنکر تمام مسلمانون کے کانون تک پہونچ گئی اور سب کے سب امیہ کی طرف لوٹ پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ مسلمانون کی یہ یورش دیکھکر مین نے امیہ کے بیٹے کو آگے کردیا اور امیہ کو چت زمین پر لٹاکر آپ اوسکے اوپر سے لیٹ رہا۔ اس خیال سے کہ امیہ کے بیٹے کو قتل کرکے مسلمان بس کردینگے اور امیہ کی آیندہ تلاش سے دست بردار ہوجائین گے۔ لیکن انصار نے اوسکے بیٹے کو قتل کرکے بھی بس نہین کی اور امیہ کی تلاش نہ چھوڑی آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ میری ٹانگون کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر امیہ کو باہر کھینچ لائے اور قتل کرڈالا۔ اسی کشمکش مین میری ٹانگ بھی زخمی ہوگئی۔ اور مدت تک زخم کا نشان باقی رہا۔

عبدالرحمٰن ابن عوف اکثر عند التذکرہ کہا کرتے تھے کہ افسوس ہے امیہ بھی گیا۔ اور میری جمع کی ہوئی لوٹ والی زرہین بھی چلی گئین۔ مسلمان اوسے بھی لے کر چلتے ہوئے۔ ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲ طبری صفحہ ۱۳۲۶

شبلی صاحب نے ترتیب واقعات مین تقدیم و تاخیر ذکر کا خیال نہین رکھا۔ ابوالبختری اور امیہ بن خلف کے احوال سے پہلے ابوجہل کے حالات کو قلمبند فرمایا ہے۔ حالانکہ ابن ہشام و طبری۔ دونون دونون مشرکین کے واقعات کے بعد ابوجہل کے حالات لکھتے ہین۔

ابوجہل کا قتل

امیہ بن خلف کے بعد ابوجہل کی موت لکھی تھی عجیب اتفاق ہے کہ قتل ابوجہل کے تفصیلی حالات بھی عبدالرحمٰن

بن عوف ہی سے تمام کتب تاریخ و حدیث میں منقول ہیں۔ عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی صف لشکر میں کھڑا تھا اور میرے
پہلو میں انصار کے دو نوجوان۔ اپنے بھائی عفراء کے بیٹے۔ عوذ و معوذ نامی۔ (وہی جنکو عتبہ نے بوجہ انصار ہونیکے مقابلہ سے
واپس دے چکا تھا) کھڑے تھے۔ اتنے میں ایک نے میرا دامن کھینچکر مجھسے راستہ پوچھا کہ اے چچا۔ آپ ابوجہل کو پہچانتے
ہیں میں نے کہا ہاں میں پہچانتا ہوں لیکن تمکو اوس سے کیا کام ہے وہ بولا سنتے ہیں کہ اوس نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو بڑی بڑی اذیتیں پہونچائی ہیں۔ اس لئے میں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ اگر آج اوسے میں نے دیکھ پایا تو پھر اوسکے پیچھے
ایسا پڑ جاؤنگا کہ پھر یا تو وہی نہیں یا میں ہی نہیں۔ ابھی اسکی بات پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ دوسرے بھائی نے بھی
میرے کان میں اپنا موتہہ لگا کر یہی بات کہی میں ان دونوں نوجوانوں کی ہمت و جگرداری پر تعجب کرتا تھا اور بیحد مسرور
ہوتا تھا۔

ابھی اس گفتگو کو کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ابوجہل اپنے اونٹ پر سوار اودہر سے آنکلا اور اپنے لشکر کو ادہر سے اودہر تک
معاینہ کرنے لگا۔ میں نے ان دونوں شجاعوں کو دور سے بتلادیا کہ تمہارا مطلوب یہی ہے۔ اونگلی کا اوٹھنا کہ یہ دونوں جرار
باز شکاری کی طرح اپنے صف سے دوڑکر اوسکی طرف جھپٹے اور دونوں طرف سے اوس پر ٹوٹ پڑے۔ عوذ نے پہونچتے ہی
ایسی کاری ضرب لگائی کہ ابوجہل کی ٹانگ ساق (پنڈلی) سے جدا ہوگئی اوسکا بیٹا عکرمہ وہیں تھا اوس نے عوذ پر تلوار لگائی اور
شانہ سے اوسکا ہاتھ جدا کردیا۔ لیکن ذرا سا تسمہ لگا رہا۔ لیکن یہ دلیر مبارز اسلام اوسی حالت میں لڑتا رہا۔ عوذ خود بیان
کرتے ہیں کہ وہ جھولتا ہوا ہاتھ میرے حرب و ضرب میں حارج ہوتا تھا۔ اس لئے میں نے اوسکو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر
ہاتھ کا وہ تسمہ جو ابھی تک لگا ہوا تھا جدا کر ڈالا اور پھر آزادی سے لڑنے لگا۔ اس اثنا میں معوذ نے اپنی تلوار کی ضربوں
سے ابوجہل کو مار گرایا۔ وہ گرتے ہی خاتمہ کے قریب پہونچ گیا۔ رمقی جان باقی تھی۔

یہ دونوں دلیر نوجوان۔ مرنے کو کیا مارین سمجھکر اور اپنے ایسے نمایاں حسن خدمات اور کامیابی کے جوش مسرت
میں پرجوش ہوکر فوراً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال عرض کی دونوں نے
ابوجہل کے قاتل ہونیکا فخریہ دعویٰ کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم دونوں نے اپنی اپنی تلواریں تو ابھی خون سے پاک
نہیں کی ہیں؟ دونوں نے عرض کی نہیں۔ ارشاد ہوا لاؤ ابھی اپنی تلواریں دکھلاؤ۔ دونوں نے دکھلائیں۔ معائنہ
فرمائی گئیں اور کہا گیا۔ تم سچ کہتے ہو۔ تمہیں دونوں ابوجہل کے قاتل ہو۔

شبلی صاحب تو کسی کے واقعہ کو پورا لکھیں گے اور نہ اوسکے حال کو خاتمہ تک پہونچائیں گے اس خوف سے
کہ ان داستانوں کو طول نہ ہوجائے اور یورپین مورخین انکو شوق سے سنکر اسلام پر زور و صمصام والا اعتراض کرسکیں۔
شبلی صاحب انکے ذکر سے جو کچھ سمجھیں وہ اونکا مختار ہے۔ لیکن ہم ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے اپنا فرض اولین سمجھتے
ہیں کہ ہر واقعہ کو پورا اور ہر شخص کے احوال کو اطلاع عام کی غرض خاص سے خاتمہ تک پہونچا دیں اس لئے ہم ان دونوں مبارز

اسلام۔ عاذ و معوذ۔ اور اون کے مقتول ابوجہل کے باقی حالات کو حسب ذیل خاتمہ تک پہونچا دیتے ہیں۔

معوذ تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و زیارت سے مشرف ہوکر پھر فوج کفار میں آکر لڑنے لگے اور عمر ابن عمدود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ عاذ حضرت عثمان کی خلافت تک زندہ رہے۔ طبری ص ۱۳۲۷ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱

ابوجہل کے بقیہ حال یہ ہیں۔

یہان تک بیان ہو چکا ہے کہ عاذ و معوذ۔ ابوجہل کو سسکتا چھوڑکر چلے آئے تھے۔ جناب رسولخدا صلعم اسکے نتیجہ آخر معلوم فرمانے کے مشتاق تھے کیونکہ یہی شریر النفس اصل بانی فساد تھا۔ اس بنا پر آپ نے مسلمانون کو اسکی تلاش کا حکم دے رکھا تھا حسن اتفاق سے عبداللہ ابن مسعود عین اوسی مقام پر پہونچ گئے۔ جہان ابوجہل پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا ابوجہل نے کسی مرد مسلمان پر ظلم نہین کیا تھا؟ عبداللہ بھی اونھین مین تھے۔ اسکے سینہ پر چڑھ کر ایکبار ابوجہل نے انکو بڑی اذیتین پہونچائی تھین اب اوسکو اس حالت مین پاکر عبداللہ فوراً اوسکی چھاتی پر بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آنکھین کھولکر نام پوچھا یہ بولے عبداللہ بن مسعود۔ ابوجہل نے کہا کہو جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کس کی فتح ہوئی کس کی شکست۔ عبداللہ بولے اخزاک اللہ تعالی۔ خدا تجھے اس سے زیادہ ذلیل کرے تو تو فرعون سے بھی زیادہ بدبخت ہے اوس نے تو دریا مین غرق ہونے کے وقت بھی اپنے قصورون کا اقرار کیا تھا اور اون سے بیزاری اختیار کی تھی اور تو اس حالت آخر تک پہونچکر بھی اپنی شامت و ضلالت سے باز نہین آتا۔ مر تو رہا ہے لیکن میدان جنگ اور فتح و شکست کا ارمان ابھی تک تیرے دل سے لگا ہے ابوجہل یہ طعن آمیز سنکر بولا۔

لقد ارتقیت مرتقی صعبا یا رویعی الغنم	اے بھیڑ۔ چرانے والے لوگ تمہارے ہاتھوں قتل ہوکر میری موت ہی ذلیل ہوگئی

عبداللہ نے تلوار نکالی اور اوسکا سر کاٹ لیا۔

لیکن محدث شیرازی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ کی تلوار خراب تھی اوسکا سر کاٹ نہ سکی تو عبداللہ نے اوسی کی تلوار اوسی کی کمر سے کھینچکر اوس کا سر کاٹ لیا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۳۴ لکھنؤ۔

ابوجہل کا کام تمام کرکے عبداللہ اوسکا سر لیئے ہوئے خدمت رسول اللہ صلعم مین حاضر ہوئے اور اوس کا سر قدم مبارک پر ڈالدیا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوس کے سر کی طرف نگاہ کی اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی اخزاک یا عدو اللہ۔	اوس خدا کا شکر ہے جس نے تیرے ایسے دشمن خدا کو ذلیل و خوار کیا۔

پھر دست مبارک آسمان کی طرف بلند فرماکر ارشاد کیا۔

الحمد للہ الذی نصر عبدہ و الحز وعدہ و اعز دینہ	اوس خدا کا شکر ہے جس نے اپنے بندے کی نصرت کی اپنے وعدہ کو پورا کیا

اپنے دین کو عزت بخشی۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۱ طبری ۱۳۰۵ روضۃ الاحباب ص ۲۳۴

ابوجہل کے مرتے ہی حقیقۃً اصلی بانیٔ فساد تھا اور تمام مفسدون کا مواد لشکر کفار کے قدم کیسے دم اوکھڑ گئے۔

مبازران اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الانامؐ نے اونکو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا۔ کفار کے دل بیٹھ چکے تھے پاؤن اوکھڑ چکے تھے۔ مقابلہ کی طاقت باقی نہین تھی۔ اول تو ابتدا ہی سے اونکے لشکر مین نہ کوئی ترتیب تھی اور نہ درستی نہ قاعدے سے صفین درست ہوئی تھین اور نہ مورچے طیار کئے گئے تھے لشکر تو نہین تھا آدمیوں کا جنگل تھا ایسی حالت مین شکریوں سے سوائے گریز پائی نہ کچھ بن آنے والی تھی اور نہ آخر کار بن آئی۔

نوح کفار کی ابتری اور حضرت علی کی شجاعت و دلیری

اوسوقت اونکے انبوہ کثیر مین چاروں طرف قتل و گریز کا عام منظر پیش تھا۔ مشرکین قریش کے بڑے بڑے نبرد آزما شجاع اور آزمودہ کار مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاتے تھے یا قید کئے جاتے تھے یا مقابل کی آنکھ بچا کر بھاگ جاتے تھے مبازران اسلام نے اس آخری حملہ مین تقریباً ستر کفار کو قتل کیا اور ان مین سے قریب قریب نصف کی تعداد کو اکیلے حضرت علی مرتضیٰ نے تہ تیغ کیا۔

سیرۃ النبوۃ کے حوالے سے خواجہ عبید اللہ امرتسری (حالیہ قادیانی) اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۱۳۴ مین لکھتے ہین۔

اسی طرح حضرت علی ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے یہانتک کہ آپ نے نصف کو قتل کیا اور کل مقتول ستر تھے نصف اور مسلمانوں نے قتل کئے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین طلحۃ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول مین اور علامہ محمد بن یوسف الکنجی نے کفایۃ الطالب مین بھی بتلائی ہے۔

شبلی صاحب نے غزوہ بدر کے تفصیلی حالات مین اپنے خاص موضوع تالیف کی ضرورت سے توکہین بھی حضرت علی مرتضیٰ کے ان محاسن خدمات کا ذکر نہین کیا ہے اور نہ انکو انکی ان کارگذاریوں اور جان نثاریوں کی بناء پر فاتح بدر یا کم سے کم مبازران اسلام کا سرد فتر قرار دیا ہے۔ لیکن پھر بھی حقیقت حقیقت ہی تھی۔ اور اوس کا چھپنا یا چھپانا خصوصاً مسلمانوں کے عقائد مین محال قطعی تھا۔ اس لئے ہمارے شبلی صاحب کو خدمات علیؑ کی اس حقیقت اصلیت اور واقعیت کو آخر کار لکھنا ہی ہوا۔ اصل معرکہ آرائی کے حالات مین تو نہین ہان تمہید کے استدلالیہ مضامین مین اوس موقع پر جہان آپ کو خدا کی شان[۱۵] صحیح بخاری کی روایت کو طبری کی روایت سے غلط ثابت کرنی ہوئی اور

[۱۵] شبلی صاحب کی اس موقع پر شان استدلال ضرور قابل لحاظ خیال ہے دیباچہ کتاب میں بخاری صاحب کا اعتبار۔ اعتماد اور وثوق کو عرش الکمال تک اتنا پہونچا یا گیا کہ کوئی تاریخ تفسیر اور حدیث و سیرت کی کتاب اوسکے درجہ استناد تک پہونچتے ہی نہیں۔ اور اسکے ثبوت مین انواع و اقسام کی قلمکاریوں سے طومار طیار کیا گیا ہو لیکن غزوہ بدر کی تمہید تک پہونچتے پہونچتے وہ سلسلہ اعتبار و اعتماد اتنا نیچے گرا دیا گیا کہ صحاح ستہ اور مسانید و معاجیم کی مرویات سے بھی نہیں اور خصوصاً ایسی حالت میں جب مرویات تاریخ و سیرت کو مرویات حدیث کے مقابلہ میں فروتر لکھ چکے تھے خاص بخاری صاحب کی ایسی راوی کی روایت کو جو صحابی ہے اور صحابیوں میں بدری ہے طبری کی تاریخی روایت سے مسترد فرما دیتے ہیں دیکھو سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۲۵۰ یہ ہر ما جائز اور خلاف اصول جانبداری کا نتیجہ جس نے آپ کے معیار مختار اور نیز بخاری صاحب کے مبلغ اعتبار کی حقیقت کھولدی فاعتبروا المولف عفی عنہ

عیسائیون کے اصل اعتراض کو جو بخاری کی اسی روایت سے ماخوذ و مستنبط تھا کاٹنا پڑا چونکہ اس روایت طبری کے اصل راوی باتفاق سے حضرت علیؑ تھے اس وقت اور مجبوری سے آپ کو بالآخر لکھنا ہی پڑا کہ اس کے راوی غزوہ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی بن ابی طالب ہین۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۵۰

ہم اس مضمون کو کہ جنگ بدر کے ہیرو حضرت علی بن ابی طالب ہین خاتمہ جنگ تک اوٹھا رکھتے ہین جہان آپ کے فاتح بدر ہونے کے شہود و ثبوت تفصیل سے پیش کیے جاوینگے۔ یہان اونکا قلمبند کرنا ہمارے سلسلہ کلام مین فصل پیدا کریگا لیکن مناسبت مقام اور سلسلہ کلام قایم رکھنے کی غرض خاص سے اس جملہ اخیر مین جس کے حالات ہم بیان کر رہے ہین حضرت علی کی مبارزت کی نسبت بہ تفصیل کر دینا ضروری ہے کہ آپ نے اس جملہ مین بیکبار و بیک وقت عاص ابن سعید بن عاص کو قتل کیا۔ ابن ہشام اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۲ مین عاص کے قتل کی شہادت حضرت عمرؓ کی زبانی لکھتے ہین۔

عاص کے بعد کفار نے حضرت علیؑ کو اپنے مقام سے پیچھے ہٹانا چاہا اور نوفل ابن خویلد بن اسد آگے بڑھکر آپ پر حملہ آور ہوا یہ نوفل ولاوران قریش مین بڑا مشہور شجاع شخص تھا اور یہ وہی بدبخت تھا جو حضرت صدیقہ کبریٰ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا بھائی تھا اور آنحضرت صلعم کا سخت دشمن۔ قریش کے مجمع مین بیٹھکر بہن کی زبانی آنحضرت صلعم پر برے برے اتہام لگایا کرتا تھا اور یہ وہی شریر الطبع تھا جسکو میدان رزم مین دیکھکر آنحضرت صلعم نے خدا سے دعا کی تھی کہ مجھکو اسکے شر سے محفوظ رکھا جائے۔ جناب علی مرتضیٰ نے اسکی تیرہ دستیون کا پورا جوابدیا اور اپنی شمشیر سے اوسکو مار گرایا۔ نوفل کے بعد مسعود بن مغیرہ (خالد بن ولید کا چچا) مقابل ہوا وہ بھی قتل ہوا۔ مسعود کے بعد ابو القیس بن الفاکہہ آگے آیا۔ وہ بھی دو ٹکڑے کیا گیا پھر عبد اللہ بن منذر کو موت کھینچ لائی اور وہ بھی مقتول ہوا۔ عبد اللہ کے بعد عاص ابن منبہ ابن حجاج کی نوبت آئی۔ وہ بھی مقابل ہو کر مارا گیا۔ اوسکے بعد صاحب ابن سائب سامنے آیا وہ بھی سر بریدہ زمین پر تھا۔

اسی طرح حنظلہ ابن ابو سفیان اور ابو عمر بن ابو سفیان (امیر معاویہ صاحب کے بڑے بھائی) ابو عبیدہ بن الحارث بن ربیعہ اور عقیل بن نوفل ابن مطلب یکے باد دیگرے آتے گئے اور حضرت علی مرتضیٰؑ کی تیغ آبدار سے قتل ہوتے گئے۔

ان مقتولین مین سے حنظلہ بن ابو سفیان پر ایسی سخت ضرب لگی تھی کہ اوسکی آنکھین باہر نکل پڑی تھین۔ چنانچہ خود حضرت علی مرتضیٰؑ ارشاد فرماتے ہین کہ قریش سے مجھکو سخت تعجب ہوتا ہے کہ جب وہ میری اوس لڑائی کو جو ولید بن عتبہ سے واقع ہوئی اور میری اوس ضرب کو جس سے حنظلہ کی آنکھین نکل پڑی تھین دیکھ چکے تھے تو پھر کیون کر میرے مقابلہ کی جرات کرتے تھے۔ اتحاف اہل اسلام لکھنو ص ۹۶ مدارج النبوۃ وقدی ترجمہ مطبوعہ نولکشور لکھنو ص ۳۹ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۲۰ نیز یہی تفصیل ارجح المطالب صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ لاہور میں باسناد کتاب مطالب السؤل اور کفایۃ الطالب میں درج ہے۔

ہم نے اپنے موجودہ سلسلہ بیان مین حضرت علیؑ کے حملہ آخر کی مرقومہ بالا تفصیل کر دی ہے۔ آپ کے ایسے دوسرے مبارزین اسلام کے محاسن خدمات اور شجاعت و دلیری کے واقعات کا بھی علی قدر مراتب اندازہ کر لینا چاہیے۔

معرکہ جنگ کا دوسرا عالم جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین اسیران کفار کا عبرتاً للاولی الابصار تھا نامردگان قریش اور نامورانِ مکہ کو مبارزان اسلام اونکے انبوہ کثیر مین گرفتار کر رہے تھے اور وہ ہتھیار ڈال کر اسلام کی فتح اور اپنی شکست کا اقرار کر رہے تھے۔

ارباب تاریخ و سیرت کا بیان ہے کہ مجاہدان اسلام اسوقت بیکبارگی تین اسلامی خدمات انجام دی رہے تھے جان نثارون کا ایک گروہ تو قتل کفار مین مصروف تھا۔ دوسرا طبقہ مشرکین کو گرفتار کر رہا تھا۔ تیسرا دستہ عریشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا۔ اسی دستہ مین سعد بن معاذ بھی تھے۔ ابن ہشام بیان کرتے ہین۔

والہ صلعم امر با صحابہ فقتلٰ وکان الھزیمۃ فقتل اللہ تعالی من قتل من صنادید قریش واسر من اسر منہم فلما وضع القوم ایدیھم یاسرون ورسول اللہ صلعم فی العریش وسعد بن معاذ قائم علی باب العریش الذی فیہ رسول اللہ متوشحا السیف فی نفر من الانصار یحرسون رسول اللہ صلعم یخافون کرۃ العدو ورأی رسول اللہ صلعم فیما ذکر لی فی وجہ سعد بن معاذ الکراھۃ لما یصنع الناس فقال لہ رسول اللہ صلعم واللہ لکانّک یا سعد تکرہ ما یصنع القوم قال اجل واللہ یا رسول اللہ م کانت اول وقعۃ اوقعھا اللہ باھل الشرک فکان الاثخان فی القتل باھل الشرک احب الیّ من استبقاء الرجال

(روض الانف ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ مصر)

آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا اور اونھون نے جہاد مین شدت کی کفار کو ہزیمت ہوئی اور خدا تعالی کو جتنے عمائد قریش کا قتل منظور تھا وہ قتل ہوئے اور جتنے اونکے اشراف قوم کی گرفتاری مقصود تھی اوتنے گرفتار ہوگئے جناب رسولخدا صلعم اسوقت اپنے عریشہ مین بیٹھے تھے اور سعد بن معاذ اپنے دستہ انصار کے ساتھ تلوار ننگی لئے ہوئے عریشہ کے دروازے پر اس وجہ سے پہرہ دی رہے تھے کہ خوف تھا کہ دشمن اودہر لوٹ پڑیں۔ لڑائی کا یہ عالم جو ہم نے (ابن ہشام نے) اوپر لکھا ہے۔ آنحضرت صلعم اور سعد بن معاذ دونوں کے پیش نگاہ تھا۔ اس اثنا مین جناب رسولخدا صلعم نے سعد بن معاذ کے موہنہ پر اس عالم کے مشاہدے سے آثار کراہیت و ناپسندیدگی نمایان پائے۔ تو استفسار فرمایا کیا سعد تمکو یہ فعل جو تمہاری قوم کے لوگ کر رہے ہیں اچھے نہیں معلوم ہوتے سعد نے عرض کی صحیح ارشاد ہوتا ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ مشرکین کو خداوند عالم نے اس بلا و مصیبت مین ڈالا ہے اسلئے مجھے ان سب کے باقی رکھے جانے سے ایکبار ان کا بالتمام خاتمہ کر دیا جانا ہی بہتر اور بہت گوارا معلوم ہوتا ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکا جواب سنکر خاموش ہوگئے۔

اس خالص جان نثار کی یہ جوشش اور اسکے مقابلہ مین رحمت عالمؐ کی خاموشی انسان کی طبیعت عامہ اور انبیائے علیہم السلام کی

فطرت صالحہ کے فرق مابہ الامتیاز کو پورے طور سے ثابت کر رہی ہے بعد ان معاذ اپنی عروج کی کامیابی سے اسقدر جوش ہوگئے کہ حدود انتقام سے گذر کر قتل عام کے درجہ تک بڑھ گئے لیکن اوس خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر تو خلاف معمول خلاف عادت اور خلاف طبیعت ان مناظر بشارت اور عوالم فتح و نصرت سے کوئی اثر خاص نمایاں نہیں تھے آپکی خموشی ہزار زبان سے بتلا رہی ہے کہ کوئی منظر کوئی عالم اور کوئی حالت پیش نظر ہو ہم اپنے اصول اخلاق۔ حدود اشفاق مناسبت موقع اور مصلحت وقت سے سر مو تجاوز نہیں ہو سکتے۔

شہیدان بدر کی دلیرانہ جاں نثاریاں

ہم نے اسوقت تک اپنے سلسلہ بیان میں قریش کے مقتولین کے مارے جانیکی تفصیل اور جانبازان اسلام کی خدمات جو اونھوں نے مقتولین قریش کے قتل میں انجام دی ہیں بیان کی ہیں۔ اسیہم اون سرفروشان اسلام اور جان نثاران حضرت خیر الانام علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جو جنگ بدر میں عامر شہادت ہوئے اگر ہم اپنے ترتیب بیان میں انکے محاسن خدمات کی تصریح سے اعراض کریں تو ہمارا تاریخی مرقع ایک رخی تصویر ہوکر رہجائیگا اور ہمارا یہ طریقہ فروگذاشت ہمارے انداز تالیف کا بہت بڑا عیب ٹھیرایا جائے گا۔ اس بناپر ہم ان فدائیان اسلام کے حالات بھی اوسی تفصیل سے لکھتے ہیں جس تفصیل و تشریح سے ہم فاتحین اسلام کے حالات اوپر لکھ آئے ہیں۔

مجھکو اسکی ذرا پروا نہیں ہے کہ میری تاریخ اسلامی تاریخ نہیں بلکہ اسلامی جنگ نامہ بنجائیگی اور ہمکو اسکی بھی تمنا نہیں کہ بقول شبلی صاحب یوروپین مورخین اسکو بڑے شوق سے سنیں گے اور ہمکو اسکا بھی خوف نہیں کہ شبلی صاحب اور اونکے ہمخیال اسکو بے لطفی اور ناتوجہی سے سنیں گے یا ملاحظہ فرمائیں گے اسی لئے تو سیرۃ النبیؐ میں سوائے مہجع کے وہ بھی حضرت عمرؓ کے غلام خاندان ہونے کی خصوصیت خاص ظاہر کرنے کی ضرورت سے اور کسی ایک شہید احد کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ شبلی صاحب کے کان مستشرقین یورپ کے کانون کی طرف لگے تھے اور آپ اس خوف وہراس سے کہ وہ سننے نہ پائیں اور یہ حالات و واقعات درازنفسی اور بلند آہنگی کے حدود تک نہ پہونچنے پائیں (ملاحظہ ہو سلسلۂ غزوات سیرۃ النبی صفحہ ۲۲۲) اسی لئے آپ نے ان تمام واقعات کو حد درجہ کے اختصار تلخیص اور قطع و برید کے ساتھ غیر مکمل اور مبہم لکھکر تمام کر دیئے ہیں اور شہدائے احد کی جان نثاریوں کے بیان میں تو قلم بھی نہیں اوٹھایا اور انکے ذکر حالات سے آپ کا دفتر تاریخی بالکل خالی ہے۔

آپ نے میدان جنگ کا جو مرقع کھینچا ہے وہ تو یوروپین مورخین کے انداز تحریر کے مطابق اونکے نقش و نگار میں صرف کفاروں ہی کے قتل سے چشمہائے خون بہادئے ہیں (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ص ۲۲۲) اور اس سیلاب خون میں صرف غریب مہجع کے چند قطرہائے خون کی بہین کہین جھلک سی نظر آجاتی ہے۔ محققین واقعات اور متلاشین حالات تو آپکے اس مرقع بیان کو ایک رخی اور بالکل ایک رخی تصویر ٹھیرائیں گے۔ اور حیرت سے نقش بدیوار بن جائیں گے۔

صحیح شہیدوں

اتنا تمہیداً عرض کرکے ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں تاریخ و حدیث کا اسپر اتفاق ہے کہ صحیح خاندان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام جس کا کسیقدر ذکر خیر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ مہاجران اسلام کی فہرست جانبازی میں نمبر اول ہے اور تمام مورخین و محدثین نے شہدائے بدر میں اسکو شہید اول قرار دیا ہے۔ ہذا فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حارثہ بن سراقہ کی شہادت

مہجع کے بعد حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ اور بالاتفاق شہدائے بدر میں یہ شہید ثانی یقین کیے جاتے ہیں۔ انکی صورت شہادت زرقانی نے یوں بتلائی ہے۔

حارثة بن سراقة (حراسة) وكان في النظارة اي الذين لم يحضروا القتال فلم يحضر القتال فجاءه سهم غرب فوقع في نحره فقتله فجاءت امه (ام الربيع) فقالت يا رسول الله قد علمت مكان حارثة مني فان يكن في الجنة اصبر واحتسب والا فترى ما اصنع فقال صلعم انها ليست بجنة واحدة ولكنها جنان كثيرة وانه في جنة الفردوس كما في الصحيح وقتله حبان بن العرقة زرقاني ص ۵۳

حارثہ ابتدا لشکر اسلام کی صفوں میں گھوم گھوم کر دیکھ رہے تھے کہ کون شخص مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا ہے اس اثنا میں ایک تیر اڑتا ہوا آکر انکے وسط حلق پر بیٹھا اور یہ جان بحق تسلیم ہوگئے۔ انکی غمزدہ ماں ام ربیع یہ حال دیکھکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں دوڑی آئیں اور عرض کرنے لگیں آپ ارشاد فرمادیں اگر حارثہ جنت میں داخل ہوگیا ہے تو پھر میں صبر کرکے خاموش رہجاؤں ورنہ آپ دیکھ لیں گے میں (دشمنوں کے ساتھ) کیا کرتی ہوں آپ نے فرمایا کہ جنت ایک جنت نہیں ہے بلکہ اسکے متعدد رتبے ہیں اور حارثہ اوس درجہ جنت میں ہے جسکو جنت الفردوس کہتے ہیں یہ روایت صحاح کی ہے۔ حارثہ کو حبان بن عرقہ نے قتل کیا۔

عمیر بن الحمام کی شہادت

جاں نثاران اسلام میں عمیر بن الحمام بھی قابل الذکر ہیں۔ ابن ہشام ص ۱۸۔ جلد دوم طبری ص ۱۳۲۴ اور زرقانی ص ۵۳۶ میں انکے حالات اسطرح لکھتے ہیں۔

انه صلى الله عليه وآله وسلم خرج على الناس فحرضهم فقال والذي نفس محمد بيده لا يقاتلهم اليوم رجل فيقتل صابرا محتسبا مقبلا غير مدبر الا ادخله الجنة فقال عمير بن الحمام وفي يده تمرات ياكلهن بخ بخ افما بيني وبين ان ادخل الجنة الا ان يقتلني هؤلاء ثم قذف التمرات من يده واخذ سيفه فقاتل القوم حتى قتل وهو يقول

ركضا الى الله بغير زاد ۔ الا التقى وعمل المعاد

والصبر في الله على الجهاد ۔ وكل زاد عرضة النفاد

غير التقى والبر والرشاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان الفاظ میں لشکر اسلام کو قتال کفار پر ترغیب دی۔ فرمایا کہ اوس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے جو شخص صبر و تحمل اور ضبط و خاموشی سے قدم آگے بڑھاتا ہو نہ بھاگنے کے لئے پیچھے ہٹتا ہوا قتل کیا جائیگا وہ یقینی جنت میں داخل ہوگا۔ عمیر بن حمام جو اوس وقت اپنے ہاتھوں میں کھجوریں لئے کھا رہے تھے کہنے لگے۔ واہ واہ۔ اب تو میرے اور داخلۂ جنت میں کوئی شے حائل نہیں ہوسکتی۔ میں خوش ہوں اب یہ قوم مجھے قتل کر ڈالے یہ کہکر کھجوریں تو اپنے ہاتھ سے پھینک دیں اور تلوار لے کر لشکر کفار میں جا پڑے اور یہ رجز پڑھنے لگے۔ میں تو اپنے خدا کے پاس بغیر کسی توشہ کے جاتا ہوں اور میرے پاس کوئی توشہ سوا تقویٰ کے اور عمل آخرت اور رضائے الٰہی کے جہاد کرنے کی مشقتوں پر صبر کرنے کے سوا نہیں ہے ہر توشہ سے معاف ہو جاتے اور

وقتل خالد ابن الاعلم العقیلی مارے گئے، خالد بن اعلم عقیلی نے انکو شہید کیا۔

عوف بن حارث انصاری کی دلیرانہ شہادت

جنگ کی عین گرم بازاری میں جب طرفین سے شدید حملات ہو رہے تھے عوف بن حارث انصاری جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایکبار جوش شجاعت اور وفور خلوص و عقیدت سے سرشار ہوکر عرض خدمت کرنے لگے۔ طبری اسکے الفاظ تقریبی یہ لکھتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلعم ما یضحک الرب من عبدہ قال غمسہ یدہ فی العدو حاسرا طبری ۱۳۲۲

یا رسول اللہ بندہ کی کونسی ادا پروردگار کو خوش کر دیتی ہے ارشاد ہوا دشمناں خدا سے بغیر سلاح جنگ رہ ہوکر دست و گریبان ہو جانا۔

مخبر صادق کی زبان صداقت ترجمان سے اتنا سننا تھا کہ

فنزع درعا کانت علیہ فقذفہا ثم اخذ سیفہ فقاتل القوم حتی قتل طبری ۱۳۲۲

اس تہر دل نے سلاح جنگ جو پہنے ہوئے تھا اتارکر پارہ پارہ کرڈالی اور پھینک دی اور تلوار اٹھاکر کفار سے لڑنے لگا یہاں تک کہ مارا گیا۔

عمیر ابن ابی وقاص کمسن مجاہد کی دلیرانہ شہادت

عمیر ابن ابی وقاص جو کمسن ہونے کے باعث شریک لشکر نہیں کئے جاتے تھے لیکن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی گریہ وزاری سنکر اجازت دیدی تھی۔ میدان جنگ میں باوجود کمسنی کے اظہار شجاعت سے باز نہ رہے کفار سے لڑے اور مارے گئے۔ امام سہیلی کے قول سے عاص بن سعید نے اور علامہ ابن حجر کی روایت سے عمرو بن عبدود نے انکو شہید کیا۔ زرقانی ص ۵۳۷

سعد بن خثیمہ اور مبشر بن منذر کی شہادت

ان جانبازان اسلام کی فہرست میں دو بزرگان انصار کے نام نامی اور قابل ذکر ہیں۔ ایک سعد بن خثیمہ دوسرے مبشر بن منذر انصاری۔ سعد بن خثیمہ کی عظمت شان علامہ زرقانی کے بیان سے ذیل میں ملاحظہ ہو۔

سعد بن خثیمۃ احد النقباء بالعقبۃ الصحابی ابن الصحابی الشہید ابن الشہید قیل قتلہ طعیمۃ بن عدی وقیل عمرو بن عبدود واستشہد ابوہ خثیمۃ یوم احد۔

سعد بن خثیمہ طبقہ نقبا میں تھے۔ عقبہ میں بیعت اسلام لائی تھی خود بھی صحابی تھے صحابی کے بیٹے تھے شہید تھے اور شہید کے بیٹے تھے انکو طعیمہ بن عدی نے اور بروایتے عمرو ابن عبدود نے قتل کیا ص ۵۳۵ انکے باپ (خثیمہ) احد میں شہید ہوئے۔

ہم نے ان سروستان اسلام کے جانبازانہ اور فدائیانہ حالات لکھکر اپنے سلسلہ بیان سے صرف ایک رخ ہونیکا عیب مٹادیا۔ اور اپنے ناچیز اور ناقابل قدر بیان میں ان مجاہدان راہ خدا کی کامل الایمانی ثبات و پاداری اور ہمت و جگرداری کی بے نظیر مثالیں دکھلادیں۔ جو دنیا کے فاتح اور مٹنے والے کارناموں میں کیا لوح محفوظ رب العباد میں ابدالاباد تک قائم و محفوظ رہینگی ان شاء اللہ۔

جنگ بدر کے اصلی

جنگ بدر کے حالات و واقعات ختم ہو گئے۔ فاتحان اسلام فوج کفار کو شکست کامل دیکر آئندہ جہاد

ہیرو حضرت علیؓ مرتضیٰ ہیں

فی سبیل اللہ کی خدمات کے لئے باقی رہے ہیں اُنکی دلیرانہ اور شجاعانہ حالات اور نیز شہیدان بدر کے سرفروشانہ اور جانبازانہ واقعات جو اونھوں نے اپنی جانیں دیکر اپنے بعد دنیا میں بہترین یادگاریں چھوڑیں۔ ایک ایک کرکے ہم نے بیان کردئے۔

محققین ان مبارزین اسلامی کے تفصیلی کارناموں کو پیش نظر رکھکر مجاہدین بدر کی خدمات میں موازنہ کریں گے تو بالآخر انکو بھی شبلی صاحب کی طرح یہ کہکر اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام کی اس عظیم الشان جنگ کے فاتح (ہیرو) اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ثابت ہوتے ہیں جنکی فاتحانہ خدمات کی نسبت امام دولابی لکھ کر بتلا چکے ہیں کہ یصرف حتی یفتح علیہ کسی غزوہ سے تاوقتیکہ فتح نہ فرمالیتے تھے واپس نہ آتے تھے۔ ارجح المطالب طبوعہ لاہور صفحہ ۵۵۲

مقتولین بدر کا دفن

تفصیل جنگ کو تکمیل تک پہونچا کر ہم میدان جنگ کے دوسرے واقعات کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جنگ کا خاتمہ ہوگیا قریش کے لشکر گران نے شکست کامل اوٹھائی اونکے بڑے بڑے نبرد آزما اور شجاع زمانہ قوم و قبائل کے سردار و نمودار مارے گئے کفار کی طرف مقتولین کی تعداد ستر تھی اور مقیدین کی تعداد تینتالیس ۴۳ مسلمانوں کی طرف چودہ آدمی شہید ہوئے ۶۔ مہاجرین اور آٹھ انصار۔ مشرکین قریش شکست کے بعد۔ جو پکڑے گئے پکڑے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔

غنیم سے جب میدان قتال بالکل خالی ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں خود تشریف لائے اور سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا وہ جانبین کی مقتولین کی آخری خدمات تھیں۔ ہر شخص رحمت عالم کی رحمدلی و دردمندی کے اصول اور اس خلق مجسم کی رقت قلبی کے اس معمول سے خوب واقف تھا کہ آپ جہاں کہیں کسی میت کو افتادہ پاتے تھے اوسکو فوراً زمین میں دفن فرمادیتے تھے میت تو میت استخوانہائے افتادہ تک کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جاتا تھا اس بنا پر کیسے ممکن تھا کہ کفار کی طرف والے مقتولین بدر اخلاق و ہمدردی کے اس فیضان عام سے محروم رکھے جاتے۔

شہدائے بدر کی چونکہ تعداد بہت قلیل تھی۔ شمار میں کل چودہ تھے۔ اون کی خدمات سے جلد فراغت ہوگئی تو ان کشتگان مشرکین کی طرف توجہ فرمائی گئی چونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے اور سب کو جدا جدا دفن کرنے میں وقت بھی زیادہ درکار تھا اور جنگ سے تھکے ہوئے مسلمانوں کو محنت اور مشقت بھی زیادہ کرنی ہوتی۔ اس لئے ایک قریب کے کنوئیں میں کفار کی لاشوں کو اٹھا اٹھا کر دفن کرادیا گیا[۱۵]۔ اور کنوئیں کے موہنہ کو پتھر اور مٹی سے بھر کر سطح زمین کے برابر کرادیا گیا۔ صرف امیہ بن خلف کی لاش بگڑ جانے

[۱۵] افسوس مسلمانوں نے شہیداں کربلا کے ساتھ جن میں اسی رسولؐ صلعم کے اٹھارہ جگر پارے تھے اتنا بھی۔ کیا جتنا کفار کی لاشوں کے ساتھ بدر میں کرچکے تھے۔ اونکو بے سر تن اور طعمۂ جانوران بنائے جانے کی جگہہ کم سے کم کسی غار میں ڈالدیا ہوتا۔ یا دریا قریب تھا اسی میں بہا دیا ہوتا۔ ساٹھ ہی برس کی مدت میں مسلمانوں نے رسولؐ اللہ صلعم کی تعلیم اور آپکے اعلیٰ اخلاق کو ایسا بھلا دیا۔ فاعتبروا

المولف عفی عنہ

کے ماتم او ٹھانے کے قابل نہ رہی تھی اس لئے وہین تہہ زمین کردی گئی۔

شبلی صاحب کی عجلت رقمی بہت سے قابل الذکر حالات کو چھوڑتی چلی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ تمام تاریخون کے مشاہدات متفقہ ثابت ہوتے ہین۔ چنانچہ وہ مشرکین کے ذکر مین ابوحذیفہ بن عتبہ کا واقعہ اوسکی کامل الایمانی اور راسخ الاعتقادی کی شان کو دوبالا ثابت کررہا ہے۔ ابن ہشام نے الفاظ ذیل مین اوسکی تفصیل کی ہے۔

لما امر رسول الله صلعم ان يلقوا في القليب اخذ عتبة بن ربيعة فسحب الى القليب فنظر رسول الله فيما بلغني في وجه ابي حذيفة فاذا هو كئيب قد تغير فقال يا ابا حذيفة لعلك قد دخلك من شان ابيك شئ او كما قال صلى الله عليه واله وسلم فقال لا والله يا رسول الله ما شككت في ابي ولا في مصرعه ولكني كنت اعرف من ابي رايا وحلما وفضلا فكنت ارجو ان يهديه ذلك الى الاسلام فلما رايت ما اصابه وذكرت ما مات عليه من الكفر بعد الذي كنت ارجو له احزنني ذلك فدعا له رسول الله صلعم بخير وقال له خيرا ص ۲۳ مصر

جناب رسولخدا صلعم نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو کنوئیں مین لا لا کر جمع کریں تو عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پر کھینچتے لائے تو ابوحذیفہ کو باپ کی لاش کو اس حال سے لاتے ہوئے دیکھکر ملال ہوا جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً اوسکے چہرے سے آثار حزن و ملال پہچانکر پوچھنے لگے کہ اے ابوحذیفہ کیا تمکو اپنے باپ کی طرف سے کچھ دل میں خیال آیا ہے۔ جونہین جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا ابوحذیفہ نے جوش عقیدت سے جواب مین عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم قسم خدا کی اسلام کی طرف سے مجھے خس بھر بھی شک نہین لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے کہ میرا باپ صاحب رائے متحمل صاحب ادب وکمال تھا اور اوسکے ان صفات سے مجھکو ہمیشہ امید قوی تھی کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو خود سمجھکر مشرف باسلام ہو جائیگا لیکن خلاف امید مین نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام سے مشرف نہ ہونیکی وجہ سے بالآخر اوسکی کیا حالت ہوئی اور یہ اوسکے کافر ہونیکا نتیجہ ہے یہ سنکر آنحضرت صلعم نے ابوحذیفہ کے لئے دعائے خیر کی اور اوسکو کلمات خیر سے یاد و شاد فرمایا۔

اسکے بعد ابن ہشام بیان کرتے ہین کہ آنحضرت صلعم مدفن کا فرین پر کھڑے ہوئے اور عبرت انگیز انداز و طریقہ سے گویا مقتولین مشرکین کو مخاطب کرکے یہ کلمات عبرت ارشاد فرمائے۔

يا اهل القليب بئس عشيرة النبي كنتم لنبيكم كذبتموني وصدقني الناس واخرجتموني واواني الناس وقاتلتموني ونصرني الناس ثم قال وجدتم ما وعدكم ربكم حقا ص ۲۲ جلد دوم طبری ص ۱۳۲۳

اے افتادگان چاہ! تم اپنے نبی کے لئے کیسے برے عزیز اور قرابتمند ثابت ہوئے تم نے مجھے جھٹلایا اور غیر لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے گھر سے نکال پھینکا اور غیروں نے مجھے پناہ دی تم میرے قتل پر آمادہ ہوئے غیروں نے میری نصرت و حمایت کی یہ کہکر

آپ نے فرمایا۔ تم بالآخر وہ امر پاگئے جس کا خدا نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا۔

اسیرانِ بدر کے ساتھ ترحمانہ سلوک

ان امور سے فراغت فرما کر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدیانِ قریش کی طرف متوجہ ہوئے پہلے وہ ایک ایک کر کے شمار کئے گئے جو ابن ہشام کی تعداد کے مواقف تینتالیس تھے جن میں آنحضرتؐ کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب برادر عم زاد عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور ابو العاص شوہر حضرت زینب بھی داخل تھے۔ سر دست ان لوگوں کا اسوقت کوئی تصفیہ فرما دینا مناسب نہ سمجھا گیا بلحاظ وخیال قرابت و یکجہتی۔ تمام اسیروں کو دو دو چار چار کر کے انصار و مہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہی قیدی کو اپنی حراست میں راحت و آرام سے رکھے۔

رسولؐ کا حکم کافی تھا۔ اور اسلام کی عام ہمدردی کی تعلیم کا مقتضیٰ بھی یہی تھا جو فاتحین اسلام نے اپنے مقیدین کی راحت رسانی کی خدمات میں اختیار کیا۔ تمام تاریخ وحدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اسوقت سے لیکر جب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین وانصار کے پاس رہے صحابہ کا یہ برابر قاعدہ رہا کہ گھر میں جو کھانا پکتا تھا وہ قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا اور خود کھجوریں کھا کر رہجاتے تھے۔ ابو عزیز جو مصعب ابن عمیر کے بھائی تھے وہ بھی قید ہو کر آئے تھے اور ایک انصاری صحابی کی حوالگی میں دیے گئے تھے وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح وشام کھانا لاکر سامنے رکھتے آپ بھی ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتے اور کھانے لگتے۔ مجھکو ان کے اس مکارم اشفاق سے ایسی شرم آتی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا۔ وہ میری حالت دیکھکر کہتے کہ میں نے تمہیں روٹی اسلئے دی ہے کہ تم لوگ خورش غلہ کے خوگر ہو۔ بخلاف تمہارے ہم کھجوروں کے عادی ہیں کیونکہ ہمارے علاقہ میں کھجوریں کثرت سے ہوتی ہیں میں انھیں خوشی سے کھا سکتا ہوں اور تم نہیں۔ میں ہاہم اصرار کر کے روٹیاں انھیں کے ہاتھ میں دیدیتا۔ لیکن وہ منت وسماحت کر کے پھر مجھی کو واپس کر دیتے طبری ص ۱۳۳۸

یہ تھی اسلام کی ہمدردی کی تعلیم عام اور معلم اسلام علیہ السلام کے احکام وتاکید کی تاثیر۔ اسیران بلا حاجب ملاحظہ کے لئے پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ تھے بھی تو جنگ و پیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہو کر پہننے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم ان کی برہنہ تنی کو کب گوارا کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انھیں کپڑے پہناؤ تب اپنے اپنے ہمراہ لیجاؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی اتفاق سے حضرت عباس کا لباس بھی پارہ پارہ ہو گیا تھا اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر طیار ہو گئے لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اسقدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپ کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا اتفاق سے عبد اللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباس کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آگیا۔

امام بخاری لکھتے ہیں عبد اللہ بن ابی سلول کو اپنے کرتہ کا کفن جو عنایت فرمایا گیا تھا وہ اس کے اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ بخاری ص ۴۴۲

انھیں قیدیوں میں عرب کا شیرین زبان اور سحر البیان شاعر سہیل ابن عمر بھی شامل تھا۔ یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی نئی تقریریں کیا کرتا تھا جب یہ شخص سامنے لایا گیا تو حضرت عمرؓ کو طیش آگیا فوراً عرض کی کہ یا رسول اللہ ص اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اکھڑوا لئے جائیں کہ اسکی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہو جائے۔ اوس رحم مجسم نے ارشاد فرمایا اے عمر اگر میں اسکا کوئی عضو بگاڑوں (مثلہ کرنا) تو یاد رکھو اگرچہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم لیکن خدائے منتقم اسکے بدلہ میں میرے اعضا بھی بگاڑ دیگا۔ طبری ص ۱۳۴۴

انھیں سہیل ابن عمر کی نسبت تاریخوں نے یہ بھی لکھکر بتلا دیا ہے کہ یہ حضرت ام المومنین سودہ کے عزیزوں میں تھے مدینہ میں جب آئے اور ان محترمہ کی نظران پر پڑی اور انکو اس صورت سے دیکھا کہ ہاتھ پاؤں بندھے ہیں تو ایک شجاعانہ للکار میں بیساختہ کہہ اٹھیں کہ تم نے یا شکستہ عورتوں کی طرح بیڑیاں تو پہن لیں مگر تم سے یہ نہ ہوسکا کہ مردانہ وار تلوار لیکر میدان جنگ میں کٹ مرتے۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳ ۱۵

تاریخ و سیر کا متفقہ بیان ہے کہ ان تمام انتظاموں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ رات (اٹھارویں رمضان کی شب) وہیں خیمگاہ بدر میں صرف کی۔ طبری کا بیان ہے کہ ان تمام امور انتظام سے فراغت فرما کر جب آپ فرش خواب پر آرام فرمانے گئے تو اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب کے کراہنے کی آواز سنی دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ ہاتھوں کے بندھنے سے اونھیں تکلیف ہے۔ آپ یہ سنکر تھوڑی دیر تک خموش رہے لیکن قلب مبارک بیچین رہا اور بیچینی سے نیند نہ آئی صحابہ جو خدمت میں حاضر تھے آپ کو بیچین دیکھکر بے چینی کا سبب پوچھنے لگے تو ارشاد ہوا کہ چچا کی کراہ سونے نہیں دیتی میں نہیں چاہتا کہ محض خصوصیت کی بنا پر اصول عدالت اور معمول مساوات سے تجاوز کروں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اوس شخص سے جسکی حراست میں وہ مقید ہیں میری طرف سے کہدو کہ رات بھر کے لئے اونکے ہاتھ کھولدے کہ وہ بھی آرام سے سو جائیں اور میں بھی صحابہ فوراً اوٹھے اور اوس مرد انصاری سے کہکر حضرت عباس کے ہاتھ کھلوا دیئے۔ ہاتھ کے کھلتے ہی حضرت عباس نے بھی نیند سے آنکھیں بند کر لیں اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سو گئے طبری ص ۱۳۴۱

رزمگاہ بدر سے مراجعت اور مدینہ منورہ میں داخلہ

دوسرے دن رزمگاہ بدر سے کوچ ہوا منزل روحا میں جو بدر سے واپسی میں آخر منزل اور مدینہ سے آنے میں اول منزل تھی۔ پہونچکر حضرت عبید اللہ بن الحرث بن عبد المطلب نے انتقال فرمایا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس شہید راہ خدا کو وہیں مدفون فرما دیا گیا۔ اور یہ بزرگ اوسوقت تمام بنی ہاشم میں کبیر السن تھے اور شہادت کے وقت انکا سن چونسٹھ برس کئی مہینہ کا بتلایا گیا ہے۔ زرقانی

انکی آخری خدمات سے فارغ ہوکر لشکر اسلامی نے کوچ کیا۔ روانگی سے پہلے زید بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں فتح اسلام کی اشاعت و اعلان کے لئے روانہ کر دیا گیا تھا یہ عین اوسوقت پہونچے جب حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمانؓ کی میت مدفون کی جارہی تھی۔ اور تمام مسلمان یکجا موجود تھے۔

زید نے جب مژدہ فتح سنایا تو اسامہ خود انکے بیٹے کا بیان ہے کہ کسی فرد واحد کو اسلام کی اس عظیم الشان فتح کا یقین نہ آیا کیونکہ وہ لشکر اسلام کی قلت تعداد کمی سامان محاربت اور بخلاف انکے قریش کی کثرت فوج اور سازوسامان کی افراط سے خوب واقف تھے اسامہ کہتے ہیں اور تو اور لوگ تھے مجھکو خود اپنے باپ کے بیان پر اعتبار نہیں آیا تو مین نے پھر دوبارہ ان سے پوچھا کہ کیا آپ سچ بیان کرتے ہیں کہ ستر سرداران قریش مارے گئے اور تیس قیدی اشراف کفار مقید ہو کر مدینہ آرہے ہیں اور کل صبح تک داخل شہر ہو جاینگے میرے باپ نے میرے اور تمام حاضرین کے مونہہ پر شرعی قسم کھائی۔ تاہم اکثر لوگوں کو احتمال باقی رہا اور وہ یہی کہتے چلے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ روضۃ الاحباب مجلد سیر ابن ہ ۲۳۷

دوسرے دن موکب رسالت کا شہر میں داخلہ تھا۔ ہر شخص نے فرط مسرت سے جاگکر رات کاٹی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تمام اہل اسلام فریضہ سحری سے فارغ ہوکر درود پڑھتے ہوئے جناب رسولخدا صلعم کے استقبال کے لئے بیرون شہر جمع ہوئے۔ بعض مشتاقین چاہ ابی عنبہ تک ایک میل آگے بڑھ گئے۔ دن نکلتے نکلتے کوکبہ رسالت جنود اسلام کے ساتھ نمودار ہوا۔ جانبین سے نعرہائے تکبیر بلند ہوئے۔ جب لشکر اسلامی قریب آگیا تو معتقدین فرداً فرداً اقدس رسالت ہوئے اور مجاہدین سے معانقہ و مصافحہ کے بعد آنحضرت صلعم کی رکاب میں داخل شہر ہوئے۔

یہاں بھی مسلمین مشتاقین کی وہی کثرت تھی ہر عقیدت مند شرف قدمبوسی سے شرف دارین حاصل کرتا جاتا تھا اور وہ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی قدر مراتب ہر شخص کے اظہار عقیدت کے جواب میں اپنی طرف سے اونکی تصدیق خلوص و عقیدت فرماتا جاتا تھا۔

تائید غیبی کے چشم دید واقعات

اس اثنا میں دو چار صحابہؓ آپس میں ملکر وقوعات جنگ کا تفصیلی ذکر کرنے لگے ایک مجاہد اسلام نے اپنی سرگذشت بیان کر کے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں خود نہیں معلوم ہماری فتح کیونکر ہوئی۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ فتح و کامیابی ہماری زور و قوت یا سعی و کوشش کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ محض تائید غیبی تھی اور مشیت الٰہی کی تفویض تھی۔ ثبوت میں ہمارے مشاہدات عینی موجود ہیں اور وہ یہ ہیں کہ میدان جنگ میں ہم اپنے مقابل پر جب حملہ آور ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ قبل اسکے کہ ہم اپنی تلوار سے اوسے قتل کریں اوسکو مقتول پاتے تھے اور اگر کوئی مقابل تاب مقابلہ نہ لاکر سامنے سے بھاگ جاتا تھا اور ہمکو اوسکا تعاقب کرنا ہوتا تھا تو ہمارے پہونچنے سے پہلے ہم اوسکو زمین پر مردہ پاتے تھے حالانکہ نہ ہم مقابلہ والے معاملہ میں کسی مارنے والے کو دیکھتے تھے اور نہ تعاقب والے واقعہ میں دشمن کا کوئی قاتل ہمیں دکھلائی دیتا تھا۔ اسی طرح کفار کے قید کرتے وقت معاملات پیش آئے جس مغرور کے پکڑنے کے لئے ہم دوڑتے تھے پہونچنے سے پہلے

ہم اوسکو وہان دست و پا بستہ پاتے تھے اکثر یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے سے دو وے اور سہ گونے پہلوانان قریش کو بلا تکلف مقید کر لیتے تھے جیسے کوئی اونکے قید کرنے مین ہماری معاونت اور مشارکت کر رہا ہے۔

ان لوگون کے نقل و بیان کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن رہے تھے۔ آپ ان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے۔ وہ ملائکہ مقربین تھے جو تمہاری نصرت و حمایت کے لئے خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر نازل فرمائے گئے تھے۔ طبری صفحہ ۱۳۳۵۔ ابن ہشام جلد دوم ص ۲۳

قرآن مجید ان مشاہدات کا اجمالاً خود ان الفاظ مین شاہد ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝	جب تم اپنے خدا سے فریاد کر رہے تھے اوس نے تمہاری سن لی (اور کہا) مین تمہاری مدد لگاتار ہزار فرشتوں سے کرونگا۔
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ	یقیناً خدا نے بدر کے دن تمہاری مدد کی جب تم کمزور تھے تو خدا سے ڈرو تاکہ شکر گذار بن جاؤ۔

شبلی صاحب نے ان واقعات کو عمداً مرفوع القلم فرما دیا۔ کیون یوروپین محققین کی تعریض کے خوف سے اور نیز اس خیال سے کہ ان واقعات کے لکھنے سے آپ کی تالیف فلسفہ تاریخی کے معیار سے نیچے اوتر آئے گی۔

افسوس ایک اسلامی مؤلف عیسائی مؤلفین کی تعریض اور عیسائی تالیفات کی عدم تقلید کی دہشت سے کانپا جاتا ہے اور سلف صالحین کی تقلید و اتباع کا قلادہ اپنی گردن سے اوتارے پھینکتا ہے۔ اور اس بندۂ خدا کو ذرا خیال نہین آتا کہ ان واقعات کے اسقاط و اضاف سے عیسائی مؤلفین اور اونکی تالیفات کی پوری تقلید تو ہو جاتی ہے لیکن اسی کے ساتھ قرآن مجید کی تکذیب بھی ظاہر ہو جاتی ہے نعوذ باللہ۔

اور اگر یہ سبب خاص نہین ہے تو پھر باوجود اسکے کہ آپ کی تمام قدیم تاریخ۔ سیرت۔ حدیث۔ تفسیر کی کتابون مین یہ واقعات موجود ہین اور آپ کا خدا بھی اپنے کلام پاک مین اسکی واقعیت اور حقیقت کی تصدیق کرتا ہے اور آپ کا رسولؐ برحق بھی عین موقع پر ان واقعات و مشاہدات کے بیان کرنے والون کی توثیق فرماتا ہے تو پھر آپ کے لئے ان واقعات کو بیان کرنے سے کون شے مانع آتی ہے؟ کیا آپ یا آپ کی طرف سے کوئی مرد مسلمان آپ کی اس فرو گذاشت کیلئے کوئی وجہ معقول اور کوئی عذر قابل قبول پیش کر سکتا ہے۔

شبلی صاحب کی حیلۃ العقلی کی حقیقت کا ہم تمام ایسے مقامات پر پورا انکشاف کرتے جاتے ہین اور یہان بھی ہمکو یہی ضرورت لاحق ہوئی شبلی صاحب نے تو کمال احتیاط سے ان واقعات کو اصلی کتاب سے نکال پھینکا اور اشارتاً کنایتاً بھی اسکا ذکر کہین آنے نہ دیا اسلئے کہ روحانیات کا ذکر و تذکرہ آپ کی فلسفانہ تالیف کی کسرِ شان ہوتی تھی۔ لیکن اوسی روحانیت کی حقیقی قوت کا زبردست ہاتھ ایسا ہی قوی تھا کہ جس نے آپ ہی کے دست و قلم سے آپ کی اسی کتاب میں لکھوا ہی چھوڑا۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ جلد اول کے صفحہ ۴۴۲ پر یہ سرخی

قائم کی گئی ہے۔ غزوہ بدر کا بیان قرآن میں تمام آیات قرآنی جن میں بدر کے حالات مذکور ہیں لکھے گئے ہیں اون میں مرقومہ بالا دونوں آیتیں موجود ہیں۔ اس ترتیب سے کہ آیہ اول تو صفحہ ۲۶۴ سطر ۱۳ میں مرقوم ہے اور آیہ دوم صفحہ ۴۷۶ سطر ۱۶ میں مسطور ہے۔

آپ قرآن مجید سے ان روحانی منفعت و حمایت کے شواہد تو نقل کرتے ہیں لیکن اونکو اپنے سلسلہ بیان میں لکھنا نہیں چاہیے گویا (نعوذ باللہ) انکی اصلیت اور واقعیت آپ پر مشتبہ ہے اس صورت حال کو مشاہد کرنے کے بعد کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی سچے اور دیندار مسلمان مولف کی یہ شان تحریر ہے اور عنوان تالیف لاحول ولا قوۃ۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ مقیدین قریش دو دو چار چار کرکے پہلے ہی مہاجر و انصار کی سپردگی و حراست میں دیدیے گئے تھے یہ صرف وقتی انتظام تھا۔ مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مقیدین کے خاطر خواہ انتظام کی طرف توجہ فرمائی گئی۔ انہیں سے صرف دو آدمی عقبہ بن معیط اور نضر بن الحارث داخلہ مدینہ سے پہلے ہی قتل کر دیے گئے تھے اور ان دونوں شریر النفسوں کی عملی سزا انکی بداعمالیوں کی جزا کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھیں انکی مفسدہ انگیزیاں اتنی بڑھ گئیں تھیں کہ انکی ناپاک ہستیوں سے دنیا کو بہت جلد پاک و صاف کر دینا ہی امن ملک اور امان قوم کے لئے مفید و ضروری تھا۔

باقی اسیروں کے معاملہ میں صحابہ کا استمزاج لیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے صلاح دی کہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا سب کے سب قتل کردے جائیں اور اس خصوصیت کے ساتھ کہ عباس کو حمزہ اور عقیل کو علیؓ اسیطرح ایک عزیز اپنے دوسرے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے یہ ثابت کر دے کہ حصول اسلام کے بعد کفار و مشرکین کے ساتھ پھر کوئی قرابت و خصوصیت کی رعایت قائم نہیں رہی حضرت عمرؓ کی رائے استیصال کفر کی بناپر چونکہ بہت شدید تھی اور اصول اخلاق و مروت سے بہت بعید اس سے انکی رائے سے اتفاق نہیں کیا گیا بلکہ بخلاف انکے حضرت ابوبکرؓ کی صلاح کو پسند کرکے مقیدین کو فدیہ لے کر چھوڑ دیے جانے کا حکم دیدیا گیا۔ ملک و قوم کے قدیم دستور و آئین کے مطابق حکم پاتے ہی مقیدین اپنے فدیہ ادا کرکے بلا عذر دنامل رہا ہوتے گئے اور اپنے اپنے مقام و مسکن کو واپس ہوتے گئے۔ جنکے پاس رقم موجود نہیں تھی اونھوں نے اپنے اعزہ کو رقم فدیہ لے کر طلب کیا اور اونکی آمد تک یہ لوگ ٹھیرے رہے۔ جو لوگ مقیدین میں بالکل نادار تھے اور کسی طرح سے رقم فدیہ نہیں ادا کر سکتے تھے لیکن پڑھنے لکھنے کی صنعت جانتے تھے ان لوگوں کے لئے یہ حکم خاص نافذ فرمایا گیا کہ یہ صحابہ کو جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے فن کتابت تعلیم کریں اور تعلیم کتابت پوری کر دینے کے بعد وہ رہا کر دیے جائیں اور یہی خدمت اونکا فدیہ قرار دی جائیگی۔ اس تجویز سے بہت سے مہاجر و انصار نے تھوڑے دنوں میں ان لوگوں سے فن کتابت حاصل کرکے لکھنے پڑھنے میں پوری مہارت پیدا کرلی۔ زید بن ثابت وغیرہ انھیں لوگوں میں تھے۔

حضرت عباس کا قبول اسلام | انھیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ روسائے بنی ہاشم میں سب سے خوشحال تھے وہ ہر شخص کو معلوم تھا ان سے فدیہ لینے کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ان سے بیکبار چار فدیے لے جائیں ایک انکا خاص۔ دوسرا انکے بھتیجے عقیل بن ابیطالب کا تیسرا انکے دوسرے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبد المطلب کا چوتھے انکے حلیف عتبہ بن جحدم کا حضرت عباس اس حکم سے چیں بجبیں ہوئے اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھسے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا اسوقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انھیں کے ساتھ اسیر ہو کر آئے ہیں یہ سنکر حضرت عباس بولے میرے پاس اسوقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیا تم اسکو گوارا کرو گے کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگدستی کی موجودہ حالت میں ادائے فدیہ کیلئے دوسرونکے آگے دست سوال پھیلائے۔

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت اور کسی مقام میں نادار نہیں کہے جا سکتے ابھی تو آپ کے پاس ایک رقم کثیر (دس ہزار) کی ہے جو مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کی تحویل میں یہ کہکر رکھوائی گئی ہے کہ اگر آپ لڑائی سے واپس نہ آئیں گے تو وہ اوسکے اور اونکے چاروں بیٹوں میں تقسیم کر لیجائے گی یہ سنتے ہی حضرت عباس کا چہرہ زرد ہو گیا اور اسی ہیبت وجلال کے خاص عالم میں کہنے لگے محمد (صلعم) خدا شاہد ہے کہ میرے اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں تھا یہ تمہیں کس نے خبر کر دی۔ یہ کہکر اسی جلال وسطوت روحانی کی عین حالت میں حضرت عباس بے اختیار پکار اوٹھے اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدان محمداً رسول اللہ (ص) انکے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکبیر کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آوازوں سے سارا مدینہ گونج اوٹھا

حضرت عباس کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباس نے ادائے فدیہ کے وقت چالیس اوقیہ زادوقیہ بمقدار ایک جو طلا[1] جو مسلمانوں نے انکی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا چاہا مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا آپ نے حضرت عباس سے کہا کہ وہ رقم خدا کی طرف سے غنیمت میں مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔ نصاب وحساب فدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتی۔ طبری ص ۱۳۴۵

یہ ہیں رسالت کے عادلانہ اور غیر جانبدارانہ احکام جو ہر طریقہ اور ہر قرینہ سے اصول عدالت اور مساوات پر مبنی ہیں۔

ادائے فدیہ کا ایک دردانگیز واقعہ ابوالعاص کا اسلام | اس سے بڑھکر فدیہ کا ایک اور دردانگیز واقعہ ہے اوپر لکھا جا چکا ہے کہ گرفتاریں میں ابوالعاص حضرت زینب کے شوہر بھی تھے۔ جب انکے جائزہ کی نوبت آئی تو ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے کچھ

[1] اور سار تصریح وتخمینہ سے ایک صاحب قیمتی دس روپیہ

بھی یہین تھا۔ حضرت زینب مکہ مین تھین۔ آنحضرت صلعم نے انکے پاس کہلا بھیجا کہ شوہر کے فدیہ کا انتظام کرکے بھیجدو کہ وہ رہا کرکے گھر واپس کردیئے جائین۔ حضرت زینب کا بیاہ ہوا تھا تو حضرت خدیجہ رض نے انکو ایک ہار جہیز مین دیا تھا۔ حضرت زینب نے وہی ہار بھیجدیا جسوقت وہ ہار حضور مین پیش کیا گیا آنحضرت صلعم نے فوراً پہچان لیا۔ جناب خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی صورت اور اوس مجسم اخلاص و نیاز کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم گئی اور اوس محترمہ معظمہ کو یاد کرکے بیاختہ چشم مبارک مین آنسو ڈبڈبا آئے۔ اوسی عالم خاص مین دردآمیز انداز سے صحابہ سے مخاطب ہوکر ارشاد ہوا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو بیٹی کو مان کی دی ہوئی چیز واپس کردو سب نے متفق اللفظ ہوکر عرض کی کہ ضرور واپس کردیجائے اور ابوالعاص بھی رہا کردیے جائین چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

الغرض ابوالعاص رہا ہوکر مکہ آئے حضرت زینب کو مدینہ بھیجدیا۔ اتفاق یہ کہ حمل سے تھین ظالم قریش نے جانے مین مزاحمت کی راستہ مین سواری روک دی ہبار بن لیار ایک ظالم نے انکی محمل پر اس زور سے نیزہ مارا کہ ضرب کی دھمک سے انکا حمل ساقط ہوگیا لیکن یہ غریب اوسی حالت مین ظالمین سے جان بچا کر کسی نہ کسی طرح مدینہ مین پہونچ گئین۔

ابوالعاص کاروباری آدمی تھے مکہ سے بغرض تجارت شام چلے گئے وہان سے مال تجارت بیچکر لوٹے تو راہ مین پھر مسلمانون کے ایک دستہ نے گرفتار کرلیا اور ایک ایک کرکے انکا سارا مال آپس مین تقسیم کرلیا۔ ابوالعاص نے پھر مدینہ مین آکر حضرت زینب کے پاس پناہ لی۔ آنحضرت صلعم نے پھر صحابہ سے کہہ سنکر انکا تمام مال و اسباب انھین واپس کرادیا۔ آنحضرت صلعم کے یہ متواتر اخلاق و اشفاق مراحمانہ ابوالعاص کے لئے تازیانہ ہوگئے

ابوالعاص مدینہ سے پھر مکہ مین آئے اور تجارت کے شرکاء کو حساب و کتاب سمجھا کر پھر مدینہ کو واپس ہوئے تو اب علی الاعلان قریش سے کہتے آئے مین ایکبار مدینہ سے مکہ مین خاصکر اسی لئے آیا تھا۔ کہ تمہارے حساب و کتاب تمھین سمجھا دون اور تمہارے مطالبات صاف کردون تاکہ تم لوگ یہ نہ کہو کہ ہمارے روپیہ کے تقاضہ کے خوف سے ابوالعاص مدینہ مین جاکر مسلمان ہوگیا۔ یہ کہکر مدینہ مین آئے اور حسب الاقرار مشرف باسلام ہوگئے۔ طبری ص ۱۳۴۸

جواز فدیہ کی معرکۃ الآرا بحث

حکم فدیہ کے متعلق جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا صحابہ سے مشورت اور حضرت ابوبکر رض و حضرت عمر رض کی مخالفت رائے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہین علماء محدثین نے اور اونکے دیکھا دیکھی مورخین اور سیرت کے مولفین نے بھی صرف شوریٰ کی اہمیت اور حضرت عمر کی اصابت رائے کی خصوصیت کے ثبوت و شہود قایم کئے جانیکی غرض خاص سے اس واقعہ کو خواہ مخواہ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنا رکھا ہے اور چونکہ اسکے متعلق قرآن مجید مین دو آیتین خطاب ہدایت انگیز کے انداز مین مرقوم ہین جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مجاہدین اسلام کو استیصال کفار کے مقابلہ مین جو عمل مقتضی تھا حصول غنیمت اور وصول فدیہ کی طرف جس سے لوٹ دنیا طمع مالی اغراض نفسانی مفہوم ہوتے ہین

متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا پہلی آیت یہ ہے

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ | کسی نبی کو جائز نہیں کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کئے ہوئے لوگوں کو قیدی بنائے۔

دوسری آیت یہ ہے۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا | اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اسپر بڑا عذاب نازل ہوتا پس جو تم نے لوٹا ہے کھاؤ کہ تمہارے لئے حلال طیب ہے

ان دونوں آیتوں کے آغاز مفہوم پر غور و تعمق سے نظر فرما کر اور آخر حکم جواز کے الفاظ و معانی سے قطع نظر کرکے علماء محدثین نے عموماً اور اونمیں بھی صحاح کے حضرات مولفین نے خصوصاً اصول عقائد کی بنا پر امر شوری کی عظمت اور صحابہ کی اصابت رائے کے اظہار و اثبات کی غرض خاص سے بالحاظ و امتیاز شان رسالت اور اقتدار نبوت جیسے موضوعات و مصنوعات میں ذخیرے کے ذخیرے سیاہ کئے ہیں وہ اونھیں کی کتابوں میں دیکھنے کے قابل ہیں اور اپنے حد درجہ کی کاوش تامل تخیل و تعقل اور ظن و قیاس مندرجہ بالا واقعات شورے بالصحابہ۔ اور اقوال و آرائے صحابہ (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو ان آیتوں کے الفاظ قرآنی سے تطبیق دی ہے۔ وہ حقیقت میں نگاہوں میں ایک مضحکہ انگیز سعی و کوشش سے زاید ثابت نہیں ہوتی۔

افسوس ہے کہ ان موضوعات کی تفصیل ہمارے مقاصد تالیف سے بالکل علیحدہ ہے اسلئے اوسکی مقتدایانہ تفصیل سے ہم یہاں بالکل مجبور ہیں لیکن چونکہ شبلی صاحب نے بھی تقلید اسلاف اور استحفاظ عقاید کے اصول پر اس مسئلہ کو اگرچہ بمقابلہ دیگر محدثین کے نہایت اعتدال و احتیاط سے لکھا ہے اسلئے ہمکو کسی قدر اسکے انکشاف کر دینے کی مجبوری ہوئی۔ ہم پہلے شبلی صاحب کی عبارت سیرۃ النبی ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اسکے بعد تنقیدانہ انکشاف حقیقت پیش کرینگے۔

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کی معاملہ میں کیا کیا جاوے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیے جائیں لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے معاملہ میں دوست دشمن۔ عزیز و بیگانہ اور قریب و بعید کی تمیز نہ تھی اس لئے انھوں نے یہ رای دی کہ سب قتل کر دیے جائیں اور ہم میں ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیتہ اوتری۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ | اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اوسپر بڑا عذاب تمپر نازل ہوتا۔

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر یہ عتاب ربانی سنکر رو پڑے۔

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور ہے اور احادیث مین بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہے ترمذی مین جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اسوقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے عرب کے عام دستور کے مطابق صحابہ غنیمت مین مصروف ہو گئے اسی پر عتاب آیا لیکن چونکہ اسکے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لئے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے۔ قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا	جو تم نے لوٹا ہے اس کو کھاؤ کہ حلال وطیب ہے۔

اس آیت مین تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے ثابت ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین۔

جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے۔ اور جب حضرت عمرؓ نے سبب گریہ دریافت کیا آپ نے فرمایا۔

أبكي للذي عرض علي أصحابك من أخذهم الفداء	تمہارے بھائیوں نے جو فدیہ لیا اور اسپر جو عذاب پیش آیا اسی پر رہا ہوں۔

غلط فہمی سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہین کر ڈالا ... ی پر عتاب آیا ہے۔ چنانچہ لوگون نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ	کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ جب تک اچھی طرح خونریزی نہ کرلے لوگوں کو قید کرلے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ مین جبتک کافی خونریزی نہ ہو چکے قیدی بنانا مناسب نہین اسلیے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی قتل کئے جا سکتے ہین۔

(سیرۃ النبی جلد اوّل از صفحہ ۳۴۱ - ۳۴۳)

شبلی صاحب نے اگرچہ بڑے حزم و احتیاط سے اس بحث کو لکھا ہے لیکن تقلید اسلاف حفظان عقاید اور حمایت صحاح سے مجبور تھے تمام اعتراضات مخالفانہ مین سے صرف ایک تعریض کا جواب جو زیادہ تر عیسائی معترضین سے تعلق ہے دیسکے اور وہ بھی اتنے طولانی استدلال کے بعد بھی بناءً علی الاحتمال رہ گیا اس لیے آپ کی اتنی ہنا مہ فرسائی بالکل بیکار گئی۔

آپ کی اس تفصیل و تصریح سے نہ ان آیات کے اصلی مدعا و شان نزول ثابت ہو سکی نہ عتاب خدا کی اصلی وجہ معلوم ہو سکی اور نہ یہ تحقیق ہو سکا کہ اگر یہ امر حقیقتاً عتاب تھا تو صرف عوام اہل اسلام جو جاہل مسئلہ تھے وہی تنہا مجرم و ملزم تھے یا (نعوذباللہ) رسول بھی؟ جو نزول آیہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھا روتا ہوا بیان کیا جاتا ہے اس سے تو

معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ بھی ضرور داخل تھا۔ ورنہ اس گریہ بے سبب اور بیقراری وزاری بلا وجہ کیسی اور کس لئے۔ "

ہم سے سنیئے یہ تمام بیانات متعلق گریہ رسول سراپا اتہام ہیں۔ یوں پوچھیے کیوں؟ تو جیہہ فوراً آتی ہے اول تو اس آیہ وافی ہدایہ کو خواہ مخواہ خطاب عتاب سمجھنا ہی عقل کی خوبی ہے۔ آیہ اول میں صرف ہدایت کا خطاب ہے۔ عذاب ہے نہ عتاب ہے "

ارباب احادیث وتفاسیر یا اصحاب سیر وتاریخ تو ابھی اپنے اپنے مقام پر ہیں خود الفاظ قرآنی اسکے قطعی خطاب ہدایت ہونیکے شاہد ہیں اور لولا کتاب من اللہ کے الفاظ شرائطیہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ فعل جو مجاہدین اسلام سے اسوقت عمل میں آیا ہے وہ پہلے ہی سے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا۔ ہاں ایسی حالت میں کہ اگر یہ خدا کی طرف سے اونکے لئے نہ مقدر ہوا ہوتا تو وہ البتہ وہ سزاوار عتاب تھے۔ تو ادات الشرطیات المشروطہ کے اصول عام کے موافق جب وہ شرط ہی باقی نہیں رہی تو مشروط بہ کا ذکر ہی کیا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ صورت حال تھی تو خدا نے اسکا کیوں ذکر کیا۔ جواب یہ ہے چونکہ خداوند کریم کو مال غنیمت کے متعلق دستور قدیم کی تنسیخ منظور تھی۔ اور شریعت اسلام میں اموال غنیمت کی نسبت مدارج مستحقین اور بضابطہ تقسیم کے جداگانہ اصول وقواعد قائم کرنے تھے جنکی پوری تفصیل سورہ انفال میں جو بدر کے بعد ہی فوراً نازل ہوا موجود ہے اس بنا پر رضائے الٰہی کا یہ مقتضیٰ کہ اہل اسلام تصرف اموال غنیمت میں نزول حکم الٰہی تک کا انتظار کر لیتے مگر وہ بشارت سے واقف نہیں تھے۔ اور نہ اونکو اسکی بابت حکم امتناعی دیا گیا تھا اس لئے وہ اپنے دستور قدیم کے مطابق اس پر متصرف ہو گئے چنانچہ اونکی اسی لاعلمی کی بنا پر اونکی اس فروگذاشت کی معافی بھی فرمادی گئی اور اونکے لئے اون اموال غنیمت کا تصرف بھی حلال وطیب فرما دیا گیا۔

چنانچہ امام ترمذی نے جو تصریح کی ہے اور شبلی صاحب نے نقل فرمایا ہے وہ بالکل صحیح اور نفس الواقع ہے اون سے مجھے صرف اتنا ہی اختلاف ہے کہ امام موصوف باوجود ان تصریحات معترفانہ کے بھی ابھی تک اس آیہ کو آیہ عتاب سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے الفاظ تصریحات سے اس کا صرف ارشاد وہدایات ہونا صاف صاف ثابت ہے۔

بہر حال۔ الفاظ قرآنی اور امام ترمذی کی تصریحات (حدیث) دونوں سے ثابت ہو گیا کہ یہ آیہ وافی ہدایہ عام اس سے کہ عتاب کے معنیوں میں شمار ہو۔ یا صرف خطاب ہدایت سے تعبیر کیا جاوے۔ اموال غنیمت کے تصرف میں بے احتیاطی اور عجلت کرنیکی وجہ سے مسلمانوں کی صرف آگاہی کے لیے نازل فرمایا گیا تھا۔

اس میں (تصریح ترمذی) صرف غنیمت کا ذکر ہے۔ فدیہ کا کہیں مذکور نہیں لیکن صحیح مسلم نے غنیمت کے ساتھ فدیہ

لینے کو بھی باعث عتاب مین داخل کر لیا ہے اور سخت تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے محض تقلید اسلاف کی بنا پر ترمذی کے تصرف غنیمت اور مسلم کی وصولی فدیہ دونون کو عتاب الٰہی کا باعث بتلایا ہے اور لکھا ہے "غرض ترمذی اور مسلم دونوں سے ثابت ہے صفحہ ۲۴۲۔ حالانکہ ترمذی کے جو الفاظ نقل فرمائے گئے ان مین فدیہ کا ذکر نہین ہے پھر آپ تصریح فدیہ کو ترمذی کی طرف منسوب کر کے مسلم و ترمذی کی متفقہ تحریر کیسے قرار دیتے ہین۔ یہ مؤلف کے لئے کیسی شرمناک جسارت ہے آپ مولفانہ تدین کے کامل انداز مین صاف صاف لکھدیتے جیسا اسی صفحہ ۲۴۲ مین اوپر لکھ چکے تھے کہ امام ترمذی تصرف غنیمت کو آیہ عتاب کا باعث بتلاتے ہین اور صحیح مسلم ایصال فدیہ کو یا غنیمت و فدیہ دونون کو لیکن آپ کی تحریر نے دونون محدثین مذکورین کی متفقہ رائے بتلائی ہے اور اسطرح اپنی تحریر کو خلط مبحث بنا دیا ہے جو الفاظ قرآنی کے بالکل معارض ہے۔

ہم نہین سمجھتے کہ بغیر حکم خدا و رسولؐ جسکے لئے صحاح کے دو محدثین (ترمذی و مسلم) بیان کر رہے ہین کہ کوئی حکم ان امور کی تصریح کے لئے نہین آیا تھا۔ چنانچہ اسی ممانعت کی لاعلمی پر اونھین معافی کی بشارت دی گئی تو ایسی حالت مین اسوقت غنیمت کو فدیہ یا فدیہ کو غنیمت مین شمار کرنا محدثین کی خوش فہمی کے سوا اور کیا کہا جائے۔

ان طومار بیکار سے اصلی غرض تھی شوریٰ کی اہمیت کی۔ اور ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کی اصابت رای کی اور یہ ممکن نہین تھا کہ بغیر حوالہ قرآن و حدیث کے اسکی بنیاد قایم ہوسکے۔ اس ضرورت سے ان دونون آیتون کو استنباط و استدلال کا ماخذ قرار دیا گیا الفاظ مین تو تغیر ناممکن تھا۔ ہان معانی مین البتہ سب کچھ ہوسکتا تھا۔ اسلئے معانی مین غنیمت کے ساتھ فدیہ کے معنی بھی پہنا دیئے گئے۔ جس سے صرف یہ مقصود تھا کہ امر شوریٰ کی اہمیت اور صحابہ راشدین کی رایون کی اصابت تو کسیطرح قایم ہوجائے۔

باقی رہی حدیث وہ گھر کی بات تھی۔ رواۃ کی کمی نہین۔ محدثین کا قحط الرجال نہین جتنے مونہہ اتنی بات موید حدیث بھی تیار ہوگئی۔ پھر ایک نہین متعدد۔ باعتبار تعداد کے اوسیوقت یہ حدیثین متواترات کے درجہ تک بھی بڑھا دیگئین (ملاحظہ ہو کتاب الفتن امام مدائنی۔ مکاتیب خوارزمی مطبوعہ مصر) انھین موضوعات کا نمونہ صحیح مسلم کی روایت ہے جسے شبلی صاحب نے اپنا مختار بنا کر نقل فرمایا ہے۔ کہ آیہ عتاب بھی اوتروا دی اور (نعوذ باللہ) رسولؐ کو رلوا بھی دیا۔ اور اپنی اصابت رائے کے مشاہدے کی غرض خاص سے حضرت عمرؓ کو عین موقع پر پہونچا بھی دیا تعجب تو یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے اتنے کثیر لوگون مین سے کسی فرد واحد کو حضرت رسولِ خدا کی نہ اشکباری کی خبر پہونچی اور نہ اونکے ساتھ حضرت ابوبکر کے گریہ و زاری کی اطلاع۔ مگر صرف حضرت عمر کو اطلاع بھی ہوگئی اور وہ عین وقت مین موقع پر پہونچ بھی گئے۔ گویا خدا نے انھین بھیجکر دکھلا دیا اور خود مخبر صادق کی زبانی اقرار کروا دیا کہ تم اپنی رائے مین درست و صحیح تھے۔ اور (نعوذ باللہ) ہم اور ہماری سب سے پہلی تصدیق کرنیوالے صدیق اکبر بھی۔ غیر صحیح اور نادرست

افسوس ان موضوعات نے اقتدار رسالت ہی کو نہیں مٹایا بلکہ الفاظ و معانی قرآن کو بھی مدل طور لا الآیہ مذکورہ بالا
مین کسی لفظ سے خاص ذات جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف انکو ئی خطاب معلوم ہوتا ہے اور نہ اشارہ
نہ تصریح ہے نہ تلمیح - جو کچھ بھی ہے وہ مسلمانون سے مال غنیمت کے حصول مین عجلت کرنے کی وجہ ہے اور یہ بالکل
ظاہر ہے کہ نہ رسول اللہ حصول غنیمت مین شریک تھے اور نہ آپ نے اس کے لئے انکین کوئی خاص حکم دیا تھا پھر
رسول اللہ ص کی گریہ وزاری کیسی تھی - اور اگر یہ امت کے ساتھ ہمدردی کا تقاضا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا
حضرت عمر رض سے یہ کہنا کہ تمہارے دوستون نے جو فدیہ لیا - اسی پر عتاب اوترا اور اوسی پر رو رہا ہون عجیب مبہم ہے
نعوذ باللہ رسول ص اتنا بیخبر ہے کہ نزول وحی کے صحیح اسباب بھی نہین بتلا سکتا خدا صاف صاف عنمتم کے لفظ
خاص مین صورت مجرم بتلا رہا ہے اور معاذ اللہ رسول ص اوسکو اخذ فدیہ کا سبب بتلا رہا ہے -
اچھا اگر یہی صحیح ہے تو صحابہ تو درکنار نعوذ باللہ خود ذات رسول ص پر یہ اعتراض قایم ہو جاتا ہے کہ فدیہ لینے والون کی
(حضرت ابو بکر رض) رائے اگر خطا پر تھی تو رسول ص نے اُسے کیون قبول کیا - اور قبول کرنیکے بعد حکم عمل کیون دیا؟ اس بات پر
رائے دینے والے کا صرف ایک قصور اور (معاذ اللہ) رسول ص اللہ کے دو قصور ظاہر ہوئے اس بنا پر اس خطاب عتاب
مین عام امت کے ساتھ (نعوذ باللہ) رسول ص بھی بدرجہ اولیٰ شامل ہے اوسکو گریہ زاری کی جگہہ توبہ و انابت کرنا چاہتا تھا -
لیکن آداب و شعار انبیاء مرسلین کے خلاف وہ توبہ و استغفار کی جگہہ عام لوگون کی طرح اضطرار کے عالم خاص مین
صرف اشکبار ہو رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے استغفر اللہ ان لغویات کو حقیقت اور واقعیت سے کیا واسطہ یہ تو تمام
تر اہمیت شورے اور اصابت رائے حضرت عمر رض کے قایم کرنیکی ترکیبیں ایجاد کیگئی تھین نہ قرآن سے ان موضوعات کی
تطبیق ہوتی ہے اور نہ شعار و اوصاف رسالت سے انکو کوئی واسطہ اور سروکار ہے -
ان تمام خود غرضانہ اور ناعاقبت اندیشانہ خوش اعتقادیون کا نتیجہ کیا ہوا؟ امت اسلام مین تفرق ہوگئی
علماے اسلام مین ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہو گیا جو نبی کو مخطی اور رسول م کو جائز الخطا یقین کرنے لگا اور عصمت انبیا
سے قطعًا منکر ہو گیا - اوسکے جواب مین ادہر بھی علما کے جوڑ تیار ہو گئے وہ ان مرویات و لغویات پر اتنا مصر ہو گئے کہ اسی آیہ
کی شان نزول کی بنا پر وحی کو تمامتر حضرت عمر رض کی رائے کے مطابق اوترنا ثابت کرنے لگے - رسالت تو رہی نہین صحابیت
ہی صحابیت کے خلاصہ پر اسلام کا دارومدار رہگیا - انا للہ و انا الیہ راجعون -
رئیس المتکلمین امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کو ان علماء و حکمائے اسلام منکر عصمت انبیاء سے کلام و
مناظرے مین جو جو دقتین پیش آئین وہ قدم قدم پر انجیدہ راست - از ماست کی نا قابل عبور خلیج حائل کر دیتی تھین
جن حضرات نے اونکی تفسیر کی متعدد جلدون مین ان مقامات کی سیر کی ہے وہ اونکی دشواریون کو خوب سمجھتے ہونگے
لیکن چونکہ منکرین کا استدلال محض قیاس پر مبنی تھا - اور شہود و ثبوت بھی محض ظنی اور متوہمانہ تھے اسلئے امام رازی

ان کے اقوال و استدلال کی معقول تردید فرمادی ہے عجیب لطف یہ ہے کہ منکرین نے اسی آیۂ غنیمت سے اپنی مخالفانہ بحث کی استدلال کی ہے ہم امام فخرالدین رازی کی اصل عبارت ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ امر النبی وجمیع قومہ یوم بدر بقتل الکفار وھو قولہ فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان وظاھر الامر للوجوب فلما لم یقتلوھم بل اسروھم کان الاسر معصیۃ

والجواب

عن الوجہ الذی ذکروہ انما ان نقول ان الظاھر من قولہ تعالیٰ فاضربوا فوق الاعناق ان ھذا الخطاب انما کان مع الصحابۃ لاجماع المسلمین علی انہ ما کان مامورا ان یباشر قتل الکفار بنفسہ واذا کان ھذا الخطاب مختصا بالصحابۃ فھم لما ترکوا القتل واقدموا علی الاسر کان الذنب صادرا عنھم لا عن الرسول ونقل ان الصحابۃ لما ھزموا الکفار وقتلوا منھم جمعا عظیما والکفار فروا ذھب الصحابۃ خلفھم وتباعدوا من الرسول واسروا اولئک الاقوام ولم یعلم الرسول باقدامھم علی الاسر فزال ھذا السؤال فان قالوا ھب ان الامر کذلک لکنھم لما حملوا الاساری الی حضرتہ فلم لم یامر بقتلھم امتثالا لقولہ فاضربوا فوق الاعناق قلنا ان قولہ فاضربوا تکلیف مختص بحال الحرب

منکرین کہتے ہیں کہ خدا نے رسول صلعم اور تمام مسلمان کو بدر کے دن کفار کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اور الفاظ حکم یہ تھے کہ اون سب کی گردنیں سکیار مار دو۔ اور یہی حکم اس امر کے وجوب پر شاہد ہے۔ کہ جب اونکو قتل نہیں کیا ملکہ قیدی بنا دیا۔ تو یہ فعل معصیت ہوا

جواب یہ ہے

خدا کے اس حکم آیہ فاضربوا۔ الآخرہ کے ظاہری معنی سے جو مقصد اعتراض نکالا گیا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس آیہ کا اصل خطاب علی الخصوص صحابہ کی طرف ہے۔ جو مخطوب ہے تمام جماعت مسلمین پر جو بذات خاص قتل کفار کی خدمات پر مامور تھے اور چونکہ یہ خطاب مخص صحابہ کی طرف تھا جب اونھوں نے قتل کفار چھوڑ دیا اور اون کی گرفتاری میں مصروف ہو گئے تو یہ گناہ اون سے صادر ہوا نہ رسول صلعم سے اور جیسا کہ منقول ہے کہ جب کفار کو شکست ہو گئی اور اونکی ایک جماعت کثیر کو قتل بھی کر چکے تب صحابہ نے اون کفار کا تعاقب کیا تو گریز کرنے لگے اور اس تعاقب میں وہ رسول (کے مقام) سے بہت دور جا پڑے اور اون لوگوں کو گرفتار کر چکے۔ اور رسول خدا صلعم کو اونکی اس گرفتاری کفار کا کوئی علم نہیں ہو سکا تو اس بنا پر (آنحضرت صلعم کی ذات سے) یہ اعتراض تو اسی مقام سے زائل ہو گیا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ اسیروں کو گرفتار کر کے رسول صلعم کی خدمت میں حاضر لائے تو آپ نے اوسوقت اونکے قتل کا کیوں حکم نہ دیا کہ فاضربوا فوق الاعناق کے حکم کی تعمیل ہو جاتی۔ تو ہمارا جواب یہ ہے یہ آیہ اور اس کا حکم حالت مقابلہ و مقاتلہ ہی تک مخصوص کیا گیا تھا۔

اب تو امام رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے معلوم ہو گیا کہ بنیاد صحابیت رکھنے کی تمناؤں میں اصل رسالت کی اساس بھی ہل گئی اور صحابہ تو اکثر پیچھے رہے پہلے رسول ہی معترضین کی زد پر آ گیا معترضین بھی کوئی مخالف قوم نہیں عیسائی نہیں یہود نہیں مسلمان ہی ہیں اور مسلمان بھی معمولی نہیں۔ بڑے بڑے محدثین اور علمائے محققین۔ تو اس غلط کوشش

تھے کہ صحابہ کی عظمت اونکے مدارج سے زیادہ۔ اونکے اقوال و آراء کی اصابت بجوئیز رسول سے بڑھکر دکھلائی جائے اور خواہ مخواہ موضوعات صحاح سے ثابت کی جائے۔ بالآخر وہ فساد برپا کیا کہ علماء محدثین مین خانہ جنگی شروع ہو گئی اور خواہ مخواہ رسول کی عصمت و تقدیس پر اعتراض ہونے لگے اور ایک فرقہ اسلامی مین رسولؐ جائز الخطا قرار دیا گیا۔

امام فخر الدین رازی کی اسی عبارت سے یہ بھی صاف صاف ظاہر ہو گیا کہ اس عتاب کا خطاب مخصوص صحابہؓ سے ہے اونھین نے خلاف منشاء حکم خدا کیا اور گناہگار ہوئے اور وہی اس عتاب کے مستحق و سزاوار تھے اس عبارت سے صحابیت کی اصل مقدار کا اندازہ بخوبی ہو گیا جنکی اظہار عقیدت اور استقرار عظمت کے لئے یہ طومار طیار کئے گئے تھے۔

اب فدیہ کے متعلق بھی خطاب عتاب کی حقیقت امام رازی کے الفاظ مین ملاحظہ کر لیجائے۔ وہ یہ ہے

الثالث ان النبی صلعم حکم باخذ الفداء وکان اخذ الفداء معصیۃ ویدل علیہ وجہان۔ الاول قولہ تعالیٰ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ و اجمع المفسرون علی ان المراد من عرض الدنیا ہہنا ہو اخذ الفداء والثانی قولہ تعالیٰ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ واجمعوا علی ان المراد بقولہ اخذتم ذلک الفداء

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخذ فدیہ کا حکم دیا حالانکہ فدیہ لینا معصیت تھا اسپر دو دلیلیں شاہد ہین اول تو یہ قول خدا کہ تم حصول دنیا کا ارادہ کرتے تھے۔ اور خدا حصول عقبیٰ کا قصد رکھتا تھا تمام مفسرین کا اسپر اجماع ہے کہ عرض دنیا سے مراد فدیہ لینا ہے۔ دوسرا قول الٰہی یہ ہے کہ اگر سبحانہ اللہ پہلے سے تمہارے لئے یہ مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو جو چیزین تم نے لے لی ہین اونکے لئے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا ہے۔

الجواب

عما ذکروہ ثالثا وہو قولہم انہ علیہ السلام امر باخذ الفداء واخذ الفداء محرم فنقول لا نسلم ان باخذ الفداء محرم واما قولہ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ فہذا لا یدل علی قولکم وبیانہ من وجہین الاول ان المراد بہذہ الآیۃ حصول العتاب علی الاسر لغرض اخذ الفداء وذلک لا یدل علی ان اخذ الفدیۃ محرم مطلقا الثانی انا لا نکر قال الاولیٰ ان باخذ الفداء لیتقوی العسکر بہ علی الجہاد وذلک یدل علی انہم انما طلبوا ذلک الفداء لیتقوی بہ علی

جواب یہ ہے

معترضین کا یہ قول کہ آنحضرت صلعم نے فدیہ لینے کا حکم دیا اور فدیہ لینا حرام تھا ہم اسکو تسلیم نہین کرتے کہ فدیہ لینا حرام تھا اور معترضین کی یہ دلیل کہ لوگ دنیا کی خواہش کرتے تھے اور خدا اون کے لئے ذخیرۂ عقبیٰ کا ارادہ کرتا تھا معترضین کے دعوے سے مطابق نہین ہوتا مطابق نہ ہونیکی دو دلیلین ہین۔ اول یہ ہے کہ اس آیۃ کا استدلال سے یہ غرض ہے کہ گرفتار کرنیوالون پر اخذ فدیہ کی وجہ سے عتاب خدا نازل ہونیوالا تھا۔ تو اس سے فدیہ لینا حرام کیسے ثابت ہوا۔ دوسری یہ کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی رای مین پہلی ہی کہہ چکے ہین کہ اس رقم فدیہ سے سامان لشکر درست کئے جاوینگے اور اس ذریعے اسباب ضرب جہاد مین قوت پہونچائی جائیگی۔ یہ اس بات کی دلیل واضح ہے کہ یہ فدیہ لینا

الذین وھذہ الآیۃ تدل علی ذم من طلب لعدا لمحض عرض الدنیا ولا تعلق لاحد الناس بالثانی وھذان الجوابان ھما ھما الجوابان من تمسکھم بقولہ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

خاص دین میں قوت پہونچانے کی غرض سے تھا۔ اور یہ معترضین کی پیش کردہ آیت تو اون لوگوں کی برائی ظاہر کرتی ہے جو لوگ امور دنیا کیلئے فدیہ لینا چاہتے تھے۔ پس ثابت ہوگیا کہ ان دونوں وجہوں کو جو معترضین نے پیش کیا دین کے لئے فدیہ لینے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہمارے بھی دونوں جواب اونکی معترضین کی پیش کردہ آیت لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ - کی غلط تطبیق کی تنقید وتردید کے لئے بھی کافی ہیں تفسیر امام فخر الدین رازی جلد اول ۔ جزو اول۔ آیہ لولا کتاب الآخرہ

امام فخر الدین رازی کی مرقومہ بالا عبارت سے حسب تفصیل ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) ان دونوں آیات میں خطاب اہل اسلام سے ہے اور بالخصوص اون لوگوں سے جنھوں نے بغرض دنیا مال و غنیمت لوٹا اور فدیہ لیا۔

(۲) خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس آیہ کے خطاب سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

(۳) فدیہ لینا کبھی حرام نہیں کیا گیا۔

(۴) حرمت فدیہ کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں ہے۔

کیا ہماری اتنی طولانی بحث تنقیدی کے بعد۔ اب بھی کسی محقق کو واقعہ فدیہ کی اصل حقیقت سمجھنے میں تامل باقی رہجائیگا؟ اور کیا اب بھی کوئی شخص شبلی صاحب کی طرح حارث مسلم یا دیگر محدثین کی مرویات پر اعتبار کرکے غنیمت وفدیہ جنگ بدر کو حرام اور رحکم رسول خدا کو (نعوذ باللہ) خلاف حکم خدا اور باعث عتاب قرار دے گا؟

ان تمام واقعات اور ان دونوں آیات کے معانی ومطالب پر کامل غور وخوض کے بعد علمائے محققین اور محدثین مستندین نے جو حقیقت حال کا انکشاف فرمایا ہے اور اُسی کو اپنا مختار متفقہ ٹھیرایا ہے اوسکو ہم زرقانی کی مفصلہ ذیل عبارت سے نقل کرتے ہیں۔

روی الترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن علی قال جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم یوم بدر فقال خیر اصحابک فی الاسری ان شاءوا الفداء وان شاءوا القتل علی ان یقتل منھم عاما مقبلا مثلھم قالوا الفداء ویقتل منا ص ۳۲۵ ج اول

امام ترمذی ۔ امام نسائی ۔ ابن حبان اور امام حاکم سند صحیح کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بدر کے دن حضرت جبرئیل آئے اور جناب رسول خدا صلعم سے کہا کہ آپ اپنے اصحاب کو اسیروں کی بابت مختار کردیں چاہیے وہ اونکو قتل کردیں چاہے فدیہ لیکر چھوڑ دیں لیکن اس شرط پر کہ جتنے قیدیوں کو وہ قتل کرینگے اوسی تعداد میں وہ بھی سال آیندہ مارے جائیں گے۔ رسول اللہ صلعم نے یہ اصحاب سے کہا تو

اونھوں نے فدیہ کو قبول کیا اونہیں میں اوتنے (اُحد میں سال آیندہ) مارے گئے۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کی نظر صرف امام مسلم کی حدیث پر پڑی۔ اور امام ترمذی اور امام نسائی اور امام حاکم ایسے محدثین میں سے کسی کی مرویات پر نگاہ توجہ نہ گئی اور نہ اسوقت جنگ بدر کے اصلی ہیرو اسد اللہ علی ابن ابی طالب کے قول کو دیکھا گیا اور نہ اسپر اعتبار کیا گیا کہ زرقانی کی طرح آپ کو بھی حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔

چاہے جتنی روایتیں نہ بیان کی جائیں حقیقت اتنی ہی تھی جو ہم خود بیان کر چکے اور امام فخر الدین رازی کے مختار سے اوسکی تصدیق و توثیق بھی کرا چکے۔ اور وہ اسیقدر رہے کہ مسلمانوں نے جنگ بدر کے حصول غنیمت میں عجلت اور بد احتیاطی ضرور کی۔ چونکہ شریعت اسلام میں بخلاف شرایع امم سالقہ نصاب غنیمت میں قدرت الٰہی کو ترمیم و اصلاح منظور تھی اور جو بالتفصیل سورہ انفال میں عنقریب نازل فرمائی گئی جسکے لئے مسلمانوں کو انتظار کرنا لازم تھا مگر وہ اس نظام مشیت سے ناواقف تھے اور انکو قبل سے اس کا حکم امتناعی بھی نہیں ملا تھا۔ صرف ہدایت آمیز الفاظ میں اُنکے جرم کی صورت دکھلا دی گئی۔ پھر انھیں الفاظ چشم نمائی کے ساتھ اونکی لاعلمی کی بنا پر اون کو معافی کی بشارت بھی سنادی گئی جیسا کہ الفاظ قرآنی سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یہ خطاب صرف واقعہ غنیمت سے متعلق تھا نہ فدیہ لینے کے مسئلہ سے۔ معاملات فدیہ کو اس آیہ کے اسباب نزول میں شامل کرنا صاف صاف معارض الفاظ و معانی قرآنی ہے۔ اور مخالف اوصاف و شعار رسالت۔

تقسیم غنایم کے نصاب تفصیلی جو سورۂ انفال میں واقعہ بدر کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد نازل ہوئے اصلاً اونکی مبتدا، وہی مرقومہ بالا آیہ قرآنی ہے جسکو خطاب ہدایت کے عوض فرمان عتاب تبلایا جاتا ہے اور آیات سورۂ انفال اسی مبتدا کی خبر ہیں سورہ انفال کی ان آیتوں کو غور سے پڑھا جاوے اور اونکے مفہوم و معانی کو سمجھا جاوے تو معلوم ہو جائیگا کہ تقسیم غنایم میں جو انصاب و مدارج شریعت اسلام میں فی الحال قایم فرمائے گئے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے ایسی لازوال اور ابدی نعمتیں ہیں جنکی منت گذاری اور سپاسگذاری سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے

اسی بنا پر ابن ہشام نے اپنی تاریخ میں گویا پورے سورۂ انفال کے اسباب نزول اور اس واقعہ (بدر) کے متعلق تمام آیات سورہ مذکورہ کی پوری تشریح ایک جداگانہ باب میں درج کی ہے اور جب غریب کو اپنے بیان کی تائید و تصدیق میں غالباً کسی رواۃ اور علمائے اسلام کے قول نہیں ملے تو مجبور ہو کر ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے رجوع کی اور حضرت امام باقر علیہ السلام کی یہ حدیث نقل فرمائی۔

قال ابن اسحٰق حدثنی ابو جعفر محمد بن علی بن الحسینؑ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصرت بالرعب وجعلت لی الارض مسجداً و طهوراً و	مجھسے حضرت ابو جعفر محمد باقر ابن علی بن الحسین نے فرمایا کہ فرمایا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے ایسی سطوت خاص نزول ملائکہ سے میری مدد فرمائی اور میرے لئے تمام طبقہ زمین کو طاہر اور

۱؎ توریت قدیمہ اسفار اربعہ اور خود احکام کتب سماویہ قدیمہ بیر مات ہیں کہ سوائے قبتہ الرمان موسیٰ یا ہیکل سلیمان علیہ السلام (بیت المقدس) کے عبادت نہ ہو سکتی تھی

اعطیت جوامع الکلم و احلت لی المغانم ولم تحلل لنبی کان قبلی و اعطیت للشفاعۃ خمس لم یوتھن نبی قبلی ج ۲ ص ۳۰	قابل عبادت قرار دیدیا۔ اور مجھکو ایسی کتاب جامع عنایت فرمائی جو تمام کتابون پر محیط ہے اور میری اُمت کے لئے اموال غنیمت کو حلال فرمادیا۔ اور اپنی عنایت خاص سے میرے قرابتدارون کے

حقوق خمس قایم فرمائے اور یہ وہ عطایا تھے جو میرے قبل کسی نبی کو نہین دیے گئے تھے۔

اس حدیث کے جس فقرے مین حلت غنیمت کا ذکر ہے وہ تو قطعی اوسی آیہ کریمہ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا کے حکم سے مستنبط ہے اور وہ حکم اس حدیث مین عطاے الٰہی قرار دیا گیا ہے اور ابن ہشام نے اسی لئے اسکو حلت غنیمت اور عنایت الٰہی ہونیکے ثبوت مین بطور استدلال اپنا معیار تصدیق ٹہیرایا ہے تو پھر اس آیہ کو حکم عتاب سے تعبیر کرنا عقل سے خلاف اور روایت و درایت دونون کے مناقض ثابت ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی غور کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اس حدیث مین بھی فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور کیونکر ہوسکتا تھا کیونکہ جن الفاظ قرآنیہ سے یہ حدیث اصلاً مستنبط ہے اونمین فدیہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہین۔ پھر خواہ مخواہ حفظان عقائد یہ تقلید اسلاف اور مدعائے خاص کی بنا پر مسئلہ فدیہ کو بھی اس کے مفہوم مین داخل کر دینا مطالب معانی قرآن مین صاف صاف تدلیس کرنا ہے حالانکہ اسکے بعد ہی والی آیت مین مدعائے ایصال فدیہ کی حقیقت اوسکی علت اور اوسکی مصلحت و مناسبت کو صاف صاف لفظون مین بیان کر دیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ شبلی صاحب اس آیہ حلت فدیہ کو اون آیات قرآنی کے ذیل مین بیان کر چکے ہین جنکے نزول کو آپ نے موقع بدر مین بتلایا ہے ملاحظہ ہو سیرۃ النبی ج ۱ ص ۲۹۴ لیکن بحث فدیہ کے موقع پر اس پر دوبارہ نظر نہین فرمائی جاتی۔ ہم سیرۃ النبی ہی سے اس آیت کو معہ ترجمہ ذیل مین نقل کرتے ہین۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ	اے پیغمبر تمہارے ہاتھ مین جو قیدی ہین اون سے کہدو کہ خدا اگر تمہارے دلون مین کچھ نیکی دیکھے گا تو جو تم سے لیا گیا ہے اوسکے بدلے وہ بہتر عطا کریگا اور تمہین معاف کر دیگا وہ بخشش والا مہربان ہے اور اگر یہ قیدی تجھسے خیانت کرنا چاہتے ہین تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہین اسی لئے تو خدا نے تمہارے قابو مین کر دیا ہے صداقت اور باخبر

اس آیہ والی ہدایہ مین الفاظ مِمَّا أُخِذَ مِنكُمْ صاف صاف بتلا رہے ہین کہ انمین فدیہ اور غنیمت دونون چیزین شامل ہین بخلاف آیہ سابقہ کے جسمین غَنِمْتُمْ کے لفظ سے صرف غنیمت کی تخصیص مذکور ہے۔ اب معاملات فدیہ کی متعلق عتاب خداوندی کی جیسی جیسی مہیب صورتین خوش عقیدہ محدثین نے اپنی مصنوعی قلمکاریون سے تیار کی ہین وہ ان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کری (جو ذریعہ عبادت ہو) جائز نہیں ہو سکتی سوا ان مخصوص قطعات زمین کے اور تمام اقطاع زمین بطاہر ہے قابل عبادت اسلام کی تعریف سعادت کی یہ خاص برکت ہے کہ خدا کا عبادت گذار بندہ جہاں چاہے خدا کی عبادت آزادی سے کر سکتا ہے۔ المؤلف عفی عنہ

الفاظ الہیہ کے انداز خطاب سے مقابل کیجائیں تو ہر تحقیق کنندہ کو پورے طور سے معلوم ہو جائیگا کہ قرآن کے مطالب و مقاصد کو ان احادیث موضوعہ کے مقاصد سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔

خداوند عالم فدیہ لینے کی مصلحت کو خود فدیہ دینے والوں کے لئے مفید ہونیکا صاف صاف اظہار فرمارہا ہے کہ جو تم لوگوں سے اب تک لیا گیا ہے عام اس سے کہ غنیمت ہو یا فدیہ۔ اوسکے بدلہ میں وہ تمکو ایسی نیکیاں عطا فرمائیگا جو تمہارے اون اشیا سے کہیں زیادہ گران قدر ہونگی۔ لیکن اس شرط پر کہ اگر تم اب اسوقت سے خدا کے ساتھ اپنے معاملات خوش نیتی کے ساتھ قایم رکھو گے۔

یہ تو خوش نیتی قایم رکھنے کی حالت میں عطاے رحمت و نعمت کی شرط کی گئی۔ لیکن خیانت و بددیانتی کی حالت میں بھی اون کے ساتھ جو ہونیوالا ہو گا۔ اسیوقت یوں بتلا دیا گیا ہے کہ اے پیغمبر ؐ انکی خیانت اور بدنیتی کی حالت میں بھی تم ذرا بیدل نہو۔ یہ تمہارے ساتھ کیا خدا کے ساتھ بھی پہلے ہی خیانت کر چکے ہیں۔ اسی لئے تو تمہارے قابو میں دے دیے گئے ہیں‘‘۔

اس آیہ واقعی ہدایہ کے الفاظ و خطاب سے جو غنیمت فدیہ دونوں معاملات کے صدور حکم پر مشتمل ہے عتاب و عذاب کے گمان معنی پیدا ہوئے تو پھر ایصال فدیہ کے متعلق خوف۔ اضطراب۔ یہانتک کہ گریہ و زاری رسول اللہ صلعم اور اشکباری حضرت صدیق اکبرؓ کی تفصیل و تصریح میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے اور سلف سے خلف تک برابر نقل ہوتے آئے۔ جو زیر بحث ہیں۔ لیکن جب ان طومار پر حقیقت کی نظر ڈالی گئی تو اصلیت کچھ بھی نہ معلوم ہوئی۔ صرف اہمیت شوریٰ۔ اصابت راے صحابہ کی اظہار کی غرض خاص سے جن پر خلافت کی بنیاد قایم کی گئی ہے اس آیہ کے خطابات ہدایات و چشم نمائی کو عذاب و عقوبت کے معنیوں میں انکے اسباب نزول کے متعلق طرح طرح کی مرویات موضوعہ بنا بنا کر تغیر و تبدل کیا گیا ہے۔ حالانکہ اہمیت شوریٰ۔ یا اصابت راے صحابہ نہ جزو اسلام میں داخل ہیں اور نہ نصوص قرآن میں داخل۔

اصابت راے صحابہ کی جگہہ تو قرآن مجید میں متعدد اور متواتر مقامات پر اس کی نقیض اور مخالف تصریحات موجود ہیں جنکا بیان کرنا ہمارے موجودہ موضوع کتاب سے بالکل علیحدہ ہے۔ لیکن اور نہیں تو اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ آپ اسی بحث میں ابھی ابھی امام فخرالدین رازی کا قول مختار پڑھ چکے ہیں جو صاف صاف لفظوں میں ان آیات کے خطاب اور غرض دنیا سے غنیمت و فدیہ لینے کے حرکات کو مخصوص صحابہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اسی واقعہ بدر میں طبری حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (عشرہ مبشرہ) کی نسبت لکھتے ہیں کہ اسی زرہیں لیکر یہ لوٹ چکے تھے کہ امیہ بن خلف راس الکفر پر نظر پڑی۔ اور فوراً زرہوں سمیت مسلمانوں سے اوس کافر کے بچانیکو تیار ہو گئے لیکر پہاڑ پر چلے گئے۔ مسلمانوں نے دیکھہ لیا موقع پر پہونچ گئے انھوں نے لاکھہ چاہا کہ وہ کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ جائے

مگر مسلمانوں نے اُسے مار ہی ڈالا۔ جسپر یہ ہمیشہ کہتے رہے کہ خدا بلال پر رحم کرے جنکی وجہ سے اُمیہ بھی گیا اور زرہین بھی گئیں طبری صفحہ ۱۳۲۲ ہم عرض کرینگے کہ مسلمانون کے خلاف کافر کی امداد کرنیکا یہ نتیجہ ہے۔

شبلی صاحب کی غایت خوش عقیدگی نے عبدالرحمٰن بن عوف کی اس قابل اعتراض حرکت کو ایفاے وعدہ کے اخلاقی اصول پر اسوجہ سے قابل ستایش بتلایا ہے کہ مکہ مین امیہ اور ان سے وعدہ ہوچکا تھا کہ اُمیہ کو مدینہ مین اگر اگر کوئی مصیبت سے سامنا ہوگا تو یہ مدد کرینگے۔ یہ اوسی کی تعمیل تھی۔ لیکن تعجب ہی کہ حضرت عبدالرحمٰن کو صحابہ رسول ہوکر اور شبلی صاحب کو شمس العلما ہوکر یہ یاد نہ آیا کہ اسوقت عبدالرحمٰن کو اوس کافر کے ساتھ والا وعدہ تو یاد رہا اور قابل تعمیل سمجھا گیا لیکن جہاد فی البدر مین جو خدا اور رسول سے عہد و پیمان کیا گیا ہے وہ اور اوسکی تعمیل کچھ بھی یاد نہ رہی۔ آپ کافر کے مارنے پر خدا و رسول سے عہد و پیمان کرکے میدان جنگ مین تشریف لائے ہین اور جب وہ سامنے آتا ہے تو نہ خود اسکو مارتے ہین اور نہ دوسرے مسلمانون کو مارنے دیتے ہین بلکہ مسلمانون سے چھپائے چھپائے پھرتے ہین اور کوشش کرتے ہین کہ مسلمان کافر کو نہ مارنے پائین۔ یہی خدا و رسول کے ساتھ آپ کی وعدہ وفائی ہے اور یہی آپکے اقرار انا سلم لمن سالمک وحرب لمن حاربک یارسول اللہ جس سے آپ صلح کرینگے ہم بھی کرینگے جس سے آپ لڑینگے ہم بھی لڑینگے صحابہ مین ہم نے صرف ایک عبدالرحمٰن ابن عوف کی جو اکابر صحابہ اور عشرہ مبشرہ کی اصابت رائے کے مثال نمونہ کے طور پر دکھلادی ہے اسی سے صحابیت اور صحابہ کی اصابت رائے کی مقدار حقیقت کا اندازہ کرلیا جاوے۔

صحابہ کی اصابت رائے کی مثال حقیقت ہوچکی۔ اب رہی شورے کی اہمیت۔ تو ہمکو اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ شورے اور اوسکے جواز کا حکم قرآن مجید مین آیا ہے لیکن وہ صرف تجویز و تدبیر انسانی کی حدود تک محدود ہے اور استمزاج و استظہار رائے و خیالات باہم کے مفہوم تک مقصود ہے۔ مقدرات ربانی اپنے نامحدود اور لاانتہا منتہا و اجرا تک بالکل مختار آزاد اور قادر مطلق ہے۔ تدبیر قدرت اور تجویز رسالت کے سامنے شورے کی بساط آیا اس قدر خوش دلنمائش سے آگے نہین بڑہتی لوگ اپنی ضرورت اور خوش عقیدگی سے اسکو جتنا نہ بڑہالین۔ اسی مقدار حقیقت کی بنا پر علمائے متکلمین اور حکماے محققین نے شوریٰ کی مقدار اہمیت جتنی قایم کی ہے اور اسکی اصلیت جتنی بتلائی ہے وہ اونکے مفصلہ ذیل اقوال و مختار سے بالتفصیل ثابت ہے امام قسطلانی مواہب لدنیہ مین لکھتے ہین۔

قال قتادہ ومقاتل کانت سادات العرب اذا لم یشاوروا فی الامر شق علیھم فامر اللہ تعالیٰ نبیہ علیہ الصلوۃ والسلام ان یشاورھم فان ذلک اعطف لھم واذھب لاضغانھم واطیب لنفوسھم

قتادہ اور مقاتل کہتے ہین کہ سادات عرب کی یہ خاص عادت تھی کہ اگر کسی امر میں اون سے مشورت نہیں لیجاتی تھی تو اون پر بہت گراں گذرتا تھا اس بنا پر خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلعم کو اون سے مشورہ کرنے کی اجازت دیدی اور خدا تعالیٰ اس حکم سے خاص کر اون پر توجہ کی کہ اسلام کی طرف سے اونکے شکوک رفع ہوجائیں اور اونکے قلوب پاک و صاف ہوجائیں ۱۲

یہان تک تو حکم شورے کی توجیہ و ضرورت معلوم ہوئی۔ آگے مقدار اہمیت ملاحظہ ہو امام قسطلانی اپنی تحریر کے سلسلہ بالا مین لکھتے ہین۔

اخرج ابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن عباس قال لما نزلت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ قال رسول الله صلعم اما ان الله ورسوله لغنیان عنها ولکن جعلها الله رحمة لامتی وعند الترمذی الحکیم من حدیث عائشة رفعه قال رسول الله صلعم امرنی ربی بمداراة الناس کما امرنی باقامة الفرائض۔

ابن عدی اور امام بیہقی متفقاً عبداللہ ابن عباس سے روایت کرتے ہین کہ جب آیت شورے نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلعم نے علانیہ فرمایا کہ خدا اور اسکا رسولؐ دونون تمہارے مشورے سے بالکل مستغنی ہین (یعنی دونون کو اسکی مطلق احتیاج نہیں) لیکن خدا نے اس حکم مین میری امت کے ساتھ ایک خاص رحمت رکھی ہے اور حکیم ترمذی نے حضرت عائشہ سے یہ قول مرفوع لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امر شوریٰ سے (مجھکو حکم دیکر صرف مدارات و رعایات امت مقصود ہے۔ جسطرح کہ امت کے لئے فرائض میں بھی رعایت کرنے کا مجھے حکم ملا ہے

پھر آگے تحریر فرماتے ہین۔

عن الحسن قد علم الله انه ما به الیهم

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ خدا تعالیٰ خوب واقف تھا کہ اسکو انکی (صحابہؓ) مشورت کی ضرورت نہین لیکن اسکے حکم سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ کے بعد شورے سنت قرار پا جائے (کیونکہ ذریعہ اطلاعات وحی منقطع ہو جائینگے)

شوریٰ کی مقدار و حیثیت صرف اتنی ہے جو مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوئی۔ لیکن اس بے مقداری اور لا وجودی سے موضوعات و مصنوعات کے جتنے دفتر تیار کئے گئے اور اہمیت شوریٰ اور اصابت رای صحابہ کی بناپر جیسے جیسے استدلال قایم کئے گئے اون سے آخر مین نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا اور اوسکی تدبیر قدرت بیکار۔ رسولؐ اور اوسکی تجویز رسالت معطل کسی قسم کا نظام ہو دینی ہو یا دنیوی۔ بغیر مشورۂ صحابہ ہو ہی نہیں سکتا گویا صحابہ کی مشورت تدبیر قدرت اور تجویز رسالت دونوں پر حاوی ہے اور نعوذ باللہ خدا و رسولؐ دونون اسکے تبع ہین پھر دنیا کو ایسے دست بستہ خدا و رسولؐ اور ایسے پا شکستہ مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے۔

بدر مین کفار کی شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح کے وجوہ و اسباب

اسباب ظاہر کے تلاش کرنے والون اور اصول معمول پر ہمیشہ نظر رکھنے والون کی نگاہون مین جنگ بدر کے موقع پر کفار قریش کی کامل شکست اور مسلمانون کی بلایٔ فتح سخت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ اسمین کوئی کلام نہین کہ مسلمانون کی قلت تعداد۔ بے سرو سامانی اور ناداری بظاہر کبھی انکی فتحیابی کی امید نہین دلاتی تھی۔ بخلاف انکے قریش کی کثرت جمعیت سامان جنگ کی افراط اونکی خوشحالی اور دولتمندی۔ اونکی کامیابی کا امید افزا قرائن تھے۔ مگر نتیجہ برعکس ہوا پھر ظاہر بین حضرات کو خلاف امید نتیجہ کے مشاہدے سے تعجب کیون نہو۔ لیکن عروج

کہ ان حضرات کو تعجب کیساتھ دریافت حقیقت کے لئے کچھ غور و تامل بھی کر لینا چاہیئے۔ اور فکر و تعقل بھی تھوڑے سے غور کے بعد اونکو اسکے حقیقی سبب کا پتا آپ لگ جائیگا۔

قریش کی شکست کا پہلا اور نمایاں سبب تو یہ تھا کہ مسلمانوں سے جنگ کرنیکے مسئلہ میں اون میں ابتدا ہی سے اختلاف تھا ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قافلۂ ابوسفیان پر مسلمانوں کے متعلق لوٹ کا طوفان پھر حضرمی کے قصاص کی اشتعال دونوں ابوجہل کی چالیں تھیں جنہوں نے قریب قریب تمام عرب کے قوم و قبائل کو اسلام کے خلاف برانگیختہ کر دیا لیکن چونکہ ان دونوں منویانہ ترکیبوں میں حقیقت کا نام تک نہ تھا اور جھوٹی پروتی کے عالم خاص کا یہ مقتضی ثابت ہوتا ہے کہ عین وقت پر اسکی اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں ہوتی۔ ہاں تھوڑے دنوں کے بعد البتہ اوسکے حسن و قبح کے انداز معلوم ہونے لگتے ہیں اس بناپر۔ ابوجہل کی ترکیبوں کا پردہ بھی چند دنوں میں فاش ہو گیا۔ پہلی تو مخالفت اسلام پر سب لوگ آمادہ ہو گئے مگر آگے چلکر جوں جوں حقیقت حال کا انکشاف ہوتا گیا۔ اونکے دل ہٹتے گئے اور طبیعتیں رکتی گئیں۔ ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت یا حضرمی کے قصاص کے خیال سے جو کچھ بھی ہوا ابوجہل اتنا بڑا لشکر طیار کر کے مکہ سے مدینہ کی طرف چلا۔ اور جحفہ تک پہونچ گیا۔ چونکہ یہاں تک کسی کو معلوم نہیں ہوئی تھی اسلئے باہم اتفاق و اتحاد قائم تھا۔

یہاں (جحفہ) پہونچکر۔ جیسا کہ ابن ہشام اور طبری کی روایتیں بتلا رہی ہیں قریش میں اتفاق و یکجہتی جاتی رہی اور نفاق و بیدلی پھیل گئی تھی۔ اسلئے کہ ابوسفیان مسلمانوں کے خوف سے ایک غیر متعارف راہ سے مکہ میں معہ اپنے قافلہ کے پہونچ گیا اور ابوجہل کی لشکرکشی کی خبر سنکر اوس نے مکہ سے آدمی دوڑایا اور کہلا بھیجا کہ چلے آتے جاؤ۔ اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ طبری میں لکھا ہے۔

ولما رای ابوسفیان انه قد احرز عیره ارسل الی قریش انکم خرجتم لتمنعوا عیرکم ورجالکم واموالکم فقد نجاها الله فارجعوا فقال ابوجهل والله لا نرجع حتی نرد بدرا۔ ص ۱۳۰

جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو بچا لایا تو اوس نے قریش کے پاس لشکر ابوجہل کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ بخیر و عافیت پہونچ گیا اور خدا نے تمہارے قافلہ کو تمہارے لوگوں کو اور تمہارے مال و متاع کو بچا لیا ہے اسلئے تم واپس آؤ۔ ابوجہل نے یہ پیغام سنکر کہا ہم تو بغیر مقام بدر تک پہونچے ہوئے نہیں لوٹیں گے۔

ابوجہل اور ابوسفیان دو سرداران کفار کا باہمی اختلاف رائے تو یہیں سے ظاہر ہو گیا ایک کہتا ہے فوج کو واپس لاؤ حریف سے جنگ و مقابلہ کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسرے کو اصرار ہے کہ بغیر غنیم تک پہونچے ہوئے ہم لوٹنے کے نہیں۔ دو سردار سرداروں کے اس اختلاف کا فوج اور دیگر قوم و قبائل شریک لشکر پر کیا اثر پڑا اوس کی حقیقت بھی طبری کے مرقومہ ذیل الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

فقال الاخنس بن شریق الثقفی وکان حلیفا لبنی زهرة

اس پیام و جواب کو سنکر اخنس بن شریق ثقفی جو بنو زہرہ کا حلیف تھا

وهو بالجحفة فاسمى دهره فلاحى الله لكم اموالكم وحلص لكم صاحبكم محرمة بن نوفل وانما نفرتم لتمنعوه ومالله فاجعلوا الى جبنها وارجعوا فانه لا حاجة لكم في ان تجروا في غير ضيعة لا ما يقول هذا يعني فرجعوا۔ فرجعت بنو زهرة مع الاخنس بن شريق فلم يشهد بدرا من هاتين القبيلتين

اور اوس وقت تمرل حجفہ میں تھے کہنے لگا اے بنو زہرہ خدا نے تمہارے مالوں اور لوگوں کو یعنی مخرومہ بن نوفل کو بچا لیا اور یہ ظاہر ہے کہ تم انھیں لوگوں کی حمایت کو نکلے تھے تمہارا مقصود مل گیا پس اب یہیں سے لوٹ چلو کیونکہ ہمکو مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یعنی ابو جہل کی باتوں میں نہ پڑو چنانچہ تمام بنو زہرہ اخنس کے ساتھ یہیں سے واپس گئے۔ طبری اسی تحقیق سے لکھتے ہیں کہ ان دونوں قبائل بنو زہرہ اور ان کے حلیف بنی ثقیف میں سے کوئی فرد واحد بھی جنگ بدر میں شریک نہ ہوا۔ ص ۱۳۰۷

بعض روایتوں میں ہے کہ یہ اختلاف حکیم بن حزام کے مصلحت والے واقعہ کے بعد عین میدان بدر میں واقع ہوا تھا لیکن ہمیں بھی اسکے تصفیہ کا یہ مقام نہیں۔ غرض اتنی ہے کہ ابتدا ہی سے اس میں مسئلہ جنگ پر اتفاق قائم نہیں رہا تھا۔ اور اسی کی بنا پر دو برابر کے قبیلے ٹوٹ کر وج قریش سے علیحدہ ہو گئے۔

قریش کی یہ نا اتفاقی برابر آغاز جنگ تک قائم رہی بلکہ مقابلہ کے عین وقت تک اسکی یہی صورت تھی اسکی حقیقت تفصیل سے اوپر بیان ہو چکی ہے وہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش میں عین مقابلہ کے وقت تک مسئلہ جنگ پر اتفاق نہیں تھا اور سوائے ابو جہل اور اوس کے ہمخیال لوگوں کے دیگر قبائل قریش کو جنگ وقتال پر اصرار نہیں تھا۔ بلکہ یہ لوگ معاملات کو صلح و تصفیہ پر تمام کرنا چاہتے تھے۔

بنی ہاشم کی مخالفت بالرائے کو قریش کی نا اتفاقی کے ثبوت میں اسوقت پیش کرنا میرے لئے استدلال کا قوی طریقہ نہیں ہے اس لئے کہ اسلام کی طرف اونکا میلان فطرتی تھا لیکن تاہم اتنا ذکر کردینا ضروری ہے کہ وہ چار بنی ہاشم جبر و کراہت یا مجبوری کی وجہ سے جتنے بھی اور جیسے بھی مشرکین کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب جنگ پر ذرا بھی آمادہ نہیں تھے۔

جب ایک امر عظیم کی تنظیم میں اتنے مخالف اجزاء و عناصر موجود تھے تو اسکی کامیابی کی ترکیب و ترتیب کیسے درست ہو سکتی تھی۔

شبلی صاحب کا یہ لکھنا بالکل صحیح اور فی الواقع ہے کہ قریش نے صرف اپنی کثرت جمعیت کی ظاہری قوت پر بڑا اعتبار کر لیا اور ترتیب و تنظیم فوج کی اندرونی تدبیروں سے بالکل ناعاقبت اندیشانہ طریقہ پر غافل رہے۔ فوج کی صف بندی مورچوں کی درستی سوار و پیادوں کی ترتیب اور مقابلہ کرنیکے قواعد و آداب کی تعلیم و ہدایت پر کوئی توجہ نہیں کی۔ یہ اونکا مغرورانہ شان کا تغافل تھا جس کی صورت یہ دیکھنے میں آئی کہ ابو جہل کی ماتحتی قریشوں کی فوج کوئی باقاعدہ فوج تو نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ بقول اوس کے بدر کے سالانہ میلہ کی اچھی خاصی بھیڑ تھی۔

بخلاف انکے مسلمانوں کی طرف اگرچہ تعداد بالکل قلیل تھی مگر سب کے سب شروع سے آخر تک۔ ایک امر ایک مدعا

اور ایک غرض خاص پر مستعد اور آمادہ تھے اور ایک شخص واحد کے حکم و اشارے پر جان نثاری کے لئے سربکف استادہ تھے اونکی صفین درست حفاظت فوج کے مورچے مرتب اور مقابلہ کرنیوالے ہمیشہ طیار تھے اون مین سے ہر ایک آغاز محاربت سے لیکر اپنے وقوع شہادت تک بالکل خاموشی سے کام لیتا تھا اور اگر مقابل کو مار بھی لیتا تھا تاہم خاموشی یا پرجوشی کی وجہ سے نہ چلاتا اوٹھتا تھا نہ کسی قسم کا شور و غل کرتا تھا۔ کامل صبر و خاموشی سے مارتا تھا یا مرجاتا تھا۔ اس کامل انتظام کے سامنے وہ لوگ جو اسکو تعداد میں عام اس سے کہ مقابل سے کہیں زیادہ ہوں جنگ و جدال مین اپنی بدنظمیوں اور بے ترتیبیوں کے ساتھ اپنی کامیابی کی کیا امید کر سکتے تھے۔

قریش کا مغرورانہ تغافل اتنا بڑھا کہ میدان جنگ مین جائے مقابلہ کی مناسبت کا بھی پہلے سے کچھ خیال نہین کیا گیا کثرت سے پانی برس جانے کے باعث جس مقام پر قریش کو اپنا لشکر مقابلہ کے لئے لاکر کھڑا کرنا ہوا۔ وہ بالکل دلدل ہوگئی تھی اور کیچڑ سے بھر گئی تھی۔ اور کسیطرح مقابلہ و مقاتلہ کے قابل نہین تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ وہ اطمینان سے جار حانہ طرز پر مقابلہ کر سکے اور نہ مدافعانہ انداز سے۔

عین مقابلہ کے وقت جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے مروی ہے زور سے ہوا چلنے لگی جس کا رخ شامت کا تازیانہ بنکر بالکل قریش ہی کے لشکر کی طرف تھا (روضۃ الاحباب بحوالہ تفسیر) ہوا کے جھونکون نے قریش کے اور بھی ہوش و حواس اڑا دیے اور وہ عاجز آکر مقابلہ کا دلجمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے

ان تمام موجودہ مخالف اسباب کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کے بیکبار اور بالکل خلاف قیاس و امید قتل کیے جانے سے تمام لشکر مین ایک غیر متحمل اضطراب و انتشار اس شدت کے ساتھ پھیل گیا کہ پھر آخر وقت تک رفع ہوسکا کوئی سالار و سردار لشکر ایسا مطمئن الحواس نہین تھا جو فوج کو اس انتشار کے عالم مین تسلی و تشفی دیکر پھر مطمئن اور تازہ دم کر لیتا۔ یہ اضطراب و انتشار بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور پھر ابوالبختری امیہ بن خلف اور خود ابوجہل کے آیندہ قتل کئے جانے سے اتنا بڑھا کہ آخر کار شکست کامل کی صورت مین نمایان ہوکر ختم ہوگیا۔

یہ تو مسلمانون کی فتح و فیروزی کے ظاہری اسباب تھے جنکو دیکھکر ہر شخص آسانی سے فتح اسلامی کے اسباب کو سمجھ لیگا لیکن ہر امر حقیقت کی نظر ڈالنے والے ان اسباب فتح فیروزمندی کے فراہمی اور تجمیع کے ذرایع اور وسائل کی تلاش کرے گا۔ اور مسلمانوں کی موجودہ قلت۔ ناداری اور بے سر و سامانی کو پیش نظر رکھکر جب طرفین کے معاملات مین موازنہ قایم کریگا تو باوجود ان تمام ظاہری اسباب و علل کے بھی اسلامی فتح کی نسبت کہدے گا کہ بدر مین مسلمانون کی کامرانی محض تائید ربانی کا کام تھا اور راوی کے اس بیان کے ساتھ قرآن بھی ہمزبان ہے۔

خدا نے ایسے وقت پر بدر مین تمہاری مدد کی کہ تم کمزور ہو رہے تھے۔ خدا سے تقویٰ اختیار کرو کہ تم شکرگذار بندے ان جاؤ۔	لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

فتح بدر کی خوشگوار نتائج

جنگ بدر کی فتح اسلام کے ارتقاء و وسعت کا سنگ بنیاد تھا اس عظیم الشان فتح نے مدینہ سے لیکر مکہ تک عرب کے ان تمام قبائل و اقوام کے دلوں میں جو چودہ پندرہ برس سے اسلام کے وجود کو محض لاوجود سمجھتے تھے اور اسکی ہستی کو مٹا دینا ہر وقت اپنے آگے چٹکیوں کا کام یقین کرتے تھے سطوت و رعب اسلامی کے اثر سے کپکپی ڈالدی۔ وہ مقابل ہوکر اور مقابلہ میں اونکی شجاعت و جگرداری ثبات و پاداری دیکھکر مجاہدین اسلام کا لوہا مان گئے تھے وہ تمام سرکش مفسد اور مفسدہ انگیز سرداران مشرکین عتبہ شیبہ۔ ولید بن عتبہ۔ امیہ بن خلف ابوجہل حنظلہ بن ابوسفیان اور نوفل ابن خویلد اسد وغیرہم جو اشاعت اسلام اور جان رسول روحی فداہ کے دشمن تھے ایک ایک کرکے ختم ہوگئے سے یوں مٹا نام کہ پھر نام و نشان تک نہ رہا۔ فتح بدر کے بعد عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین نے بھی رنگ بدلے اگرچہ وہ مادام الحیات اسلام کے حق میں مار آستین بنا رہا لیکن فی الحال بطور ظاہر اسلام کا مطیع و منقاد بن گیا۔

فتح بدر کے ناگوار نتائج

ان نتائج خوشگوار کے ساتھ۔ فتح بدر کے ناگوار نتائج بھی پیش آئے فتح بدر سے یہودیوں کو امن و امان اموال و جان حفاظت کاروبار اور حراست شہر و دیار کی طرف سے اطمینان کیا ہوگا۔ اسلام کی طرف سے اونکو حسد و نفاق نے گھیر لیا اونہوں نے سمجھ لیا کہ اسلام کی موجودہ کامیابی ہمارے اتنے بڑے قدیم اقتدار و اثر کو جو مدینہ اور گرد و نواح کے تمام قبائل و اقوام کے قلوب سے دھو دیگی اور پھر اس علاقہ بھر میں ہمیں کوئی کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا جنگ بدر کے خاتمہ سے یہودیوں کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ چنانچہ یہود کی مخالفت میں عنقریب ہمارے سلسلہ بیان سے ظاہر ہو جائے گا۔

مکہ میں مقتولین بدر کا گھر گھر ماتم

بدر میں ابوجہل کے مارے جانے سے کفار قریش کی دستار امارت ابوسفیان بن حرب (امیر معاویہ کے پدر بزرگوار) کے سر پر باندھی گئی۔ اور ابوجہل کے بعد یہ استیصال اسلام کے داعی اور قتل حضرت سید الانام علیہ السلام کے ساعی بنکر تمام قوم و قبائل کو کامل چھ برس (جنگ بدر سے ۲ھ سے لیکر فتح مکہ ۸ھ ہجری) تک برانگیختہ کرتے رہے ابوجہل نے تو چودہ برس تک اسلام پر ہاتھ اوٹھانے میں توقف کیا تھا لیکن یہ مخالفت اسلام میں اس سے پھرتیلے اور چیتیلے نکلے کہ دو مہینے بھی چین سے نہ بیٹھے اور مقام کدر تک اسلام کے خلاف چڑھ دوڑے اور پھر سال ہی بھر کے اندر احد کے میدان میں خوب دل کھول کھول کے مسلمانوں کے خون سے دریا بہا دیئے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے معلوم ہوگا۔

شکست بدر اور اوس میں یکبارگی ستر جوانان و نمود اران قریش کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہونچی تو قریب قریب تمام شہر ماتمکدہ بنگیا۔ آہ و زاری نالہ و بیقراری اور فغان و فریاد سے تمام گھروں میں کہرام مچگیا اور عرب کے دستور قدیم کے مطابق تمام قبائل کے مرد اور عورتیں صف ماتم بچھا کر اپنے مقتولین کو صبح و شام رونے لگیں باقیماندہ جوانان قریش نے اس رسم گریہ و بکا کو موقوف کرا دیا اسلئے کہ یہ رونا دھونا اونکے اظہار ضعف اور زوال قوت کا باعث ہوگا۔ اور مسلمان سنکر شماتت کرینگے لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اونکا یہ حکم بھی محض جاہلانہ اور سخت ظالمانہ تھا انسان کے جذبات قلبی کے اظہار کو

رو کنا اصل جبر ظلم ہے۔

خیر۔ رونے کی ممانعت کا حکم عام سنکر رونے والوں نے رونا موقوف کر دیا لیکن دل سے رونا اور قلب سے آلسو بہانا نہ گیا اور اسے کون روک سکتا تھا طبری اور ابن ہشام نے اسکے متعلق ایک دردانگیز واقعہ بیان کیا ہے جسکو ہم شبلی صاحب کے الفاظ مین سیرۃ النبی سے نقل کرتے ہین۔

لڑائی جنگ بدر) مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اوس کا دل اومڈا آتا تھا لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہیں سکتا تھا اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونیکی آواز آئی (اسود سمجھا کہ اب قریش نے رونیکی اجازت دیدی نوکر سے کہا دیکھنا کون رو رہا ہے؟ کیا رونیکی اجازت ہو گئی؟ میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہے جی کھولکر رولوں تو تسکین ہو جائے آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اوس کے لئے رو رہی ہے اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے

اتبکی ان تضل لہا بعیر	ویمنعہا من النوم السہود	ولا تبکی علی بکر ولکن	علی بدر تقاصرت الجدود
تو ایک اونٹ کے گم ہو جانے پر کیا روتی ہے	اور تجھکو نیند نہین آتی ہے	تجھکو بکر پر رونا نہیں آتا	رونا ہی ہے تو بدر پر رو کہ بدر مین قسمت نے کمی کی
فبکی ان بکیت علی عقیل	وبکی علی حارث اسد الاسود		
تجھکو رونا ہی ہے تو عقیل پر رو	حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھے		

بکر عقیل حارث۔ تینون اسود کے بیٹے تھے۔ اصل ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۶ سیرۃ النبی صفحہ ۲۴۴

بدر کے خاتمہ کے ساتھ ابولہب کا خاتمہ

بدر کی شکست سے سب سے زیادہ ابولہب کا دل ٹوٹ گیا۔ اور آخر کار یہی کوفت اسکا سبب موت قرار پایا ابن ہشام اور طبری اسکے تعلق۔ اضطراب پیچ وتاب اور غصہ وعتاب کی تمام کیفیتوں کو جو اس بدبخت پر قوم پر طاری ہوئیں تھین ابو رافع کی زبانی یون بیان کرتے ہین۔

ابو رافع حضرت عباس کے غلام بیان کرتے ہین کہ ہم حضرت عباس کے عیال کے ساتھ جنگ بدر کے موقع پر مکہ ہی مین رہ گئے تھے۔ جب بدر مین اسلام کی فتح اور کفار قریش کی ذلت وخواری کی خبر آئی تو اوس سے ہم لوگون (آل عباس یا بنی ہاشم) مین قوت وعظمت آئی۔ ابو رافع بیان کرتے ہین کہ ہم ایک کبیر السن آدمی تھے۔ اور اوسوقت کعبہ کے مقام حجر مین بیٹھے ہوئے عمل اقداح کر رہے تھے اور میرے پاس حضرت عباس کی بی بی ام الفضل بیٹھی ہوئین تھین اور وہ لوگ چپ چاپ اسی خبر کے متعلق باتین کر رہے تھے اتنے مین ابولہب آیا۔ اور طناب حجر کے اوپر اس طریق سے بیٹھ گیا کہ اوسکی پیٹھ میری پیٹھ سے مل گئی۔ اس اثنا مین کسی نے کہا کہ وہ ابو سفیان بن الحرث بن عبد المطلب آ رہے ہین۔ یہ شمر کا بدر مین تھے جب وہ آئے تو ابولہب نے بھتیجے کو کہا آؤ تمہین سے تو تفصیلی حالات معلوم ہونگے۔ یہ سنکر وہ بیٹھ گئے اور تمام لوگ سننے کے لئے کھڑے ہو گئے ابولہب نے کہا ہان میرے بھتیجے سناؤ تو کیا کیا ہوا؟ ابو سفیان جنکا نام مغیرہ تھا کہنے لگے ہچا کیا کہین طرفین سے مقابل ہونے ہی گویا ہم پر مصیبتین ٹوٹ پڑین نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانون نے جس جس طرح چاہا ہمکو قتل کیا اور جس جس طرح چاہا ہمکو اسیر کیا۔ اور خدا کی قسم

مسلمانون کی طرف عجیب و غریب قسم کے لوگ تھے سفید و نورانی قد و قامت والے کثرت سے دوگ ابلق گھوڑون پر سوار آسمان و زمین کے درمیان ہمکو دکھائی دیتے تھے۔ خدا کی قسم نہ کوئی اون تک پہونچ سکتا تھا اور نہ کوئی انکو روک سکتا تھا یا ٹھیرا سکتا تھا۔

ابورافع کا بیان ہے کہ یہ سنکر مین فورًا بول اوٹھا کہ خدا کی قسم وہ ملک تھے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ ابولہب نے نہایت زور سے میرے مونہہ پر طمانچہ مارا اور پھر مجھکو اوٹھا کر زمین پر دے مارا اور مارنے لگا۔ مین ایک کمزور اور بوڑھا آدمی تھا ابولہب کا کچھہ نہ کرسکا۔ یہ دیکھکر ام الفضل سے ضبط نہ ہوسکا وہ فورًا اوٹھین اور حجرے کی لکڑیون مین سے ایک لکڑی اوٹھا کر ابولہب کے سر پر لگائی کہ اوسکا سر پھٹ گیا۔ اور کہنے لگین کہ اوس کا مالک یہان موجود نہین ہے اس لئے تم اوس پر ظلم و ستم کر رہے ہو۔

ابورافع کہتے ہین کہ اس واقعہ کے سات ہی دن بعد ایک دانہ نکلنے کے مرض (زہرباد) مین ابولہب مرگیا۔ خس کم جہان پاک۔ ابن ہشام صفحہ ۲۶ جلد دوم

عمیر بن وہب اور قتل رسولؐ کا اقرار

واقعہ بدر کو ابھی ایک مہینہ بھی نہین ہوا تھا کہ صفوان بن امیہ جس کا باپ امیہ بن خلف بدر مین مارا گیا تھا اور عمیر ابن وہب جس کا ایک بیٹا ابھی تک مسلمانون کے پاس مدینہ مین اسیر تھا بیرون مکہ تنہائی مین بیٹھکر واقعہ بدر کے متعلق باتین کرنے لگے۔

دونون اسلام اور بانی اسلام علیہ و آلہ السلام کی طرف سے بھرے بیٹھے تھے عمیر کہنے لگا قریش قصاص بدر کے متعلق جو جو تدبیرین نہ سوچین اور جیسی جیسی ترکیبین عمل مین نہ لائین وہ انکا کام ہے لیکن میرا کام تو یہ ہے کہ اگر مین قرضداری اور عیالداری کی کشمکش مین گرفتار نہ ہوتا تو ابھی مکہ سے اوٹھتا۔ مدینہ پہونچتا۔ اور محمدؐ کا کام تمام کر آتا۔ جھگڑا ہی مٹ جاتا پھر کسی کو قتل و قصاص کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ افسوس کہ یہ دونون ضرورتین میرے پاؤن کی زنجیرین بنی ہین صفوان بولا یہ تو کوئی بات نہین۔ تم جاؤ اور باطمینان اپنا کام کر آؤ۔ مین تمہاری قرضداری اور خرچ خانہ داری دونون کا ذمہ دار ہون عمیر کہنے لگا واہ۔ تو اب مجھے کوئی دشواری نہین ابھی ابھی مین جاتا ہون اور اپنے ارادے کو خاطر خواہ پورا کر آتا ہون اتنی گفتگو کے بعد دونون گھر لوٹ آئے۔

دوسرے دن عمیر نے طیاری کردی۔ گھر سے نکلا تلوار پر خوب تیز باڑھ رکھوائی پھر متواتر زہر مین بجھوائی ان طیاریون کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوکر مدینہ کو روانہ ہوا اور بڑی سرعت کے ساتھ دو منزلہ کرتا ہوا مدینہ طیبہ میں اوسوقت پہونچا جب جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی مین تشریف فرما تھے۔ دروازہ مسجد پر آکر عمیر نے اونٹ بٹھلایا خلافی عادت کے موافق بیٹھنے کے وقت اسکا اونٹ بولا تو صحابہ مین سب سے پہلے حضرت عمرؓ اسکی طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو سمجھا نا کہ عمیر بن وہب ہے مسلمانون مین اسکی شر طبیعت سے کون واقف نہین تھا حضرت عمرؓ نے فوراً خدمت

رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں عرض کی کہ عمیر شمشیر برہنہ لئے آرہا ہے۔ آپ نے کامل استغنا و متانت سے جواب دیا آتا ہے تو آنے دو اتنے میں عمیر شمشیر برہنہ لئے آہی گیا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوچھا کہو عمیر کیسے آئے عمیر بولا لڑکے کو دیکھنے چلا آیا۔ ارشاد ہوا پھر یہ شمشیر برہنہ کیوں آئی ہے عمیر نے کہا تو پھر کیا ہوا۔ ہماری اتنی تلواروں نے بدر میں آپ کا کیا کر لیا جو میری یہ ایک تلوار کریگی آپ نے پھر اصرار فرماکر استفسار کیا سچ کہو۔ یہ شمشیر برہنہ کس قصد و ارادہ سے ساتھ لائے ہو۔ عمیر نے پھر اوسی جواب کی تکرار کی۔

اب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم خود مجھے حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور کرتے ہو تو لو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ تم نے اور صفوان بن امیہ دونوں نے بیرون مکہ بیٹھکر میرے قتل پر مشورہ کیا ہے اور صفوان نے تمہاری قرضداری اور عیالداری کی ذمہ داری لیکر تمکو میرے قتل کر دینے کے لئے یہاں بھیجا ہے سچ کہو عمیر یہ صحیح ہے یا غلط۔ عمیر یہ بھی یقین کرلو تم میرا کچھ نہیں کر سکتے میرا پروردگار میرا محافظ ہے۔

یہ ارشاد سنکر عمیر اپنے آپ میں رہ سکتے میں آگیا۔ خموشی کے عالم میں سر جھکائے دیر تک سوچتا رہا سر اوٹھایا تو عرض کی۔ اب مجھے یقین کامل ہوگیا کہ آپ بلاشبہ و شک سچے برحق ہیں۔ آسمانی بشارات و الہامات اور نزول وحی کے ارشاد و ہدایات کی نسبت آپ کو جھٹلا دینا میرے لئے آسان تھا لیکن ان معاملات خاص میں جن میں میں یقیناً اور بذات خاص جانتا ہوں کہ سوائے میرے اور صفوان کے۔ نکوئی اس واقعہ کو جانتا ہے اور نہ کوئی اسکے موقع پر اس میں شریک حاضر تھا آپ کا پورا پورا انکشاف حقیقت فرما دینا کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے یہ کہکر عمیر فوراً کہا اشہد ان لاالہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور اوسی وقت مشرف باسلام ہوا۔

عمیر کیا کرنے آیا تھا کیا کر گیا۔ یہی تصرفات قدرت ہیں۔ معرفت قدرت کے حصول کا قوی ذریعہ انسان کے قصد و ارادے کی تنسیخ و تفسیخ بھی ہے۔ جناب علی مرتضی علیہ السلام کا قول ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ | میں نے اپنے پروردگار کو اپنے ارادوں کے نہ پورے ہونے سے پہچانا ہے

عمیر کے ایسے مخالف اسلام کے اسلام لانے سے عموماً تمام مسلمانوں کو بہت بڑی مسرت ہوئی۔ جناب رسولخدا صلعم نے اوسیوقت صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے برادر ایمانی کو اپنے ہمراہ لیجاؤ۔ اسلام کے ارکان اور احکام قرآن تعلیم کرو۔ اور انکے بیٹے کو انکے اسلام لانیکے عوض میں فوراً رہا کردو۔ صحابہ نے اوسیوقت حکم کی تعمیل فرمائی۔

عمیر نے چند دنوں کے بعد عرض کی کہ مجھے مکہ جانے کی اجازت دیجائے اسلئے کہ اب میرا عزم بالجزم یہ ہے کہ وہاں جاکر جسطرح میں اسوقت تک اہل اسلام کو ستایا کرتا تھا اور آزار پر آزار پہونچاتا رہتا تھا اوسی طرح اب مشرکین قریش اور کفار مکہ کو ستاؤں اور انکو تبلیغ اسلام کے احکام پہونچاؤں آنحضرت صلعم نے شرط ثانی کی انجام دہی پر اسکو اجازت دیدی۔

صفوان ابن امیہ مکہ میں عمیر کی کارروائیوں کا دن رات منتظر رہا کرتا تھا۔ اور قریش سے باتوں باتوں میں اکثر کہدیا

کرتا تھا کہ دیکھنا دوہی ایک روز مین مدینہ کے اندر کیا گل کھلتا ہے کہ نقصانات بدر کے داغ دل سے مٹ جاتے ہیں گے صفوان کو تدبیر مشیت کی کیا خبر۔ دو ہی چار دنون کے بعد عمیر کی تدبیر کا نتیجہ بالعکس ظاہر ہوا۔ اور اوسکے مسلمان ہو جانیکی خبر مکہ مین پہونچی تو صفوان کے بدن مین خون نہین تھا۔ اب عمیر بھی دو ہی چار دن مین کامل مسلمان بنکر اپنے بیٹے کو لئے ہوئے مکہ مین پہونچ گیا۔ صفوان نے غم و غصہ کی حالت سے عمیر کی صورت دیکھنی اور آئندہ اوسکو کسی قسم کا فائدہ پہونچانیکی قسم کھالی لیکن اب دولت ایمان کے آگے صفوان کی بیرخی اور بے توجہی کی عمیر کو پرواہی کیا تھی وہ جو وعدہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کر آیا تھا بڑے اطمینان و فراغت سے مکہ مین پورا کرتا رہا اور کثیر التعداد مشرکین کفار کو ایسے پندو موعظت سے ہمیشہ دائرہ اسلام مین لاتا رہا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء ابن ہشام جلد دوم ص ۳۲

غزوۃ الکدر یا غزوۃ السویق

(ذی قعدہ سنہ ۲ ہجری)

ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابو سفیان قصاص بدر کے لئے بے حد بیچین ہو رہا تھا اوس نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک کشتگان بدر کا انتقام نہ لیگا۔ نہ غسل جنابت کریگا۔ نہ کپڑے بدلے گا اور نہ سر مین تیل ڈالیگا اوس کا اضطراب قصاص اوسکو ایسا بدحواس بنائے تھا کہ شکست بدر کے مہینہ ہی بھر کے بعد دو سو شتر سواروں کو ہمراہ لیکر قصاص بدر کے ارادے سے مدینہ تک چڑھ دوڑا لیکن اب اسلام کے مونھہ پر ایکبارگی چڑھ دوڑنا آسان نہین تھا۔ بلکہ اب اوسکے سامنے آنے مین پھونک پھونک کر قدم اوٹھانے کی ضرورت تھی۔

اس بنا پر ابو سفیان مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر چاہ کدر (قرقرۃ الکدر) پر اوتر پڑا۔ اسلام کی طرف سے یہودیوں کی سیدلی اور بدنفسی کی خبر اسکو پہنچ چکی تھی اس لئے اوس نے یہودیوں سے پہلے استفسار حالات اور پھر اونکو اپنا ہمخیال وہم آہنگ بنا لینے کی ترکیب سوچی۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی مین چھپ کر مدینہ پہونچا سب سے پہلے حی ابن اخطب کے گھر آیا رات زیادہ گئی تھی اوسکے گھر کے کواڑے بند ہو چکے تھے نہ کھل سکے مجبور ہو کر سلام بن مشکم کے گھر گیا جو یہودان بنی نضیر کا سردار اور تمام یہودیوں کے خزانوں کا امانتدار تھا۔ دروازے پر دستک دی کنواڑ کھلے ابو سفیان اندر آیا سلام بن مشکم نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ بڑے اکرام و احترام سے مہمانی کی عمدہ عمدہ کھانے پکوائے کھانیکے بعد رات بھر بادہ نوشی کی صحبت جمی رہی اور اس صحبت مین مشغلہ خاص کے ساتھ اصل مدعا پر گفتگو بھی ہوتی رہی۔ سلام بن مشکم نے ابو سفیان کے تمام مستفسرات کا خاطر خواہ جواب دیا اور اسلام کے متعلق ہر جزئیات کی پوری اطلاع پہونچائی لیکن آخر مین یہ بھی کہدیا کہ ابھی مقابلہ و مقاتلہ کا وقت نہین ہے تھوڑا توقف کرنا چاہیے۔ ابو سفیان رات بھر سلام بن مشکم کا مہمان رہکر علی الصباح مدینہ سے روانہ ہوا اور اپنی قیامگاہ پر پہونچ گیا عرب مین اپنے عہد کا پورا کرنا ایسا فرض تھا کہ کسی وقت اور کسی حالت مین چھوڑا نہین

جاسکتا تھا ابوسفیان چونکہ قصاص بدر کا عہد کرکے چلا تھا اوسکو جزوی یا کلی طور پر پورا کردینا اوسکے لئے لازمی تھا اس بنا پر اوس نے کدر سے ملے ہوئے مقام عریض پر حملہ کردیا عریض مین انصار کے چند قبایل آباد تھے۔ ایک مرد انصاری سعید بن عمر کو قتل کردیا اور انصار کے چند مکانات بھی آگ لگاکر خاک سیاہ کردیے۔ مویشیون کے چارون کے انبار مین بھی آگ لگادی اور اونکو بھی بیکار و ضائع کردیا۔ اور اس طریقہ سے جزوی طور پر اپنے عہد و قسم کو پورا کردیا۔

شبلی صاحب نے صرف عمر بن سعد کا قتل لکھا ہے لیکن ابن ہشام عمر بن سعد کے ساتھ اسکے حلیف کا قتل کیا جانا بھی بتلاتے ہین اس بنا پر ابوسفیان نے انصار کے دو آدمیون کا خون ناحق کیا۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۹

اس ظالمانہ اور بزدلانہ حملات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ ہی اوسکو مسلمانون کا خوف بھی دامنگیر تھا چنانچہ مسلمانون کے آنیکی خبر بھی لگ گئی جو واقعی صحیح تھی۔ اس خبر کے پاتے ہی اوسکے حواس جاتے رہے اور فوراً مکہ کی طرف اس تیزی سے جان بچاکر بھاگا کہ راہ مین بوجھ ہلکا کرنے کی غرض اور جلد مسافت طے کرنیکی ضرورت سے ہمراہی رسد کے سامان تمام راہ مین پھینکتا گیا۔ رسد کے سامان مین اوسکے ساتھ صرف ستو بندھے تھے جسکو عربی مین سویق کہتے ہین اوسی کے تھیلے راستہ مین گراتا گیا۔

جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ابوسفیان کی تاخت کی خبر ملی تو آپ نے ابولبابہ کو مدینہ مین نگران چھوڑکر صحابہ کے ساتھ تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لائے لیکن آپ کی آمد سے پہلے ابوسفیان مکہ کو چلدیا تھا اسلئے آپ کو فوراً واپس ہونا پڑا۔ راستہ میں ابوسفیان کے پھینکے ہوئے تھیلے وہان پڑے پائے گئے اور وہ مسلمانون نے اوٹھائے اس خصوصیت کی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوۃ السویق مشہور ہوا۔

تزویج جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

لولم یخلق علی ما کان لفاطمۃ کفواً (امام علی اگر علی پیدا کئے جاتے تو فاطمہ کے لئے کوئی کفو نہ پیدا ہوتا۔)

جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کا سن مبارک ترویج کے قابل ہوچکا تھا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیاہ کی فکر تھی اول تو مدینہ مین تشریف لاتے ہی تب و روز کی تردد و تفکر سے اطمینان دلجمعی حاصل نہین ہوتی تھی۔ دوسری وجہ تاخیر یہ تھی کہ آپ جناب صلعم کے مسئلہ تزویج کو مشیت الٰہی کی تجویز پر موقوف رکھے تھے اور ہمیشہ اس امر خاص مین حکم الٰہی کے منتظر رہتے تھے۔ اس اثنا مین اکثر حضرات نے پیام دیے لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہانتک کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی خواستگار ہوئے لیکن آپ نے ان دونون حضرات کے معروضات پر اعتنا نہ فرمائی۔

شبلی صاحب کے استخفاف و اختصار کے تو یہی خاص مقامات ہین اسی وجہ سے اس واقعہ کی تفصیل میں آپ نے پہلے ہی سے قلم دبانا شروع کردیا ہے۔ اول تو اس واقعہ کو مامور بامر الٰہی ہونا اشارتاً و کنایتاً ظاہر ہونے نہیں دیا ہے دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی روایت صرف ابن سعد کے حوالہ سے لکھکر اسکا عدم صحت ثابت کرنا

چاہا ہے۔ اس غرض خاص سے کہ عوام حضرات شیخین کی خواستگاری والی روایت کو خاص ابن سعد۔ یا زیادہ سے زیادہ اہل سیرت کا مختار سمجھیں اور اسکو مرویات احادیث نہ یقین کریں۔

ثبوت استدلال میں وجہ عدم صحت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علامہ ابن حجر نے۔ تزویج جناب سیدہ کے متعلق اور سب مرویات لکھی ہیں مگر اسکو نہیں لکھا۔"

محققین آپ کے اس استدلال کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں اور آپ کی اس شان و عنوان استخفاف کو بھی پہچانتے ہیں۔ ابن حجر کس گنتی میں ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں کو جانے دیجئے۔ حدیث کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں ہے جسمیں ان دونوں امور کی خاص طور پر تصریح موجود نہیں ہے۔ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کا خواستگار ہونا اور تزویج جناب سیدہ کا تجویز الہی پر موقوف ہونا۔ دونوں امور کی نسبت۔ مناقب امام احمد بن حنبل۔ ذخائر العقبیٰ امام طبری۔ معجم ثلاثہ امام طبرانی۔ تاریخ ابن عساکر۔ کتاب الموافقات ابن السمان۔ مواہب لدنیہ امام قسطلانی۔ مودۃ القربیٰ سید علی الہمدانی۔ فردوس الاخبار امام دیلمی۔ اسد الغابہ فی تمیز الصحابہ امام جزری۔ مناقب امام ابوبکر خوارزمی۔ ابن شاذان علامہ ابوالخیر قزوینی حاکمی۔ علامہ عبدالباقی الزرقانی۔ ینابیع المودۃ امام سلیمان بلخی القندوزی۔ مناقب ابن مردویہ روضۃ الاحباب محدث شیرازی۔ مطالب السؤل امام ابن طلحۃ الشافعی۔ کفایۃ الطالب علامہ ابن یوسف الگنجی الشافعی اور ارجح المطالب خواجہ عبیداللہ امرتسری نے اپنی اپنی تصنیفات میں بالتفصیل تمام لکھا ہے۔ (ہم نے یہ تفصیل زرقانی جلد دوم ص ۵ ینابیع المودۃ فی القربیٰ امام قندوزی ص ۱۴۴ مطبوعہ بمبئی اور ارجح المطالب خواجہ عبید اللہ امرتسری صفحہ ۲۹۵ مطبوعہ لاہور سے نقل کی ہے۔)

تعجب ہے کہ شبلی صاحب کو ایسے متواتر اور کثیر الاسناد واقعہ کی تضعیف پر کیسے جرات ہوئی۔ یہ جرأت بھی اوسی ضرورت و مجبوری پر مبنی ہے۔ جو استخفاف حالات بنی ہاشم کے متعلق مدت قدیم سے آپ کے لاحق حال ہے اوسی ضرورت نے یہاں بھی حقیقت حال بیان کرنے سے آپ کا قلم روک لیا۔

اتنا تمہیداً اور تمہیداً لکھکر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے سوالوں کی نامنظوری کے بعد جناب علی مرتضیٰؑ نے خواستگاری کی اور وہ بطیب خاطر منظور فرمائی گئی۔ ہم ان واقعات کو اپنی کتاب الزہراؑ میں بالتفصیل بیان کرچکے ہیں۔ اسلیے زیادہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ صرف زرقانی نے جن مرویات کو صحیح الاسناد قرار دیکر اس واقعہ کے متعلق مندرج کیا ہے۔ ہم اوسی کو ذیل میں نقل کردیتے ہیں۔

فی حدیث انسؓ عند ابی الخیر الحاکمی وابن عساکر وابن شاذان خطبہا علی بعد ان خطبہا ابوبکرؓ ثم عمرؓ فقال لہ علیہ السلام قد امرنی ربی بذلک قال انس

علامہ ابوالخیر حاکمی ابن عساکر اور ابن شاذان انس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہؑ کی خواستگاری حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے بعد کی۔ آنحضرت صلعم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ خدا نے بھی مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ انس کہتے ہیں کہ پھر ایکدن آنحضرت صلعم

ثم دعانی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ایام فقال ادع لی
ابابکر وعمر وعثمان وعبد الرحمان وعدۃ من الانصار
فلما اجتمعوا واخذوا مجالسہم فقال صلی اللہ علیہ
والہ وسلم

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ
المطاع المرھوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ
فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزہم
باحکامہ واعزہم بدینہ واکرمہم بنبیہ محمد صلی
اللہ علیہ والہ وسلم ان اللہ تبارک وتعالی اسمہ
وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقا
وامرا مفترضا وشج بہ الارحام واکرم بہ الانام فقال
عز من قائل وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۤءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ
نَسَبًا وَّصِھْرًا فامر اللہ یجری الی قضائہ وقضاؤہ
یجری الی قدرہ ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل
ولکل اجل کتاب یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاۤءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ
اُمُّ الْکِتَابِ۔

ان اللہ تعالی امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی
بن ابی طالب فاشھدوا انی قد زوجتہ علی اربعمائۃ
مثقال فضۃ ان رضی بذلک علی بن ابی طالب ثم
دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بطبق
بسر ثم قال انتھبوا فانتھبنا ودخل علی فتبسم النبی
صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی وجھہ ثم قال ان اللہ
عزوجل امرنی ان ازوجک فاطمۃ علی اربعمائۃ مثقال
فضۃ ارضیت بذلک فقال رضیت بذلک یا رسول اللہ
فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام جمع اللہ شملکما واعز جدکما

نے مجھے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور عبدالرحمن
اور انھین کی تعداد کے مطابق انصار مین سے لوگون کو میرے پاس
بلا لاؤ جب یہ لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے تو آپ نے اونکے ساتھ
ایک مجلس ترتیب دی اور اونکو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔

جمیع حمد ثابت ہے اللہ کے واسطے جو محمود ہے اپنی نعمتون کے
سبب سے اور معبود ہے اپنی قدرت کے سبب سے قابل اطاعت ہے
اپنی سطوت وہیبت کے باعث سے لوگ اوسکی طرف اوسکے عذاب
کی وجہ سے گریز کرتے ہین وہ ایسا ہے جس نے تمام مخلوقات کو
اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اپنے احکام سے اونکو قوت تمیز دی ہے
اور اپنے دین کے سبب سے اونکو عزت بخشی ہے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم
کے باعث سے اونکو بزرگی عطا فرمائی ہے بتحقیق اللہ عزوجل نے
سسرالی رشتہ کو سبب تازہ اور واجب حکم عادل اور خیر جامع قرار
دیا ہے اور اوسکے سبب سے رحمون کو ملایا ہے اور تمام خلق پر اسکو لازم
گردانا ہے اور فرمایا ہے وہ اللہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا
پس اوسکے واسطے نسب اور سسرالی رشتہ قرار دیے اور میرا پروردگار ہر چیز پر
قادر ہے اور خدا کا حکم اوسکی قضا کی طرف جاری ہوتا ہے اور اوسکی
قضا اسکی قدر کی طرف جاری ہوتی ہے اور ہر قضا کے لئے ایک قدر ہے اور ہر قدر
کے واسطے ایک وقت خاص ہے اور ہر وقت کے لئے ایک حکم خاص
ہے۔ خدا جسکو چاہے محو کردے جسکو چاہے قائم رکھے اوسی کے پاس اصل
کتاب یعنی لوح محفوظ ہے۔

اما بعد خدای سبحانہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ مین فاطمہ کو علی بن ابیطالب
کے ساتھ چار سو اسی مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ دوں بشرطیکہ علی بھی
اسپر راضی ہون پھر آپنے ایک طبق چھوہارے کا بھرا ہوا طلب کیا اور
ارشاد کیا کہ اسکو لوگون مین لٹا دو چنانچہ وہ تمام لوگون مین لٹا دیا گیا۔
اسی اثنا مین علی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تبسم ہو کر اونکی طرف

وبارک علیکما واخرج منکما کثیراً طیباً۔ | دیکھا اور اونکو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا کہ مجھکو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مین فاطمہ کو تمہارے ساتھ چارسو مثقال چاندی کے مہر پر بیاہ دوں۔ تمہین منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے عرض کی منظور ہے۔ یہ سُنکر جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم دونوں مین جمعیت عطا کرے۔ تمہاری معاشرت مین عزت دے۔ اور تم دونوں کو برکت عنایت کرے۔ اور تم دونوں سے اولاد طاہرین مخلوق فرماوے۔

لیکن مناقب احمد بن حنبل اور مسند ابو حاتم مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر فقرات دعا سے پہلے اور حضرت علیؑ کے ایجاب فرمانے کے بعد یہ فقرات لکھے ہین۔

ثم ان علیاً خر ساجداً شکراً للہ تعالیٰ | حضرت علی خدا کے سجدۂ شکر مین جھک گئے۔

زرقانی نے بھی اسکو لکھا ہے۔ مگر تھوڑے فصل کے بعد یہ تجمیع حدیث کے وقت تقدیم و تاخیر کی صرف سہو ترتیب ہے جو اکثر مؤلفین کو لاحق ہوجاتی ہے۔ اور چندان قابل لحاظ نہین زرقانی ج ۲ ص ۷

یہ تو جناب سیدہ کی تزویج کے خاص حالات تھے۔ ارباب سیر و تاریخ اور اصحاب احادیث نے سامان جہیز مین مفصلہ ذیل چیزین لکھکر بتلائی ہین۔

ایک چارپائی جو (بان سے بنی ہوئی تھی) موٹی گزی کی ۲ دو نہالیان (ایک مین کھجور کی پتیان بھری تھین اور دوسری مین غنچۂ خرما کی چھالین) ۳ چار تکئے (دو مین کھجور کی پتیان اور دو مین بھیڑی کے بال بھرے تھے) ۴ چاندی کے دو بازوبند۔ بردیمانی کی ۵ دو چادرین۔ ایک ۶ چادر سر سے پاؤن تک بیٹھ آتی تھی۔ ایک ۷ چکی ایک ۸ لوٹا۔ ایک ۹ کٹورا۔ ایک ۱۰ مشک اور ۱۱ دو مٹی کے گھڑے

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عشا پڑھکر حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حضرت ام ایمن کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر بھیجدیا۔

حضرت علی مرتضیؑ کے گھر مین بضعۃ الرسولؐ کے آنے کے بعد جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے ان دونون حضرات کے ساتھ گھر مین تشریف لاکر جو معاملات ظاہر کئے گئے اونکو علامہ زرقانی اور خود شبلی صاحب نعمانی ان الفاظ مین تحریر فرماتے ہین۔

حضرت فاطمہ جب نئے گھر مین جالین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اون کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہوکر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن مین پانی منگوایا دونون ہاتھ اوس مین ڈالے اور حضرت علیؑ کے سینہ اور بازوؤن پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا اور وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئین آئین۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ مین نے اپنے خاندان مین سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۸ زرقانی ج ۲ ص ۷

واقعات متفرقہ سنہ ۲ ہجری | اسی سال سے رمضان کے روزے۔ عید کی نماز۔ اور زکوٰۃ فطر کا حکم آیا۔ اور اسی سال مسلمانون نے نماز عید بالجماعت پڑھی

شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بدترتیبی

شبلی صاحب کے سلسلہ بیان میں بے ترتیبی

شبلی صاحب نے سیرۃ النبیؐ میں محض۔ اظہار جدت کے نقطہ نظر سے ترتیب، واقعات میں بہاں سے فصل پیدا کر دیا ہے اور تعین اوقات میں تاخیر و تقدیم کا نقص تزویج جناب فاطمہؑ کے بعد۔ تمام واقعات کو جو اسی سال کے اندر واقع ہوئے مرفوع القلم فرما دئے ہیں اور اپنا سلسلہ بیان اور ترتیب تالیف غزوہ احد کے عنوان سے بیکبار آغاز کیا ہے حالانکہ تزویج جناب ۲؁ یہ سے لیکر آغاز جنگ تک کے ایام میں بالاتفاق ابن ہشام وطبری۔ غزوات۔ ذی امر بحران۔ غزوہ بنی قینقاع سریہ زید بن حارثہ نزاے کعب بن الاشرف وغیرہ کے ایسے چھوٹے بڑے واقعات گزشتہ دس مہینہ کے عرصہ میں برابر سلسلہ وار پیش آتے گئے۔ جنکو متقدمین اور متاخرین مؤلفین نے آج تک اپنی تمام تصنیفات و تالیفات میں اونکی ترتیب وقوع کے موافق قلمبند فرمایا ہے لیکن شبلی صاحب نے نہیں۔

آپ نے جو ترتیب اختیار کی ہے۔ یا تو وہ آپ کی ایجاد خاص ہے یا یورپین مصنفین کی تقلید اور تاسی۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے غزوات کو دو قسموں پر منقسم فرمایا ہے ایک سلسلہ میں وہ واقعات لکھے ہیں جو قریش سے پیش آئے اور دوسرے میں وہ غزوات جو یہودیوں کے ساتھ واقع ہوئے۔ ترتیب مضامین کی یہ تقسیم بظاہر تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ علی الاکثر یہی دونوں مخالف قومیں ہمیشہ اسلام سے مقابل ہوتی رہیں۔ اور انھیں کے ساتھ لگاتار واقعات پیش آتے گئے۔ چنانچہ واقعات ۲؁ ہجری میں خود تحریر فرمایا گیا ہے۔

ارباب سیر کے مطابق غزوہ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال میں ہونا چاہیئے تھا لیکن اتصال و تسلسل واقعات کی بنا پر وہ آئندہ مذکور ہوگا۔ سیرۃ النبی ص ۲۶۹ ج ۱۔

لیکن عرض یہ ہے کہ اس تقسیم سے واقعات کی تعیین میں بہت فصل واقع ہو گیا۔ مثال کے لئے غزوہ بنی قینقاع ہی کے ذکر کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ ارباب سیرت کی اسناد کے مطابق آپ تو خود اعتراف فرما چکے ہیں ۲؁ ہجری میں واقع ہوا ہے لیکن آپ نے اسی ترتیب کی مجبوری سے ۳؁ ہجری میں غزوہ احد اور ۴؁ ہجری کے سلسلہ غزوات و سرایا کی تفصیل کے بعد صفحہ ۲۹۵ میں۔ اس عنوان کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے۔ ۲؁ ہجری غزوہ بنی قینقاع۔

اب آپ ہی ملاحظہ فرمائیں کہ ۳؁ و ۴؁ ہجری کے تمام واقعات و حالات بیان کر دیے جانے کے بعد آ پھر یہ ۲؁ ہجری کیسا؟ دوسرے تو اس آپ کی نو ایجاد ترتیب کو دیکھکر ایک مہذبانہ تبسم کر کے رہجاتے ہیں۔

سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ آگے چلکر یہ ترتیب بھی قایم نہیں رکھی گئی۔ یہود کے معاملات کو۔ ماستثنائے خیبر ایک جا بیان کر کے پھر جنگ خندق آغاز کر دی گئی ہے جو قریش کے خاص معاملات تھے۔ اور خندق کے بعد معاملات حدیبیہ تک مسلسل اور مفصل طور پر قریش کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ان سب کے بعد غزوہ خیبر کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر تو وہی

ارباب سیر کی قدیم ترتیب اختیار کرلیگئی اور اپنی وہ ترتیب خاص جسکو عدم بیان غزوہ بنی قینقاع کی وجہ میں یہ لکھکر دکھلایا گیا تھا کہ اتصال و تسلسل واقعات میں فرق آتا ہے وہ ہی ایک واقعات کی تحریر کے بعد متروک فرما دی گئی۔ حالانکہ اگر ترتیب واقعات میں تبدیلی منظور تھی تو وہ بآسانی یوں ہو سکتی تھی۔ کہ ۲ھ ہجری سے لیکر ۱۱ھ ہجری تک قریش کے ساتھ جتنے واقعات پیش آئے تھے وہ ایک سلسلہ میں بیان کر دیے جاتے۔ اسیطرح ۲ھ ہجری سے لیکر ۱۱ھ ہجری تک یہودیوں کے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے۔ وہ دوسرے سلسلہ میں قلمبند کر دیے جاتے۔ تو یہ ترتیب بھی ایک قسم کی صحیح ترتیب کی ہوتی اور طرفین کے حالات و واقعات بھی اپنے اپنے سن وقوع کے ساتھ صحیح طور پر بیان ہو جاتے۔ لیکن کمال افسوس تو یہ ہے کہ آپ دونوں ترتیبوں سے ایک ترتیب بھی قائم نہ رکھ سکے پہلے تو ارباب سیر کی نقل و تقلید سے اتصال و تسلسل واقعات میں فرق پڑنیکی وجہ دکھلا کر انکار فرما یا گیا لیکن جب آگے چلکر واقعات کے سن وقوع کی تقدیم و تاخیر کے نقائص پر نظر پڑی تو اس ترتیب جدید کی خرابی کا یقین آیا۔ اور فوراً متروک کر دی گئی اور انھیں سیرتوں کی ترتیبی صورتیں اختیار فرمائی گئیں۔ ان تمام بدترتیبیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی سیرۃ النبی میں۔ قدیم سیرتوں کی پوری ترتیب باقی رہی اور نہ آپ کی جدید ترکیب خاص جو کچھ رہی۔ وہ خلط مبحث کی صورت

باقی رہے ہم اور ہماری موجودہ ترتیب۔ تو وہ ہی ہے جو تمام ارباب سیرۃ و تاریخ کی قدیم ترتیب ہے اس لئے کہ ہم سیرۃ کے موضوع پر تاریخی حالات و واقعات لکھ رہے ہیں۔ ہمارے استنباط و استخراج انھیں ماخذوں سے ہونے چاہئیں۔ ممکن تھا کہ ہم اونمیں کوئی ترتیب ایسی پیدا کرتے جیسی کہ ہم اوپر لکھکر بتلا آئے ہیں جس سے تفصیل حالات و واقعات اور انکی تعیین اوقات۔ دونوں صحیح طور سے معلوم ہو جاتی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس ترکیب سے ہمارے سلسلہ بیان میں سوائے ایک جدت یا نوعیت کے کوئی لطف خاص نہیں پیدا ہوتا۔ اور ہمکو مجدد بننا منظور نہیں۔ اسلئے ہم نے سلف صالحین ہی کی تقلید کو اپنے لئے اور اپنی ترتیب کتاب کے لیے بہتر سمجھا اور اوسی کو اپنی کتاب میں قائم رکھا۔

غزوہ بنی قینقاع

شوال ۲ھ ہجری

اتنا تمہیداً عرض کر کے پھر ہم اپنے سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں۔ ابن ہشام۔ غزوہ بنی سلیم یا غزوۃ السویق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

ثم رجع صلعم الی المدینة ولم یلق کیدا فاقام بها باقیه شوال وذی القعدة واقام فی تلك حل الاسارے من قریش۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس آگئے۔ اور کوئی واقعہ پیش نہ آیا اور باقی (ماہ شوال و ذی قعدہ دو مہینے برابر مدینہ ہی میں مقیم رہے اور مقیدین قریش کو فدیہ لیکر رہا کرانیکے معاملات میں مصروف رہے

مذکورہ بالا ایام قیام مدینہ مین یہودان بنی قینقاع کے مخالفانہ معاملات پیش ہوئے - اس جلد مین ہم اوپر یہودیون کے حالات بیان کرچکے ہین لیکن مناسبت مقام کی ضرورت پھر ہمکو اونکے اعادہ کے لئے مجبور کرتی ہے -

یہودیوں کے مخرب اخلاق اور ظالمانہ عادات واطوار

یہودیون کی غداری بنا اعتباری اور سود خواری اور اوسکے ذریعہ خاص سے عام مردم آزاری اسوقت تمام قومون کا مسلمہ تھی لیکن انکا حد سے بڑہا ہوا متمول ضرورت سے زائد خوشحالی ایسی تھی کہ تمام قرب وجوار اور گرد ونواح کے اقوام وقبائل ہمہ وقت انکے دست نگر تھے - اور اس بنا پر اونکو تمام بلاد پر پورا اختیار واقتدار حاصل تھا - اور پھر اسی اقتدار کے ذریعہ سے اونھون نے بڑے بڑے قلعے بنا لئے تھے - کثرت سے سامان حرب وضرب بھی جمع کر رکھے تھے - وہ شمار وتعداد کے لحاظ سے ہر مقام پر بجائے خود ایک فوج کی فوج تھے - اور اپنی ذی اختیاری کے باعث اپنی قوم وقبائل کے علاوہ - دیگر قبائل و قوم کے سیکڑون لوگون کو ایک اشارے میں جمع کر لے سکتے تھے -

مدینہ اور اوسکا قرب وجوار اسوقت یہودیون کی آبادی کا مرکز تھا - بنی قینقاع بنی نضیر - خاص مدینہ کے مشاہیر قبائل یہود تھے - اور قبائل اسلام تو گویا مدینہ اور گرد ونواح تمام مقامات کے حاکم ومالک تھے - اوس وخزرج قبائل انصار کچھ تو آپنے آپس کی جنگ وجدال اور زیادہ تر اپنی ناداری کی وجہ سے بالکل ان کے زیر اثر آچکے تھے - اور گویا انکے مطیع ومنقاد بن چکے تھے -

دنیاوی اقتدار کے ساتھ یہودیون نے انصار پر اپنے دینی اثر بھی جمالئے تھے - اس لئے کہ انصار بالکل جاہل قوم تھے - اور عقائد مین بت پرست - یہودی پڑہے لکھے تھے - اور اہل کتاب اسوجہ سے انصار اپنی جہالت کے باعث انکے مروجہ عقائد کے بھی جلد زیر اثر آگئے - اور اپنی عقیدت وخلوص کو اونکے ساتھ اس حد تک پہونچا دیا کہ ایک لاولد انصار منت ماننے لگا کہ اگر اوسکے بچہ پیدا ہوگا تو وہ یہودی بنایا جائے گا -

ایک واقعہ نگار کی حیثیت مین ہمارا فرض ہے کہ جب ہم یہودیون کے اقتدار کی یہانتک حالت دکھلا چکے ہین تو ان ذی اقتدار اختیار لوگون کے طور واطوار - طریق ومسالک کے جستہ جستہ حالات بھی بیان کردین - ہم اوپر انکی دینی اور دنیاوی عظمت وثروت دکھلا چکے - انکی اخلاقی صورت حال یہ ہے

اسلام اور اسکے پہلے تمام شریعتون نے ضرورت سے زائد جمع مال اور اسکے ذرائع افزائش خصوصاً سود خواری کے عالمگیر طریقہ مردم آزاری کو قطعاً ممنوع فرمادیا تھا - اسلئے کہ اس سے اخلاق بگڑتے ہین - ہمدردی کی جگہہ بیدردی رحم ومروت کے بدلے سنگدلی اور قساوت پیدا ہوتی ہے - اور قومی وملکی اصلاح ورفاہ اور امن وامان کے قیام کے لئے یہ دولت وثروت مفید کیا ہوگی سخت مضر نقصان دہ اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے - یہودیون کی دولت مندی اسی نقطہ انتہائی تک پہونچ چکی تھی -

مدینے کے یہود۔ لوگوں کی جائداد۔ اموال۔ گھربار زیورات متاع و اسباب غرض سب کچھ جب رہن رکھ چکے تو بال بچے اور عورات تک رہن کرانے پر آمادہ ہوگئے۔ اب یہ لین دین اور کاروبار کا طریقہ نہیں رہا۔ بلکہ صاف صاف ملک و قوم کے بناء غارت کرنے کا ذریعہ بنگیا۔ جیسا کہ بہت جلد محمدؐ بن مسلمہ۔ اور ابو عمارہ کے ساتھ کعب بن الاشرف یہودی کی گفتگو سے آگے ظاہر ہوجاویگا۔ بچوں کو زیور پہنے ہوئے تنہائی میں اگر یہودی پالیتے تھے تو انکے زیوروں کی قلیل رقم کی لالچ میں پڑکر بیدردی سے مارڈالتے تھے اور زیور لے لیتے تھے۔

یہودیوں میں سودخواری سے زیادہ رباکاری کا عام رواج تھا اور یہ بدکاری انکا قدیم شعار تھی اور یہ بدشعاری و بدکاری انکی کثرت دولت کا نتیجہ تھی اور علی العموم دولتمند طبقہ کے لوگ اس فعل شنیع میں آلودہ ہوتے تھے اور انکی دولت و ثروت کی وجہ سے کسی فرد واحد کو انکی سزا و تنبیہہ پر جرأت کیا ہوگی۔ ان پر آنکھ اوٹھانے یا اعتراض کرنے کی تو مجال بھی نہیں۔ ایکبار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب آپ انکی حرامکاریوں کی خبر سنتے سنتے عاجز آگئے تو ایک یہود سے پوچھا کہ کیا توریت میں زنا کی سزا صرف درّہ لگانا ہے۔ یہودی نے کہا۔ نہیں حضور سنگساری زنا کی سزا لکھی ہے لیکن بات یہ ہے کہ یہ فعل بد ہمارے شرفاء اور امراء قوم کی عادت عام ہوگئی ہے۔ اس لئے جب کوئی شریف یا امیر شخص مجرم ہوکر آیا چھوڑدیا گیا۔ عام طبقہ کے مجرمین کو تخفیفاً تازیانے لگاکر چھوڑ دیتے تھے۔ آخر کار یہی تخفیف و ترمیم کی صورت حکم شریعت قرار پاگئی۔ اور ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو اسی نصاب کے مطابق سزا دینے کا عام دستور ہوگیا۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۰ بحوالہ اسباب نزول واحدی۔

قرآن مجید نے صاف صاف الفاظ میں انکے اخلاقی معائب کو جدا جدا بیان کردیا ہے۔ اور ہم انکو شبلی صاحب کی سیرۃ النبیؐ سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ	وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانیوالے ہیں

پھر سورہ مائدہ میں ارشاد کیا گیا ہے۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	اور تم ان میں سے اکثروں کو دیکھا ہوگا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

سورہ نساء میں ارشاد ہوا ہے۔

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔	اور چونکہ یہ سودخواری کرتے ہیں حالانکہ انکو سودخواری سے منع کردیا گیا تھا اور چونکہ یہ غیروں کا مال خورد برد کرجاتے ہیں

سیرۃ النبیؐ ج ۲ صفحہ ۲۹۱۔

قرآن مجید کی ان تصریحات جب انکی بدکاریوں کی یوں کھلے کھلے الفاظ میں پردہ دری کردی تو یہودیوں کی مخالفت میں

سخت اشتعال پیدا ہوگئی۔ اسکے جواب میں اونھوں نے انواع اقسام کی بدزبانیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص طور پر ایذا پہونچانے لگے۔ اور اہل اسلام کے قتل و غارت کی نئی نئی ترکیبیں سوچنے لگے اون کے ان جور و ستم کے مشاہدات پر آنحضرت صلعم نے خود بھی صبر و سکوت سے کام لیا اور مسلمانوں کو بھی ایسا خاموش رہنے کی ہدایت فرمائی جو عین مدعائے حکم الٰہی تھا۔

شبلی صاحب حضرت عائشہ سے نقل فرماتے ہین کہ یہودیوں نے معمول کرلیا تھا کہ آنحضرت صلعم سے سلام علیکم کرتے۔ تو بجائے اسلام علیکم کے السام علیک کہتے تھے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ تجھکو موت آئے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ موجود تھیں۔ انھوں نے سنا تو انکو سخت غصہ آیا۔ اور بے اختیار ہوکر بول اٹھیں۔ کمبختو! تمکو موت آئے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو حضرت عائشہ نے کہا آپ نے سُنا بھی کہ ان لوگون نے کیا کہا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہان لیکن یہ کافی ہے کہ مین نے علیک کہدیا سیرۃ النبی ج ۲ ص ۲۹۱ بحوالہ صحیح بخاری۔

قرآن مجید نے بھی اُنکی بدزبانیون کے عوض خاموشی اور سکوت اختیار فرمانے کی ایسے ہی ہدایت فرمائی ہے۔ اور وہ آل عمران رکوع ۱۹ کے مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ	اور اہل کتاب اور مشرکون سے تم بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے اور اگر صبر کئے رہو گے اور پرہیزگاری پر قایم رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

اسلام دنیا مین رحمت عام کا پیغام لیکر آیا تھا۔ با دوستان برعایت با دشمنان مدارا: اس کا کام تھا اس بنا پر قرآن مجید نے اُنکی بدکاریون کے اظہار سے قطع نظر کرکے مسلمانون کو ان کے ساتھ مساویانہ اور موافقانہ محاسن سلوک اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ ذیل کے آیہ ہائے قرآنی سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ	اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ	اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کا خیال کرو جو مین نے تمکو دین اور یہ کہ مین نے (کبھی) تمکو تمام عالم پر فضیلت دیرکھی تھی۔

اسلام نے نہایت نرمی سے ان الفاظ مین تبلیغ کی آواز ان تک پہونچائی تھی۔ وہ الفاظ یہ ہین

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ	کہدو۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ۔ جسکو ہم تم دونون یکسان مانتے ہین وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اوس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم مین سے کوئی خدا کو چھوڑکر کسی کو اپنا

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(رب کے سامنے) تو اگر وہ اپنا مونھ پھیر لین تو تم کہدو اچھا۔ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہین۔ سورہ آل عمران رکوع ۹۔

اسلام کی یہ رعایت۔ مسالک مساوات اور موافقانہ تعلقات قایم رکھے جانے کی عوض مین یہودیون نے اسلام کے ساتھ کیا برتاؤ رکھے ہین۔ قرآن مجید کے مفصلۂ ذیل الفاظ مین اونکی یون تصریح ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سورہ نساء

اور (یہود) کافرون کی نسبت کہتے ہین کہ یہ تو مسلمانون سے زیادہ ہدایت یافتہ ہین۔

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ آل عمران

اور اہل کتاب مین ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانون پر جو اوترا ہے اوسپر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اوس سے پھر جاؤ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائین۔

یہ تو اسلام کے ساتھ تبلیغ اور دینی احکام و آئین کی تدوین کے متعلق یہودیون کی مخالفت کی صورت حال تھی جو عرض کیگئی۔ اب بقائے اسلام اور مسلمانون کی جان و مال کے قیام اور امن و آرام کی نسبت جو اس شریر الطبع قوم نے معاندانہ طریقے اختیار کئے اونکی حقیقت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ انصار مدینہ کا اسلام لانا اور جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ مین بلوانا۔ اونکی ذی اقتدار اور ذی اثر ہی کے لئے اونکی سمجھ مین بہت ہی نقصان رسان ثابت ہوا لیکن اونھون نے فوری مخاصمت کو خلاف مصلحت سمجھکر بالکل سکوت اختیار کرلیا۔ اور صرف سکوت ہی نہین بلکہ اسلام کے ساتھ معاہدے مین شامل ہوکر اوسکی رفاقت و حمایت کو بھی قبول کرلیا۔ اور جنگ بدر تک یہ زبانی رفاقت نباہی گئی۔ بدر مین بھی اونکی شرکت دلیرانہ اور جان نثارانہ انداز سے نہین تھی بلکہ محض تماشائیانہ اور منافقانہ طریقہ سے۔ اور اس نمایشی مشارکت کے پردے مین وہ اندر ہی اندر استیصال اسلام اور مسلمانون کے قتل عام کی ترکیبین کر رہے تھے۔ اپنی اس ترکیب کی کامیابی کے لئے اونھون نے یہ تدبیر سوچی کہ انصار کے دو بڑے اور مشہور قبائل اوس و خزرج مین نااتفاقی پیدا کرنیکی کوششین شروع کردین۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے حامی اور مددگار یہی دو قبیلے ہین اگر ان مین نااتفاقی ہوگئی۔ تو پھر اسلام یہین مٹ کر ختم ہوجائیگا۔ عرب کی کینہ پرور طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ قدیم معرکہائے جنگ کے افسانون کو سنکر بہت جلد پرجوش ہوجاتے تھے۔

یہودیون کی مخالفت اسلام

اس بنا پر یہ واقعہ ہوا کہ اوس و خزرج کے قبیلے کے بہت سے آدمی ایک جگہ جمع ہوئے آپس مین ادہر اودہر کی باتین کر رہے تھے۔ یہودی ایسے موقعون کی تاک مین لگے رہتے تھے۔ فوراً جا پہونچے۔ اور اونکی قدیم خانہ جنگیون کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور ذکر بھی خوب نمک مرچ لگاکر بیان کیا۔ پچھلے واقعات کا سننا تھا کہ فریقین مین قدیم جوش پھر تازہ ہوگئے

اور باتون باتون مین تکرار بڑہتے بڑہتے جانبین سے تلوارین کھینچ گئین جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوراً موقع پر خبر پہونچ گئی آپ تشریف لائے اور اونکو پند و موعظت فرمائی۔ اور آتش فتنہ و فساد کو فرو کردیا۔

قرآن مجید مین ان الفاظ کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنْ تُطِیعُوا فَرِیقًا مِنَ الَّذِینَ أُوتُوا الْكِتَابَ یَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِیمَانِكُمْ كَافِرِینَ	مسلمانو اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہا مانوں گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دینگے۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۴ بحوالہ اصابہ

یہودیوں کی قریش کے ساتھ سازش کی حالت اوپر دکھلا چکی گئی ہے عبداللہ بن ابی سلول کے ساتھ مجالست و مکالمت کی کیفیت بھی بیان ہو چکی ہے۔ ابھی ابھی ابو سفیان مقام کدر پر اپنا دستہ فوج چھوڑ کر اور راتوں رات چھپکر مدینہ پہونچا۔ اور سلام بن مشکم رئیس یہود کے ساتھ رات بھر صلاح و مشورت کر کے واپس جا چکا ہے اوسکی حقیقت بھی اوپر ہم لکھ چکے ہین۔

اس مشورت و صلاح سے پہلے۔ قریش کی یہ دہمکی ان الفاظ مین یہودیوں کو پہونچ چکی تھی۔

انکم اهل الحلقة والحصون وانکم تقاتلن صاحبنا اولنفعلن کذا وکذا ولا یحول بیننا وبین خدم نسائکم شئ سیرۃ النبی بحوالہ ابی داؤد۔	تم لوگون کے پاس اسلحات جنگ اور قلعجات ہین۔ تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ۔ یہ کرینگے اور کوئی چیز ہمکو تمہاری عورتوں کے کپڑے تک پہونچنے مین نہ روک سکیگی

یہ تحریر صاف صاف بتلا رہی ہے کہ قریش سے خط و کتابت برابر جاری تھی اور ایذاے اسلام کی غرض سے ریشہ دوانیان ہمیشہ قائم تھین۔ اس اثنا مین بدر کی عظیم الشان فتح نے یہودیوں کے تمام رازہاے مخفی کا انکشاف کردیا۔ اور وہ اسلام کی مخالفت مین بالکل کھل پڑے۔ ان مین سب سے پہلے قبیلہ بنی قینقاع کے یہود۔ اسلام کے حریف بنکر سامنے آگئے۔ جیسا کہ تمام محدثین و مورخین بالاتفاق لکھتے ہین۔

ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا ما بینهم وبین رسول الله صلعم وحاربوا بین بدر واحد۔	بنو قینقاع پہلے یہودی تھے۔ جنھون نے اوس معاہدے کو۔ جو اون مین اور آنحضرت صلعم کے درمیان تھا۔ توڑ ڈالا۔ اور بدر و احد کے درمیان مین مسلمانون سے لڑ پڑے۔

بنی قینقاع کی خصومتین ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ بدر مین یہودیوں کی شرکت منافقانہ اور تماشائیانہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد بھی غزوہ بنی قینقاع کے ذکر مین میرے اس بیان کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہین۔

فلما کانت وقعة بدر اظهروا البغی والحسد ونبذوا العهد والمدة	واقعہ بدر ہی سے۔ یہودیون نے شورش اور حسد کا اظہار کردیا اور معاہدہ کو توڑا۔

رسالت کی حقیقت مین نگاہ نے اوسیوقت سے انکا رخ پہچان لیا تھا۔ اور معاودت بدر کے بعد سے انکی طرف

بڑے حزم واحتیاط اور ہوشیاری اختیار کی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راتوں کو کہین شہر مین آنے جانے سے پرہیز کر لیا تھا۔ رات کا آنا جانا بالکل موقوف کر دیا گیا تھا۔ اسلئے کہ یہودیوں کی طرف سے دفعتاً حملے اور جان کے خطرے کا خوف تھا۔ صحابہ پر بھی احتیاط کی تاکید تھی اور صحابہ بھی اس احتیاط کی وجہ سے واقف تھے۔ اور وہ بھی ہمیشہ احتیاط کیا کرتے تھے اور ہوشیار رہا کرتے تھے چونکہ ہر صحابی کو رسول ؐ کی جان اپنی جان سے کہین زیادہ عزیز تھی۔ اسلئے طلحہ بن براء۔ انھین ایام مین جب بیمار ہو کر قریب مرگ ہوئے تو اونھون نے اپنے اعزہ واحباب کو پاس بلا کر سب سے پہلے جو وصیت کی وہ نہ اہل وعیال کے متعلق تھی اور نہ اپنی جائداد واموال کی نسبت تھی اون کے الفاظ یہ تھے

خیال رکھو! اگر مین رات کے وقت مر جاؤن تو تم لوگ ہرگز ہرگز آنحضرت صلعم کو میرے مرنے کی اطلاع نہ کرنا۔ اسلئے کہ اگر اونکو اطلاع ہوئی اور آپ میری مشایعت جنازہ کی عزت بخشی کے قصد سے باہر نکلے تو مجھے یہودیون کی طرف سے آپ پر وقوع ضرر کا خوف واندیشہ ہے۔ اس لئے مصلحت یہی ہے کہ اونھین اطلاع ہی نہ ہو بلکہ اور تم سب مجھے ملا ہی دفن کر دو۔ سیرۃ النبی ص ۲۹۵ بحوالہ اصابہ ابن حجر۔

بنی قینقاع کے خاص حالات	بنی قینقاع یہودیون کا بہت ہی خوشحال قبیلہ تھا۔ یہ لوگ زیورات کے بہت بڑے کاریگر تھے اور چاندی سونے کے بہت بڑے دستکار اور اہل کاروبار تھے۔ ان کا بہت بڑا بازار مدینہ مین انھین کے نام

سے مشہور تھا اور سوق بنی قینقاع کہا جاتا تھا۔

بنی قینقاع نے مخالفت اسلام مین یون پیشدستی کی کہ انصار کے قبیلہ کی ایک عورت اپنی ضرورت سے سوق بنی قینقاع مین ایک یہودی کی دوکان پر گئی یہودی نے اوسکے ساتھ جاہلانہ مذاق کیا۔ اور وہ یہ تھا کہ اسکی لاعلمی مین پیچھے سے آکر اسکے پیراہن کا دامن اسطرح چاک کر دیا کہ جب وہ اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر اوٹھی تو بالکل برہنہ تھی۔ اسکے اوٹھتے ہی یہودیون مین قہقہے پڑ گئے اور سیکڑون تالیان بج گئیں یہ غریب مفت مفت رسوا ہو گئی۔ اور گویا شرم سے مر گئی بھرے مردون مین ننگی عورت۔ کیسی شرمناک بات ہے اتفاق سے ایک مسلمان بھی بازار مین وہین سودا لے رہا تھا۔ اوسکو یہودیون کی اس حرکت ناشائستہ پر سخت طیش آگیا۔ اور اوس نے اوس شریر یہودی کو قتل کر ڈالا جس نے یہ حرکت کی تھی۔ یہود کہین دور تو تھے ہی نہین فوراً جمع ہو گئے۔ اور اوس کا قیمہ قیمہ کر ڈالا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ معدودے چند اصحاب کی ساتھ صرف فہمائش کی غرض خاص سے موقع پر تشریف لیگئے۔ اور یہودیون کو مخاطب کر کے فرمایا۔ خدا سے ڈرو۔ ایسا نہو کہ تم لوگون کو بھی بدر والون کی طرح مصیبتین پیش آئین۔

اتنا سننا تھا کہ تمام یہودی چراغ پا ہو گئے۔ اور آتش غیظ وغضب مین جلکر نہایت دریدہ دہنی سے ان الفاظ مین جواب دئیے۔

یا محمد انک تری انا قومک لا یغرنک انک لقیت قوما لا علم لھا بالحرب فاصبت منھم فرصۃ انا واللہ لئن حاربناک لتعلمن انا نحن الناس	اے محمد (صلعم) کیا تم نے ہمکو بھی اپنی قوم کے لوگ سمجھا ہے اور اس امر پر تم مغرور نہ ہو کہ تم کو ایک ایسی قوم سے سامنا ہوا تھا جو فن جنگ سے بالکل ناواقف تھے خدا کی قسم تمکو ہم سے پالا پڑیگا تو معلوم ہو جائیگا کہ مرد ہم لوگ ہیں۔
ابن ہشام جلد دوم ص ۴	

یہودیون کا صرف گستاخانہ جواب ہی نہ تھا بلکہ اسلام کے مقابلہ مین صاف صاف اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ ان مغرور شوخ چشمون نے وہ عہدنامہ جو مسلمانون کے ساتھ لکھا تھا۔ واپس کر دیا۔ رحمت العلمین نے۔ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ جاہلوں سے۔ الخ۔ کے حکم محکم پر نظر رکھکر قطعی سکوت اختیار فرمایا اور بالکل خاموشی کے ساتھ موقع سے واپس آئے۔ مراجعت کے بعد فوراً فوج اسلامی سے قبیلہ بنی قینقاع کا محاصرہ کرلیا۔ اس لئے کہ اون کے روز روز زبانی اعلان جنگ کرنے اور پھر معاہدہ نامہ واپس دینے سے اصلاح و یکسوئی معاملات کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

محاصرہ کو پورے پندرہ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہودیون کی تمام گرمجوشیان ٹھنڈی پڑگئیں گو اونکے قلعے ابھی تک بند تھے لیکن اونکی ہمت و جرات کے بند بند کھل گئے تھے۔ آخر کار تصفیہ پر راضی ہوئے۔ اور کہلا بھیجا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں گے وہ ہمکو منظور ہوگا۔ آپ نے اونکے معاملہ مین خود فیصلہ فرمانے سے احتیاط کی اور عبداللہ بن ابی سلول کو جو اونکا قدیم حلیف تھا اور آغاز محاصرہ سے اونکے معاملات کو تصفیہ سے طے کر دیے جانے کے لئے آنحضرت صلعم کی خدمت مین برابر آرزو و منت کیا کرتا تھا حکم مقرر کر دیا۔ عبداللہ بن ابی نے اونکے جلاء وطن کر دیئے جانے کا حکم سنایا۔ بنی قینقاع نے فیصلہ کا حکم منظور تو کر دیا۔ مگر عبادہ بن الصامت کو بھیجکر تین دن کی مہلت مانگی جو منظور کر لیگئی۔ تین دن کے بعد۔ یہ قبیلہ کا قبیلہ۔ جو شمار مین سات سو آدمی تھے۔ اور جن مین صرف تین سو جوانان زرہ پوش تھے۔ مدینہ کو خالی کر کے موضع درعات مین جو علاقہ شام مین داخل ہے چلے گئے جسقدر مال و اسباب وہ لیجا سکے ہمراہ لے گئے۔ جو چھوڑ گئے وہ مسلمانون کو غنیمت مین حاصل ہوا۔ اموال غنیمت مین سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رقم خمس جدا کرلی۔ اور یہ پہلی رقم خمس تھی جو مال غنیمت سے علحدہ کی گئی۔ اسکے بعد مال غنیمت تمام مسلمانون پر تقسیم کر دیا گیا۔ روضۃ الاحباب ص ۲۴۵

سنہ ۳ ہجری

(قتل کعب بن الاشرف یہودی۔ ربیع الآخر سنہ ۳ ہجری)

کعب ابن اشرف یہودیون مین یہ عجیب مایۂ فساد تھا۔ شرارت کا پتلا۔ اسلام کی مخالفت کا پورا مجسمہ۔ اس شریر النفس کا

عضو عضو فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی سے پر تھا نسباً عرب تھا اور سناً یہودی حقیقت نسبی اسکی یون ہے کہ ایک عرب اشرف نامی جو قبیلہ طے سے تھا۔ اتفاقاً یہودان بنی نضیر کا حلیف بنگیا۔ اور اس تعلق سے مدینہ مین اسکی آمد و رفت شروع ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہودیون مین اس کا اسقدر اعزاز و امتیاز بڑھ گیا کہ انھون نے اسکو مستقل طور سے مدینہ مین لبا لیا طرہ یہ ہوا کہ ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہودیون کا مذہبی پیشوا اور تاجر الحجاز کی لقب امتیازی سے مشہور تھا۔ اپنی لڑکی بیاہ دی اب تو اشرف تمام اشراف یہود کا گویا تاجدار بنگیا۔ کعب اسی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا

کعب سن تمیز پر پہونچکر اپنے باپ سے بھی۔ حرفت۔ فتنہ انگیزی اور مفسدہ خیزی مین نمبر لے گیا۔ اور فن شاعری مین تو کامل نکلا۔ بہت بڑا ساحر البیان اور فصیح اللسان مشہور ہوا کعب نے اپنی شہرت کی موجودہ ذریعون سے سب بڑی بات اپنے مقاصد کی کامیابی مین یہ پیدا کر لی کہ اوس نے یہودیون کے ساتھ اپنے تعلقات وسیع اور پرانے بنا تے قریش کو بھی اپنے مراسم و ارتباط سے اپنا مطیع و منقاد بنا لیا۔ ان تمام باتون کے ساتھ اسلام کی مخالفت اور مسلمانون کے استیصال کے خیال بھی اسکے رگ و پے مین کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔

کعب کی مخالفت اسلام

کعب یہودیون کا مذہبی پیشوا تو تھا ہی اس نے مذہب یہود کی پوری تنظیم کی۔ مدینہ اور اوس کے بیرونی مقامون مین علماے یہود کے ماہانہ وظیفے مقرر کئے جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ مین تشریف لائے اور اسلام کا چارون طرف چرچا ہوا تو ایک دفعہ علماے یہود بیرونجات سے اس کے پاس مقررہ وظائف لینے آئے کعب نے ان سے آنحضرت صلعم کی نسبت دریافت کیا تو ان لوگون نے جواب دیا کہ یہ وہی نبی منتظر ہے۔ جسکی آمد کی خبر ہماری کتابون مین موجود ہے۔ اتنا سننا تھا کہ کعب جل اوٹھا۔ اور ان لوگون سے کہدیا کہ تمھارے وظیفے بند۔ تم لوگ گھر لوٹ جاؤ۔ یہ علماے یہود خالی اپنے گھر واپس آئے پیٹ تو بڑی بری شے ہوتی ہے۔ آخر کار نا داری اور عسرت نے ایمان فروشی پر تیار کر دیا۔ اور بغیر گذارے یا وظیفہ کے گذارا نہین دیکھا۔ تو پھر لوٹ کر کعب کے پاس آئے اور اوسکے آگے ان ایمان فروشون نے ان الفاظ کے ساتھ دست سوال بڑھائے۔ زرقانی لکھتے ہین۔

قالوا انا اعجلنا فیما اخبرناك به اولا ولما استبنا علمنا انا اغلطنا و لیس هو المنتظر فرضی عنهم و صلهم کما قال ابن سعد۔ زرقانی	جلدی مین ہم نے آپ کو جواب دیدیا تھا۔ اب جب ہم نے اپنی کتابون مین اپنے علم سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ہم لوگون نے غلط کہا یہ شخص نبی منتظر نہین ہے۔ یہ سنکر کعب راضی ہوگیا اور اونکے۔ طائف اونکو دیدیے جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

اس نے مخالفت اسلام مین اسی پر اکتفا نہین کی۔ بلکہ جب قریش کے پاس کشتگان بدر کی تعزیت کی غرض سے مکہ پہونچا تو ابوسفیان وغیرہ نے اس سے پوچھا کہ تمھاری کیا راے ہے۔ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد (صلعم) کا دین اور ان دونون مین تمھارے نزدیک کون سا دین بہتر ہے۔ اور ان مین سے کون سا دین حقیقت اور ہدایت سے قریب تر ہے۔

کعب نے کہا تمہارا دین اونکے دین سے بہتر ہے اور زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ یہی واقعہ آیہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ کے نزول کا باعث ہوا۔ جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ زرقانی ص ۱۲ ج ۲

یوں تو تمام یہودیوں میں بدر کی فتح نے عموماً آتش حسد بھڑکا دی تھی لیکن وہ انکے دلوں کے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی لیکن خاصکر کعب کے جلتے انگارے ایسے بھڑکے کہ آخر اُسے باہر کھینچ لائے۔ کسی طرح گھر میں چین نہ لینے دیا۔ اور مدینہ سے مکہ میں پہونچا دیا۔ اور کشتگان بدر کا نوحہ خوان بناکر صف ماتم میں بٹھلا دیا۔ شاعری میں کعب کی مضمون آفرینی تو مشہور تھی۔ اس نے کشتگان بدر کے خوب خوب مرثیے کہے اور اون میں مخالفت اسلام کے خوب اشتعال انگیز پہلو نکالے۔ ابن ہشام نے اس موقع پر اوسکی مختلف نظمیں لکھی ہیں لیکن ہم اون میں سے اسکی ایک نظم کے صرف دو چار اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کئے دیتے ہیں۔

طحنت رحی بدر لمهلک اهله	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستهل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پیٹنا چاہیئے۔
کم قد اصیب به من ابیض ماجد	کتنے سفید۔ شریف اور بارونق جہرے
ذی بهجة یاوی الیه الضیع	جنکے یہاں بہت سے اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے
لیزور یثرب بالجموع وانما	اپنی فوج کے ساتھ مدینہ چلے چلو
یحمی علی الحساب الکریم الاورع	اور عالیخاندان صاحب ورع کی شان سے

(اپنے مُردون کی) حمایت کرو تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص ۴۲

کعب کے یہ نوحے۔ ایسے پُر درد نکلے۔ اور تمام قریش کو اتنے دلپسند ہوئے کہ گھر گھر میں اسے بلا بلاکر یہ نظمیں پڑہوائی گئیں۔ ایسے ہی تمام قریش کے مجمعوں میں کعب جاتا رہا اور مُردگان بدر پر آپ بھی روتا رہا۔ اور تمام مجمع کو رولاتا رہا۔

تاریخ الخمیس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا مکہ میں نہیں گیا تھا بلکہ اپنے چالیس رفقا کا پورا دستہ ماتم بناکر ہمراہ لیگیا تھا۔ ابو سفیان کا مہمان ہوا۔ اور اوسکو ساتھ لے کر حرم میں آیا۔ اور سب نے حرم کا پردہ تھام کر قسم کھائی کہ کشتگان بدر کا مسلمانوں سے ضرور قصاص لینگے۔ شبلی صاحب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

کعب نے انھیں شرارتوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرادے۔

علامہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

کعب بن الاشرف الیهودی الذی اراد ان یمکر برسول الله صلعم	کعب بن الاشرف یہودی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دہوکے سے قتل کردینا چاہا تھا۔

اس روایت کی تائید اوس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے (ذکر کعب بن اشرف مین) عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت (صلعم) کو دعوت مین بلایا اور لوگون کو معین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپکو ہلاک کردین۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہے لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہوجاتا ہے۔ ص ۲۹۸

مکہ مین جو اوسنے اشتعال انگیزی کی اوسکی تفصیل حالت ہم اوپر لکھکر دکھلا چکے ہین کعب مکہ سے مدینہ مین آیا۔ تو پھر اسلام کی ہجو مین اشعار لکھنے کی مشق شروع کردی اور اپنی بار حدت طبع کا یہ نمونہ دکھلایا کہ مسلمان عورتون کی شان مین مختلف گیتین تیار کین اور اونمین جی بھر بھر کے اونکی پردہ دری اور عیب جوئی سے کام لیا۔ ابن ہشام لکھتے ہین۔

ثم رجع الی کعب المدینة فشبب بنساء المسلمین حتی اذاهم	کعب مدینہ مین آیا اور مسلمان عورتون کی گیتین تیار کین اور یہان تک کہ اونکو ایذا پہونچائی۔ ص ۴۳ جلد دوم

مکہ ہی سے اسکی زبان خواتین اسلامی کیطرف تیز ہوگئی تھی۔ چنانچہ شکست بدر کی نظمون مین اس نے ام الفضل حضرت عباس کی زوجہ محترمہ کی طرف خطاب کرکے یہ شعر کہا تھا۔

اراحل انت لم ترحل بمنقبة	اے سوت تو مدد کے میدان (منقبت) مین کیون بیٹھ رہی
وتارك انت ام الفضل بالحرم	اور تو نے ام الفضل کو حرم مین کیون (رنڈہ) چھوڑ دیا

زرقانی ص ۱۰ جلد دوم باسناد روض الانف سہیلی

حقیقت مین کعب کے جرایم اب اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ کوئی قانون۔ خواہ اخلاقی ہون یا قومی۔ تحمل و برداشت کی زیادہ اجازت نہین دیتا بلکہ سزائے فوری کا حکم لگاتا۔ اس لئے کہ اب اسکی ناپاک ہستی سے دوسرے پاک نفوس کے امن و امان مین سخت نقصان پہونچنے کا پورا یقین ہوچکا تھا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس شرارت۔ فتنہ انگیزی اور اشتعال طبعی کی حرکتون کو دیکھکر عاجز آگئے۔ اور خدائے سبحانہ تعالیٰ کی جناب مین یون دعا فرمانے لگے۔

اللّٰهُمَّ اكْفِنِي ابْنَ الْأَشْرَفِ بِمَا شِئْتَ فِي إِعْلَانِهِ الشَّرَّ	پروردگار اب تو ابن اشرف کے اظہار شر و فساد سے مجھے بچالے۔

یہ مسلم ہے کہ جب انسان کی تمام امکانی قوتین کسی امر مین عاجز رہجاتی ہین تب وہ اس امر کو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی ضرورت پیش آئی مجیب الدعوات نے اوسی وقت رسول اللہ صلعم کی اس دعا پر لبیک کہی۔ اور ابن اشرف کے متعلق ان الفاظ قرآن مین سزائے کافی کی طرف اشارت فرمائی۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ تحریر فرماتے ہین۔

قال رسول اللہ م باصحابہ وقد احرقی اللہ بذلک ثم قراء علی رؤس المسلمین - الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یومنون بالجبت والطاغوت ویقولون للذین کفروا ھولاء اھدی من الذین امنوا سبیلا ہ اولئک الذین لعنھم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا ہ

اس آیہ کے نزول کے بعد رسول اللہ صلعم نے فوراً صحابہ کیطرف مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ تمکو اس معاملہ (معاملہ کعب) کے متعلق خدا کا حکم مل گیا اور اوسی وقت آپ نے یہ آیت پوری تمام مسلمانوں کو پڑھکر سنادی کیا تم نہیں دیکھتے ہو ان لوگوں کو جنکو کتاب خدا کا کچھ حصہ ملا ہے کہ وہ جبت وطاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں کہ تم اون لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جو لوگ خدا اور اوسکی راہ میں ایمان لائے - یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت فرمائی اور جن پر خدا لعنت فرماتا ہے اونکے لئے کوئی معین ومددگار نہیں ہے

نزول حکم کے وقت - محمد بن مسلمہ - ایک خوش عقیدت صحابی حاضر خدمت تھے - عرض کرنے لگے - یا رسول اللہ صلعم کیا آپ چاہتے ہیں وہ صف ختم کردیا جائے - تو میں اس خدمت کی انجام دہی کو حاضر ہوں اور اس بلائے بے درمان کو سلام اور اہل اسلام کے سر سے ٹالدینے پر طیار ہوں - آپ نے فرمایا مجھے منظور ہے - لیکن اس امر میں عجلت نکرو - سعد بن معاذ سے مشورہ کرلو - چنانچہ سعد کی مشورہ کیا گیا سعد نے کہا اوسکے پاس غلہ وغیرہ قرض لینے کے حیلہ سے جاؤ - وہ قرض کا نام سنتے ہی اپنے قلعہ سے باہر آجائیگا - تم اپنا کام کرلینا -

---

محمد بن مسلمہ نے اپنے اس مشورے میں ابو نائلہ - عباد بن بشر - حارث بن اوس بن معاذ - اور ابو عبس بن جبیر چار جوانان انصار کو شریک کرلیا تھا اور اس مہم کی انجام دہی میں اونکو اپنا رفیق بنالیا تھا - مورخین و محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ پانچوں انصار تھے اور قبیلہ اوس کی یادگار - ان میں سے کوئی بھی کسی دوسری قوم و قبیلہ کا آدمی نہیں تھا -

محمد بن مسلمہ نے اس مہم کو کیوں اپنے ذمہ لیا تھا - اسوجہ سے کہ واقدی کی روایت کے مطابق محمد کعب کا رضاعی بھائی تھا - لیکن واقدی کے خلاف تمام مورخین واہل سیرت اور نیز علمائے محدثین نے ابو نائلہ کو کعب کا رضاعی بھائی قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابو نائلہ اسلام لانے سے پہلے کعب کا ندیم خاص تھا - اسلام کے بعد آپس میں جدائی ہوگئی -

محمد بن مسلمہ نے پہلے - دن کے وقت ابو نائلہ کو کعب کے پاس اوسکی دلجوئی کرنے اور استمزاج لینے کے غرض سے بھیجی - ابو نائلہ پہونچا - کعب نے بڑے خلوص سے اوسکی خاطر ومدارات کی - اور دیر تک آپس میں شعر خوانی ہوتی رہی پھر ابو نائلہ نے اپنے مدعائے بیان کو اس عنوان سے شروع کیا -

بھائی کیا کہوں اس شخص کا (رسول صلعم) آنا تو ہم لوگوں کیلئے بلائے جان ہوگیا - تمام عرب ہمارے دشمن ہوکر ہم سے جنگ وقتال پر آمادہ اور مستعد ہوگئے - اور ایک کمان سے ہم پر تیر چلانے لگے - ہماری تجارت اور کاروبار کی تمام راہیں مسدود کردیں اس شخص (رسول اللہ صلعم) کا یہ حال ہے کہ ہمارے پاس تو خود کھانے کو نہیں ہے - ہم اوسکو دین تو

کمان سے - یہ ہین کہ ہم سے ہمیشہ وصولی ہی کی فکر مین ہین یہ سنکر کعب بولا - ابھی کیا ہوا ہے - اس سے بڑہکر بلا و مصیبت مین پڑو گے - مگر بھائی یہ بتلاؤ کہ ان مشاہدات مخالف کے بعد بھی مدینہ والون کے خیال محمد (صلعم) کی طرف سے کیسے ہین؟ ابونائلہ نے کہا کہ ظن غالب یہ ہے کہ اونکی حمایت سے لوگ دست بردار ہو جائین اور اون سے دوری اختیار کرین گے لیکن بات یہ ہے کہ ابھی ابھی اون سے عہد و پیمان کر چکے ہین - اسوجہ سے عجلت کرنا نہین چاہتے یہ سنکر کعب بہت ہی مسرور ہوا - ابونائلہ نے کہا محمد صلعم کی نسبت تمہین میرے ذاتی خیالات تو معلوم ہو چکے اب تمکو یہ بھی سنائے دیتے ہین اور یقین ہے کہ تم اسے سنکر بہت خوش ہو گے کہ مین نے اپنے اس خیال مین اکثر لوگون کو شریک کر لیا ہے چنانچہ محمدؐ بن مسلمہ عباد بن بشر حارث ابن اوس بن معاذ - اور ابو عبس - یہ تمام لوگ میرے ہمخیال اور ہم رائے ہو چکے ہین اور ہمکو اور ہمارے ان تمام دوستون کو اپنی عسرت و ناداری کی موجودہ حالتون مین تمہاری استعانت و مددگاری کی ضرورت پیش آگئی ہے - اور ہم اسوقت اوسی ضرورت کی وجہ سے تمہارے پاس حاضر ہوئے ہین - کعب نے کہا تمکو کیا ضرورت ہے اگر قرض لینا چاہتے ہو تو اپنی بی بیون کو رہن رکہدو - ابونائلہ نے کہا ہمین بی بیون کے رہن مین صرف یہ تامل ہے کہ تم ماشاء اللہ جیسے صاحب حسن و جمال ہو وہ روشن ہے - ہماری بیبیان تمہارے حسن و جمال کے مقابلہ مین اپنی عصمت و وفا پر قایم نہ رہ سکین گی - کعب بولا - اچھا لڑکون کو گروی رکہدو - ابونائلہ بولا ہمین اس مین بھی شماتت دنیا کی وجہ سے تامل ہے دنیا کہیگی کہ چند بچون کے واسطے قرض لیے گئے - اونھین کو گرو رکہہ آئے - پھر قرض لیا بھی تو کس کے لئے - ہان ان دونون چیزون کی جگہہ اگر تم ہمارے اسلحات کو رہن کر کے قرضہ دینے کا وعدہ کرو تو ہم لوگ رات کو اپنے اسلحات لیکر تمہارے پاس آئین یہ بھی تمکو معلوم ہے کہ آجکل چارون طرف جنگ و قتال کی خبر گرما گرم مشہور ہونے سے انسانکو عموماً اسلحات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے یہ سنکر کعب نے کہا اچھا اپنے اپنے اسلحات لے کر تم لوگ رات کو آنا -

ابونائلہ یہ قول و قرار لے کر کعب سے رخصت ہوا - اپنے رفقا سے ملا - اور ساری سرگذشت سنادی - پھر یہ لوگ ملکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مین آئے - اور روئداد عرض کی - آپ نے ارشاد فرمایا -

انطلقوا بسم الله اللهم اعنهم | خدا کا نام لیکر جاؤ - خدا تمہاری اعانت فرمانے والے -

رات ہوئی تو یہ لوگ حصار کعب کی طرف روانہ ہوئے - حسن اتفاق سے مہینہ کی چودھوین تاریخ تھی اور رات بھر کی چاندنی - یہ لوگ چلے تو چارون طرف میدان مین چاندنی پھیلی ہوئی تھی - رات کیا تھی اچھا خاصہ دن تھا - یہ پانچون جوانان انصار کعب کے دروازے پر پہونچے - آواز دی - کعب اوسوقت عیش و عشرت کے عالم خاص مین غرق تھا اور دولہا بنا بیٹھا تھا حسین ترین عرب کی ایک دوشیزہ لڑکی سے اوسی دن نکاح کیا تھا - وہ حسینہ تو عطریات اور دیگر خوشبویات مین ڈوبی ہوئی پوری عروس نو بہار بنی تھی اوسی کے ساتھ یہ بھی کپڑون اور بالون مین عطریات و خوشبویات لگائے اوسکے پہلو مین طرۂ گلدستہ بنے بیٹھے تھے - آواز سنکر فوراً چلنے لگے - بی بی نے منع کیا اونہون نے کہا جانے دو - ہمارے بھائی اور احباب

ملاتے ہین وہ بولی۔ کہتی ہون۔ نجاؤ۔ مجھکو انکی آواز سے بوئے شرارت آتی ہے۔ کعب نے کہا۔ نہین۔ کوئی غیر ہین سب اپنے ہین۔ ان مین میرا رضاعی بھائی ابونائلہ بھی موجود ہے اور وہ اسقدر میرے آرام کا خواہان ہے کہ اگر سخت ضرورت کے وقت بھی مجھے سوتا ہوا پائے تو کبھی نہ جگائے۔ تو پھر ایسے لوگون سے اندیشہ کیسا؟ بی بی بولی۔ یہ سب صحیح ہے۔ مگر مین کہتی ہون تم نہ جاؤ۔ ضرور خطرہ ہے۔ کعب نے کہا۔ تم کیسا بے معنی اصرار کرتی ہو۔ تم نہین جانتی ہو ہم ان لوگون سے وعدہ کر چکے ہین۔ اور شرفا کے لئے ایفائے وعدہ فرض اولین ہے۔ یہ کہا اور بی بی سے دامن چھڑا کر قلعہ کے نیچے اوتر آیا۔

اس اثنا مین محمد بن مسلمہ نے اپنے ہمراہیون سے یہ ترکیب قتل کعب کی ٹھیرالی کہ مین اوسکے لمبے بال پکڑ لونگا اور اشارہ کرونگا تم تلوار لیکر ٹوٹ پڑنا۔

کعب نیچے آتے ہی ان لوگون سے ملا تکلف ملا۔ تھوڑی دیر تک باہمانہ مراسم تعظیم و تکریم ہوتے رہے اس اثنا مین ابونائلہ نے کہا۔ کعب کیا اچھی چاندنی ہے۔ کیا تم شب ماہ کی لطف انگیزیون کی سیر کرنا نہین چاہتے؟ آؤ ٹہلتے ہوئے بیر عجوز (ایک قریب کے کنوئین کا نام ہے) تک چلین چاندنی کا لطف اوٹھائین اور باہم گفتگو کا حظ حاصل کرین۔ کعب نے کہا۔ ہان ہان چلو۔ غرض سب ملکر خرامان خرامان چلے۔

اس اثنا مین محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کعب۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم سراپا عطر ہو رہے ہو۔ اور ایسی خوشبو تم سے اسوقت آرہی ہے کہ مین نے تو آجتک ایسی خوشبو نہین سونگھی تھی۔ لاؤ ذرا اپنے بال تو مجھے سونگھنے دو۔ کعب نے بڑہا دئے۔ محمد نے خود بھی سونگھے اور ہمراہیون کو بھی سنگھائے۔ پھر چھوڑ دیئے۔ اور پھر باتون کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر محمد نے بال سونگھنے کی خواہش کی کعب نے پھر کاکل بڑہا دیے۔ اب کی بار محمد نے اوسکے بالون کو مضبوطی سے اپنی کلائی پر لپیٹ لیا۔ اور رفقا کو اشارہ کیا۔ وہ تلوارین لے کر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اتفاق سے کوئی تلوار کام نہین کرتی تھی محمد نے دیکھا دیر ہورہی ہے فوراً اوگلی نکالی اور اوسکے پیٹ پر رکھکر پوری نیچے اوتار دی۔ کعب نے ایک ایسی چیخ ماری کہ آس پاس کے تمام یہودیون کے قلعون مین اوسکی آواز پہنچ گئی۔

اوسکی بی بی نے کھڑے ہو کر یا آل نضیر۔ یا بنی قریظہ کے نعرے مار کر حمایت طلب کی۔ اودہر انصار کعب کا سر کاٹ کر چلتے ہوئے۔ جلدی مین حارث کو اپنی تلوار سے خود خفیف سا زخم لگ گیا تھا۔

یہودیون نے انصار کا فوراً تعاقب کیا۔ مگر یہ لوگ راہ کاٹ کر دوسری راہ سے اپنے اپنے مقام پر پہونچ گئے اور فوراً خدمت رسول صلعم مین حاضر ہو کر کعب کا ناپاک سر پائے مطہر پر ڈالدیا۔ آپ نے تبسم فرماکر انصار کے چہرون کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا افلحت الوجوہ کیسے خوشحال اور بشاش چہرے ہین۔ عقیدتمندون نے فوراً عرض کی وجہک یا رسول اللہ۔ حضور کا چہرۂ مبارک بھی یا رسول اللہ صلعم اسکے بعد آپ نے فوراً سجدہ شکر ادا فرمایا اور حارث کے موضع زخم پر لعاب دہن لگا دیا وہ فوراً اچھا ہو گیا۔

صبح کو کعب کے قبیلے والے دربار رسالت مین مستغیث بنکر حاضر ہوئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ مستوجب القتل تھا دین خدا کی اہانت کرتا تھا مسلمان مرد و عورتون کی ہجو کرتا تھا اور مسلمانون کے قتل پر دوسری قومون کو برانگیختہ کرتا تھا۔ اوسکا قتل مسلمانون پر واجب تھا۔ اگر اوسکے بعد اب تم لوگ کسی مفسدے کا قصد کرو گے تو تم بھی سزا پاؤ گے۔ یہودی کو بنی قینقاع کا نتیجہ پیش نظر آگیا۔ اونکے ہوش و حواس اوڑ گئے اور اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح لکھنے پر آمادہ ہوگئے۔ آپ نے حضرت علیؑ سے یہ صلحنامہ لکھوا کر اونھیں کے پاس رکھوا دیا۔ زرقانی جلد دوم ص ۱۲ بحوالہ ابن سعد۔

شبلی صاحب کا محمودانہ اختصار

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو ضرورتاً اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ اور اختصار بھی ایسا جو بالکل واقعہ کی تلخیص ہے اور وہ بھی اس انداز سے تحریر فرمائی گئی ہے کہ گویا کعب کا قتل محمد بن مسلمہ وغیرہم کی ہی رائے و تجویز کا مقتضا تھا۔ خدا یا رسول کا منشا نہین تھا اسی وجہ سے آپ نے اس واقعہ کے متعلق اوس آیہ قرآنی کو نہین لکھا جس سے قتل کعب کا حکم مستنبط ہے اور جسکو ہم مفسرین و محدثین کے اسناد متفقہ سے اوپر لکھہ آئے ہین۔ اور نزول حکم کے وقت جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام مسلمانون کو اس سے آگاہ و مطلع فرما دینا بھی نقل کر چکے ہین اس شریر النفس یہودی کے جتنے جرائم تھے اونکو شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے اور اون سے زیادہ مین نے لکھکر بتلا دیا ہے پھر ان تصریحات کے بعد۔ آپ کا اس واقعہ کو اختصار و تلخیص کے ساتھ اس انداز سے لکھنا کہ رسولؐ اس کے حکم و عمل سے بال بال الگ دکھلائی دین۔ کس سبب سے ہے؟

سبب خاص تو وہی معلوم ہوتا ہے کہ معترضین اور خصوصاً عیسائی مؤلفین کے اعتراض کا قدیم خوف پھر عائد حال ہوگیا کہ وہ کہین گے کہ مسلمانون نے حکم رسولؐ سے کعب کو ظلم و جبر اور حیلہ و مکر سے قتل کر ڈالا۔ اسی خوف کے خاموش اثر سے جسکو آپ ظاہر کرنا نہین چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب مین تلمیحاً یہ عبارت لکھدی ہے جسکو ہم ذیل مین نقل کرتے ہین۔

ارباب روایت نے لکھا ہے کہ محمدؐ بن مسلمہ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہمکو کچھ کہنے کی اجازت دیجائے۔ ارباب سیر نے اسکے یہ معنی لگائے ہین کہ اونھون نے جھوٹ بات کہنے کی اجازت مانگی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اجازت دیدی۔ اَلْحَرْبُ خِدْعَةٌ یعنی لڑائی میں دہوکا دینا جائز ہے۔ لیکن بخاری کی روایت مین یہ لفظ ہے اَذِنْ لَنَا فَلْنَقُلْ یعنی ہمکو اجازت دی کہ ہم گفتگو کریں۔ اس سے غلط گوئی کہان نکلتی ہے سیرۃ النبی ص ۲۹۵ ج۔

نشانہ ہونگے ہین تیر جس کمان سے چلے۔ شبلی صاحب کے نزدیک تمام باتون کے بگاڑنے والے اہل سیرت ثابت ہوتے ہین۔ لیکن میری تحقیق مین علی الاکثر حضرات محدثین ہی ان غلط فہمیوں کے پھیلانے کے باعث قرار پاتے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ جتنی کثیر التعداد کتابین حدیثون مین لکھی گئی ہین اوتنی سیرت مین نہین۔ چنانچہ اس واقعہ مین شرح زرقانی صفحہ ۱۰ و ۱۲ پڑھکر دیکھہ لئے جاوین کہ اَلْحَرْبُ خِدْعَةٌ کے مسئلہ کے تسلیم کرنے والے کتنے محدثین کرام ثابت ہوتے ہین پھر

تنہا اہل سیرت کو ملزم بنانا کیسا؟ اور اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ کے مسلّمہ صحیحہ سے آپ کو انکار کیوں ہے؟

یہ مسلمہ متفقہ صرف حکم شریعت ہی کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ قانون فطرت کے بالکل موافق۔ ہر قوم و ملت کے آگے ثابت ہوچکا ہے اور ابتدائے عالم سے لے کر اس دم تک ہر قوم و ملک اور ملت و مذہب میں اسپر عملدرآمد جاری ہے اگر آپ اس مسلمہ سے انکار کریں گے تو پھر آپ کو واقعہ ہجرت میں فرش خواب پر حضرت علیؑ کو سلا دینے اور رسول اللہؐ کے یوں مخفی طور سے چلے جانے۔ اور اس موقعہ پر خدا کے اس عملی حکم فرمانے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ	اس وقت کافر لوگ تم سے مکر کرتے تھے کہ تم کو قید کرلیں قتل کر ڈالیں یا خارج البلد کردیں۔ اور وہ مکر کرتے تھے اور خدا ان کے مکر کا جواب دیتا تھا اور وہ بہتر جواب دینے والا ہے مکرین (مکر کرنیوالوں) کا۔

کے جواب معقول پیش کرنیکے لئے بھی تیار ہو جانا چاہیئے

یہ سب توہمات ہیں۔ جو شبہات و قیاسات سے بھی تخیلات انسانی کے دائرے میں فروتر ہیں ہم نے اس واقعہ کے ذکر و نقل میں پہلے ہی سے آپ کے اس اختصار و تلخیص کے سبب اصلی کو پالیا ہے اور اسی وجہ خاص سے قتل کعب کے واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بالکل خدا و رسولؐ کے مطابق ہونا۔ تمام اسناد صحیحہ و مشہورہ و قویہ سے ثابت کردیا ہے اور پوری توضیح و تصریح کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا ہے کہ کعب کی مخالفت اسلام۔ ایذائے رسول انام اشتعال قریش۔ ہتک ناموس مسلمانان۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ناقابل عفو جرائم تھے جنکی سزا سوائے قتل کے دوسری نہیں ہوسکتی تھی اور وہی منشائے قدرت بھی تھی۔ اور اوسی کے مطابق تعمیل بھی کیگئی۔

باقی رہی تعمیل کی صورت۔ جس پر شبلی صاحب کی نظر پڑی ہے۔ اور دوسروں کی نظر پڑنے کا بھی خوف ہوا ہے اوسکی حقیقت یہ ہے کہ کعب کے ساتھ لشکر تو تھا ہی نہیں۔ جسکے لئے بہمراہی لشکر مقابلہ کی ضرورت ہوتی اور سامان حرب و ضرب درست کرنے ہوتے۔ صرف اوس کی ایک ناپاک ہستی کو ختم کردینا تھا کہ مفسدوں کے دروازے بند ہو جائیں۔ اس بناپر اوس کو صرف قتل کردینا تھا اور جب اوسکا اصل قتل حکم خدا و رسولؐ سے متحتّم ہوچکا تھا تو اوس کی صورت ظاہری اور اوسکے اقسام و اطراف کی جزئیات سے بحث کرنا محض بیکار ہے۔

قتل ابورافع سلام بن ابی الحقیق یہودی	کعب کی طرح ابورافع۔ سلام بن ابی الحقیق۔ یہودی بھی سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ جرم و مجرم کی حقیقت و مقدار جب یکساں تھی تو اصول مساوات کی بنا پر صورت سزا بھی مساوی ہونی چاہئے۔ لہذا ابورافع نے بھی جسکا نام سلام بن ابی الحقیق یہودی تھا۔ اپنے مظالم کے آخر نتیجے ویسے ہی دیکھے جیسے کعب بن

اشرف نے۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

"قتل ابورافع کے تعین وقت کی نسبت۔ تنہا اہل تاریخ و سیرت ہی میں اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ محدثین میں بھی

زرقانی جلد دوم ص ۱۹۰ میں یہ تمام اقوال جمع کردیئے ہیں۔ اور انکی تحقیق سے جس زمانۂ خاص کو مختار قرار دیا ہے وہ حافظ ابن حجر صاحب کے مختار کے موافق جمادی الاولیٰ (قتل کعب سے دو مہینے بعد) ۳ھ ہجری ہوتا ہے۔ اور اوسی کو امام المورخین ابن جریر طبری اور رئیس المحدثین حافظ جمال الدین محدث شیرازی نے بھی اپنا قول مختار قرار دیا ہے۔ ہم اسکی تفصیل کو کتب صحاح اور طبری کے ماخذ متفقہ سے ترجمہ کرکے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

کعب کے واقعہ میں اوپر بیان ہوچکا ہے کہ اسکے قتل میں صرف قبیلہ کے اوس کے جوانان انصار شریک تھے اور کوئی دوسری قوم وقبیلے کے لوگ نہیں تھے۔ یہاں تک کہ انکے ہمسر وہمچشم قبیلہ خزرج کا ایک فرد واحد بھی شامل نہیں تھا۔ قبیلہ اوس کے اس مخصوص حسن خدمت کے مشاہدے سے قبیلہ خزرج کے انصار کو ایک گونہ مخلصانہ اور عقیدہ تمندانہ رشک پیدا ہوا اور وہ سمجھے کہ خدمت اسلام کے متعلق قبیلہ والے ہم سے سبقت لے گئے اس بناپر ابورافع کی مہم کو حاصل کرنے کی خصوصیت کے متمنی ہوئے۔

تاریخ وحدیث دونوں کے شواہد بتلارہے ہیں کہ کعب اور سلام یہ دونوں سرداران یہود اسلام کے زبردست اور طاقتور دشمن تھے صرف دشمن ہی نہیں۔ بلکہ اپنی فساد انگیزیوں سے دوسری قوم وقبیلے کے لوگوں کو دشمن بنانیوالے مخالفت اسلام اور ایذاے رسول انام علیہ السلام میں دونوں کے حرکات برابر تھے۔ کعب اگر تقریر سے دیگر اقوام وقبائل کو اسلام کا دشمن بناتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ایذا پہونچاتا تھا۔ تو ابورافع اپنی دولت کثیر سے مخالفت اسلام اور ایذاے رسول کے مقاصد ومظالم برپا کرتا تھا۔ کعب کا تو خاتمہ ہوگیا تھا۔ لیکن اسکی موجودگی سے ابھی ویسی ہی اندیشے لگے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں رئیسان خزرج نے اس حسن خدمات کی انجام دہی کے لئے عرض خدمت کی۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اجازت دیدی۔

اجازت لیکر پانچ دلیر اور پرہمت جوان۔ عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس۔ عبداللہ بن عتبہ ابوقتادہ اور ایک شخص جو خزرج کا حلیف تھا۔ اس مہم کی انجام دہی پر روانہ ہوئے۔ جس طرح محمد بن مسلمہ کعب کے واقعہ میں اپنے ہمراہیوں کا افسر تھا۔ اوسیطرح عبداللہ ابن عتیک اپنے ہمراہیوں کا موجودہ مہم میں حاکم مقرر ہوا۔ چنانچہ اہل تاریخ وسیر نے کعب کے واقعہ کو سریہ محمد بن مسلمہ کے نام سے اور ابورافع کے موجودہ واقعہ کو سریہ عبداللہ بن عتیک کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان دونوں واقعات میں ہر قرینہ سے پوری مماثلت ثابت ہوتی ہے لیکن موقع میں البتہ اختلاف پایا جاتا ہے کعب کا حصار مدینہ سے بالکل قریب تھا۔ اور ابورافع جو کنانہ بن ابی الحقیق (شوہر اول حضرت صفیہ) کا اپنا بھائی تھا۔ خیبر کے قریب جا بسا تھا۔ اور عین قریش کی راستہ پر اسکا حصار واقع تھا۔ اور وہیں اسکی تجارت کے مال جاتے بھی تھے۔ یہ دونوں بھائی۔ کنانہ اور ابورافع بڑے کثیر المال تجار تھے۔ اور چونکہ تمام علاقہ حجاز کی تجارت اسکے ہاتھ میں تھی۔ اسلئے دونوں تجار

حجاز کے لقب خاص سے مشہور تھے- اس بناپر جو لوگ کعب کے واقعہ مین شریک تھے اونکو مدینہ سے آگے جانیکی زحمت نہین ہوئی- بخلاف انکے ابورافع کی مہم والون کو بہت دور جانے کی تکلیف اوٹھانی ہوئی-

لیکن یہ پہمت- ہمت مردان مدد خدا- منزل مقصود تک پہونچ ہی گئے- عبداللہ بن عتیک خود بیان کرتے ہین کہ ہملوگ غروب آفتاب کے وقت حصار ابورافع کے نزدیک پہونچ گئے- ہم نے اپنے ہمراہیون کو قلعہ کے قریب ایک علیحدہ گوشہ مین بٹھلا دیا اور اون سے کہا کہ مین قلعہ مین جانیکی فکر مین جاتا ہون- تم یہین بیٹھے رہنا ضرورت کے وقت ہم تمہین آواز دین تو تم چلے آنا- یہ کہکر مین دروازہ قلعہ کے پاس آیا تو دیکھا دربان قلعہ کا دروازہ بند کرنے کو بالکل تیار ہے مین دروازے کے قریب قضاے حاجت کے حیلہ سے بیٹھگیا- اوس نے مجھے دیکھکر کہا اے بندۂ خدا اگر تجھے قلعہ مین آنیکی ضرورت ہو تو جلد آ ورنہ مین دروازے بند کردونگا- تو پھر رات بھر آنا ممکن نہ ہوگا- یہ سنکر مین دروازے کے اندر چلا آیا- اور ایک گوشہ مین چھپ رہا- دربان نے کواڑ بند کر دیے اور مکانات قلعہ کی کنجیان دیوار مین لٹکا دیں- مین اپنے مقام پر بیٹھا ہوا دیکھتا رہا جب وہ لیٹ کر غافل سو گیا- تو مین چپکے سے اوٹھا اور کنجیون کا گچھا لیکر چلتا ہوا- قلعہ کے دروازے کے نیچے آیا کان لگائے تو مجھے ابورافع کی آواز قلعہ کے بالائی حصہ پر معلوم ہوئی- اور ایسا معلوم ہوا جیسا کہ امراے عرب کا دستور قدیم تھا کہ رات کو کھانے کے بعد ایک داستان گو سے داستانین سنا کرتے تھے اور سنتے سنتے سو جاتے تھے- ابورافع بھی اوس وقت اسی شغل مین تھا- وہ اپنے بستر خواب پر جاچکا تھا- اور ایک داستان گو اسے قصہ سُنا کر گویا اسے سُلا رہا تھا- مین وہین منتظر کھڑا انتظار رہا- یہانتک کہ داستان گو کی آواز موقوف ہوگئی- اور مجھے یقین ہوگیا کہ ابورافع سو گیا- اور داستان ختم ہوگئی مین نے مزید احتیاط کے خیال سے قصدًا تھوڑا اور عرصہ لگایا- اور جب مجھے پورا یقین ہوگیا کہ اب قلعہ مین کوئی متنفس جاگتا نہین ہے- تو مین نے کنجیون سے دروازے کھولنے شروع کر دیے- اور اسیطرح ایک کمرے کے بعد دوسرا کمرہ کھولتا ہوا اوس خاص کمرہ مین پہونچا جہان ابورافع سو رہا تھا مین دروازے پر کھڑا رہا- روشندانون سے چاندنی کمرے مین تمام پھیلی ہوئی تھی- مین نے دیکھا کہ وہ تنہا نہین سو رہا ہے- اوسکے تمام بال بچے اردگرد سو رہے ہیں- مین نے اس ننگ و عار کے خیال سے کہ سوتے مین مارنیکی وجہہ سے عرب مین میری بڑی بدنامی ہوگی- اس لیے مین نے بڑی دلیری سے ابورافع کو آواز دی- اور کہا ابورافع سنو!- ابورافع فورًا جاگ پڑا لیکن اوس کے سب بال بچے پڑے سوتے رہے- اون مین سے ایک بھی بیدار نہ ہوا-

ابورافع جیون میرے پاس آیا- مین نے اوسکو تلوار سے مار گرایا- لیکن چونکہ قبل ہی سے مین خود خوف زدہ ہو رہا تھا اس لئے ضرب کاری نہ پڑی- اور مین وہان سے لوٹ پڑا- اس اثنا مین مجھے خود محسوس ہوا کہ اوسکو پوری ضرب نہین لگی- زخم اچھا ہے- یہ تو مین نے کچھ نہ کیا- نہ اوسی کا کام تمام ہوا اور نہ میرا- یہ سوچکر مین پھر لوٹا- تو مین نے اوسکو وہین زمین پر پڑا پایا- لیکن اوسکی بی بی جگ اوٹھی تھی- اور نہ وہ اوس سے بیدار ہا تھا- وہ کہتی تھی کہ مین نے مارنے والے کی آواز سنکر پہچان لی ہے

عبداللہ بن عتیک کی آواز تھی ابورافع کہہ رہا تھا۔ اور بیوی تو ہوت عبداللہ بن عتیک اتنی دور سے رات کے وقت حصوصًا ایسی حالت میں جب قلعہ کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں یہاں کیسے چلا آسکتا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اوس کی بی بی اوس کے پاس آنا ہی چاہتی تھی کہ میں پہونچ گیا۔ اور پہونچنے کے ساتھ ہی اوسکے پیٹ پر چھری رکھکر پیچھے تک اوتار دی اور اوس کو خون میں لوٹتا ہوا چھوڑ کر فورًا لوٹا۔ اور بڑی تیزی سے بالائی حصہ سے اوترکر نیچے کے حصہ میں آیا۔ جلدی میں اوپر سے نیچے اوترنے میں پاؤں چھوٹا پڑا اور میں گر پڑا پاؤں کی پھلی میں سخت چوٹ آگئی۔ نیچے آکر میں نے جلدی سے اپنا عمامہ اوتار کر ساق پا کو باندھا۔ اور اپنی ایک ہی ٹانگ سے افتان وخیزان دروازۂ قلعہ پر پہونچا۔ جب کے سے کواڑ کھولے اور اپنے رفقا سے ملگیا۔ اور پھر ہم سب مل کر مدینہ کی طرف غیر متعارف راستہ سے روانہ ہوگئے۔

مدینہ پہونچکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا روئداد عرض کر دی۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے موضع ضرب پر مس کر دیا اور میرا درد لنگ جاتا رہا۔

محدث شیرازی اس تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر فرما کر آخر میں یہ عبارت لکھتے ہیں۔

این روایت در قتل ابورافع در صحیح بخاری مسطور است و در اکثر کتب سیر قتل وے بطریق دیگر مروی گشتہ و انچہ در صحاح است اولی تر است ما یراد روضۃ الاحباب ص ۲۵۱

ابورافع کے قتل کی یہی روایت صحیح بخاری میں لکھی ہے اکثر کتب سیرت میں دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہے لیکن جو طریقہ کہ صحاح میں ہے اوس کا استنباط کرنا مناسب تر ہے۔

قتل ابورافع کا قریب قریب ایسے ہی واقعہ تاریخ طبری اور تاریخ ابن ہشام میں بھی لکھا ہے طبری ص ۱۳۷۵ ابن ہشام ص ۱۹۰ ج ۲۔

غزوہ احد

(۷ شوال پنجشنبہ۔ سنہ ۳ ہجری)

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

نہ افسردہ خاطر ہو۔ نہ ملول ہو۔ تم اوچے ہو کر رہوگے۔ اگر تم لوگ ایمان والے ہو۔ (آل عمران)

شکست بدر سے۔ غم و الم اور مصیبت و ماتم۔ کفار قریش میں۔ جس شدت کے ساتھ برپا تھا اوسکے تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ یہ قریش کے تمام قبائل اور اونکے ساتھ بیرونجات کی قوموں کے وہ تمام لوگ جنکے اعزہ واقارب واقعہ

بدر میں شریک ہوکر مقتول ہوئے تھے تنہا گریہ کناں اور نوحہ خوان ہی نہیں تھے بلکہ شغل گریہ وزاری کے ساتھ وہ ہمہ دم مسلمانوں سے عوض وقصاص کے لینے کی تدبیروں میں اپنا آپ لہو پی رہے تھے۔ دنیا جانتی ہے۔ عرب کا ایسا ملک جہاں صرف ایک تن واحد کے قتل کردینے کیلئے حریف سے جنگ برپا ہوکر نسلاً بعد نسلاً اور بطناً بعد بطنٍ سلسلہ محاربت قایم رکھا جاوے وہاں یکبار ستر آدمی کے قتل کئے جانے میں عوض وقصاص مقتولین کی طرف سے خاموشی اختیار کرلیجائے کیسے ممکن ہے۔ پھر مقتولین بھی کیسے جو ممتاز ترین قوم تھے۔ اور معزز ترین قبائل۔

قریش میں نوحہ خوانی کے ساتھ قصاص کی سلسلہ جنبانی بھی جاری تھی۔ غزوۃ السویق کے ذکر میں ابوسفیان قریشیوں کی جدید میر سامان کی یہودیوں کے ساتھ مخالفت اسلام کی تدبیروں میں ریشہ دوانی اوپر بیان ہوچکی ہے اس بنا پر یقین کرلینا چاہیئے کہ قریش ایک دم کے لئے بھی اپنے اس خیال وتدبیر سے غافل نہیں تھے لیکن ابوسفیان جو اسوقت تمام کفار عرب اور مشرکین قریش کا سردار تھا۔ جن سامانوں سے آیندہ معاملہ اسلام (اُحد) میں آیا ہے اونھیں سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ اس کروفر اس سازوسامان اور اس خدم وحشم کی ترتیب وتزئین میں کتنا وقت اور کتنا سرمایہ صرف ہوا ہوگا۔

غزوۃ السویق سے لوٹ آنے کے بعد۔ ماتم نشینان قریش میں سے چند منتخب نموداران قریش بسرکردگی عکرمہ بن ابی جہل۔ ابوسفیان کے پاس آئے اور قصاص بدر کے معاملہ میں عجلت کے ساتھ عمل پیرا ہونیکے لئے ایک طول وطویل زبانی درخواست کرنیکے بعد۔ کہنے لگے کہ ہماری سب کی متفقاً یہ رائے قرارپائی ہے کہ قوم کے منافع کی رقم خاص جو آپ کی تحویل میں موجود ہے وہ کل کی کل اس فرض کی اداکاری میں صرف کردیجائے۔ اسکے علاوہ وہ سرمایہ بھی جو تمام قوم وقبائل سے اس ضرورت خاص کے لئے طلب کیا جائے گا۔ اسی مہم میں اوٹھایا جائیگا۔ اور اوسکی فراہمی کیلئے ہم لوگ خاص طور پر ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ابوسفیان نے اونکی اس درخواست کو قبول کرلیا لیکن ابوسفیان اور اوسکے تمام ہمخیال اور ہمزبان جانتے تھے۔ صرف جانتا ہی نہیں بلکہ کامل طور سے اندازہ کرچکے تھے کہ اب اہل اسلام اپنی قوت اور جمعیت کے لحاظ سے وہ نادار ناپرسان بے یار و مددگار قوم نہیں رہی تھے۔ بلکہ ایسے تھے اور اتنے ہوچکے تھے کہ اونکی مخالفت اور مقابلت کے لئے اب ایسے اور اتنے سامانوں کی ضرورت تھی جو بدر کے سامان گذشتہ سے کہیں زیادہ ہو۔

ابوسفیان نے کیا۔ تمام قریش نے اس ضرورت کو ابتدا ہی سے مدنظر رکھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے بیرونی امداد کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقتولین بدر کے اعزہ اور مشرکین مکہ کے عمائد ورؤسا کا ایک حلقہ ماتم مرتب کرکے جن میں عرب کے دو فصیح اللسان اور سحرالبیان شاعر۔ عمر بن جمحی۔ اور مسافع بھی شامل تھے گرد ونواح کے ایک ایک قوم وقبیلہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور قصاص بدر کے ضروری اور واجب التعمیل مسئلہ کی نسبت اونکو برانگیختہ کیا۔ اور امداد طلب کی اعزائے مقتولین کی نوحہ خوانی یا اوائے عزیمت کی حاضری یا موجودگی نے لوگوں کے قلوب پر اتنا اثر نہیں کیا۔ جتنا ان دونوں شاعروں کی جادو زبانی نے تمام قوم وقبائل

میں مخالفت اسلام کی آگ بھڑکا دی۔ ان دونوں شاعروں میں عمرو بن جمحی وہی احسان فراموش شخص تھا جو جنگ بدر میں گرفتار ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جسکے دانت تڑوا دینے چاہے تھے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاص اخلاق واشفاق کے تقاضے سے رہا فرما دیا تھا۔ اس احسان کی یہ منت گذاری تھی اور اس عنایت ورعایت کی یہ معاوضت بکو۔ بہرحال یہی موجودہ تحریک وتدبیر میں پوری کامیابی ہوئی اور لوگوں نے بڑے ایثار نفس کے ساتھ جان ومال سے اس مہم میں امداد کی۔

ابوسفیان کا بارۂ جنگ — ابوسفیان نے ابوجہل سے کہیں زیادہ تجمیع وترتیب فوج میں بڑی کشادہ دلی سے کام لیا پچاس ہزار مثقال سونا جو منافع تجارت کا اسکی تحویل میں تھا۔ انھیں ساما نوں میں صرف کر دیا ابوسفیان کی اسی تیاری باطل کا اشارہ قرآن مجید کے اس آیہ میں کیا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ	وہ لوگ جو کافر ہیں اپنے مال کو دین حق کے روکنے میں خرچ کرتے ہیں۔ انھیں لوگوں پر عاقبت ہیں۔ حسرت آنے والی ہے اور یہی لوگ مغلوب ہونے والے ہیں۔ زرقانی جلد دوم ص ۲۴

اتنی بڑی رقم کثیر کے صرف سے تین ہزار آہن پوش جوانوں کا لشکر۔ اسلام کا نام مٹانے اور مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے طیار ہو گیا۔ راحلہ کا اتنا وافر انتظام کیا گیا کہ لشکر کی بار برداری کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد پانچسو اونٹ اور دو سو گھوڑے کوتل رکھے گئے اسلئے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

کا رعورتوں کا میلہ — ابوسفیان کے انتظاموں میں سوائے افراط وبہتات کی اور کوئی نوعیت ایسی نہیں تھی جو بیان کے قابل ہو لیکن ہاں ایک نوعیت جو اسکی حدت طبع کا خاص نمونہ تھی وہ البتہ قابل ذکر ہے اور اسی لئے تمام مورخین ومحدثین نے اسکو خصوصیات کے ساتھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ لشکر کی تمام تزئین وآرائش کے سامانوں کے ساتھ ابوسفیان نے ممتازین قریش کی بہت سی عورتیں بھی ہمراہ لے لی تھیں اسلئے کہ وہ اپنے جمال جہان آرا اور نغمہائے دلاویز ودلربا سے جوانان قریش کو پرجوش وتازہ دم سا یا کریں۔

بہرحال جو ضرورت ہو اس سے بحث نہیں لیکن جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ لشکر میں اس صنف نازک کا شمول۔ ابوسفیان کی کامیابیوں کے حصول کا ذریعہ ضرور ظاہر ہوا خصوصاً ہندہ۔ زوجۂ ابوسفیان کی مخفی کارروائیوں نے اسلام کو بظاہر بڑا نقصان پہونچایا تفصیل یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان کے باپ عتبہ بن ربیعہ کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں قتل کیا تھا۔ اور جبیر بن مطعم کے چچا کو بھی آپ ہی نے قتل فرمایا تھا اس بنا پر حضرت حمزہؓ کا قتل ہندہ کو ہمیشہ مدنظر تھا۔ روانگی سے پہلے ہندہ نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کو۔ جو کہ کا مشہور جنگجو تھا اور جس سے انکو ربط خاص تھا حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا چنانچہ وحشی نے اپنا وعدہ پورا کیا جیسا کہ عنقریب سلسلہ بیان سے ظاہر ہوگا۔ شبلی صاحب نے ان عورتوں کے یہ نام تبلائے ہیں۔

(۱) ہند۔ عتبہ کی بیٹی امیر معویہ کی ماں
(۲) ام حکیم۔ عکرمہ دختر زاد ابوجہل) کی بیوی
(۳) فاطمہ۔ حضرت خالد (ابن ولید) کی بہن
(۴) برزہ مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی
(۵) ریطہ۔ عمر عاص کی زوجہ
(۶) خناس۔ حضرت مصعب ابن عمیر کی ماں

سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۷۱

مدینہ میں قریش کی خبر

جب لشکر قریش کی طیاری ہوچکی اور وہ مکہ سے مدینہ چلنے لگے۔ تو حضرت عباس بن عبدالمطلب سے جو قبول اسلام کے بعد مدینہ سے مکہ واپس چلے آئے تھے۔ ایک قاصد سیر رفتار کے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس عظیم فوج کشی کی خبر پہونچادی اور قاصد کو تاکید کردی کہ تین دن کے اندر آنحضرت صلعم کے پاس مدینہ میں پہونچ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پانچویں شوال کو آنحضرت صلعم کو یہ خبر ملی۔ آپ نے شکر ارشاد فرمایا۔

حسبنا اللہ نعم الوکیل اللھم بک احول و بک اصول۔ ہمارے لئے خدا کافی ہے۔ پروردگار تجھی سے مجھ میں قوت ہے اور تجھی سے ابتدا ہے

اسکے بعد آپ نے دو مخبروں کو جو قبیلہ انصار سے تھے۔ جنکے نام امیں و موس تھے مکہ کی راہ تفحص احوال کی غرض سے بھیجدیا۔ دونوں مخبروں نے فوج غنیم کے مشاہدے کے بعد خدمت رسول میں عرض کی کہ مشرکین کا لشکر مقام عریض میں مقیم ہے اور قبائل انصار کو بالکل تباہ و برباد کرچکا ہے۔ آپ نے حباب بن منذر کو دوبارہ تصدیق حالات کیلئے بھیجا۔ اور انھوں نے فوج غنیم کے تمام حربی اور کلی حالات سے پورے طور پر مطلع کیا۔ چونکہ قریش سے مدینہ پر فوری تاخت کا قوی اندیشہ تھا اس بنا پر آنحضرت نے شہر کے چاروں طرف پہرے بٹھلادئے اور حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ۔ یہ دونوں سرداران انصار دن رات ہتھیار باندھے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے پہرہ دیتے تھے

مقابلہ کی تجویز اور صحابہ سے مشورت

شہر کی حفاظت کا کامل انتظام فرماکر آنحضرت صلعم نے مقابلہ و مقاتلہ کی طرف توجہ فرمائی آپکی تجویز یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہکر غنیم کی مدافعت کیجائے۔ اس امر خاص میں صحابہ کا استمزاج لیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول۔ جو بظاہر اسوقت تک اسلام کا شریک و رفیق تھا اور اس موقع پر بھی حاضر تھا۔ کہنے لگا میں تو آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے قریش سے مقابلہ کریں۔ کیونکہ سالہا سال کے تجربہ سے مجھے یہ امر ثابت ہوچکا ہے کہ جب ہم لوگوں نے مدینہ میں رہکر دشمنوں سے مقابلہ کیا ہے ضرور فتحیاب و فیروزمند ہوئے ہیں اور اگر باہر جاکر ان سے مقابلہ کیا ہے ضرور ناکامیاب ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔

وہ انصار جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے ایک بار بول اٹھے کہ ہم کو اس رائے سے اختلاف ہے ہم کو بدر کے تجربے نے بتلادیا ہے کہ ہم مدینہ سے باہر جاکر غنیم پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس بنا پر ہم کو قریش سے اس معرکہ میں بھی باہر ہی نکل کر مقابل ہونا چاہئے۔ اتفاق سے اکابرین صحابہ جن میں حضرت حمزہ۔ سعد بن عبادہ نعمان بن مالک وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے گئے ہیں۔ اس تجویز و صلاح کے موید نکلے اور عرض کرنے لگے کہ مدینہ میں بیٹھکر مقابلہ کرنے سے کفار کی ہمت و جرات بڑھ جائے گی۔ اور وہ سمجھنے لگیں گے کہ مسلمان ہماری کثرت اور سامان سے خائف

ہوکر باہر نکلنے کی جرأت نہ کرسکے اور گھر میں بیٹھے بیٹھے ہمارے مقابلہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس اس وجہ سے یہ تجویز اسلام کی عزت اور شجاعان اسلام کی جرأت رہمت کے مخالف ہے۔

ان لوگوں نے اپنی موجودہ رائے دمختار پر اسقدر اصرار کیا کہ آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں کی رائے دتجویز کو اختیار کیا اور پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔ اور سلاح جنگ سے آراستہ ہوکر باہر تشریف لائے اس اثنا میں پھر انصار میں مسئلہ زیر بحث پر گفتگو ہوئی سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر نے انصار سے مخاطب کرکے کہا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ کی تجویز سے مخالفت کی ہے۔ یہ اچھا نہیں کیا ہے گو کہ علمہ رائے ہماری ہی طرف ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اس غلبہ کے خلاف تھی ہم کو اس کا خیال کرنا چاہتا تھا۔ سب نے کہا اگر تمہاری رائے میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں۔

اس اثنا میں جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصمت سرائے رسالت سے باہر تشریف لائے۔ سر پر دستار بندھی تھی جسم مبارک پر زرہ آراستہ تھی۔ ادھم پی کا کمر بند تھا۔ اس میں ترکش اگا تھا۔ پشت مبارک پر سپر۔ دوش اقدس پر کمان گلوئے اطہر میں شمشیر حمائل اور دست مطہر میں نیزہ خار اشکن تھا۔ اس مجاہد فی سبیل اللہ کی حقیقی شان و شوکت کو دیکھکر اخلاص منداں اسلام کی جوش عقیدت میں ایک غیر متحمل تحریک پیدا ہوگئی۔ اور سب کے سب موجودہ سطوت وجلالت رسالت کو دیکھکر فوراً کھڑے ہوگئے اور سب نے دست بستہ عرض کی کہ ہم نے حضور کو باہر نکلکر مقابلہ کرنیکی بیکار زحمت دی ہے ہم اپنے ان معروضات کو واپس لیتے ہیں۔ جو تجویز ہوچکا ہے اسی پر عمل فرمایا جائے۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبروں کی خصوصیات میں داخل ہے کہ سلاح جنگ باندھ کر پھر قبل از نتیجہ جنگ کر نہیں کھولتے۔ واللہ یفعل مایشاء وھو علی کل شیٔ قدیر۔

جمعہ کا دن تھا اور نماز کا وقت ہوچکا تھا۔ اسلئے جمعہ کی نماز پڑھاکر آپ نے ایک طولانی خطبہ میں جہاد فی سبیل اللہ پر تقریر فرمائی اور موجودہ مقابلہ کفر و اسلام کے متعلق آپ نے کھلے کھلے اور صاف صاف الفاظ میں تمام اہل اسلام کو بتلادیا۔
ان لھم النصر ما صبروا وامرھم بالتھیوء لعدوھم اس شرط پر تمہاری فتح ضرور ہے کہ تم صبر و تحمل سے کام لو اور بلا شرکت غیرے دشمن سے مقابلہ کرو۔ (زرقانی ص ۲۵)

لشکر اسلامی اور اسکا جائزہ

جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر موکب رسالت سپردن تھے جمعہ رن ہوا۔ لشکر ہمراہی کا جائزہ لیا گیا۔ عبد اللہ بن ابی سلول کے تین سو ہمراہیوں کو لیکر مجموعاً ایک ہزار جان نثار رکاب میں حاضر پائے گئے جنمیں کل سو جوان زرہ پوش تھے۔ بدر کی طرح اس موقع پر بھی غیر مکلف مہاجر و انصار کے کمسن لڑکے فرط اخلاص وعقیدت سے مجاہد اسلام بننے کے شوق میں لشکر کے ہمراہ ہوگئے تھے۔ مورخین و محدثین عبد اللہ بن عمر۔ زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ زید بن ارقم۔ براء بن عازب۔ اسید بن ظہیر۔ عرابہ بن اوس۔ ابو سعید خدری۔ سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج کے نام لکھتے ہیں۔
جائزہ کے وقت ان تمام پر جوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو غیر مکلف ہونے کی بنا پر سابق کی طرح مدینہ لوٹ جانیکا

حکم صادر ہوا۔ ان میں آخر صاحب رافع بن خدیج نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔ جائزہ کے وقت اپنی بلند قامتی کے اظہار کی ضرورت سے یہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے پر کھڑے ہوگئے۔ اسلئے انتخاب میں آگئے۔ اور اسید بن حضیر نے ان کی سفارش کی اور عرض کی کہ تیر اندازی میں یہ مشاق ہوچکا ہے ان تمام پرجوش اور خوش عقیدہ لڑکوں کو تو نہیں لیکن سمرہ بن جندب کو بڑا رشک ہوا۔ اس نے خدمت رسولؐ میں عرض کی کہ رافع اگر منتخب ہوا تو اس سے قوت و طاقت میں بھی کہیں زیادہ ہوں۔ میں بھی منتخب کرلیا جاؤں۔ اور مثال کے طور پر میرے اور رافع کا مقابلہ کرالیا جاوے جب میں انہیں گرادوں تب میرا انتخاب کیا جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم زیر لب فرماکر سمرہ کی درخواست قبول فرمائی دونوں میں کشتی ہوئی۔ اور سمرہ نے حسب الوعدہ رافع کو زمین پر گرادیا۔ آنحضرت صلعم نے رافع کے ساتھ ان کو بھی منتخب کرلیا۔

ترتیب فوج اور حفاظت لشکر جائزہ کے بعد لشکر کی ترتیب کی گئی۔ بدر کی طرح تین علم فوج آراستہ ہوئے۔ قبیلہ اوس کا علم اسید بن حضیر کو عنایت کیا گیا۔ خزرج کا۔ خباب بن منذر کو اور بعض روایت کے مطابق سعد بن عبادہ کو مہاجرین کے فوج کا علم خاص حضرت علی مرتضیٰؑ کو اور بروایتے مصعب ابن عمیر کو عنایت ہوا۔ اور عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ کا نگران کار ساکر شہر میں بھیجدیا گیا اور لشکر اسلام احد کی طرف روانہ ہوگیا۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ ننگی تلواریں کھینچے مرکب رسالت کے آگے آگے جاتے تھے۔ اس دن قبیلہ بنی النجار تک پہونچکر شام ہوگئی۔ اور لشکر اسلام وہیں مقیم ہوگیا۔ لشکر میں نہایت بدتمیزانہ شور و شغب کی آواز آئی۔ جو ناگوار طبع ہوئی۔ استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن ابی سلول کے ہمراہی شور و ہنگامہ کررہے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ لا تستنصروا باھل الشرک علی اھل الشرک شرک کو مدد دیو بچانی چاہئے اور نہ ان سے مدد لینی چاہئے۔ محمد بن مسلمہ کو پچاس جان نثاروں کے ساتھ رات کے وقت لشکر کی پہرہ داری کا حکم ہوا۔ یہاں سے لشکر قریش بالکل قریب تھا اور اتنا کہ ایک دوسرے کی جماعت کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل کو فوج کی پہرہ داری پر تعینات کیا۔

خیمہ خاص کی حفاظت کے لئے آپ نے فرمایا۔ میری حفاظت کون کرتا ہے۔ ایک طرف سے آواز آئی "میں" ارشاد ہوا تم کون ہو۔ جواب آیا۔ ذکوان۔ آپ نے فرمایا بیٹھے رہو۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میری حفاظت کون کرتا ہے۔ پھر آواز آئی۔ میں۔ استفسار ہوا کون۔ جواب ملا۔ ابن عبد قیس۔ ارشاد ہوا اچھا تم بھی حاضر رہو۔ تیسری مرتبہ پھر وہی سوال کیا گیا۔ جواب ملا میں۔ پوچھا گیا کون ہے جواب آیا۔ ابو رافع۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے حکم دیا میرے تینوں محافظ کھڑے ہوجائیں۔ اب کھڑے ہونے والوں میں تنہا ذکوان کھڑا ہوگیا۔ آپ نے تعجب میں آکر ذکوان سے پوچھا کہ وہ تمہارے دونوں ہمراہی کہاں گئے۔ اس نے عرض کی کہ تینوں بار میں ہی نے حکم پر لبیک کہی تھی۔ پہلے بار میں نے اپنا نام بتلایا دوسرے بار اپنی ابنیت اور تیسرے بار اپنی کنیت۔ میرا پورا نام۔ ذکوان۔ ابو رافع ابن عبد قیس ہے آپ اس کی عقیدتمندانہ اور مخلصانہ ذہانت اور مطابقت سے بیحد مسرور ہوئے اور فرمایا۔ حفظک اللہ تعالے۔ اچھا اب اٹھو اور

ایسا کام کرو۔ خدا تمہیں محفوظ رکھے۔ حکم پاتے ہی ذکوان اٹھا۔ زرہ پہنی۔ سپر دوش سے لگائی اور رات بھر خیمہ رسول اللہ صلعم اور لشکر اسلام کی پہرہ داری کی۔ زرقانی ص ۲۰۔ روضۃ الاحباب ص ۲۵۶ لکھنؤ۔

چھٹی شوال کو نماز صبح جماعت سے پڑھکر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ ابوحثیمہ حارثی دلیل لشکر تھے۔ اور لشکر کو نشیب و فراز راہ سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر میں لشکر اسلام فوج غنیم کے مقابل میں پہونچگیا۔ کوہ احد مدینہ منورہ سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے امام قسطلانی کی تحقیق میں عبداللہ بن ابی سلول اسی منزل سے اپنے ہمراہیوں کو لیکر واپس گیا۔ اسی کے ساتھ عبداللہ بن عمر بن حرام بھی چلتا ہوا۔ ہرچند اس کے ہمقوم و قبیلہ لوگوں نے سمجھایا کہ عین وقت پر دغا دینی شرافت کے خلاف ہے۔ لیکن اس منافق نے ایک نہ سُنی۔

عبداللہ بن ابی سلول کی لشکر اسلام سے علیحدگی

عبداللہ بن ابی سلول نے کہا کہ محمد صلعم نے میری صلاح سے کام نہ لیا اور نوجوانوں اور محض ناتجربہ کاروں کی مشورت پر عمل پیرا ہوئے۔ اسلئے ہم کو ان کی شرکت و رفاقت منظور نہیں۔ یہ کہا اور چلتا ہوا۔ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی دغا کی جب اطلاع ہوئی تو آپ نے کچھ بھی تعرض نہ فرمایا۔ ولا یلتفت الیہ (زرقانی ص ۳۱) اس کی حرکات پر کوئی التفات نہ فرمائی۔

فوج سے حالات امید عین وقت پر تین سو جمعیت کے یکبارگی نکل جانے سے فوج اسلامی میں ایک ہراس پیدا ہوگیا بعض خالص الایمانوں نے اسی وقت ان دغابازوں کو تہ تیغ کردینا چاہا۔ اور بعضوں نے کچھ تعرض کرنا نہ چاہا۔ زرقانی صحیح بخاری کی اسناد سے اس واقعہ کو اس صورت میں لکھتے ہیں۔

عن عبد الله بن زيد لما خرج رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الى غزوة احد رجع ناس ممن خرج معه وكان اصحابه صلعم فرقتين فرقة تقول نقاتلهم وفرقة تقول لا نقاتلهم فنزل فما لكم في المنافقين فئتين والله اركسهم بما كسبوا وقال انها طيبة تنفي الذنوب كما تنفي النار خبث الحديد وهذا هو الاصح في سبب نزولها۔

عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ جب جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احد کیلئے چلے تو کچھ لوگ (عبداللہ بن ابی وغیرہم) جو آپ کے ساتھ نکلے تھے واپس گئے۔ اسوجہ سے طبقہ صحابہ میں دو قسم کے لوگ ہوگئے ایک کہتے تھے کہ ان واپس جانیوالوں کو قتل کردینا چاہئے۔ دوسرے کہتے تھے ان کو جانے دینا چاہئے۔ اور تعرض نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ آیہ وافی ہدایہ نازل فرمایا گیا۔ کہ منافقین کے بارے میں دو فرقے ہوسکنے کی کوئی ضرورت نہیں اسلئے کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے عمل کی سزا میں بھی ان کو ان کی اصل حالت (کفر) کی طرف لوٹا دینا ہے۔ آنحضرت صلعم نے یہ آیت سناکر مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ اب تم اس طرح سے پاک و صاف کردئے گئے جس طرح آگ لوہے کو جلا کر میل سے پاک و صاف کردیتی ہے۔ زرقانی لکھتے ہیں کہ اس آیہ کے اسباب نزول میں سب سے زیادہ صحیح یہی واقعہ ہے۔

ترتیب لشکر اسلامی

اس قضیہ نامرضیہ کے تصفیہ سے فارغ ہوکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فوراً ترتیب

لشکر کی طرف توجہ فرمائی تقسیم علم کے بعد آپ نے لشکر کی ترتیب و تقسیم فرمائی۔ میمنۂ لشکر پر عکاشہ بن محصن الاسدی مخزومی کو مقرر فرمایا۔ مقدمۂ لشکر پر ابو عبیدہ بن الجراح اور سعد بن ابی وقاص کی عناتی ہوئی۔ ساقۂ لشکر پر مقداد بن عمر مقرر ہوئے ان تمام انتظاموں سے زیادہ ضروری کوہ احد کے اس درہ کی محافظت کا انتظام تھا جسے عینین کہتے تھے۔ یہ مقام غنیم کی خاص کمین گاہ تھا۔ اور خالد بن ولید اپنے جرار دستۂ فوج کے ساتھ پہلے سے یہیں آکر چھپا بیٹھا تھا۔ اس کی محافظت کا یہ انتظام کیا گیا کہ عبداللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ہمراہ اسکے دروازے پر مقرر فرما دیا گیا اور یہ تاکید شدید کر دی گئی کہ نتیجہ جنگ جو کچھ ہو خواہ جانبین میں کسی کو بھی فتح و شکست ہو۔ تم از آغاز تا بانجام جنگ اپنے مقام سے نہ ہٹنا نہ محاربت کے وقت ہماری امداد کرنا اور نہ شکست کے وقت پہونچکر ہمارے سروں سے غنیم کے حملات کی مدافعت کرنا۔ ہماری فتح ہو جانے کی حالت میں بھی مسلمانوں کو غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھکر بھی تم ترکت کی طمع نہ کرنا بلکہ اپنے مقام پر مستقل رہنا تمہارے حقوق ہمارے ساتھ ہیں۔ ترتیب و تنظیم لشکر کے بعد جناب رسولخدا صلعم قریش کی طرف سے پیش دستی کا انتظار فرمانے لگے۔

کفار قریش معرکہ بدر میں اپنی فوج کی بدترتیبی کے نتیجے اٹھا چکے تھے۔ اور اس مرتبہ وہ پہلے ہی سے ہوشیار تھے ابوسفیان نے اس لئے میدان میں نکل کر سب سے پہلے جو کام کیا وہ اپنے تین ہزار فوج کی ترتیب تھی۔ خالد بن ولید کو میمنہ کا سردار اور عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ کا افسر مقرر کیا۔ سواروں کے رسالہ کی کمان صفوان بن امیہ اور عمرو عاص کو ملی۔ اور سو تیر اندازوں کے دستہ کا افسر عبداللہ بن ربیعہ کو مقرر کیا۔ خالد موقع پاکر انھیں تیر اندازوں کو ہمراہ لیکر اور ابن ربیعہ کو اپنی جگہ فوج میں چھوڑ کر اس درّہ کوہ میں پہلے سے آچھپا تھا۔ طلحہ بن ابی طلحہ کو جو قریش کے قدیم خاندان بنی عبدالدار سے علمدار لشکر بنایا۔

جانبین سے مقابلہ کا آغاز ہوا کہ پہلے لشکر قریش سے ابو عامر پچاس تیر اندازوں کے تیار دستہ کے ساتھ نکلا اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کا مینہ برسانے لگا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی دلیری سے جواب دیا اور اس تیر دستی سے ان پر تیر اور پتھر برسائے کہ ابو عامر کو آخر کار میدان سے بھاگنا ہی پڑا۔ ان کی گریز پائی دیکھکر مشرکین کی عورتوں کے جھنڈ نے دف بجا بجا کر ان کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اور مبارزۂ آل قریش کے دلوں میں اپنی دلکش آواز سے مذکورہ ذیل گیت گا کر بیحد پرجوشی پیدا کر دی۔

نحن بنات طارق نمشی علی النمارق ان تقبلوا نعانق وبد برطا نفارق فراق غیر وامق

ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں قالینوں پر چلنے والیاں لڑائی میں بڑھوگے تو گلے لگائینگے پیٹھ دکھاؤگے تو رد ہو جائینگے ایسا کہ کبھی ہمارا ملاپ نہ ہوگا

ابو عامر کی گریز کے بعد بھی لشکر اسلام نے اپنی تیر اندازی موقوف نہیں کی۔ اب ان لوگوں نے اپنی کمانیں سواران قریش کی طرف سیدھی کرلیں اور ان پر اتنے تیر برسائے کہ ان میں سے قبیلہ ہوازن کے سواروں نے عاجز آکر راہ

گر بڑ پڑی اور سواروں کے دستہ سے علیحدہ ہو کر میدان میں منتشر ہوگئے۔

مبارزان اسلام کی شجاعت اور علمداران قریش کا خاتمہ

یہ حالت دیکھ کر طلحہ ابن ابی طلحہ علمدار کفار کو بڑی غیرت آئی۔ اور جوش غیرت میں صف لشکر سے علیحدہ ہو کر لشکر اسلام سے مبارزطلبی کرنے لگا مورخین ومحدثین نے اوس کی مبارزطلبی کے الفاظ طعن آمیز لکھے ہیں۔

یا معشر اصحاب محمد انکم تزعمون ان اللہ یعجلنا بسیوفکم الی النار ویعجلکم بسیوفنا الی الجنۃ فهل منکم احد یعجله بسیفی الی الجنۃ ویعجلنی بسیفه الی النار

اے اصحاب محمد صلعم تمہارا یقین ہے کہ تم ہمیں قتل کرو گے تو خدا ہمیں دوزخ میں پہونچائے گا اور اگر ہم تمہیں مار لیوینگے تو خدا تمہیں جنت میں لیجاوے گا۔ تو پھر تم میں سے کوئی جلد نکل آتا کہ ہم اس کو مار کر جلد جنت میں پہونچا دیں یا وہ ہمیں مار کر دوزخ میں جلد پہونچاوے

یہ سنکر جناب علی مرتضیٰ نے فوراً جواب دیا۔

فقام علی ابن ابی طالب رض فقال والذی نفسی بیده لا افارقک حتی اعجلک بسیفی الی النار ویعجلنی بسیفک الی الجنۃ

* حضرت علیؓ نے (اس کے مقابلہ میں آکر) فوراً جواب دیا کہ اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں تیرے مقابل ہونے پر آمادہ ہوں۔ اور پھر اس وقت سے تیرے سامنے سے ہرگز جدا نہ ہوں گا حتی تک تجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں نہ پہنچا لوں۔ یا تو مجھے اپنی تلوار سے جنت میں نہ پہنچا دے۔ طبری ص ۱۳۹۶-ابن ہشام ص ۱۸

جانبین کے لشکر ان دونوں مبارزان بر آرا کی سیر جنگ کی غرض سے خوش ہوگئے۔ اور دونوں کے کمالات حرب وضرب دیکھنے لگے۔ حضرت علیؓ نے طلحہ کے سر پر پہونچتے ہی اپنی شمشیر ابدار کی ایسی ضرب شدید لگائی کہ مغز سر تک اتر آئی اور ایک اور قول کے مطابق آپ کی یہ ضرب اس کے پاؤں پر لگی۔ لیکن ایسی کاری تھی کہ کمر سے اس کا پاؤں جدا ہوگیا۔ اور وہ فوراً زمین پر گر کر لوٹنے لگا حضرت علی مرتضیٰؓ اس کے سر کاٹ لینے کی غرض سے اس کے پاس پہونچے۔ دیکھا کہ وہ بالکل قریب مرگ ہے۔ اس نے خود آنکھیں کھول کر آپ کو دیکھا اور آپ کے قصد و ارادہ کو بخوبی سمجھ گیا۔ بڑی منت وسماجت سے جانبخشی کی درخواست کی۔ آپ فوراً وہاں سے واپس آئے مبارزان اسلام ان کیفیتوں کو دیکھ رہے تھے۔ پوچھنے لگے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ گئے تھے تو سر کیوں نہ کاٹا ارشاد فرمایا کہ میں جب اس کے قریب پہنچا تو اس کو ایسی حالتوں میں پایا کہ وہ یقیناً زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے خود چھوڑ دئے جانے کی درخواست کی۔ اول تو یہ باعث تھا۔ پھر یہ سبب ہوا کہ میں اس کے قریب پہونچا تو اس کو بالکل برہنہ پایا میری غیرت وحمیت نے کسی طرح تقاضہ نہیں کیا کہ میں اس کی ایسی بیدست وپائی کی حالت اور اس بے خودی کے عالم میں اس کا سر کاٹ کر اپنی شجاعت ودلیری کو شقاوت کے ساتھ بدنام کروں۔ زرقانی صفحہ ۳۰-ابن ہشام صفحہ ۱ جلد دوم۔

طبری لکھتے ہیں کہ طلحہ۔ اول علمدار قریش کے قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کی آواز بلند فرمائی
فکسو رسول اللہ صلعم صدائے مبارک کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نعرہائے تکبیر سے احد کا میدان گونج اٹھا۔
طلحہ کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ علم لیکر آیا۔ اس کو بھی حضرت علی مرتضیٰ نے اور بقولے سعد بن ابی وقاص نے قتل
کیا اس کے بعد مسافع ابن طلحہ علمدار بنکر آیا۔ اس کو عاصم نے دور ہی سے تیر لگا کر مار گرایا۔ پھر حرث ابن طلحہ آیا عاصم
نے اس خطاکار کو بھی ایک ہی تیر میں ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد جلاس بن طلحہ نکلا۔ اس کو طلحہ بن عبید اللہ نے قتل کیا
اب علم لیکر ارطاۃ بن شرحبیل آیا حضرت علی اس سے مقابل ہوئے اور قتل فرمایا۔ بعضے کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص
نے قتل کیا۔ ارطاۃ کے بعد شریح بن قارظ کو علمداری ملی۔ یہ بھی آئے تو مارے گئے مورخین ان کے قاتل کا نام
نہیں لکھتے۔

اب قریش کے خاندان علمدار میں کوئی نہ بچا۔ ایک ایک کرکے سب مارے گئے۔ تو بالآخر اس خاندان کے ایک
غلام حبشی صواب نے اس منصب کا اعزاز پایا لیکن منصب کی عزت کے ساتھ اس منصب کی نحوست بھی ساتھ
لایا میدان میں آتے ہی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

صواب کی وفاداری اور جگرداری ضرور ذکر کے قابل ہے۔ اس پر تلوار کی ایسی ضرب شدید پڑی تھی کہ اس کے
دونوں ہاتھ بکلیا رکٹ کر گر پڑے تھے۔ ہاتھوں کے ساتھ علم بھی زمین پر گر پڑا لیکن صواب کو قومی علم کے گرنے کی اتنی
غیرت آئی کہ علم کے گرتے ہی یہ بھی علم کے اوپر گر پڑا۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ جانے پاوے۔ جو اسکے
لئے ابدی بدنامی کا داغ لگادے اور اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض خدمت ادا کر دیا۔ دیر تک اسکی
مردے کے نیچے قریش کا قومی علم دبا پڑا رہا۔

خاندان علمدار کی ایک دلیر خاتون جسکا نام علقمہ تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ رہی تھی جوش غیرت سے بیتاب
ہوکر نکل پڑی۔ اور علم کو صواب کی لاش کے نیچے سے کھینچکر فوراً بلند کیا۔ علم قوم کو بلند دیکھکر قریش جو ادھر ادھر منتشر
ہوگئے تھے پھر اکٹھا ہوگئے۔

علمداران لشکر کا مارا جانا دیکھکر جیسا کہ طبری کا بیان ہے۔ ابوسفیان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اُسنے بنی
عبد الدار کے قبیلے والوں کو جمع کرکے ایک طولانی تقریر کی اور ان کو تازہ دم کرنا چاہا۔ اس کی زوجہ ہند بنت
عتبہ نے دف بجا بجا کر یہ گیت گائے۔

ویھا بنی عبد الدار ویھا حماۃ الادبار ضربا بکل بتار

ہاں اے بنی عبد الدار ہاں اے گذشتہ نسلوں کے حامی و مددگار شدید اور قطع کردینے والی ضربوں سے کام لو

علمداران قریش کا خاتمہ کرکے مبارزان اسلام کی ہمتیں بڑھ گئیں وہ افواج غنیم پر ٹوٹ پڑے اور شدت سے

بازار گرم دو دار گرم ہوا اسکی اجمالی کیفیت طبری یوں لکھتے ہیں

وقاتل ابو دجانہ حتی امعن فی الناس وحمزۃ بن عبد المطلب وعلی ابن ابی طالب فی رجال المسلمین فانزل اللہ عزوجل نصرہ وصدقہم وعدہ فحسوھم بالسیوف حتی کشفوھم وکانت الھزیمۃ لا شک فیھا۔ طبری ص ۱۴

ابو دجانہ فوج میں دھنس پڑے اور ایسے ہی حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت علی بن ابی طالب مع اپنے ہمراہی مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی فتح کی شکل نمودار کردی ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں ہی کفار کی نمایاں شکست تھی۔

شبلی صاحب میدان جنگ کی موجودہ کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔لیکن اس کے (بد نما ترکیب اردو) صاحبزادے حضرت حنظلہ اسلام لاچکے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باپ کے مقابلہ میں لڑنیکی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حنظلہ نے کفار کے سپہ سالار ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کردے۔ دفعتاً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر وار کو روکا اور ان کو (حنظلہ کو) قتل کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علمداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے بہادر نازنیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کردی یہ دیکھکر تیر انداز جو پس پشت مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۲۷۷)

تیر اندازان اسلام کی لاعلاج غلطی

جنگ دو سردارد۔ غالباً اس مسئلہ کی ابتدا جنگ احد ہی کے مشاہدات سے ہوئی ہے افسوس ہے کہ معرکہ بدر میں اسی حصول غنیمت کی عجلت کے متعلق خدائے سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو چشم نمائی کی ہدایتیں آچکی تھیں اور وہ اپنے کانوں سے مخبر صادق علیہ السلام کی زبانی ایکبار نہیں کئی بار لفظ بلفظ اور حرف بحرف ان کو سن بھی چکے تھے۔ علاوہ بریں اس موقع پر بھی سرور عالم صلعم نے محض یاد دہانی کی غرض سے فرما دیا تھا کہ اگر تم صبر و تحمل سے کام لوگے تو خداوند عالم تمہیں ضرور فتح و فیروزی عطا فرمائے گا لیکن افسوس مسلمانوں نے کچھ بھی یاد نہ رکھا۔

ہزارہا برس کی بگڑی ہوئی عادت سال دو سال کے عرصہ میں کیسے بدل جاتی۔ پھر ایسی طبیعت والے مسلمان بدر کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بری طرح حصول غنیمت کے پیچھے پڑ گئے۔ نہ خدا کی تاکید کا خیال کیا۔ نہ رسول کی تہدید کا خوف۔

شبلی صاحب کی تحریر سے نقل ہو چکا کہ مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھکر عبداللہ بن جبیر کا ماتحتی تیر اندازوں کا دستہ فوج جو خاص الخاص درہ کوہ احد کی محافظت پر متعین تھا اور جنکو آغاز جنگ کے وقت ہی تاکید پر تاکید کردی گئی تھی کہ خواہ ہماری فتح ہو یا شکست ۔ ہم لوٹتے ہوں یا لٹتے ہوں تم اپنے مقام سے نہ ہٹنا۔ نہ ہٹنا جبتک کہ میدان جنگ غنیم کی جمعیت سے بالکل خالی نہ ہو لے۔ دنیا بڑی بُری شے ہے اور لالچ بڑی بُری بلا۔ انھوں نے اپنے بھائیوں کو لوٹ میں مصروف اور غنیم کی فوج کو گریزاں اور ان کی مغنیہ عورتوں کو دف اور دیگر آلات سرود وغنا وغیرہ پھینک کر ۔ اور چادروں کو لپیٹتے قمیصوں کو گھٹنوں تک اتنا اٹھائے کہ پیروں کی خلخالیں نمایاں تھیں پہاڑوں پر بدحواسی میں بھاگتے دیکھا (طبری ۱۴۱۱ ابن ہشام ۳۲۔ روضۃ الاحباب ۲۶) تو اب ان سے بھی تحمل نہ ہو سکا دل میں سوچنے کر ہم غنیمت سے کیوں محروم رہیں۔ نہ معلوم پیچھے کچھ ملے یا نہ ملے یہ سوچکر درّہ کوہ کو چھوڑا اور غنیمت پر جھک پڑے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے امیر دستہ عبداللہ ابن جبیر نے بہت روکا۔ لیکن وہ نہ رکے نتیجہ جو ہوا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسوقت تک جو کچھ کامیابی حضرت حمزہؓ۔ حضرت علی اور حضرت ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہم کی جانبازیوں کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ وہ ایکبار ضائع ہو گئی۔ ان سر فروشان اسلام کو اپنی حاصل کردہ کامیابیوں کے ضائع جانیکا اتنا ملال نہیں ہوا۔ لیکن اس کا نتیجہ آخر جو رسول اللہ صلعم کی جسمانی تکلیف و جراحت کی صورت میں نمایاں ہوا وہ ان کے دلوں کیلیے ایسا زخم کاری تھا جس کا اندمال ناممکن تھا جیسا کہ بہت جلد سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تو ان کے حرص دنیا میں مبتلا ہو جانے کے نتیجوں کا خلاصہ تھا مفصل اور مسلسل کیفیت شبلی صاحب نعمانی کی زبانی یہ ہے۔

تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھکر خالد (یہاں شبلی صاحب نے خالد بن ولید کو حضرت کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ کیوں؟) نے عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر چند جاں نثاروں کے ساتھ جمکر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ (مسلمان) لوٹ میں مصروف تھے دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ سیرۃ النبی صفحہ ۲۷۶

حضرت حمزہ کی شہادت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ قتل علمداراں کے بعد ہی۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ غنیم کی صفوں میں دھنس گئے تھے۔ اور تلواروں سے اُن کی گھنی صفوں کی صفائی کر رہے تھے۔ حضرت حمزہؓ اپنی شجاعت و دلیری کی پرجوشی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ اور شبلی صاحب کے بیان کے مطابق فوج کفار میں دونوں طرف دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے۔ اور جسطرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں اسی حالت میں سباغ غبشانی سامنے آگیا۔ پکارے کہ او ختانۃ النساء کے بچے کہاں جاتا ہے۔ یہ کہکر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا۔ وحشی یہ جو ایک غلام حبشی تھا اور جبیر بن مطعم۔ اس کے آقا نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو

قتل کردے گا تو آزاد کردیا جائے گا۔ یہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا
نیزہ جسکو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتیار ہے پھینک کر مارا۔ جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت
حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کرگئی۔ سیرۃ النبی صفحہ ۴۰۲ ماسا دصحیح بخاری باب قتل حمزہؓ

ہندہ جگر خوارہ کے مظالم

شبلی صاحب نے وحشی کی اشتعال اور آمادگی میں صرف اس کے مالک جبیر ابن مطعم کا ذکر کیا ہے اور ہندہ
بنت ربیعہ مادر حضرت امیر معاویہ کے ذکر کو جو اس معاملہ میں شریک غالب تھیں۔ اور جنکا ذکر ہم اوپر لکھ
آئے ہیں۔ بالکل مرفوع القلم فرما دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل خاص وحشی کی زبانی میرے پیش نظر ہے اور محدث
شیرازی نے اس کو بالتمام نقل فرمایا ہے ہم ہندہ کی شرکت اور اس کی تحریص و ترغیب کے حالات کو اس سے
خلاصہ کرکے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

وحشی کا بیان ہے کہ علاوہ اس کے کہ مکہ میں ہندہ اور میرے درمیان قتل حمزہؓ کی نسبت وعدہ وعید ہو چکے تھے
ملت، احد کی طرف آتے وقت راستہ بھر جہاں جہاں مجھے ہندہ سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا وہ مجھکو اس امر کا خیال
دلاتی جاتی تھی اور تاکید کرتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ روز احد جب میں حمزہؓ کا کام تمام کرچکا تو ان کی لاش سے کچھ دور ہٹکر
کھڑا ہو گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بالکل ٹھنڈے ہو جائیں تو میں یہاں سے ہٹوں۔ اتنے میں کچھ مسلمان ان کی لاش
کے پاس آگئے اور انھوں نے ان کی کنیت سے ابو عمارہ کہکر پکارا۔ لیکن وہ ختم ہو چکے تھے کچھ نہ بولے۔ میں دور
سے دیکھ رہا تھا میں پکارنے پر بھی ان کے نہ بولنے سے سمجھ گیا کہ اب یہ بالکل ٹھنڈے ہو گئے۔ اس اثنا میں لوگ
ان کی لاش کے پاس سے چلے گئے۔ تو میں پھر پہونچا۔ اور میں نے اپنا حربہ ان کی ناف چیر کر نکالا۔ اور اس سے
ان کے سینہ کو چاک کیا۔ جگر کو نکالا۔ اور وہ جگر خونچکاں لئے ہوئے سیدھا ہندہ کے پاس چلا آیا۔ اور کہنے لگا۔ لے یہ
تیرے باپ کے قاتل کا جگر خون آلود ہے۔ ہندہ کی خوشیوں کی حد نہ تھی۔ اس نے بڑے شوق سے اس جگر کو لیا
اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا گئی۔ لیکن کفاروں کی کالی مائی سے یہ خون ناحق ہضم نہ ہو سکا فوراً استفراغ
ہوا اور وہ جگر کے ٹکڑے منہ سے باہر نکل آئے۔ اس شریر النفس نے ان کو اٹھا کر دھویا اور ہار بنا کر گلے میں پہن لیا

وحشی کا بیان ہے کہ ان وحشیانہ حرکت کے بعد ہندہ نے بڑی کشادہ دلی سے اپنا وعدہ پورا کیا اور
اس خدمت کے صلہ میں ایک جوڑا کپڑا اور اپنے زیور مجھے دئے اور مزید وعدہ کیا کہ مکہ پہونچکر دس ہزار دینار سرخ
تجھے اور دونگی لیکن اب میری غایت تمنا یہ ہے کہ تو مجھے حمزہ کی لاش پر لیچل تو جو کچھ آرزو دل میں باقی ہے وہ
بھی نکال لوں۔ الغرض میں اسکو حضرت حمزہؓ کی لاش پر لے آیا۔ اس بے رحم نے آپ کے مردے کی ناک کاٹی اور
پھر دونوں کان کاٹ لئے اور نہایت احتیاط سے ان کو اپنے ہمراہ میں لئے گئی۔ روضۃ الاحباب صفحہ ۲۰۰

شبلی صاحب نے ہندہ کی ان خونخواریوں کا خود بھی ذکر کیا ہے لیکن اصل موقع سے ہٹکر۔ اتنی امارت معاویہ کی

رعایت ہے لیکن ہم آپ کی اتنی ہی حقیقت نگاری کو طریق سہت گذاری کے ساتھ ذیل میں درج کرتے ہیں

خاندان قریش نے انتقام خون کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ انکی ناک کان کاٹے ہندہ امیر معاویہ کی ماں ہنے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی۔ اور انکا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔ لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اوگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جگر خوارہ جو لکھا جاتا ہے۔ اسی سا لکھا جاتا ہے۔ ہند فتح مکہ میں ایمان لائی لیکن جسطرح وہ ایمان لائی عبرت خیز ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۸

مسلمانوں کمکر دہ خویش آمدہ پیش کے مسلمہ لے معرکہ جنگ میں جو مشاہدات کے مناظر پیش کئے اسکی ابتدائی کیفیت کسیقدر اوپر بیان ہو چکی ہے۔ اسکی باقی تفصیلی کیفیت شبلی صاحب کی زبانی یہ ہے۔

روح اسلام کی گریہ بیابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجروح ہونا

مدحواسی میں دونوں فوجیں (فوج مشرکین مسلمین) اسطرح مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ مصعب بن عمیرہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صورت میں مشابہ تھے اور علمدار لشکر تھے۔ ابن قمیہ نے انکو شہید کر دیا اور غل مچگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام مدحواسی چھا گئی بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے مدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہ کے والد یمان اس کشمکش میں آگئے اور ادہر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ یہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون سنتا ہے غرض وہ شہید ہو گئے۔ اور حضرت حذیفہ نے ایثار کے لہجہ میں کہا مسلمانوں! خدا تمہیں بخش دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مڑکر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو میں ہیں۔ جن میں حضرت علی حضرت ابوبکرؓ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ زبیر ابن العوام اور ابو دجانہ اور طلحہ کا نام بالتخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رہ گئے تھے۔ سیرۃ النبی ص ۲۷۷

شبلی صاحب خواہ مخواہ واقعات کے سلسلہ ترتیب کو اولٹ پلٹ کر دیتے ہیں اور اپنے قدیم دستور کے مطابق مبہم اور بالکل غیر مفصل طور پر کچھ کہیں کچھ کہیں لکھ مارتے ہیں۔ یہاں تک آپ کا لکھنا قریب صحت ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالت اضطراب تک مرقومہ بالا حضرات رسول اللہ صلعم کے ساتھ موجود ہوں۔ لیکن جیسا کہ آپ تو صفحہ ۲۷۰ میں اسکی بعد ہی لکھتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا۔ آپ کے بتلائے ہوئے گھر کر رہ جانے والے جانبازوں میں وہی حضرت علی مرتضی اور حضرت ابو دجانہ انصاری رضوان اللہ علیہم تھے۔ جو ابتدائے جنگ سے اسوقت تک شرط وفاداری اور عہد جان نثاری پر قائم رہکر جہاد فی سبیل اللہ کے حقوق خدمات ادا کر رہے تھے۔ باقی رہے آپ کے گیارہ میں اور حضرات تو وہ لوگ۔ جب ابن قمیہ اور عتبہ بن ابی وقاص کے حملات خاص رسول اللہ کے پیکر انوار پر ہوئے۔ ایک ایک کر کے سب کے سب رخصت ہوگئے

اور یہ لوگ بھی اوس ہنگامہ میں ادھر اودھر نکل گئے ابن ہشام لکھتے ہیں۔

وانکشف المسلمون واصاب فیھم العدو وکان
یوم بلاء وتمحیص اکرم اللّٰہ فیہ من اکرم من
المسلمین بالشھادۃ حتی خلص العدو الی رسول
اللّٰہ صلعم ودث بالحجارۃ حتی وقع لشقہ
فاصیبت رباعیتہ وشج فی وجھہ وکلمت
شفتہ وکان الذی اصابہ عتبۃ بن ابی وقاص
قال ابن اسحٰق حدثنی حمید الطویل عن
انس بن مالک قال کسرت رباعیۃ النبی صلعم
یوم احد وشج فی وجھہ فجعل الدم یسیل علی
وجھہ وجعل یمسح الدم وھو یقول کیف یفلح
قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی
ربھم فانزل اللّٰہ عزوجل فی ذٰلک لیس لک من
الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم
ظٰلمون وذکر ربیح بن عبد الرحمٰن عن ابی سعید
الخدری عن ابیہ عن ابی سعید الخدری ان عتبۃ
بن ابی وقاص رمی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم
یومئذ فکسر رباعیتہ الیمنی السفلی وجرح شفتہ
السفلی وان عبد اللّٰہ بن شہاب الزھری شجہ
فی جبھتہ وان ابن قمیئہ جرح وجنتہ فدخلت
حلقتان من حلق المغفر فی وجنتہ ووقع رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فی حفرۃ من الحفر
التی عمل ابو عامر لیقع فیھا المسلمون وھم لا
یعلمون واخذ علی ابن ابی طالب بید رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ورفعہ طلحہ بن عبید

ابن اسحاق حمید طویل سے اور وہ انس بن مالک کی زبانی نقل کرتے
ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے دنداں مبارک روز احد
شہید ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ اقدس بھی مجروح کیا گیا تھا اور زخم کی
خون بہہ کر روئے منور پر جاری تھا آپ اوسے پونچھتے جاتے تھے اور
فرماتے جاتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پائیگی جو اپنے نبی کے چہرہ کو خون
سے رنگیں کرتی ہے ارسکا جرم یہی کہ انھیں خدا کیطرف بلاتا ہی خداوند عالم
نے فوراً یہ آیہ نازل فرمایا کہ یا رسولؐ تم کو ان امور (مقدرات) میں کوئی
دخل نہیں ہے تم انکی توبہ قبول کرسکتے ہو اور نہ ان پر عذاب نازل کرنیکی
قدرت رکھتے ہو اور یہ لوگ تو تحقیق ظالم ثابت ہو چکے ہیں۔ ابن ہشام
بیان کرتے ہیں کہ ربیح عبد الرحمٰن ابن ابی سعید الخدری سے اور وہ اپنے
باپ ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ عتبہ ابن ابی وقاص نے
آنحضرت صلعم کو روز احد مجروح کیا۔ آپ کے سیدھی طرف والی نیچے کی
دو ڈاڑھیں ٹوٹ گئیں اور نیچے کے ہونٹ پر بھی زخم آیا۔ اور عبد اللہ بن شہاب
الزہری نے چہرہ اقدس کو زخمی کیا اور ابن قمیئہ نے آپ کے آگے
مغفر پر ضرب شمشیر لگائی کہ مغفر آہنی کے دو حلقے آپ کے روئے
مبارک میں پیوست ہو گئے۔ اور جناب رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اس صدمہ سے اوس ایک غار میں گر پڑے۔
جسکو ابو عامر نے مسلمانوں کو لاعلمی میں گرا دینے کے لئے پہلے
سے کھود رکھے تھے۔ غار میں گرتے ہی جناب رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ نے
اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے ہاتھ پکڑ کر
اوپر کی طرف کھینچ لیا۔ یہاں تک کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سطح زمین پر سیدھے کھڑے
ہو گئے۔

اللہ حتی استوی قائما | ابن ہشام جلد دوم ص ۸۴ مطبوعہ مصر

ابن ہشام کی یہ روایت لکھکر ہمکو اوسوقت کا صرف ہولناک منظر دکھلانا مقصود تھا۔ جبکو آپ نے واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہی لکھدیا ہے اور یہ سیاق تحریر سے بالکل خلاف ہے۔

بہرحال۔ یہی وہ قیامت خیز منظر جس کی ہلچل اور اضطراب میں بقول شبلی صاحب اکثروں نے ہمت ہار دی مفرورین احد صحیح بخاری کی تصریح آپ خود لکھ چکے ہیں کہ صرف دو شخص طلحہ اور سعد رسول اللہ کے ہمراہ رہگئے۔ طلحہ کی موجودگی تو کسطرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کہ انس بن نضر والی روایت جو حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے۔ اور جو آگے لکھی جاتی ہے صاف صاف طلحہ کا نام ولدیت کے ساتھ مفرورین کی جماعت میں مشاہدہ عینی کے طریق سے بتلارہی ہے۔ جس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہے سعد بن ابی وقاص۔ انکی شرکت اور حاضری بھی مخالف عقل وقیاس پائی جاتی ہے بلکہ انکی موجودگی و حاضری کی وجہ سے انکی جان نثاری و رفاقت کی جگہ انکی سہل انگاری اور غفلت کے ثبوت معلوم ہونگے اور وہ اسطرح کہ جب انکی حاضری تسلیم کرلیجائیگی تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انکی موجودگی میں۔ انکی آنکھوں کے سامنے انکے خاص بھائی عتبہ ابن ابیوقاص نے رسول اللہ صلعم کو ایسے سخت آزار جسمانی پہونچائے کہ دندان مبارک تک شہید ہوگئے اور یہ کھڑے ہوئے مونہہ دیکھا کئے بھائی پر ہاتھ اوٹھانا کیسا۔ اوسکو ڈانٹا بھی نہ گیا۔ اس بنا پر انکا آخر وقت تک خدمت رسول میں حاضر رہنا بالکل خلاف واقع ہے۔ اگر مطابق واقع سمجھا جائیگا تو پھر سعد بن ابیوقاص ایسے صحابی کبیر کے ثبات ایمان میں تزلزل پیدا ہوجانیکے شبہے قایم ہوجائینگے۔ جو ان کی شان کے خلاف ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اوس موقع پر موجود ہی نہیں تھے۔ یا تو میدان میں مصروف جنگ تھے۔ یا مصروف غنیمت۔ یا مفرورین کے ساتھ نکل گئے تھے۔

قرینہ غالب مصروفیت غنیمت ہی کا ہے کیونکہ واقعہ بدر میں بھی۔ آپ بہت قبل سے حصول غنیمت میں مصروف ہوگئے تھے۔ اور متعدد زرہیں رزمگاہ سے اوٹھا اوٹھاکر جمع کرچکے تھے۔ اسی اثنا میں امیہ بن خلف مل گیا اور آپ اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں سے اوسکو بچا لینے کی غرض سے پہاڑ پر چڑھا لے گئے اور ہرچند اوسکے بچانے کی کدوکاوش کی لیکن مسلمانوں نے اوسے ڈھونڈ کر قتل ہی کرڈالا۔ اور انکی زرہیں بھی اوٹھالے گئے۔ آپ اسواقعہ کو یاد کرکے ہمیشہ کہا کرتے تھے خدا رحم کرے۔ بلال پر۔ اوسنے مجھسے امیہ بن خلف کو بھی لے لیا اور اوسی کے ساتھ میری زرہیں بھی مفت چلی گئیں۔

واقعات تو یہ بتلارہے ہیں کہ ابن قمیہ کی ضرب کھاکر رسول اللہ صلعم غار میں گرپڑے تو ابن قمیہ نے قُدْقُتِلَ مُحَمَّدٌ کا شور کیا۔ اسکی آواز تمام لشکر میں ادہر سے ادہر تک تمام پھیل گئی۔ اس آواز کے سنتے ہی اور نظر سے آنحضرت صلعم کے

او جھل ہوتے ہی جتنے صحابہ قریب و دور تھے سب کے سب ایک بار علیحدہ ہو گئے اور لشکر اسلام میں چاروں طرف گڑ بڑ مچ گئی جدھر جسے راہ ملی وہ چلتا ہوا۔ رسول اللہ صلعم غار سے برآمد ہوئے اور مسلمانوں کی یہ بیدلی اور پست ہمتی دیکھکر سخت ملول ہوئے۔ آپ اپنی آنکھوں سے بھاگنے والوں کو مشاہدہ فرماتے تھے اور نام لے لیکر پکارتے تھے اور کوئی نہ سنتا ہوتا تھا۔ قرآن مجید کے آیہ ذیل میں اسکی طرف یوں اشارت فرمائی گئی ہے۔

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم (بد حواس) بھاگے جاتے تھے (لیکن) تم پھر کر کسی طرف کو بھی نہیں دیکھتے تھے مالانکہ رسول تمہارے پیچھے کھڑے تم کو پکار رہے تھے۔	اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ آل عمران رکوع ۷

اس آیہ کی تفسیر میں امام واقدی اپنی تاریخ کامل کے صفحہ ۲۴۳ میں لکھتے ہیں

جس وقت تم پہاڑ پر بھاگے جاتے تھے اور چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ حالانکہ رسول خدا تم کو بلا رہے تھے تمہاری پچھلی جماعت میں تو وہ بھاگے جاتے تھے۔ اور پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ صلعم انکو پکارے جاتے تھے کہ اے گروہ مسلمین میں رسول اللہ ہوں میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ مگر ایک بھی تو نہ	اذ تصعدون معنی فی الجبل تھربون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم کانوا یمرون مصعدین یصعدون الی الجبل و رسول یدعوهم یا معشر المسلمین انا رسول اللہ الی الی فلا یلوی علیہ احد

یہ تو اس مقام پر آیہ مذکورہ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اپنی تاریخ میں اس موقع کی جو عبارت خاص لکھی ہے وہ یہ ہے۔

مسلمان مشرکین کی ان سرگرمیوں کے سامنے نہ ٹھیر سکے۔ اور بھاگنے پر آمادہ ہو گئے کسی نے پہاڑ کا راستہ کسی نے جنگل کی راہ لی جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم فوج کی یہ حالت دیکھکر سخت متردد ہوئے اور ان پست ہمتوں کو اطمینان دلانے کی غرض سے پکارنے لگے۔ الا یا فلان۔ الا یا فلان۔ انا رسول اللہ مگر کوئی شخص آنحضرت صلعم کی آواز کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ ترجمہ کامل واقدی ص ۲۴۳ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

ہم اپنے موجودہ سلسلہ بیان میں اسی امر خاص کو کہ تمام مسلمانوں نے رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑکر راہ فرار اختیار کی ابھی اور صاف کر دینگے۔ چنانچہ میرے اس بیان کی تصدیق پر آنحضرت صلعم کو سب نے تنہا چھوڑ دیا تھا اور کوئی صاحب بھی ساتھ نہ رہے تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی۔ عجائب القرآن۔ تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر در منثور امام سیوطی۔ تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری۔ معارج النبوۃ ملا معین کشمیری۔ مدارج النبوۃ محدث دہلوی وغیرہم کی تحریریں شاہد ہیں۔

شاہ عبدالحق صاحب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں

مشرکوں کا غلبہ ہو گیا۔ اصحاب ایک سرے سے سب بھاگ گئے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور اپنی بدبختی اور حکم رسولؐ کی نافرمانی اور حرص طمع مال دنیوی	پس اشرار غلبہ کردند و اصحاب رمیدہ گریختند الی ان قال و بشومی و نا فرمانی رسولؐ اینہا کہ از ان جماعت صادر گشت و طمع و میل

حطام دنیاوی کہ بالشیان راہ یافت شکست بلشکر اسلام افتاد	اُسی وجہ سے جو اون کے دلوں میں سمائی تھی فوج اسلام کو شکست ہو گئی۔
پھر کئی صفحوں کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔	
چون مسلمانان روبہزیمت آوردند حضرت رسول ستر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را تنہا گذاشتند حضرت را غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔	جب مسلمانوں نے ہزیمت اختیار کی اور حضرت رسول صلعم کو تنہا چھوڑ دیا حضرت کو غصہ آیا اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے

اب ان بیانات کے ساتھ حدیث و تاریخ کے متفقہ بیانات جو انس بن النضر کی زبانی منقول ہیں اور ہم اوسکو طبری۔ ابن ہشام اور تاریخ الخمیس سے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں تو حقیقت حال پورے طور سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

انتھی انس بن النضر عم انس بن مالک الی عمر بن الخطاب وطلحہ بن عبید اللہ فی رجال من المہاجرین والانصار وقد القوا بایدیھم فقال ما یجلسکم قالوا قتل رسول اللہ ص قال فما تصنعون بالحیاۃ بعدہ قوموا فموتوا علی ما مات رسول اللہ ثم استقبل القوم فقاتل حتی قتل	انس بن نضر انس بن مالک صحابی کے چچا بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اوس عالم پریشانی میں عمر بن الخطاب۔ طلحہ بن عبید اللہ کو جماعت مہاجرین انصار کے ساتھ اس حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا کہ سب نے اپنے اپنے ہتھیار ڈال دیے تھے یہ دیکھکر میں نے پوچھا کہ تم لوگ یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیا کریں رسول اللہ تو مارے گئے میں نے کہا تو پھر اونکے بعد تم جی کر کیا کرو گے۔ اٹھو جس امر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر گئے ہیں تم سب بھی مر جاؤ

یہ کہکر انس بن نضر خود کفار پر جا پڑے اور لڑنے لگے۔ یہانتک کہ شہید ہوئے تاریخ طبری ص ۶ ۱۴۲۔ ابن ہشام ص ۸۵ جلد دوم تاریخ الخمیس جلد اول صفحہ ۴۳۰ مصر

انس بن نضر کی ہدایت کی طرف ان حضرات نے ذرا بھی التفات نہ فرمائی اور افسوس۔ جہاں بیٹھے تھے وہاں سے کوئی صاحب ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ تاریخ الخمیس کی ایک روایت سے ان حضرات کی جنبش نہ فرمانیکی وجہ خاص یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرات وہاں بیٹھکر ایک امر خاص میں مشورت فرما رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا پورا یقین کر کے اپنی عزیز جانوں کی صحت و سلامتی کا سامان کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخمیس کی مفصلہ ذیل عبارت

قال بعض المسلمین لیت لنا رسولا الی عبد اللہ بن ابی فیاخذ لنا امانا من ابو سفیان۔ جلد اول ص ۴۸۹	بعض مسلمین کہتے تھے کاش ہمکو ایک قاصد ملجاتا کہ اوسکو عبد اللہ بن ابی (منافق) کے پاس بھیجتے کہ وہ ہمارے لئے ابو سفیان سے

امان حاصل کرلیتا۔

نوبت باینجا رسید انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان مایوسین کی جماعت مین ہر شخص انس بن نضر کی طرح ایثار جان کے لئے طیار نہین تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپکی غیرت دلانے پر سب کے سب انکے ہمراہ ہوجاتے اور انکی طرح اسلام کے نام پر اپنی جانین فدا کردیتے لیکن بقول شبلی صاحب یہ وہی بزرگوار تھے جو ہمت ہار چکے تھے۔ انکے ثبات و استقلال مین نہ اتنی پائداری تھی اور خود ان مین اتنی جگرداری باقی تھی کہ شجاعت و دلیری سے کارفرما ہوتے جان بڑی پیاری ہوتی ہے اور خصوصًا اسوقت اور اس تہلکہ کے خاص عالم مین ایسے قیامتناک عالم مین اونکا نقطہ نظر جان کا صرف تحفظ تھا۔ اور اس بدحواسی کی شدت کے ساتھ جیسا علامہ حسین دیار بکری صاحب تاریخ الخمیس مین بیان کرتے ہین کہ حفاظت جان کی غرض سے ابوسفیان کی امان طلب کرنے کی تجویزین فرمانے لگے اور عبداللہ بن ابی جیسے منافق اور دشمن اسلام کو واسطۂ امان بنانے پر طیار ہوگئے۔ اس سے بڑھکر ان حضرات کے لئے اور کون سی شرمناک بات ہوگی۔

مفرورین کی واپسی

الغرض گذشت آنچہ گذشت۔ اب آیندہ حالات ملاحظہ فرمائے جائیں۔

خیریت ہوگئی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد کعب بن مالک کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال مبارک پر پڑی۔ اور مغفر خون آلود مین صرف آپکی آنکھوں کو پہچان کر اوس نے یہ مسرت افزا نعرہ بلند کیا۔ اِنَّ ھٰذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ یَا معشر المسلمین (اے مسلمانو! یہ رسول اللہ صحیح و سلامت کھڑے ہین۔) یہ مژدہ روح افزا سنتکر مسلمانون مین جان آگئی۔ اور جو حضرات جتنے قریب تھے۔ وہ دامن کشاں آپ کی طرف فورًا سمٹ آئے۔

پہلے آنیوالون مین محدث دہلوی چار بزرگوارون کے نام بتلاتے ہین۔ ابودجانہ۔ عاصم۔ سہل۔ اور طلحہ۔ اور صاحب تاریخ الخمیس پہلے لوٹنے والون مین حضرت ابوبکرؓ کا نام لیتے ہیں اور خود انکا قول نقل کرتے ہین

قال ابوبکر لما انصرف الناس یوم احد عن رسول اللہ صلعم فکنت اول من جاء	حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ جب روز احد رسول خدا صلعم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو وقت مراجعت میں سب سے اول آیا۔ ص ۴۳۱ مطبوعہ مصر

لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب نے اجمالاً ان حضرات کے نام لکھدیے ہین اور انکی تفریق و تفصیل نہین کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسمین کلام نہین کہ یہ چارون حضرات آپکی خدمت مین حاضر ہوئے ہین لیکن ان مین سے ابودجانہ اور سہل بن حنیف انصاری کا نام مفرورین مین کہین نہین پایا جاتا۔ بلکہ بالاتفاق یہ امر ثابت ہے کہ یہ دونون حضرات کفار سے حرب و ضرب مین مصروف تھے۔ اسلئے یہ ممکن ہے کہ مالک کا نعرہ سنکر میدان جنگ سے بغرض تصدیق بخدمت رسول اللہ مین حاضر ہوگئے ہون گے۔

جناب شاہ صاحب کا بیان مبہم رہ گیا ہے جس سے ان دونون بزرگوارون کا شمول بھی مفرورین مین ہوجاتا ہے

حالانکہ قطعًا ثابت نہین - باقی رہے عاصم - انکی حالت مشتبہ ہے - اس لئے کہ ابتداے جنگ مین انکے ثبات وجگر داری کے حالات علمداران قریش کے مقابلہ مین بیان ہو چکے ہین اسکے بعد پھر انکا ذکر کہین پایا نہین جاتا ممکن ہے کہ صنف جنگ سے رسول اللہ صلعم کی زیارت کے لئے یہ بھی آگئے ہون - اور اسلئے معاودین مین شمار کر لیے گئے - یا حقیقتًا آگے چلکر انکے پاے ثبات بھی لغزش مین آگئے ہون - اور یہ بھی فرار کر کے واپس آئے ہون -

باقی رہے طلحہ بن عبید اللہ تو انکے نہ مفرورین ہونے مین کلام ہو سکتا ہے اور نہ معاودین مین کیونکہ انس بن نضر والی روایت مین انکا نام بالتخصیص قید ولدیت کے ساتھ مندرج ہے - جسپر تمام مورخین کا اتفاق ہو چکا ہے -

چونکہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حضرات کی مفارقت ومعاودت مین تھوڑا ہی عرصہ گذرا اسلئے مورخین ومحدثین نے اتنے عرصہ کو قابل لحاظ نہ سمجھکر ان حضرات کو برابر قایمین مین شمار کیا ہے - حالانکہ تاریخ الخمیس تفسیر کبیر تفسیر نیشاپوری - تفسیر درمنثور سیوطی - حبیب السیر - معارج النبوۃ - اور مدارج النبوۃ کی مرقومہ بالا بیانات سے آنحضرت صلعم کو تنہا چھوڑ کر سب کا بھاگ جانا ثابت ہو چکا ہے - پھر کسی صاحب کی حاضری یا موجودگی کیسے صحیح ہو سکتی ہے - اگر محدثین ومورخین کی ان مرویات پر جن مین گیارہ حضرات کی حاضری بتلائی گئی ہے یا صحیح بخاری کے مطابق صرف دو شخصون (سعد وطلحہ) کی موجودگی کی روایت پر اعتبار کیا جائیگا - تو سعد کی تنہا حاضری سے ان گیارہ حضرات کی موجودگی اور زیادہ قابل الزام ثابت ہوگی - اسلئے کہ یہ گیارہ جان نثار عقیدہ اور اس قبیلہ صرف دو شخصون کی ضرر رسانی سے پیکر رسالت کی حفاظت نکر سکے عبرت خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی - حقیقت یہی ہے کہ اوسوقت یہ بزرگوار موجود ہی نہین رہے - ورنہ انکی عقیدت وجان نثاری کا مقتضا یہی ہونا چاہتا تھا کہ مارتے یا مرجاتے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم نورانی پر خراش نہ آنے دیتے -

فرار حضرت عمر کی حقیقت پوشی کی طرف شبلی صاحب کی کوشش محض بیکار ہے آپ اپنے ہی دست وقلم سے اہل سیرت وتاریخ کے مختار اور پھر صحیح بخاری کی تصریحات لکھکر باقیماندگان ہمراہیان رسول صلعم کے تمام نام بتلا چکے ہین - ارباب سیر وتاریخ گیارہ لوگون کے نام بتلاتے ہین اور امام بخاری دو شخصون کے نام لکھتے ہین - ان دونون مین سے کسی مین حضرت عمر کا نام نہین ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان حضرات سے پہلے ہی چلے گئے - اور پھر ان بزرگوارون کے واپس آنے سے بھی پیچھے آئے - " ان تصریحات کو خود لکھکر اور انس بن نضر کی مجلس مفرورین والی روایت کو نقل کرنے کے بعد جس مین حضرت عمر کا نام مع ولدیت جماعت مفرورین مین موجود ہے شبلی صاحب اصل کتاب کی عبارت مین تو نہین لیکن حاشیہ مین چپکے سے یہ عبارت لکھتے ہین -

یہ عام روایت (انس بن نضر والی) ہے صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمر کا نام نہین یعنی مجلس مفرورین مین بخاری کے نزدیک گویا یہ نہین تھے تو اس سے کیا - انھین بخاری نے حاضرین مین بھی تو انکا نام نہین دیا تو اب یہ

حاضرین مین نہین ہین۔ بقول آپ کے مفرورین مین ہین نہین تو ہین یہ کہاں۔ یہ بھی تو غور کرلیا جائے۔

شبلی صاحب۔ ہم بار بار آپ کی خدمت مین عرض کرتے جاتے ہین کہ حقیقت چھپ نہین سکتی۔ حقیقتاً حضرت عمرؓ مرد میدان نہیں تھے میر مجلس ضرور تھے۔ صاحب شمشیر نہین تھے اہل رائے و تدبیر ضرور تھے کہ ہر کسی را بہر کارے ساختند کے اصول پر نظر کیجئے۔ ایسے عالم رستخیز مین ثبات و استقلال انکا کام نہین تھا۔ وہ دوسری چیزین تھے جن کا ذکر بہت جلد آپ کو معلوم ہو جائیگا۔

اس میرے بیان سے اگر شبلی صاحب اور اون کے ہمخیال حضرات کی تسکین نہو تو امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اور علامہ نیشاپوری کی تفسیر عجائب القرآن مین ذیل آیہ

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ	وہ لوگ جو دونوں فوجوں کے مقابلہ کے وقت پیچھے پھر گئے

یہ عبارت ملاحظہ فرمالیجائے۔

ان من المنھزمین عمر و منھم ایضا عثمان	بھاگنے والوں مین حضرت عمر بھی تھے اور انھیں مین حضرت عثمان بھی تھے

اگرچہ اس سے بھی تشفی نہو سکے۔ تو اپنی احسن التفاسیر۔ تفسیر امام جریری طبری۔ اور تفسیر درمنثور امام سیوطی مین خود حضرت عمر کا اقرار ذیل کے الفاظ مین ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

عن عمر قال لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل	حضرت عمر فرماتے ہین کہ یوم احد جب ہم لوگون نے گریز کی تو مین بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

افسوس ہے کہ شبلی صاحب کہ اونکے ہمخیال حضرات تمام توجہ و ہمدردی حضرت عمر وغیرہ صحابہ مخصوصین کے ساتھ دکھلاتے ہین۔ لیکن حضرت عثمان کی طرف۔ جو صحابہ کے اسی طبقہ عالیہ مین داخل اور خلافت راشدہ مین شامل ہین کچھ بھی توجہ نہین کرتے۔ یہ بھی نہین پوچھتے کہ ان غریب کا کیا حال ہوا۔ انکی طول طویل فرار کی نسبت نہ کسی کو عذر و معذرت کی فکر ہے اور نہ توجیہ و تنقیح کا خیال۔ انکے واقعات کی جب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو بخاری نے باب غزوہ اُحد مین انکی نسبت ذیل کے مختصرہ پر اکتفا کی ہے۔

اذا سئل من عبد اللہ بن عمر اتعلم ان عثمان بن عفان فر یوم احد قال نعم	عبد اللہ بن عمر سے جب استفسار کیا گیا کہ حضرت عثمان بن عفان بھی بروز احد بھاگ گئے تھے۔ تو اونھون نے کہا ہان۔

بخاری کی اس اختصار کی تفصیل طبری کے مفصلہ ذیل الفاظ مین ملاحظہ کی جائے۔

وقد کان الناس انھزموا عن رسول اللہ صلعم حتی انتھی بعضھم الی المنقی دون الاعوص و فر عثمان بن عفان و عقبۃ بن عثمان و سعد بن	لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس سے بھاگ کر مقام منقی تک جو عوص کے قریب ہے چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفان وہ شخص انصار عقبہ و سعد اسانے عثمان کے ساتھ بھاگے تو مقام جلعب مین جاکر جو ناح

رجلان من الانصار حتی بلغوا الجلعب ناحیۃ المدینۃ مما یلی الاعوص فاقاموا بہ ثلاثا ثم رجعوا الی رسول اللہ صلعم۔	مدینہ میں ہے پناہ گزین ہوئے اور تین دن کے بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایسے قیامت انگیز عالم رستخیز میں اون حضرات کے حالات کی تفصیل کی گئی ہے جو نہ ایسے دلہائے پر اضطراب کو ٹھہرا سکے نہ پاہائے ثبات جما سکے اور نہ دشمن سے ثبات مقاومت و مقابلت لاسکے۔ اب ہم ان بزرگواروں کے خلاف اُن اسلامی مجاہدین مخلصین اور مبارزین قائمین فی الجہاد کی دلیرانہ جان نثاریاں اور شجاعانہ ثبات اور جگرداریاں ذیل کی حالات و واقعات میں بیان کرتے ہیں۔ جن سے جانبین کے اختلافات طبایع اور خیالات و جذبات ماہمانہ کے فرق مابہ الامتیاز پورے طور سے معلوم ہو جائینگے۔

مبارزین اسلام اور قائمین فی الجہاد کے حسن خدمات

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن جبیر کے دستہ فوج کی سرکشانہ نافرمانی سے پہلے میدان جنگ میں مسلمانوں کی ایک گونہ جیت ہو چکی تھی اور فوج غنیم کے لوگ بھاگنے لگے تھے۔ اور یہ حضرت حمزہؓ جناب علی مرتضیٰ۔ حضرت ابو دجانہ انصاری۔ مصعب ابن عمیر۔ سہل ابن حنیف الانصاری۔ حنظلہ۔ سعد بن الربیع انصاری اور اعمارہ مبارزوں کی بےنظیر شجاعانہ حملات اور لاجواب دلیرانہ سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔ یہ حقیقی مجاہدان فی سبیل اللہ اور فدائیان رسول اللہ صلعم اپنی بےمثال ہمت و وفاداری اور استقامت و پاداری سے لشکر کفار کی گھنی صفوں میں گھس پڑے تھے اور اپنے حملات شمشیر سے لوٹ مچا رکھی تھی۔ ان دلاوران اسلامی میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سب سے زیادہ تیز قدمی اور پیشدستی سے کام فرما تھے اور تنہا بالنفس النفیس کفار کے ٹڈی دل کو چیرتے پھاڑتے اُس انتہائے مقام تک پہونچ گئے تھے جو روز ازل سے آپ کی شہادت کا ”مقتل“ قرار پا چکا تھا۔

حضرت ابو دجانہ انصاری کے خاص خدمات

حضرت ابو دجانہ انصاری کی دلیرانہ پیشقدمیوں کی بھی یہی کیفیت تھی سرکار رسالت سے ابتدائے جنگ ہی میں انکو ایک شمشیر عنایت ہوئی تھی اور یہ اوسی تلوار برق رفتار سے لشکر کفار میں خون برسا رہے تھے۔

زبیر بن العوام اس مجاہد کی شان کارزار یوں بیان کرتے ہیں۔

عن الزبیر خرج ابو دجانہ بعد ما اخذ السیف واعتصب بہ فجعل لایلقی احدا الا قتلہ وھتکہ وحلق باللہ المشرکین وکان اذا کل سیفہ کانما بالحجارۃ ثم یضرب بہ العدو کانہ منجل حتی اتی نسوۃ فی سفح الجبل ومعھن ھند وھی تقول نحن بنات طارق نمشی علی النمارق فحمل علیھا فنادت یالصخر فلم یجبھا احد فانصرف عنھا قلت کل سنعا را بتہ	زبیر بیان کرتے ہیں کہ ابودجانہ رضؓ کو دربار رسالت سے سیف براں عنایت ہوئی تھی جسے یہ لیکر مشغول جنگ ہوئے اور یہ نوبت ہو پہونچی کہ جس پر انکی تلوار پڑتی تھی اوسکو قطع کئے بغیر اور صف مشرکین کو تنگاتے کئے بغیر نہیں چھوڑتی تھی اور جسپر پڑتی تھی اُسے زخمی ہوئے کوئی شخص نہیں بچتا تھا۔ یہانتک نوبت پہونچی کہ فوج کفار کی عورتیں پہاڑ پر بھاگنے لگیں انہیں ہندہ بھی تھی جو گاگا کر مشرکین کو جنگ پر جوش دلاتی تھی۔ ابودجانہ ہندہ پر تلوار سے حملہ کیا

وانحمی علیہ ... لم تقتل المرأۃ قال کرھت ان اضرب بسیف رسول اللہ صلعم امرأۃ لا ناصر لھا	اور ہند نے گھبرا کر یا آل صخر کا نعرہ لگایا لیکن کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔ ابودجانہ نے ایکبار اپنا ہاتھ روک لیا اور اوسے چھوڑ کر چلے آئے۔ زبیر کہتے ہیں کہ میں نے

ان سے پوچھا کہ تمہاری تیغ آبدار کی کارروائی تو دیکھی لیکن تعجب ہے کہ اسوقت تم ایک عورت کو نہ قتل کر سکے۔ ابودجانہ بولے کہا مجھے خود غیرت آئی کہ میں رسول اللہؐ کی عنایت کردہ تلوار سے ایک عورت بے یار و مددگار کا کیا سر کاٹوں۔ زرقانی جلد دوم ص۳۳ بحوالہ صحیح مسلم

یہ بزرگ انصاری ابتدائے جنگ سے انتہا تک شرط جاں نثاری اور وفاداری پر بکمال ثبات و پاداری قایم رہا فوج اسلامی کی ہزیمت اور رسول اللہؐ کی خبر شہادت پاکر بھی۔ یہ اون مخلص بزرگواروں میں ہیں جنہوں نے لڑکر مر جانے اور خدا و رسولؐ کے حکم پر مٹ جانے کو اپنا نصب العین قرار دے لیا تھا۔

اسمین کوئی کلام نہیں کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح سلامت رہنے کا مژدہ سنکر میدان جنگ سے زیارت کے لئے ضرور حاضر ہوئے تھے۔ اور غالبًا اسی وجہ سے محدث دہلوی نے انکو بھی معرورین میں سمجھکر جلد لوٹ آنے والوں میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ صریحًا خلاف واقع ہے۔

مصعب ابن عمیر کے محاسن خدمات	یہ بزرگوار ہاشمی النسل تھے سبقائے اسلام میں داخل اور رفقائے رسولؐ میں شامل تھے۔ اکثر مورخین و محدثین کے مختار کے مطابق جنگ احد میں علمداری کرتے تھے۔ آغاز جنگ سے اختتام تک مخالف کے مقابل ہوکر

شجاعت و دلیری اور ہمت و جرأت کی لاجواب مثالیں قایم کر رہے تھے۔ صف کفار کو درہم و برہم کرکے قلب لشکر میں دور تک بڑھ گئے تھے۔ وقت برابر ہو چکا تھا ابن قمیہ کی زد پر آگئے۔ زخم کھاگئے اور شہید ہوگئے۔ آنحضرت صلعم سے مشابہ تھے۔ ابن قمیہ نے رسول اللہؐ سمجھکر شہادت رسول اللہؐ کی خبر مشہور کردی۔ جناب رسول خدا صلعم انکی خبر شہادت پاکر بیحد ملول و محزون ہوئے اور آدمی بھیجکر جناب علی مرتضیٰؑ کے پاس کہلا بھیجا کہ لشکر کا علم لیکر آگے بڑھیں۔ ابن ہشام ص۸۱ جلد دوم مصر۔

حنظلہ بن ابو عامر کے محاسن خدمات	حنظلہ بن ابو عامر بھی انھیں وفاداران اور پاداران اسلام میں تھے۔ یہ بھی مساعیٔ جہاد میں از ابتدا تا انتہا بے نظیر جگرداریاں دکھلاتے رہے۔ انکا باپ ابو عامر جب میدان میں آکر مبارزطلبی کرنے لگا۔ تو

اوسکے مقابلہ میں سب سے پہلے انھیں نے خدمت رسولؐ سے اجازت جنگ چاہی اور قصد کرلیا کہ دنیا کو کفر و اسلام ظلمت و نور اور سعادت و شقاوت کا نمونہ دکھلا دیا جائے لیکن رحمت العٰلمین نے باپ بیٹے کے مقابلہ کو ناگوار سمجھکر اجازت نہ دی۔

یہ دلیر مجاہد باپ کو چھوڑکر دوسرے کافر سے مقابل ہوا۔ اور بڑی دیر تک شجاعت و دلیری کے جوہر دکھاتا رہا۔ مقابل کا خاتمہ کرکے کفار کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور انکو ضرب شمشیر سے اولٹ پلٹ کرتا رہا۔ پھر ہمت و جگرداری سے بڑھتا ہوا قلب لشکر میں ابوسفیان سردار لشکر کے سر پر جا پہونچا قریب تھا کہ ضرب شمشیر سے اوسکا کام تمام کرکے جدال و قتال کا ایکبار فیصلہ کردے۔ کہ شداد بن الاسود جو پہلو میں چھپا کھڑا تھا۔ اونکے وار کو روکا اور اپنے وار سے انکو شہید کر ڈالا۔

سعد بن الربیع انصاری کے محاسن خدمات

سعد بن الربیع جوانان انصار سے تھے۔ اسلام کے جان نثار کامل تھے اور وفادار خالص آغاز جنگ سے اختتام تک شرط وفاداری اور فرض جان نثاری پر قایم رہکر فائز بشہادت ہوئے اور اس قیامت خیز ہنگامہ مین کسیکو نہ انکی شہادت کی خبر ہوئی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ انکا قاتل کون ہے۔ میدان جنگ سے قریش کے چلے جانے کے بعد جب شہداے احد کے تلاش ہونے لگی تو ان کی بھی جستجو ہوئی۔ تو ایک مرد انصار کو یہ جانباز اسلام دم توڑتا ملا۔ طبری۔ اور ابن ہشام اس خالص عقیدت مند اور وفادار کی آخری تقریر ان الفاظ مین بیان کرتے ہیں

فنظر فوجدہ (سعد ابن الربیع) جریحاً فی القتلی وبہ رمق قال فقلت لہ ان رسول اللہ صلعم امرنی ان انظر فی الاحیاء انت ام فی الاموات قال انا فی الاموات فابلغ رسول اللہ صلعم عنی السلام وقل لہ ان سعد بن الربیع یقول لک جزاک اللہ عنا خیر ما جزی نبیا عن امتہ وابلغ قومک عنی السلام وقل لھم ان سعد بن الربیع یقول لکم انہ لا عذر لکم عند اللہ ان اخلص الی نبیکم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومنکم عین تطرف قال ثم لم ابرح حتی مات ص ۹ جلد دوم ابن ہشام

وہ بزرگ انصاری بیان کرتے ہین کہ مین نے انکو مقتولون مین پڑا پایا۔ رمقی جان اون مین باقی تھی۔ مین نے پکار کر کہا اے سعد رسول خدا صلعم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہین تلاش کرون کہ تم زندون مین ہو یا مردون مین۔ سعد بولے مین تو مردون مین ہون لیکن مہربانی کرکے رسول اللہ صلعم کی خدمت مین جاکر میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ خدا تعالی آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے جو کسی نبی کو اوسکی امت کی طرف سے دی گئی ہو۔ اور قوم کے لوگون کو بھی میری طرف سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ سعد کہگیا ہے کہ جب تک تم لوگون مین ایک آنکھ بھی جھپکنے والی باقی ہے اُسوقت تک اگر دشمن نبی صلعم تک پہونچگیا تو خدا کے حضور مین تم کوئی عذر پیش نکرسکوگے

اس کے آگے ابن ہشام لکھتے ہین۔

حدثنی ابوبکر الزبیری ان رجلاً دخل علی ابوبکر الصدیق وبنت السعد بن الربیع جاریۃ صغیرۃ علی صدرہ یرشفھا ویقبلھا فقال لہ الرجل من ھذہ قال ھذہ بنت رجل خیر منی سعد بن الربیع کان من النقباء فی العقبہ وشھد بدراً واستشھد یوم احد ص ۹

ابوبکر زبیری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابوبکر کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی اونکے سینہ پر بیٹھی ہے اور وہ اوسے پیار کر رہے ہین اور اوس کا مونھ چوم رہے ہین اوس شخص نے پوچھا کہ یہ کس کی لڑکی ہے تو حضرت ابوبکر نے کہا یہ اوس شخص کی لڑکی ہے جو مجھسے بہتر تھا۔ جو بیعت عقبہ سے مشرف ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کے نقبا مین تھا شرکاء بدر مین اور شہداء احد مین شامل ہے

عمارہ ابن زیاد کی جان نثاری

عمارہ ابن زیاد کے نام مین اختلاف ہے۔ صاحب رحمۃ اللعلمین نے عمارہ بن زیاد لکھا ہے اور شبلی صاحب زیاد بن السکن لکھتے ہین۔ دونون صاحبون نے طبری سے لکھا ہے۔ طبری نے خود تحقیق تام نہیں کی ہے۔ وہ لکھتے ہین زیاد بن عمارہ بن زیاد بن السکن (زیاد یا عمارہ بن زیاد بن السکن) ص ۱۴۰۳

بہرحال۔ماں بیٹوں میں سے جو صاحب ہوں وہ آغاز جنگ سے حصول شہادت تک ضرور قائم بالجہاد رہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکی شہادت کی خبر پہونچی تو آپ نے شفقت خاص سے انکی لاش حضور میں اٹھوا منگوائی۔جب مسلمان انکی لاش اوٹھا لائے تو فرمایا قریب لاؤ۔قریب لائے تو ارشاد فرمایا اور قریب لاؤ۔

توسدہ قدماہ فمات وخدہ علی قدم رسول اللہ ص	یہانتک کہ انکی لاش آپکے قدم سے مل گئی اور وہ اسی رخسار قدم رسول پر رکھکر مر گیا۔

اسموقع پر شبلی صاحب نے مناسب حال کسی کا یہ شعر لکھا ہے۔ ٭ بجہ ناز رفتہ باشد زجہان نیاز مندے کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی ٭ سیرۃ النبی ص ۴۰۸ ج ۱ باہم واقعیت کا ایک شوشہ رہ گیا ہے صاحب رحمۃ للعالمین نے مناسب مقام سمجھکر اردو کی زبان قدیم کا یہ شعر لکھا ہے۔زبان میں جو عذر ہو۔ لیکن واقعیت اور تمثلیت میں کوئی کلام نہیں۔وہ یہ ہے ٭

سر بوقت ذبح اپنا اوسکے زیر پائے ہے رحمۃ ص ۱۰۱ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

سہل ابن حنیف انصاری کے محاسن خدمات	سہل ابن حنیف انصاری کے ولادوفائے اسلام کی تصدیق اور ثبات فی الجہاد کی توثیق میں یہی کافی ہے۔جیسا کہ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ ع نے

حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو ذوالفقار اس غرض سے روز احد دی کہ وہ اسے کافروں کے خون سے پاک کردیں تو ارشاد فرمایا۔

اغسلی عن ھذا دمہ فواللہ لقد صدقنی الیوم	اس کا خون دھو ڈالو۔بخدا اس نے آج اپنی خدمات کی تصدیق کرادی۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب تھے۔سنکر ارشاد کیا۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدق معک سہل بن حنیف الانصاری وابو دجانہ	تنہا تمہیں نے خدمات جنگ کی تصدیق نہیں کرائی بلکہ تمہارے ساتھ سہل بن حنیف انصاری اور ابو دجانہ نے بھی

مخبر صادق ص کے لفظ معیت میں اتنی کامل صداقت تھی کہ سہیل ابن حنیف الانصاری واقعات صفین تک حضرت علی مرتضیٰ ع کی معیت میں موجود رہے۔امارت بصرہ کے وقت جو انکی ذلت وخواری کی گئی۔اوسکا ذکر ناگفتہ بہ ہے اور بہت قبل از وقت۔

مجاہدین۔قائمین بالجہاد کی فہرست میں شبلی صاحب۔زبیر العوام۔طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے نام بھی بتلاتے ہیں اور وہ کیا تاریخ وحدیث کی مرویات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔خصوصاً طلحہ کی تصدیق خدمات خود رسول اللہ صلعم کی زبانی بھی جابجا نقل فرمائی ہے۔لیکن چونکہ ہم اونھیں تاریخ وحدیث سے ان بزرگوں کو منہزمین ومفرورین میں اوپر ثابت کرآئے ہیں اس لئے یہ حضرات اون بزرگواروں کے مقابلہ میں جنکا ذکر ابھی ابھی ہم لکھ چکے ہیں۔معیار شجاعت وجنگجواری اور مقیاس ثبات وپاداری میں مشکل سے کامل اوترتے ہیں۔ممکن ہے کہ انکے

جن خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اوائل جنگ مین یا قبل محمودیت رسول صلعم ان سے عمل مین آئی ہون اور پھر لڑائی بگڑ جانے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہو جانے اور نظرون سے پوشیدہ ہو جانے کے بعد انکے پائے ثبات مین بھی لغزش آگئی ہو۔ یہی واقعیت ہے۔ اور واقعیت کا انکار حقیقت کا انکار ہے۔

جناب علی مرتضیٰ کے محاسن خدمات

انھین قائمین فی الجہاد مین جن کا ذکر خیر اوپر بیان ہو چکا ہے۔ انکے سرحلقہ اور مقتدا حضرت علی مرتضیٰ ثابت ہوتے ہین۔

جنگ احد کے قیامت خیز معرکہ مین جو حضرات از ابتدا تا انتہا ثابت قدم رہے اونکے نام اور تفصیلی خدمات اوپر بیان ہو چکے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ان آٹھ وفاداروں اور جگرداروں مین پانچ بزرگوار حضرت حمزہؓ، مصعب ابن عمیر حنظلہ، سعد بن الربیع اور عمارہ بن زیاد شرائط وفا کے ساتھ فدائے اسلام ہوگئے۔ رضوان اللہ علیہم

تین وفادار حضرت علی مرتضیٰؑ حضرت ابودجانہ انصاری اور حضرت سہل بن حنیف انصاری انتہائے جنگ تک خدمات جان نثاری اور وفاداری پر ثابت قدم رہے اور ابن ہشام کے موافق مراجعت مدینہ تک ان کی خدمات کی زبان رسالت سے تصدیق فرمائی گئی۔

جناب علی مرتضیٰ کی اقامت فی الجہاد کی ابتدائی کیفیت اور علمداران قریش کو آپ کا قتل کرنا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور اون کے مجموع علمدارون مین سے۔ رحمۃ العلمین کے قول کے مطابق آٹھ علمداران قریش کو یکے بعد دیگرے تن تنہا آپ ہی نے قتل فرمایا تھا (ص ۱۰۸) علمداران قریش کے قتل کے بعد آپ کی عدیم المثال مبارزت کی تفصیل و تصریح طبری مین یون مرقوم ہے۔

لما قتل علی ابن ابی طالب اصحاب الالویۃ ابصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیھم فحمل علیھم ففرق جماعتھم وقتل عمرو بن عبد اللہ الجمحی قال ثم ابصر رسول اللہ صلعم جماعۃ من مشرکی قریش فقال لعلی احمل علیھم فحمل علیھم ففرق جماعتھم وقتل شیبۃ بن مالک احد بنی عامر بن لوی فقال جبریلؑ یا رسول اللہ ان ھذہ للمواساۃ فقال رسول اللہؐ انہ منی وانا منہ فقال جبرئیلؑ وانا

ابورافع اپنے داوا سے روایت کرتے ہین کہ جب علی مرتضیٰؑ علمداران قریش کو قتل کر چکے تو آنحضرت صلعم نے مشرکین کی ایک جماعت کو اپنی طرف آتے دیکھکر حضرت علی سے فرمایا کہ ان پر حملہ کرو حضرت علی نے اوس جماعت پر حملہ کیا اور اوسکو متفرق کر دیا اور اون میں سے عبداللہ بن عمر جمحی کو قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد پھر جناب رسول خدا صلعم نے دوسری جماعت مشرکین کو اسی طرف آتے دیکھا پھر فرمایا۔ ان پر حملہ کرو۔ پھر حضرت علی نے اون پر حملہ کر اونکو متفرق کر دیا۔ اور اون مین شیبہ بن مالک، جو بنی عامر کے قبیلہ کا ایک آدمی تھا قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھکر حضرت جبرئیل نے خدمت رسول صلعم مین عرض کی کہ یہ تو انتہائے محبت اور رفاقت ہے۔ جناب رسول خدا صلعم نے

مسکما قال فسمعوا صوتا لا سیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی ع طبری ص ۱۴۰۲۔ عربی

ارشاد فرمایا اسلئے کہ یہ مجھسے ہے اور میں اس سے ہوں۔ یہ سنکر حضرت جبرئیل ع نے کہا کہ میں تم دونوں میں شامل ہوں اسکے بعد یہ آواز سنائی دی کہ کوئی کہتا ہے تلوار ذوالفقار کے ایسی نہیں اور کوئی جوانمرد علی کے ایسا نہیں ہے۔

ایسا نہیں ہوا کہ شمول کا مواسات میں حضرت جبرئیل ع صرف وعدہ کرکے رہ گئے ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہوا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ عملی صورت میں لایا گیا اور پورا فرمایا گیا۔ علامہ یوسف گنجی الشافی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اور شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

روی الحافظ محمد بن عبد العزیز الجنابذی فی کتاب معالم العترۃ النبویۃ مرفوعا الی قیس بن سعد عن ابیہ انہ سمع علیا یقول اصابتنی یوم احد ستۃ عشر ضربۃ سقطت الی الارض فی اربع منہن فجاءنی رجل احسن الوجہ طیب الریح فاخذ بضبعی فاقامنی ثم قال اقبل علیہم فانک فی طاعۃ اللہ ورسولہ وہما عنک راضیان قال علی ع فاتیت النبی صلعم فاخبرتہ فقال یا علی اقر اللہ عینک وذاک جبرئیل ع ۔ سوانح عمری حضرت علی ص ۲۱۶ لاہور

حافظ محمد بن عبدالعزیز جنابذی اپنی کتاب معالم العترۃ النبویہ میں بطریق مرفوع قیس بن سعد سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ انکے والد نے حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جنگ احد کے دن مجھے سولہ ۱۶ زخم ایسے کاری لگے تھے کہ ان میں سے چار زخموں کے ساتھ میں زمین پر گرنے کے قریب پہونچ گیا تھا۔ اور ہر بار ایک خوبصورت خوشبو میں ڈوبا ہوا آدمی میرے پاس آکر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا اور مجھکو کھڑا کردیتا تھا اور کہتا تھا کہ پھر دشمنوں پر حملہ کر کہ تو خدا اور اوسکے رسول کی اطاعت میں ہے اور وہ دونوں تجھسے راضی ہیں۔ جناب علی مرتضیٰ ع فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں کہی تو آپنے ارشاد فرمایا کہ اے علی۔ خدا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک عطا فرمائے۔ وہ جبرئیل تھے۔

مرقومہ بالا مشاہدات غیب میرے بیان کے شاہد صادق ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی یہ مبازرت اسوقت کی ہے کہ حکم رسول اللہ صلعم سے آپ لشکر کفار اوس جماعت میں جو بار بار رسول اللہ صلعم کی ذات خاص پر ایذا رسانی کی غرض سے چڑھ چڑھ آتے تھے۔ ہر بار آپ اونپر حکم رسول ص سے حملہ آور ہوتے تھے اور ہر بار بڑی جگرداری سے لڑکر اونکو پسپا کردیتے تھے۔

شبلی صاحب نے حضرت علی کی ایسی بے نظیر شجاعت و مبازرت کو اول تو آنحضرت صلعم کے مجروح ہونکے بعد لکھا ہے۔ اور یوں اسکی واقعیت اور اصلیت کو بدل دیا ہے۔ دوسری یہ کہ ان محاسن خدمات کو صرف اتنا لکھکر "دل کا دل ہجوم کرکے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا" ص ۲۷۷۔ اسکی حقیقت کو تمام کردیا ہے۔ ہم کو آپ کی اس کوتہ رقمی کی کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ ہمکو آپ کی خدمت میں عادت شناس اور مزاجدان ہونیکا اعزاز حاصل ہوچکا ہے ہم خوب واقف ہیں کہ یہ موقع خاص آپ کے اختصار و اقتضا

اور تلخیص و تلمیح کے مقامات ہیں۔

لشکر اسلام کی ہزیمت اور رسول اللہ صلعم کی شہادت کی خبر سنکر جو کیفیت حضرت علی مرتضیٰ ع کے قلب پر مستولی ہوئی وہ خود زبان مبارک سے یون ارشاد فرماتے ہین۔ محدث شیرازی لکھتے ہیں۔

چون کفار بر مسلمانان غلبہ کردند حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام از نظر من غائب شد درمیان کشتگان رفتم واحتیاط کردم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایندیدم باخود گفتم وے ازان قبیل نیست کہ از صف جنگ کافران بگریزد و درمیان قتلی نیست۔ گمان من اینست کہ حق تعالیٰ بواسطہ فعل ما برما غضب کردہ و پیغمبر خود را باسمان بردہ وباخود گفتم ہیچ بہتر ازان نیست کہ مقاتلہ نمایم تاکشتہ شوم شمشیر کشیدہ و برجوق مشرکان حملہ بردم از ہم بپاشیدند۔

جب کفار نے مسلمانون پر غلبہ کیا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام میری نظرون سے غائب ہوگئے۔ مین آپ کو کشتون مین ڈھونڈھنے لگا۔ اور اون مین آپ کو نہ پایا تو میں اپنے دل مین سوچا کہ رسول صلعم سے تو یہ ممکن ہی نہین کہ جنگ کفار سے گریز فرمایئن۔ میرا یہ خیال ہے کہ یہ ہزیمت خدا کا غضب ہے جو ہمارے اعمال کی سزا مین ہم پر اوتارا گیا ہے اور خدا نے اپنے رسول ص کو محفوظاً و مصئون رکھکر آسمان پر اوٹھا لیا ہے۔ یہ سوچکر مین نے اپنے دل سے کہا کہ اب میرے لئے اس سے بہتر کوئی صلاح عمل نہین ہوسکتی کہ ہم بھی کفار سے لڑکر مرجایئن۔ یہ قصد کرکے مین تلوار لے کر گروہ کفار پر ٹوٹ پڑا اور اتنی جگرداری سے لڑا کہ اونکو متفرق اور پریشان کردیا۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۶۲

ان خدمات کے صلہ مین جناب احدیت کی بارگاہ سے حضرت علی مرتضیٰ ع کو کیا صلہ عطا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جماعت کفار کے متفرق کرنے کے بعد نظر مبارک اوٹھاتے ہین تو جمال رسالت سامنے ہے صلوا علیہ وآلہ۔

محدث شیرازی اوسی سلسلۂ بیان مرقومۂ بالا مین جناب علی مرتضیٰ کے زبانی نقل فرماتے ہین۔

جمال حضرت را دیدم بسلامت دانستم کہ حق تعالیٰ ویرا بملائکہ کرام خود محافظت نمودہ

اس اثنا مین میری نظر آنحضرت صلعم کے جمال مبارک پر پڑی اور آپ صحیح وسلامت نظر آئے تو مجھے یقین آگیا کہ خدا نے ملائکہ کرام کے ذریعہ سے آپکی محافظت فرمائی۔

فوراً خدمت اقدس مین حاضر ہوئے۔ اب باہمی مکالمت کی حقیقت بھی محدث شیرازی و محدث دہلوی کی عبارت مین ملاحظہ ہو۔

آنحضرت صلعم نظر کرد۔ دید کہ علی بن ابی طالب بپہلوے مبارکش استادہ است۔ فرمود۔ چون است کہ تو بہ برادران خود ملحق نگشتی۔ علی گفت اا کفر بعد

آنحضرت صلعم نے نظر اوٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب پہلو مین کھڑے ہین اون سے استفسار فرمایا کہ تم کیونکر اپنے بھائیون سے جاکر نہ مل گئے حضرت علی نے عرض کی کیا مین ایمان لانیکے بعد

الایمان الی ملک اسوۃ ایا کافر شوم بعد از ایمان بد رنگہ مرا با تو اقتدا است۔ یعنی مرا لبتا کار ست یا یاران و لبر ان کہ در پے غنیمت افتادند و ہزیمت نمودند چہ کار وارم	کافر ہو جاتا۔ مجھکو آپ ہی کی اقتدا کافی ہے۔ یعنی مجھے آپ ہی سے صرف سروکار ہے مجھے اپنے اُن یاروں اور بھائیوں سے کیا کام جو مال غنیمت کے لالچ میں پڑ گئے۔ اور بھاگ نکلے۔

ذکوان کی استمداد و اعانت

جناب علی مرتضیٰ ع کی عدیم المثال شجاعت خود غرض نہیں تھی۔ اسکا کوئی پہلو عالی ہمتی اور ہمدردی اور دوسروں کی مدد و اعانت سے خالی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صرف اپنی حفاظت کے لئے اپنی قوت و شجاعت صرف کرتے ہوں اور دوسرے رفیقوں کی مدد و استعانت سے پہلو تہی فرماتے ہوں واقعات بتلا رہے ہیں کہ اسی احد کی لڑائی میں حضرت علی ع نے بنی عبد الدار کے علمداروں کا خاتمہ کر کے فوراً حضرت حمزہؑ اور حضرت ابو دجانہ کی حمایت فرمائی اور دیر تک انکے شریک رہکر کفار سے لڑتے رہے۔

حضرت حمزہؑ اور حضرت ابو دجانہؓ ہی کی حمایت و استمداد پر منحصر نہیں۔ شاید آپ نے اپنے عم محترم کی اعانت کو فرض سمجھ لیا ہو۔ تو ذکوان بن عبد العبس کے قصہ سے آپکی ہمت استعانت عام کے ثبوت خاص ملجاتے ہیں۔ ترجمہ مغازی الصادقہ کامل واقدی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں اس واقعہ کی نسبت لکھا ہے۔

جناب علی مرتضیٰ ع نے محاصرہ کفار سے نکل کر۔ ذکوان بن عبد العبس کو جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے۔ جو مجاہدین اسلامی میں داخل تھا۔ ابو الحکم ابن الاخنس ثقفی کے پنجہ میں گرفتار دیکھا۔ آپ کی ہمدردی اور غیرت اسلامی اسکی مقتضی نہ ہوئی کہ اسکی اعانت و دستگیری سے ناتوجہی کی جائے۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خبر شہادت سُنکر آپ حضور کی تلاش میں نہایت بیتاب تھے۔ اگر ایسے وقت نازک میں پہلو تہی بھی کی جاتی تو قابل الزام نہیں تھی۔ لیکن جناب علی مرتضیٰ ع کی حمیت اسلامی اسکو گوارا نہ کر سکی۔ آپ یہ دیکھکر فوراً موقع پر پہونچے۔ ابو الحکم کی تلوار اوٹھ چکی تھی۔ غریب ذکوان کی گردن اوسکے نیچے آچکی تھی۔ موت ذکوان کے سامنے آ کھڑی تھی۔ سب سے زیادہ دشواری ذکوان کے لئے یہ تھی کہ یہ پیدل تھے اور ابو الحکم گھوڑے پر سوار۔ لیکن شہسوار لافتی نے ذکوان کی ان تمام دشواریوں کو طرفۃ العین میں رفع کر دیا۔ ابو الحکم کا ہاتھ ذکوان پر پڑنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت علی ع کی ذو الفقار کا تلا ہوا ہاتھ ابو الحکم کے سر پر ایسا کاری پڑا کہ اوسکا سر کٹ کر ذکوان کے سامنے گر پڑا۔ ذکوان کی جان بچی۔ غریب نے اپنی راہ لی۔ ص ۲۱۰

محدث شیرازی اور محدث دہلوی دونوں بزرگوں نے انھیں عدیم المثال مشاہدات شجاعت پر اعتبار کر کے تحریر فرمایا ہے۔

وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و حلاوت و شجاعت بجا آورد کہ فوق آن تصور نتوان کرد۔ یعنی آپ نے ہر طرح سے جدال و قتال۔ دلیری و شجاعت کے ایسے حقوق ادا فرمائے کہ اون سے زیادہ تصور نہیں ہو سکتا۔

شاہ عبدالحق صاحب تو اپنی حد امکان تک تعریف و توصیف ہی کر کے رہ گئے۔ لیکن امام المغازی ابن اسحق۔ امام المورخین ابن جریر طبری و ابن ہشام بالاتفاق یہ لکھکر فیصلہ کرچکے ہیں۔

وکان الفتح یوم احد بصبر علیؑ علی عنایته وثباته وحمل ملائکه	احد کے روز فتح حضرت علیؑ کے مصیبت پر صبر کرنے۔ ثبات حواس قائم رکھنے اور تکلیف برداشت کرنیکی وجہ سے (نمودار) ہوئی تھی

یہی رائے امام المحدثین ابو یوسف الگنجی الشافعی کی بھی ہے۔ جسکو اونھوں نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں حضرت ابن عباس کی سند سے لکھا ہے۔

نضر ابن انس انصاری کی جاں نثاری

اپنے اس سلسلہ بیان میں ابھی ہمکو چند فدائیان انصار کی دلیرانہ جان نثاریاں اور وفاداریاں کا ذکر کردینا بہت ہی ضروری ہے۔

انس بن مالک کے چچا۔ انس بن نضر کی دلیرانہ سرفروشی اور جانبازی تفصیل سے اوپر بیان ہوچکی ہے۔ اور بتلاچکے ہیں کہ یہ گروہ مہاجرین اسلام کو جنگ کفار پر غیرت دلاکر فوج قریش کی گھنی صفوں میں شیرانہ شوکت وشان سے ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے فائز بشہادت ہوئے۔ کفار نے انکو زخموں سے اتنا چور کردیا تھا کہ لاشوں کے جائزے کے وقت کوئی انکی لاش کو نہ پہچان سکا بالآخر انکی مصیبت نصیب بہن نے ہاتھ کی انگوٹھی سے پہچانا۔

پانچ انصار کی یکبارگی جاں نثاری

عمارہ ابن زیاد اور زیاد بن السکن کے حالات بھی اوپر لکھے جاچکے ہیں۔ زیاد اور عمارہ نے تنہا اپنی جانوں کے ایثار نہیں کئے۔ بلکہ اپنے تین اور رفقائے عزیز کو بھی فدائے اسلام کردیا۔ کیفیت یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت و سلامتی کا مژدہ پاکر یہ پانچوں جان نثار یکبار میدان جنگ سے حصول زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور کفار کی اوس جمعیت سے جو آنحضرت صلعم کے قریب ایذادہی کی غرض سے جمع تھی۔ اذن رسول پاکر حملہ آور ہوئے اور پانچوں کے پانچوں شہید ہوگئے۔ ایک بھی جانبر نہو سکا۔ رضوان اللہ علیہم

ابو طلحۃ الانصاری کی رفاقت

ابو طلحۃ الانصاری کی خدمات بھی۔ جو انس بن مالک مشہور صحابی کے علاتی باپ تھے۔ قابل الذکر ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب یہ تیر برساتے تھے۔ تو یہ وفادار اور جگردار جان نثار چہرہ مبارک پر اپنی سپر روک لیتا تھا اور ہمو دیون کے تیر ونکو آپکے چہرے پر نہ آنے دیتا تھا اور اسی حالت میں تیراندازوں کی حملہ کاری کا جواب بھی دئے جاتا تھا ابو طلحہ نے اسموقع خاص پر اتنے تیر چلائے تھے کہ دو تین کمانیں ان کے ہاتھوں میں ٹوٹ گئیں تھیں سیرۃ النبی ص ۲۴۷ بحوالہ بخاری

خواتین اسلام کی مردانہ ہمت ورفاقت

مردوں کی ایثار نفس اور جانبازی کو تفصیل سے دکھلانا اور خواتین اسلامی کی مردانہ وار رفاقت دینیا کا ذکر کرنا۔ واقعہ نگاری کی نامردی ہے اور سوانح نویس کی بیدردی اسلئے ہم اپنے سلسلہ بیان کو ان مخدرات کے محاسن خدمات سے خالی رکھنا نہیں چاہتے۔ ان میں سب سے پہلے ام عمارہ کا حال ذیل میں لکھتے ہیں

ام عمارہ صحابیہ کے محاسن خدمات

یہ عفیفہ محترمہ خود درخواست کرکے لشکر اسلامی کی خدمت کرنے کیلئے ہمراہ آئیں تھیں۔ اور فن جراحی سے واقف

تھیں عین اوس موقع پر جب فوج کفار کے موذی تیرانداز آنحضرت صلعم پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ تو یہ شیر دل خاتون انصاریہ آنحضرت کے آگے کھڑی ہوگئیں اور اونکے تیروں کو اپنے سینہ پر اڑانے لگی۔ اور جب وہ خونخوار جماعت نیزہ و تلوار لیکر آپ کا قصد کرتی تھی تو یہ خود تلوار پکڑ کر اُن کے وار کو رد کرتی تھی اور اونھیں برابر کا جواب دیتی تھی۔ جب ابن قمیہ تلوار پکڑ کر آنحضرت صلعم کے بالکل قریب آگیا تو اُمّ عمارہ نے بڑھ کر بڑی دلیری کے ساتھ روکا۔ اور اسی رووکد میں ان کے کندھے پر زخم لگا اور غار پڑ گیا۔ مدتوں رہا۔ اس بہادر خاتون نے تلوار لگا کر ابن قمیہ کو اوس کی ضرب کا جواب بھی دیا۔ مگر وہ ظالم دو زرہیں تلے اوپر پہنے ہوئے تھا اِس لیے ان کی تلوار کام نہ کر سکی۔

ابن ہشام جلد دوم ص ۸۴ سیرۃ النبی ص ۲۸۱

نہیں معلوم کہ سیرت والوں کے گیارہ اور صحیح بخاری کے وہ دو جاں نثار اسوقت کہاں تھے جو اُم عمارہ کی دلیری کو بھی دیکھکر ابن قمیہ کے مقابلہ پر جرات نہ کرسکے۔ حقیقت و انصاف تو یہ بتلا رہے ہیں کہ اس خاتون انصاریہ کے خدمات بڑے بڑے مجاہدین اسلام کی کارگذاریوں سے زیادہ قابل قدر و عزت ہیں۔

دوسری خاتون انصاریہ کی جگرداری

قبیلہ انصار میں بنی دینار کی ایک عورت کے باپ بھائی۔ اور شوہر سب کے سب کفار سے لڑکر کام آچکے تھے۔ لیکن وہ خاتون رسول اللہ صلعم کی خبر شہادت سنکر اسقدر بے چین اور مضطرب الحال ہو رہی تھی کہ اوسکو اپنے تین رشتہ داروں کے قتل اور صدمات متصل کی کوئی فکر نہیں تھی وہ رسولؐ کی تلاش میں ادہر ادہر مجنونانہ وار پھیر رہی تھی۔ جو دیکھتا تھا وہ اوس سے اوسکے باپ بھائی اور شوہر کی خبر پوچھتا تھا لیکن وہ بے خود ہو کر اون سے پوچھتی تھی یہ تو کہو۔ رسول اللہ تو صحیح و سلامت ہیں۔ لوگ کہتے تھے ہاں الحمدللہ آپ بخیریت ہیں۔ اسی حالت میں وہ افتاں و خیزاں جناب رسول خداؐ کی خدمت میں پہونچی۔ نظر اوٹھا کر جمال مبارک کی زیارت کی۔ اور عرض کی۔ کل مصیبۃ بعدک جلل یا رسول اللہؐ آپ موجود ہیں تو پھر تمام مصیبتیں ہیچ ہیں شبلی صاحب نے اس موقعہ کے مناسب حال یہ شعر لکھا ہے کیا تعجب کہ طبعزاد ہو۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا | اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

سعد بن معاذ کی ماں اور عقیدت

رئیس الانصار سعد ابن معاذ کی اپنے بھائی عمرو بن معاذ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ کو اپنے آپ برابر کے بھائی کا کوئی غم اور کوئی رنج و الم رفاقت و اطاعت رسول صلعم کے مقابلہ میں نہیں تھا یہ تو مرد تھے۔ ثبات و پاداری ان کا کام تھا۔ انکی مادر گرامی قدر کی جگرداری البتہ قابل ذکر ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب داخل مدینہ ہوئے تو آپ کے گھوڑے کی لگام سعد ابن معاذ تھامے تھے۔ آمد رسول کی خبر سنکر انکی والدہ معظمہ جنکا نام کبشہ بنت رافع تھا شوق رسولؐ میں بیتاب ہو کر دوڑیں۔ بیٹے کی نظر ان پر پڑی تو چپکے سے خدمت رسولؐ میں عرض

کی۔ تاں شوق زیارت میں دوڑی آتی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مرحبا۔ اتنے میں وہ محترمہ آہی گئیں۔ جمال مبارک پر چشم عقیدت سے نظر کی۔ اور فرط مسرت سے شگفتہ ہوگئیں۔ اور خلوص سے عرض کی حضور کو زندہ وسلامت دیکھکر تمام رنج وغم فراموش ہوگئے۔ آنحضرت صلعم غایت اخلاق سے اونکو اونکے فرزند شہید کی تعزیت دی اور اون کے فرزند شہید اور دیگر شہدائے انصار کے داخل جنت کئے جانے کی بشارت پہونچائی۔ روضۃ الاحباب مطبوعہ لکھنو ص ۲۷۳

جراحت رسول سے لیکر خاتمہ جنگ تک کے حالات

جان نثاران اسلام میں اون تمام بزرگواروں کی خدمات جو حمایت اسلام اور رفاقت حضرت خیر الانام علیہ السلام کے متعلق جنگ احد میں واقع ہوئے وہ حدیث وتفسیر اور سیرت وتاریخ کے معتبر ماخذوں سے ایک سلسلہ میں بیان کر دیے گئے۔ اس تفصیل کو تمام کر کے اب ہم جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے اور شہر میں اسلام کے واپس آنے کے حالات سے لے کر خاتمہ جنگ تک کی باقی واقعات کو موجودہ سلسلہ میں بیان کرتے ہیں۔

یہانتک بیان ہوچکا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار سے برآمد ہوئے۔ سرور عالمؐ کی خبر شہادت مدینہ تک پہونچ گئی تھی۔ جناب سیدہ اور دیگر خاتونان اسلامیہ جو شمار میں ۱۴ محترمات تھیں بیتاب ہوکر میدان جنگ تک چلی آئیں اور محدث شیرازی لکھتے ہیں کہ جوہیں جناب سیدہؑ کی نظر اپنے پدر بزرگوار کے چہرہ خون آلود پر پڑی بیقرار ہوکر رونے لگیں آنحضرتؐ نے اپنے پارۂ جگر کو سینہ سے لگالیا اور دیر تک اشکبار رہے اس اثنا میں حضرت علی مرتضیٰ بھی پہونچ گئے اونھوں نے اپنی ڈھال میں پانی لاتا اور حضرت فاطمہ زہراؑ نے دھونا شروع کیا۔ لیکن زخم سے خون نہیں بند ہوتا تھا تو بالآخر جناب سیدہ نے پارچہ حریر اور بروایت بخاری پارہ حصیر جلا کر لگایا تب خون بند ہوا روضۃ الاحباب ص ۲۰۰۔ رسالت کی صبر وشکیبائی اور نبوت کی رعایت وعفو فرمائی یہ ہے کہ ایسی شدید تکلیف اور درد ومحن کی حالت خاص میں بھی آپکی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے رَبِّ اغفر قومی فانہم لا یعلمون پروردگار میری قوم کو بخش دے کہ وہ جانتے نہیں۔ عجیب عالم رستخیز اور ہنگامہ قیامت خیز تھا۔ وہ اضطراب طاری تھا کہ دوست دشمن کی تمیز باقی نہیں تھی۔ شبلی صاحب نے تو صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ اس ہلچل اور کشمکش میں مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور یمان کی شہادت مثالاً پیش کی ہے تحقیق مزید سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہی واقعہ پیش ہونیوالا تھا۔ لیکن خیریت ہوگئی۔ طبری لکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں قیامت کی ہلچل

وانطلق رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يدعوا الناس حتى انتهى الى اصحاب الصخرة فلما رأوه وضع رجل سهما في قوسه فاراد ان

جناب رسول خدا صلعم لوگوں کو پکارتے ہوئے آگے بڑھے یہانتک کہ آپ پہاڑ پر جمع شدہ جماعت صحابہ (طبری کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جماعت وہی تھی۔ جس کا ذکر نصر بن انس والی روایت میں ہوچکا ہے۔ کیونکہ سیاق عبارت بھی اسی پر شاہد ہے

ان یرمیہ فقال انا رسول اللہ صلعم ففرحوا بذلک حین وجدوا رسول اللہ صلعم حیا وفرح رسول اللہ صلعم حین ان فی اصحابہ من یمتنع بہ فلما اجتمعوا وفیہم رسول اللہ صلعم ذہب عنہم الحزن فاقبلوا یذکرون الفتح وما فاتہم منہ ویذکرون اصحابہم الذین قتلوا فقال اللہ عز وجل للذین قالوا ان محمدا قد قتل فارجعوا الی قومکم۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

اور طبری نے اوس روایت کے بعد ہی یہ واقعہ لکھا ہے اکے پاس پہونچ گئے۔ جب ان لوگوں نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو ایک شخص نے اپنی کمان میں تیر رکھکر آپ کو تیر مارنا چاہا (لاعلمی سے) یہ دیکھکر آپ نے پکارا۔ میں ہوں رسول اللہ صلعم یہ سنا تھا کہ وہ لوگ آپ کو زندہ پاکر مسرور وفرحناک ہوئے۔ اور جناب رسول خدا صلعم بھی اس تیر افگن شخص کو اپنے اصحاب میں داخل سمجھکر بیحد خوش ہوئے۔ پھر سب کے سب رسول اللہ صلعم کے پاس جمع ہو گئے اور اون لوگوں کے دلوں سے تمام حزن وملال جاتے رہے۔ پھر آپ کے ساتھ فتح حاصل شدہ کے گذرے ہوئے زمانہ کا اور شہدائے احد کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے چلے جدائے سبحانہ تعالیٰ نے اون لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے جو یہ کہتے تھے اے مسلمانو اب دین اسلام سے پھر جاؤ اور اپنی قوم میں مل جاؤ۔ کیونکہ محمدؐ تو مارے گئے یہ آیہ نازل فرمایا

(محمد صلعم) صرف ایک رسول ہیں جنکے ایسے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں اگر وہ وفات پا جائیں تو کیا تم لوگ اونکے دین سے اولٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ تو جو لوگ اولٹے پاؤں پھر جائینگے اون سے خدائے تعالیٰ کو تو کوئی نقصان پہونچنے کا نہیں ہے خدائے تعالیٰ تو اون کو بدلہ دیگا جو اوسکے شکرگذار بندے ہیں۔ (طبری مطبوعہ جرمن ص ۱۴۱۱)

طبری نے اگرچہ اس آیہ کی خطاب کو خاص اون کی طرف تبلایا ہے۔ جو شہادت رسولؐ نے غلط خبر کے مشہور کرنیوالے تھے۔ یہ طبری صاحب کی اسلامی نہضین کی رعایت ہے ورنہ عبارت والفاظ قرآنی میں خاص انھیں حضرات سے مخاطبت ہے

ابوسفیان میدان جنگ کے یہ نیرنگ دیکھکر بیحد مسرور ہوا۔ خوشی سے اوچھلنے لگا۔ اور اعل ہبل اعل ہبل (ہبل تو اونچا رہے ہبل تو اونچا رہ) کے نعرے مارنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے صحابہ حاضرین نے جواباً آواز دی اللہ عز وجل خدا سب سے اونچا اور بڑا ہے۔ ابوسفیان نے پھر ٹیپ لگائی لنا عزی ولا عزی لکم۔ ہمارے پاس عزیٰ ہے تمہارے پاس نہیں صحابہ پکارے اللہ مولانا ولا مولی لکم۔ خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقا نہیں۔

ابوسفیان نے انھیں بیہودہ گوئیوں کے ساتھ خوشیاں منائیں۔ اور فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ اس عجلت کی وجہ صاف ہے اوس نے دیکھ لیا کہ اہل اسلام اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر پھر کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ اگر پھر مقابلہ کی نوبت آئی تو مشکل ہو جائیگی اس لئے جسقدر کامیابی اسلام کے مقابل ہو چکی ہے وہی غنیمت ہے۔ اس خیال سے وہ فوراً چل کھڑا ہوا۔ اور مسلمانوں کو بارہ دیگر مقابلہ کا موقع نہ دیا۔

میدان جنگ سے قریش کی مایوسی

انحضرت صلعم نے دور سے کفار مین شور وہنگامہ برپا دیکھکر حضرت علی مرتضیٰ کو تحقیق حال کی غرض سے بھیجا۔ طبری لکھتے ہین۔

بعث رسول الله صلعم عليا فقال اخرج في آثار القوم فانظر ماذا يصنعون وماذا يريدون فان كانوا قد اجتنبوا الخيل وامتطوا الابل فانهم يريدون مكة وان ركبوا الخيل وساقوا الابل فهم يريدون المدينة لاسيرن اليهم فيها ثم لاناجزنهم قال علي رض فخرجت في آثارهم انظر ماذا يصنعون فلما اجتنبوا الخيل وامتطوا الابل توجهوا الى مكة ص ۱۴۱۹

جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو بلاکر حکم دیا کہ فوج کفار مین جاکر اونکی نقل وحرکت کی طرف دریافت کرو کہ اونکا کیا ارادہ ہے اگر وہ اپنے اونٹون پر سوار ہوتے ہون اور گھوڑون کو بیدل رکھتے ہون تو سمجھ لینا کہ مکہ کی طرف جاتے ہین۔ اور گھوڑون پر سوار ہوتے ہون اور اگر اونٹون کو خالی چھوڑتے ہون تو سمجھ لینا کہ مدینہ کا قصد رکھتے ہین تو پھر ہم لوگون کو بھی فوراً کوچ کرکے اون سے مقابل ہونا ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ ہم اونکی لشکرگاہ مین پہونچے اور دیکھا کہ وہ گھوڑونکو چھوڑکر اونٹ پر سوار ہوتے ہین اور مکہ کی طرف جارہے ہین۔

کفّار کے لشکر نے بہت جلد میدان جنگ خالی کردیا۔ رسول اللہ صلعم نے انکے چلے جانے کے بعد اطمینان سے شہدائے احد کی تجہیز وتدفین کی طرف توجہ فرمائی۔

شہدائے احد کی تدفین حضرت حمزہؓ کی لاش

کفار کے چلے جانے کے بعد شہدائے احد کی لاشون کی تلاش ہونے لگی۔ سب سے پہلے حضرت حمزہؓ کی لاش تلاش کرنیکا حکم ہوا ایک مرد انصار تجسس مین نکلا اوسکے ڈھونڈھنے مین دیر ہوئی تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰ کو بھیجا۔ جب یہ حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہونچے تو دیکھا کہ وہ عقیدت مند مرد انصاری اوس جسم صد پارہ اور پیکر شگافتہ پر کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔ عم محترم کی لاش مطہر کی یہ بیحرمتی دیکھکر حضرت علی بھی دیر تک اشکبار رہے پھر خدمت رسولؐ مین حاضر ہوکر روئداد عرض کردی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حزن وملال کی کچھ انتہا نہین تھی۔ فوراً اوٹھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش پر تشریف لائے۔ مظلوم چچا کی میت پر دیر تک اشکباری فرماتے رہے۔ حضرت حمزہؓ چچا ہونیکے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسلئے انحضرت صلعم کو اُنسے کمال انس تھا آپنے چچا کی بیحرمتی دیکھکر ارشاد فرمایا

ما وقفت موقفا قط اغيظ لي من هذا

مجھے آجتک کسی مقام کے شاہد نے ایسا حتم آلودہ نہیں کیا جیسا اس مقام نے

مُصلحِ قدرت نے فوراً پیام بھیجا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ۔

تم بھی اگر ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی تو برابری ہوجائیگی لیکن صبر کرلو۔ تو صبر کرلینا صبر کرنیوالون کیلئے بہرحال بہتر ہے

آپ نے حکم الٰہی سنکر فوراً سمعاً واطاعتاً کہا اور صبر فرمالیا۔ اور بشتر بارا اپنے عم مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی

حضرت صفیہ کو بھائی کی خبر شہادت مل چکی تھی۔ بھائی کے درد سے بیچین ہوکر دوڑی چلی آتی تہین انحضرت صلعم کی

نظر پڑ گئی۔ زبیر اونکے صاحبزادے پاس کھڑے تھے۔ حکم دیا کہ ماں کو جا کے راہ مین روک لو بھائی کی لاش کو اس حالت خراب سے دیکھنے کی تاب نہ لا سکین گی۔ زبیر ابن العوام دوڑے ماں کو روکنا چاہا لیکن وہ نہ رک سکین۔ بیٹے سے اتنا کہا کہ مین کچھ بھی نہ کرونگی۔ صرف بھائی کو آخری بار دیکھکر چلی آؤنگی۔ چنانچہ یہ معظمہ بھائی کی لاش پر آئین اور جو کہتا تھا وہی کیا بھائی کی لاش صد چاک کو نگاہ حسرت آلود سے دیکھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھکر بیٹھ گئین۔ اتنا تھا کہ غم والم۔ صدمہ وملال کا دل پر ہجوم ہوا کہ دھاڑین مار مار کر رونے لگین اور اونکے ساتھ جناب سیدہ اور دیگر خواتین ہاشمیہ ملکر فریاد وزاری کرنے لگین۔ اب رسول خدا صلعم سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس نوحہ خوان گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صفیہ سے خطاب کرکے صدائے غم آلود کے ساتھ فرمانے لگے۔

یا عمتی لن اصابک بمثلک ھذا　|　اے آپ سے بڑھکر کوئی دوسرا مصیبت زدہ نہ ہوگا۔

اسکے بعد آپ نے شان رسالت سے بار دیگر بیان فرمایا۔ اے صفیہ۔ اے فاطمہ تمکو بشارت ہو کہ جبرئیل ع نے اگر مجھے یہ مژدہ دیا ہے کہ ملائکہ ملا اعلی نے حمزہ ع کو اسد اللہ واسد رسولہ کے القاب خاص سے مشہور ومرقوم کیا ہے۔ روضۃ الاحباب ص ۲۷۲۔

حضرت حمزہ ع کے دفن سے فراغت پاکر دوسرے شہدا کی تدفین مین مصروف ہوئے مصعب بن عمیر الہاشمی طویل القامت تھے۔ کفن کی چادر چھوٹی تھی۔ سر چھپایا جاتا تھا تو پاؤن کھل جاتے تھے۔ پاؤن چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر سر سے چادر ڈالدی گئی۔ پاؤن کھلے رہ گئے۔ اونکو گھاس سے چھپا دیا۔

ستر مردون کی علیحدہ علیحدہ قبرین کھودنا اور جدا جدا دفن کرنا آسان کام نہین تھا۔ خود مسلمانون کی جو حالت ہو رہی تھی ظاہر تھی۔ اون مین شاید کوئی ایسا ہی ہو جو مجروح۔ حد سے زیادہ خستہ اور ملول وپریشان حال نہ ہو۔ جب علیحدہ علیحدہ مدفون کرنا امکان سے باہر دیکھا گیا تو شہدا کی لاشون کو بے غسل وکفن مجروح وخون آلود اسی حالت سے ایک قبر مین دو دو کرکے مدفون کردیا۔ ۔ؔ۵ فدیہ راہ حق ارا حاجت کافور نیست۔

مسلمانون کو اس بے بسی اور بے کسی کا عالم ہمیشہ یاد رہا جب کبھی یاد آجاتا تھا رو دیتے تھے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اس دن کو یاد کرکے محزون وملول ہوا کرتے تھے۔ واقعہ احد سے آٹھ برس بعد۔ اور وفات سے دو برس پہلے آپ کا شہدائے احد کے مدفن کی طرف سے گذر ہوا۔ مقتل شہیدان دیکھکر اونکی یاد تازہ ہوگئی چور تین آنکھون مین

ؔ۵ افسوس ہے مسلمان ۶۰ ہی برس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ بتلائے ہوئے آداب تعزیت اور مقتضیات اخلاق و ہمدردی بھول گئے۔ میدان کربلا مین۔ فوج قریش سے کہین زیادہ مسلمانون کی جمعیت کثیر موجود تھی۔ مگر اتنی کثیر تعداد مین کسی فرد واحد کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ نور دیدۂ مصطفےٰ ص جگر پارۂ فاطمہ زہراء حضرت زینب ع کو اپنے مجروح ومقتول بھائی کی لاش صد پارہ پر آنے سے روک لیتا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار　　مؤلف عفی عنہ۔

گھوم گئیں۔ بے اختیار ہوکر رو پڑے اور رونے میں وہ کلمات درد آمیز جاری فرمائے کہ جیسے کوئی اپنے عزیز کے مُردے سے ابھی ابھی جدا ہوتا ہے رقت کم ہوئی۔ تو آپ نے اوسیوقت صحابہ حاضرین کو مخاطب کرکے ایک طولانی خطبہ ارشاد کیا۔ اور اوس کے آخر میں فرمایا کہ مسلمانو مجھے تم سے یہ خوف نہیں کہ تم پھر مشرک بن جاؤ گے۔ لیکن ڈر یہ ہے کہ دنیا میں دھنس جاؤ۔ صدقت یارسول اللہ۔ سیرۃ النبی بحوالہ بخاری

مدینہ میں داخلہ شہدا کا ماتم

جملہ امور سے فراغت پاکر مدینہ میں تشریف لائے تو شہر بھر میں کہرام مچا تھا ہر گھر سے صدائے ماتم بلند تھی لیکن حضرت حمزہؓ پر کوئی رونیوالا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کی خاطر مبارک میں قیامت کا یہ پرحسرت خیال آیا کہ تمام گھروں سے تو شہیدوں کے عزیزوں کی صدائے ماتم آرہی ہے۔ لیکن حمزہؓ کا کون رونیوالا ہے اس خیال کا اظہار زبان مبارک سے ان الفاظ میں کیا گیا۔

امّا حمزة فلا بواکی لہ | لیکن حمزہؓ پر کوئی رونے والا نہیں۔

انصار حاضرین نے یہ الفاظ سنے تو بیتاب ہوگئے۔ گھروں کی طرف دوڑے اور اپنی نوحہ خوان عورتوں کو دولتسرائے رسالت کی طرف بھیجدیا کہ رسولِ خدا کے عم محترم کا ماتم کریں۔ خوش عقیدہ اور اخلاص مند خواتین الصار اپنے مردوں کی صف ماتم چھوڑکر فوراً عصمت سرائے نبوت میں حاضر ہوئیں اور اپنے عزیزوں سے زیادہ حضرت حمزہؓ پر نوحہ وگریہ وزاری کرنے لگیں۔ انکی زاریاں سنکر بالنفس النفیس آپ عصمت سرا کے دروازے پر آکھڑے ہوئے۔ خاتونان انصار کو خدمت ماتمداری کے لئے دعائے خیر سے یاد وشاد فرمایا اور اپنی طرف سے انکا احسنت کیا۔ پھر ارشاد کیا کہ مُردوں پر زیادہ نوحہ وماتم جائز نہیں۔ شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں اپنے مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اسواقعہ کے بعد سے مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حضرت حمزہؓ سے شروع کی جاتی یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حضرت حمزہؓ کی حقیقی محبت تھی۔[۵۱]

سیرۃ النبی ص ۳۸۱ بحوالہ طبری صفحہ ۱۴۲۳

جنگ احد پر رائے

قرآن مجید کے جزو چہارم۔ سورہ آل عمران میں غزوہ احد کے حالات کی اجمالی تفصیل موجود ہے مفسرین محدثین اور اوتھین کی طرح ارباب سیرت اور اسلامی مورخین جنگ احد کے بنکر بگڑ جانے کے مختلف اسباب لکھتے ہیں مگر سب کا مختار متفقہ یہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی صاف صاف خودکردہ غلطی تھی جسکے لئے کوئی علاج نہیں تھا۔ اور وہ لاعلاج غلطی یہی تھی کہ طمع دنیا میں گر پڑے اور آگے پیچھے کی کوئی خبر نہیں رکھی۔ اگر مسلمان ذرا بھی عاقبت بین اور مآل اندیش ہوتے۔ تو سمجھ لیتے کہ ہرچند جانبازان اسلام نے غنیم کے اوس وستۂ فوج کو پسپا کردیا تھا جو اون سے

[۵۱] عم رسول صلعم کی ماتمداری تو بحکم رسولؐ سے اس خلوص کے ساتھ جاری اور قائم کی گئی لیکن سبط رسول صلعم کی ماتمداری بدعت اور ذکر شہادت واعظ و خطیب پر حرام ٹھہرا دیا گیا۔ فاعتبروا — المؤلف عفی عنہ

سامنے لڑ رہا تھا۔ لیکن اونکی پوری قوت نہین ٹوٹی تھی اونکی جمعیت اتنی کثیر تھی کہ اونکا یہ حصۂ لشکر پسپا ہو کر گریزان ہو چکا تھا تو ابھی اس سے دو چند اور سہ چند جنگی دستے اونکے پاس موجود تھے ابھی اونکے چند مقتولین کا خاتمہ ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم کی دلیرانہ تیزدستیون سے قریش کے تمام علمداران لشکر کا اتنی عجلت کے ساتھ خاتمہ ہو جانے نے میدان جنگ سے اونکے پاؤن اوکھاڑ دیے تھے اور وہ پہاڑون پر ادہر ادہر منتشر ہونے لگے تھے۔ اور بالکل قریب الہزیمت ہو چکے تھے لیکن تاہم اونکی مغلوبیت شکست کامل کے حد تک نہین پہونچی تھی۔ اور اس قابل نہین تھی کہ اونکے لوٹنے یا قید و گرفتار کرنیکی غرض خاص سے اونپر جارحانہ حملہ کیا جاتا اور مدافعانہ تدبیرات سے بالکل غفلت شعاری یا دست برداری اختیار کی جاتی۔

ناعاقبت اندیش مسلمانون سے دونون غلطیان بیکوقت عمل مین آئین۔ غنیم کی کمینگاہ کی راہ کہولدی جسکی حفاظت کے لئے اونپر ایسی اور اتنی تاکید کردی گئی تھی۔ اس کے بعد حصول غنیمت کے لئے اون پر جارحانہ طور پر ٹوٹ پڑے۔ درہ کوہ کی کمینگاہ سے دشمن نکل پڑے اور عقب سے آکر اونکو دبالیا غنیمت والون کو ابھی کچھہ ملنے بھی نہ پایا تھا کہ غنیم نے پیچھے سے آکر تلوارون کے نیچے رکھہ لیا۔ یہ کیفیت جو قریش کی گریزان فوج نے دیکھی تو وہ بھی سنبھل کر واپس ہوئی۔ اس ترکیب سے مسلمان بیچ مین آگئے۔ اور دونون جانب سے غنیم نے گھیر لیا اور ستر مسلمانون کو شہید کر کے اپنی بگڑی لڑائی کو بنالیا۔ اور اسی اتنی کامیابی کو غنیمت جانکر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔

غنیمت مین عجلت اور مدافعت و حفاظت سے غفلت مسلمانون کی صریح غلطیان تھین۔ بدر مین احکام غنیمت کی نسبت تو لاعلمی کا عذر بھی ہوسکتا تھا اور اُحد مین تو اسکے لئے بھی گنجائش نہیں تھی۔ خیر ایک طبقۂ خاص کی غلطی کی وجہ سے تمام اہل اسلام پر جو مصیبتین پیش آئین اونکی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے۔

یہانتک تو جنگ اُحد کے ناگوار نتائج تھے جو اہل اسلام کو پیش آئے لیکن تاہم کفار کا شکر اہل اسلام کی شجاعت و جگرداری۔ استقامت و پامردی کی اثر پذیریون سے خالی نہین گیا۔ اونکو اسلامی سرفروز جانبازون کے حملات نے اونکے جنگی کمالات اور شجاعت و دلیری کے خدمات کا پورا ثبوت دیدیا تھا میدان جنگ سے یہ یقین کر کے واپس ہوئے تھے کہ اہل اسلام کا مقابلہ اہل عرب کے لئے سہل اور آسان امر نہین ہے۔ جیسا اور جتنا کہ وہ سمجھے ہوئے ہین اگر وہ اسلام کی طرف سے ان محسوسات یقینی کے زیر اثر نہ آئے ہوتے تو وہ آخر مین اپنی کامیابی کے بعد اتنا جلد واپس نہ آتے۔ بلکہ احد سے لیکر مدینہ تک تاخت و تاراج کر کے اہل اسلام کا استیصال کامل کر دیتے جو ان کا اصل مدعا تھا کیونکہ اونکی تین ہزار کی جمعیت ابھی بالکل ویسی کی ویسی ہی تھی۔ ابھی کل پندرہ بیس آدمیون کا نقصان ہوا تھا وہ دستہ فوج بھی۔ جو پہلے بیدل اور مضمحل ہو کر گریزان ہوا تھا۔ تازہ دم ہو کر مقابلہ و مقاتلہ پر مستقل ہو گیا تھا پھر بین ہزار آدمیون کے آگے پانسو یا حد چھہ سو آدمیون کا ختم کر دینا۔ خصوصًا ایسی حالت مین جب وہ پسپا اور ہزیمت خوردہ ہو چکے تھے

کچھ دشوار نہیں تھا۔ لیکن نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مبارزین اسلامی مین قلت وکثرت افراد پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ ان مین روحانی استقلال اور پائداری ایمان اور شجاعت وجگرداری اتنی خوبی ہے کہ اونکے آگے کثرت یا جمعیت کارگر نہین ہوسکتی اس بنا پر واقعات کے تحقیق کرنے والے صاف طور سے کہدینگے کہ جنگ احد کے نتائج اگرچہ آخر مین خوشگوار نہین گذرے لیکن وہ کفار قریش کے قلوب میں دلیران اسلام کی شجاعت و دلیری کے کامل اثر پہونچانے سے خالی بھی نہین گئے۔ اور یہی سبب تھا کہ غنیم کو دسترس پا جانے کے بعد بھی اپنے اصل مدعا کی تعمیل وتکمیل پر جرأت نہو سکی۔ اور یہی اسلام کی وہ علوئیت ہے جسکی طرف اس قصہ کے متعلق قرآن مجید مین اشارت ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ | تم ملول دمحزون ہو۔ تم ضرور غالب رہوگے۔

یہی جنگ احد کے وہ خوشگوار نتائج ہین جو مدعائے اسلام کے مفید نمایاں ہوئے جسکی تفصیل آیندہ آتی ہے۔

غزوہ حمراء الاسد

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ ع کو مخصوص طور پر لشکر کفار مین بھیجکر جب یہ دریافت فرمالیا۔ کہ وہ میدان جنگ سے سیدھے مکہ کی طرف نکلے ہین۔ تب آپنے شہدائے احد وغیرہ کی تلاش اور اونکی آخری خدمات کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن تاہم آپ کفار کی مکارانہ فطرت کی طرف سے پورے مطمئن نہین تھے جس عجلت سے شہدائے احد مدفون کئے گئے اوسکی کیفیت اوپر معلوم ہوچکی ہے۔ آپ کا یہ خیال اور کفار کی طرف سے یہ شبہہ بالکل صحیح تھا۔

ابوسفیان نے احد سے نکل کر آٹھ میل پر قیام کیا۔ وہان جاکر اوس نے سوچا کہ احد مین ہماری کامیابی تو کوئی کامیابی نہین ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ پہلے وہ غالب رہے اور پیچھے ہم۔ اور اسی پر احد کے معاملات تمام ہوگئے۔ اس سے تو مخاصمت ومخالفت کے معاملات یکسو نہ ہوئے۔ اصل مدعا استیصال اسلام کا تھا وہ نہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور نہ حاصل ہوسکا۔ حالانکہ ہمین کامیابی کا پورا موقع تھا۔

یہ خیال شکستی بعد از جنگ کی صورت مین پیچیدہ ہوکر ابوسفیان کے دماغ مین سمایا۔ اور وہ منزل روحا سے جہاں خیمہ زن تھا۔ مدینہ پر از سر نو حملہ کرنے کی طیاری کرنے لگا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اس کی خبر لگی آپ نے پھر سلاح جنگ پہن لی اور فوراً لشکر اسلامی کو بھی طیاری کا حکم دیا۔ مبارزین اسلام اوسی وقت طیار ہوگئے۔

فوج اسلام کے روانگی سے پہلے قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد خزاعی احد کی خبر سنکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوا تھا۔ اور مصائب اسلام کے واقعات سنکر اظہار تاسف وملال کرکے رخصت ہوچکا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اگرچہ اسوقت تک

اسلام نہ لایا تھا لیکن اسلام کا ہمدرد و بہی خواہ ضرور تھا معبد آنحضرت صلعم کی خدمت سے رخصت ہوا تو براہ راست ابوسفیان کے پاس پہونچا۔ ابوسفیان نے اوس سے اپنا مدینہ پر قصد حملات بیان کیا۔ اوس نے کہا کہ تم ابھی بیٹھے ہوئے مدینہ کا قصد کر رہے ہو اور وہان جناب رسول خدا صلعم مدینہ سے بڑے سامان کے ساتھ تمھارے پکڑ کو ہی دم مین پہونچا ہی چاہتے ہین مین اپنی آنکھون سے دیکھے چلا آرہا ہون کہ وہ اتنے بڑے سامان سے ادہر بڑہتے چلے آرہے ہین کہ تمہارے موجودہ سامان اور جمعیت اون کے مقابلہ کے لئے کسی طرح کافی نہ ہوگی جو کچھ بھی کامیابی اسوقت تک تم کو اون کے مقابلہ مین حاصل ہوچکی ہے۔ وہ دم کے دم مین ضایع ہوجائے گی۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان کے ہوش اوڑ گئے۔ وہ صرف بیسر سامان تھے عزم میدان تو تھے ہی نہین ایسا ٹھرایا کہ اوسیوقت خیمہ گاہ اوٹھا کر مکہ کی طرف چلتا ہوا۔ آنحضرت صلعم جب یہان تشریف لائے تو کچھ بھی نہ تھا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید احتیاط کے لحاظ سے وہان ایک ہفتہ قیام فرماکر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔

دوران قیام مین بنی عبد القیس کے چند آدمی آپ کی خدمت مین ابوسفیان کا یہ پیام لائے کہ ہم لوگ پورا قصد کر چکے ہین کہ ایکبار اور آپ سے مقابلہ کرکے اسلام کا استیصال کامل کر دین گے۔ آپ کو خبر کردی آپ طیار رہین یہ سنکر آنحضرت صلعم نے وہی الفاظ پھر ارشاد فرمائے جو اس سے پہلے احد کے پیغام آنے کے وقت فرمائے گئے تھے حَسْبُنَا اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے اور وہی بہتر مددگار ہے۔ خدائے سبحانہ تعالی نے یہ آیہ بشارت نازل فرمایا

قَالَ لَھُمُ النَّاسُ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ	وہ لوگ جو کثرت جمعیت سے ڈرائے جاتے ہین۔ اس ڈرائے جانے سے اونکے ایمان اور زیادہ ہوتے ہین اور وہ لوگ کہتے ہین کچھ بھی ہو ہماری مدد کے لئے تو خدا ہی کافی ہے۔

ابوعزہ شاعر کا قتل

ایام قیام مین حضرت عمار بن یاسر اور حارثہ ابن زید۔ ابوعزہ شاعر اور معاویہ ابن مغیرہ کو گرفتار کر لائے ابوعزہ سامنے لایا گیا تو آپ نے استفسار فرمایا کہ تجھکو جنگ بدر مین بغیر کسی فدیہ کے صرف اسلئے چھوڑ دیا تھا کہ تو پھر آیندہ ایسی شرارت نہ کریگا لیکن تو اتنک باوجود اقرار کے اپنے مفسدون سے باز نہ آیا۔ اوس نے عرض کی کہ ایکبار پھر جان بخشی فرماکر دیکھ لیا جائے ارشاد ہوا۔ اب مین ایسا کرون تو ایکبار مکہ مین جاکر یہ شیخیان بگھارنے لگے گا کہ دوبار محمد کو کیسا چل دے آیا۔ اسلئے مین اب تجھے نہ چھوڑونگا۔ یہ فرماکر بروایتے زبیر بن العوام اور بروایتے عاصم کو حکم دیا اور وہ موذی قتل کر دیا گیا۔

معویہ ابن مغیرہ کا قتل

معاویہ ابن مغیرہ کے قتل کا حکم ہوا تو حضرت عثمانؓ نے سفارش فرمائی۔ منظور ہوئی مگر اس شرط پر کہ معاویہ تین دن کے اندر نواح مدینہ چھوڑ دے۔ تین دن کے بعد اگر حدود مدینہ کے اندر پایا جائے گا تو مستوجب القتل

معویہ نے اقرار کیا۔ اور چھوڑ دیا گیا۔ لیکن معویہ اتنی مقدار تک بھی مدینہ کیا شہر مدینہ سے بھی باہر نہ گیا چھپا چھپا پھرتا رہا۔ ایک دن کسی مسلمان نے دیکھ لیا۔ اور خدمت رسول صلعم میں پھر پکڑ کر حاضر کر دیا۔ اور وہ مفسد بدعہدی کے جرم میں قتل کر دیا گیا

ابن ہشام جلد دوم ص ۹۴ طبری ص ۱۴۲۷ وغیرہ

شبلی صاحب۔ پانچ سطروں میں حمراء الاسد کے حالات بیان کر کے تحریر فرماتے ہیں۔

یہی واقعہ ہے جسکو مورخین نے تکثیر واقعات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کر لیا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۲۸۳

ہمکو معلوم ہے آپ غزوہ کے نام سے کانپ جاتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ اسلامی واقعات کے سلسلہ میں اس کا بیان آ جائے۔ اگر مجبوری ہو تو داستان کو طول نہ دیا جاوے کیونکہ یورپ اسکو شوق سے سنتا ہے۔ لیکن اوس نے سن لیا تو قیامت کر دیگا۔ ہم آپ کی تشفی کئے دیتے ہیں نہ داستان طویل ہوگی نہ یورپ شوق سے سنے پائیگا۔ اور نہ انشاء اللہ کوئی داغ ذکر سے چھوٹیگا میری ذمہ داری ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔

ہم مولوی صاحب کو سمجھائے دیتے ہیں۔ یہ غزوہ نہیں ہے۔ آپ غزوہ کو عموماً جنگ سمجھے ہیں۔ اور سوء اتفاق سے آپ نے غزوہ کو غزا سے ناخوذ سمجھکر اسکو جنگ و قتل اور کشت و خون ہی کے تنہا معنیوں میں قرار دے لیا ہے۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ جن امور و معاملات کے تصفیہ کے لئے اہل اسلام کی جماعت کو بیرونی مقامات میں جانے اور سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے اور اوس جماعت میں رسول اللہ صلعم بھی بذات خاص شریک ہوں۔ تو محدثین و مورخین کی اصطلاح متفقہ میں اُسے غزوہ کہتے ہیں اور جس جماعت میں آپ موجود نہوں اوسے سریہ کہتے ہیں۔ غزوہ یا سریہ کے لئے وقوع جنگ کا ہونا شرط نہیں۔

حمراء الاسد میں اور اسی کے ایسے اور غزوات مثل ذوالعشیرہ۔ ذی امر وغیرہ وغیرہ میں سے کسی ایک میں بھی تلوار نکالنے کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن وہ صرف رسول اللہ صلعم کی شرکت و موجودگی کی خصوصیت سے غزوہ کے نام سے مذکور ہوئے ہیں اور آپ نے بھی لکھے ہیں۔ لیکن یہاں خواہ مخواہ غزوہ کو خاص جنگ کے معنیوں میں قرار دے کر آپنے مورخین پر تکثیر غزوات کا اعتراض قائم کر دیا۔ اور پھر محدثین کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں بھی یہ تمام واقعات غزوات ہی کے عنوان سے مرقوم ہیں۔ تنقید سے پہلے مولوی شبلی صاحب کو توجیہہ کی تلاش ضروری تھی۔

اس بنا پر مورخین و محدثین کا حمراء الاسد کو غزوہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ اور شبلی صاحب کا اعتراض غلط۔

واقعات متفرقہ سنہ ۳ ہجری	
	اسی سال ۱۵۔ رمضان المبارک ہجری کو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ولادت واقع ہوئی۔ اسی سال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ نے حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ سے عقد فرمایا۔ انکے شوہر جنگ بدر میں مارے گئے تھے۔

آغاز ۴ سنہ ہجری

سریہ ابوسلمہ محرم ۴ سنہ ہجری

یہ مسلم ہے کہ تمام عرب اسلام کا دشمن تھا۔ اور مسلم کا مخالف۔ اسلام کا قصور بت پرستی کی بیخ کنی تھی۔ مسلم کا جرم خدائے واحد کی پرستش۔ توحید خالص کی تعلیم و تبلیغ۔ عرب قدیم سے بت پرست تھا۔ اور اپنی قدیم عقیدۂ جہالت سے سرمو جنبش کرنیکے لئے راضی نہیں تھا۔ اسلام کی تبلیغ اونکے جاہلانہ مراسم و آئین کی سد راہ تھی اس بنا پر تمام عرب اسلام کے استیصال پر ہمیشہ آمادہ اور طیار تھا۔

ان مخالفتوں کے اظہار میں سب سے پہلے محرم ۴ سنہ ہجری میں طلیحہ اور خویلد کی مدینہ پر حملہ آور ہونیکی پے در پے خبریں پہونچیں۔ اس لئے آنحضرت صلعم نے ایکسو پچاس (۱۵۰) مہاجرین و انصار کو ماتحتی ابوسلمہ اونکی مدافعت میں روانہ فرمایا۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے طلیحہ اور خویلد کی جماعت مرعوب ہو کر ادہر ادہر منتشر ہوگئی۔ مسلمان پہونچے تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ بالآخر واپس مدینہ ہوئے۔

سریہ ابن انیس

چند ہی دنوں کے بعد سفیان بن خالد۔ جو کوہستانی قبائل عرنہ کا رئیس تھا مدینہ پر حملہ کی طیاریاں کرنے لگا اسکی خبر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ نے عبداللہ ابن انیس کو ایک دستۂ فوج کے ساتھ اونکی تنبیہہ کی غرض خاص سے روانہ کیا۔ ابن انیس نے کمال ہنرمندی سے سفیان کو قتل کر دیا اور اسی ہمراہی جمعیت کو ساتھ لے کر مدینہ چلا آیا۔ ابن انیس کی بڑی جستجو کی گئی لیکن پتہ نہ ملا۔ سردار کے قتل کے بعد جمعیت آپ ہی منتشر ہو کر ادہر ادہر چلی گئی۔

واقعہ ذات الرجیع ۲۳ محرم سنہ ۴ھ

عضل اور قارہ کے چند آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ چونکہ ہمارا قبیلہ بہت کثیر ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہاں چند مبلغین اسلام تھوڑے دنوں کے لئے اس غرض خاص سے بھیجے جائیں کہ وہ ارکان اسلام اور احکام قرآن کی تعلیم دیں۔ اور اسلام کے طریقۂ عمل بتلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونکی استدعا کو قبول فرمایا۔ اور دس صحابی کی ایک جماعت طیار کر کے اونکے ہمراہ کر دی۔ وہ صحابہ یہ تھے۔

مرثد بن ابی مرثد

عاصم بن ثابت۔ خبیب ابن عدی۔ زید بن الدثنہ۔ عبداللہ بن الطارق۔ خالد بن البکیر۔ معتب ابن عبید اور تین صحابہ اور تھے جنکے نام بصراحت کتابوں میں نہیں ہیں۔

اس جماعت تبلیغی پر مرثد بن ابی مرثد اور بروایتی عاصم بن ثابت امیر مقرر ہوئے۔ یہ قافلہ اپنی میزبان جماعت بنی عضل و قارہ کے ہمراہ چلا۔ دن کو قیام کرتا تھا۔ رات کو چلتا تھا۔ صاف دل مسلمانوں نے اس نئے طریقہ سفر پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جسطرح وہ لیچلے۔ یہ چلے گئے۔ کیونکہ مسلمان اصول میزبانی اور تناسب و تعلق مہمانی کے اعتبار پر ان لوگوں سے

کسی قسم کے خوف و اندیشہ کا شبہہ نہیں کرتے تھے لیکن مسلمان ہمہ وقت مسلح رہتے تھے اسلئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی تاکید کر دی تھی۔ جماعت میزبان نے جو تعداد میں سات آدمی تھے اسکے متعلق ان سے کہا کہ آپ حضرات ہمیشہ سلاح جنگ کیوں پہنے رہتے ہیں۔ اس احتیاط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو نہ ہمارے اسلام پر اعتبار ہے اور نہ قول و کلام پر۔ آپ جس مقام پر جاتے ہیں اور جن لوگوں کے مہمان ہوتے ہیں۔ وہ آپ کے اخلاص مند ہم مذہب ہیں پھر اس احتیاط و استحفاظ کی کیا ضرورت ہے۔

مسلمانوں نے جواب دیا کہ سلاح جنگ کا پہنے رہنا بے اعتباری کے اصول پر نہیں ہے بلکہ حفاظت خود اختیاری کی بنا پر۔ اور ہم اس طریق کو ترک نہیں کر سکتے۔ اسلئے کہ حکم رسول صلعم ہے۔

جب یہ قافلہ مقام رجیع پر پہونچا جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے اور انھیں لوگوں کے علاقہ حکومت میں داخل۔ تو اس مہمان کُش قوم نے بدعہدی کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ مقام رجیع پر بلا ضرورت مقیم ہو گئے۔ اور قبیلہ بنی لحیان کے دو سو تیر اندازوں کو مسلمانوں کے قتل کر دینے کے لئے بلا لیا۔ اور وہ شخص جو ایک منزل پہلے سے بھیج دیا گیا تھا واپس آکر ان کا رہبر بنا۔ اور وہ ان شکار ان اجل کیطرف قاتلوں کو لگا لایا۔ علی الصباح دشمن کا دستہ فوج نمودار ہوا خالد بن البکیر نے دور سے اوس شخص کو دیکھکر پہچان لیا اور عاصم سے کہا کہ دیکھو ہمارے میزبانوں نے ہم سے ضرور دغا کی۔ عاصم بولے تم بالکل سچ کہتے ہو۔ لیکن دشمن سر پر آ گئے۔ اب باتوں کا وقت نہیں ہے مقابلہ پر آمادہ ہو جاؤ مرو گے ضرور لیکن شریفانہ اور دلیرانہ موت مرو۔ خدا و رسول صلعم کی اطاعت میں جانیں فدا کرو۔ شکر کرو اور یقین رکھو کہ تمہارے لئے یہ موقع شہادت خدا کی عین عنایت ہے۔ یہ سنکر دس صحابیوں کی جماعت مقابلہ پر طیار ہو گئی۔ اتنے میں خطاکاروں کا دستہ بھی آ گیا۔ عاصم سے خطاکار کہنے لگے کہ ہم سے مقابلہ کا قصد نہ کرو۔ مٹھی بھر آدمی اتنی کثیر جمعیت کا کیا کر سکتے ہیں جانیں مفت ضائع نہ کرو۔ ہم تم لوگوں کو اپنی طرف سے خود امان دیئے دیتے ہیں۔ عاصم بولے ہمکو خدا کی راہ میں نہ جان کی پرواہ ہے اور نہ موت کا خوف۔ اور نہ ہم تمہاری امان لیکر اپنے خلوص ایمان پر مشرکین کے احسان اور عفو جان کا بدنما داغ لگا سکتے ہیں۔ جو ہم پر پیشدستی کریگا۔ ہم مدافعانہ طریقہ کے ساتھ اوس سے ضرور لڑینگے۔ ماریں گے اور مریں گے۔

عاصم کا یہ دلیرانہ جواب سُنکر مہمان کُش جماعت بڑھی۔ دلیر مسلمانوں نے خطاکاروں کا تیروں سے جواب دیا ترکش خالی ہو گئے۔ تو نیزوں سے لڑے۔ نیزے ٹوٹ گئے تو تلواریں لیکر دوہس پڑے۔ یہانتک کہ سب کے سب مارے گئے۔ صرف دو آدمی خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے بچ گئے۔ اور اون لوگوں نے مشرکین کی شرط امان قبول کر لی۔ پہاڑ سے نیچے اوترے تو کفار نے ان سے بھی نقض عہد کیا۔ اور اون کو گرفتار کر کے مکہ میں لے آئے۔

سلافہ کے انعام کی لالچ سے لوگوں نے عاصم کا سر کاٹنا چاہا۔ لیکن قدرت خدا سے انکی لاش پر شہد کی مکھیوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ کسی کو انکے سر کاٹنے کی جرات نہ ہو سکی۔ اسکے بعد۔ بروایت روضۃ الاحباب ایک پہاڑی چشمہ کی سیل

آجانے سے انکی لاش اوس مقام سے بہ گئی اور پھر کہیں نہ ملی - اس طرح خدا کی قدرت نے انکی لاش کو ذلت و خواری سے بچا لیا۔

خبیب و زید پر کیا گذری حسب ذیل ملاحظہ ہو۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ خبیب اور زید کو گرفتار کر کے مکہ میں لے گئے - اور وہاں پہونچکر دونوں بزرگوں کو ٹکڑے یا زر بیچ ڈالا - خبیب کو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خرید لیا - اسلئے کہ خبیب نے جنگ احد میں اونکے باپ حارث بن عامر کو قتل کیا تھا - زید بن الدثنہ کو صفوان بن امیہ نے قتل کی نیت خالص سے خرید لیا۔

ہم ان دونوں فدائیان اسلام میں سے پہلے خبیب بن عدی کی مصیبتناک سرگذشت ذیل میں بیان کرتے ہیں

خبیب بن عدی کی مصیبتناک سرگذشت

حارث کے تینوں بیٹوں نے خبیب کے قتل کئے جانے کے بڑے انتظام کئے - اس لیے فراہمی سامان اور درستی انتظام تک انکو اپنے گھر میں قید رکھا - انکو گھر کے قیدخانہ میں چند روز گذرے تھے کہ ایک دن یہ عامر کی نواسی کو گود میں لئے گھر کے غلاموں کی طرح کھلا رہے تھے - اتفاق وقت سے اونکے ہاتھ میں اوسوقت ایک چھوٹی سی چھری تھی - لڑکی کی ماں اتفاقاً اودہر سے آنکلی - انکی گود میں لڑکی ہاتھ میں چھری دیکھکر خوف و اضطراب کے عالم میں زرد ہو گئی - خبیب اوسکے چہرے سے اوسکے محسوسات قلبی کو پہچان گئے - فوراً کہنے لگے - تم ہر طرح خاطر جمع رکھو - مسلمان ایسے بیدرد نہیں ہیں کہ معصوم کو بیگناہ قتل کر دینگے - یہ دینداران اسلام کا کام نہیں بلکہ خونخوار ظالم کا - لڑکی کی ماں کو قدرے اطمینان تو ہوا اوس نے لڑکی کو فوراً انکی گود سے لے لیا پھر انکی باتوں کو حیلۃ الوقتی پر محمول کر کے اپنے بھائیوں سے سارا واقعہ کہدیا - وہ بھی باپ کے قاتل ہونیکی وجہ سے ڈر گئے - اور خبیب کو کچھ گھر ہی سے نہیں - بلکہ حد و حرم سے باہر لے جاکر مقام تنعیم میں جاکر قید کر دیا۔

دو چار روز کے بعد تمام عمائد اور اکابر قریش اور دیگر قبائل کے اشراف و سردار کو دعوت دی گئی اور یہ انبوہ کثیر غریب خبیب کا صلیب پر تماشہ دیکھنے کے لئے بڑے شوق سے جمع ہوا۔ صفیر بلگرامی مرحوم ؎

تیغ وہ کھینچے ہوئے ہیں اپنے بیگانے ہیں جمع	آج مقتل میں ہمارا امتحان ہونے کو ہے

خبیب کے لئے سولی پہلے ہی سے تیار ہو چکی تھی - جب یہ کشاں کشاں صلیب تک لائے گئے - تو اونھوں نے استقلال و پائداری سے کہا کہ ہمیں صرف دو رکعت نماز پڑھ لینے دو - اجازت ملی - انھوں نے نماز پڑھ لی نماز پڑھ کر کہا جی تو چاہتا تھا کہ نماز آخر تجمیع خاطر کے ساتھ دیر تک پڑھوں لیکن ہمیں صرف یہ خیال آیا کہ تم لوگ سمجھو گے کہ موت کی خوف سے ڈرتا ہے اس لئے نماز میں دیر لگاتا ہے - یہ کہکر بکمال استقلال مرنے پر طیار ہو گئے - سولی پر چڑھ گئے - اور یہ اشعار زبان پر جاری کئے۔

وما ان ابالی حین اقتل مسلما	علی ای شق کان للہ مصرعی
جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جاتا ہوں تو	مجھکو یہ پروا نہیں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا

وذلک فی ذات الاله وان یشأ ۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ جو کچھ ہے خالص خدا کیلئے ہے۔ اگر وہ چاہیگا تو جسم ۔ کے ان پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل فرمائیگا

افسوس ہے شبلی صاحب نے اس کامل الایمان بزرگ کے صرف دو شعر لکھکر اپنی اختصار پسندی کی داد لینی چاہی ہے۔ حالانکہ انکی یہ نظم طویل ہے۔ اور منظر شہادت ثبات ایمان وپاداری۔ استقلال فی الاسلام اور وفاداری کی پوری تفصیل ہے۔ ہم اسکو رحمۃ العالمین سے بالتمامہ ذیل مین نقل کرتے ہین۔

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ۔ قبائلهم واستجمعوا کل مجمع

اسوہ وانسوہ لوگ میرے گرد اگرد جمع ہوگئے ہین ۔ اور اونھون نے بڑی بڑی جماعتون کو بلا لیا ہے

وکلهم مبدی العداوة جاهد ۔ علی لانی فی وثاق بمضیع

کہ سب کے سب دشمنی اور عداوت کا اظہار کرنیوالے ہین ۔ اور مین اس ہلاکت گاہ مین بندھا ہوا ہون

وقد جمعوا ابناءهم ونساءهم ۔ وقربت من جذع طویل ممنع

قبیلون نے اپنی عورتون اور بچون کو بھی بلا لیا ہے ۔ اور مجھے ایک مضبوط اور طویل لکڑی مین باندھا ہے

وقد خیرونی الکفر والموت دونه ۔ وقد هملت عینای من غیر مجزع

انھون نے کہدیا ہے کہ کفر اختیار کرکے آزادی ملسکتی ہے ۔ اس سے تو موت میرے لئے آسان تر ہے میری آنکھون سے لگاتار آنسو جاری ہین مگر مین بے صبر نہین ہون

فلست بمبد للعدو تخشعا ۔ ولا جزعا انی الی الله مرجعی

مین دشمن سے نہ عاجزی کرونگا اور نہ چلاؤن گا ۔ اسلئے کہ مین جانتا ہون مین خدا کیطرف جاتا ہون

وما بی حذار الموت انی لمیت ۔ ولکن حذاری جحم نار ملفع

موت سے مجھے ڈر اسلئے نہین ہے کہ مین تو مرجاؤن گا ۔ لیکن مین تو لپیٹ کھانیوالی آگ سے ڈرتا ہون

فذا العرش صبرنی علی ما یراد بی ۔ فقد بضعوا لحمی وقد یاس مطمعی

اوس عرش کے مالک نے کچھ خدمت مجھسے لینی چاہی ہے ۔ اور مجھے صبر کیلئے فرمایا ہے اب اونھون نے زدوکوب سے میرا تمام گوشت کوٹ ڈالا ہے اور میری امید جاتی رہی ہے۔

الی الله اشکو غربتی ثم کربتی ۔ وما ارصد الاحزاب لی عند مصرعی

مین اپنی بیکسی و بیوطنی کی فریاد۔ اور دشمنون کی ۔ اُن آرزوؤن کی فریاد جو میری جان لینے کے بعد کیتے ہین خدا کرتا ہون

ولله ما ارجو اذا مت مسلما ۔ علی ای جنب کان فی الله مصرعی

تو جب مین اسلام پر جان دے رہا ہون۔ تو مین ۔ یہ پروا نہین کرتا کہ مین کس پہلو پر گر کر جان دیتا ہون

وذلک فی ذات الاله وان یشأ ۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

خدا کی ذات سے امید لگی ہے۔ اگر وہ چاہے

تو میرے ہر پارہ گوشت کو برکت عطا فرمائے

ان اشعار کو پڑھکر اوس اہل وفا اور کامل الولا نے بارگاہ خدا مین ہاتھ اوٹھا کر یون دعا کی۔

اللھم انا بلغنا رسالۃ رسولک فبلغہ ما تصنع بنا

پروردگار ہم نے تیرے رسولؐ کی رسالت ادا کر دی۔ تو اپنے رسول کو ہمارے حال سے آگاہ کر دے۔

دعا کے بعد۔ یہ فدائی اسلام سولی پر کھڑا رہا۔ چالیس جوان نیزہ دار نیزون کی نوکون سے اسکے بدن کو کونچنے لگے اون کی ہر ضرب پر انکا جسم زار اوہر سے اودہر ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ کامل الایمان ہر بار اپنا منہ کعبہ کی طرف پھیر کر فرماتا تھا۔

الحمد للہ الذی جعل وجھی نحو قبلۃ التی رضی لنفسہ ولنبیہ وللمومنین۔

اوس خدا کا شکر ہے جس نے میرے منہ کو قبلہ کی طرف پھیر دیا اور جسکو اپنی ذات سے اپنے نبیؐ سے اور مومنین سے راضی بنا لیا ہو

اس اثنا مین ایک بیدرد نے ایسا نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور مظلوم خبیب اقرار توحید و رسالت کر کے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

محدثین کا اتفاق ہے کہ اسیوقت سے یہ دستور ہو گیا کہ مقتول قاتل سے دو رکعت نماز کی اجازت لیکر نماز پڑھ لیتا ہے۔ تو قتل کیا جاتا ہے۔ اس امر پر بھی تمام محدثین و مورخین کا اتفاق ہے کہ خبیب بن عدی کے مرقومہ بالا اشعار و دعا نے حاضرین مقتل کے قلوب پر ایسا ہیبت اثر پہونچایا کہ وہ حواس باختہ ہو گئے اور تماشائیان قتل مین سے چند لوگون کے حال روضۃ الاحباب سے ذیل مین نقل کئے جاتے ہین۔

معویہ ابن ابوسفیان گوید من دران واقعہ حاضر بودم پدرم مرا بر زمین خوابانیدہ از خوف و ہیبت دعای وے و در میان عرب چنان شہرت داشت کہ چون بر کسی دعا بد کنند اگر مدعو علیہ بر زمین اضطجاع کند دعا او درحق وے اثرے نباشد۔

امیر معویہ کا بیان ہے کہ مین اس واقعہ مین موجود تھا اور میرے باپ ابو سفیان نے مجھے خبیب کی دعا کی ہیبت و خوف سے اوندہا زمین پر لٹا دیا تھا کیونکہ عرب مین یہ مشہور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کے حق مین دعاے بد کرے تو جس پر دعاے بد کیجاتی ہے وہ شخص زمین پر اوندہا لیٹ جائے تو دعا کا اثر جاتا رہتا ہے۔

از خویطب بن عبد العزیٰ منقول است کہ گفت من ہر دو انگشت خود را در گوشہاے خود نہادم و از انجا بگریختم از ترس دعوت او۔ روضۃ الاحباب ص

خویطب بن عبد العزیٰ کہتے ہین کہ خبیب کی ہیبت دعا سے مین نے اپنے کانون مین اونگلیان دے لین اور وہان سے مارے خوف کے بھاگ آیا۔

حکیم بن حزام گفت من در پس درختے متواری ساختم از ہیبت دعائے او۔ روضۃ الاحباب۔

حکیم بن حزام کہتے ہین کہ مین اونکی دعا کی ہیبت سے بھاگ کر اک درخت کے پیچھے چھپ گیا

عمر بن الخطاب سعید بن عامر را در زمان خلافت خویش امیر حمص گردانیدہ بود و را گاہ گاہ غشی حاصل می شد عمر از وے پرسید کہ ترا اگر سودائی در بودگی ہست گفت یا امیر المومنین مرا سودا در بودگی نیست و لیکن من در روز قتل خبیب حاضر بودم و دعا ویرا شنیدم ہرگاہ کہ بخاطرم خطور می کند بے خود می شوم۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سعید بن عامر امیر حمص تھے اونکو کبھی کبھی بیہوشی ہوجایا کرتی تھی۔ ایکبار حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہیں جنون وبیہوشی کی بیماری ہے اونھوں نے کہا یا امیر المومنین نہ مجھے جنون ہے نہ بیہوشی کا مرض۔ بات یہ ہے کہ میں قتل خبیب کے موقع پر حاضر تھا جب اوس خوفناک منظر اور اونکی دعا کو یاد کرتا ہوں بیخود ہوجایا کرتا ہوں۔ روضۃ الاحباب و رحمۃ العالمین

زید بن الدثنہ کا عبرتناک قتل

زید بن الدثنہ کا قتل بھی تماشہ کی غرض سے منظر عام میں بڑی تیاریوں کے ساتھ عمل میں لایا گیا حاضرین میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب یہ اجل نصیب تلوار کے نیچے بیٹھ چکے تو ابوسفیان تعریضًا زید سے پوچھنے لگا۔ کہو زید اگر اسوقت تمہاری جگہہ محمد (صلعم) ہوتے تو کیا تم اسکو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟ یہ کافل الولا فورًا بول اوٹھا۔ رب کعبہ میں تو اپنی جان کو اسکے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلعم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ ان غریب کے قتل میں بھی ذلت کا ایک خاص شعبہ لگا دیا گیا۔ وہ یہ ہے کہ کسی قریش نے انکی گردن نہیں ماری۔ بلکہ صفوان بن امیہ نے اپنے غلام نسطاس کو حکم دیا اور اوس بیدرد نے انکا سر قلم کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون طبری ص ۳۵ ج ۳

ان شہیدان راہ خدا کے حالات کو خاتمہ تک پہونچا کر اب ہم مہمان کش سفیان بن خالد کی محرومی قسمت کی کیفیت لکھتے ہیں۔

صاحب روضۃ الاحباب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں فدائیان اسلام کے قتل کے بعد سفیان سلافہ بنت سعد کے پاس سو اونٹ کا موعودہ انعام جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ لینے گیا۔ اوس عورت نے جواب دیا کہ ہم سے عاصم کے سر لانیکا وعدہ تھا۔ جو ہمارے بچے کا قاتل تھا۔ تم تو ان لوگوں کے سر لائے ہو۔ جنمیں سے کوئی بھی میرے بیٹے کا قاتل نہیں ہے اس بنا پر میں تمہیں کچھہ نہیں دونگی سفیان اپنا سا منہہ لے کر واپس آیا ص ۲۸۴

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ ہجری

بیر معونہ کا واقعہ صفر ۴ھ ہجری میں وقوع پذیر ہوا مشرکین عضل و قارہ کی مکارانہ مفسدہ انگیزیوں کی طرح قبائل نجد عصیہ رعل اور ذکوان بھی استیصال اسلام پر کمربستہ ہوگئے تفصیل یہ ہے۔

ابوالبراء عامر کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا کہ میری تمام قوم اسلام لانے کے لئے طیار ہے۔ چند مبلغین اسلام ہمارے قبیلہ میں بھیجدیے جائیں کہ وہ انکو دین اسلام کے احکام و ارکان کی تعلیم دیں۔ قبیلہ کلاب اتنا بڑا تھا کہ علاقہ نجد تک پھیلا ہوا تھا۔ اور نجد کے قبائل عصیہ رعل اور ذکوان سب اسکی زیر سایہ و زیر اثر تھے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکی درخواست کے جواب میں فرمایا

انی اخشی علیہم اھل النجد | مجھکو ساتھیوں کی نسبت اہل نجد کی طرف سے خوف ہے۔

آنحضرت صلعم کا یہ جواب بے سبب نہیں تہا قبائل نجد کے امیر عامر بن الطفیل نے ایکبار آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا تھا کہ اگر آپ میرے شرائط کو قبول کرلیں تو میں اسیوقت سے اسلام کا رفیق بنجاتا ہوں پہلی شرط یہ ہے کہ عرب کے جتنے صحرا وبادیہ ہیں انکی ملکیت خاص الخاص آپ کے تعلق ہے۔ دوسری یہ کہ عرب میں جتنی بستیاں اور آبادیاں ہیں انکا مالک ومتصرف میں بنایا جاؤں۔ تیسری یہ کہ آپ اپنے بعد مجھے اپنا قائم مقام مقرر کرجائیں۔ اگر یہ شرائط منظور ہیں تو میں خدمت ورفاقت کو حاضر ہوں۔ ورنہ قبیلہ غطفان کو لے کر مدینہ کا محاصرہ کرلوں گا اسوقت آپ کو مشکل ہوجائیگی۔ آنحضرت صلعم نے اوسکے مجنونانہ اور مغرورانہ شرائط کو مسترد فرمادیا۔ اور قاصد کو واپس دیا۔ اسوقت نجدیوں سے یہی خوف تھا۔

ابوالبراء نے گذارش کی۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں جماعت مبلغین کی حفاظت جان کا ضامن ہوں۔ ابوالبراء کی ضمانت قبول کرلیگئی۔ اور ستر انصار ساتھ کردیے گئے۔ چونکہ ابوالبراء پر پورا اعتبار تھا۔ اور کسی مخالفت کا اندیشہ نہیں تھا۔ اور ضرورت بھی صرف تبلیغ وتعلیم دین کی تھی۔ اسلئے موجودہ جماعت مبلغین میں کوئی بزرگ نبرد آزما اور جنگی خدمات کے قابل نہیں تھے۔ قریب قریب تمام بزرگوار صاحبان تقویٰ وعبادت تھے۔ اکثر صاحب صُفّہ تھے جو بالکل درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

معلّمین دین کی یہ جماعت بیر معونہ پر پہونچکر مقیم ہوئی۔ اور حرام بن ملحان کو جناب رسول خدا صلعم کا کرامت نامہ دیکر قبائل کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا۔ عامر بن طفیل کو حرام نے جب نامۂ رسولؐ دیا۔ تو عامر نے خط لیکر حرام کو قتل کرادیا۔ اور قبائل عُصیّہ رعل اور ذکوان کو جمع کرکے مبلغین اسلام کی جماعت پر چڑہ آیا۔ صحابہ مبلغین حرام کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ جب امید سے زائد دیر ہوئی تو یہ سب کے سب خود چلے راستہ ہی میں تھے کہ فوج مخالف سے مقابلہ ہوگیا۔ وہ جنگجو جماعت آلات حرب وضرب سے طیار تھی اور ان فقراء وصلحاے اسلام کے پاس سوائے مصلاً وعصا کے کچھ بھی نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب راہ خدا میں وہیں شہید کردیے گئے۔ صرف عمرو بن اُمیہ کو عامر نے یہ کہکر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مان لی ہے اس لئے میں تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔ یہ کہکر اسکے سر کے آگے والے بال کاٹ لئے اور نشان غلامی بناکر چھوڑدیا۔ عمرو بن امیہ بڑی مشکل سے دن کو چھپتے۔ راتوں کو چلتے چلتے مدینہ میں پہونچے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بلا ومصیبت کی روئداد عرض کردی

آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کا ایسا صدمہ ہوا کہ ایسا غم والم آپ کو کبھی نہوا تھا۔ مہینہ بھر کامل صبح کی نمازمیں ان قبائل پر بددعا فرماتے رہے۔

عمرو بن امیۃ الضمیری نے رستہ میں دو آدمیوں کو بنی عامر کے قبیلہ سے سمجھکر قتل کرڈالا تھا۔ حالانکہ وہ عامر کے

قبیلہ کے آدمی نہین تھے۔ انکا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار ہوا۔ آپ نے دونو مقتولین کی دیت اپنے پاس سے اونکے ورثا کے پاس بھجوا دی۔ زرقانی جلد دوم ص ۸ طبری ص ۱۴۴۸۔

غزوۂ بنی نضیر

(ربیع الاول ۴ ہجری)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمرو بن امیہ الضمیری نے غلط فہمی سے دو آدمیون کو جو بنی عامر کے قبیلہ سے نہین تھے۔ لیکن اونکے علاقہ کے تھے قتل کر ڈالا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مبادرت ناگوار ہوئی تھی اور آپ اونکی دیت ادا ہونے پر فوراً آمادہ ہو گئے۔ چونکہ یہودان بنی نضیر بظاہر اسوقت تک اسلام کے ساتھ شریک معاہدہ تھے اس بنا پر دیت کا ایک حصّہ اونکے ذمہ بھی واجب الادا تھا۔ اسی کی وصولی کے لئے۔ آپ چند ممتازین صحابہ کو جن مین حضرت علی مرتضیٰؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ زبیر بن العوام۔ سعد بن ابی وقاص۔ سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ وغیرہم کے نام خصوصیت سے بتلائے جاتے ہین۔ ہمراہ لے کر بنی نضیر کے محلہ مین جو مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ تشریف لے گئے۔

بدر کے بعد ہی سے یہودیون کے خیال مین اسلام کی طرف سے جو انقلاب عظیم پیدا ہوا تھا وہ اوپر تمام بیان ہوتا آیا ہے۔ ایک تو اسلام کی طرف سے انکا طبعی بغض و عناد۔ دوسری قریش سے ساز باز اور اتحاد۔ انکو رگ رگ مین اسلام کے استیصال کے لیے اشتعال دے رہا تھا۔ ان اسباب کے علاوہ۔ انکا انتہا درجہ کا تمول۔ کثرت سے مال و دولت۔ فروغ یافتہ تجارت۔ عالمگیر کاروبار۔ بڑے بڑے مضبوط اور سنگین قلعے۔ ضرورت سے زائد اسلحات و آلات جنگ۔ ان سب کے ساتھ۔ فوج کی فوج۔ حشم خدم۔ نوکر۔ چاکر۔ ہر دم موجود اور انکے پیش نظر تھے اتنی ذی اقتداری اور خود اختیاری کی حالت شباب مین پھر وہ کس کی سننے والے تھے۔ ان تمام اسباب نے اونکے دماغون مین نخوت و غرور کی یہ کیفیت پہونچا رکھی تھی کہ وہ اپنے آگے بڑے بڑے ملوک و سرداران عرب کی کوئی ہستی نہین سمجھتے تھے۔ لیکن باینہمہ ساز و سامان۔ ان سے مقابلہ و مقاتلہ کے معاملات تبلا رہے ہین کہ یہ مونہہ کے کڑے تھے۔ مگرول کے بڑے بودے۔ تن و توش کے بھاری لیکن طبیعت کے بالکل ہلکے جوڑ توڑ۔ ساز باز اور مکر و دغا سے بھرے مگر شجاعت و دلیری سے علی الاکثر خالی تھے۔

قتل رسول کی مکارانہ ترکیب چنانچہ اس موقعہ پر بھی۔ جرأت و ہمت پر تکیہ نہ کر سکے کرنے بھی چلے تو وہی مکاری۔ دغابازی اور غداری۔ تفصیل یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے محلہ مین آئے۔ تو ایک دیوار کے سایہ مین بٹھا کر یہودیون نے اداے دیت کے

متعلق گفتگو فرمانے لگے۔ یہودیوں کے تمام عمائد و اکابر سلام ابن مشکم، سلام بن ابی الحقیق[1]، کنانہ بن ربیع اور حی بن اخطب وغیرہ سب موجود تھے۔ آپ کی تحریک کی نسبت یہ مکار اپنی رضامندی اور اتفاق کا اظہار بھی کر رہے تھے اور ادوہر عیاری اور مکاری کی چھپی چھپی جنگین بھی چل رہی تھیں۔ انہوں نے مخفی طور پر اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آئیگا ہم میں سے ایک آدمی مکان کی چھت پر جا کر ایک بڑا بھاری پتھر آپ کے سر پر چپکے سے گرادے۔ بس قصہ تمام ہے پہلے اس تجویز میں کچھ اختلاف ہوا لیکن پھر دوبارہ اتفاق بھی ہو گیا۔ عمرو بن حجاش تعمیل کے لئے پتھر لیکر مکان کی چھت پر چڑھ بھی گیا

ادہر حافظ حقیقی نے خبر کر دی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً قضائے حاجت کی ضرورت بیان فرما کر وہاں سے اوٹھے اور براہ راست مدینہ چلے آئے۔ صحابہ کو وہیں چھوڑ دیا۔ ان حضرات کو سوائے اسکے کہ رسول اللہ صلعم قضائے حاجت کی ضرورت سے گئے ہیں۔ فوراً چلے آئینگے اور کیا معلوم تھا۔ چنانچہ یہ حضرات دیر تک آپکی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ جب انتظار انتشار کی حد تک پہونچ گیا تو یہ لوگ بھی مدینہ کی طرف لوٹے۔ راستہ میں ایک آدمی سے آنحضرت صلعم کی خیریت پوچھی اوسنے بیان کیا کہ میں آپ کو ابھی ابھی مدینہ میں دیکھتا چلا آتا ہوں۔ یہ سنکر سب مطمئن ہوگئے۔ مدینہ پہونچے۔ اور خدمت رسول ص میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ چنانچہ تفسیر مجاہد وغیرہ سے آیہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ	اے ایمان والو۔ یاد کرو خدا کی نعمت کو۔ اوسدن جبکہ ایک قوم نے تم پر اپنے دست (غداری) دراز کرنے چاہے تھے تا آخر آیہ در رکوع ۲ پارہ ۶

میں اسی طرف اشارت فرمائی گئی ہے۔ یہودیوں کی یہ غداری اگر چل جاتی تو کیا قیامت ہوتی۔ اسی وقت اسلام کا خاتمہ تھا۔ یہی واقعہ بنو نضیر کی اہمیت جرم کے ثبوت میں کافی ہے۔

بنی نضیر کا محاصرہ جناب رسول خدا صلعم نے صحابہ کو بھی بخیر و عافیت واپس آتے ہوئے دیکھ لیا تو آپ بنی نضیر کی تنبیہہ کیطرف سے ایک لحظہ کے لئے بھی توقف کو مصلحت نہ سمجھا۔ محمدؐ بن مسلمہ کی معرفت اونکے پاس بیک لفظ کہلا بھیجا کہ تم لوگ اپنے اس مکارانہ اور غدارانہ قصد و حرکات کی پاداش میں ایک بار جوار مدینہ کو چھوڑ دو اور چلے جاؤ۔

ادہر یہ پیام گیا۔ اودہر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول نے۔ جو ہر وقت پہلو کا دشمن تھا اپنا آدمی بھیجکر بنو نضیر سے کہلا بھیجا کہ تم ہرگز جلاوطن ہونے پر راضی نہ ہونا۔ ہم دو ہزار آدمیوں کی جماعت سے تمہاری حمایت پر طیار بیٹھے ہیں۔ اور یہودان بنی قریظہ بھی تمہاری استمداد و استعانت کو فوراً پہونچ جائینگے۔ قرآن مجید میں اس منافق کی فتنہ انگیزی کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

---

[1] سلام بن ابی الحقیق جسکی کنیت ابو رافع تھی وہ سنہ ہجری میں قتل ہو چکا تھا۔ جیسا کہ زرقانی باسناد علامہ ابن حجر کے حوالہ سے ابھی بیان ہو چکا ہے ممکن ہے کہ یہ سلام بھی بن ابی الحقیق کوئی دوسرا یہودی ہو۔ اگر یہ نہیں مانتے ہے تو پھر اس اختلاف کا باعث وہی علماء کا اختلاف یاں ہے جو سلام ابن ابی الحقیق کے واقعہ قتل کو واقعہ بنی نضیر کے بعد بتلاتے ہیں لیکن اس سے صحیح بخاری کی تکذیب ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب ص ۱۵۱

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ	تم نے دیکھا۔ منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہا نہ مانیں گے۔ اگر کوئی تم سے لڑا تو ہم تمہاری مدد کو آئیں گے۔

عبداللہ بن ابی کی اس بھڑکی نے بنی نضیر کے غرور و نخوت کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ محمد بن مسلمہ وہیں موجود تھے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا ابھی کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ یہودیوں میں ابھی تک کھچڑی پک رہی تھی کیا جواب دیا جائے اس اثنا میں عبداللہ بن ابی کا پیام سنکر یہودی سب کے سب بپھر گئے۔ حی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے محمد بن مسلمہ سفیر اسلام سے کہدیا کہ جاکر محمد (صلعم) سے کہدو ہم اپنے مقام سے کہیں جنبش نہیں کرنے والے اونکے جو جی میں آوے وہ کریں دیکھا جائیگا محمد بن مسلمہ نے واپس آکر یہودیوں کا یہ مغرورانہ جواب خدمت رسول صلعم میں عرض کر دیا۔ اور اونکے محاصرہ کا حکم فرمایا ان اسباب کے ساتھ شبلی صاحب نے سنن ابو داؤد کے حوالے سے ان واقعات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ آپ کی عبارت داخلی یہ ہے

اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے بنی نضیر سے کہلا بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دو۔ ورنہ ہم خود آکر تمہارا خاتمہ استیصال کر دینگے۔ بنو نضیر پہلے ہی سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیام نے اونکو اور زیادہ آمادہ کر دیا۔ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لیکر آئیں ہم بھی اپنے احبار لیکر آئیں گے اگر ہمارے احبار (علمائے یہود) آپ کی تصدیق کرینگے تو ہمکو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی طیاری کر چکے تھے آپ نے کہلا بھیجا کہ جبتک ایک معاہدہ نہ لکھدو میں تم پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپ یہود ان بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور اون سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی۔ اونھوں نے تعمیل کی۔ بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ اونکے برادران دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے لیکن وہ کسیطرح معاہدہ لکھنے پر راضی نہ ہوئے بالآخر اونھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس پیام بھیجا کہ آپ تین آدمی لیکر آئیں ہم بھی تین آدمی لے کر آتے ہیں۔ یہ علما اگر آپ پر ایمان لائینگے تو ہم بھی لائینگے آپ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی کہ یہود تلواریں باندھ کر آمادہ ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔

سیرۃ النبی ص ۳۰۰

شبلی صاحب نے انھیں واقعات کو اصلی سبب قرار دیکر اپنا مختار بنایا ہے۔ چنانچہ فوٹ نوٹ میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

یہ تفصیل سنن ابو داؤد میں ہے تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابو داؤد کی اس روایت سے بالکل بےخبر ہیں بعد حافظ ابن حجر (۲) کی یہ عبارت فتح الباری واقعہ غزوہ بنی نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵ میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں

ترجمۃ الباب یہ ہے۔ باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حقیقت حال کی طرف جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ارباب حدیث پر اعتبار کرکے اپنا یہ مختار قایم کیا ہے - اور جس روایت کو معاملات بنی نضیر کا اصلی سبب قرار دیا ہے وہ خود ارباب سیرت کیا اصحاب حدیث کے نزدیک بھی ثابت نہیں۔ افسوس ہے کہ فتح الباری کی عبارت پر غور کی نظر نہیں کی گئی اور نہ اوسکی پوری عبارت لکھی گئی اوسمیں تلاش نہیں کی گئی۔ ورنہ اسکی صحت و اعتبار کی حقیقت کا اوسیوقت پورا انکشاف ہوجاتا۔ تعجب تو یہ ہے کہ زرقانی جو ہر وقت پیش نظر ہے - اوسمیں بھی اسکی قرار واقعی تلاش نہیں کی گئی - ورنہ یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی۔

زرقانی جلد دوم ص ۹۲ میں اسباب واقعات بنی نضیر کے متعلق ابن حجر صاحب فتح الباری کا یہ قول مرقوم ہے

واذا ثبت ان سبب جلاء بنی النضیر همهم بالفتك به ﷺ وهو انما وقع عندما جاء الیهم یستعین فی دیة قتیلی عمرو

جلا بنی نضیر کا سبب وہی بات ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ بنی نضیر نے آنحضرت صلعم کے ساتھ دغا کا ارادہ کیا تھا جب آپ اون سے کشتگان عمر کی وصولی دیت کے خواستگار ہوئے تھے -

اس کے بعد آپ نے جس عبارت فتح الباری سے اسکی صحت ثابت کی ہے وہ یہ ہے ابن مردویہ کی روایت لکھکر ابن حجر لکھتے ہیں

وفی هذا رد علی زعم ابن التین انه لیس فی هذه القصة حدیث باسناد - وهذا اقوی مما ذکر ابن اسحاق ان سبب غزوة بنی النضیر طلبه صلی الله علیه وآله وسلم ان یعینوه فی دیة الرجلین لکن وافقه جل اهل المغازی زرقانی ص ۹۴

اس روایت میں علامہ ابن التین کی رد ہے جنکا یہ زعم ہے کہ بنی نضیر کے قصہ میں سوائے دیت کے واقعہ کے، اور کوئی حدیث ہی نہیں ہے - اور یہ قوی ہے۔ اوس سے جو ابن اسحاق نے جلا بنی نضیر کے سبب میں لکھی ہے کہ غزوہ بنی نضیر کا سبب دونوں مقتولین کی دیت تھی لیکن اسکو کیا کیا جائے گا کہ اسی حدیث پر تمام اکابر اہل مغازی کا اتفاق ہوچکا ہے۔

یہی حال ہے صحیح بخاری کی سند کا شبلی صاحب عبارت عنوان میں غدر کا لفظ دیکھکر اپنے دعوے کی تصدیق فرماتے ہیں حالانکہ دیت رجلین کے صاف الفاظ موجود ہیں - جو بتلاتے ہیں کہ سبب اصلی وہی رجلین کا معاملہ ہے اور لفظ غدر سے بھی وہی پتھر گراکر مار ڈالنے والی غداری مقصود ہے - نہ آپ کے مرقومہ اسباب مناظرہ و کلام اور حملات بالسیف جسکو آپ سنن ابو داؤد کے حوالے سے لکھکر ارباب سیر و تاریخ کو چیلنج دے رہے ہیں - بخاری کا ایک لفظ بھی آپ کے دعوی کا موید نہیں ہے بلکہ صریح مخالف ہے -

بہرحال - یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا جو شبلی صاحب کے غلط مختار اور تحکمانہ اصرار سے ہمارے سلسلہ بیان میں خواہ مخواہ حائل ہوگیا - ہم مجبور ہیں شبلی صاحب علی الاکثر اپنے مختارات اور اجتہادات سے دوسروں کو مرعوب بنا لینا چاہتے ہیں - حقیقت

کے صریح مخالف ثابت ہوتا ہے۔ اس بنا پر اون کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت سے عدم فہمی رہجائیگی۔

ہم اس بحث کو تمام کرکے اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہین۔

یہان تک بیان ہو چکا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاصرہ بنی نضیر کا اعلان فرمادیا۔ فدائیان اسلام لبیک گویان طیار ہو گئے۔ سلاحین پہنکر ہتیار لگا کر خدمت رسول صلعم مین حاضر ہوگئے۔ آنحضرت صلعم نے جائزہ فوج لے کر علم فوج حضرت علی مرتضیٰ ع کو عنایت فرمایا اور محلہ بنی نضیر کیطرف جمعیت اسلامی کے ہمراہ روانہ ہوئے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کی آبادی مدینہ سے کل دو میل کے فاصلہ پر تھی۔ دم کے دم مین فوج اسلامی نے پہونچکر اونکے تمام محلہ کا محاصرہ کرلیا۔ یہودیون کے اتنے کلیجے کہان تھے کہ میدان پکڑ کر فوج اسلام سے مقابلہ کرتے۔ سب قلعہ بند ہو کر عبداللہ بن ابی کی دو ہزار والی جمعیت موعودہ کا انتظار کرنے لگے۔ اور اسی کے ساتھ بنی قریظہ کی کمک کی بھی امید لگائے رہے۔ پندرہ روز اسی انتظار مین گذر گئے۔ اور کوئی کمک سے نہ آیا اوپر لکھا جا چکا ہے۔ کہ عبداللہ بن ابی مسلمانون کے سامنے نہ آسکا۔ اسلئے کہ اگر وہ آجاتا تو پھر خود اوسکے نفاق کا راز سربستہ کھل جاتا اور اوسکے اظہار کفر کے چشم وبد واقعہ کو دیکھکر مسلمان کیا۔ خود اوسکے قبیلہ والے دیدار انصار۔ اوسکو قتل کرڈالتے لیکن اوسکا کام تھا۔ زبانی طمطراق۔ سازباز اور فساد و نفاق۔ وہ اوس نے کر دکھلایا۔

باقی رہے بنو قریظہ۔ اونکی یہ حالت تھی کہ وہ بنی نضیر کے ہمقوم وہم مذہب تو ضرور تھے لیکن وہ در بشیر اسلام سے معاہدۂ صلح کی تجدید کر چکے تھے۔ اوس سے خلاف ورزی کیسے کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ بھی مجبور تھے اب یہودیون کی محرومی کی حد نہ تھی۔

بنو نضیر اور شبخون کا ارادہ

ہر طرف سے مایوس ہو کر اب بنو نضیر کے پاس سوائے مکاری اور غداری کے کچھہ اور نہ تھا۔ اور اس مین یہ مدت سے مشاق تھے۔ محدث دہلوی اور صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہین کہ حی ابن اخطب سردار یہود نے اپنے فطرتی بزدلی تقاضہ سے لشکر اسلامی پر شبخون کی تدبیر نکالی اور خود تو جرأت نہ کرسکا۔ عزوہ بن اسیس ایک شریر النفس یہود کو اس مہم پر تعینات کردیا۔ دریافت احوال کی غرض سے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے۔ مسلمانون نے کوئی جواب نہ دیا اور خموش رہ گئے۔ انکی خموشی انکی غفلت کی علامت سمجھی گئی۔ دوسرے دن یہودی قوی دل ہو کر شبخون پر بالکل آمادہ ہو گئے۔

شام ہوئی تو حسب المعمول صحابہ نماز مغرب پڑھکر خدمت رسول ص مین بیٹھ گئے۔ خلاف معمول حضرت علی کو نہ پایا کچھہ دیر تک انتظار کیا۔ وہ نہ آئے۔ تو چونکہ دشمن کی طرف سے ہر وقت اندیشہ تھا۔ اسلئے صحابہ کو انکی طرف سے تشویش ہوئی۔ بالآخر آنحضرت صلعم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اونکے لئے تردد نکرو۔ اونکی غیر حاضری مصلحت سے

حالی نہین۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہودیون کے ان مکارانہ قصد وارادہ کی خبر لگ گئی تھی۔ اور آپ حضرت علی مرتضیٰ کو اسکے تدارک کے لئے مقرر فرما چکے تھے۔ اس بنا پر حضرت علیؑ شام ہوتے ہی دشمن کی غداریون کے سراغ مین مصروف تھے۔ اور اونکے آنے والے راستہ مین جا بیٹھے تھے۔ اونکی آمد کا انتظار کر رہے تھے یہان تک کہ تین ثلث رات گذر گئی۔ کچھ رات رہے عزوہ بن ابیس ایسے چند رفقا کے ساتھ آتا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت علیؑ نے اپنے مقام سے جھپٹکر اوس پر حملہ کیا اور اوسکو وہین قتل کر دیا۔ اسکے رفقا اوسکی اعانت کو پہونچے مگر اب کیا کر سکتے تھے۔ حضرت علیؑ کے شیرانہ حملوں سے اونکے مونہہ بھی پھر گئے۔ اس اثنا مین شور وغل سنکر حضرت ابو دجانہ انصاری اور سہل ابن حنیف بھی پہونچ گئے۔ یہودی مجبور ہوکر بھاگ گئے ؏ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

جناب علی مرتضیٰ۔ عزوہ کا سر لیکر خدمت رسول صلعم مین حاضر ہوئے۔ نماز صبح کے بعد آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلعم نے نظر مبارک اوٹھائی۔ تو سامنے علی مرتضیٰ کھڑے تھے۔ اور پائے مبارک کے قریب عزوہ ابن ابیس کا سر کٹا پڑا تھا۔ صحابہ سے ارشاد ہوا کہ شام سے علیؑ اس کام مین تھے۔ ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ۲ مطبوعہ نولکشور لکھنو ص ۲۷۱۔ روضۃ الصفا جلد دوم تاریخ الاسلام جلد دوم مطبوعہ لکھنو ص ۲۱۵

محاصرے کو جتنا طول ہوتا جاتا تھا۔ بنو نضیر کی مایوسی بڑھتی جاتی تہی۔ شبخون کی ناکامیابیون نے اونکی امیدون کا اور بھی خون کر دیا۔ یہودان بنی قینقاع کے نتیجے پیش نظر تھے وہ اور دل ہلائے دیتے تھے۔ اصول جنگ ومحاصرہ کے مطابق۔ جتنا عرصہ ہوتا تھا محصورین کیطرف سے وقوع جنگ کے قرائن قوی ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلعم نے مقابلہ کے احتمال سے قلعہ بنی نضیر کے سامنے والے نخلستان صاف کرا دیے۔ تاکہ میدان صاف ہو جائے اور غنیم انہی کمین گاہ کا فائدہ نہ اوٹھائین۔ خاصکر وہی درخت کٹوائے گئے تھے جو محض معمولی اور جنگلی پھل لاتے تے۔ اور جو عمدہ درخت تھے وہ چھوڑ دیے گئے تھے۔ قرآن مجید مین بھی اسکا ذکر موجود ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ	تم نے لینہ کے جو درخت کٹوائے اور جسقدر درخت قائم رہنے دیئے وہ سب خدا کے حکم سے ہے۔ تاکہ خدا فاسقون کو رسوا اور خوار کرے

لینہ جنگلی کھجورون کو کہتے ہین۔ جو اہل عرب کی خورش مین نہین ہے

بالآخر بنی نضیر کے لئے اب کوئی چارہ نہین رہا تو انھون نے صلح کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شرائط پر صلح منظور کر لی کہ بنو نضیر مال و اسباب اونٹون پر جتنا لیجا سکین لیجائین۔ اور مدینہ سے باہر نکل جائین یہود کو جانون کی پڑی تھی۔ فوراً راضی ہوگئے۔ صلحنامہ لکھا گیا۔ اور سب نے دستخط کر دیے۔

یہودی مدینہ سے نکالدئے گئے

روسائے بنی نضیر۔ سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب وغیرہ مدینہ سے

نکل کر خیبر چلے گئے۔ وہاں انکا اتنا اعزاز و اکرام کیا گیا کہ رئیس خیبر تسلیم کر لئے گئے انکی جلاوطنی اور خارج البلدی بڑی آن دار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ شبلی صاحب طبری کی عبارت سے ترجمہ فرماکر لکھتے ہیں۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے تھے لیکن اس شان سے نکلے تھے کہ جشن (زردان) کا دہوکا ہوتا تھا اونٹوں پر اور تھے ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں عروۃ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو انہوں نے خرید کر لیا تھا اور وہ بھی ساتھ ساتھ تھی اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سر و سامان کی سواری کبھی انکی نظر سے نہیں گذری تھی۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۳۰۲

بنو نضیر جو لیجا سکے لیگئے۔ جو بچ گیا وہ خدا و رسول صلعم کا عین المال قرار پایا۔ غیر منقولات میں مکانات اور قلعہ جات تھے۔ جن میں اکثر کو وہ اپنے ہاتھوں سے مسمار کر گئے تھے۔ اور نخلستان اور قطعات آراضی تھے منقولات میں پچاس زرہیں۔ پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔

قرآن مجید میں اسکا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ

وہ خدا ہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو اونکے گھروں سے نکال باہر کیا اور یہ اونکی تقدیر کا پہلا حشر تھا کہ نکالے گئے۔ (مسلمانو) تمکو تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ (وہ اپنے گھروں سے) نکلیں گے اور وہ اس خیال میں مست تھے۔ کہ اونکے قلعہ اونکو (خدا کی) پکڑ سے بچا لیں گے تو جدھر سے اونکو گمان بھی نہ تھا خدا کے لشکر نے اونکو آلیا اور اونکے دلوں میں (مسلمانوں کی) دھاک ڈالدی کہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔ اونکا یہ واقعہ صاحبان بصیرت کے لیے باعث عبرت ہے۔

انصار کا مہاجرین کے ساتھ بے مثال ایثار

تعجب ہے کہ شبلی صاحب نے مدینہ میں آمد مہاجرین کے ذکر میں تو انصار کے محاسن سلوک رعایات۔ مدارات۔ غرض تمام احسانات کا بالاختصار ذکر فرمایا ہے اور اوسی کے ساتھ انصار کے اس عظیم الشان ایثار کا بھی وہیں اشارہ کر دیا ہے۔ خیر وہ تو عنوان تھا اور تمہیدی بیان۔ اسمیں اسکی تفصیل قبل از وقت کا نقص پیدا کر دیتی لیکن یہ مقام تو اس ایثار کا خاص تھا۔ یہاں کیوں نہ بیان کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ انصار کی تفصیل خدمات کی طرف ابتدا ہی سے نظر توجہ بہت کم رہتی ہے۔ تمہیداً اتنا عرض کرکے ہم اسکی تفصیل کو ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

اوپر گذر چکا ہے کہ جسقدر جائداد منقولہ و غیر منقولہ بنی نضیر چھوڑ گئے تھے۔ وہ سب خدا و رسولؐ کا عین المال تھا۔ قرآن مجید میں اسکا حکم صریح یوں ہے۔

وَمَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ

(جو مال) اللہ نے رسولؐ کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دیے

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

تو (وہ) اللہ کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے قرابتداروں کا۔ اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا (یہ حکم) اسلئے (دیا گیا) جو لوگ تم میں مالدار ہیں پس (مال) ان ہی میں دائر نہ رہے مسلمانو جو چیز پیغمبر تمکو دے وہ تو لیا کرو اور جسکے لینے سے تمکو منع کرے اوس سے دست کش رہو اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ خدا کی مار بڑی سخت ہے (ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب ص ۸۷۲

پھر وجہ اختصاص حقوق خدا و رسول میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ

جو مال خدا نے اپنے رسول کو (بے لڑے) مفت دلوا دیا تو مسلمانو تم نے اوس کے لئے کچھ (دوڑ دھوپ تو کی نہیں) اور نہ اونٹوں سے

مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے مسلط کردے۔

اب فے اور غنیمت میں یہ فرق ہے۔ تاریخ ابن ہشام میں ہے۔

مَا یُوجِف عَلَیْهِ المسلمون بالخیل والرکاب وفتح بالحرب واِنّما یحصل بالحرب القتال وهو غنیمة۔

جو مال مسلمانوں نے بغیر کوشش کئے اور جنگ وجدال بغیر اور لڑکر فتح کئے بغیر حاصل کیا۔ وہ فے ہے۔ اور جو لڑائی سے ملا وہ غنیمت ہے

بہرحال۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے مہاجرین کے انصار کو کچھ نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے عطا فرمانے پر بھی انصار نے کچھ نہ لیا۔ اور اپنے عدیم المثال ایثار کی یاد ابد الآباد تک قایم رہیگی ہم اوسکی پوری کیفیت مفصلہ ذیل عبارت میں شرح زرقانی سے نقل کرتے ہیں۔

لما هاجروا (المهاجرین) واٰخی بینهم صلعم فذهب کل انصاری بالمهاجری الذی واخی بینه وبینه صلعم الی منزله بکفاه المؤنة ثم تما حسوا حتی آل امرهم الی سعة فای انصاری خرج القرعة باسمه یذهب بالمهاجری فبلغت مواساتهم الغایة القصوی۔ فلما غنم صلی الله علیه وآله وسلم بنی النضیر دعا ثابت بن قیس بن شماس فقال ادع لی قومک قال ثابت الخزرج فقال صلی الله علیه

جب مہاجرین ہجرت کرکے مدینہ میں آئے۔ اور جناب رسول خدا صلعم نے مہاجرین و انصار میں اخوت قایم کردی تو ہر فرد انصاری اوس مہاجر کو جو اوس کا بھائی تھا اپنے گھر لیگیا اور ہر طریقہ سے اوسکی کفالت کرتا رہا پھر انصار نے آپس میں قرعہ ڈالا (غالبًا اون فقرائے مہاجرین کے لئے جو کسی کے بھائی نہ بنے تھے یا جو واقعہ اخوت سے پیچھے آئے تھے) اور جس کے نام قرعہ نکلتا وہ اوسکو اپنے گھر لیجا کر اوسکی کفالت کرتا اور یہ اوسکی ہمدردی درجہ کی نست و شفقت تھی یہانتک کہ اموال بنی نضیر آنحضرت صلعم کے قبضہ میں آئے۔ تو آپ نے ثابت

وآلہ وسلم الانصار کلہا وقد عا الاوس والخزرج
فحمد اللہ واثنی علیہ بما ہو اہلہ ثم ذکر
الانصار وما صنعوا بالمہاجرین وانزالہم ایاہم
فی منازلہم واموالہم واثرہم علی انفسہم ثم قال
ان احببتم اعطیتہم وخرجوا من دورکم فقال
سعد بن عبادۃ وسعد بن معاذ یا رسول اللہ صلعم
بل تقسم بین المہاجرین ویکونون فی دورنا کما کانوا
وقالت الانصار وقسم ما افاء اللہ واعطی المہاجرین
ولم یعط احد من الانصار وعن البلاذری ان النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال للانصار لیست
لاخوانکم من المہاجرین اموال فان شئتم قسمت
ہذہ واموالکم بینکم وبینہم جمیعا وان شئتم
امسکتم اموالکم وقسمت ہذہ خاصۃ
قالوا بل اقسم ہذہ فیہم واقسم لہم من اموالنا
ما شئت فنزلت وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ
کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ

بن قیس کو بلا کر فرمایا کہ انصار کو بلا لاؤ۔ ثابت بولے کیا قبیلہ خزرج
کے انصار کو حاضر کروں ارشاد ہوا نہیں تمام انصار کو بلا لاؤ
قیس نے اوس و خزرج دونوں قبیلوں کو اکٹھا کر دیا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ میں حمد و ثناء
الٰہی کما حقہ ادا کر کے قبیلہ انصار کے اون تمام احسانات و عنایات
کو جو انھوں نے مہاجرین کے ساتھ اونکی مہمان نوازی امداد مالی اور
نصرت حمایت کے متعلق کی تھی مفصل طور پر بیان فرمائی پھر انصار کی
طرف مخاطب ہو کر استفسار فرمایا کہ اگر تم لوگ قبول کرو تو یہ تمام مال
ہم تمہارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیں اور غریب
مہاجرین جس طرح تمہارے اموال پر بسر کرتے ہیں ویسے ہی گزران
کریں اور اگر تم پسند کرو تو یہ سب مال اونھیں کو دیدیا جاوے اور
آج سے تم اونکی کفالت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ یہ سنکر سعد بن عبادہ
اور سعد بن معاذ۔ دونوں قبائل انصار کے سردار اوٹھ کھڑے ہوئے
اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ صلعم تمام مال انھیں کو دیدیا
جاوے اور یہ لوگ جس طرح سے ہمارے گھروں میں ہماری ساتھ
رہتے ہیں رہنے دیے جائیں ایسے اپنے سردار قبیلہ کا حکم سنکر
تمام انصار کہنے لگے۔ یا رسول اللہ ہم راضی ہیں اور ہم سب کو قبول و منظور ہے اونکی آوازوں سے تمام مسجد گونج اوٹھی جناب
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونکے اس عدیم المثال ایثار کو سنکر کہنے لگے پروردگارا تو قبائل انصار پر رحمت نازل کر اسکے بعد آپ نے
مال نے صرف مہاجرین پر تقسیم فرما دیا (تفصیل آگے آتی ہے) اور انصار میں سوائے ابودجانہ اور سہل بن حنیف کے کسی کو کچھ نہ دیا
علامہ بلاذری اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے انصار سے یوں ارشاد کیا کہ تمہاری مہاجر بھائیوں کے پاس کچھ
مال نہیں ہے۔ اگر تم قبول کرو تو میں تمہارے اور اونکے دونوں حصوں کا مال اونھیں کو دیدوں اور اگر تم چاہو تو اپنے حصہ کا مال لے لو
اور میں اونکا اونکو دیدوں۔ انصار نے عرض کی اُن کا حصہ تو انھیں دیدیجئے بلکہ ہمارے حصے بھی اونھیں میں تقسیم فرما دیجئے اسی واقعہ
ایثار انصار کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسوں پر ترجیح دیکر (اپنے اوپر تنگی سہکر) اپنے بھائیوں پر۔ اُن چیزوں
کا جو اونکی خاص ہوتی ہیں ایثار کر دیتے ہیں زرقانی جلد دوم ص ۹۹ مصر

تفصیل تقسیم — یہ تقسیم اس طرح فرمائی گئی کہ جو زمین خراج پر پہلے سے بندوبست تھیں رہ

ویسی ہی قائم رکھی گئین۔ اونکا خراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص حق تھا۔ اور آپ اوسکو حکم خدا کے موافق اپنے اہل وعیال اپنے ذوالقربیٰ کے مصارف کے بعد۔ فقرا و محتاجین مساکین یتیمی اور مسافرین کے مصارف مین صرف فرماتے تھے۔ اور جو بچتا تھا وہ طیاری لشکر اور فراہمی اسلحات وغیرہ مین صرف ہوتا تھا

نخلستان یہود اور مکانات مع اونکے اسباب تعمیر وغیرہ۔ مہاجرین کو کلم دیدیے گئے نخلستان کے متعلق اونکی ملکیت و مالبضت پھلون اور لکڑیون تک محدود تھی اراضی سے اونکو کوئی واسطہ نہیں تھا جیسا اوپر لکھا گیا ہے حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف انصاری کو اسمین سے کچھ عطا فرمایا گیا اس لئے کہ یہ دونون بزرگوار زہد تنگدست و نادار تھے

تین سو چالیس تلواروں مین سے ایک تلوار۔ جو ابن ابی الحقیق رئیس بنی نضیر کی خاص تھی اور بہت مشہور تھی خاص طور پر سعد بن معاذ کو عنایت ہوئی۔

علمائے سواد اعظم مین اختلاف ہے کہ اموال بنی نضیر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم خمس نکالی تھی یا نہیں امام اعظم ابو حنیفہ کوفی تو قطعی انکار کرتے ہیں اور فئی مین خمس کو جائز نہین جانتے۔ لیکن امام شافعی ان سے پورا اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہین کہ اموال بنی نضیر سے رقم خمس نکالی گئی اور فئی مین خمس کی ادا کاری جائز ہے۔ زرقانی جلد دوم ص ۹۵ روضۃ الاحباب ص ۲۹۳

واقعات متفرقہ اسی سال تیسری شعبان کو حضرت خامس آل عبا شہید کربلا جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت ہوئی

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے عقد فرمایا

اسی سال حضرت علی مرتضیٰ کی والدۂ گرامی قدر حضرت فاطمہ بنت اسد نے رحلت فرمائی۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ مین ہے

حضرت فاطمہ بنت اسد کی رحلت

عن انس بن مالک قال لما ماتت فاطمۃ بنت اسد بن هاشم ام علی دخل علیها رسول الله صلی الله علیه واله وسلم وجلس عند راسها وقال رحمك الله یا امی کنت امی بعد امی تجوعین وتشبعینی وتعرین وتکسینی وتمنعین نفسك طیب الطعام وتطعمینی و تریدین بذلك وجه الله والدار الاخرة وقال انس یغسلها فلما بلغ الماء الذی فیه الکافور سکبه رسول الله صلی الله علیه واله وسلم بیده و

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم جناب علی کی مادر مہربان نے انتقال فرمایا تو جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم انکی میت کے پاس گئے۔ سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے میری ماں خدا تمھیر رحم کرے تو میری ماں تھی میری ماں کے بعد تو آپ بھوکی رہتی تھی اور مجھکو کھلایا کرتی تھی تو آپ ننگی رہتی تھی اور مجھے پہنایا کرتی تھی تو اچھی حالت کو اچھے کھانے سے باز رکھتی تھی اور مجھے کھلاتی تھی تو محض خدا کے لئے اور آخرت کیلئے یہ حسن سلوک مجھسے کرتی تھی

انس کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے غسل کا حکم دیا۔ جب اوس پانی سے غسل دینے کی نوبت پہنچی جسمیں کافور ملا ہوا تھا تو آپنے اپنے دست مبارک سے اون پر پانی ڈالا۔ اور حضرت عمر۔ اسامہ بن زید

البسها قميصه وامر عمر واسامة بن زيد وابا ايوب الانصاري يحفرون قبرها فلما حفروا ولحدوا لحدا حفر رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده واخرج ترابه ثم اضطجع فيه وادخل فيه هو وابو بكر والعباس ثم دعا بهذا الدعاء اللهم اغفر لامي فاطمة بنت اسد ولقنها حجتها ووسع عليها مدخلها بحق نبيك محمد والانبياء من قبلي انك ارحم الراحمين وروى عن ابن عباس نحو ذلك وزاد فقالوا ما رأيناك صنعت باحد ما صنعت بهذه قال انه لم يكن بعد ابي طالب ابر منها البستها قميصي لتكسى من حلل الجنة واضطجعت في قبرها ليهون عليها عذاب القبر وروى ايضا عن علي باختلاف يسير

منقول از ارجح المطالب مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۲۷۹

اور ابو ایوب انصاری نے ملکر قبر کھودی۔ جب قبر کھد کر لحد تک پہونچی تو آپ نے اپنے دست مطہر سے قبر کھودنی شروع کر دی اور اوسکی مٹی نکالی پھر خود اسمیں لیٹ گئے۔ پھر اونکو خود آپ نے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عباس نے قبر میں اوتارا۔ پھر آپ نے اونکے لئے یہ دعا کی۔ پروردگار میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اُسکی دلیل اُسکو تلقین فرما اور اوسپر اوس کی قبر کو کشادہ فرما بطفیل اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا علیہم السلام کے جو مجھسے قبل گذرے ہیں حضرت ابن عباس سے بھی ایسے ہی مروی ہے اونھوں نے اتنا اضافہ اپنی روایت میں کیا ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اُن کے ساتھ جو معاملات کئے وہ آجتک کسی کے ساتھ بھی نہیں کئے تھے آپ نے ارشاد کیا بعد حضرت ابیطالب کے میرے ساتھ نیکی کرنے والا ان سے بڑھکر کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس لئے اپنا پیراہن انکو دیا کہ وہ جنت کی پوشاکیں پہنیں اور اِن کی قبر میں اس لئے لیٹ گیا کہ ان پر عذاب قبر آسان ہوجاوے۔ جناب امیر نے بھی اس روایت کو تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سنہ ۵ ہجری

(ذات الرقاع)

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ قریش کی کاوش اور یہود کی سازش نے مخالفت اسلام کو مکہ سے لیکر مدینہ تک عرب کے تمام اقوام وقبائل کو اسلام کے استیصال پر آمادہ کر دیا تھا۔ آئے گئے دن چھوٹے بڑے قبیلہ خود یا دوتین باہم دگر ملکر مدینہ پر فوج کشی کرنے پر مستعد ہوجایا کرتے تھے۔ ذات الرجیع۔ بیر معونہ وغیرہ وغیرہ سب اسی سلسلہ کی جزئیات ہیں۔ جو اپنے اپنے مقام پر اوپر بیان ہوچکے۔ محرم سنہ ۵ ہجری میں قبائل انمار وثعلبہ نے مدینہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ فوجیں جمع کرنے لگے مقابلہ کے سامان درست ہونے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ چارسو صحابہ کے ساتھ موقع پر پہونچ گئے۔ تشریف آوری کی خبر پاتے ہی غنیم دلاوری بھول گئے۔ اور بزدل بنکر پہاڑوں پر بھاگ کر چھپ گئے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع الخیر ایک ہفتہ کے بعد مدینہ میں واپس

آئے

غزوہ دومۃ الجندل

ربیع الاول ۵ھ ہجری

ایک مہینہ کے بعد۔ ربیع الاول کے مہینہ مین دومۃ الجندل سے پھر ایک جمعیت کثیر کے جمع ہونیکی خبر آئی۔ انکا مقصد بھی وہی تھا۔ مدینہ پر چڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مہاجرین وانصار کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن لشکر اسلام کی آمد سے پہلی ہی مخالفین خائف ہو کر منتشر ہو چکے تھے۔ وہان پہونچکر کسی کو بھی نہ پایا۔ اس لئے لشکر اسلام واپس آیا۔

غزوہ بنی المصطلق

یا

غزوہ بنی مریسیع

۲ شعبان ۵ھ ہجری

خزاعہ عرب کا مشہور۔ زورآور اور نامور قبیلہ تھا۔ زورآور اس لئے کہ اونکی تعداد بہت کثیر تھی نامور اس لئے کہ وہ قریش کی اصل شاخ تھے۔ جو عرب مین احمس کے لقب سے مشہور تھے۔ احمس کیا ہے؟ قریش نے اپنی قدامت۔ تولیت کعبہ اور امارت کے اعزاز کے اعتبار پر اقوام عرب مین ایسا فرق امتیازی قائم کرنے کے لئے کچھ خصوصیات اختیار کر لین تھین۔ اس لئے ایام حج مین عام عرب کی طرح عرفات مین قیام کرنے کی جگہ قریش نے مزدلفہ مین جو حدود حرم کے اندر داخل تھا۔ اپنے لئے قیام کرنا اختیار کر لیا ایسے ہی خود اختیارانہ طریقہ سے اور بھی امتیازی خصوصیات قائم کر لین تھین۔ انھین خصوصیات کی بنا پر اپنا لقب خاص بھی احمس قرار دے لیا تھا۔ لیکن پھر انکا یہ اعزاز چند دنوں کے بعد مرتبہ تخصیص سے اوتر کر حد و تعمیم تک پہونچ گیا۔ رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچگئی کہ عام عرب مین جو ان خصوصیات کو اختیار کرنے لگے وہ بھی احمس کہلانے لگے اور قریش نے جس قبیلہ عرب سے قرابتداری اور رشتہ مندی قائم کی۔ وہ بھی احمس کہلانے لگا۔ قبیلہ خزاعہ بھی اسی جہت سے احمس مشہور تھا۔ خزاعہ ہی کی ایک شاخ بنو المصطلق کہلاتی تھی۔ مدینہ سے ۹ میل پر مقام مریسیع پر آباد تھی۔ اس قبیلہ کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اوس نے کچھ اپنی شریر الطبعی اور کچھ قریش۔ اپنے قرابتدارون کی تحریک سے مدینہ رسول پر فوج کشی کی طیاری کر دی۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سامانون کی خبر لگی۔ تو آپ نے انکی تنبیہ سے پہلے اس خبر کی تفتیش وتحقیق کی تجویز فرمائی۔ یزید بن خصیب انصاری کو پہلے دریافت حقیقت کی غرض سے بھیجا۔ اونھون نے واپس آکر تصدیق کی۔ دومۃ الجندل سے ربیع الاول کے آخر ماہ مین واپس آکر چار مہینون سے آپ مدینہ مین تشریف فرما تھے۔ رجب کے مہینہ سے بنی المصطلق کی مخالفت کی خبرین پہونچنے لگی تھین۔ اس لئے ۲ شعبان کو آپ نے لشکر اسلام کے ساتھ مریسیع کی طرف کوچ فرمایا۔ لیکن یہان پہونچکر بھی ضنم کی وہی صورت نمایان ہوئی۔ جو اس سے پہلے دو مقامون مین ظاہر ہو چکی تھی۔

حارث بن ابی ضرار اور دیگر اکابر وعمائد قبائل۔ فوج اسلامی کی آمد سنتے ہی۔ پہاڑون پر جا کر روپوش ہو گئے اور ضعفائے قوم کو بے پشت وپناہ چھوڑ گئے۔ سرداروں سے اچھی جرأت وہمت تو بے سر کے فوج داون نے دکھلائی اور لشکر اسلام سے مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔

انکی جرأت بیجا کو دیکھکر جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو ان لوگوں کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ تم لوگ کلمہ طیب لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو۔ تم سب کو امان ہے۔ لیکن وہ جاہل نہ مانے اور اس دریاں رحمت کے مقابلہ مین مقابلت پر آمادہ ہوئے۔ فوج اسلام پر تیر بارانی شروع کردی۔ لیکن اسلام کے مبارزین نے جب جواب دینا شروع کیا تو یہ فوراً میدان سے بھاگ نکلے۔ ان کے دس آدمی مقتول ہوئے۔ چھ سو آدمی مقید ہوئے۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچہزار بکریاں دستیاب ہوئیں۔ ابن سعد جلد مغازی ص ۴۵

شبلی صاحب سے خاص غرض

یہ تو عام اہل سیرت وتاریخ کی اور خاصکر ابن سعد کی روایت ہے۔ لیکن صحیح بخاری ومسلم کی مرویات نے اس غزوہ کو ایسے قابل اعتراض طریقہ بیان سے نقل کیا ہے کہ بالآخر شبلی صاحب کو بھی مرویات صحیحین کی تنقید اور (حدا کی شان) صحیحین کی مرویات پر سیرت وتاریخ کی مرویات کو ترجیح دینے کی مجبوری ہوئی۔ چنانچہ سیرت النبی مین تحریر ہے۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو المصطلق پر اس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بیخبر اور غافل تھے۔ اور اپنی مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن لکھدیا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتون کو ترجیح نہیں ہوسکتی لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی یہ روایت بھی اصول کی رو سے قابل حجت نہین کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہونچکر ختم ہوجاتا ہے اور جنگ مین شریک ہونا ایکطرف نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا۔ اس لئے یہ روایت اصطلاح محدثین مین منقطع ہے۔ ص ۴۰۲

کیا شبلی صاحب اپنی اس عبارت تنقیدی کی تحریر کے بعد بھی اس غلط دعوی کے لکھنے پر جرأت کرین گے جسکو وہ یون دیباچہ مین لکھ چکے ہیں۔

حدیث میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن مین ایک حدیث بھی ضعیف نہیں جیسے بخاری ومسلم دیباچہ حاشیہ ص ۵

ابن حجر نے تو تحکمانہ طریقہ پر صحیحین کی مرویات کو بمقابلہ سیرت وتاریخ کے ترجیح دینی چاہی تھی اور تقلید اسلاف کے اصول کی تبعیت کرنی چاہی تھی اور آپ نے بھی دیباچہ مین اسی اصول موضوعہ کو اپنا معیار مختار رہنا کا اقرار فرمایا تھا۔ لیکن یہان پہونچکر آپ کو اون اصول کی خود تنقید کرنی پڑی۔

آخر۔ یہ کیون؟ وہی معترضین یورپ کا خوف۔ وہ غفلت کیحالت میں بنی المصطلق پر حملہ کئے جانیکا ذکر مرویات صحیحین مین دیکھکر آپ پر الٹ پڑیں گے۔ چونکہ یہ روایتین سو اتفاق سے صحیحین کے دونون دفترون مین موجود ہیں اس لئے کوئی تاویل ممکن ہی نہین تھی۔ سوائے اوس تحکمانہ اصول کے جسکو ابن حجر نے اپنا مختار بنا کر لکھا تھا۔ آپ کو بھی وہی لکھکر صحیحین کی فروگذاشت سے کف لسان کر لینا چاہتا تھا۔ مگر آپ نے ان مرویات کے مقطوع الاسناد ہونیکی بحث نکالدی

اور نافع کی عدم شرکت کی بنا پر اسکے غیر صحیح ہونے کا اعلان کر دیا۔ اگر آپ اب بھی اس اصول پر قائم رہیں تو اسکی پالیسی کتنی مرویات صحیحین کی تردید اور اونکے رواۃ کی غیر حاضری موقع کی تکذیب کرنی پڑیگی جس میں سے صرف چند مرویات کا ذکر ہم ابھی دیباچہ میں بھی کر آئے ہیں

کیا اسکے بعد بھی ہمارے شبلی صاحب کو صحاح کے ذخائر یا صرف صحیحین کے دفاتر میں مقطوع الاسناد اور ناقابل اعتماد مرویات کے نقل واندراج سے انکار ہو سکتا ہے؟ اگر ہو تو بدیہیات سے انکار ہوگا۔

ہم شبلی صاحب کی شان بیان سے مجبور ہیں۔ جسکی وجہ خاص سے ہمارے سلسلہ بیان میں یہ جملات معترضہ حائل ہو جاتے ہیں اور ہمکو اونکی حقیقت کا انکشاف ضروری ہو جاتا ہے اتنا لکھکر ہم پھر اپنے سلسلہ بیان پر آ جاتے ہیں۔

عبد اللہ بن ابی کی فتنہ انگیزی

غزوہ مریسیع۔ باعتبار جنگ کے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن اس کے گرد و پیش تاریخوں میں اتنے قابل الذکر واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جو اسکی شہرت کے خاص باعث ہوئے ہیں۔

اس غزوہ میں حصول غنیمت کی خاص لالچ سے بہت سے منافقین بھی لشکر اسلامی کے ساتھ ہو گئے تھے اور بے غیرت عبد اللہ بن ابی بھی اونکے ساتھ تھا جو غزوہ احد میں عین موقع سے اپنی جمعیت کے ساتھ واپس گیا تھا۔ اسکو اعانت تو منظور نہیں تھی شرارت اور فتنہ انگیزی ضرور مقصود تھی۔ چنانچہ محاصرہ مریسیع کے زمانہ میں ایکدن پانی لینے کی نسبت قبائل مہاجر و انصار میں حجت ہو گئی بات بڑھ گئی۔ انصار نے یا للانصار کی صدا بلند کی تمام انصار جمع ہو گئے۔ مہاجرین نے بھی ایسا ہی کیا۔ فوراً سب مہاجر وہیں تھے۔ اب فیما بین نزاع لفظی اتنی بڑھی کہ دست بقبضہ ہونے کی نوبت آگئی۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی تو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا مجمع میں کھڑا ہو گیا اور قوم انصار کو غیرت دلانے والے لہجہ میں پکار کر کہا۔ یہ بلا تو تم نے خود اپنے سر لی ہے تمہیں نے ان وطن آوارون کو بُلا کر اور گھر میں بٹھلا کر آج اس قابل کر دیا کہ اب وہی تم سے مساوات کے دعوے کرتے ہیں اب بھی آنکھیں کھول لو ہوشیار ہو جاؤ۔ وقت ہاتھ سے ابھی تک نہیں گیا ہے۔ تم نے انکی کفالت سے ہاتھ اوٹھائے اور انہوں نے پیٹھ پھیری۔

اس تقریر نے اور آگ بھڑکا دی۔ خیریت ہوگئی کہ اس اثنا میں حاسین کے کچھ فہمیدہ اور سعید حضرات موقع پر پہونچ گئے اور آتش فتنہ و فساد کو فوراً فرو کر دیا۔ اور تمام لوگ اپنے اپنے مقام پر واپس گئے۔

دربار رسالت میں جب اس واقعہ کا ذکر آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے سننے سے رنج و ملال تو ضرور ہوا لیکن آپ نے بالکل سکوت و خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عمر کہاں چپ رہجانے والے آدمی فوراً غصہ سے بیتاب ہو گئے۔ یہی موقع آپکے عتاب کے خاص ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ کسی سے کہدیا جاوے کہ اُس منافق کی گردن قلم کر دے۔ ارشاد ہوا۔ اے عمر۔ تم یہ مشہور کرانا چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ہمراہیوں کو قتل کرا دیتے ہیں صحیح بخاری باب غزوہ مریسیع ص ۵۹۷

حضرت عمر کی اس مشورت پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے کی ناراضی

اچھوں کے اچھے تو ہوتے ہی ہین۔ مگر کبھی بروں کے بھی اچھے نکل آتے ہین۔ عبداللہ بن ابی جیسا دشمن اسلام تھا ظاہر ہے لیکن اوسکا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا۔ اسلام کا بڑا جان نثار تھا اور کامل دیندار۔ حضرت عمر کی مشورے کی بنا پر منافقین نے یہ افواہ اوڑادی کہ دربار رسالت سے عبداللہ بن ابی سلول کے قتل کا حکم صادر ہونیوالا ہے۔ یہ سنکر عبداللہ (ابن عبداللہ بن ابی) خدمت رسول مین حاضر ہوا اور نہایت مخلصانہ اور عقیدتمندانہ طریقہ سے عرض خدمت کرنے لگا کہ علی العموم ہر شخص جانتا ہے کہ مین اسلام کا صدق دل سے مطیع ہوں فرمانبردار ہوں اور جان نثار لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ تمام لوگون کو یہ بھی معلوم ہے کہ باوجود کفر وضلالت کے مین اسوقت تک اپنے باپ کا تابعدار ہوں اور خدمتگذار حالانکہ مین اوسکے طریق وملت سے بالکل بیزار ہون اگر حضور کی یہ مرضی ہے جیساکہ سُنا جاتا ہے تو باپ کے قتل کی خدمت مجھی کو دی جائے۔ مین حکم خدا ورسول کی متابعت مین بڑی خوشی سے خود قتل کرڈالون گا۔ اور اوسکی موت کی عزت کو بچالونگا اور اگر وہ کسی غیر سے قتل کرایا گیا تو شاید میری غیرت مین اشتعال پیدا ہوجائے اور مین باپ کے قاتل کو قتل کردوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عبداللہ کیسی باتین کرتے ہو۔ تم سے کس نے اوسکے قتل کی خبر کہی ہے۔ کیسا قتل؟ مین تو قتل کی جگہ اوس پر خاص شفقت کرنے والا ہون عبداللہ کو اطمینان ہوگیا۔ خدمت بابرکت سے واپس آئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وعدہ کو یون پورا کیا کہ عبداللہ بن ابی کے کفن کیلئے اپنی خاص قمیص مبارک کا خلعت پہنایا۔ جنازہ کی نماز پڑہائی۔ حضرت عمر کو پھر اس موقع پر جرارت آئی۔ اور رہ رہا گیا۔ بقول شبلی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑلیا۔ اور عرض کی یہ کیا کیا جاتا ہے۔ منافق کے مردے پر نماز پڑہائی جاتی ہے " لیکن شبلی صاحب لکھتے ہین " دریای کرم کے بہاؤ کو کون روک سکتا ہے۔ " لیکن ہمارا یہ قول ہے

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ		خدا ہی وولیعت رسالت کے مقام کا سب سے بہتر جاننے والا ہے

حضرت عمر اسرار رسالت کی حقیقت سمجھنے سے ابھی بہت دور تھے

حضرت جویریہ کا قصہ

حضرت جویریہ۔ بنی المصطلق کے سردار قوم حارث بن ابی ضرار کی لڑکی تھین۔ حسن وجمال مین مشہور تھیں۔ قید ہوکر آئین۔ ثابت بن قیس صحابی کے حصہ مین پڑی۔ جویریہ کو یہ تناسب نہایت ناموزون معلوم ہوا اور دستور عرب کے موافق انھون نے مکاتبت کے قاعدے سے روپیہ دیکر ثابت سے اپنی فارغخطی کرانی چاہی ثابت جب مکاتبت پر راضی ہوگئے تو جویریہ کو روپیہ کی فکر ہوئی۔ پاس کچھ بھی نہین تھا۔ بیرونی امداد کی ضرورت ہوئی۔ حفظ مراتب کی ضرورت اسقدر شدید تھی کہ اوس نے اس دست نگری کے اقدام پر جرأت دلائی۔ یہ بلا قید قوم وقبیلہ ہر شخص سے طالب امداد ہوئین۔ یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مین بھی حاضر ہوکر خواہان امداد ہوئین حضرت عائشہ موجود تھیں۔ بیان کرتی ہین کہ انکی صورت کی پاکیزگی دیکھکر میرے دل مین کراہیت سی ہوئی کہ یہ کیون آئین۔ مین یہ سمجھی کہ ان کے حسن وجمال کا اثر قلب مبارک رسول پر بھی ویسا ہی موثر ہو جیسا مجھپر ہوا ہے۔

شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ یقیناً یہ ابن اسحق کی ذاتی رائے ہے لیکن ابن ہشام میں ابن اسحق کا یہ قول ہم نے دیکھ لیا ہے سیاق عبارت سے ابن اسحق کا خاص قول یا اونکی ذاتی رائے ذرا بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ص ۱۷۰
یہ فطرت نسوانی کا مقتضی ہے۔ اور اس سے اس صف مارک کی برارت دشوار ہے۔

بہر حال جویریہ کی درخواست پر ارشاد ہوا کہ اس سے بھی اچھی تجویز نہیں بتلاؤں اگر تم قبول کرو۔ جویریہ نے عرض کی بتلائی جائے۔ کیوں نہیں قبول کر دنگی۔ ارشاد ہوا میں تمہاری مکاتبت کا کل روپیہ ادا کر دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تم مجھ سے عقد کرلو۔ جویریہ راضی ہوگئیں۔ روپیہ ادا کر دیا گیا اور اون سے عقد کرلیا گیا۔

یہ روایت ابن اسحق کی ہے مورخین میں ابن ہشام نے اور محدثین میں ابوداؤد صاحب سنن نے اسی کو لکھا ہے لیکن شبلی صاحب امام مندہ کے اسناد سے ایک روایت لکھتے ہیں جو اس سے زیادہ واقعیت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ امام مندہ کی یہ روایت وہ حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے نقل کرتے ہیں جو صحت و اعتبار کے لحاظ سے بھی کامل العیار اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ وہ یہ ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ کا باپ حارث (پھروہی اردو کی غلط ترکیب؟) رئیس عرب تھا حضرت جویریہ جب گرفتار ہو کر آئیں تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر جویریہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیری مرضی پر رکھا ہے۔ دیکھنا مجھے رسوا نہ کرنا۔ اونھوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کرلی۔ یہ وہ حدیث ہے جو حافظ ابن حجر نے ابن مندہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی لکھی ہے کہ حضرت جویریہ کے والد نے انکا زر فدیہ ادا کر دیا اور جب یہ آزاد ہوگئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا سیرۃ النبی ج ۲

حضرت جویریہ سے نکاح فرمالینے کی یہ برکت ہوئی کہ تمام مسلمانوں نے اسیران بنی المصطلق کو یہ کہکر آزاد کر دیا کہ جس قبیلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرابت قائم کی ہم اونکو اپنا خادم و مملوک بنانا ترک ادب سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ شاندار ایثار اونکی عقیدت کا آج تک یادگار ہے۔

حضرت عائشہ پر غلط اتہام یا قصہ افک

حضرت عائشہ کے افک کا بھی یہی موقع ہے جسکی طوالت کو اس موقع بیان سے مناسبت نہیں وہ حضرت عائشہ کے خاص حالات میں بیان ہوگا۔ لیکن اسقدر لکھدینا ضروری ہے کہ ان پر جو الزام لگایا گیا تھا وہ بالکل غلط اور بے اصل نکلا۔

غزوہ خندق یا جنگ احزاب

(۲۳ ذی قعدہ ۵ھ ہجری)

واقعہ بدر ہی کے بعد سے مخالفت اسلام اور استیصال اہل اسلام کی تمام قبائل عرب میں جیسی جیسی سازشیں ہو رہی تھیں اور واقعہ احد سے مدینہ پر حملہ آوریوں کی مختلف اقوام و قبائل میں جو جو طیاریاں زیر تجویز ہو رہی تھیں وہ انفرادی قالب بدل کر مجموعی پیکر میں جلوہ گر ہوگئیں اور مختلف مقامات میں جلوہ آرا ہونے کی جگہ خاص مدینہ کی زمین پر ایک عظیم الشان اور طویل محاصرہ کی صورت میں واقع ہوئیں۔ جو اسلامی اور غیر اسلامی کتابوں میں آج تک غزوہ خندق یا جنگ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ احزاب اس لئے کہتے ہیں کہ عرب کے تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استیصال کیلئے آمادہ ہو کر آئی تھیں۔ غزوہ خندق اس وجہ سے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کمال سے مدافعانہ مقابلہ فرمایا تھا جیسا کہ سلسلہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

کفار عرب کی استیصال اسلام کیلئے یہ عظیم الشان سازش تھی۔ اور مشرکین قریش مکہ کی مقابلہ اسلام میں آخری کوشش اس عظیم الشان سازش میں قریش و یہود کے عناصر غالب تھے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس مہتم بالشان سازش کے اصل مہتمم وہی تھے۔ جنھوں نے صرف اسلام کی عام مخالفت اور استیصال پر عرب کے تمام قبائل و اقوام کی چوبیس ہزار جمعیت ایک مقام پر جمع کر دی تھی۔ اس عظیم الشان سازش کی تفصیل یہ ہے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی نے ان کی قدیم ہستی کو یثرب کے علاقہ میں گویا فنا کر دیا تھا۔ اس کا انھیں جتنا قلق ہو گا وہ بیان کا محتاج نہیں۔ ان غیر متحمل صدمات سے بیحد متاثر ہو کر رؤسا بنی نضیر۔ سلام ابن ابی الحقیق۔ حی ابن اخطب اور کنانہ بن الربیع وغیرہ اکٹھا ہو کر مکہ میں ابو سفیان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اگر قریش استیصال اسلام میں ہمارے ہمدوش ہو جائیں تو ابھی ہم اسلام کو مٹا دیں۔

ابو سفیان کے لئے اس سے بڑھ کر مژدہ جانفزا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اوس نے فوراً قبول کر لیا تمام عمائد قریش رفتہ رفتہ جمع ہو گئے۔ اور صحن کعبہ میں بیٹھ کر عہد و قسم اور حلف و پیمان کیسا تھ نیا بین معاہدہ ہو گیا مکہ سے اوٹھکر رئیسان یہود قبیلہ غطفان میں پہونچے وہ بھی گویا طیار بیٹھے تھے۔ اوس پر ان لوگوں (یہودان بنی نضیر) کے اس وعدہ نے کہ اگر وہ انکے شریک ہو جائینگے تو علاقہ خیبر کا نصف خراج انکو برابر ملتا رہے گا۔ اور بھی بنی غطفان کو مستعد کر دیا۔ غطفان جب اس سازش میں خود شریک ہو گئے تو انھوں نے اپنے حلیف قبیلہ بنی اسد کو بھی اپنی طرف خود سمیٹ لیا۔ اور وہ اپنی امدادی جمعیت کے ساتھ آکر ان سے مل گئے۔

بنو سعد کا کثیر التعداد قبیلہ یہودیوں کا خاص حلیف تھا۔ یہودیوں نے اونکو بھی بلاکر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہود کی طرح قریش نے بھی اپنے متفرق اجزا کی شیرازہ بندی کرلی۔ قبیلہ بنو سلیم کے تمام لوگوں کو دعوت دیکر بلالیا اور اپنی جمعیت میں ملالیا۔ اور اسی طرح مخالفت اسلام کا یہ مجموعہ تیار کیا گیا جسکی تعداد چوبیس ہزار سے بھی بڑھ گئی۔

بنی قریظہ سے سازش

اتنے کثیر ساماں پر بھی اطمیناں نہوا تو بنی قریظہ سے ریشہ دوانیاں شروع کین۔ بنی قریظہ اسوقت تک غیر جانبدار تھے اور ابھی چند دن بیشتر وہ اسلام کے ساتھ معاہدہ صلح مین داخل ہوچکے تھے اس بناپر وہ خلاف ورزی نہیں کرسکتے تھے اس دشواری کے دفع کرنیکے لئے حیی بن اخطب خود کعب بن اسد کے پاس گیا جو قریظہ کا رئیس تھا۔ کعب نے پہلے تو اتنی احتیاط برتی کہ حیی بن اخطب کے ملنے سے بھی انکار کردیا اور جب طوعاً و کرہاً ملا بھی تو کہدیا کہ ہمنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آجتک کوئی خلاف عدگی یا نقص پیمانی نہین مشاہدہ کی۔ ایسی حالت مین اپنی طرف سے بدعہدی نامردی ہے۔" آدمی کا شیطان آدمی ہوتا ہے۔ پھر حیی ابن اخطب کی سحر بیانی سے یہودیوں کیطرف سے قوم اور مسلمانوں کیطرف سے متغیر ہوگیا۔ اور مخالفت اسلام پر طیار ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی قریظہ کی بدعہدی کی خبر ملی۔ تو آپنے تحقیق احوال کی غرض سے سرداران انصار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو اونکے پاس بھیجا اور تاکید فرمادی کہ اونکے نقص عہد کی خبر لیکر بھی جب ہمارے پاس آنا تو اس خبر کو ایسے مبہم الفاظ مین بیان کرنا کہ کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے اس لئے کہ قریظہ کی علیحدگی کی خبر پاکر فوج اسلامی مین انتشار نہ پڑے اور بددلی نہ پیدا ہو

سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ۔ جب کعب بن اسد کے پاس پہونچے تو اوسکے تیور بدلے ہوئے تھے۔ اسلام کی طرف سے گویا بھرا بیٹھا ہوا تھا۔ اور مخالفت کے جنون مین وارفتہ ہورہا تھا۔ ان لوگوں کے ذرا سے استفسار پر فوراً برس پڑا اور کھلے کھلے الفاظ میں کہنے لگا۔ ہم نہیں جانتے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔ اور ان کا معاہدہ کیا چیز ہے۔

دربار رسالت کے دونوں ایلچی اوس کا جواب صاف سنکر واپس آئے۔ اور بڑے حزم و احتیاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقت حال عرض کردی۔

بنی قریظہ جیسا کہ بیاں ہوچکا ہے اپنی کثیر التعداد جمعیت سے مل گئے۔ تو اب گویا تمام عرب کی ۲۴ ہزار سے زیادہ جمعیت کا متحدہ لشکر سمندر کی طرح موجین مارتا ہوا مدینہ کی طرف بڑھا۔ اور عالمگیر سیلاب کی طرح چشم زدن میں مدینہ طیبہ کے چاروں طرف دور دور تک پھیل گیا۔ اسکی آمد سے سارا شہر دہل گیا قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر آیا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ	جب کہ دشمن اوپر کی طرف سے اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے موتھ میں لگ گئے۔ اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت

وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا (سورہ احزاب)	آگیا اور وہ سب کے سب ڈر ڈر کے لرزنے لگے۔

لرزنے کی بات ہی تھی۔ مسلمانوں میں سب ہی تو نشر دل اور قوی ہمت نہیں تھے۔ وقت ہی ایسا تھا۔ موجودہ حالات بھی ایسے ہی تھے۔ جو اضطراب قلبی کو بڑھا رہے تھے۔ مٹھی بھر مسلمانوں پر سارا عرب ٹوٹ پڑا تھا تمام معین و مددگار حمایت و استعانت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور چوبیس ہزار سے زائد جمعیت والی فوج گران کا مقابلہ تھا۔ اگر پہلی طیاریوں میں نہیں تو ابکی بار خود مسلمانوں کی نگاہوں میں استیصال کے خطرے دکھلائی دے رہے تھے۔ لیکن ہر شخص

وَاللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	اللہ جو چاہے گا کرے گا وہی سب چیزوں پر قادر ہے

پر تکیہ کرکے خموش تھا۔

قریش کا لشکر عظیم تین حصوں پر منقسم تھا قبیلہ غطفان عیینہ بن حصین فزاری کے ماتحت رکھا گیا۔ قبیلہ غطفان میں بنو اسد وغیرہ کا رئیس تھا قریش اور اونکے تمام قبائل وحشائر اور ہم معاہدہ قوموں کا سردار عثمان ابن طلحہ بن ابی طلحہ تھا اور ابو سفیان ان سب کا سپہ سالار کل یا کمانڈر انچیف تھا

خندق کھودنے کی تجویز اور حضرت سلمان کے محاسن حال

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس لشکر عظیم کی خبر مدینہ میں ملی تو آپ نے ایک مجلس خاص میں صحابہ سے مشورت فرمائی۔ حضرت سلمان الفارسی ایرانی نژاد تھے۔ اپنے ملک و قوم کی بڑی بڑی لڑائیاں۔ طرز جنگ۔ اور طریق مقابلہ دیکھے ہوئے اور خندق کھود کر غنیم سے لڑنے کی ترکیبوں سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے اپنے ملک کے دستور کے موافق عرض کی کہ اپنی قلت اور غنیم کی کثرت کے موقع پر ملوک ایران خندق کھود کر مقابلہ کرتے ہیں اور اس ترکیب و تدبیر سے اپنے کثیر التعداد غنیم کے مقابلہ میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

صلاح نیک تھی اور تجویز مناسب۔ بلا اختلاف منظور کر لی گئی۔ مسلمانوں کی تمام و کمال جمعیت تین ہزار سے زائد سین تھی۔ سب کے سب ایک جگہ جمع ہوئے اور بلا امتیاز و اختصاص ہر شخص مزدور بن گیا پھاوڑا لیکر خندق کھودنے لگا اور مٹی پھینکنے لگا۔ سرور کائنات بھی انہیں مزدوروں میں تھے چونکہ شہر کے تین رخ مکانات اور نخلستان ایسے کثیر اور عظیم الشان تھے۔ جو شہر پناہ کی ضرورت کا کام دیتے تھے۔ شہر کا اکیلا شامی رخ بالکل کھلا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرف خندق کھودی جانے کا حکم دیا۔ اور کام شروع ہو گیا۔

خندق کھدنے کا انتظام یوں کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق طیار کرنے کے لئے زمین تقسیم کر دی گئی۔ یہ تمام جماعتیں بڑی مستعدی اور کامل تندہی سے کام کرنے لگیں۔ انھیں جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص ذات اقدس بھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کیطرح مٹی کھودتے تھے اور باہر پھینکتے جاتے تھے اتفاقاً کسی حصہ زمین میں ایک پتھر کی چٹان نکل آئی۔ سارے مسلمانوں نے ہزار زور لگایا۔ لیکن وہ پتھر نہ ٹوٹا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ اپنا کام چھوڑ کر پھاوڑا لئے آئے اور ایک ضرب اس پتھر پر لگائی کہ وہ چور چور تھا شبلی صاحب

لکھتے ہیں یہ زور رسالت تھا - ہم ان کو یاد دلاتے ہیں - صحابیت سے کیا واسطہ - یہ روحانیت کی قوت تھی جسکے ذکر مخصوصہ کو آپ برابر قلم انداز کرتے آتے ہیں -

رسالت کی مزدورانہ شان آج ہی نہیں تھی - اس سے قبل مسجد نبوی کی تیاری کے وقت بھی پیکر رسالت اسی شان خاص میں جلوہ نما ہو چکا ہے - تمام صحابہ مہاجر و انصار بلا خیال مراتب مٹی کھودتے جاتے تھے اور اپنے فرائض کی ادا کاریوں کی خوشی میں ہم آواز ہو کر کہتے جاتے تھے

نحن الذین بایعوا محمدا	ہم لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر
علی الاسلام ما بقینا ابدا	بیعت اسلام کی ہے اور ہم ہمیشہ اسی پر قائم رہیں گے

ان وجد آمیز نغمہائے عقیدت کو سن کر - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوسی ہیئت و شان سے کہ گرد و غبار سے عبائے رسالت آلودہ تھی یوں رجز خواں تھے -

واللہ لولا اللہ ما اہتدینا	اگر خدا نے ہمیں ہدایت خاص عطا فرمائی ہوتی
ولا تصدقنا ولا صلینا	تو نہ ہمیں صدقہ دینے کی اور نہ نماز پڑھنے کی توفیق ہوتی
فانزلن سکینۃ علینا	خدا نے ہم لوگوں پر سکینہ الٰہی نازل فرمایا
وثبت الاقدام ان لاقینا	اور اوس نے ہمکو ثبات قدمی عطا فرمائی
ان الاولی قد بغوا علینا	کہ ہم اوسکے لقائے قدرت سے مشرف ہوں
اذا ارادوا فتنۃ ابینا	وہی ہمارا سچا مددگار ہے اونکی مخالفت کی موقع

یہ جنھوں نے ہم سے بغاوت کی - ہم پر حملہ کا قصد کیا اور ہمارے دین سے انکار کیا -

تمام مورخین و محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ لفظ ابینا پر پہونچکر آپ آواز کو بلند فرما دیتے تھے - اور اسی لفظ کو تکرار کہتے تھے سیرۃ النبی بحوالہ بخاری

اسی رجز کے ساتھ مہاجر و انصار کے لئے دعائے خیر بھی فرماتے جاتے تھے -

اللھم انہ لا خیر الا خیر الآخرہ	پروردگار کوئی خیر عاقبت کی خیر سے بہتر نہیں ہے
فبارک فی الانصار والمہاجرہ	تو انصار اور مہاجرین کے امور میں برکت عطا فرما

یاد ہوگا کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں سب سے زیادہ حضرت عمار بن یاسر کے کام کرنے کی خصوصیت لکھی جا چکی ہے - اسی طرح حفر خندق میں حضرت سلمان الفارسی کی محنت شاقہ خصوصیت سے لکھی گئی ہے جناب سلمان روزانہ پانچ گز لمبی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر طیار کرتے تھے - اور ہر شخص انکی اس محنت اور اس عجلت سے کام تمام کرنے پر تعجب کرتا تھا چونکہ اس فن خاص میں یہ مہارت کامل رکھتے تھے اس لئے ہر شخص انہیں کی ہدایت خاص سے کام کرتا تھا - یہاں تک کہ

مہاجرین نے کہنا شروع کیا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ انصار نے سنا تو کہا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا سلمان تو ہم لوگوں میں ہیں۔ سلمان سن سن کر خموش تھے۔ لیکن حقیقتاً مسکے تھے۔ جب اوس نے سنا تو ارشاد فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ۔ سلمان تو ہمارے اہلبیت کے ایک فرد خاص میں ہیں طبری ص ۱۴۸۲ روضۃ الاحباب ص ۳۱۴

مدبران قدرت ایک طرف تو اہل ایمان کی حمایت و نصرت کا ساماں کرتے تھے۔ دوسری طرف ابتلا و مصیبت میں انکی جگرداری و پاداری کا امتحان بھی لیتے جاتے تھے تفصیل یہ ہے۔

ساتھیوں کی علیحدگی	مدینہ میں مہینوں پہلے سے قحط تھا۔ خرمے کی پوری فصل ماری گئی تھی۔ اس لئے خوراک کی کمی تھی۔ عرب کی فوجوں کی ہلچل کی وجہ سے بیرونی رسد کا سلسلہ بھی بالکل منقطع تھا۔ تمام عسرت

تنگی اور فقر و فاقہ تھا۔ اوس پر مزید۔ دن رات کی تند دتیز ہوا۔ اور ابر و باراں۔ کئی کئی دن کا فاقہ۔ دن دن بھر پتھریلی زمین کا کھودنا۔ ایسا سخت اور دشوار گذار کام تھا کہ بڑے بڑے دلیروں کے کلیجے ملے جاتے تھے۔ جی چھوٹے جاتے تھے۔

مسلمانوں کے ساتھ ابھی تک فوج منافقین بھی شمار میں داخل تھی سب سے پہلے وہ ان تکلیفوں سے عاجز آکر پہلو تہی کرنے لگے اور کھلے کھلے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ ہم تو شہر میں واپس جائیں گے ہمارے گھر اور بال بچے محفوظ نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں انکے حیلوں کا یہ ذکر ہے۔

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (احزاب)	کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں وہ کھلے تو نہیں ہیں بلکہ ان کو تو بھاگ جانا مقصود رہا ہے۔

رحمت عالم کے پاس ایسی مکارانہ درخواست پر۔ سوائے ایجاب و منظوری اور کیا تھا۔ شہر میں لوٹ جانے کی اجازت مل گئی اور وہ سب کے سب ایکبار چلے گئے۔ لشکر اسلام کے موجودہ مجموعہ میں اور کمی آگئی۔ پھر کیسے نازک موقع پر کہ دشمن کے لشکر گراں کی آمد کا یہ عالم تھا کہ اب آیا اور اب آیا

انکا چلا جانا کوئی نئی بات تو تھی ہی نہیں۔ غزوہ احد میں بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا۔ انکے چلے جانے سے بظاہر تو مسلمانوں کا کچھ بگاڑا نہیں لیکن اکثر اہل اسلام ان کی تفریق کے اثر سے خالی بھی نہیں رہے۔ اکثر نرم دل مسلمان کچھ تو بالطبع خائف ہو کر اور کچھ بھوک۔ پیاس شدت کی سردی اور رات دن کی ہوائے تند سے عاجز آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بھوک کی شدت رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے۔ تصدیق

بھوک کی شدت اور رسول اللہ کا تحمل	بیانات کے لئے اپنے اپنے پیٹ کھولکر دکھلا دے جو پیٹھ سے لگ کر تختہ ہو رہے تھے۔ اور بھوک کی شدت روکنے کے لئے غریبوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عرب میں دستور تھا

کہ بھوک کی شدت روکنے اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اسوقت یہی کیا تھا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکی یہ حالت زار دیکھکر سخت ملول ہوئے۔ لیکن آپ نے جب اونکے سامنے اپنی قمیص کا دامن اوٹھا کر اپنا شکم مبارک دکھلایا تو اونکے دیدہائے حقیقت کھُل گئے۔ دیکھا کر رسول کے پیٹ پر ایک کی جگہ دو دو پتھر بندھے ہین۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی۔ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہوگئے۔ سب کے سب نادم ہوکر عرض خدمت کرنے لگے۔ کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ حضور ہم سے زیادہ بھوکے ہین تو ہم کبھی مدعا کے اظہار کی جرات نہ کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ہر حالت میں ہمکو اور تمکو خدا کے حکم پر قائم اور اوس کی عنایت وکرم پر متوکل رہنا چاہیئے۔

جناب فاطمہ اور رسول کی خدمت

حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیسرا فاقہ تھا۔ اس لئے کہ تین دن سے اسقدر مشغولیت بڑھی ہوئی تھی کہ دولت سرا تک جانیکی فرصت ہی نہین ملی۔ اور عسرت وتنگی کی وجہ سے ازواج مطہرات بھی کوئی سامان نہ کر سکین۔ اسکی خبر جناب فاطمۃ الزہرا کو ملی تو بیتاب ہوکر ایک پارہ نان۔ جو گھر مین موجود تھا۔ لیکر حاضر خدمت ہوئیں۔ امام الحرم علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبیٰ مین لکھتے ہین

عن علی قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حفر الخندق اذ جاءتہ فاطمۃ بکسرۃ من خبز فقالت احببت لاسی جئتک من ھذہ الکسرۃ فقال لمینیۃ انھا لاول الطعام دخل فی فمہ ابیک منذ ثلاثۃ ایام	حضرت علی بیان کرتے ہین کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہ آئیں اون کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا حضرت رسول میں عرض کرنے لگیں کہ میرے اپنے دونوں بچوں کیلئے روٹی پکائی تھی اوسمیں کا یہ ٹکڑا آپ کیلئے لائی ہون تناول فرمایا جاوے آپ نے وہ پارۂ نان لیکر ارشاد فرمایا بیٹی

یقین جان کہ تین دن کے فاقہ کے بعد پہلا ہی نوالہ ہے جو تیرے باپ کے منھ مین پڑتی ہے۔ بحوالہ ینابیع المودۃ امام سلیمان القندوزی مطبوعہ بمبئی ص ۱۴۵

مقابلہ قریش کا انتظام

الغرض خندق کھُد کر تیار ہوگئی۔ قریش کا ٹڈی دل لشکر بھی آگیا اور اونھون نے مدینہ کو نگینہ کی طرح بیچ میں لیلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظ ماتقدم کے خیال سے اپنے اور صحابہ کے عیال کو قلعہ مین بھیجدیا اور حسان بن ثابت کو انکی حفاظت پر تعینات کیا۔ تمام لشکر خندق کے پاس بار جمع ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل سلیع کو جو بالکل متصل تھا پشت پر لیکر صف آرائی کی لشکر اسلامی تین حصوں پر تقسیم کیا گیا۔ اور خندق کے تین مختلف حصوں پر مقرر کیا گیا۔

ایام محاصرہ مین رسول اللہ کی ذاتی تکلیفیں

محاصرہ کی مدت کے ساتھ شدت بھی بڑہتی جاتی تھی۔ دن کی ہوائے تند کے بعد رات کی سردی قیامت برپا کر دیتی تھی۔ اوس پر پانی برسنے لگتا تھا تو تکلیف ومصائب مین اور اضافہ ہوجاتا تھا۔ ایک بار رات کو ایسے ہی پانی برستا تھا اور زوروں سے ہوا چلتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کیطرف سے حملہ کا اندیشہ ہوا تو آپ نے تحقیق کرنی چاہی۔ خیمہ کے اندر ہی سے آواز دی۔ سب اپنے اپنے خیمون مین سردی کیوجہ سے

لیٹے پڑے تھے۔ کوئی نہ بولا۔ زبیر بن العوام جاگ رہے تھے لبیک کہتے ہوئے دوڑے۔ آپ نے اونکو تحقیق حال کے لئے حکم دیا۔ یہ گئے اور واپس ہو کر عرض کی کہ غنیم کی جمعیت میں چاروں طرف بالکل سناٹا ہے۔ کسی قسم کا اندیشہ نہیں امام بخاری لکھتے ہیں کہ اس خدمت کے جلدو میں آپ نے زبیر بن العوام کو حواری کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔

محاصرہ کو تین ہفتے گذر چکے تھے۔ کفار کی بیشمار فوج چاروں طرف سے شہر کو گھیرے تھی۔ مدینہ بتیس دانتوں میں ایک زبان کی طرح گرفتار تھا۔ تمام شہر طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات رات بھر عالم اضطراب میں بیدار رہتے تھے۔ نظر اقدس ہمیشہ غنیم کی نقل وحرکت پر رہتی تھی۔ جہاں سے اندیشہ ہوا وہیں فوری حفاظت ومدافعت کا انتظام کر دیا گیا۔

جناب ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں اکثر غزوات مریسیع۔ خندق۔ خیبر۔ حدیبیہ۔ فتح مکہ اور حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی لیکن کسی غزوہ میں آپ کو ایسی تکلیف اور اتنا اضطراب نہیں ہوا تھا جتنا خندق میں۔ رات رات بھر جاگتے کٹ جاتی تھی۔ ہمیشہ ماہر نکل نکل کر ہر مورچے پر خود تشریف لیجاتے تھے اور نگہبانوں اور پاسبانوں کو خود دیکھ آتے اور ہشیار فرماآتے تھے۔

عباد بن بشر کی خدمات

کفار دن سے زیادہ رات کو ستاتے تھے۔ خندق کے کنارے پر تاریکی میں پتھر اور تیر اس زور سے برساتے تھے کہ آدمی کو راہ چلنا دشوار تھا۔ اونکے پتھر خیمہ اقدس تک آآکر گرتے تھے۔ ایک رات کو صبح کے قریب خندق پر زور سے شور وغوغا ہونے لگا۔ اوس دن رات کو خیمۂ اقدس کی پاسبانی عباد بن بشر کے متعلق تھی۔ اور وہ اپنی ماتحتی وسنہ فوج کے ساتھ پہرہ پر تھے۔ شور وغوغا سنکر آپ نے عباد کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوئے۔ حکم ہوا خبر لاؤ۔ وہ اپنے رفقا کے ساتھ گئے اور آپ مضطرب ہو کر خیمہ کے دروازے پر عباد کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عباد آئے اور بیان کرنے لگے کہ ابوسفیان اپنے چند رفقا کو ساتھ لیکر شبخون کے ارادہ سے خندق کے پار ہونا چاہتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے دیکھ لیا اور وہیں روک دیا۔ اس اثنا میں خادم بھی اپنی جمعیت کیساتھ پہنچ گیا اور ابوسفیان کی جماعت کو اپنی تیروں کے نیچے رکھ لیا۔ اور اسقدر تیر برسائے کہ آخر اوس موذی کو مجبور ہو کر واپس جانا پڑا اور وہ ناکامیاب رہکر لوٹ گیا اور اب کوئی اندیشہ نہ رہا حضور اطمینان سے آرام فرمائیں۔ یہ روئداد سنکر آپ نے ارشاد فرمایا اللّٰھم ارحم عباد بن بشر خدایا عباد بن بشر پر رحمت نازل فرما۔ حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ اسی کے بعد آپ تھوڑی دیر کیلئے آرام فرما گئے۔ پھر بلال نے اذان دی تو آپ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ اور خیمہ سے باہر نکل کر جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ صلّو اعلیہ وآلہ روضۃ الاحباب ص ۲۴۳

انصار کا کمال استقلال

محاصرے کے طول سے تمام مسلمان گھبرا گئے تھے۔ رسد کی قلت۔ بھوک کی شدت۔ ہوا۔ پانی اور سردی کی تیزی اور سختی نے اونکے ہوش وحواس پریشان کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے جگرداروں کے کلیجے پانی ہوئے جاتے تھے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر کی حالت ابتر دیکھ کر سخت متردد تھے قبیلۂ غطفان سے

جنکو یہود خیبر کے نصف محاصل کی شرط پر اپنے ہمراہ لائے تھے اس شرط پر مصالحت کی سلسلہ جنبانی کی گئی کہ وہ خیبر کی جگہ مدینہ کی نصف پیداوار لیلیں اور قریش کا ساتھ چھوڑدین - وہ راضی ہوگئے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤسائے انصار سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ سے اس امر خاص مین مشورت فرمائی - دونون نے مقتضائے اخلاص مندی اور انتہائی غیرت سے عرض کی کہ یہ کیا ارشاد ہوتا ہے - ہم نے ایام جہالت میں تو اس ذلیل قبیلہ کو ایک کوڑی خراج مین دی نہیں - اب ایسی حالت میں کہ خدا کے فضل وکرم اور اسلام کے فیض قدم کی بدولت ہم ہر طرح خوشحال ہین - طاقتور ہیں - صاحب اقتدار واختیار ہین - تو اب اونکو خراج دیکر کیونکر اس بے عزتی کا داغ لگا سکتے ہین - اگر یہ مصالحت خدا کے حکم سے کیجاتی ہے تو ہمیں کوئی عذر نہین - اور اگر کسی کی تحریک سے یہ تجویز ہے تو ہمیں منظور نہین - ارشاد ہوا کہ ہم نے تو تمھاری پریشانیوں اور غیر اطمینانیوں کو جلد رفع کر دینے کے خیال سے یہ تدبیر نکالی تھی - تم جب خود مطمئن ہو تو اب تم سے زیادہ مجھے اطمینان ہے اس کے بعد معاہدہ کا کاغذ سعد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا - اور اوسکی لکھی ہوئی عبارت مٹا دی طبری ص ۱۴۷۴

حضرت صفیہ کی مردانہ وار جرأت ودلیری

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایک قلعہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عیال اور صحابہ کے عیال کو رکھکر حسان ابن ثابت کو اونکی حفاظت ونگرانی پر مقرر فرما دیا تھا محاصرہ ومقابلے والے دن بنی قریظہ نے مستورات کے قلعہ پر جو اونکی جائے سکونت سے متصل تھا - نامردانہ وار حملہ کرنا چاہا - چنانچہ ایک یہود قرظی اس غرض سے چلکر قلعہ کے پھاٹک تک پہونچگیا - اور قلعہ مین اندر جانے اور حملہ کرنے کے موقع ڈھونڈھنے لگا - حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب آپکی پھوپھی نے دیکھ لیا - مستورات کی حفاظت پر حسان بن ثابت تعینات تھے - ان سے کہا کہ اوترکر اسکو قتل کر دو - ورنہ یہ جاکر دشمنون کو پتہ دیدے گا - حسان شاعر بالطبع - میدان خیال کے مرد تھے - نہ میدان قتال کے - اسکے علاوہ - بقول شبلی صاحب انکو ایک عارضہ ہو گیا تھا - جس نے اومین اسقدر جُبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اوٹھاکر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے - اس بنا پر انھون نے حضرت صفیہ سے اپنی مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ مین اسی کام کا ہوتا تو یہان کیون ہوتا - یہ سنکر حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اوکھاڑلی اور قلعہ سے اوترکر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اوسکا سر پھٹ گیا حضرت صفیہ قلعہ پر چلی آئین اور حسان سے کہنے لگین کہ اسکے ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ حسان بولے جانے دیجئے - مجھکو اسکی ضرورت نہیں - حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا اس کا سر کاٹ لاؤ - اور قلعہ کے نیچے پھینکدو کہ یہودی مرعوب ہو جائین - لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہ ہی کو انجام دینی ہوئی - یہودیون کو یقین ہو گیا کہ قلعہ مین بھی کچھ فوج ہے - اس خیال سے پھر کسی نے حملہ کی جرأت نہ کی - سیرۃ النبی ص ۳۱۵ بحوالہ زرقانی باسناد طبرانی وابو یعلیٰ بسند صحیح جلد دوم ص ۱۲۹ -

محاصرے مین یہود کی شرارت

محاصرے میں کفار بڑی شدت کرنے قوت دکھلانے اور مسلمانون کو ستانے اور مرعوب بنانے کی غرض خاص سے انواع اقسام کی تکلیفین پہونچاتے تھے - خندق ایسی حائل تھی کہ اس پار آنے سے تو مجبور رہے لیکن تاہم اوس پار خندق کے کنارے روزانہ کھڑے ہوکر مسلمانون پر پتھرون اور تیرون کا مینہ برساتے تھے - بعض دریدہ دہن مردل

سخت کلامیوں اور بدزبانیوں سے اپنے دل کے بخار نکالتے تھے۔ لیکن مسلمان بھی باوجود اتنے مصائب کے بھی اونکو ہمیشہ کا یکہ جواب دیتے تھے۔ قرآن مجید میں اسکی طرف ان الفاظ کے ساتھ اشارت فرمائی گئی ہے۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا (احزاب)

جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اوٹھے کہ یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اوسکے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اسکا رسول دونوں سچے ہیں اور اس نے اونکے یقین و اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

ماہی مقابلہ اور عمرو بن عبد ود کی شاندار آمد۔ فوج اسلام پر اوسکا رعب و سطوت

محاصرے کی سختی اور طول سے اکیلے محصورین اسلام ہی نہیں گھبرا گئے تھے۔ مشرکین عرب بھی تکلیف سفر۔ دیار غیر۔ اور روزانہ ناکامیابیوں سے خستہ اور بیدل ہو رہے تھے۔ ایک مخالفت اسلام کی دل سے ایسی لگی تھی جو رہ رہ کے اونکو تازہ دم کر دیتی تھی۔ آخر کار کفار نے ماہہ متورت روز روز کی کشمکش کو کمسو کر دینے کی یہ ترکیب نکالی کہ تیئیس ۲۳ محرم ۵ھ ہجری کو عمرو بن عبد ود کو۔ جو عرب کا مشہور رستم دستان تھا۔ ایک دستہ فوج کے ساتھ۔ فوج اسلامی سے خاتمہ کن جنگ کرنے کے لئے صبح ہی سے بھیج دیا۔ یہ دستہ فوج عرب کے انتخابی نبرد آزماؤں کا لشکر تھا جسمیں عکرمہ بن ابی جہل۔ ہبیرہ بن ابی وہب اور مرداس المحاربی وغیرہم شامل تھے اور پہلوانوں کا یہ دستہ دو مشہور شجاعان عرب ضرار بن الخطاب (حضرت عمر کے بھائی) اور نوفل بن عبد اللہ کے زیر کمان تھے۔

کفار کا یہ جرار دستہ بڑی دلیری کے ساتھ بڑھتا ہوا لشکر اسلامی کے سامنے اوس مقام پر آکھڑا ہوا جہاں خندق کا عرض نہایت کم تھا اور ایسے جوش ہمت میں خندق کے اس پار ہو جانے کا پورا ارادہ کر لیا۔ سو اتفاق سے لشکر اسلام عمرو بن عبد ود کی صورت دیکھتے ہی ایسی طرف سے ایسی مرعوبیت۔ خوف اور بیدلی کا اظہار کیا کہ کوئی بھی اس بڑھتی ہوئی سیل کو نہ روک سکا۔ عمرو بن عبد ود معرکہائے جنگ کا تجربہ کار رہا تھا۔ سمجھ گیا کہ مقابل پر ہماری سطوت کے سکے جم گئے۔ پھر کیا تھا گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ خندق کے اس پار تھا۔

خندق کے اس پار آکر۔ جسکے لئے تیئیس ۲۳ دنوں سے روزانہ کوششیں کیجاتی تھیں۔ عمرو بن عبد ود نے یقین کر لیا کہ اب کیا ہے۔ جنگ کا میدان لے لیا۔ اور اس کامیابی کی بے خودی میں آواز بلند سے مبارز طلبی کرنے لگا۔ پہلے ہم عمرو بن عبد ود کے مختصر حالات شبلی صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں۔ اوسکے بعد اوسکے رعب و خوف سے لشکر اسلام میں جو عالم اضطراب طاری ہوا تھا بیان کریں گے شبلی صاحب لکھتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبد ود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جبتک انتقام نہ لونگا۔ بالوں میں تیل نہ ڈالونگا۔ اس وقت اوسکی عمر نوے برس کی تھی۔ سیرۃ النبی ص ۳۱۲

عمرو بن عبدود کی سطوت آج ہی سے نہیں بلکہ سالہا سال سے اہل عرب کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ تو ایک اتفاقی مسئلہ تھا کہ وہ تنہا ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ پھر ہزار کے مقابلہ میں لشکر اسلامی ہیں۔ کون تن واحد ایسا کلیجہ والا تھا۔ جو اوسکے مقابلہ کو اکیلا نکلتا۔ سب کے دلوں میں پنکھے لگے تھے۔ دلوں میں کپکپی پڑی تھی۔ فوج کے اسطرف سے اوسطرف تک خوف کا ایک عالم تھا۔ ہر شخص سر پر الوہوف جان میں مبتلا تھا۔ محدث شیرازی اوسکے عالم اضطراب کو ان چند الفاظ میں لکھکر دکھلاتے ہیں۔

یاراں رسول ہمہ ایستادہ بودند و ہیچ نمی گفتند کانّما علی رؤسہم الطیر چہ دلاوری و شجاعت عمرو بن عبدود را می دانستند	تمام اصحاب رسول کھڑے تھے اور کچھ نہ بولتے تھے جیسے اون کے سروں پر جانور بیٹھا ہو۔ کیونکہ وہ عمرو بن عبدود کی دلاوری و شجاعت کو جانتے تھے

معارج النبوۃ اور حبیب السیر وغیرہ کی مرویات سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے اسکی آواز کو پہچان کر کہا۔ یہ تو عمرو بن عبدود ہے مجھ کو اس دیو عرب کی بے نظیر شجاعت و دلیری کا خود تجربہ ہو چکا ہے۔ اور وہ یوں ہے کہ ایکبار سفر میں میرا اسکا ساتھ ہو گیا اثنائے راہ میں ڈاکو ہمارے قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اسی شخص نے قزاقوں کی جماعت کثیر سے مقابلہ کیا اثنائے مقابلہ میں اسکی سپر ٹوٹ گئی۔ تو فوراً ایک اونٹ کے بچے کی ٹانگ تھام کر اوسکو اپنی سپر بنالیا اور قزاقوں کے وار روکتا رہا۔ یہانتک کہ تمام قزاقوں کو اسی ایک نے مار بھگایا۔ میں اسکی عظیم طاقت و شجاعت دیکھکر حیران ہو گیا۔

ایک تو تمام فوج اسلام پر یونہیں خوف طاری تھا۔ اس چشم دید واقعہ کی نقل نے اور حواس باختہ کر دئے۔

حضرت علی کی بے نظیر بہادرت اور عمرو بن عبدود سے مبارزت

تمام محدثین اور مورخین کا اسپر اتفاق ہے کہ لشکر اسلامی نے خوف و بیم اضطراب و التہاب۔ خموشی و پست ہمتی کے خلاف حضرت علی مرتضی نے عمرو بن عبدود کی آواز سنتے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی انا ایا رسول اللہ میں اس سے مقابلہ کروں گا۔ بروایتے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن شبلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

عمرو بن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علی نے اوٹھکر کہا کہ میں ہوں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا۔ اور کہا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک سردآزما اور تجربہ کار مرد میداں ہے اور تم نو مشق دلیر۔ برابر کا جوڑ نہیں۔

تھوڑی دیر اور مقابل کا انتظار کرکے عمرو بن عبدود نے پھر بڑے زوروں سے مبارز طلبی کی۔ حضرت علی مرتضی نے خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ جناب سرور کائنات کا پھر وہی جواب تھا۔

عمرو بن عبدود نے پھر کچھ انتظار کرکے تیسری بار ایک غیرت دہ شان میں پکارا حضرت علی مرتضی نے پھر ویسے ہی خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اجازت حرب کی درخواست کی پھر ارشاد ہوا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے جواب میں عرض کی کہ ہاں میں جانتا ہوں یہ عمرو بن عبدود ہے۔ غرض آپ نے اجازت دیدی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا ص ۳۱۳۔

شبلی صاحب کی اختصار پسندی کے یہ خاص مقامات ہیں۔ آپ کی کوتہ رقمی اس سے زیادہ تفصیل کی مجوز نہیں

تھی۔ اس لئے اسی ہی پر اکتفا کیگئی۔ لیکن امام ابن طلحۃ الشافعی اپنی کتاب مطالب السئول میں۔ امام الحرمین علامہ طبری الشافعی کتاب ذخائر العقبیٰ میں محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عمرو بن عبدود نے تیسری بار ہل من مبارز کا نعرہ مار کر یہ غیرت دہ اشعار رجز پڑھے۔

ولقد بححت من النداء	بجمعکم ھل من مبارز
ووقفت اذ جبن المشجع	موقف البطل المناجز
وکذاک انی لم ازل	متسرعاً نحو الھزاھز
ان الشجاعۃ فی الفتی	والجود من خیر الغرائز

ترجمہ۔ تحقیق کہ میری آواز تم لوگوں کو ھل من مبارز پکارتے پکارتے تھک گئی۔ جب بہادر نامردی کرتے تھے میں دلیروں کی صف میں کھڑا تھا میں اسی طرح لوگوں کیطرف دوڑتا تھا کیونکہ جوانمرد کے لئے سخاوت اور شجاعت بہت اچھی صفت ہے۔ ارجح المطالب لاہور جلد اول ص ۲۱۸

رخصت رسول سے حضرت علی کی رخصت

حافظ جمال الدین فضل اللہ محدث شیرازی۔ رخصت رسول سے حضرت علی کی رخصت ہونیکی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را بوے داد و زرہ خود را در وے پوشانید و دستار خود را بر سر وے نہاد و روایتے آنکہ عمامہ ارا برائے وے بست وگفت اللّٰھم اعنہ علیہ۔ مارحدا ما علی را یاری دہ بر عمرو بن عبدود و روایتے آنکہ دستہائے خود را بر داشت لسوئے آسمان وگفت الٰہی عبیدہ را در روز بدر از من گرفتی وحمزہ را در روز احد از من جدا ساختی وایں علی ست برادر من ولپسر عم من رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار خاص ذوالفقار حضرت علی کو عنایت کی اپنی زرہ اپنے ہاتھوں سے پہنائی اپنی دستار مبارک اونکے سر پر رکھی۔ اور ایک روایت کے موافق انکے سر پر اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا اور کہا بارالٰہا تو عمرو کے مقابلہ میں علی کی مدد کر اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کیطرف بلند کئے اور کہا کہ الٰہی تو نے عبیدہ کو بدر کے دن مجھسے لیلیا اور حمزہ کو احد کے دن مجھ سے جدا کرلیا یہ علی میرا بھائی اور ابن عم ہے تو مجھے تنہا نہ چھوڑنا حالانکہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

امام ابن طلحۃ الشافعی۔ مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ اس شان سے رخصت ہوکر عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں اوسکی رجز کے جواب میں اپنے یہ اشعار پڑھتا ہوا چلا۔

یا عمرو ویحک قد اتاک	مجیب صوتک غیر عاجز
ذو نیۃ وبصیرۃ	والحق منجی کل فائز
انی لارجو ان اقیم	علیک النائحۃ الجنائز
من ضربۃ نجلاء یبقی	ذکرھا عند الھزاھز

ترجمہ۔ اے عمر۔ تجھپر افسوس ہے تیرے پاس وہ آرہا ہے جو تیرے آواز کے جواب دینے میں عاجز نہیں ہے اور صاحب ارادہ و بصیرت ہے۔ اور سچ ہے کہ ایک شیر ورسد کو نجات دینے والا ہے۔ میں بیشک امید رکھتا ہوں کہ میں لوٹنے والی عورتوں کے بین تجھپر جاری کراؤں گا ایک ایسی ضرب سے کہ تو جا ہوجائیگا اور معرکوں میں میری ضرب کا ذکر باقی رہجائے گا۔

حضرت علی اور عمرو بن عبد ود سے مقابلہ کے وقت مکالمہ شبلی صاحب نے بلا ہم معرفت جانبین کی وقت مقابلت مکالمت شروع کردی ہے۔ حالانکہ یہ عرب کے دستور جنگ کے بالکل خلاف ہے۔ جسے آپ جنگ بدر میں۔ کفار قریش اور انصار مدینہ کے متعلق خود تفصیل سے اوپر لکھ کر بتلا چکے ہیں۔ چنانچہ امام ابن طلحۃ الشافعی۔ مطالب السئول میں مکالمت کی ابتدا معرفت سے یوں کرتے ہیں۔

جب حضرت علی مرتضی عمرو بن عبد ود کے پاس پہونچے تو اوس نے آداب جنگ کے مطابق آپ سے آپکا حسب و نسب دریافت کیا تو حضرت علی نے کہا انا علی بن ابی طالب ابن عم رسول اللّٰہ وصہرہ۔ میں علی بن ابی طالب ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور داماد۔ عمر متعجب ہو کر کہنے لگا تم ابی طالب کے بیٹے ہو۔ ابی طالب تو میرے بڑے دوستوں میں سے تھے۔ تم لوٹ جاؤ۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہوسکتا کہ میرا نیزہ تم کو زخمی کرے۔

حضرت علی نے فرمایا اے عمر یہ باتیں چھوڑ دے۔ جو میں کہتا ہوں سُن۔ اگر تیرا جی چاہے تو تو میری بات کو مان لے ورنہ نہیں۔ عمر بولا۔ کہو۔ کیا کہتے ہو۔ آپ نے کہا۔ تمام عرب میں مشہور ہے کہ تو اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک بات کو ضرور اوس کی درخواست کرنے کیوقت قبول کرلیتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری بھی تجھ سے تین درخواستیں ہیں۔ اون میں جو تجھے پسند ہو اوسکے مطابق عمل کر۔ عمرو بن عبد ود بولا۔ کہو۔

پھر جانبین سے یوں مکالمت شروع ہوئی۔

حضرت علی ۔ میری پہلی درخواست یہ ہے کہ تو دین اسلام کو قبول کرلے اور مرنے کے وقت یہ ہدیہ خدا کے دربار میں اپنے ہمراہ لیتا جا۔

عمرو بن عبد ود ۔ یہ مجھے کسی طرح قبول نہیں ہے

حضرت علی ۔ تو اچھا۔ جنگ میں قریش کا ساتھ دے اور گھر لوٹ جا۔

عمرو بن عبد ود ۔ یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مرد ہو کر مکہ کی عورتوں کا طعنہ کون سُنیگا۔

حضرت علی ۔ پھر مقابلہ کرلے اور لڑلے۔

غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اپنی بے نظیر شجاعت وطاقت کے غرور میں چور ہو کر جہالت کا سب سے پہلا کام جو عمرو بن عبد ود نے کیا وہ یہ تھا کہ گھوڑے سے اوتر پڑا اور اپنے ہاتھوں کی صفائی دکھلانے کی غرض سے تلوار کا ایک ہاتھ لے زبان اور بیگناہ جانور پر ایسا لگایا کہ اوسکی کونچیں کٹ گئیں اور وہ فوراً گر کر مر گیا۔

اس وحشیانہ حرکت سے عمرو کی خاص غرض یہ تھی کہ حضرت علی خصوصاً اور تمام فوج اسلامی اسکی تیز دستی دیکھ کر مرعوب ہو جائے۔ بہادر لڑائی کے وہ چٹکلے ہیں جو عمرو بن عبد ود کے ایسے مشاق اور تجربہ کار زبردآزما۔ اپنے مقابلین کو ہلاک کرنیکی غرض سے ضرورت کیوقت عمل میں لاتے ہیں اور انہیں چٹکلوں سے چٹکیوں میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ لیکن عمرو کا یہ جادو کارگر نہوا۔

بخلاف اسکے کرشمہ قدرت نے اسکا برعکس نتیجہ یوں دکھلایا کہ حضرت علی مرتضیٰ کو اس کے مقابلہ میں پہلے سے زیادہ سہولیت اور آسانی ہوگئی۔ کیونکہ عمرو پہلے گھوڑے پر سوار تھا اور اب پیدل ہوگیا۔ وہ طویل القامت بھی تھا۔ اور حضرت علی ابتدا ہی سے پیدل تھے اور اوس سے قصیر القامت۔ ممکن تھا کہ اوسکے سوار رہنے کی حالت میں بلندی کی وجہ سے ذوالفقار کارگر نہوتی۔ لیکن گھوڑے سے اوتر آنے پر اب یہ تمام دشواریاں جاتی رہیں اور مقابلہ برابر کا ہوگیا ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

عمرو عبدود کا قتل

عمرو بن عبدود اس مغرورانہ خیالوں میں سرشار تھا کہ مقابل محض ایک کمسن جوان ہے عرب کا کوئی اتنا مشہور اور کہنہ مشق جنگ آزما بھی نہیں۔ برابر کا جوڑ نہیں۔ اسکا مار لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ تعجب نہیں کہ اسکے مار لینے سے نیکنامی تو نہو۔ بدنامی ہو ان توہمات کی بنا پر عمرو نے آپکا جلد خاتمہ کر دینا چاہا۔ نہایت پھرتی کے ساتھ اپنی تلوار کا وار حضرت علی کے سر پر اس شدت سے لگایا کہ گو آپ نے سپر پر روکا۔ لیکن تاہم اوسکی تلوار سپر کو کاٹتی ہوئی آپ کے جبین اقدس پر زخم لگا گئی۔ اور یہ نشان مُہر شجاعت بنکر ہمیشہ کیلئے پیشانی نورانی پر قائم رہا۔

ذوالقرنین حضرت علی کا لقب ہوا

حضرت علی کے کثیر التعداد القاب میں ایک لقب ذوالقرنین بھی ہے۔ علامہ مجدالدین فیروزآبادی قاموس میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کو ذوالقرنین اسوجہ سے کہتے ہیں کہ آپکی پیشانی پر دو تلواروں کی ضربتوں کے نشان تھے۔ پہلا نشان تو یہی تھا۔ دوسرا ابن ملجم کی تلوار کا۔

عمرو بن عبدود نے جونہیں اپنی تلوار اوٹھائی۔ ویسے ہی حضرت علی مرتضیٰ نے وہ تُلا ہوا ہاتھ لگایا کہ ذوالفقار آبدار شانہ کاٹتی ہوئی پہلو تک اوتر آئی اور عمرو بن عبدود لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔

زرقانی حضرت علی کی ضربت کی یوں تفصیل کرتے ہیں۔

وطعنه في ترقوته حتى اخرجها من مراقه فسقط ثم اقبل نحو النبي صلی اللہ علیه وآله وسلم وهو متهلل فقال عمر بن الخطاب هلا سلبته درعه فانه ليس في العرب درع خير منها فقال انه حين ضربته استقبلني بسوأته فاستحييت

حضرت علی نے اوسکو نیزہ لگایا اور وہ ایسا کاری تھا کہ گردن میں پیوست ہوکر پیٹ سے نکل آیا اور عمرو گر پڑا اور آپ اوسی طرح حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند فرماتے ہوئے حاضر ہوئے حضرت عمر بن الخطاب نے کہا کہ آپ نے اسکی زرہ کیوں نہ اوتار لی اسکی زرہ سے اچھی عرب میں کوئی زرہ نہیں ہے حضرت علی نے کہا جب میں اسکے قریب گیا تو وہ برہنہ تھا مجھکو حیا آگئی۔

عمر بن عبدود کے گرتے ہی حضرت علی نے تکبیر کا پرزور نعرہ بلند فرمایا۔ نعرہ تکبیر یہ تھا کہ شادیانہ فتح تھا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی نے عمر بن عبدود کو مار گرایا۔

حضرت عمر اور بھائی سے مقابلہ

عمر بن عبدود کے بعد اوسکے دو ہمراہیوں ضرار بن الخطاب۔ اور جبیرہ نے حضرت علی پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰ نے ایسے متواتر حملات سے دونوں کو مار بھگایا۔ حضرت عمر اپنی اظہار شجاعت کے موقعوں کو خوب پہچانتے تھے اپنے بھائی ضرار کو بھاگتے دیکھکر لپکے۔ اوس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو بھائی چلے آرہے ہیں وہیں سے سیدھا کیا اور بڑی سختی سے وار کیا۔ لیکن پھر ہاتھ روک لیا۔ اور یہ کہکر چلتا ہوا۔ عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔ سیرۃ النبی ص ۲۱۲

نوفل کا قتل

نوفل بھی کمینگاہ میں چھپا کھڑا تھا۔ وہ بھی انھیں کے ساتھ بھاگا لیکن اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ خندق میں گر پڑا مسلمانوں نے موقع پاکر اوس پر تیر برسانے شروع کر دے وہ چلایا۔ میں حقیرانہ موت مرنا نہیں چاہتا بلکہ مردانہ طریقہ سے مرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علی سن رہے تھے۔ فوراً خندق میں کود پڑے اور کہا۔ لے تجھے میں شریفانہ طریقہ سے ختم کئے دیتا ہوں یہ کہا اور نوفل کا سر ذوالفقار سے کاٹ لیا۔ اور مسلمانوں کی جمعیت میں پھینکدیا۔

نوفل کی قیمت لاش لینے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

نوفل قریش کو اتنا عزیز تھا کہ مسلمانوں کو اوسکی لاش کی قیمت میں دس ہزار دینار دیتے تھے۔ اور مسلمان راضی نہوتے تھے۔ آخر یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہونچا آپ نے فرمایا۔ لاش دیدو اور کہدو ہمیں تمہارے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

عمرو بن عبدود کی بہن نے بھائی کی لاش کو محفوظ دیکھکر قاتل کی تعریف کی

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے عمر بن عبدود کا صرف سر کاٹ لیا تھا اور اوسکے ہتھیار اور زرہ وغیرہ سب ویسے ہی کے ویسے چھوڑ دئیے تھے آپ کے اس مردانہ استغنا و مروت کے متعلق امام ابن طلحہ الشافعی لکھتے ہیں

عن ابی الحسن مدائنی قال لما قتل علی عمرو بن عبدود نعی الیہ اختہ فقالت من ذالذی اجترئ علیہ فقالوا علی بن ابی طالب فقالت کانت منیتہ علی ید کفو کریم ما سمعت بافخر من ھذا یا بنی عامر ثم انشات	ابوالحسن مدائنی روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی نے عمرو بن عبدود کو مارا تو اوسکی بہن اوسکی لاش پر رونے کو آئی اوسکی لاش کو محفوظ و مسلم دیکھکر لوگوں سے پوچھنے لگی کہ اس بزرگ کا قاتل کون ہے لوگوں نے کہا علی بن ابی طالب کا وہ کہنے لگی اسکی موت اسکے بزرگ بھائی مرد کے ہاتھ سے ہوئی ہے اسے بنی عامر اس سے بڑھکر اسکے لئے دھر کیلئے فخر کی اور کونسی بات ہوسکتی ہے پھر اوس نے یہ اشعار پڑھے۔ اگر عمر کا قاتل اس قاتل کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں ہمیشہ اس پر رویا کرتی۔ لیکن اسکا قاتل ایسا ہی ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے اور وہ پہلے سے شہر کا سردار پکارا جاتا ہے۔ ارجح المطالب جلد اول ص ۲۱۹

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ　　لکنت ابکی علیہ آخر الابد
لکن قاتلہ لا یعاب بہ　　من کان یدعی قدیما بیضۃ البلد

زبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ضربت علی کی اہمیت

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عالم اضطراب میں حضرت علی مرتضیٰ کو رخصت فرمایا تھا اور عمر کی ضرب سے محفوظ رہنے کے خیال سے اسلحات و آلات جنگ سے انتہا امکان کے مطابق اونکی حفاظت کے

پورے سامان کردئے تھے وہ سب بیان ہو چکا ہو لیکن تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان نہ تھا۔ درحقیقت پراستادہ تھے جانبین کا مقابلہ ہیں سطر تھا ارشاد فرماتے تھے۔

برز الایمان الکفر کلہ | آج پورے ایمان کے ساتھ پورے کفر کا مقابلہ ہے۔

اس اثنا میں حضرت علی نے عمرو بن عبدود کو مار گرایا۔ سر لیکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پائے اقدس پر عمر کا سر ڈالدیا حیات رسول امام علیہ السلام اور تمام اہل اسلام کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی۔ امام حاکم مستدرک میں امام دیلمی فردوس الاخبار میں۔ محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن عبدود کا سر دیکھکر ارشاد فرمایا

المبارزۃ علی بعمرو بن عبد ود فی الیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیٰمۃ | خندق کے روز عمرو بن عبدود کے ساتھ علی کی لڑائی میری امت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک بجا لائیں گے بہتر ہے روضۃ الاحباب ص ۳۲۷

ابن طلحۃ الشافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں۔

زبان خدا سے مبارزت علی کی ثنا

عن عبداللہ بن مسعود قال کان یقرء وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ بِعَلِيٍّ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا | عبداللہ بن مسعود اسطرح پڑھا کرتے تھے کہ لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علی کے سبب سے مدد کی اور اللہ غالب ہے اور مہربان ہے۔ ارجح المطالب ص ۲۱۹۔ مطبوعہ لاہور

ابن مردویہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن عساکر اور امام سیوطی نے بھی آیہ کفی اللہ المومنین الخ کے اسباب نزول میں یہی لکھا ہے۔

پھر اوسی مطالب السئول میں مرقوم ہے۔ اور زرقانی بھی علامہ عطاردی اور یحیی ابن آدم کے قول سے اسکی تائید کرتے ہیں ص ۱۳۳ ج ۲

عن جابر بن عبداللہ قال لما شبہت قتل علی عمرو الا بما قص اللہ تعالیٰ من قصۃ داؤد علیہ السلام وجالوت حیث قال عز وجل فھزموھم باذن اللہ وقتل داؤد جالوت | جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت علی کا عمرو کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤد علیہ السلام اور جالوت کے قصہ سے متشابہ ہے جس کا ذکر خدا نے اسطرح پر کیا ہے کہ وہ خدا کے حکم سے بھاگ گئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا ارجح المطالب ص ۲۱۹

امام سلیمان القندوزی البلخی ینابیع المودۃ میں۔ آیہ کفی اللہ المومنین کے اسباب نزول میں یہی واقعہ لکھکر جو اوپر لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں

قال الشیخ العطار فی کتابہ مظہر الصفات کنت عند شیخی وسیدی الشیخ نجم الدین کبری قدس سرہ فحدثنی ھذا الحدیث فغلب علیہ الحال القوی فبکیت معہ فخرجت الدنیا فی اعیننا وتدعنا حب الدنیا عن قلوبنا۔ ینبیع ص ۔۔ | شیخ فریدالدین عطار اپنی کتاب مظہر الصفات میں نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے پیر و مرشد شیخ نجم الدین کبری کی خدمت میں تھا انہوں نے یہ حدیث خندق کو سنایا شیخ پر سنتے ہی عالم وجد اور قوی حال طاری ہوا اور میں اونکے ساتھ ملکر رونے لگا اسوقت سے ہم دونوں نے دنیا کی محبت کو اپنے قلوب سے نکال پھینکا۔

میدان جنگ سے قریش کا فرار

ابوسفیان کا اتنا کلیجہ کہاں کہ عمرو بن عبدود کے ایسے رستم دستان کے مارے جانے کے بعد وہ ایک لحظہ کیلئے بھی میدان کارزار میں ٹھہر سکے۔ عمرو بن عبدود۔ نوفل۔ جبیرہ ضرار کے نتیجہ کارنے اوسکے حواس کو اور باختہ کر دیا اور ابوسفیان پہلو بچا کر

چلانے کو طیار ہو گیا تفصیل آگے آتی ہے۔

قریش کی اسلام کے خلاف یہ آخری مقابلت و محاربت تھی جو بالتمامہ ختم ہو گئی اور ایسی کہ پھر قریش آج سے اسلام کی مخالفت پر قدم نہ بڑھا سکے۔ افسوس ہے کہ شبلی صاحب نے توجہ خاص سے نہیں بلکہ ضرورت خاص سے بحث وقوع بدر میں ایک مقام پر حضرت علی مرتضیٰ کو جنگ بدر کا ہیرو تسلیم کیا ہے۔ بدر میں حضرت علی مرتضیٰ کی نمود اریوں میں تو حضرت حمزہ۔ عبیدہ اور دیگر حضرات بھی شریک بتلائے جا سکتے ہیں لیکن خندق کے محاسن خدمات میں تو حضرت علی مرتضیٰ کے سوا۔ مہاجرین و انصار کی تین ہزار موجودہ جمعیت میں کسی صاحب کو بھی قدم بڑھانے کی اور دشمن پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور حضرت علی مرتضیٰ نے تن تنہا اتنی بڑی جنگ عظیم کا جس میں دس ہزار شجاعان جرار شریک تھے۔ خاتمہ کر دیا۔ باایں ہمہ شبلی صاحب نے اس معرکہ کی تفصیل میں کہیں بھی انکے ہیرو ہونے کا ذکر نہ فرمایا۔ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔

اوپر بیاں ہو چکا ہے کہ عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی جنگ خندق کا خاتمہ ہو گیا۔ قریش کے عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کے دل کے دل پیرے کے پیرے ٹوٹ ٹوٹ کر میدانوں اور پہاڑوں پر منتشر ہونے لگے۔ کوئی کدھر گیا۔ کوئی کدھر۔ نصف شب تک مدینہ کا مطلع صاف ہو گیا۔

[حاشیہ: سعد ابن معاذ کا زخمی ہو کر شہید ہونا]

اسلام کو اس جنگ میں عظیم الشان کامیابی کیساتھ بہت بڑا نقصان بھی ہوا۔ وہ سعد بن معاذ کے ایسے جلیل القدر اور وفادار صحابی کی شہادت تھی۔ اگرچہ وہ عین معرکہ میں شہید ہوئے لیکن تیر سے ایسے زخمی ہوئے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ شبلی صاحب نے انکی شہادت کی یہ تفصیل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں اوسی میں سعد بن معاذ کی ماں بھی تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جاتے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

کنت قلیلاً تدرک الہیجا حمل	ذرا ٹھہر جا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہونچ جائے
لا باس بالموت اذا الموت نزل	وقت جب آ گیا تو موت سے کیا ڈر ہے

سعد کی ماں نے سنا تو کہا بیٹا دوڑ کے جا۔ تو نے تو دیر لگا دی۔ سعد کی زرہ اتنی چھوٹی تھی کہ اونکے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہ نے سعد کی ماں سے کہا کاش سعد کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کھل گئی۔ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں اور زخم کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ انکا خیمہ مسجد رسول میں خندق کے غزوہ کے بعد کھڑا کر دیا گیا اور یہ خاتون سعد کا علاج کرنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود دست مبارک سے فصد لیکر داغا لیکن پھر ورم آ گیا۔ دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ ہوا کئی دن کے بعد یعنی بنی قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی سیرۃ النبی صفحہ ۳۱۸

[حاشیہ: قریش کے حلداروں کے اسباب]

بایں ہمہ شور و شر دہائیں لے کر قریش کہاں تو ایسے ساز و سامان اور اتنی طیاریوں سے مدینہ میں مسلمانوں کا استیصال کرنے آئے تھے۔ کہاں صرف دو یا تین آدمیوں کے قتل کے بعد ایسا ہراساں اور بدحواس باختہ ہو گئے۔ کہ اوسوقت مدینہ

سے محاصرہ اٹھا جیسے اکھاڑ کے چل دے۔ آخر اس عجلت کی کوئی وجہ بھی ہے اس اضطراب کے کچھ اسباب بھی ہیں؟ اصلی سبب تو وہی ہے جو اوپر ہو چکا ہے کہ عمرو بن عبدود کے ایسے ہزار کے برابر والے پہلوان اور رستم دستان کے مار گرائے جانے نے۔ جو قریش کی تمام امیدوں کا مرکز تھا فوج کے پاؤں اکھاڑ دئے۔ اور انکے تمام ارادے پست کر دئے اس لئے وہ فوراً میدان جنگ خالی کر کے لشکر گاہ واپس گئے۔

لشکر گاہ میں پہونچے تو دو مصیبتوں کا پے در پے سامنا ہوا۔ ایک بنی قریظہ کی مفارقت۔ دوسرے ہوائے تند کی آفت۔

پہلے ہم بنی قریظہ کی مفارقت کے تفصیلی حالات لکھتے ہیں۔

بنی قریظہ نے قریش کا ساتھ چھوڑ دیا — اس کے متعلق شبلی صاحب رقمطراز ہیں۔

نعیم ابن مسعود ثقفی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں انکو مانتے تھے۔ وہ اسلام لا چکے تھے لیکن کفار کو ابھی اسکا علم نہیں تھا۔ انھوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے جھوٹ باتیں کہیں اس بنا پر کہتے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الحرب خدعۃ کی تعلیم کی تھی۔ لیکن ابن اسحٰق نے روایت کی سند نہیں نقل کی۔ اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہیں کہ ایسا واقعہ خصوصاً انکی سند سے قبول کر لیا جاوے اسکے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فرقوں کا اتحاد بغیر اسکے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بیانیاں کیجائے۔ ابن اسحاق کی روایت میں اسقدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے تمہارا اور مسلمانوں کا ہمیشہ کا ساتھ ہے۔ اس لئے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کیلئے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اسی پر آمادہ ہو۔ تو قریش سے کہو وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر چلے جانا چاہیں تو تم اُن لوگوں کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنی قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیوں توڑیں لیکن حی بن اخطب نے اس شرط پر انکو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤں گا قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے۔ جب انہوں نے انکار کیا ہوگا۔ تو خود اُن میں پھوٹ پڑ گئی ہوگی اس لئے ایک صحابی کو دروغگوئی کے داغ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے[۵۱]

[۵۱] شبلی صاحب کی چشم کرم ہمیشہ صاحبان سیرت ہی پر رہا کرتی ہے اور اسوقت بھی آپ کا سارا غصہ امام المغازی علامہ ابن اسحاق صاحب سیرت پر اوتر گیا ہے۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ مگر ہم بار بار گذارش کرتے آئے ہیں کہ سیرت و تاریخ کے ساتھ محدود نہیں کیا جاوے بلکہ یہ امور محدثین و مفسرین کی تالیفات میں بھی دیکھ لئے جایا کریں ورنہ فیصلہ یکطرفہ ہو جائیگا۔ اگر تمام عربی ماخذوں کے دیکھنے میں زحمت ہو۔ تو صرف زرقانی ہی میں جو ہر وقت پیش نظر ہے یہ بحث دیکھلی گئی ہوتی تو اس دروغگوئی کی حقیقت معلوم ہو جاتی کہ اصحاب سیرت ہی پر منحصر نہیں بڑے بڑے محدثین و مفسرین جو دنیائے اسلام میں بہت بڑے صاحبان البصیرت گذرے ہیں اس دروغگوئی کو وہ سفید جھوٹ نہیں کہتے جو علامہ شبلی سے آپ سمجھے ہیں بلکہ اسے شعبہ تدبیر سے تعبیر کرتے ہیں جسے موجودہ زمانے والے ڈپلومیسی بتلاتے ہیں ملاحظہ ہو زرقانی کی یہ فیصلہ کن عبارت۔

حکی مکی ومحمد بن عبد الواحد اصل الخداع اظهار امر واضمار خلافه وفيه التحريض على اخذ الحذر في الحرب والندب الى خداع الكفار وان لم يتيقظ لذالك لم يامن ان ينعكس الامر عليه قال النووي اتفقوا على جواز

مکی اور محمد بن عبد الواحد کہتے ہیں کہ اصل خدع اصل امر کا مخفی کرنا اور ارادے کے خلاف ظاہر کرنے کو کہتے ہیں اور اس سے مقصود حیلہائے کفار کا خوف پیدا کرنا اور لڑائی میں خوف حرب پیدا کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ حیلہ کی اصلیت سے آگاہ ہوتے تو اس کے مخالف نتائج سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتے امام نووی فرماتے ہیں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

شبلی صاحب کی اس دروغگوئی قائم کرنیکی حقیقت اسکی صحت اور جواز ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں اور پھر اس موقع خاص کی دروغگوئی کی صحت و حقیقت بھی اکابر محدثین خصوصاً شارحین صحیحین کے اسناد سے حاشیہ میں لکھدیتے ہیں اس لئے کہ اسکو اصل کتاب میں درج کرنا سلسلۂ بیان میں فصل پیدا کر دیتا

فرار کفار کی دوسری وجہ

لشکر کفار کے جلد نکل جانیکی وجہ اوّل تو ہم بیان کر چکے - اب ہم دوسری وجہ بھی شبلی ہی صاحب کی زبانی لکھکر بتلاتے ہیں - موسم کی سختی محاصرہ کا امتداد - آندھی کا زور - رسد کی قلّت یہود کی علٰحدگی - یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات لغزش میں آگئے تھے - ابو سفیان نے فوج سے کہا رسد ہو چکی - موسم کا یہ حال ہے یہود نے ساتھ چھوڑ دیا - اب محاصرہ بیکار ہے یہ کہکر جبل رحیل بجنے کا حکم دیا غطفان بھی اُسکے ساتھ روانہ ہوگئے - بنو قریظہ بھی محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۲-۲۳ دن تک غبار آلود رہکر صاف ہوگیا سیرۃ النبی ص ۳۱۷

حدیث بیان کی محاسن مدنیات

شبلی صاحب نے اشاروں میں بات کر دی اور الگ ہوگئے تفصیلی کیفیت یہ ہے - محدث شیرازی لکھتے ہیں - یہ مسلم ہے کہ مقابلہ والے دن بلکہ اوسکی ایک رات پہلے ہی سے دن رات لگاتار طوفانی ہوا چل رہی تھی اور سردی بھی برابر بڑی شدت کے ساتھ قائم تھی کفار کی ہزیمت کے بعد شام ہوگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ رات گئے نماز پڑھی اور اصحاب کو یہ کہکر پکارا کہ جو کوئی شخص اسوقت لشکر مخالف میں جاکر اونکے جانیکی خبر لائے وہ بہشت میں حضرت ابراہیم کا رفیق ہوگا - کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی - دوسری بار آپنے یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جاکر کفار اونکے احوال دریافت کر آئے وہ بہشت میں میرا رفیق ہوگا - اس پر بھی کسی طرف سے آواز نہ آئی - اسکے بعد حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ آپنے میرا خاص نام لیکر پکارا - تو میں سردی سے کانپتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے میری آواز سُنی تھی - میں نے عرض کی ہاں سُنی تھی لیکن بھوک اور سردی کی شدت سے حاضر نہو سکا - یہ سنکر آپ نے دست اقدس میرے سر پر مس فرمایا اور ارشاد کیا کہ براہ راست یہاں سے لشکر گاہ کفار میں چلے جاؤ اور دیکھ آؤ وہ کیا کر رہے ہیں اور اب اونکا کیا ارادہ ہے لیکن اونپر ہاتھ نہ اوٹھانا اور نہ کسی کو قتل کرنا - میں نے عرض کی کہیں وہ مجھے قید نہ کرلیں - آپ نے فرمایا نہیں وہ تمہیں اسیر نہیں کر سکتے - یہ کہکر آپ نے میرے حق میں یہ دعا فرمائی -

---

حاشیہ صفحہ گذشتہ الکذب فی الحرب کیف ما امکن الا ان یکون فیہ نقض عہد او امان فلا یجوز قال ابن العربی ویقع الخداع بالتعریض والکمین ونحو ذلک وفی الاحادیث الاشارۃ الی استعمال الرای فی الحرب بل الاحتیاج الیہ اکد من الشجاعۃ ولذا اقتصر علی ما یشیر الیہ ھذا الحدیث وھو کقولہ الحج عرفۃ قال ابن المنیر معنی الحرب خدعۃ ان الحرب الجیدۃ لصاحبہا الکاملۃ فی مقصودھا انما ھی المخادعۃ لا المواجھۃ وذلک لخطر المواجھۃ وحصول الظفر مع المخادعۃ بغیر خطر　　زرقانی جلد دوم ص ۱۲۵

اور کفار کے ساتھ موقع جنگ میں جائز ہے ایسی حالت میں کہ جب کوئی صورت امکان باقی رہے اور اوس خدعہ سے نقض امان یا خلاف عہد و پیمان ہوتا ہو تو جائز نہیں ہے - ابن عربی کا قول ہے خدعے مخالف کو جواب صریح کمیں اور ایسی دیگر ضروریات میں واقع ہوتے ہیں - رائے کی نسبت حدیث میں اشارہ ہے اور وہ صرف حکم صرائے نہیں ہے بلکہ اسکی پوری احتیاج و ضرورت اظہار شجاعت سے زیادہ تاکید بتلائی گئی ہے اسلئے مختصر طور پر اس قول میں اشارہ ہے کہ حج عرفہ ہے ابن منیر تحریر کرتے ہیں کہ سب حقیقت خدعہ ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ جنگ بالمقابلہ صاحب جنگ کی کوشش کاملہ مواجہہ ہے - نہ کاملی دعہ اور جنگ بالمخادعہ وہ ترکیب ہے - جو بلا مقابلہ اور بلا خطر کے حصول ظفر و نتیجانی کا ذریعہ ثابت ہو -　　المولف الاحقر سید اولاد حیدر

اللّٰھم احفظہ من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ ومن فوقہ ومن تحتہ	پروردگارتو اسکی سامنے سے پشت سے داہنے سے بائیں سے اوپر سے اور نیچے سے اسکی حفاظت فرما۔ اور محفوظ رکھ۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد پھر مجھے سردی اور بھوک کی شدت محسوس ہوئی۔ اور یہ خوف و دہشت معلوم ہوئی۔ میں نے سلاح جنگ بھی اور لشکر قریش میں جا پہونچا۔ وہاں پہنچکر ہوا کی تیزی یہاں سے اور زیادہ معلوم ہوئی۔ اور ایسی کہ خیمہ کے طنابیں اوکھاڑے پھینکے دیتی تھی اور ہولہوں سے پتیلی اور دیگچے اولٹے دیتی تھی۔ ابوسفیاں کا یہ عالم تھا کہ بار بار خیمہ سے کانپتا ہوا باہر آتا تھا اور آگ کے پاس بیٹھکر تھوڑی دیر تک گرم ہوتا تھا اور پھر خیمہ میں جاکر پڑرہتا تھا پھر نکلتا تھا اور ایسا ہی کرتا تھا تاہم سردی سے تسکین نہ ہوتی تھی۔ تمام فوج آگ کے پاس جمع تھی گویا تمام عرب بت پرست سے آتش پرست ہوگیا تھا لیکن باایہمہ کسیکی جاں میں جان نہ تھی۔ ابوسفیان نے خیمہ سے نکل کر حکم دیا کہ ہر شخص اپنے رفیق کو باہم لپٹاکر آگ کے پاس بیٹھے کہ بدن کی اور آگ کی گرمی ملکر خوب گرم ہو جائے

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں بھی یہ حکم سنکر ایک جماعت میں ملکر بیٹھ رہا۔ اور جو شخص میرے پہلو میں تھا اوسکو لپیٹا لیا نام و نسب پوچھا تو اوس نے کہا کہ میں قبیلہ ہوازن سے ہوں۔ میں نے اپنے دلمیں قصد کیا کہ ابوسفیان کو تیر لگا کر ٹھنڈا کر دوں لیکن مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم امتناعی کا خیال آگیا اور میں اپنے قصد سے باز رہا ابوسفیاں کی یہ ترکیب بھی کارگر نہوئی اور فوج کو سردی سے تسکین نہوئی بلکہ جیوں جیوں رات بڑھتی گئی سردی بھی بڑھتی گئی۔ اور سردی کیساتھ ہوا بھی تیز و تند ہوتی گئی اب تو یہ نوبت پہونچی کہ سانس کا لینا اور منہ سے بولنا دشوار ہوگیا بالآخر ابوسفیان نے دیگر سرداران لشکر سے باہم مشورت کر کے لشکر میں اعلان کر دیا کہ اب یہاں ٹھہرنا محض بیکار ہے ٹھہرنے مین انسان اور جانور دونوں کی جانوں کا نقصان ہے۔ اگر تھوڑی دیر یہاں اور مقیم رہے تو سب کے سب یہیں ڈھیر ہوکر رہجائیں گے اسلئے فوراً بار کرکے کوچ کر دو۔ اب ٹھہرکے کیا کروگے۔ یہودیون نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا بنی قریظہ اپنے گھر بیٹھ رہے ہے۔ اس حکم کے سنتے ہی لشکر میں کوچ کا شور برپا ہوگیا۔ اور نصف شب جاتے جاتے کفار کے لشکر نے میدان جنگ کو خالی کر دیا۔

حضرت حذیفہ بیاں کرتے ہین کہ اس کے بعد مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے قصد سے واپس چلا راستہ میں مجھے کچھ لوگ سفید عمامے باندھے ملے۔ اوراں لوگون نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ اپنے سردار سے جاکر کہدو کہ خداوند عالم نے دشمنوں سے تمھاری مدد فرمائی۔ اور تم کو محفوظ رکھا۔ حذیفہ کہتے ہیں جسوقت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ فارغ ہوئے تو میں نے مژدہ سنایا یہ مژدہ مسرت اثر اسکر آپ خنداں ہوئے اور اتنا کہ میں نے آپکے دنداں مبارک کی زیارت کرلی۔ ارشاد ہوا کہ رستہ میں جن لوگوں نے تمھیں بشارت دی تھی وہ خدا کے فرشتے تھے جو نصرت اسلام کے لئے بھیجے گئے تھے۔ روضۃ الاحباب ص ۲۲۱

قرآن مجید مین یون تفصیل مندرج ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا (احزاب)	مسلمانوں خدا کے احسان کو یاد کرو جبکہ تم پر فوجیں آپڑیں تو ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور وہ فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

غزوہ بنی قریظہ

۲۴ ذی الحجہ ۵ ہجری

غزوہ بنی قریظہ

محدث شیرازی حضرت ابن عباس کی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لیجاتے تھے۔ ۲۳ ذی قعدہ کو خندق کی فتح ہوئی۔ ۲۴ کو آپ مع الخیر مدینہ میں واپس آکر حسب معمول حضرت فاطمہ کے دیکھنے کو تشریف لیگئے۔ سلاح جنگ اوتاری اور جناب سیدہ اپنے پدر عالیمقدار کے چہرے اور پوشاک سے گرد و غبار پاک کرنے لگیں۔

ابھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم موہنہ ہاتھ دہوکر فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنو قریظہ کی تنبیہہ و تادیب کا حکم نازل ہوا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کی کہ آپنے سلاح جنگ اوتار دی۔ حالانکہ ملائکہ کی فوج ابھی ویسے ہی مسلح ہے (زرقانی و بخاری) یہ حکم سنتے ہی آپنے پھر سلاح جنگ آراستہ کرلی اور ہتھیار لگاکر باہر تشریف لائے اور تمام اہل اسلام کو حکم دیا ارکبوا یا خیل اللہ اے لشکر خدا کے لوگو سوار ہوجاؤ

جناب علی مرتضیٰ اور یہود کی سخت کلامی

حکم کی دیر تھی۔ مجاہدین اسلام پھر کمر بستہ تیار ہوگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو علمدار و سردار لشکر بناکر فوج اسلامی کے ساتھ آگے روانہ کردیا۔ اور بقیہ فوج اسلامی لیکر آپ عقب سے روانہ ہوئے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے بنی قریظہ کے قلعون کے سامنے اکثر اسلام کا علم نصب کردیا۔ یہہ دیکھکر یہود قلعہ کی فصیلون پر نکل آئے اور فوج اسلامی کو دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق مین کلمات ناسزا کہنے لگے حضرت علی مرتضیٰ اونکی زبان درازیون کو سنتے تھے لیکن جہاد کا اذن تو تھا ہی نہیں۔ بالکل خموش تھے مگر جب تحمل کی طاقت نہ رہی تو آپ وہان سے اذن جہاد لینے کیلئے واپس ہوئے راہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ طبری مین ہے

فسار علیا حتی اذا دنا من الحصون سمع منها مقالة قبيحة لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منهم فرجع حتی لقيه بالطريق فقال يا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عليك لا تدنوا من هولاء الاخابث قال لم اظنك سمعت منهم لی اذی قال نعم يا رسول اللہ فقال لو رأونی لم يقولوا من ذلك شيئاً ابن ہشام ص۱۴۹ و طبری ص۱۴۸۷

حضرت علی مرتضیٰ جب اون کے قلعون کے قریب پہونچے تو ان لوگوں نے کلمات قبیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہے حضرت علی سے تحمل نہ ہوسکا تو آپ وہاں سے لوٹے رستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے حضرت علی نے عرض کی کہ مصلحت وقت یہی ہے کہ آپ اس خبیث قوم کے پاس خود تشریف نہ لیجائیں آپنے فرمایا کیوں ہ کیا اون لوگوں سے تم نے میری نسبت کچھہ کلمات سُنے ہیں حضرت علی بولے جی ہاں۔ ارشاد ہوا کہ جب میں اونکے سامنے جا کھڑا ہوں گا تو پھر وہ ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہ نکال سکیں گے۔

الغرض لشکر اسلامی نے بڑی استحکامی سے حصار بنی قریظہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اونکی فراہمی ضروریات کی تمام راہین مسدود کردیں ایک مہینہ کے قریب تک محاصرہ قائم رہا اس درمیان مین بنی قریظہ نے بیرونی امداد کے حصول کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور

حیی بن اخطب جو اسوقت تک بنی قریظہ کے ہمراہ تھا۔ وہ بھی ایسے کاغذی گھوڑے ادھر ادھر برابر دوڑاتا رہا لیکن کچھ مفید کار ہوا۔ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم وقبیلہ کا طیار ہو جانا اب بہت دشوار تھا ان خراب حالتوں پر بھی باوجودیکہ بنی قریظہ اپنی فطرتی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے ایک دن انکی ایک شریر عورت نے ایک مسلمان انصاری خلاد نامی کے سر پر تاک کر بھاری پتھر گرادیا کہ وہ غریب وہیں کچل کر رہ گیا لیکن رحمت عالم نے ان مظالم پر صبر فرمایا اور کسی فوری تنبیہ وتادیب کا قصد نہیں کیا۔

اسلام نے یہوداں بنی قریظہ کے ساتھ ابتدا ہی سے خاص رعایت ملحوظ رکھی تھی جسطرح بنی نضیر آل ہارون ہونیکے دعویدار تھے اوسی طرح بنی قریظہ اپنا نسب نامہ حضرت شعیب سے ملاتے تھے اس لئے باعتبار قومیت کے وہ بنی النضیر سے زیادہ قدیم تھے لیکن باوجود دعویٰ شرافت کے ان لوگوں سے کوئی شریفانہ عمل نظر نہیں آئے۔ بلکہ بجائے اسکے وہ بدعہد بدخلق بدکار اور محسن کش قوم ثابت ہوئے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ میں ظہور اسلام کے وقت ہی تمام یہودیوں نے ملکر اسلام کے ساتھ معاہدے لکھدئے تھے کہ بلاخیال اختلاف مذہب مسلمان اور یہود ایک قوم واحد کی صورت میں ایک دوسرے کے شریک ومددگار رہا کرینگے اس بنا پر اسلام نے انکے ساتھ آزاد قوم کے ایسے معاملات قائم رکھے۔ اور انکو مراسم مذہبی کی ادا کاریوں میں پوری آزادی عطا فرمائی۔ لیکن بنی قریظہ نے بدر ہی سے خلاف عہدی شروع کردی اور سلاح جنگ سے قریش کی مدد کی تھی اور یہ بات جنگ بدر کے بعد فوراً کھل بھی گئی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن اخلاق سے کبھی اسکا ذکر بھی نہ کیا جنگ بدر کے بعد ہی سے یہودیوں کے خیالات میں اسلام کی طرف سے اتفاق واتحاد کی جگہ نفاق وفساد اور محبت ومساوات کے عوض رشک وحسد پیدا ہو گیا۔ پھر قریش نے ان لوگوں پر سازش کے جال پھیلائے اور یہ سب کے سب اونکے دام فریب میں آگئے۔ اور استیصال اسلام پر طیار ہو گئے۔

بنی قینقاع کی سزا وتنبیہ کے بعد جب بنی نضیر کی سزادہی کی نوبت پہونچی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے انھیں سے ابتدا کی سعد بن معاذ انکے معاملات میں خاص طور پر ساعی بنے۔ اسلئے کہ بنی قریظہ کے حلیف تھے۔ کچھ آج سے نہیں بلکہ زمانہ جہالت کے اوسوقت سے جب انصار میں خانہ جنگیاں جاری تھیں۔ اوسیوقت سے بنی قریظہ انکا جانبدار تھا۔ عرب میں حلیف ہونیکا تعلق نسبی تعلقات سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس بنا پر سعد بن معاذ نے انکے معاملات میں پیش پیش ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انکے معاملات میں مصالحت پر رضامند کرلیا۔ اور آپ نے بکمال رضا ورغبت تجدید معاہدہ کردی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں تحریر ہے۔

واجلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر واقر قریظۃ ومن علیہم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو جلا وطن فرما دیا اور بنی قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان خاص کیا۔

اس احسان کا یہ جواب تھا کہ حیی بن اخطب کی ذراسی بھڑکی میں آکر قریش کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ نہ سوچے کہ صلح نامہ جدید پر دستخط کئے ابھی کے دن ہوئے ہیں غزوۂ خندق سے شکست کھا کر لوٹے تو حیی بن اخطب کو ایسے سخت ترین دشمن اسلام کو اپنا مہمان بنا کر گھر لیتے آئے۔ اور اوسکے ذریعہ سے چار طرف استیصال اسلام کیلئے ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ ایسے ناقابل عفو جرائم پر بھی اسلام نے صرف انکے محاصرے سے انکی تنبیہ کی ابتدا کی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر وہ مرعوب ہو کر پھر معاہدۂ سابقہ پر آجائینگے۔ تو اسلام کو پھر ان سے کوئی شکایت

باقی نہیں رہیگی۔ اور جنگ خندق سے انکی ناکامی یقین بھی ایسا ہی دلاتی تھی۔ اور اگر اپنی شامت سے مقابلہ ہی پر آمادہ ہوگئے تو پھر مقابلہ بھی کیا جائیگا اور مقابلہ بھی۔ لیکن آغاز محاصرہ ہی سے انکے رنگ بیرنگ نظر آنے لگے۔ وہ شکست کھا کر مخاصمت سے خالی کیا ہوں گے۔ عداوت و منافقت سے اور بھر گئے۔ اور فوج اسلامی کے آتے ہی زبان درازیوں سے کام لینے لگے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس انتظار میں تاخیر فرماتے رہے اور محاصرہ میں طوالت ہوگئی کہ شاید یہ بدبخت اب بھی اسلام کے ساتھ یکسوئی کی راہ پر آجائیں۔ لیکن وہ راہ پر کیا آتیں گے اور گمراہ ہوتے چلے گئے۔ حالات کے شبہ کر دئے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو بالآخر آئین جنگ کے مطابق محاصرے میں سختی سے کام لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصفیہ کے خواہاں ہوئے۔ آپ ان غداروں کی مفسد طبیعتوں سے خوب واقف ہو چکے تھے اور انکی فتنہ انگیز حرکتوں کا متواتر تجربہ اوٹھا چکے تھے اس بنا پر خود تصفیہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ میں تصفیہ کرنے پر راضی تو ضرور ہوں۔ لیکن میں خود تصفیہ نہیں کروں گا۔ تمہیں اپنی طرف سے کسی کو حکم کر دو۔ جو وہ تصفیہ کر دے اوس پر ہم تم دونوں راضی ہو جائیں۔ بنی قریظہ نے قبول کر لیا۔ اور اپنے قدیم تعلقات کی بنا پر سعد بن معاذ کو حکم مقرر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سعد کی تحکیم کو منظور فرما لیا۔

سعد بن معاذ تحکیم یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں تیر سے سخت زخمی ہو گئے تھے۔ اسلئے اسوقت لشکر اسلام میں موجود نہ تھے قبیلہ اوس کے چند آدمی خود اونکے لانے کے لئے مدینہ گئے اور ایک گدھے پر سوار کرکے اونکو اپنے ہمراہ لیتے آئے۔

بنی قریظہ کے ہوا خواہ دیر تک دوڑ گئے۔ اور خود بھی اور قبیلہ اوس کے چند لوگوں کو اپنا ہمزبان بنا کر سعد سے روابط سابقہ کی بنا پر فیصلہ میں رعایت و نرمی کیلئے عرض معروض کرنے لگے لیکن ان کے متواتر اصرار کے مقابلہ میں سعد کا ایک ہی جواب تھا۔ زرقانی لکھتے ہیں

فلما اکثروا علیہ قال لقد ان لسعد ان لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم ص ۱۵۵ ج دوم	جب کثرت سے ان لوگوں نے اونکو گھیر لیا تو سعد بولے کہ سعد کے لئے وہ وقت آ لگا ہے کہ وہ راہ خدا میں کسی طعنہ زن کی طعن و تشنیع کی پرواہ کرے۔

ایسے صاف اور بیلوث جواب سے سائلیں کو مایوسی ہوگئی۔ پھر کسیکو آئندہ عرض و معروض کی جرأت نہوئی۔ لشکر گاہ اسلامی کچھ دور نہ تھی۔ سعد آرام و اطمینان سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ قریظہ کے نمایندگان جو معاملات طے کرنیکے لئے حاضر دربار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکو مخاطب کرکے کہا قوموا الی سیدکم اپنے سردار کی تعظیم کیلئے اوٹھو۔

الغرض سعد کو لوگ ہاتھوں ہاتھ سواری سے اوتار کر آہستہ آہستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ اور آپ نے نمایندگان بنی قریظہ کے سامنے صورت حال ارشاد کی۔ بنی قریظہ کے نمایندے لفظاً لفظاً آپ کی تقریر کو سنتے رہے مزید احتیاط کے خیال سے پھر قریظہ کے لوگوں سے پوچھ لیا کہ تم لوگ سعد کو اپنا حکم مقرر کرتے ہو انھوں نے عرض کی۔ ہاں۔ ہمیں انکا حکم قبول و منظور ہے یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اسلام کی طرف سے سعد کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جتک کسی امر میں قرآن مجید کا حکم خاص نازل نہیں ہوتا تھا۔ اوس میں احکام توراۃ کے مطابق حکم نافذ ہوتا تھا۔ اس بنا پر سعد نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ بالکل حکم توریت تھا۔ اور وہ یہ تھا

کہ سعد نے تھوڑے عورتوں کے بعد طرفین کے مقابلہ میں یہ حکم سنایا کہ یہودان قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دئیے جائیں۔ اون کے اہل وعیال اسیر ہوں۔ اور متاع ومال غنیمت میں لے لئے جائیں۔ توراۃ۔ کتاب تثنیہ۔ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے۔

جب تو کسی شہر میں حملہ کرنے کے لئے جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کریں اور تیرے لئے دروازے کھولدیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں وہ سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو اونکا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھکو اون پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے باقی بچے۔ عورتیں۔ جانور اور جو چیز اس شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔

جانبین کو فیصلہ حکم کے ایجاب و تعمیل میں عذر کی کوئی گنجایش نہیں تھی تعمیل کی گئی۔ اور چار سو یہودان قریظہ قتل کر دئیے گئے۔ یہ اونکی غداری اور فتنہ انگیزی کے نتیجے تھے۔ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور لب نہ ہلا سکتے تھے

یہود کی ایک دلیر عورت

عورتیں فیصلے کے مطابق قتل سے مستثنیٰ تھیں۔ لیکن وہ عورت جس نے خلاد کو پتھر گرا کر قتل کر دیا تھا مقتول کے قصاص میں واجب القتل تھی۔ یہ بڑی دلیر عورت تھی۔ اسنے حکم کو مقتضائے عدالت سمجھکر اپنے قتل سے ذرا بھی ہراساں نہیں تھی۔ شبلی صاحب حضرت عائشہ کی زبانی اسکی داستان قتل یوں لکھتے ہیں۔

ایک عورت تھی وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اوس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلاد) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت و دلیری سے جان دی۔ سنن ابوداؤد میں حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے اوسکو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولوں کی فہرست میں اوس کا بھی نام ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جاتا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اوس کے کانوں میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہ سے باتیں کرتی جاتی تھی اور بات بات پہ ہنستی جاتی تھی۔ دفعۃً قاتل نے اوسکا نام پکارا۔ وہ بے تکلف اوٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا۔ اوسکی سزا اوٹھانے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا۔ سیرۃ النبی ص ۳۲۲

اس فیصلہ کے عادلانہ ہونے کی نسبت یہودیوں کی تصدیق

تمام محدثین و مورخین کا اسکی نسبت اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد کی زبانی یہ فیصلہ سنکر اوسیوقت یہ فرمادیا تھا کہ یہ فیصلہ آسمانی حکم کے موافق ہے اس ارشاد میں اوسی حکم کیطرف اشارت ہے جو اوپر لکھدیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منحصر نہیں۔ خود یہودیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہو جو کلمات اون کے منہ سے نکلے وہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ اس حکم کو حکم خدا کے مطابق سمجھتے تھے۔ چنانچہ حی بن اخطب جسکی فتنہ انگیزیوں نے قریظہ کو یہ برے دن دکھلائے تھے قتل گاہ میں لایا گیا تو اوس کی زبان پر یہ فقرے جاری تھے۔

اما واللہ ما لمت نفسی فی عداوتک ولکنہ من یخذل اللہ یخذل	ہاں خدا کی قسم مجھکو اسکا افسوس نہیں کہ میں نے تیرے ساتھ کیوں عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اوسکو چھوڑ دیتا ہے۔

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

ایھا الناس انہ لا باس بامر اللہ کتاب وقدر	لوگو خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ لکھا ہوا تھا یہ ایک سزا تھی

ملحمۃ کتبہا اللہ علی بنی اسرائیل | وعدائے بنی اسرائیل کے لئے پہلے ہی لکھدی تھی

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ حی بن اخطب کو قانون فطرت کے مطابق موت کے وقت بنی قریظہ کے اعمال ومیہ کے ساتھ اپنی کرتوت بھی تو پیش نظر تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ واقعہ بنی نضیر میں خارج البلد ہونیکے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص طور پر معاہدہ کرچکا تھا کہ آج سے وہ اسلام کی مخالفت میں کسی قوم وقبیلہ کی حمایت نہیں کریگا اس اقرار پر وہ خدا کو ضامن دے چکا تھا لیکن اسکے خلاف اسوقت تک جو جو اس نے کیا تھا۔ جنگ خندق میں قریش سے جاملا۔ بنی قریظہ سے اسلام کا معاہدۂ صلح توڑوایا۔ اور خود بذات شریک جنگ رہنا سب اسوقت اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اور حقیقت حال اس کی زبان سے کہلوا رہا تھا۔

لیکن واہ رے عیسائیوں کی متعصبانہ بے بصیرتی اور مغویانہ کوتہ فہمی۔ لقولیکہ مدعی سست گواہ چست یہودیوں کو تو اپنی سزا کی نسبت کوئی عذر وکلام نہوا۔ اور وہ اسکو عدالت خداوندی کا مقتضا سمجھے۔ لیکن عیسائی تعصب ونفسانیت کی بنا پر سزائے بنی قریظہ کو اسلام کا سخت ظلم وجور قرار دیکر خواہ مخواہ چیخ اُٹھے۔ اور اپنے مغویانہ طریقہ بیان سے اسمیں اعتراض کے نئے نئے پہلو نکالے عیسائیوں کے قدیم اعتراضات کا تو ہزاروں بار جواب ہوچکا ہے اور آجتک دیا جاتا ہے۔ لیکن زمانہ حال کے جدید عیسائی محقق مسٹر مارگیولوس کو اسکے متعلق اعتراض میں کوئی جدت کا پہلو نہ ملا تو کہنے لگے کہ سعد بن معاذ کو جنگ خندق میں ایک یہود قرظی نے تیر مار کر زخمی کیا تھا۔ ایسا سخت حکم اوسکی قصاص تھا۔ باوجود اتنی دعوئ عربی دانی اور کتب اسلامی کی ورق گردانی کے ابھی تک مسٹر مارگیولوس کو اتنا نہ معلوم ہوسکا کہ سعد کا قاتل قرظی تھا یا قرشی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تصریح تام کے ساتھ تصریح قومیت بھی درج ہے وھوابن العرقۃ القرشی وہ ابن عرقہ قریشی تھا۔ سعد کے قاتل کا نام ابن عرقہ قریشی تھا۔

سزائے قریظہ اصول قصاص کے مطابق تھی | عیسائی معترضین اگر حقیقتاً انصاف پسند ہوتے تو حکم سزا کو سخت قرار دینے سے پہلے مجرمیں کی فرد جرم پڑھ لیتے۔ اور اونکے جرائم کی اہمیت پر غور کرلیتے۔ تب کچھ لکھنے کی جرأت کرتے۔ شبلی صاحب نے مجرمان بنی قریظہ کی جو فرد جرم سنائی ہے وہ اسکے تمام ناقابل عفو جرائم کی مکمل اور مفصل فہرست ہے۔ اور حقیقتاً اس سے اچھی فہرست مرتب ہونا دشوار ہے۔ ہم ذیل کی نقل کو کافی سمجھکر حسب ذیل درج کرتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں آکر ان کے (قریظہ کے) ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں انکو پوری مذہبی آزادی دی گئی۔ اور انکی جان ومال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اوسکو صرف آدھا خون بہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اسکے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ پر یہ احسان کیا کہ اونکا درجہ بنو نضیر کے برابر کردیا (بحوالہ ابوداؤد احکام دیت)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان باتوں کی عہد شکنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

(۵) ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیجدی گئیں تھیں۔ اون پر جاکر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کرکے جنگ احزاب قائم کی تھی۔ اوسکو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کی اشتعال کا دیباچہ تھا۔" ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا سیرۃ النبی ص ۳۲۱

افسوس ہے کہ عیسائی متعصبین حکم سراکے ساتھ محرمین کے فرد جرم کا مطالعہ نہیں کرلیتے۔ کیا یوروپ میں انصاف پسندی کے یہی اصول قائم کئے گئے ہیں کہ صرف حکم کے الفاظ سے بحث کیجائے اور توجیہات حکم پر نظر نہ ڈالی جائے۔ اگر ہم اونکے اسی یکجہتیانہ اور محض معویانہ قول کو بنو قریظہ کے معاملہ میں اسلام نے بڑی سختی سے کام لیا۔ تھوڑی دیر کیلئے بفرض محال اگر مان بھی لیں تو اسکے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ اسلام کا یہ فیصلہ حکم توریت کے بالکل مطابق تھا۔ وہ یہودی تھے۔ اونکی الہامی کتاب توریت تھی۔ جن جرائم کے وہ مرتکب ہوئے تھے۔ اونکی سزا توریت میں یہی تھی جو اون کو دی گئی۔ اور اسی لئے مجرمین نے اسمیں کوئی عذر و کلام نہیں کیا۔ جیساکہ اونکے اصل قول و اعتراف سے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں۔

اگر اس سے بھی متعصبین یوروپ کی تسلی نہو تو ہم اونکو یاد دلاتے ہیں کہ بنو قریظہ حضرت شعیب نبی اللہ کی اولاد تھے۔ جو حضرت موسیٰ کے خسر تھے۔ ارباب سیر و تاریخ کے مشاہدات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب کی اولاد عرب کے علاقہ مدین میں آباد تھی۔ اور مدیان کے نام سے توریت میں تمام مذکور ہے۔ یہ امور پہلے ذہن نشین کرلیا جانا چاہئے تب دیکھنا چاہئے کہ حضرت موسیٰ نے باوجود اسی قرابت کے انکے ساتھ کیا سلوک قائم کئے۔ توریت کتاب الاعداد۔ باب ۳۱ از آیت ۹ تا ۳۵ میں ہے۔

بنو قریظہ کے معاملات میں اسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ رعایت کی

> بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور اون کے بچوں کو اسیر کیا اون کے مواشی۔ بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور اون کے سارے شہروں کو جن میں وے رہتے تھے اور اونکے تمام قلعوں کو پھونک دیا موسیٰ اون پر غصہ ہوا کہ کیا تم نے اون کی سب عورتوں کو جیتا رکھا اونکے تمام بچوں کو جو ماداں ہیں قتل کر ڈالو اسی طرح ایسی ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہوچکی ہے۔ قتل کر ڈالو۔ لیکن وہ لڑکیاں جو مردوں کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں اونکو اپنے لئے زندہ رکھو۔

محققین یوروپ توریت کھول کر دیکھ لیں کہ حضرت موسیٰ جو اپنے وقت میں بنی قریظہ کے اسلاف کے ساتھ کیا کر چکے ہیں اور اون کو اونکی غداری اور بدکرداری کی کیا سزا دے چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے حکم کو حضرت محمد حبیب اللہ کے حکم سے مقابلہ کریں تو اون کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ کے حکم کے مقابلہ میں رحمۃ للعالمین اور اشرف المرسلین کا حکم زیادہ نرم اور ملائم تھا۔ رحمت عالم کے حکم میں قتل و قصاص سے عورتیں اور بچے بالکل مستثنیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ کے حکم میں تاکید تھی کہ بیاہی عورتیں اور ماداں بچے ضرور قتل کر دئے جائیں کیا ان احکام توریت کے معاینہ کے بعد بھی عیسائی متعصبین کو اپنی معویانہ عالم فریبیوں پر اصرار رہیگا۔ اگر حقیقتاً رہے گا تو یہ اونکی کور چشمی اور سیہ قلبی کا روشن ثبوت ہوگا۔

آخر بحث میں ہمکو یہ بھی لکھکر دکھلا دینا نہایت ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ کے حکم بالا میں محاربین کی جماعت میں کسی کے استثنا کا حکم نہیں تھا اور سعد کے فیصلہ حال نے بھی حکم سزا میں کسی فرد واحد کو مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔ لیکن تاہم اوس خلق مجسم اور رحمت عالم روحی فداہ نے اپنے خلق عظیم سے زبیر یہودی کی مع اوسکے اہل و عیال کی جان بخشی کا حکم دیا۔ اور رفاعہ بن شمویل کو اپنی مرحمت خاص سے رہا فرما دیا۔ صلوا علیہ وآلہ

ریحانہ کا مختصر واقعہ — ریحانہ کو بعض مورخین بنی نضیر کی عورت بتلاتے ہیں اور بعض قرظی۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ بنی نضیر کے قبیلہ یہود سے تھی اور بنی قریظہ میں ایک شخص یہود حکیم قرظی نامی سے بیاہی تھی اسکا شوہر قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اسیر ہوکر لشکر اسلام میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے عقد کر لیا۔ زرقانی میں اسکی پوری کیفیت ان الفاظ میں درج ہے

وتزوجها بعد ان اسلمت واصدقها اثنتی عشرۃ اوقیۃ واعرس بها فی المحرم سنۃ ست فی بیت سلمی بنت قیس النجاریۃ وضرب علیها الحجاب فغارت علیہ غیرۃ شدیدۃ فطلقها تطلیقۃ فشق علیها واکثرت البکاء فراجعها ولم تزل عندہ حتی ماتت راجعۃ من حجۃ الوداع سنۃ عشر ودفنها بالبقیع ذکرہ الواقدی وابن سعد وغیرهما　جلد دوم ص ۱۵۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ کے ساتھ اوسکے اسلام لانے کے بعد نکاح کر لیا۔ اور بارہ اوقیہ (چاندی) اوسکے مہر میں دیا اور محرم سنہ ۶ ہجری میں مشرف فرمایا اور سلمیٰ بنت قیس نجاریہ انصاریہ کے گھر میں اونکو پردہ کے ساتھ رکھا ریحانہ کو پردہ میں رہنے سے بڑی غیرت آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اونکی آزادی اور ریحانی ناگوار خاطر ہوئی آپنے اوسکو طلاق رجعی دیدی طلاق پاکر ریحانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوسکی گریہ وزاری پر رحم کرکے پھر اوسکو رجعت میں لے لیا پھر اوسوقت سے ریحانہ برابر آپ کی خدمت میں حاضر رہیں یہانتک کہ سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع سے جب آپ واپس آئے تو ریحانہ نے انتقال کیا۔ اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ اس واقعہ کو واقدی اور ابن سعد وغیرہما نے نقل کیا ہے۔

زرقانی نے مورخین و محدثین کی اس روایت کو بھی لکھا ہے۔ جسمیں ریحانہ پر باقاعدہ سا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متصرف ہونا لکھا ہے اور عیسائی معترضین کا یہی آلہ اعتراض ہے شبلی صاحب اسکی نسبت ایک زبان دراز عیسائی کے حسب ذیل الفاظ اعتراض نقل کرکے یوں تنقید فرماتے ہیں۔

بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریح طبع کے لئے ...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔ ریحانہ کی حرم میں داخل ہونے کی جسقدر روایتیں ہیں سب واقدی اور ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی سے جو روایت نقل کی ہے اوسمیں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں

فاعتقنی وتزوج لی	مجھکو آزاد کر دیا اور پھر مجھسے بیاہ کر لیا

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ	ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں اس مکان میں رہتی تھیں

حافظ ابن مندہ۔ جنکی کتاب طبقات الصحابہ تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے اسمیں یہ الفاظ ہیں۔

واسری ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقھا فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا	ریحانہ کو گرفتار کیا پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔

حافظ ابن حجر اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وھذہ فائدۃ جلیلۃ اغفلھا ابن الاثیر	یہ بڑی مفید تحقیق ہے۔ جس سے ابن اثیر نے غفلت کی ہے۔

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکو آزاد کر دیا تھا۔ اور وہ اپنے گھر میں جاکر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں۔ ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں داخل تھیں کنیز نہ تھیں سیرۃ النبی ص ۳۲۳

ہمکو شبلی صاحب کی مرقومہ بالا تنقید سے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ ریحانہ کی زوجیت کے متعلق جو مختار قائم کیا گیا ہے وہی ہمارا بھی مختار ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ریحانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکوحات میں تھیں نہ مملوکات میں۔ لیکن حافظ ابن مندہ کی روایت سے جسمیں یہ تصریح ہے کہ ریحانہ گرفتار کر کے آزاد کر دی گئیں اور وہ اپنے خاندان میں واپس جاکر پردہ نشین ہو کر بیٹھ رہیں ہمکو اتفاق نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس سے زوجیت کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ مبہم طریقہ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت شفقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا اور وہ گھر چلی گئیں۔ یہ روایت آپکی پہلی روایتوں کے صریح معارض بھی واقع ہوتی ہے۔ جنکو آپ طبقات ابن سعد اور ابن حجر کے اصابہ سے باسناد تاریخ مدینہ محمد بن الحسن لکھکر ریحانہ کا زوجہ ہونا بیان کر چکے ہیں۔

مشکل یہ ہوئی آپنے ابن حجر کی عبارت سے حافظ ابن مندہ کی صرف روایت نقل کر دی ہے اوسکے رواۃ کی کوئی تفصیل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا کہ اصول حدیث کے مطابق یہ روایت کیسی ہے۔ ریحانہ کا اسیر ہوکر آزاد کر دیا جانا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اشفاق اور مکارم اخلاق سے مستبعد نہیں۔ لیکن ریحانہ کا گھر جاکر اور ہمیشہ پردہ میں بیٹھ کر اپنی عمر تمام کر دینا خلاف واقع معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ رسم حجاب کا یہود کی معاشرت میں داخل ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ اس بنا پر جو روایت کہ زرقانی سے اوپر لکھی گئی ہے اوسمیں بکمال تصریح بیاں ہے کہ پردہ میں رہنے کی وجہ سے ایکبار ریحانہ کو طلاق رجعی دی گئی تھی۔ لیکن طلاق کے بعد انھوں نے بڑی آہ و فریاد کی تو پھر زوجیت میں لے لیگئیں۔ اس بنا پر محض آزادی کے بعد خلاف فطرت و معاشرت انکا پردہ میں رہنا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ زوجیت سے واسطہ بھی نہیں ہوا۔ کسقدر لغو اور بے اصل ہے۔

اس لئے شبلی صاحب نے ریحانہ کے آزاد کر دیئے جانے اور گھر جاکر پردے میں بیٹھ رہنے کی جو روایتیں لکھی ہیں وہ اول تو مبہم ہیں۔ اصل ماخذ کے مختصر اقتباسات ہیں۔ دوسرے یہ کہ باہم خود متعارض ہیں۔ اسلئے قابل احتجاج نہیں۔ زرقانی

کی وہ روایت جسپر ہم نے اپنا مختار قائم کیا ہے۔ وہ بالکل واضح ہے اور مفصل۔ ریحانہ سے بقاعدہ شرعیہ بعد مسلمہ ہونیکے عقد فرمایا گیا۔ مہر دیا گیا۔ ازواج مطہرات کی طرح پردہ مین رہنے کی تاکید کی گئی۔ چونکہ حجاب انکی معاشرت کے خلاف تھا انھیں پسند نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی ناپسندیدگی ناگوار گذری۔ اس لئے طلاق رجعی دیگئی۔ پھر انھون نے بالحاح تمام معذرت کی۔ معاف کی گئین اور زوجیت مین لے لیگئیں۔ اور اوسدن سے موت کے دن تک سائر ازواج مطہرات کی طرح عدت مین حاضر رہیں۔ حجۃ الوداع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو ریحانہ نے انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئین۔

زرقانی نے بھی تاریخون کی غیر مقید روایتون کا ذکر کرکے لکھدیا ہے۔

قال الواقدی بعد ان اخرج من عدۃ طرق انہ تزوجہا وضرب علیہا الحجاب ہذا اثبت عند اہل العلم واقتصر علیہ ابن الاثیر

ص ۱۵۰ جلد دوم

واقدی نے اس روایت کو متعدد طریقوں سے بیان کرکے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریحانہ سے عقد کر لیا تھا۔ اور اوسکو پردے مین رکھا تھا اور یہی روایت صاحبان علم کے نزدیک ثابت ترین روایت ہے لیکن ابن اثیر نے اسے یقین لکھا اور تقصیر کی۔

شبلی صاحب نے بھی اسکو تسلیم کیا ہے۔ مگر درجۂ دوم میں رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئین تب بھی وہ قطعاً منکوحات مین تھین کنیز نہ تھین۔"

حقیقت وہی تھی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہین۔ ریحانہ مشکوے رسالت مین داخل ہوئین اور علامہ زرقانی کے مطابق پانچ برس کے بعد ۱۰ھ ہجری مین قضائے الٰہی کو لبیک کہکر انتقال فرما گئین اور جنت البقیع مین مدفون ہوئین۔

ایسے صاف اور واضح مشاہدات تاریخی سے بھی اگر عیسائی متعصبین کا اطمینان نہ ہو۔ تو بفرض محال ریحانہ کی کنیزی کے غلط واقعہ کو تسلیم کرکے ہم دکھلائین گے کہ حضرت موسیٰ نے یا دعود دعوے قرابت کے زنان خاندان حضرت شعیب سے جو سلوک کیا اوس سے کہین زیادہ پیغمبر اسلام کے سلوک مترحمانہ اور عادلانہ تھے۔ حضرت موسیٰ نے اپنے وقت مین غلبہ پاکر انکی شوہر والیوں کو بالکل قتل کروا ڈالا۔ اور کنواری لڑکیوں کو فوج کے معمولی سپاہیوں کی گرم آغوشیون کے لیئے وقف کر دیا۔ یہان ان سے کیا کیا گیا؟ بلا امتیاز شوہر دار و غیر شوہر دار انکی تمام عورتین قتل وخون سے محفوظ رکھی گئین۔ اور آئین جنگ کے موافق مقید کر لی گئین۔ ان مین سے ایک عفیفہ کو جو بیوہ ہوگئی تھین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجیت کا شرف عنایت فرمایا۔ تو اب اس تقابل و توازن با ہمانہ کو غور سے دیکھکر عدالت پسند اور منصف مزاج حضرات کہدین کہ دونو طریقہائے سلوک مین کون سا طریقہ بدسلوکی۔ بیدردی پر مبنی ثابت ہوتا ہے۔ اور کونسا حسن سلوک اور ہمدردی کے ثبوت دیتا ہے نہین معلوم عیسائی متعصبین کیسے غیرت دار ہین۔ جو اپنی کتب الہامیہ مین ایسے جابرانہ طریقہ سلوک کو گود مین دباکر اسلام کے ایسے ہمدردانہ محاسن سلوک سے آنکھین ملاتے ہین۔

حضرت زینب سے نکاح

اسلام اور عیسائیت کا یہ بھی ایک بہت بڑا اور قدیم معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ جس پر ایک بار نہیں بشمار بار عیسائیت

کی طرف سے اعتراض ہوچکا۔ اور رہبرانِ اسلام کی طرف سے دندان شکن اور مسکت جواب دئیے جاچکے گئے لیکن متعصبین یورپ اب بھی وہی راگ گائے جارہے ہیں۔

یہ مسلم ہے کہ اسلام تمام شریعتوں کا متمم اور مصحح بنکر نازل ہوا تھا۔ اس لئے کہ آخر شریعت تھی اور اسکے بعد ابواب رسالت بند ہونے والے تھے یہ بھی مسلم ہے کہ ادیان گذشتہ کے ایسا اسلام کی تعلیم دینیات اور اسکی تبلیغ الٰہیات ہی تک محدود نہین تھی۔ بلکہ وہ دین کا معلم بھی تھا اور دنیا کا حاکم بھی ملک کا معاون بھی تھا اور قوم کا مصلح و محسن بھی تمام جاہلانہ مراسم اور آئین کی بیخکنی اسکا فرض اولین تھا۔ طبقات قومی و ذاتی مفاخرت کو اوٹھا کر اصول مساوات کا قایم کرنا اسکے واجبات ضروریہ مین داخل تھا۔

عرب جہالت مین اوسوقت ذاتی مفاخرت باہمانہ کا قدیم دستور بڑے زوروں سے جاری تھا اور اس کثرت و قوت سے کہ ایک شخص دوسرے کو مشکل سے اپنے برابر سمجھنے پر راضی ہو سکتا تھا۔ آپس کی مساویانہ ہم نسبی اور ہم خاندانی کے معاملات مین اسی مفاخرت کی بنا پر مختلف اقوام و قبائل میں مشاجرت شروع ہوکر نسلوں کی نسلیں برباد کردیتی تھیں۔ مخدومان ملک تو ان مشاجرت میں مبتلا تھے۔ طبقہ خادمان و غلامان کی کیا حالت ہوگی۔ اسی سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

اسلام اوس دین کی نعمت ہمراہ لایا تھا جسکے اقرار و اختیار کے بعد خادم و مخدوم اور حاکم محکوم اور مالک مملوک سب برابر تھے۔ اور ایک صف و قطار مین بلا امتیاز و اختصاص کھڑے ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے پہلو مین زانو بزانو بیٹھتے تھے۔ جب خدا کی عبادت میں اسلام نے باہمانہ مساوات کی یہ صورت قائم کی ہو تب قومی اور دیگر ضروریات مین وہ مساوات و یکجہتی کی ایسی ہی شان نہ دکھلائے تو اوسکے آئین انصاف اور اصول اخلاق دونوں کے خلاف ہوگا۔

جناب زینب کے ساتھ نکاح کا واقعہ پہلے تو اسی تعلیم و تبلیغ اسلامی کا آئینہ ہے۔ پھر اسکے موجودہ واقعہ نکاح سے ایک دوسرے دستور قومی کی بھی اصلاح مقصود تھی اور وہ یہ تھی کہ عرب مین اسوقت تک متبنّٰی کی جاہلانہ رسم بڑی شدت سے جاری تھی۔ باپ کا پروردہ لڑکا۔ صلبی لڑکے کا حکم رکھتا تھا۔ نسب۔ توریث۔ حقوق دینی اور معاملات دنیاوی مین شارکت۔ غرض کسی امر مین متبنّٰی اور صلبی فرزند مین کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں تھی۔ اور یہ قانون فطرت کے اعتبار سے صلبی فرزند کی بڑی حق تلفی کا باعث تھی۔ اور قاعدہ وراثت کے لحاظ سے اگر صلبی اولاد نہو۔ تو دوسرے قریبی عزیز و اقارب کے حقوق کی بھی صریح پامالی تھی حضرت زینب کے اس ایک واقعہ سے ان دونوں جاہلانہ اور جابرانہ دستور و مراسم کی تسیخ منظور تھی

یہ واقعہ اگر عقل سلیم۔ نظر انصاف اور خوش نیتی سے دیکھا جاوے تو بیک جا و بیک وقت دو خراب رسموں کی اصلاح خاص پر مشتمل تھا۔ اس بنا پر اسکو موجودہ تہذیب و روشنی کے زمانہ مین لائق تعریف ہونا چاہیئے تھا۔ نہ قابل تشنیع و تعریض۔ لیکن اسکو کیا کیا جاوے گا۔ کہ تعصب اور نفسانیت والے دونوں آنکھین رکھکر بھی۔ ہر امر کو ایک ہی آنکھ سے

دیکھتے ہیں۔ چشم بدبین کا خاصہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر امر کے سمت بد پر پڑتی ہے اور محاسن کی طرف مشاہدے سے
ہمیشہ تیرگی کرتی ہے گویا دیکھ ہی نہیں سکتی اگر اس واقعہ میں اس کے محاسن و افادات پر تھوڑی دیر کے لئے نگاہ
کی جائے تو تحسین و آفرین کے سوا اعتراض کی آواز نہیں نکالی جا سکتی۔ لیکن چونکہ طبیعت کی بدی اسی کی عادی
ہو گئی ہو اس لئے کور سوادی اور سیہ قلبی سے برابر کام لیا جاتا ہے اور حقیقت کی روشنی کی طرف آنکھ اوٹھائی نہیں جاتی۔

اسلام نے عرب میں چشم رحمت کھولی تو غلاموں کے ساتھ ظلم و جور کا خونین منظر پیش نظر تھا۔ جو ہرگز نہ مدعاء قدرت
ربانی تھا اور نہ مقتضاے فطرت انسانی معلم اسلام علیہ السلام کو اپنے طریقہ عمل سے اسکی اصلاح ضروری تھی
اور آپ کا فرض منصبی تھا کہ اپنے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق سے ملک و قوم کو مالک و مملوک کے بیچ میں اصول
مساوات قایم رکھکر اپنے اسوہ حسنہ کی تعلیم دے۔

حضرت زید ابن حارثہ

زید ابن حارثہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ملکیت میں آئے آپ کی خدمت میں تربیت
پاکر جوان ہوئے ابتدا ہی سے انکے ساتھ ایسے مربیانہ اور مساویانہ محاسن اشفاق قایم کیے گئے
کہ تمام قریش اپنے دستور جہالت کے موافق زید کو آنحضرت صلعم کا متبنّیٰ کہنے لگے۔ اولاد ذکور کے۔ باقی رہنی کی وجہ
سے اونکا یہ قیاس بظاہر صحیح بھی معلوم ہونے لگا تھا۔ حالانکہ اس میں جتنی اہمیت اور حقیقت تھی اوسکو خدا اور
رسولؐ خوب جانتا تھا۔ اس عام خیال نے آیندہ اس سے بھی زیادہ اور قوت پکڑ لی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے زینب بنت امیمہ بنت حضرت عبدالمطلب۔ اپنی خاص پھوپھیری بہن کا نکاح زید ابن حارثہ سے کر دیا۔

حضرت زینب نے پہلے اوسی نقص غلامی کے لحاظ سے انکار کیا۔

وکان رسول اللہ صلعم اراد ان یزوجها زید بن حارثة مولاه فکرهت ذلک فتح الباری شرح صحیح بخاری باسناد زید بن ارقم	آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اونکا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ کے ساتھ کر دینا چاہا تو اونہوں نے ناپسند کیا فتح الباری شرح صحیح بخاری۔

لیکن چونکہ زینب بنت امیمہ بھی آپ ہی کی دامن تربیت میں پلی تھیں اور شرف باسلام ہو چکی تھیں اسلئے
جب آپ نے ان کو اسلام میں مملوکیت کی شان اعزاز و اکرام بتلائی تو یہ راضی ہو گئیں اور زید سے نکاح ہو گیا
لیکن غلامی کا داغ ایسا نہیں تھا جو اسلام کی فوری شست و شو سے دہل جاتا۔ اس بناپر نکاح ہو جانے کے
بعد بھی حضرت زینب کے دل میں اسکی خلش باقی رہی۔ جس نے زن و شو کے باہمانہ تعلقات میں ناگوار صورت
اختیار کی۔ فریقین میں سال بھر سے زیادہ اتفاق قایم نہ رہ سکا۔ زید برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں
زینب کی تند مزاجی اور ترش روئی کی شکایت کرتے تھے اور آپ برابر اونھیں سمجھا بجھا کر راضی کر دیتے تھے۔ لیکن زینب کے
مزاج کی برہمی کبھی کم نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار آپس میں ایسی بگڑی کہ زید اون کے طلاق دینے پر پورے طیار ہو کر آنحضرتؐ

صلعم کی خدمت مین اطلاع اجازت کی عرض خاص سے حاضر ہوئے۔ ساری روئداد عرض کی۔ اور کہا کہ اب مجھے صبر وتحمل کی طاقت نہین فتح الباری مین ہے۔

جاء زید بن حارثۃ فقال یارسول اللہ صلعم ان زینب اشتد علیّ لسانہا وانا ارید ان اطلقہا

زید آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور عرض کی کہ زینب مجھسے زبان درازی کرتی ہین اور مین ان کو طلاق دینا چاہتا ہون۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایکبار بھی اونکو سمجھا بجھا کر طلاق دینے سے باز رکھا۔ قرآن مجید ان الفاظ مین اسکی تصدیق کرتا ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ (احزاب)

اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا ہے کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح مین لئے رہو۔ اور خدا سے خوف کرو۔

جانبین سے تاہم صفائی قلوب نہوئی۔ اور باخوباہی معاشرت روزانہ متاجرت کی صورت پکڑتی گئی تو بالآخر زید بن حارثہ نے زینب بنت امیمہ کو طلاق دیدی اور وہ زید کے عقد نکاح سے نکلکر آزاد ہوگئین۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت نکاح مین زینب کو شوہر کی اطاعت کرنے اور راضی رکھنے کیلئے جیسی تاکید فرماتے تھے۔ ویسے ہی اب انکے آزاد ہوجانے پہ اونکی دلجوئی تسکین اور تفقد احوال کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ بالکل فی الواقع اور صحیح ہے کہ مدینہ مین زینب کا اوسوقت خبرگیران اور تفقد احوال کرنے والا اسوائے ذات اقدس کے اور کون تھا۔ اس بنا پر آپ نے زینب کو اپنے حبالۂ نکاح مین لے لینا چاہا لیکن زید کی تبنیت کے خیال موہومہ کی وجہ سے جہال کی طعن وتشنیع کا اندیشہ تھا اور اسی وجہ سے آپ نے چندے تامل فرمایا۔

چونکہ تبنیت ہی کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہین تھی اور جہالت کی وجہ سے اسمین جو کچھ اہمیت پیدا ہوگئی تھی اوسکا محو ومتاصل کردینا منظور تھا۔ اس بنا پر فرمان ربانی ان الفاظ قرآنی مین نازل ہوا۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ

اور تم اپنے دل مین وہ بات چھپاتے ہو جو خدا ظاہر کردینے والا ہے۔ اور تم لوگون سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے۔

افسوس ہے شبلی صاحب کی اختصار پسندی اقتباسات قرآنی مین بھی ابہام پیدا کرتی ہے۔ کوتہ رقمی کے قدیم اصول مطابق اسکی نقل واستنباط مین بھی صرف مبتدا سے تعلق رکھا گیا ہے اور خبر سے واسطہ نہین جو اصلی مدعاے بحث تھا یعنی مسئلہ تبنیت کی عدم اصلیت جو اسی آیہ کے آخری فقرات مین میری دانست مین آپ کے موجودہ مختصرات سے نہ معتقدین امت کا اطمینان ہوسکتا ہے نہ معترضین عیسائیت کی تشفی۔ اس لئے ہم اس پوری آیۂ الٰہیہ کو ذیل مین نقل کئے دیتے ہین جسکے مطالب ومقاصد سے حقیقت حال کا پورا انکشاف ہوجاتا ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي
نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ
أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا
لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ
أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ
مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ
لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ
أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ
اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ
وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ
رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

اور (اے پیغمبر اوس بات کو یاد کرو) جب تم اوس شخص کو سمجھاتے تھے (یعنی زید بن حارثہ کو) جس پر اللہ نے (ایما) احسان کیا (کہ اوسکو اسلام کی توفیق دی) اور تم بھی اوس پر احسان کرتے رہے کہ اپنی بی بی (زینب کو) اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈرے (اور اسکو چھوڑ مت) اور تم اوس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جسکو آخرکار اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تم اِن (منافقین) لوگوں سے ڈرتے تھے۔ اور خدا اس سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اوس سے ڈرو اور پھر جب زید اوس عورت سے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دی اور مدت عدت تمام ہو چکی) تو ہم نے تمہارے ساتھ اوس (عورت) کا نکاح کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے لیے پالک جب اپنی بیبیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے اُن عورتوں سے نکاح کر لینے میں (کسی طرح کی) تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے۔ اللہ نے پیغمبر کے لئے جو بات ٹھیرا دی ہو اوس (کے کرنے) میں پیغمبر کے لئے کچھ مضائقہ کی بات نہیں جو پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں۔ اون میں (بھی) عادت الٰہی جاری ہوتی رہی ہے (کہ اون پر خدا نے نکاح کے بارے میں تنگی نہیں کی) اور (خدا کے جتنے کام ہیں (ہر ایک امر) تقدیری (پیش از وقت) ازل سے ٹھیرے ہوئے ہیں وہ اگلے پیغمبر (اس صفت کے تھے کہ) خدا کے پیغام (لوگوں کو) پہنچاتے تھے۔ اور خوف خدا کرتے تھے۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (تو اے پیغمبر تم کیوں ڈرو) اور حساب (اعمال) کے لئے اللہ ہی بس ہے وہ سب سے سمجھ لیگا لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے کیوں ہوں؟) وہ تو اللہ کے رسول ہیں (اور خطوں کی مہر کی طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں اور اللہ تمام چیزوں کے (حال) سے واقف ہے۔ ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد ص ۶۷۶

اس آیہ قرآنی میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے تبنیت کی بے حقیقتی۔ زینب و زید کی سوء مزاجی زید کی شکایت پر برابر آپ کی طرف سے اونکی تشفی و دلجوئی۔ زید کے طلاق دینے اور زینب کے آزاد ہو جانے کے بعد خدا کے حکم سے اونکے ساتھ آپ کا نکاح کر لینا۔ تبنیت کا اسلام میں لاشے ہونا۔ اور متبنیٰ کی عورت کا آزاد ہو جانے کے بعد تمام عورتوں کی طرح ہر مسلمان کے ساتھ جائز النکاح ہونا واضح طور پر بیان فرما دیا گیا ہے

معترضین اگر دیدۂ بینا رکھتے ہیں تو وہ اس آیت سے حقیقت حال پورے طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن تعصب اور نفسانیت کی گھٹا ٹوپ میں حقیقت کی روشنی کا معلوم ہونا معلوم۔ ہر مذہب اپنے اصول کا پابند ہے اور اسلام بھی یہ تمام دنیا کا کلیہ مسلمہ ہے۔ اور اسلام کا بھی۔ اس بنا پر جو واقعات اسلامی کلام الٰہی یا احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں وہ اہل اسلام

کیلئے قابل تسلیم ہے اور لایق اعتبار اور جو نہیں ہیں وہ مسلمانوں کے معاملہ میں نہ قابل احتجاج ہیں نہ لایق اعتبار۔ اس لئے وہ مرویات اسلامی جو معارض کلام الہی اور مخالف شان و بیان رسالت پناہی ہیں وہ کسی طریق سے مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہوسکتے۔

یہی حالت طبری کی اوس روایت کی ہے جو عیسائی معترضین کی سرمایہ ناز ہے۔ جسکی تنقید کے لئے شبلی صاحب کی یہ عبارت کافی ہے۔

"تاریخ طبری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید سے ملنے کے لئے اون کے گھر گئے۔ زید نہ تھے۔ زینب کپڑے پہن رہی تھیں اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونکو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ مصرف القلوب

پاک ہے خداے برتر پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

زید کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اگر زینب آپ کو پسند آگئی ہوں تو میں ان کو طلاق دیدوں۔

میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد۔ یہی روایت ہے جو عیسائیون کی مایہ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے مورخ طبری نے واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے۔ جو مشہور کذاب اور دروغگو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے صرف یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہاتھ آئے۔ طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن محدثین نے انکو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں تاہم فتح الباری سورۂ احزاب کی تفسیر جہاں اس واقعہ کی بحث کی ہے لکھتے ہیں

ووردت آثار اخری اخرجها ابن ابی حاتم و طبری ونقلها کثیر من المفسرین لا ینبغی لتشاغل بها

اور بہت سی روایتیں آئی ہیں جنکو ابو حاتم اور طبری نے لکھا ہے اور اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے ان روایتوں میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں۔ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا آثارا عن بعض السلف رضی اللہ عنهم احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها وقد روی الامام احمد ههنا ایضا من روایة حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی اللہ تعالی عنه فیه غرابة ترکنا سیاقه ایضا

ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض اسلاف سے روایتیں نقل کی ہیں جن کو ہم نظرانداز کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ غلط ہیں اور امام احمد نے جو روایت باسناد حماد بن زید ثابت کی زبانی انس سے منقول ہے۔ ایک روایت نقل کی ہے جو غریب ہے ہم نے اوسکا بھی ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ بھی غریب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسوقت تک منافقون کا زور تھا حضرت عائشہ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہوگئے تھے جنکو شریعت کے مطابق سزائے قذف دی گئی۔ یہی وہ روایتین ہین جو بچی کھچی غیر محتاط کتابون مین باقی رہ گئین۔ لیکن وہ محدثین جنکا معیار تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہین۔ مثلاً امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ۔ ان کے ہان ان روایتوں کا ذکر تک نہین آتا۔ سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۳۲۷ لہ

اسلام کے ساتھ عیسائیوں کی عیب جوئی اور غلط گوئی کوئی نئی بات نہین ہے۔ مبلغین شریعت ہمیشہ ہدف ملامت بنتے چلے آئے ہیں۔ مخالفین اپنی فطرتی کج فہمی سے اون کے محاسن کو بھی بدنما صورتوں مین دکھلاتے آئے ہین۔ جناب زینب کا واقعہ بھی اسی کی مثال ہے۔ اس واقعہ مین منشاے قدرت مدعاے رسالت اور مقتضائے عدالت تو وہی تھا۔ جو بالتفصیل اوپر بیان ہوچکا ہے۔ معترضین کو اسکے اصلی مدعا سے تو کوئی غرض ہی نہیں ہے۔ اور نہ اسکے محاسن سے کوئی واسطہ۔ ہاں۔ جاہل مشرکین اور مفسد منافقین کے ہمزبان ہوکر۔ اس پر وہی اعتراض کرتے ہین جو مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ ان سے ہزار برس پہلے کرتے آئے ہیں۔ انکی ان تعریضات میں سوائے نفسانیت کے [illegible] ہے اور نہ حقیقت جیسا کہ تفصیل سے اوپر لکھدیا گیا ہے۔

واقعات متفرقہ (۱) عورتون کو پردے مین رکھنے کا اسی سال حکم ہوا۔

(۲) عورتون کو نقاب پوش ہوکر باہر نکلنے کی اجازت ملی۔

(۳) جہالت کی رسم تبنیت کی کامل تنسیخ فرمائی گئی۔

(۴) متبنّٰی لڑکے کی منکوحہ سے۔ اوسکے آزاد ہوجانے اور مدت عدت پوری ہوجانیکے بعد۔ نکاح کرنے کی اجازت عام دی گئی۔

لہ اسمیں کوئی کلام نہیں کہ طبری کی یہ روایت سراپا غلط ہے اور صریح معارض کلام احدیت اور مخالف شان رسالت۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ متقدمین ومتاخرین عیسائی متعصبین کے تمام اعتراضات کا مرکز بھی یہی ہے۔ لیکن شبلی صاحب نے اپنی تنقید کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنی قدیم عادت کے مطابق طبری ہی کو ہدف اعتراض اور سبب فساد بتلایا ہے حالانکہ آپ ہی کی آیندہ الفاظ و عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس غلط نگاری کی ابتدا بھی محدثین ومفسرین ہی سے قائم ہوئی ہے اور تفسیر ابن ابی حاتم رازی سے لیکر امام احمد بن حنبل کے مسند تک کے ایسے معتبر ومستند مجموعے ان موضوعات و مکذوبات سے بھرے پڑے ہیں۔ جب آپ کا یہ لکھنا کہ یہی روایتیں جو بچی کھچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئی ہیں "کیسے قابل تسلیم ہوسکتا ہے جب مسند امام احمد بن حنبل تک مین یہ خرافات موجود ہین تو آپ کے نزدیک مسند امام احمد بن حنبل بھی غیر محتاط کتابوں مین داخل ہوگئی۔ تو صحیح بخاری کی صحت کب قابل اعتبار رہ سکتی ہے جب اوسکے شیخ الشیوخ امام احمد بن حنبل صاحب خود غیر محتاط ثابت ہوتے ہیں۔ پس ایسا ان سے مستخرجات جو بخاری ومسلم جیسے حاکمان مجاز نے اپنی کتابوں میں داخل کئے ہیں کب قابل احتجاج و اعتبار ہوسکتے ہیں۔

بہرحال نہ ہم کو امام احمد بن حنبل کی تائید مطلوب ہے اور نہ بخاری ومسلم آپ کے حاکمان مجاز کی تنقید وتردید۔ ہم کو تو صرف اس حاسدانہ طرز بیان کی حقیقت کا انکشاف کرکے یہ دکھلا دینا مقصود تھا کہ یہ غلط روایت اکیلے طبری ہی نے نہین لکھی ہے بلکہ قریب قریب تمام محدثین ومفسرین کی تالیفات میں منقول ہے اس لئے تنہا طبری کو اسکی نقل واشاعت کے لئے ملزم ٹھہرانا مولفانہ دیانت اور محققانہ عدالت سے بعید ہے۔

المؤلف الاحقر
سید اولاد حیدر عفی عنہ

(۵) پرائی عورت پر غلط تہمت لگانے کے لئے حدّ قذف کا حکم ہوا

(۶) زن و شو کے درمیاں لعان کے طلاق مفارقت کا بھی اسی سال حکم دیا گیا۔ لعان قسم حلفی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے بیان پر جب شاہد صادق موجود نہ ہوں تو جانبین اپنے اپنے دعوے کی صداقت کی نسبت قسم شرعی کھائیں اور اس کے بعد دونوں میں تفرقہ کر دیا جاوے۔

(۷) دستور جہالت کے مطابق عرب میں ظہار بھی ایک قسم کی طلاق تھی۔ اسلام کی شان انصاف اور مقدار عدالت نے جانبین کی اس اتفاقی شکر رنجی اور نزاع لفظی کو طلاق شرعی کی اہمیت نہیں دی۔ اور صرف کفارہ (حقیقتاً غیظ و غضب کا بدل) کی ادا کاری کی حدّ تک رکھا۔ اس کفارہ کے نزول حکم کا بھی یہی سال محقق ہوتا ہے۔

غرضکہ یہ تمام تر سال حقوق نسواں میں مساوات و سہولیات کے قائم ہونے کا مبارک عنوان ثابت ہوتا ہے۔

بُرا ہو اُن بدبین نگاہوں کا جو ان واقعات کو دیکھکر بھی اسلام کو صنف نسواں کی نسبت شدت و جبر کا ملزم ٹھہراتے ہیں ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ۔۔۔ عیب نماید ہنر دیگران

(۸) اسی سال پانی نہ ملنے کی حالتوں میں تیمّم کا بھی حکم نازل ہوا۔

(۹) نماز خوف کا بھی اسی سال حکم ہوا۔

تمّت بالخیر

تمّ المجلد الثانی من السیرۃ المصطفویۃ الموسوم

بالاسوۃ الرسول صلوات وسلام علیہ

واللہ من رب القلوب والعقول

المولف الاحقر ۔۔۔ کوآتھ ضلع آرہ

سید اولاد حیدر عفی عنہ ۔۔۔ شریف عمارت

۹ شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ